الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

امام ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۔ پاکستان

الجامع لاحکام القرآن

معروف بہ

تفسیر قرطبی

جلد دہم

امام ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ

متن قرآن کا ترجمہ: جسٹس حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ

مُترجمین

مولانا ملک محمد بوستان — مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی

مولانا محمد انور مگھالوی — مولانا شوکت علی چشتی

زیرِ اہتمام

ادارہ ضیاء المصنفین بھیرہ شریف

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی ۰ پاکستان

نام کتاب	تفسیر قرطبی معروف بہ الجامع لاحکام القرآن (جلد دہم)
مفسر	امام ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر قرطبی رحمۃ اللہ علیہ
متن قرآن کا ترجمہ	حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری رحمۃ اللہ علیہ
مترجمین	مولانا ملک محمد بوستان، مولانا سید محمد اقبال شاہ گیلانی
	مولانا محمد انور مگھالوی، مولانا شوکت علی چشتی
	من علماء دارالعلوم محمدیہ غوثیہ، بھیرہ شریف
زیر اہتمام	ادارہ ضیاء المصنفین، بھیرہ شریف
ناشر	محمد حفیظ البرکات شاہ
	ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور
سال اشاعت	اکتوبر 2012ء، بار اول
کمپیوٹر کوڈ	QT54

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔37221953 فیکس:۔042-37238010

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔37247350۔فیکس042-37225085

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی

فون:۔021-32212011-32630411۔فیکس:۔021-32210212

e-mail:- info@zia-ul-quran.com

Website:- www.ziaulquran.com

فہرست مضامین

سورۃ الجن

(ایاتھا ۲۸) (۷۲ سورۃ الجن مکیۃ ۴۰) (رکوعاتھا ۲)

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے اس کی اٹھارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۙ يَّهْدِيْٓ اِلَى الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ ۭ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۙ وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۙ

''آپ فرمائیے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ بڑے غور سے سنا ہے (قرآن کو) جنوں کی ایک جماعت نے پس انہوں نے (جاکر دوسرے جنات کو) بتایا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہے راہ دکھاتا ہے ہدایت کی پس ہم (دل سے) اس پر ایمان لے آئے اور ہم ہرگز شریک نہیں بنائیں گے کسی کو اپنے رب کا اور بے شک اعلیٰ و ارفع ہے ہمارے رب کی شان، نہ اس نے کسی کو اپنی بیوی بنایا ہے اور نہ بیٹا''۔

اس ارشاد باری تعالیٰ میں پانچ مسائل ہیں:

کیا وحی سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جنوں کے آنے کی خبر تھی

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ۔ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت سے کہو: اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل امین کی زبان پر میری طرف وحی کی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے میری قراءت کو سنا۔ وحی سے قبل رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں آگاہ نہ تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے علماء نے یہی کہا ہے جیسا کہ ابھی آئے گا۔

ابن ابی عبلہ نے اسے اُحِيَ پڑھا ہے کہا ہے اَوْحیٰ اِلیہ و وَحیٰ الیہ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا ہے اسی کے موافق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (المرسلات) ہر وہ واؤ جو مضموم ہو اس میں قلب کا قاعدہ جاری کرنا جائز ہے مازنی نے واؤ مکسورہ میں بھی جائز قرار دیا ہے جیسے اِشاح، اِسادۃ، وِعَآءِ اَخِيْهِ (یوسف:76) وغیرہ میں ہے۔

کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو دیکھا یا نہیں

مسئلہ نمبر 2۔ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف منقول ہے کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنوں کو دیکھا تھا یا نہیں؟ قرآن حکیم کا ظاہر تو اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نہیں دیکھا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِسْتَمَعَ اور اللہ تعالیٰ

کا فرمان ہے: وَ اِذْ صَرَفْنَاۤ اِلَیْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ (الاحقاف: 29) صحیح مسلم اور ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ تو جنوں پر قرآن کو پڑھا اور نہ ہی انہیں دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں عکاظ کی منڈی کے ارادہ سے چلے جب کہ شیاطین اور آسمان کی خبر میں رکاوٹ پیدا کر دی گئی تھی، ان شیاطین پر شہاب پھینکے گئے اور شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے۔ ان کی قوم کے افراد نے پوچھا: تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ شیاطین نے کہا: ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان رکاوٹ ڈال دی گئی ہے اور ہمارے اوپر شہاب پھینکے گئے ہیں۔ قوم کے افراد نے کہا: یہ رکاوٹ پیدا نہیں ہوئی مگر ایسی چیز سے جو ابھی ابھی واقع ہوئی ہے پس تم مشرق و مغرب میں نکل جاؤ اور دیکھو وہ کیا چیز ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے؟ وہ مشرق و مغرب میں نکل کھڑے ہوئے۔ جنوں کی وہ جماعت جس نے تہامہ کا رخ کیا تھا وہ نخلہ کے مقام پر تھے اور عکاظ کی منڈی کا ارادہ رکھتے تھے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کو فجر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ جب جنوں نے قرآن کو سنا تو اس کی طرف کان لگائے اور کہا: یہی وہ چیز ہے جو ہمارے اور آسمان کی خبر کے درمیان حائل ہوئی ہے، پھر وہ اپنی قوم کی طرف پلٹ آئے انہوں نے کہا: اے ہماری قوم! ہم نے عجیب قرآن سنا ہے وہ ہدایت کی طرف راہنمائی کرتا ہے ہم اس پر ایمان لے آئے اور ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر اس وحی کو نازل فرمایا، فرما دیجئے: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے سنا(1)۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے، کہا: جنوں کی اپنی قوم سے یہ گفتگو ہوئی جب اللہ تعالیٰ کا بندہ اس کی عبادت کرنے کے لیے کھڑا ہوا تو وہ اس پر تہہ در تہہ جمع ہو گئے۔

کہا: جب جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز پڑھ رہے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدہ کے ساتھ سجدہ کر رہے تھے تو جن، صحابہ کی اس اطاعت کو دیکھ کر متعجب ہوئے انہوں نے اپنی قوم سے کہا: جب اللہ کا بندہ اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہوتا تو وہ اس پر بھیڑ کر لیتے تھے۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ اس حدیث میں یہ دلیل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنوں کو نہیں دیکھا لیکن جن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کو سنا۔ اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ جن اس وقت شیاطین کے ساتھ تھے جب شیاطین کو شہاب مارے گئے تو انہوں نے حقیقت حال کو جاننے کی جستجو کی۔ جن کو شہاب مارے گئے ان میں جن بھی تھے ان جنوں کو بھی شیاطین کہا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (الانعام: 112) کیونکہ شیطان ہر سرکش اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنے والی چیز کو کہتے ہیں۔

ترمذی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جن آسمانوں کی طرف چڑھتے، وحی سنتے جب وہ ایک کلمہ سنتے تو ان میں نو کلمات بڑھا لیتے وہ ایک کلمہ تو حق ہوتا اور اس میں جو زائد ملاتے وہ باطل ہوتا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہیں اپنی جگہوں پر بیٹھنے سے روک دیا گیا۔ اس بات کا ذکر انہوں نے ابلیس سے کیا اس سے قبل انہیں ستاروں سے نہیں مارا

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جا تا تھا۔ ابلیس نے انہیں کہا: یہ ایسا نہیں ہوا مگر زمین میں کوئی واقعہ رونما ہوا ہے۔ اس نے اپنے لشکر بھیجے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دو پہاڑوں (میرا خیال ہے انہوں نے مکہ کہا تھا) کے درمیان نماز پڑھتے ہوئے پایا وہ ابلیس کے پاس آئے اور اسے خبر دی۔ اس نے کہا: یہی وہ واقعہ رونما ہوا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جنوں کو شہابیے مارے گئے جس طرح شیاطین کو شہابیے مارے گئے۔

سدی کی روایت میں ہے: انہیں شہابیے مارے گئے، وہ ابلیس کے پاس آئے اور اپنے ساتھ وقوع پذیر ہونے والے معاملہ کی خبر دی اس نے کہا: ہر علاقہ سے مٹھی بھر مٹی میرے پاس لاؤ جسے میں سونگوں گا۔ وہ مٹی اس کے پاس لے آئے اس نے مٹی کو سونگھا اس نے کہا: تمہارے اس معاملہ کا باعث مکہ مکرمہ میں ہے۔ اس نے جنوں کی ایک جماعت بھیجی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ جن سات تھے۔ ایک قول کیا گیا: وہ نو تھے، ان میں زوبعہ تھا۔ عاصم نے زر سے روایت نقل کی ہے کہ زوبعہ کی جماعت اور اس کے ساتھی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ثمالی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے وہ بنی شیصبان سے تعلق رکھتے تھے یہ تعداد کے اعتبار سے سب سے زیادہ اور شوکت کے اعتبار سے سب سے قوی تھے، عام طور پر یہی ابلیس کے لشکر ہوتے تھے۔

عاصم نے زر سے یہ بھی روایت نقل کی ہے: وہ سات افراد تھے تین اہل حران سے اور چار اہل نصیبین سے تعلق رکھتے تھے۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: وہ نو تھے جو اہل نصیبین سے تعلق رکھتے تھے (یہ یمن کی ایک بستی ہے جو عراق (2) کی بستی سے مختلف ہے)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو جن مکہ مکرمہ میں آئے وہ نصیبین کے تھے اور جو جن نخلہ کے مقام پر آئے وہ نینویٰ کے تھے۔ اس کا ذکر سورۃ الاحقاف میں گزر چکا ہے۔

عکرمہ نے کہا: وہ سورت جسے رسول اللہ ﷺ پڑھا کرتے تھے وہ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ (العلق: 1) تھی۔ سورۃ الاحقاف میں نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ کی وضاحت ہو چکی ہے، یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبی کریم ﷺ نے جنوں والی رات میں جنوں کو دیکھا تھا۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے۔ عامر شعبی نے کہا: میں نے علقمہ سے پوچھا: کیا جنوں والی رات میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے؟ علقمہ نے کہا: میں نے حضرت ابن مسعود سے پوچھا، میں نے کہا: کیا تم میں سے کوئی جنوں والی رات رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا، انہوں نے جواب دیا: نہیں، لیکن ایک رات ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا، ہم نے آپ ﷺ کو وادیوں اور گھاٹیوں میں تلاش کیا۔ ہم نے کہا: آپ ﷺ کو کوئی اڑا کر لے گیا ہے یا آپ کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے وہ رات ایسی بری گزاری جیسی کوئی قوم گزار سکتی ہے۔ جب صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3247، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ نصیبین کا ذکر معجم بکری، یاقوت کی معجم بلدان اور قاموس میں نہیں ہے۔

غار حراء کی جانب سے آرہے تھے ہم نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم نے آپ ﷺ کو گم پایا، ہم نے آپ ﷺ کو تلاش کیا اور نہ پایا تو ہم نے وہ رات ایسی اذیت میں گزاری جس اذیت میں کوئی قوم گزار سکتی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میرے پاس جنوں کا داعی آیا، میں اس کے ساتھ گیا تو ان پر قرآن حکیم کو پڑھا''۔ نبی کریم ﷺ ہمیں لے گئے آپ ﷺ نے ہمیں ان کے آثار اور ان کی آگ کے آثار دکھائے۔ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے زادراہ کا سوال کیا جب کہ وہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ ہڈی جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہوگا وہ تمہارے ہاتھ لگے تو تمہارے لیے اس پر بہت زیادہ گوشت ہوگا اور ہر مینگنی تمہارے چوپاؤں کا چارہ ہوگی''۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے فرمایا: ''ان دونوں چیزوں کے ساتھ استنجا نہ کیا کرو کیونکہ یہ تمہارے جن بھائیوں کی خوراک ہیں''۔

ابن عربی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی بنسبت زیادہ جانتے تھے کیونکہ انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا اور حضرت ابن عباس نے اس کے بارے میں سنا اور خبر معائنہ جیسی نہیں ہوسکتی۔

لیکن قول یہ کیا گیا ہے: جن دو دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آئے ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں آئے، حضرت ابن مسعود نے اسی کا ذکر کیا ہے۔ دوسری دفعہ نخلہ میں آئے جس کا ذکر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کیا ہے۔

امام بیہقی نے کہا: جس واقعہ کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ہے یہ پہلی دفعہ تھی جب جنوں نے نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنا اور آپ ﷺ کے احوال سے آگاہ ہوئے۔ اس وقت نبی کریم ﷺ نے نہ ارادۃً ان پر قرآن پڑھا اور نہ ہی انہیں دیکھا جس طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے۔ پھر دوسری دفعہ جنوں کا داعی آپ ﷺ کے پاس آیا، آپ ﷺ اسی کے ساتھ تشریف لے گئے اور ان کو قرآن سنایا جس طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے حکایت بیان کی ہے۔

امام بیہقی نے کہا: صحیح احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ جنوں والی رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔ یہ اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ چلے تھے جب رسول اللہ ﷺ انہیں اور دوسرے لوگوں کو ساتھ لے گئے تھے تاکہ انہیں جنوں کے آثار اور ان کی آگ کے آثار دکھائیں۔

کئی سندوں سے یہ بھی مروی ہے کہ اس رات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے یہ بحث سورۃ الاحقاف میں گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں جنوں پر قرآن حکیم پڑھوں تم میں سے میرے ساتھ کون جائے گا؟ صحابہ کرام خاموش رہے پھر دوسری دفعہ فرمایا پھر تیسری دفعہ فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے عرض کی: یارسول اللہ! میں آپ ﷺ کے ساتھ جاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ چلے یہاں تک کہ حجون کے مقام پر آئے جو شعب ابی دب کے پاس ہے، آپ ﷺ نے میرے اردگرد ایک خط کھینچا فرمایا: ''اس سے باہر نہ نکلنا'' پھر آپ ﷺ حجون کی طرف چلے گئے تو آپ ﷺ پر حجلہ عروسی جیسی چیزیں اتریں وہ اپنے قدموں سے نچلی جانب پتھر گرا

رہے تھے وہ چل رہے تھے وہ اپنے دفوں کو بجا رہے تھے جس طرح عورتیں دف بجاتی ہیں انہوں نے آپ ﷺ کو ڈھانپ لیا تو میں آپ ﷺ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ میں کھڑا ہوا تو آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے مجھے اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ۔ آپ ﷺ نے قرآن حکیم کی تلاوت کی آپ ﷺ کی آواز لگاتار بلند ہوتی رہی اور وہ جن زمین کے ساتھ چمٹ گئے یہاں تک کہ میں انہیں دیکھ نہیں سکتا تھا جب آپ ﷺ میری طرف لوٹے۔ فرمایا: کیا تو نے میرے پاس آنے کا ارادہ کیا تھا؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! فرمایا: ''یہ تیرے لیے مناسب نہیں تھا یہ جن قرآن سننے آئے تھے پھر وہ اپنی قوم کی طرف اس حال میں لوٹے کہ وہ خبردار کرنے والے تھے۔ انہوں نے مجھ سے زادراہ کا سوال کیا تو میں نے انہیں ہڈیاں اور لید زادراہ کے طور پر دیئے پس تم میں سے کوئی بھی ہڈی اور لید کے ساتھ استنجا نہ کرے''۔

عکرمہ نے کہا: وہ جزیرہ موصل کے بارہ ہزار تھے۔ ایک روایت میں ہے: نبی کریم ﷺ مجھے لے گئے یہاں تک کہ جب ہم اس مسجد میں آئے جو بنی عوف کے باغ کے پاس ہے تو آپ نے میرے لیے خط کھینچا تو ان میں سے ایک جماعت آپ ﷺ کے پاس آئی۔ ہمارے ساتھیوں نے کہا: گویا وہ زطی (1) لوگ ہیں گویا ان کے چہرے مکوک (2) ہیں۔ انہوں نے پوچھا: آپ کیا ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں اللہ کا نبی ہوں''۔ انہوں نے کہا: اس دعویٰ پر کون آپ ﷺ کی گواہی دے گا؟ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''یہ درخت''۔ حکم دیا: ''اے درخت!'' وہ درخت جڑیں گھسیٹتا ہوا آیا اس کی شدید آواز آرہی تھی یہاں تک کہ وہ درخت آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا پوچھا: ''تو کس چیز پر گواہی دیتا ہے؟'' درخت نے عرض کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ وہ لوٹ گیا جس طرح آیا تھا جب کہ وہ اپنی جڑوں کے ساتھ پتھر بھی کھینچ کر لے جا رہا تھا، اس کی شدید آواز تھی یہاں تک کہ وہ اسی حالت میں کھڑا ہو گیا جس طرح پہلے تھا (3)۔

پھر روایت کی گئی ہے: جب رسول اللہ ﷺ فارغ ہوئے تو آپ ﷺ نے اپنا سر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی گود میں رکھا اور سو گئے پھر بیدار ہوئے پوچھا: ''کیا پانی ہے؟'' حضرت ابن مسعود نے عرض کی: نہیں، مگر میرے پاس ایک برتن ہے جس میں نبیذ ہے۔ فرمایا: ''یہ تو کھجور اور پانی ہے'' تو آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا۔

کس پانی کے ساتھ استنجا کرنا جائز ہے

مسئلہ نمبر 3۔ سورۂ حجر میں پانی کے بارے میں اور سورۂ براءت میں اس چیز کا ذکر گزر چکا ہے جس سے استنجا کیا جاتا ہے تو یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

جنوں کی حقیقت کے بارے میں علماء کا اختلاف

مسئلہ نمبر 4۔ جنوں کی حقیقت کے بارے میں اہل علم نے اختلاف کیا ہے، اسماعیل نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ جن ابلیس کی اولاد ہیں اور انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ ان میں سے اور ان میں سے مومن

1۔ ہنود کی ایک جنس ہے جن کے رنگ سیاہی مائل ہیں۔

2۔ یہ ایسا برتن ہے جس سے پانی پیا جاتا ہے اس کے اوپر والا حصہ تنگ اور درمیان والا کھلا ہوتا ہے۔　　3۔ اخبار مکہ، الفاکہی، 2319

اور کافر ہیں، وہ ثواب اور عقاب میں شریک ہیں، ان میں سے اور ان میں سے جو مومن ہے وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے، ان میں سے اور ان میں سے جو کافر ہے وہ شیطان ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جن، جان کی اولاد ہیں وہ شیاطین نہیں، وہ ایمان لاتے ہیں، ان میں سے کچھ مومن اور کچھ کافر ہوتے ہیں۔ شیاطین، ابلیس کی اولاد ہیں وہ ابلیس کے ساتھ ہی مریں گے جس طرح جنوں کی اصلیت کے بارے میں اختلاف ہے جنوں میں سے مومنوں کے جنت میں داخل ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ جس نے یہ گمان کیا کہ وہ جنوں میں سے ہے ابلیس کی نسل سے نہیں اس نے کہا: وہ اپنے ایمان کے ساتھ جنت میں داخل ہوگا جس نے کہا: وہ ابلیس کی اولاد میں سے ہے اس کے ان کے بارے میں دو قول ہیں (۱) یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے: وہ جنت میں داخل ہوں گے۔ (۲) یہ مجاہد کی روایت ہے: وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اگر چہ وہ جہنم سے دور کیے جائیں گے؛ ماوردی نے اسے حکایت کیا ہے۔ یہ قول سورۃ الرحمٰن میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۝ کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔ اس میں یہ وضاحت ہے کہ جن جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔

جنوں کے کھانے، پینے کے بارے میں پایا جانے والا اختلاف

مسئلہ نمبر 5۔ بیہقی نے اپنی روایت میں ذکر کیا ہے کہ جنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زاد کے بارے میں سوال کیا، وہ جزیرہ کے جن تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''تمہارے لیے ہر ہڈی زاد راہ ہے'' یہ ارشاد اس امر پر دلیل ہے کہ وہ کھاتے ہیں۔ اطباء اور فلاسفہ میں سے کافروں کی جماعت نے جنوں کا انکار کیا ہے انہوں نے کہا: جن بسیط ہیں، ان کا کھانا پینا ثابت نہیں۔ حقیقت میں ان کا یہ قول اللہ تعالیٰ کی ذات پر جرأت اور افتراء ہے، قرآن و سنت ان کا رد کرتے ہیں مخلوقات میں سے کوئی بھی چیز نہیں جو بسیط، مرکب اور جوڑا بھی ہو۔ واحد تو صرف سبحانہ وتعالیٰ ہے اس کا غیر مرکب ہے وہ واحد نہیں اس کا حال کیسا بھی ہو۔ یہ کوئی ممتنع امر نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھیں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتوں کو دیکھا اکثر طور پر وہ ہمارے سامنے سانپوں کی صورت اختیار کرتے ہیں۔ موطا امام مالک میں ہے: ایک آدمی کی شادی کو تھوڑا عرصہ گزرا تھا اس نے دوپہر کو اپنے گھر جانے کی اجازت چاہی، اس حدیث میں ہے: وہ کیا دیکھتا ہے کہ ایک بڑا سانپ اس کے بستر پر لپٹا ہوا ہے اس صحابی نے نیزہ لے کر وار کیا اور اسے نیزے میں پرو لیا۔ اور حدیث ذکر کی (1)۔

صحیح میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان گھروں کے عوامر (بڑی عمر والے سانپ) ہیں جب تم ان میں سے کوئی چیز دیکھو تو تین دفعہ ان پر تنگی کرو اگر وہ چلا جائے تو ٹھیک ورنہ اسے قتل کر دو کیونکہ وہ جن کافر ہوگا''۔ فرمایا: ''جاؤ اپنے ساتھی کو دفن کر دو'' یہی چیز اور ان پر تحریج (تنگ کرو) کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ یہ حکم مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہے کیونکہ صحیح میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فرمان منقول ہے: ''مدینہ طیبہ کے جن مسلمان ہو چکے ہیں'' یہ الفاظ مدینہ طیبہ کے ساتھ خاص ہیں یہ اس کے حکم کے ساتھ بھی خاص ہو گئے۔

ہم کہتے ہیں: مدینہ طیبہ کے علاوہ کا بھی یہی حکم ہے کیونکہ یہاں علت مدینہ طیبہ کی حرمت بیان نہیں کی گئی کہ یہ حکم اس کے

1۔ احکام القرآن للطبری

ساتھ مخصوص ہوتا یہاں اس کی علت اسلام قرار دی گئی ہے یہ اس کے غیر میں بھی عام ہے کیا تم رسول اللہ ﷺ کا وہ ارشاد نہیں دیکھتے جس میں آپ ﷺ اس جن کی خبر دیتے ہیں جو آپ ﷺ سے ملا تھا، وہ جزیرہ کے جن تھے۔ یہ واضح ہے جس کی تائید حضور ﷺ کا یہ ارشاد بھی کرتا ہے: ونھی عن عوامر البیوت یہ عام ہے اس کے متعلق گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے اس لیے دوبارہ گفتگو کی کوئی ضرورت نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ۝ میں عَجَبًا سے مراد یہ ہے وہ اپنے کلام کی فصاحت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنے مواعظ کی بلاغت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنی برکت کی عظمت میں عجیب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قرآن غالب ہے اس کی مثل نہیں پائی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اسے عظیم خیال کرتے ہیں۔ یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ امور کے بہترین پہلوؤں کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور یَّهْدِیْٓ کا فعل ترکیب کلام میں صفت بن گیا یعنی ھادیا کے معنی میں ہے فَاٰمَنَّا بِهٖ یعنی ہم اس کے ذریعے ہدایت یافتہ ہوئے اور ہم نے یہ تصدیق کی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے۔ وَلَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا ۝ یعنی ہم ابلیس کی طرف نہ لوٹیں گے اور ہم اس کی اطاعت نہیں کریں گے، کیونکہ شیطان نے ہی انہیں بھیجا تھا کہ وہ اس کے پاس خبر لائیں پھر جنوں کو شہابیوں سے مارا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو معبود نہیں بنائیں گے کیونکہ وہ ربوبیت میں یکتا ہے۔ اس میں مومنوں کو اس امر پر تعجب دلایا جا رہا ہے کہ قریش میں سے مشرک اس کو نہ سمجھ سکے جس کا ادراک جنوں نے قرآن حکیم میں تدبر کر کے کر لیا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ سے مراد یہ ہے انہوں نے نبی کریم ﷺ کی آواز کو سنا اور وہ جان گئے کہ جو آپ ﷺ پڑھ رہے ہیں وہ اللہ کا کلام ہے۔ جس کو سنا اس کا ذکر نہ کیا کیونکہ حال اس پر دلالت کرتا ہے۔ نَفَرٌ کا معنی جماعت ہے۔ خلیل نے کہا: تین سے لے کر دس تک کے افراد کو نفر کہتے ہیں۔ عیسیٰ ثقفی نے کہا: رَشد راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا میں علقمہ، یحییٰ، اعمش، حمزہ، کسائی، ابن عامر، خلف اور سلمی نے ان کو سورت میں بارہ مواقع پر ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے وہ مقامات یہ ہیں وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا، وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ، وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ، وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ، وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا، وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ، وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ، وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْٓ، وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ، وَّ اَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ، وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰٓى، وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ ان کا عطف اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ پر ہے اس میں ہمزہ پر فتحہ کے سوا کوئی صورت درست نہیں کیونکہ یہ اُوْحِيَ کے نائب فاعل کے محل میں ہے اور اس کا مابعد اس کا معطوف ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ سب فَاٰمَنَّا بِهٖ میں ھا پر محمول ہے یعنی ان سے پہلے باء حرف جار ہے یہ جائز ہے اور حرف جار کی کثرت کی وجہ سے ان کے ساتھ حرف جار مضمر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہم نے یہ تصدیق کی کہ ہمارا رب عظیم ہے۔

باقی قراء نے سب کو ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہی صحیح ہے؛ ابوعبیدہ اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا اور اسے فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا کا معطوف قرار دیا کیونکہ یہ سب جنوں کا کلام ہے۔ جہاں تک ابوجعفر اور شیبہ کا تعلق ہے ان دونوں نے تین مواقع پر

اَنَّ کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے وہ یہ مواقع ہیں وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا، وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ، وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ۔ دونوں نے کہا: یہ وہ جملے ہیں جو اوحی سے متعلق ہیں یعنی وحی سے ہیں اور باقی ماندہ میں ان کے ہمزہ کو کسرہ دیا کیونکہ وہ جنوں کا کلام ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ کا تعلق ہے سب قراء نے اس میں ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے مگر نافع، شیبہ، زر بن حبیش، ابوبکر اور مفضل نے عاصم سے یہی روایت نقل کی ہے انہوں نے ہمزہ کو کسرہ ہی دیا ہے کوئی اور حرکت نہیں دی۔ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ، وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا اور وَّ اَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا میں ہمزہ کو فتحہ دینے میں کوئی اختلاف نہیں اسی طرح قول کے بعد اس کے ہمزہ کو کسرہ دینے میں بھی کوئی اختلاف نہیں جس طرح فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا، قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ، قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اور قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ ان مقامات میں ان کے ہمزہ کو کسرہ دیا جاتا ہے اسی طرح وہ مقامات جہاں ان فاجزائیہ کے بعد آتا ہے اس کے ہمزہ کو کسرہ دینے میں کوئی اختلاف نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ (توبہ:63) فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ کیونکہ یہ ابتدا کے مواقع ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا لغت میں جد سے مراد عظمت اور جلال ہے اس معنی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: جب ایک آدمی سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران یاد کر لیتا ہے تو ہماری آنکھوں میں عظیم ہو جاتا ہے۔ جَدُّ رَبِّنَا کا معنی ہے ہمارے رب کی عظمت اور جلال؛ عکرمہ، مجاہد اور قتادہ نے یہ کہا ہے۔ مجاہد سے یہ معنی بھی منقول ہے: اور اس کا ذکر بلند ہے۔

حضرت انس بن مالک، حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے جَدُّ کا معنی غنا کیا ہے۔ عکرمہ سے یہ قول بھی منقول ہے کہ حظ (حصہ) کو جد کہتے ہیں رجل مجدود یعنی ایسا آدمی جس کا حصہ معین کر دیا گیا ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے: لا ینفع ذا الجد منک الجد۔ کسی حصہ والے کو تیرے مقابلہ میں حصہ نفع نہ دے گا۔

ابوعبیدہ اور خلیل نے کہا: حدیث میں جد، غنا کے معنی میں ہے، یعنی کسی مالدار کو مال تیری پکڑ کے مقابلہ میں نفع نہ دے گا بے شک اسے طاعت ہی نفع دے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کا معنی قدرت ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی فعل ہے۔ قرظی اور ضحاک نے یہ بھی کہا: اس سے مراد مخلوق پر اس کی نعمتیں اور احسانات ہیں۔ ابوعبیدہ اور اخفش نے کہا: اس کا معنی اس کی بادشاہت ہے۔ سدی نے کہا: اس کا معنی اس کا امر ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا مطلب ہے ہمارا رب بلند و بالا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اس جد سے مراد دادا لیا اور یہ جنوں کا قول ہے جنہوں نے ہر بات جہالت کی وجہ سے کی تو اس پر ان کا مواخذہ نہ کیا گیا۔ قشیری نے کہا: لفظ جد کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں ذکر کرنا جائز ہے اور جائز نہ ہوتا تو قرآن حکیم میں اس کا ذکر نہ ہوتا مگر یہ لفظ وہم دلاتا ہے اس سے اجتناب بہتر ہے۔ عکرمہ کی قراءت میں یہ جیم کے کسرہ کے ساتھ ہے جو ہنسی مذاق کی ضد ہے، اسی طرح ابوحیوہ اور محمد بن سمیقع نے پڑھا۔ ابن سمیقع اور ابواشہب نے جَدًا ربُنا پڑھا ہے جس کا معنی منفعت ہے۔ عکرمہ نے اسے تنوین کے ساتھ جدًا پڑھا ہے ربُنا کو رفع کے ساتھ مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ تعالیٰ کا فاعل ہے اور جدًا تمیز کی حیثیت سے منصوب ہے۔ عکرمہ سے جد مرفوع، تنوین کے ساتھ اور تنوین کے بغیر نقل کیا گیا ہے اور رَبُّنَا کو مرفوع نقل کیا گیا ہے تقدیر کلام یوں ہو گی تعالیٰ جدٌ جدٌ ربنا۔ دوسرا جد پہلے جد سے بدل ہے۔ اسے حذف کیا گیا اور

مضاف الیہ کو اس کے قائم مقام رکھ دیا گیا۔ آیت کا معنی یہ ہے ہمارے رب کا جلال اس سے بالا ہے کہ وہ کسی کو بیوی اور بیٹا بنائے تا کہ ان سے مایوسی ہو اور اسے ان کی حاجت ہے، رب ند اور نظیر سے ماوراء ہے۔

وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۟ۙ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۟ۙ وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۟ۙ وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۟

''اور (یہ راز بھی کھل گیا کہ) ہمارے احمق اللہ کے بارے ناروا باتیں کہتے رہے اور ہم تو یہ خیال کیے ہوئے تھے کہ انسان اور جن اللہ کے بارے میں کبھی جھوٹ نہیں بول سکتے اور یہ کہ انسانوں میں سے چند مرد پناہ لینے لگے جنات میں سے چند مردوں کی پس انہوں نے بڑھا دیا جنوں کے غرور کو اور ان انسانوں نے بھی یہ گمان کیا جیسے تم گمان کرتے ہو کہ اللہ کسی کو رسول بنا کر مبعوث نہیں کرے گا''۔

اللہ کے فرمان: وَّ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۟ میں اَنَّهٗ کی ہ ضمیر امر کے لیے ہے یا حدیث کے لیے اور کان میں ضمیر اس کا اسم ہے اور مابعد کَانَ کی خبر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ کَانَ زائدہ ہو۔ مجاہد، ابن جریج اور قتادہ کے قول میں: یہاں سفیہ سے مراد ابلیس ہے۔ حضرت ابو ہریرہ بن ابو موسیٰ نے اپنے باپ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں میں سے مشرک مراد ہیں۔ قتادہ نے کہا: جنوں کے سفیہ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جس طرح انسانوں کے سفیہ نے اس کی نافرمانی کی۔ شطط اور اشتطاط سے مراد کفر میں غلو ہے۔ ابو مالک نے کہا: اس سے مراد ظلم ہے۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد جھوٹ ہے۔ اس کا اصل معنی دوری ہے، ظلم کو اس کے ساتھ تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ وہ عدل سے دور ہوتا ہے۔ جھوٹ کو اس سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ یہ سچائی سے دور ہوتا ہے۔ شاعر کا قول ہے:

بأيَّةِ حالٍ حكموا فيك فاشتطُوا　　وما ذاكَ إلا حيثُ يمّمكَ الوَخْطُ

کس حال میں انہوں نے تیرے بارے فیصلہ کیا اور ظلم کیا اور یہ فیصلہ نہیں تھا مگر اس وقت جب بڑھاپے نے تیرا قصد کیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ کا معنی ہے ہم نے گمان کیا کہ انسان اور جن اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں بولیں گے اسی وجہ سے ہم نے انکی اس بات میں تصدیق کی کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی اور بچہ ہے یہاں تک کہ ہم نے قرآن سنا اور اسکے ذریعے حق کو پہچانا۔

یعقوب، جحدری اور ابن ابی اسحاق نے لَنْ تَقَوَّلَ پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنوں سے یہاں خبروں کا سلسلہ منقطع ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ جس قاری نے ان کے ہمزہ کو فتحہ دیا ہے اس نے اسے اَنَّهُ اسْتَمَعَ کی طرف لوٹایا ہے اور جس نے ہمزہ کسرہ دیا ہے اس نے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے کی گئی کلام قرار دیا ہے۔ اس سے مراد وہ قول ہے جو ایک آدمی اس وقت کرتا جب وہ کسی وادی میں اترتا أعوذ بسید ھذا الوادی من شر سفھاء قومه میں اس وادی کے سردار کی اس کی قوم کے بے وقوفوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں۔ وہ آدمی اس سردار کی پناہ میں رات گزارتا یہاں تک کہ صبح کرتا؛ یہ تعبیر حضرت حسن بصری، ابن زید اور دوسرے علماء نے کی ہے۔ مقاتل نے کہا: سب سے پہلے اہل

یمن کی ایک جماعت نے جنوں کی پناہ چاہی، پھر بنو حنیفہ نے جنوں کی پناہ چاہی پھر یہ طریقہ عربوں میں عام ہوگیا۔ جب اسلام آگیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی اور جنوں کو ترک کر دیا۔

کردم بن ابی سائب نے کہا: میں اپنے والد کے ساتھ مدینہ طیبہ جانے کے لیے نکلا یہ پہلا موقع تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہوا تھا، رات نے ہمیں ایک چرواہے کی پناہ لینے پر مجبور کیا جب نصف رات ہوئی تو بھیڑیا آیا اس نے ایک بکری اٹھائی۔ چرواہے نے کہا: اے وادی میں طویل عرصہ سے رہنے والے! میں تیری پناہ چاہتا ہوں۔ ایک منادی نے اعلان کیا: اے سرحان! اسے چھوڑ دے، تو وہ میمنہ دوڑتا ہوا آیا جب کہ اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ میں اپنے رسول پر اس آیت کو نازل کیا تھا: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا ۙ یعنی جنوں نے انسانوں کی گمراہی اور گناہ میں اضافہ کیا؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ رھق کا لفظ عربی زبان میں گناہ اور محرمات پر چھا جانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور رجل رھق اس وقت بولتے ہیں جب کوئی اس طرح ہو، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (یونس: 27) ذلت ان پر چھا جاتی ہے۔

اعمش نے کہا:

لاشیَ ینفعنی مِنْ دونِ رؤیتِها　　هل یَشْتَفِی وامِقٌ مالم یُصِب رَهَقًا

اس کے دیدار کے بغیر کوئی چیز مجھے نفع نہیں دیتی کیا عاشق شفایاب ہو سکتا ہے جب کہ وہ گناہ کو نہ پہنچا ہو۔

یہاں زیادتی کے فعل کو جنوں کی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ وہ جن اس کا سبب تھے۔ مجاہد نے بھی یہی کہا ہے کہ انسانوں نے جنوں سے پناہ مانگ کر جنوں کی سرکشی میں اضافہ کیا یہاں تک کہ جنوں نے کہا: ہم انسانوں اور جنوں کے سردار بن گئے۔

قتادہ، ابو عالیہ، ربیع اور ابن زید نے یہ تعبیر کی ہے: اس طرح انسان، جنوں سے زیادہ ڈرنے لگے۔ سعید بن جبیر نے اس کا معنی کفر کیا۔ اس میں کوئی خفا نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ چھوڑ کر جنوں کی پناہ لینا کفر و شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رجال کے لفظ کا اطلاق جنوں پر نہیں ہوتا انسانوں میں سے کچھ لوگ جنوں کے شر سے بچنے کے لیے انسانوں میں سے ہی کچھ لوگوں کی پناہ چاہتے مثلاً انسانوں میں سے کوئی یہ کہتا: میں اس وادی کے جن کے شر سے حذیفہ بن بدر کی پناہ چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا ۙ یہ اللہ تعالیٰ کا انسانوں کے لیے کلام ہے کہ جنوں نے یہ گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ مخلوقات کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا جس طرح تم نے گمان کیا۔ کلبی نے کہا: معنی ہے جنوں نے گمان کیا جس طرح انسانوں نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی طرف رسول مبعوث نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس رسول کے ذریعے ان پر حجت تمام کرے گا۔ یہ سب قریش پر دلیل قائم کرنے کی تاکید ہے یعنی جب یہ جن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آتے ہیں تو تم ان پر ایمان لانے کے زیادہ مستحق ہو۔

وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّ شُهُبًا ۙ وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ وَّ اَنَّا لَا نَدْرِیْۤ اَشَرٌّ

أُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝

''اور (سنو) ہم نے ٹٹولنا چاہا آسمان کو تو ہم نے اس کو سخت پہروں اور شہابوں سے بھرا ہوا پایا اور ہم تو پہلے بیٹھ جایا کرتے تھے اس کے بعض مقامات پر سننے کے لیے لیکن اب جو جن سننے کی کوشش کرے گا تو وہ پائے گا اپنے لیے کسی شہاب کو انتظار میں اور ہم نہیں سمجھتے اس کی کیا وجہ ہے کیا کسی شر کا ارادہ کیا جا رہا ہے زمین کے مکینوں کے بارے میں یا ان کے رب نے ان کو ہدایت دینے کا ارادہ فرمایا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ یہ جنوں کا قول ہے یعنی ہم نے اس کی خبر جاننا چاہی جس طرح ہماری عادت تھی تو ہم نے اسے پایا کہ وہ فرشتوں سے بھرا ہے۔ حَرَس، حارس کی جمع ہے اور شُهُب، شِهاب کی جمع ہے وہ ستاروں کا ٹوٹنا ہے جو انہیں چوری چھپے باتیں سننے پر جلاتے ہیں اس بارے میں گفتگو سورۂ حجر اور صافات میں گزر چکی ہے۔ وجد کے بارے میں یہ جائز ہے کہ اسے دو مفعولوں کی طرف متعدی مانا جائے ان دو میں سے پہلا مفعول ھا ضمیر ہے اور مُلِئَتْ اس کے دوسرے مفعول کے محل میں ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہو اور مُلِئَتْ، قد کے مضمر ماننے کے ساتھ حال ہو۔ حرسا، ملئت کا مفعول ثانی ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اور شَدِيْدًا، حرس کی صفت ہے یعنی وہ طاقتور فرشتوں سے بھرا ہوا ہے۔ حرس کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے شدید کو واحد ذکر کیا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: السلف الصالح، صالحین کے معنی میں ہے سلف کی جمع اسلاف اور حرس کی جمع احراس ہے امرء القیس کا قول ہے:

تجاوزتُ أحراسا و أهوال مَعْشَرٍ

میں نگہبانوں اور جماعت کی خوفناک چیزوں سے آگے گزر گیا۔

یہ بھی جائز ہے کہ حرس مصدر ہو اور یہ حَرِست حراسة شديدةً کے معنی میں ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ۭ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۝ میں ھا ضمیر سے مراد السماء ہے اور مقاعد ان جگہوں کو کہتے ہیں جن کی مثل میں اس لیے بیٹھا جاتا ہے تاکہ آسمان کی خبروں کو سنا جائے یعنی سرکش جن یہ کام اس لیے کرتے تھے تاکہ فرشتوں سے آسمان کی خبریں سنیں یہاں تک کہ وہ خبریں کاہنوں کو القاء کریں جیسے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو مبعوث کیا تو اللہ تعالیٰ نے جلانے والے شہابیوں کے ساتھ ان کی نگہبانی کا اہتمام فرمایا۔ جنوں نے اس وقت کہا: فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا شہاب سے مراد جلانے والا ستارہ ہے۔ اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ستاروں کا ٹوٹنا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ہوا۔ یہ آپ کے معجزات میں سے ایک معجزہ ہے۔ سلف صالحین میں اس بارے میں اختلاف ہے کیا شیاطین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی شہابیے مارے جاتے تھے یا ایسا امر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لیے ہوا؟ کلبی نے کہا: ایک قوم نے کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے درمیانی عرصہ یعنی فترت کے زمانہ میں جو تقریباً پانچ سو سال پر محیط ہے آسمان کی نگہبانی نہیں کی جاتی تھی جب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو تمام آسمانوں کو ممنوعہ قرار دے دیا گیا

اور فرشتوں اور شہابیوں سے ان کی حفاظت کی گئی۔

میں کہتا ہوں: اسے عطیہ عوفی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا، بیہقی نے اس کا ذکر کیا اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کا دن آیا تو شیاطین کو روک دیا گیا اور ان کو شہابیے مارے گئے۔

عبدالملک بن سابور نے کہا: حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیانی عرصہ یعنی فترت کے دور میں آسمان کی نگہبانی نہیں کی جاتی تھی جب حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو مبعوث کیا گیا تو آسمان کی نگہبانی کی گئی اور شیاطین کو شہابیوں سے مارا گیا اور آسمان کے قریب ہونے سے انہیں روک دیا گیا۔

نافع بن جبیر نے کہا: فترت کے دور میں شیاطین سنا کرتے تھے اور انہیں شہابیوں سے نہیں مارا جاتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے تو انہیں شہابیوں سے مارا گیا۔ اسی قسم کا قول حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہا: جب سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمانوں پر اٹھایا گیا تو کسی کو شہابیے نہیں مارے گئے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو ان شیاطین کو مارا جانے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے پہلے بھی تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے اضافہ کر دیا گیا اللہ تعالیٰ کے فرمان: مُلِئَتْ کا یہی معنی ہے یعنی اس کی نگہبانی میں اضافہ کر دیا گیا۔ اوس بن حجر نے کہا، جب کہ وہ دور جاہلیت کا شاعر ہے:

فانقض کالدُّرّی یتبعهٗ نقعٌ یثورُ تخالُه طُنُبًا

یہ اکثر لوگوں کا قول ہے۔ جاحظ نے اس شعر کا انکار کیا اور کہا: ہر وہ شعر جو اس بارے میں روایت کیا گیا ہے وہ من گھڑت ہے اور اس نے اس بات کا بھی انکار کیا کہ بعثت سے قبل شیاطین کو نہیں مارا جاتا تھا جب کہ شیاطین کو مارنے کا قول صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَوَجَدْنٰهَا مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا۝ یہ جنوں کی جانب سے خبر ہے کہ آسمان کی نگہداشت میں اضافہ کر دیا گیا ہے یہاں تک کہ وہ آسمان شہابیوں اور ان سے بھر گئے۔ یہ قول اس لیے بھی اصح ہے کہ اس اثنا میں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ ستارے سے کسی کو مارا گیا پوچھا: ''تم دور جاہلیت میں اس بارے میں کیا کہتے تھے؟'' صحابہ نے عرض کی: ہم کہا کرتے تھے کوئی عظیم آدمی فوت ہوا ہے یا کسی عظیم شخصیت نے جنم لیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ کسی کی موت یا زندگی کی وجہ سے نہیں پھینکے جاتے بلکہ ہمارا رب سبحانہ وتعالیٰ جب آسمان میں کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو حاملین عرش اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، پھر تمام آسمان والے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے ہیں یہاں تک کہ تسبیح کا سلسلہ اس آسمان تک آ پہنچتا ہے آسمان والے حاملین عرش سے پوچھتے ہیں: تمہارے رب نے کیا ارشاد فرمایا، تو حاملین عرش اس آسمان کے فرشتوں کو خبر دیتے ہیں، پھر یہ آسمان والے دوسرے آسمان والوں کو خبر دیتے ہیں آخر کار خبر اس آسمان تک آ پہنچتی ہے جن اس خبر کو اچک لیتے ہیں تو انہیں ان شہابیوں سے مارا جاتا ہے، جو خبر وہ جن لاتے ہیں وہ سچی ہوتی ہے لیکن وہ اس خبر میں زیادتی کر دیتے ہیں'' (1)۔ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ شہابیے مارنے کا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الاسلام، باب تحریم الکھانۃ

سلسلہ بعثت سے قبل بھی تھا۔

زہری نے اسی کی مثل حضرت علی بن حسین بن علی بن ابی طالب سے وہ حضرت ابن عباس سے روایت نقل کرتے ہیں اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں: ان سے پوچھا گیا: کیا دور جاہلیت میں انہیں شہابیوں سے مارا جاتا تھا؟ جواب دیا: ہاں۔ کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں دیکھا: وَّ اَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ ؕ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ لَهٗ شِهَابًا رَّصَدًا ۙ کہا: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو معاملہ سخت کر دیا گیا؛ اس کی مثل قتبی نے کہا۔

ابن قتیبہ نے کہا: بعثت کے بعد نگہبانی کا معاملہ سخت ہو گیا اس سے قبل وہ چوری چھپے باتیں سن لیا کرتے تھے اور کسی وقت انہیں شہابیوں سے مارا بھی جاتا تھا جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہیں سننے سے مطلقاً روک دیا گیا۔ اس کی وضاحت سورۃ الصافات میں وَ يُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ۖ دُحُوْرًا وَّ لَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۙ آیت میں گزر چکی ہے۔

حافظ نے کہا: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے: جب جنوں کو معلوم ہو چکا تھا تو وہ خبر سننے کے لیے کیا اپنے آپ کو جلانے کے لیے پیش کر دیتے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے: اللہ تعالیٰ انہیں ہر چیز بھلا دیتا ہے یہاں تک کہ آزمائش بڑی ہو جاتی ہے، جس طرح ابلیس کو ہر لحہ یہ بات بھلا دی جاتی ہے کہ وہ محفوظ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا: اِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ (الحجر) اگر یہ نہ ہو تو احکام کا مکلف ہونا ہی درست نہ ہو۔

رَّصَدًا کے بارے میں یہ کہا گیا: یہ فرشتوں کی طرف سے ہوگا۔ رصد کا معنی ہے کسی شی کی حفاظت کرنے والا۔ اس کی جمع ارصاد ہے اس مقام کے علاوہ میں ممکن ہے کہ وہ جمع ہو جس طرح حَرَس کا صیغہ ہے اس کی واحد راصِد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: رصد شہابیہ ہے یعنی شہابیہ اس کی تاڑ میں ہوتا ہے تاکہ اس کے ساتھ شیطان کو رجم کیا جائے۔ یہ فَعَل کا وزن ہے جو مفعول کے معنی میں ہے جس طرح خَبَط اور نفص ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا لَا نَدْرِيْۤ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ۙ کا مفہوم ہے آسمانوں کی ان نگہبانوں سے جو نگہبانی کی گئی ہے کیا اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اہل زمین کے ساتھ برائی کا ارادہ کیا ہے یا بھلائی کا ارادہ کیا ہے؟ ابن زید نے کہا: ابلیس نے کہا ہم نہیں جانتے کیا اللہ تعالیٰ نے اس حفاظت کے ساتھ اہل زمین پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ کیا ہے یا ان کی طرف رسول بھیجنے کا ارادہ کیا ہے؟ (1) ایک قول یہ کیا گیا: یہ جنوں کی آپس میں اس وقت کی گفتگو ہے جب کہ ابھی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت نہیں سنی تھی یعنی ہم نہیں جانتے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ساتھ اہل زمین کے لیے عذاب کا ارادہ کیا گیا ہے کیونکہ اہل زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہیں اور جھٹلانے کے ساتھ ہلاک ہوتے ہیں جس طرح وہ لوگ ہلاک ہوئے جنہوں نے سابقہ امتوں میں سے انبیاء کو جھٹلایا یا اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ہدایت پائیں، وہ شر اور رشد اسی کفر و ایمان پر منحصر تھا۔ اس قول کی بنا پر انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا علم تھا۔ جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کو سنا تو انہیں علم ہو گیا کہ وحی کی حفاظت کی خاطر انہیں آسمان کے

1۔ تفسیر طبری

قریب جانے سے روکا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہیں بلکہ یہ ایسا قول ہے جو ان جنوں نے اس وقت اپنی قوم سے کہا تھا جب وہ انہیں خبردار کرنے کے لیے واپس گئے تھے یعنی جب وہ ایمان لائے تو انہیں خوف ہوا کہ اکثر اہل زمین ایمان نہیں لائیں گے تو انہوں نے کہا: ہم نہیں جانتے کہ جن پر ہم ایمان لاتے ہیں کیا اہل زمین اس کا انکار کریں گے یا وہ ایمان لائیں گے؟

وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝ وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ وَ لَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝

''اور ہم میں سے بعض نیک بھی ہیں اور بعض اور طرح کے، ہم بھی تو کئی راستوں پر گامزن ہیں اور (اب) ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ ہم زمین میں بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسے ہرا سکتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ یہ جنوں کے قول کی حکایت ہے جب جنوں نے اپنے ساتھیوں کو حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء پر ایمان لانے کی دعوت دی تو اس وقت انہوں نے ایک دوسرے کو یہ کہا کہ قرآن سننے سے پہلے ہم میں سے کچھ صالح تھے اور ہم میں سے کچھ کافر تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ کا معنی ہے کہ صالحین سے صالحیت میں کم ہیں۔ یہ کلام اس کے زیادہ مشابہ ہے جس نے اسے ایمان اور شرک پر محمول کیا ہے۔ كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا یعنی ہم مختلف جماعتیں تھیں؛ سدی نے یہ تعبیر کی ہے۔ ضحاک نے کہا: مختلف دین رکھنے والے تھے۔ قتادہ نے کہا: متضاد خواہشات رکھنے والے تھے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الْهَادِی بِطَاعَتِهِ　　فِی فِتْنَةِ النَّاسِ إِذْ أَهْوَاءُهُمْ قِدَدُ

وہ قابض، باسط اور اس کی اطاعت کرنے والا ہے جب کہ لوگ فتنہ میں مبتلا ہیں کیونکہ ان کی خواہشات مختلف ہیں۔

معنی یہ ہے تمام جن کافر نہیں تھے بلکہ مختلف تھے ان میں سے کچھ کفار تھے اور کچھ صالح مومن اور کچھ غیر صالح مومن تھے۔ مسیب نے کہا: ہم مسلمان، یہودی، نصرانی اور مجوسی تھے۔

سدی نے اللہ تعالیٰ کے فرمان كُنَّا طَرَآئِقَ قِدَدًا ۝ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: جنوں میں بھی تمہاری طرح قدریہ، مرجئہ، خوارج، رافضیہ، شیعہ اور سنی تھے (1)۔ ایک قوم نے یہ تعبیر کی کہ قرآن سننے کے بعد ہم مختلف تھے ہم میں سے کچھ مومن اور ہم میں سے کچھ کافر تھے یعنی ہم میں سے کچھ صالح اور کچھ ایسے مومن تھے جو صالحیت میں انتہاء تک پہنچے تھے یعنی ہم میں سے کچھ صالح اور کچھ ایسے مومن تھے جو صالحیت میں انتہا تک نہیں پہنچے ہوئے تھے۔ پہلی تعبیر اچھی ہے کیونکہ جنوں میں سے کچھ ایسے تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے کہا: (ہم نے ایسی کتاب سنی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد نازل کی گئی ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے) یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ تورات پر ایمان رکھتے تھے۔ جن کو انہوں نے ایمان کی دعوت

1۔ تفسیر بغوی، زاد المسیر

دی تھی یہ ان کی طرف سے مبالغہ ہے نیز اس قول میں کوئی فائدہ نہیں کہ ہم اب مومن اور کافر میں منقسم ہوئے ہیں۔

طرائق، طریقہ کی جمع ہے یہ انسان کا مذہب ہے یعنی ہم مختلف جماعتیں تھیں۔ یہ قول کیا جاتا ہے: القوم طرائق یعنی مختلف مذاہب پر ہے۔ قددٌ سے مراد راستوں کی مثل ہے یہ طرائق کے لیے تاکید ہے اس کا واحد قدۃ ہے۔ کہا جاتا ہے: بکل طریق قدۃ اس کی اصل قد السیور ہے جس کا معنی تسموں کا کاٹنا ہے۔ لبید اپنے بھائی اربد کا مرثیہ کہتا ہے:

لم تَبْلُغْ العینُ کلَّ نھمتھا لیلۃ تمسی الجیاد کالقدد

آنکھ تمام خواہش کے باوجود اس رات تک نہ پہنچی جس رات گھوڑوں نے تسموں کی طرح رات گزار دی۔

ایک اور نے یہ شعر کہا:

ولَقَدْ قُلْتُ وزَیدٌ حاسِرٌ یومَ وَلَّتْ خیلُ عَمْرو قِدَدًا

میں نے کہا جب کہ زید تھکا ماندہ تھا: جس روز عمرو کے گھوڑے ٹکڑے ٹکڑے لوٹے۔

قد جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ایسا تسمہ ہے جو ایسے چمڑے سے کاٹا جاتا ہے جس کو ابھی رنگا نہ گیا ہو ایک جملہ بولا جاتا ہے: مالہ قدٌّ ولا قحف۔

قد چمڑے کا برتن اور قحف لکڑی کے برتن کو کہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَّ اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ میں ظن علم اور یقین کے معنی میں ہے یہ ظن اس ظن کے خلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: اَنَّا ظَنَنَّاۤ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ اور وَّ اَنَّهُمْ ظَنُّوْا اس آیت کا معنی یہ ہے ہم نے اللہ تعالیٰ کی آیات میں استدلال اور غور وفکر سے جان لیا کہ ہم اس کے قبضہ اور حکومت میں ہیں ہم بھاگنے یا کسی اور طریقہ سے اس کی قدرت سے باہر نہیں جا سکتے۔ هَرَبًا یہ مصدر ہے جو حال کے معنی میں ہے یعنی ھاربین کا معنی دے رہا ہے۔

وَّ اَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدٰۤى اٰمَنَّا بِهٖ ؕ فَمَنْ یُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ فَلَا یَخَافُ بَخْسًا وَّ لَا رَهَقًاۙ۝ وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ؕ فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓىِٕكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا۝ وَ اَمَّا الْقٰسِطُوْنَ فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًاۙ۝

''اور اے جن بھائیو! ہم نے جب پیغام ہدایت سنا تو ہم اس پر ایمان لے آئے پس جو شخص اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو اسے نہ کسی نقصان کا خوف ہوتا ہے اور نہ ظلم کا اور بے شک ہم میں سے کچھ تو فرمانبردار ہیں اور کچھ ظالم، تو جنہوں نے اسلام قبول کیا تو انہوں نے حق کی راہ تلاش کی اور جو حق سے منحرف ہوتے ہیں تو وہ جہنم کا ایندھن ہیں''۔

آیت میں الْهُدٰۤى سے مراد قرآن ہے۔ اٰمَنَّا بِهٖ میں ضمیر مجرور سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور ہم نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیے گئے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو انسانوں اور جنوں کی طرف مبعوث کیا اللہ

تعالیٰ نے جنوں، بادیہ نشینوں اور عورتوں میں سے کبھی کوئی رسول مبعوث نہیں کیا اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف: 109) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ صحیح میں ہے: بُعِثْتُ إِلَى الْأَحْمَرِ وَالْأَسْوَدِ (1) یعنی جنوں اور انسانوں کی طرف مجھے مبعوث کیا گیا ہے (جو اپنے رب پر ایمان لاتا ہے تو وہ جزا میں کمی اور ظلم کا خوف نہیں رکھتا)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ اس کی نیکیوں میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی اس بات سے ڈرتا ہے کہ اس کی برائیوں میں اضافہ کیا جائے گا کیونکہ بخس کا معنی کمی اور رھق کا معنی حد سے تجاوز کرنا اور حرام کردہ چیزوں کو بجالانا ہے۔

اعمش نے کہا:

لَاشَيْءَ يَنْفَعُنِي من دُونِ رُؤْيَتِها　　　هل يَشْتَفِي وَامِقٌ مَالَمْ يُصِبْ رَهَقًا

اس کے دیدار کے سوا مجھے کوئی چیز نفع نہیں دیتی کیا عاشق جب تک محبوب پر رسائی نہیں پائے گا وہ شفایاب ہوگا۔

وامق کا معنی محب ہے: وَمِقَ يَمِقُ کا معنی محبت کرنا ہے۔ یہ جنوں کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جس کی حکایت بیان کی ہے کہ وہ ایمان کے قوی اور صحیح اسلام والے تھے۔ عام قراء کی قراءت فلا یخاف ہے تقدیر کلام یوں ہے فانہ لایخاف۔ اعمش، یحییٰ اور ابراہیم نے اسے فلا یخف مجزوم پڑھا ہے کیونکہ یہ جواب شرط ہے اور فاء لغو ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَّ اَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَ مِنَّا الْقٰسِطُوْنَ یعنی قرآن کے سننے کے بعد ہم ایک دوسرے سے مختلف تھے ہم میں سے کچھ وہ تھے جو مسلمان ہو گئے اور ہم میں سے کچھ کافر تھے۔ قاسط کا معنی ظالم ہے کیونکہ وہ حق سے روگردانی کرنے والا ہوتا ہے۔ مقسط کا معنی عادل ہے کیونکہ وہ حق کی طرف پھرنے والا ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے: قسط یعنی ظلم کیا اور اقسط یعنی اس نے عدل کیا۔ شاعر نے کہا:

قومٌ هُمُ قتلوا ابن هِنْدٍ عَنْوَةً　　　عَمْرًا وهم قَسَطُوا على النُّعْمَانِ

وہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے ابن ہند یعنی عمرو کو ظلم کے ساتھ قتل کیا اور انہوں نے نعمان پر ظلم کیا۔

فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰٓئِكَ تَحَرَّوْا رَشَدًا ۝ (جو اسلام لائے انہوں نے ہدایت کا قصد کیا) یعنی حق کے راستہ کا قصد کیا اسی سے تحری القبلة ہے یعنی قبلہ کو تلاش کیا۔ رہے وہ لوگ جو حق اور ایمان کے راستے سے اعراض کرنے والے ہیں وہ جہنم کا ایندھن ہیں۔

وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ لَاَسْقَيْنٰهُمْ مَّآءً غَدَقًا ۝ لِّنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ ؕ وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ يَسْلُكْهُ عَذَابًا صَعَدًا ۝

''اور اگر وہ ثابت قدم رہیں راہ حق پر تو ہم انہیں سیراب کریں گے کثیر پانی سے تاکہ ہم ان کی آزمائش کریں اس فراوانی سے اور جو منہ موڑے گا اپنے رب کے ذکر سے تو وہ داخل کرے گا اسے سخت عذاب میں''۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب المساجد و مواضع الصلاۃ

وَّ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ یہ فرمان جنوں کے قول کی حکایت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے یعنی اگر یہ کفار ایمان لاتے تو دنیا میں ہم انہیں وسعت عطا کرتے اور انہیں فراخ رزق عطا کرتے۔ یہ وحی پر محمول ہوگا یعنی میری طرف وحی کی گئی کہ اگر جن استقامت کا مظاہرہ کرتے۔ ابن بحر نے ذکر کیا اس صورت میں جہاں ان ہے وہ ان جنوں کے قول کی حکایت ہے جنہوں نے قرآن سنا اور اپنی قوم کو خبردار کرنے کے لیے لوٹے اور جہاں بھی ان (مفتوحہ مخففہ) ہے تو وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف وحی ہے یعنی (اس کا تعلق اوحی فعل کے ساتھ ہے) ابن انباری نے کہا: جس نے ماقبل مقامات پر ہمزہ کو کسرہ دیا اور وَّ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا میں ہمزہ کو فتحہ دیا تو اس نے مکمل قسم کو مضمر مانا۔ اس کی تاویل یہ ہے واللہِ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا عَلَی الطَّرِیۡقَۃِ جس طرح گفتگو میں یہ کہا جاتا ہے: واللہ ان قمت لقمت اور واللہ لو قمت قمت۔ شاعر نے کہا:

اَمَا واللہِ أَنْ لو کُنْتُ حُرًّا　　وما بِالْحُرِّ أنتَ ولا العتیقُ

اللہ کی قسم! کاش تو آزاد ہوتا نہ تو اصلاً آزاد ہے اور نہ ہی بعد میں آزاد کیا گیا ہے۔

جس نے نون مخففہ سے قبل کو فتحہ دیا اس نے اسی کلام کو اُوۡحِیَ اِلَیَّ اَنَّہٗ، وَّ اَنۡ لَّوِ اسۡتَقَامُوۡا اور اٰمَنَّا بِہٖ پر عطف کیا ہے تقدیر کلام یوں ہے بأن لو استقاموا۔

جس نے تمام حروف ان مخففہ تک کو کسرہ دیا تو اس پر لازم ہوگا کہ وہ مخففہ کو اُوۡحِیَ اِلَیَّ اور فَاٰمَنَّا بِہٖ پر عطف کرے اور قسم کو مضمر ماننے سے مستغنی ہوجائے اور عام قراء کی قراءت لَوِ استقاموا ہے کیونکہ دو ساکن جمع ہو گئے ہیں۔ ابن وثاب اور اعمش نے واؤ کو مضموم پڑھا ہے۔

مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ یعنی کثیر پانی۔ ان سے سات سال تک بارش روک لی گئی تھی۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غَدِقَتِ العینُ تَغۡدَقُ ھی غَدِقۃ۔ جب چشمہ کا پانی بہت زیادہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اس سے مراد تمام مخلوق ہے، اگر ساری مخلوق حق، ایمان اور ہدایت کے راستہ پر استقامت کا مظاہرہ کرتی اور وہ مطیع ومومن ہوتی تو ہم اسے کثیر پانی سے سیراب کرتے تاکہ ہم آزمائیں کہ ان نعمتوں پر ان کا شکر کیسا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: جہاں کہیں ماء کا ذکر ہے اس سے مراد مال ہے اور جہاں کہیں مال کا ذکر ہے اس سے مراد آزمائش ہے لَاَسۡقَیۡنٰہُمۡ مَّآءً غَدَقًا ﴿۱۶﴾ کا معنی ہے ہم دنیا میں ان پر وسعت کر دیتے۔ ماء غدق کو مال کثیر کے لیے بطور ضرب المثل ذکر کیا کیونکہ خیر اور رزق سب بارش کی وجہ سے ہوتا ہے اس وجہ سے بارش کو خیر اور رزق کی جگہ رکھ دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں بارش مراد ہے: وَ لَوۡ اَنَّ اَہۡلَ الۡقُرٰۤی اٰمَنُوۡا وَ اتَّقَوۡا لَفَتَحۡنَا عَلَیۡہِمۡ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ (اعراف: 96) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَوۡ اَنَّہُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىۃَ وَ الۡاِنۡجِیۡلَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡہِمۡ مِّنۡ رَّبِّہِمۡ لَاَکَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِہِمۡ وَ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِہِمۡ (مائدہ: 66)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سعید بن مسیب، عطا بن ابی رباح، ضحاک، قتادہ، مقاتل، عطیہ، عبید بن عمیر اور حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! نبی کریم ﷺ کے صحابہ احکام کے سننے والے اور اطاعت کرنے والے تھے ان پر کسریٰ، قیصر، مقوقس اور نجاشی کے خزانے کھول

دیئے گئے تو اسی مال کی وجہ سے انہیں آزمائش میں ڈالا گیا تو وہ اپنے امام پر جھپٹ پڑے اور انہیں (حضرت عثمان ذی النورین کو) شہید کر دیا۔

کلبی اور دوسرے علماء نے کہا: وَّ اَنْ لَّوِ اسْتَقَامُوْا عَلَى الطَّرِيْقَةِ کا معنی یہ ہے جس کفر پر وہ پہلے تھے اگر وہ اسی پر استقامت کا مظاہرہ کرتے اور وہ سب کے سب کافر ہوتے تو ہم خفیہ تدبیر کی بنا پر ان سے استدراج کا طریقہ اپناتے ہوئے ان پر رزق فراخ کر دیتے یہاں تک کہ وہ وسیع رزق کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہو جاتے تو ہم انہیں دنیا و آخرت میں عذاب دیتے۔ یہ وہ تعبیر ہے جو ربیع بن انس، زید بن اسلم، ان کے بیٹے، کلبی، ثمالی، یمان بن رباب، ابن کیسان اور ابومجلز نے کی ہے انہوں نے ان آیات سے استدلال کیا ہے فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام:44) اور وَ لَوْ لَاۤ اَنْ يَّكُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ يَّكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوْتِهِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّةٍ (الزخرف:33) پہلی تعبیر زیادہ مناسب و موزوں ہے کیونکہ الطریقہ معرف باللام ہے پس زیادہ مناسب یہ ہے کہ اس کا راستہ ہدایت کا راستہ ہو۔ اور استقامت، ہدایت کے ساتھ ہی ہوتی ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جن چیزوں سے میں تمہارے بارے میں خوف کھاتا ہوں ان میں سے سب سے خوفناک امر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر زہرۃ الدنیا نکالے گا" صحابہ نے پوچھا: یہ زہرۃ الدنیا کیا چیز ہے؟ فرمایا: "زمین کی برکات"۔ ایک اور حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کی قسم! میں تمہارے بارے میں فقر سے نہیں ڈرتا میں تمہارے بارے میں اس چیز سے ڈرتا ہوں کہ دنیا تم پر فراخ کر دی جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فراخ کی گئی تھی، تم اس میں باہم مقابلہ کرو گے جس طرح انہوں نے باہم مقابلہ کیا تو وہ تمہیں ہلاک کر دے گی جس طرح اس نے انہیں ہلاک کیا"۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ میں ذکر سے مراد قرآن ہے؛ یہ قول ابن زید کا ہے۔ قرآن سے اس کے اعراض کی دو صورتیں ہیں۔ (۱) قبول کرنے سے اعراض۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ اہل کفر میں تھی (۲) عمل سے اعراض۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ مومنوں میں تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر نہ کیا اللہ تعالیٰ اسے چھا جانے والے عذاب میں داخل کرے گا۔

کوفی قراء اور عیاش نے ابوعمرو سے یسلکہ (یاء کے ساتھ) پڑھا ہے یہ قراءت ابوعبید اور ابوحاتم کی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام پہلے مذکور ہے کہا: وَ مَنْ يُّعْرِضْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهٖ۔ جب کہ باقی قراء نے اسے نسلکہ پڑھا ہے۔

مسلم بن جندب سے نُسْلِكْهُ مروی ہے۔ طلحہ اور اعرج نے اسی طرح قراءت کی ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں سَلَكَهٗ اور اَسْلَكَهٗ دونوں (مجرد و مزید فیہ) کا ایک ہی معنی ہے یعنی ہم اسے سخت مشکل عذاب میں داخل کریں گے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے جب بھی وہ اس پر اپنے ہاتھ رکھیں گے تو ہاتھ پگھل جائیں گے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: اس کا معنی مشقة من العذاب ہے لغت میں بھی یہ معلوم و مشہور ہے کہ صعدا

معنی مشقت ہے تو کہتا ہے: تصعدنی الأمر۔ یہ جملہ تو اس وقت بولتا ہے جب معاملہ تجھ پر مشکل ہو جائے۔ اس معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ما تصعدنی شیءٌ ما تصعدتنی خطبةُ النکاح۔ یعنی مجھے جتنا مشکل خطبہ نکاح ہے میرے لیے اتنی مشکل کوئی چیز نہیں۔ عذاب صعد کا معنی ہے سخت عذاب۔ صعَد، صَعِدَ کا مصدر ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے صَعِدَ صعَداً وصعوداً۔ اس لفظ کے ساتھ عذاب کی صفت ذکر کی گئی ہے کیونکہ یہ عذاب معذب پر بلند ہو جاتا ہے جس کو برداشت کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ ابوعبیدہ نے کہا: الصعد مصدر ہے، تقدیر کلام یوں ہوگی عذاباً ذا صعدٍ بلندی کی طرف چڑھنے میں مشقت ہوتی ہے۔ صعود سے مراد پیچیدہ گھاٹی ہے۔

عکرمہ نے کہا: جہنم میں ملائم چٹان ہے جس پر چڑھنے کا انہیں مکلف بنایا جائے گا جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے جہنم کی طرف گرادیا جائے گا۔

کلبی نے کہا: ولید بن مغیرہ کو جہنم میں ایک پہاڑ پر چڑھنے پر مجبور کیا جائے گا جو پہاڑ ملائم چٹان کا ہوگا اسے زنجیروں کے ساتھ سامنے سے کھینچا جائے گا اور پیچھے سے گرزوں کے ساتھ مارا جائے گا یہاں تک کہ اس کی چوٹی پر پہنچے گا وہ چالیس سال تک اس کی بلندی پر نہیں پہنچے گا جب وہ اس کی بلندی پر پہنچے گا تو اسے اس کی پستی کی طرف گرادیا جائے گا پھر اسے اس کی چوٹی پر چڑھنے پر مجبور کیا جائے گا ہمیشہ اس کا یہی طریقہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ۝ (مدثر) کا یہی معنی ہے۔

وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا ۝

''اور بے شک سب مسجدیں اللہ کے لیے ہیں پس مت عبادت کرو اللہ کے ساتھ کسی کی''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مساجد سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ اس آیت کا تعلق قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ کے ساتھ ہے یعنی کہہ دو: میری طرف وحی کی گئی ہے کہ مساجد اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ خلیل نے یوں تقدیر کلام کی ہے لِاَنَّ المساجد للہ کیونکہ مساجد اللہ کے لیے ہیں، بیوت سے مراد وہ مقامات ہیں جو ادیان کے حاملین عبادت کے لیے بناتے ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: ہمارے لیے یہ کیسے ممکن ہے کہ ہم مساجد میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں حاضر ہوں جب کہ ہم تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہوتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی مساجد اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی طاعت بجالانے کے لیے بنائی گئی ہیں (1)۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد تمام جگہیں ہیں کیونکہ ساری زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مسجد ہے (2) آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ''تم جہاں بھی ہو نماز پڑھ لو۔ تم جہاں بھی نماز پڑھو گے وہ مسجد ہے''۔ صحیح میں ہے: ''میرے لیے زمین مسجد اور پاکیزگی عطا کرنے والی بنادی گئی ہے'' (3)۔ سعید بن مسیب اور طلق بن حبیب نے کہا: مساجد سے مراد وہ اعضاء ہیں جن پر بندہ سجدہ کرتا ہے وہ دو قدم، دو گھٹنے، دو ہاتھ اور چہرہ ہے۔ یہ اعضاء ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے تجھ پر

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 341　2۔ تفسیر بغوی، جز 4، صفحہ 404　3۔ مشکوۃ المصابیح، باب فضائل سید المرسلین

انعام کیا ہے تو ان اعضاء کے ساتھ غیر کو سجدہ نہ کر اگر تو ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرے گا۔

عطا نے کہا: مساجد سے مراد تیرے وہ اعضاء ہیں جن کے بارے میں تجھے حکم دیا گیا کہ تو ان پر سجدہ کرے تو انہیں خالق کے سوا کے لیے ذلیل نہ کر۔

صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں سات اعضاء پر سجدہ کروں، پیشانی اور اپنے ہاتھ سے ناک کی طرف اشارہ کیا، دونوں ہاتھوں، دونوں گھٹنے اور دونوں کندھوں کی طرف''۔

حضرت عباس نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب بندہ سجدہ کرے تو اس کے ساتھ سات اعضاء سجدہ کریں''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مساجد سے مراد نمازیں ہیں کیونکہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے بھی یہی قول کیا ہے۔ اگر مساجد سے مراد مواضع لیے جائیں تو اس کی واحد مسجد ہوگی۔ یہ بھی کہا گیا ہے: اس کی واحد مسجد ہوگی۔ فراء نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ اگر تو اس سے مراد اعضاء لے تو اس کی واحد مسجد ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مسجد کی جمع ہے جس کا معنی سجود ہے۔ یہ قول کیا جاتا ہے: سجدتُ سجودًا و مسجدًا جس طرح تو کہتا ہے: ضربتُ فی الأرض ضربًا و مضربًا یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو رزق کی تلاش میں جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہاں مساجد سے مراد حکم ہے جو قبلہ ہے مکہ مکرمہ کو مساجد کا نام دیا کیونکہ ہر ایک اس کی طرف منہ کر کے سجدہ کرتا ہے۔ پہلا قول ان تمام اقوال سے زیادہ نمایاں ہیں ان شاء اللہ؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

مسجد حرام اور مسجد نبوی کی فضیلت

مسئلہ نمبر 2۔ لِلّٰهِ میں اضافت شرف اور رتبہ کے اظہار کے لیے ہے، پھر ان مساجد میں سے بیت عتیق کو خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے اور فرمایا: میرے گھر کو پاک کرو۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سواریوں کو تین مساجد کے علاوہ کسی مسجد کے لیے کام میں نہ لایا جائے'' (1)۔ اس حدیث کو ائمہ نے تخریج کیا ہے۔ اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں پڑھی جانے والی ایک نماز مسجد حرام کے سوا باقی مساجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے'' (2)۔ ابن عربی نے کہا: ایک ایسی سند سے یہ روایت مروی ہے جس میں کوئی کجی نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میری اس مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا باقی مساجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے کیونکہ مسجد حرام میں پڑھی جانے والی ایک نماز میری مسجد میں پڑھی جانے والی ہزار نمازوں سے بہتر ہے'' اگر یہ صحیح ہو تو مسجد حرام کی فضیلت میں یہ ایک نص ہوگی (3)۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت صحیح ہے جو ایک عادل سے دوسرے عادل سے منقول ہے جس طرح ہم نے سورۂ ابراہیم میں

1۔ سنن النسائی، کتاب المساجد، باب ما تشد الرحال

2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی فضل المدینۃ، حدیث نمبر 3851، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ احکام القرآن لابن العربی

بیان کیا ہے۔

مساجد کی اضافت غیر کی طرف کرنے کا جواز

مسئلہ نمبر 3۔ مساجد اگر چہ ملک اور شرافت کے اظہار کے لیے الله کی ہیں تاہم علامت کے طور پر غیر کی طرف بھی منسوب ہوتی ہیں، تو کہا جاتا ہے: مسجد فلاں۔ صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضامر گھوڑوں میں حفیاء (1) سے ثنیۃ الوداع تک دوڑ کرائی اور جن گھوڑوں کو ضامر نہیں بنایا جاتا تھا ان کی دوڑ ثنیہ سے مسجد بنی زریق تک کرائی۔ یہ اضافت محلیت کے اعتبار سے ہے گویا وہ محل ان کے قبلہ میں ہے۔ بعض اوقات ان کے وقف کرنے کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ پل اور قبرستانوں کے خاص کرنے میں امت میں کوئی اختلاف نہیں اگر چہ دوسری چیزوں کی تخصیص میں اختلاف ہے۔

مسجد میں کون سے کام جائز ہیں

مسئلہ نمبر 4۔ مساجد الله کے لیے ہیں ان میں الله تعالیٰ کے ذکر کے سوا کسی کا ذکر نہیں کیا جا سکتا تاہم ان میں اموال کی تقسیم جائز ہے، ان میں صدقات رکھنا بھی جائز ہے کہ یہ سب مساکین میں مشترک ہے اور ان میں جو آئے وہ اس سے کھا لے، اس میں مقروض کو روک لینا بھی جائز ہے، اس میں قیدی کو باندھنا بھی جائز ہے، اس میں سونا جائز ہے، مریض کا رہنا جائز ہے، پڑوسی کا اس میں دروازہ کھولنا جائز ہے، شعر جب باطل سے پاک ہو تو اس کا پڑھنا جائز ہے۔ یہ سب باتیں سورۂ براءت، سورۂ نور اور دوسری سورتوں میں گزر چکی ہیں۔

اس آیت کے نزول کا سبب

مسئلہ نمبر 5۔ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۝ مسجد حرام میں مشرک جو غیر الله کی عبادت کرتے تھے اس پر انہیں شرمندہ کرنا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہودی اور نصرانی جب اپنی عبادت گاہوں میں داخل ہوتے تو الله تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے الله تعالیٰ نے اپنے نبی اور مومنوں کو حکم دیا کہ وہ جب مساجد میں داخل ہوں تو عبادت کو الله تعالیٰ کی ذات کے لیے خالص کریں، اسے ہنسی مذاق کی جگہ، تجارتی منڈی، بیٹھنے کی جگہ اور راستہ نہ بنائیں اور ان مساجد میں غیر الله کے لیے حصہ نہ بنائیں۔ صحیح میں ہے: ''جو مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرے تو تم یہ کہو: الله تعالیٰ اسے تم پر نہ لوٹائے، کیونکہ مساجد اس کے لیے نہیں بنائی گئیں''۔ سورۂ نور میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو مساجد کے احکام کے لیے کافی ہے۔

مسجد میں داخل ہونے اور مسجد سے نکلنے کی دعا

مسئلہ نمبر 6۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوتے تو اپنا دایاں پاؤں آگے رکھتے اور یہ آیت پڑھتے وَّاَنَّ الْمَسٰجِدَ لِلّٰهِ فَلَا تَدْعُوْا مَعَ اللّٰهِ اَحَدًا۝ اور دعا مانگتے: ''اے الله! میں تیرا بندہ ہوں، تیرا زائر ہوں، ہر زیارت کیے جانے والے پر حق ہے اور تو بہترین

1۔ یہ مدینہ طیبہ کے قریب ایک جگہ ہے سفیان نے کہا: حفیاء سے ثنیہ تک پانچ میل کا فاصلہ ہے۔ مترجم

زیارت کیے جانے والوں میں سے ہے، میں تیری رحمت کے واسطہ سے سوال کرتا ہوں کہ تو میری گردن کو آگ سے آزاد کر دے" اور جب مسجد سے نکلتے تو اپنا دایاں پاؤں آگے رکھتے اور یہ دعا کرتے: "اے الله! مجھ پر بھلائی کو انڈیل، جو تو نے مجھے اچھائی عطا کی ہے کبھی بھی مجھ سے نہ چھین، میری زندگی کو مخصوص مشقت نہ بنادے اور زمین میں میرے لیے غنا مقدر کر دے"۔

وَّ اَنَّهٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰهِ يَدْعُوْهُ كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ قُلْ اِنَّمَاۤ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَ لَاۤ اُشْرِكُ بِهٖۤ اَحَدًا ﴿٢٠﴾ قُلْ اِنِّيْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ﴿٢١﴾

"اور جب کھڑا ہوتا ہے الله کا (خاص) بندہ تا کہ اس کی عبادت کرے تو لوگ اس پر ہجوم کر کے آجاتے ہیں۔ آپ فرمایئے: میں تو اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور شریک نہیں ٹھہراتا اس کا کسی کو۔ آپ فرمایئے: (الله کے اذن کے بغیر) نہ تو میں تمہیں نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہوں اور نہ ہدایت کا"۔

وَّ اَنَّهٗ کے ہمزہ پر فتحہ پڑھنا جائز ہے یعنی الله تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی اور جملہ مستانفہ کے طریقہ پر۔ ہمزہ کے نیچے کسرہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہاں عبدالله سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جب کہ آپ بطن نخلہ میں نماز پڑھ رہے تھے اور قرآن حکیم پڑھ رہے تھے جیسے سورت کے آغاز میں گزر چکا ہے۔

يَدْعُوْهُ یعنی اس کی عبادت کرتے ہوئے۔ ابن جریج نے کہا: يَدْعُوْهُ کا معنی ہے الله کا بندہ انہیں الله تعالیٰ کی دعوت دینے کے لیے کھڑا ہوا۔

كَادُوْا يَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِ لِبَدًا ﴿١٩﴾ کی تعبیر کرتے ہوئے حضرت زبیر بن عوام نے کہا: اس سے مراد جن ہیں جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا۔ یعنی وہ بھیڑ کرتے ہوئے ایک دوسرے پر سوار ہونے لگے اور گرنے لگے وجہ قرآن حکیم سننے کی حرص تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حرص کی وجہ سے ایک دوسرے پر سوار ہونے لگے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ ذکر کے سماع میں رغبت کرنے لگے۔ برد نے مکحول سے روایت نقل کی ہے، اس رات جنوں نے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی اس وقت ان کی تعداد ستر ہزار تھی اور فجر کے طلوع ہونے کے وقت بیعت سے فارغ ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ بھی قول ہے کہ یہ جنوں کا قول ہے جب وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے تو انہوں نے اپنے ساتھیوں کو وہ کچھ بتایا جو انہوں نے صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور رکوع وسجود میں اقتدا کرتے ہوئے دیکھا (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ناراضگی کی وجہ سے ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں۔

حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن زید نے یہ کہا: جب حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء نے دعوت دینا شروع کی تو انسان اور جن سب اس پر امر پر متفق ہو گئے کہ اس نور کو بجھا دیں مگر الله تعالیٰ نے ان کے ارادہ کا انکار کیا اور رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کی۔ اور طبری نے یہ معنی اختیار کیا ہے: تمام عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جمع ہوتے ہیں اور جو نور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں اس کو بجھانے کے لیے باہم تعاون کرتے ہیں۔

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، باب ومن سورۃ الجن، حدیث نمبر 3245، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مجاہد نے کہا: لبد کا معنی جماعتیں ہیں، یہ تَلَبَّدُ الشیء علی الشیء سے مشتق ہے یعنی جمع ہونا اسی سے لبدہ ہے جسے بچھایا جاتا ہے تاکہ اس کی اون جمع ہو جائے ہر وہ چیز جس کو تو ایک دوسرے کے ساتھ سختی سے ملائے تو تو نے اسے لِبْدہ بنادیا۔ لبدہ کی جمع لبد ہے جس طرح قربۃ کی جمع قرب ہے وہ بال جو شیر کی پشت پر ہوتے ہیں اسے لبدہ کہتے ہیں اس کی جمع لبد ہے زہیر نے کہا:

لَدَی أَسَدٍ شاکِی السلاح مُقَذَّفٍ لہ لِبَدٌ أظفارہُ لم تقلّم

شیر کے پاس جو مسلح ہے گوشت پھینکنے والا ہے اس کی گردن پر لمبے بال ہیں اس کے ناخن نہیں کاٹے گئے۔

بہت زیادہ ٹڈی کو بھی لبد کہتے ہیں اس میں چار لغات اور قراءتیں ہیں۔ (۱) باء کے فتحہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ؛ یہ عام لوگوں کی قراءت ہے۔ (۲) لام کو ضمہ اور باء کو فتحہ؛ یہ مجاہد، ابن محیصن اور ہشام کی قراءت ہے۔ اس کی واحد لُبدۃ ہے (۳) لام اور باء دونوں مضموم ہوں؛ یہ ابو حیوہ، محمد بن سمیقع، ابی الاشہب عقیلی اور جحدری کا نقطہ نظر ہے۔ اس کی واحد لَبُد ہے جس طرح سَقف کی جمع سُقُفٌ اور رَھن کی جمع رُھُنٌ ہے۔ (۴) لام کو ضمہ اور باء مشددہ مفتوحہ؛ یہ حسن، ابو العالیہ، اعرج اور جحدری کی قراءت ہے۔ اس کی واحد لابد ہے۔ جیسے راکع کی جمع رُکّع، ساجد کی جمع سُجّد ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: لُبَد لام کے ضمہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ یعنی دائمی چیز۔ اس معنی میں یہ قول ہے کہ لقمان کی گدھ کو لُبَد کہتے ہیں کیونکہ اس میں دوام اور بقاء کی خصوصیات تھیں۔

نابغہ نے کہا: أخنَی علیھا الذی أخنَی علی لُبَدِ۔

اس کے ساتھ اس نے خیانت کی جس نے لبد کے ساتھ خیانت کی۔

قشیری نے کہا: اسے لُبُد لام اور یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ لبید کی جمع ہے جس کا معنی اون کی چھوٹی گون ہے۔ صحاح میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان اَھْلَکْتُ مَالًا لُّبَدًا ۞ (البلد) یعنی میں نے سب کا سب مال خرچ کر دیا۔ یہ بھی جملہ بولا جاتا ہے: الناس لبد لوگ جمع ہیں۔ اور لبد اس آدمی کو بھی کہتے ہیں جو سفر نہیں کرتا اور ہمیشہ اپنے گھر میں رہتا ہے۔

شاعر نے کہا:

من امرئٍ ذِی سَماحٍ لا تَزالُ لَہٗ بَزْلاءُ یَعْیَا بھا الجَثّامۃ اللبَدُ

سخی آدمی کی جانب سے اس کی رائے ہمیشہ عمدہ ہوتی ہے جس کے ساتھ اپنی جگہ سے نہ ہلنے والا تھک ہار جاتا ہے۔

إنّی إذا شَغَلَتْ قوما فُرُوجُھم رَحْبُ المَسَالِکِ نَھّاضٌ بِبَزْلاءِ

جب لوگوں کو ان کے بچے مشغول کر دیتے ہیں تو میں کھلے راستوں والا اور عظیم کام کرنے والا ہوتا ہوں۔

لبد لقمان کی گدھوں میں سے آخری ہے۔ یہ منصرف ہے کیونکہ یہ معدول نہیں۔ عربوں کا گمان ہے کہ لقمان وہ ہے جسے عاد نے اپنے وفد میں حرم کی طرف بھیجا تاکہ وہ ان کے لیے بارش کی دعا کرے۔ جب وفد کے لوگوں کو ہلاک کر دیا گیا تو لقمان کو اختیار دیا گیا کہ وہ سات سفید ہرنیوں کے درمیان رہے جو مٹیالے ہرنوں میں سے ہوں اور ایسے پہاڑ میں جو پر پیچ ہو،

جہاں بارش نہ ہوئی ہو یا ان سات گدھوں کے درمیان رہے۔ جب بھی ایک گدھ ہلاک ہو تو اس کے بعد ایک گدھ نائب ہوگی۔ تو آپ نے گدھوں کو پسند کیا ان کی آخری گدھ کا نام لبد تھا شعراء نے بھی اس کا ذکر کیا، نابغہ نے کہا:

أَخْنَى عليها الذى أَخْنَى عَلَى لُبَدِ

اس شعر میں لبد سے مراد وہی گدھ ہے۔

لبید سے مراد اون کی چھوٹی گون ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ألبدت القِربة۔ جب تو اسے گون میں رکھ لے۔

لبید، بنی عامر کے شاعر کا نام بھی ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ، رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا: ''میں اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا''۔ اکثر قراء نے یہاں قال کی قراءت کی ہے جب کہ حمزہ اور عاصم نے قُلْ امر کا صیغہ پڑھا ہے۔ اس کے نزول کا سبب یہ ہے کہ قریش کے کفار نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا: تم بہت بڑی بات لاتے ہو، ہم نے تمام لوگوں سے دشمنی مول لے لی ہے اس سے باز آجاؤ ہم تمہیں پناہ دیتے ہیں۔

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ فرما دیجئے: میں اس پر قادر نہیں کہ میں تم سے مصیبت کو دور کروں اور نہ اس پر قادر ہوں کہ تمہارے لیے بھلائی لاؤں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ضَرًّا سے مراد کفر اور رَشَدًا سے مراد ہدایت ہے یعنی میرے ذمہ تبلیغ کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضر سے مراد عذاب اور رشد سے مراد نعمت ہے۔ یہ بعینہ پہلا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ضر سے مراد موت اور رشد سے مراد زندگی ہے۔

قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۝ حَتّٰٓي اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّاَقَلُّ عَدَدًا ۝ قُلْ اِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ يَجْعَلُ لَهٗ رَبِّيْٓ اَمَدًا ۝

''آپ فرمائیے: مجھے اللہ تعالیٰ سے کوئی پناہ نہیں دے سکتا اور نہ میں پا سکتا ہوں اس کے بغیر کہیں پناہ، البتہ میرا فرض یہ ہے کہ پہنچا دوں اللہ کے احکام اور اس کے پیغامات پس (اب) جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو اس کے لیے جہنم کی آگ ہے جس میں (یہ نافرمان) ہمیشہ رہیں گے تا ابد، یہاں تک کہ جب وہ دیکھ لیں گے (وہ عذاب) جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے تو انہیں پتہ چل جائے گا کہ کون ہے جس کا مددگار کمزور ہے اور جس کی تعداد کم ہے۔ آپ فرمائیے: میں اپنی سوچ و بچار سے نہیں جانتا کہ وہ دن قریب ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے یا مقرر کر دی ہے اس کے لیے میرے رب نے لمبی مدت''۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ کا معنی یہ ہے اگر میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور سے حفاظت

چاہوں تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کو مجھ سے دور کرنے والا نہیں، یہ اس لیے فرمایا کیونکہ انہوں نے کہا تھا: جس کی طرف تم دعوت دیتے ہو اس کو چھوڑ دو ہم تجھے پناہ دیتے ہیں۔ ابو جوزاء نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں جنوں والی رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلا یہاں تک آپ حجون کے مقام پر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے ایک خط لگایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف بڑھے جنوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھیڑ کر لی جنوں کے سردار جسے وردان کہتے نے کہا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انہیں دور بھگا دوں گا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے گا''۔ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ یہ کلام دو معنوں کا احتمال رکھتی ہے (۱) اللہ تعالیٰ کی پناہ جیسی پناہ مجھے کوئی نہیں دے سکتا (۲) اللہ تعالیٰ نے میرے حق میں جو مقدر کیا ہے اس سے مجھے کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔

وَلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۝ یعنی میں اس کی بارگاہ کے بغیر کوئی ایسی پناہ نہیں پاؤں گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ قتادہ سے یہ قول بھی مروی ہے کہ **مُلْتَحَدًا** کا معنی مددگار ہے۔ سدی نے اس کا معنی پناہ گاہ ذکر کیا ہے۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی زمین میں ایسا راستہ جو کھوہ کی مانند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے نہ دوست اور نہ آقا پاؤں گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: کوئی راستہ نہیں پاؤں گا۔ ابن شجرہ نے اس کی حکایت بیان کی ہے، معنی ایک ہی ہے؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

یَالَهْفَ نفسی ولَهْفِی غیرُ مجدِیة عَنِّی وما مِنْ قضاءِ اللہ مُلْتَحَدا

ہائے میرا افسوس! جب کہ میرا افسوس کرنا مجھے کچھ نفع دینے والا نہیں اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے سے بچنے کے لیے کوئی پناہ گاہ نہیں۔

اِلَّا بَلٰغًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِسٰلٰتِهٖ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے میں ہی امان اور نجات ہے: یہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کا نقطہ نظر ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا پیغام حق پہنچانا ہی ایک ایسا عمل ہے جس کا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے مالک ہوں۔ جہاں تک کسی کے لیے کفر، ایمان کو پیدا کرنے کا تعلق ہے میں ان کا مالک نہیں، اس تعبیر کی صورت میں اس کلام کا تعلق **قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۝** کے ساتھ ہوگا معنی یہ بنے گا میں اس بات کا مالک ہوں کہ تمہیں پیغام حق پہنچا دوں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ کلام **لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا۝** سے مستثنیٰ منقطع ہے تو معنی یہ ہوگا لیکن میں تمہیں وہ پیغام حق پہنچا دوں جس کے ساتھ مجھے بھیجا گیا ہے: یہ فراء کا قول ہے۔ زجاج نے کہا: یہ **مُلْتَحَدًا** بدل ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی میں اس کے سوا کوئی پناہ گاہ نہیں پاؤں گا مگر یہ کہ جو پیغام حق مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے وہ آگے پہنچا دوں یا یہ معنی ہوگا جن پیغامات کی تبلیغ کا مجھے حکم ہوا وہ پہنچا دوں یا اس کا معنی یہ ہوگا مگر یہ کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے پیغام کو پہنچاؤں، اس کے ارشادات کے مطابق عمل کروں اور غیر کو جس کا حکم دیتا ہوں اس پر اپنے آپ کو پابند کروں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **بَلٰغًا** مفعول مطلق ہے لا، لو کے معنی میں ہے اور حرف ان شرط کا معنی دے رہا ہے معنی یہ بنے گا اگر میں اس کے پیغام کو نہ پہنچاؤں تو میں اس کے سوا کوئی پناہ نہ چاہوں گا۔

جو توحید اور عبادت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا ہے تو بے شک اس کے لیے جہنم کی آگ ہے، فان

کے ہمزہ کو کسرہ دیا ہے کیونکہ جزا کا مابعد یہ ابتدا کا محل ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ خٰلِدِیْنَ یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ خٰلِدِیْنَ کو جمع ذکر کیا ہے کیونکہ معنی یہ ہے جس نے بھی یہ کیا ہے۔ پہلے من کے لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے ضمیر واحد ذکر کی پھر معنی کا اعتبار کرتے ہوئے خٰلِدِیْنَ کو جمع ذکر کیا۔ ابدا کا لفظ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ یہاں عصیان سے مراد شرک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں شرک کے علاوہ معاصی مراد ہیں۔ یہاں ان کے ہمیشہ رہنے سے مراد یہ ہے اگر میں ان کو معاف نہ کروں یا انہیں شفاعت نصیب نہ ہو یہ تو ضروری بات ہے جب وہ دنیا سے ایمان کی حالت میں نکلے ہیں تو انہیں عفو تو ضرور لاحق ہوگی۔ یہ معنی سورۃ النساء اور دوسری صورتوں میں بڑا واضح گزرا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان: حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ یہاں تک کہ جب وہ اس آخرت کے عذاب کو دیکھیں گے جن کی انہیں دھمکی دی گئی ہے یا وہ دنیا کے عذاب کو دیکھیں گے جس کی انہیں دھمکی دی گئی ہے۔ وہ بدر کے میدان میں ان کا قتل ہے۔ اس وقت تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ کون مددگاروں کے اعتبار سے کمزور ہے وہ، یا مومن اور کس کی تعداد کم ہے وَّ اَقَلُّ عَدَدًا یہ معطوف ہے۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اس سے مراد قیامت کا واقع ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دنیا کا عذاب ہے یعنی میں نہیں جانتا کیونکہ ان، لا یا ما کے معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا عذاب کے نازل ہونے کا وقت اور قیامت کے برپا ہونے کا وقت کوئی نہیں جانتا۔ وہ وقت غیب ہے میں اتنا ہی غیب جانتا ہوں جو اللہ تعالیٰ مجھے بتاتا ہے۔ مَا یُوْعَدُوْنَ میں جو مَا ہے اس کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ اپنے فعل کے ساتھ مل کر مصدر ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ الذی کے معنی میں ہو تو ضمیر عائد کو مقدر مانا جائے گا اور اَمَدًا کا معنی انتہا اور مدت ہے عام قراء نے ربی کی یاء کو ساکن پڑھا ہے حرم کے دونوں قاریوں اور ابوعمرو نے فتحہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿۲۷﴾

''(اللہ تعالیٰ) غیب کو جاننے والا ہے پس وہ آگاہ نہیں کرتا اپنے غیب پر کسی کو بجز اس رسول کے جس کو اس نے پسند فرمالیا ہو (غیب کی تعلیم کے لیے) تو مقرر کر دیتا ہے اس رسول کے آگے اور اس کے پیچھے محافظ''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

اللہ تعالیٰ کس پر غیب کو ظاہر فرماتا ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ میں عٰلِمُ کو مرفوع پڑھیں تو یہ ربی کی صفت ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہوگی: ھو عالم الغیب۔ غیب اسے کہتے ہیں جو بندوں سے غائب ہو۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ کے شروع میں گزر چکا ہے۔ وہ کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا مگر رسولوں میں سے جس پر راضی ہوتا ہے کیونکہ اس پر غیب میں سے جو چاہتا ہے ظاہر کرتا

ہے کیونکہ رسولوں کی معجزات کے ساتھ تائید کی جاتی ہے ان معجزات میں سے بعض غیبت کی خبریں بھی ہوتی ہیں قرآن حکیم میں ہے وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ (آل عمران: 49) ابن جبیر نے کہا: مِنْ رَّسُوْلٍ سے مراد حضرت جبرئیل امین ہیں۔ یہ تعبیر حقیقت سے بہت ہی بعید ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ معنی کیا جائے کہ وہ اپنے غیب پر کسی کو آگاہ نہیں کرتا مگر جسے نبوت کے لیے منتخب کر لیتا ہے کیونکہ اسے جس غیب پر چاہتا ہے مطلع کرتا ہے تاکہ یہ چیز اس کی نبوت پر دلیل ہو۔

نجومیوں سے غیب جاننے کی نفی

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے علم غیب کے واسطہ سے اپنی مدح فرمائی مخلوق کی بجائے اسے اپنی ذات کے ساتھ خاص کیا تو اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا، پھر ان رسولوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جن پر وہ راضی ہے تو انہیں اپنے غیب میں سے جو چاہا وحی کے ذریعے ودیعت کر دیا، ان کے لیے اسے معجزہ بنا دیا اور ان کی نبوت پر سچی دلیل بنا دیا۔ منجم اور جوان کے مشابہ ہوتے ہیں جو کنکری پھینکتے ہیں، کتابوں میں فال دیکھتے ہیں اور پرندے کو جھڑکتے ہیں ان میں سے نہیں جو مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ کا مصداق ہو کہ انہیں اپنے غیب پر مطلع فرمائے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کا انکار کرنے والا ہے، فکر کی تیزی، ظن تخمین اور جھوٹ کے ذریعے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنے والا ہے۔

ایک عالم نے کہا: کاش! میں جانتا جو منجم ایک کشتی کے بارے میں کہتا ہے اس میں ایک ہزار انسان سوار ہوتے ہیں جن کے احوال مختلف ہیں اور مراتب مختلف ہیں ان میں کوئی بادشاہ، بازاری، عالم، جاہل، غنی، فقیر، بڑا اور چھوٹا ہے ان کے طالع (زائچے) مختلف ہیں، ولادت کا وقت الگ ہے اور ستاروں کے درجات بھی مختلف ہیں سب پر غرق کا حکم ایک وقت میں ہو سکتا ہے۔

اگر نجومی کہے: (اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے) انہیں اس طالع (زائچہ) نے غرق کیا ہے جس میں یہ سوار ہوئے تھے تو اس کا نتیجہ یہ ہے اس طالع (زائچہ) نے تمام طوالع (زائچوں) کے احکام کو باطل کر دیا ہے جب کہ ہر ایک کی ولادت کا وقت مختلف ہے اور اس کے مخصوص طالع (زائچہ) کا تقاضا بھی مختلف ہے تو ولادت کے اوقات کا کوئی عمل دخل نہ ہوگا اس میں شقی اور سعید پر کوئی دلالت نہ ہوگی، اس میں قرآن عظیم کے ساتھ دشمنی کے سوا کوئی چیز باقی نہ بچے گی اس قسم کا عمل کرنے پر اس کا خون حلال ہو جائے گا۔ جب شاعر نے کہا تو کتنا اچھا کہا:

حَكَمَ الْمُنَجِّمُ أنَّ طَالِعَ مولدی یقضِی علیَّ بمیتةِ الغرقِ

منجم نے فیصلہ کیا کہ میری ولادت کا زائچہ میرے بارے میں غرق ہونے کی موت کا فیصلہ کرتا ہے۔

قُلْ لِلْمُنَجِّمِ صَبْحَةَ الطُّوفَانِ هَلْ وُلِدَ الْجَمِيعُ بِكَوْكَبِ الْغَرَقِ

طوفان کی صبح منجم سے پوچھو کیا تمام غرق والے ستاروں کے ساتھ پیدا ہوئے تھے۔

امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے اس وقت کہا گیا جب آپ نے خارجیوں سے جنگ کا ارادہ کیا تھا: کیا آپ ان سے جنگ کریں گے جب چاند برج عقرب میں ہے؟ تو حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: ان کا چاند کہاں ہے؟ وہ وقت مہینے کے اختتام کا تھا حضرت علی شیر خدا نے جو جواب دیا اس کے اس کلمہ کی طرف دیکھو اور ستارہ شناسی کے علم کے حوالے سے جو قول

کرتا ہے اس کو کتنا بلیغ جواب دیا اور جو آدمی ستاروں کی چال کے حوالے سے احکام کو ثابت کرنے کا دعویٰ کرتا ہے اس کو کس طرح خاموش کر دیا۔

مسافر بن عوف نے آپ سے عرض کی: اے امیر المومنین! اس گھڑی روانہ نہ ہوں، جب دن کے تین پہر گزر جائیں اس وقت روانہ ہوں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: کیوں؟ اس نے عرض کی: اگر آپ اس وقت چلے تو آپ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بہت بڑی مصیبت پہنچے گی اور اگر آپ اس وقت چلے جس میں چلنے کے لیے میں نے آپ کو کہا ہے تو آپ کامیاب و کامران ہوں گے اور جو آپ کا مطلب ہے اسے پالیں گے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منجم تھا اور نہ ہمارا کوئی منجم ہے، آپ طویل گفتگو کرتے ہیں جس میں وہ قرآن حکیم کی آیات سے استدلال کرتے ہیں جو اس بارے میں تیری تصدیق کرے میں اس کے بارے میں بے خوف نہیں کہ وہ اس آدمی کی طرح ہو جائے جس نے اللہ تعالیٰ کا مد مقابل بنالیا ہو۔ اے اللہ! کوئی فال نہیں مگر وہ تیرے قبضہ قدرت میں ہے اور تیری خیر کے سوا کوئی خیر نہیں پھر آپ نے متکلم سے فرمایا: ہم تجھے جھٹلاتے ہیں، تیری مخالفت کرتے ہیں اور ہم اسی وقت چلیں گے جس میں چلنے سے تو نے ہمیں منع کیا ہے۔ پھر حضرت علی شیر خدا لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے فرمایا: اے لوگو! علم نجوم حاصل کرنے سے بچو مگر اتنا علم نجوم حاصل کرو جس کے ذریعے تم بحر و بر کی تاریکیوں میں ہدایت حاصل کر سکو۔ بے شک منجم جادوگر کی طرح ہے اور جادوگر کافر کی طرح ہے اور کافر جہنم میں ہے۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے خبر پہنچی کہ تو ستاروں کی چال میں نظر رکھتا ہے اور اس کے مطابق عمل کرتا ہے تو میں تمہیں ہمیشہ کے لیے قید میں ڈال دوں گا، جب تک تو اور میں باقی رہیں، جب تک میری حکومت ہو گی میں تیرا عطیہ روک لوں گا۔ پھر حضرت علی شیر خدا نے اسی وقت میں سفر کیا جس وقت میں سفر کرنے سے اس نے روکا تھا آپ کا دشمنوں سے آمنا سامنا ہوا آپ نے دشمنوں کو قتل کیا یہی نہروان والا واقعہ ہے جو صحیح مسلم میں ثابت ہے پھر فرمایا: اگر ہم اس گھڑی چلتے جس میں چلنے کا اس منجم نے ہمیں حکم دیا، ہم کامیاب ہو جاتے اور غالب آ جاتے تو کوئی کہنے والا کہتا: حضرت علی اس وقت چلے جب منجم نے حکم دیا۔ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی منجم تھا اور نہ ہی ہمارا کوئی منجم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسریٰ، قیصر اور دوسرے شہروں پر فتح عطا فرمائی۔ پھر فرمایا: اے لوگو! اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اور اسی پر بھروسہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات غیروں کے مقابلہ میں کافی ہے۔

بے شک وہ اس کے آگے اور اس کے پیچھے تاڑنے والے نگہبان بھیجتا ہے۔ رَصَدًا سے مراد وہ فرشتے ہیں جو شیطان کو قریب سے روکتے ہیں؛ وحی شیطان کے چوری کرنے سے محفوظ رہتی ہے اور کاہنوں کو القا کرنے سے محفوظ رہتی ہے۔

ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث کیا اس کے ساتھ فرشتے تھے وہ شیاطین سے اس کی حفاظت کرتے ہیں کہ وہ فرشتوں کی صورت بنا سکیں۔ جب شیطان اس کے پاس فرشتے کی صورت میں آئے تو وہ کہے: انھیں یہ شیطان ہے اس سے بچو، اگر فرشتہ آئے تو وہ کہیں: یہ تیرے رب کا رسول ہے۔

حضرت ابن عباس اور ابن زید رضی اللہ عنہما نے کہا: رَصَدًا کا معنی نگہبان ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے اور پیچھے جنوں اور شیاطین سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ قتادہ اور سعید بن مسیب نے کہا: وہ چار فرشتے ہیں۔ فراء نے کہا: اس سے مراد

حضرت جبرئیل امین ہیں جب جبرئیل امین اللہ تعالیٰ کا پیغام لاتے تو ان کے ساتھ فرشتے بھی آتے جو ان کی حفاظت کرتے کہ جن وحی کو سن نہ لیں اور اپنے کاہنوں کو نہ پہنچا دیں اور وہ رسول پر سبقت نہ لے جائیں۔ سدی نے کہا: رَصَدًا سے مراد محافظ ہیں جو وحی کی حفاظت کریں جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہوتی تو کہتے: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور جسے شیطان القاء کرتا تو وہ کہتے: یہ شیطان کی جانب سے ہے۔ رَصَدًا مفعول ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ صحاح میں ہے: رصد ان لوگوں کو کہتے ہیں جو نگہبانی کرتے ہیں جس طرح حَرَس کا لفظ ہے اس میں واحد، جمع، مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں بعض اوقات وہ جمع کے لیے ارصاد کے لفظ ذکر کرتے ہیں اور کسی شی کے راصد سے مراد اس کا نگہبان ہے یوں باب چلایا جاتا ہے۔ رَصَدَہٗ، یَرْصُدُہٗ، رَصَدًا و رَصَدًا اور تَرَصَّد سے مراد تاڑنا ہے، مَرْصَد سے مراد تاڑنے کی جگہ ہے۔

لِّيَعْلَمَ أَن قَدْ أَبْلَغُوا رِسَالَاتِ رَبِّهِمْ وَأَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ وَأَحْصَىٰ كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا ﴿٢٨﴾

"تا کہ وہ دیکھ لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے ہیں (درحقیقت پہلے ہی) اللہ ان کے حالات کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کا اس نے شمار کر رکھا ہے"۔

لِيَعْلَمَ سے مراد یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا جان لیں کہ ان سے قبل آنے والے رسولوں نے پیغام حق پہنچایا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیغام حق پہنچایا ہے اس کلام میں کچھ کلام محذوف ہے لِيَعْلَمَ کا جار مجرور جس کے متعلق ہے تقدیر کلام یوں ہوگی أخبرناہ بحفظنا الوحی لیعلم ان الرسل قبلہ کانوا علی مثل حالتہ من التبلیغ بالحق والصدق یعنی ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی جانب سے وحی کی حفاظت کی خبر دی تا کہ آپ جان لیں کہ ان سے قبل کے رسول بھی حق اور سچائی کی تبلیغ میں آپ کی حالت پر ہی تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ آیت کا معنی یہ ہے تا کہ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا، جان لیں کہ حضرت جبرئیل امین اور ان کے ساتھ جو فرشتے تھے انہوں نے آپ کے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی نازل نہیں ہوتی تھی مگر اس کے ساتھ چار فرشتے آتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول جان لیں کہ فرشتوں نے پہلے رب کا پیغام پہنچا دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول جان لے کہ باقی ماندہ رسولوں نے پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے تا کہ ابلیس جان لے کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو کسی آمیزش اور اس میں سے کسی چوری کے بغیر حق پہنچا دیا ہے۔ ابن قتیبہ نے کہا: تا کہ جن جان لیں کہ رسولوں نے وہ پیغام حق پہنچا دیا ہے جو ان پر نازل کیا گیا تھا وہ اس پیغام کو پہنچانے والے نہیں جن میں سے کوئی چیز چوری نہیں کی گئی۔ مجاہد نے کہا: تا کہ وہ لوگ جان لیں جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا کہ رسولوں نے اپنے رب کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے۔ عام قراء کی قراءت تو لِيَعْلَمَ ہے یعنی علامت مضارع مفتوح ہے اس کی تاویل وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حمید اور یعقوب نے اسے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے تا کہ لوگوں کو آگاہ کر دے کہ رسولوں نے یہ پیغام حق پہنچا دیا ہے۔ زجاج نے کہا: تا کہ اللہ تعالیٰ جان لے کہ اس کے رسولوں نے اس کے پیغامات کو پہنچا دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴿﴾ (آل عمران) معنی یہ ہوگا تا کہ اللہ تعالیٰ اسے بطور علم مشاہدہ جان لے

جس طرح اسے بطور غیب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم نے ہر اس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو رسولوں کے پاس ہے اور جو فرشتوں کے پاس ہے۔ ابن جبیر نے کہا: معنی یہ ہے تا کہ رسول جان لیں کہ ان کے رب کے علم نے ہر اس چیز کا احاطہ کر رکھا ہے جو کچھ ان کے پاس ہے پس وہ اللہ کے پیغام حق کو پہنچائیں۔

وَ اَحْصٰى كُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا

اس نے ہر چیز کے عدد کا احاطہ کر رکھا ہے وہ اسے پہچانتا ہے اور اسے جانتا ہے اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔ عددا یہ حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی اس نے ہر چیز کا عدد کی حالت میں احاطہ کر رکھا ہے چاہے تو مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب قرار دے یعنی اس نے ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے تو یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے پس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہر شے کو شمار کرنے والی، عالم، حافظ ہے ہم نے یہ سب چیزیں الکتاب الاسنیٰ میں جمع کر دی ہیں جو اسماء حسنیٰ کی شرح میں ہے۔

اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ہی حمد ہے۔

سورۃ المزمل

آیاتہا ۲۰ ۷۳ سورۃ المزمل مکیۃ ۳ رکوعاتہا ۲

اس کی بیس آیتیں ہیں۔ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے نزدیک اس کی سب آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔

حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: دو آیتیں مکی نہیں وَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ اور آیت جو اس کے پیچھے ہے؛ ماوردی نے یہی ذکر کیا ہے۔ ثعلبی نے کہا: آیت رَبَّكَ یَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰی سے لے کر آخر تک مدنی ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ الَّیْلَ اِلَّا قَلِیْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَیْهِ وَ رَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ؕ

''اے چادر لپیٹنے والے! رات کو (نماز کے لیے) قیام فرمایا کیجئے مگر تھوڑا یعنی نصف رات یا کم کر لیا کریں اس سے بھی تھوڑا سا یا بڑھا دیا کریں اس پر اور (حسب معمول) خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کیجئے قرآن حکیم کو''۔

اس میں آٹھ مسائل ہیں:

مزمل کی لغوی تشریح

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، اخفش سعید نے کہا: اَلْمُزَّمِّلُ اصل میں متزمل تھی تاء کو زاء میں مدغم کیا گیا ہے یہی المدثر ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے اسے اصل پر المتزمل اور المتدثر پڑھا ہے۔ سعید نے اَلْمُزَّمِّلُ پڑھا ہے۔ مزمل کی اصل میں دو قول ہیں: ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھانے والے ہیں یہ جملہ کہا جاتا ہے: زَمَلَ الشَّیْئَ۔ جب وہ اس چیز کو اٹھائے اس سے الزاملہ ہے کیونکہ وہ گھر کا سامان اٹھاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مزمل سے مراد ہے لپٹنے والا، یہ جملہ بولا جاتا ہے: تزمل وتدثر بثوبه جب وہ کپڑے کو لپیٹ لے اور یہ جملہ بولا جاتا ہے: زمل غیرہ جب وہ کسی اور چیز کو ڈھانپ دے ہر وہ چیز جسے لپیٹا جائے تو پس اس کے لیے زمل اور دثر سے تعبیر کرنا درست ہوتا ہے۔ امراء القیس نے کہا:

کَبِیْرُ اُنَاسٍ فِیْ بِجَادٍ مُزَمَّلِ

بڑے لوگ دھاری دار چادروں میں لپٹے ہوئے ہیں۔

مزمل سے کون سی ذات مراد ہے

مسئلہ نمبر 2۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطاب ہے۔ اس میں تین قول ہیں۔ پہلا عکرمہ کا قول ہے: اے نبوت و رسالت کو لازم پکڑنے والے! انہیں سے ایک قول یہ نقل کیا گیا ہے: اے وہ ذات جس پر یہ امر لازم کیا گیا پھر اسے رخصت دی گئی! وہ اسے زاء کی تخفیف، میم کے فتحہ اور اسے مشدد پڑھا کرتے تھے جب کہ اس کا مفعول محذوف ہے اس طرح الْمُدَّثِّرُ ہے معنی یہ ہوگا اپنے آپ کو کپڑے سے لپیٹنے والے یا جسے غیر نے کپڑا اوڑھایا۔

دوسرا قول: اے قرآن کو لازم پکڑنے والے! یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

تیسرا قول ہے: اپنے کپڑے کو لپیٹنے والے! یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ امام نخعی نے کہا: آپ ایک چادر لپیٹے ہوتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک چادر کو لپیٹے ہوتے تھے جس کی لمبائی چودہ ہاتھ تھی وہ نصف مجھ پر تھی جب کہ میں سوئی ہوئی تھی اور نصف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تھی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے اللہ کی قسم وہ خز (ریشم جس میں اون ملی ہو) قز (ریشم) مرغزاء (نرم بالوں) ابرایسم (ریشم) اور اون کی نہ تھی اس کا تانا بکری کے بالوں اور پیٹا اونٹ کے بالوں کا تھا؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول دلالت کرتا ہے کہ یہ سورت مدنی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں مدینہ طیبہ میں ہی حرم میں داخل کیا تھا اور جو یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ سورت مکی ہے درست نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ضحاک نے کہا: آپ نے سونے کے لیے اپنے کپڑے کو لپیٹا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکوں کی جانب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ناز یبا بات پہنچی تو وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر شاق گزری تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اوپر کپڑا لے لیا تو یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ، یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وحی کی ابتدا میں ہوا کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرشتے کی بات سنی اور اسے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کپکپی طاری ہوگئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی اہلیہ کے پاس تشریف لائے تو ارشاد فرمایا: ''مجھے کپڑا اوڑھا دو''۔ یہ معنی حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ حکماء نے کہا: آپ کو ابتدا میں الْمُزَّمِّلُ اور الْمُدَّثِّرُ سے خطاب کیا کیونکہ ابھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رسالت کی تبلیغ کا فریضہ ادا نہیں کیا تھا۔

ابن عربی نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ کی تاویل میں اختلاف کیا گیا ہے (1)۔ کچھ علماء نے تو اسے حقیقی معنی پر محمول کیا ہے۔ اے وہ ذات جس نے اپنے آپ کو چادر میں لپیٹا ہوا ہے! اٹھیے! یہ ابراہیم اور قتادہ کا قول ہے۔ کچھ علماء وہ ہیں جنہوں نے اسے مجاز پر محمول کیا ہے۔ گویا آپ کو کہا گیا: اے وہ ذات جس نے نبوت کا بار اٹھایا! یہ عکرمہ نے کہا ہے۔ یہ تفسیر اس وقت جائز ہوگی اگر میم مفتوح اور مشدد ہو اور صیغہ اسم مفعول کا ہو، جہاں تک اسے اسم فاعل کی صورت میں پڑھنے کا تعلق ہے وہ باطل ہے۔

میں کہتا ہوں: ہم پہلے اس کے مفعول کے حذف کے اعتبار سے معنی بیان کر چکے ہیں۔ اسے اس صورت میں پڑھا بھی گیا ہے۔ یہ قراءت صحیح المعنی ہے کہا: جس نے یہ کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآن کو اوڑھنا بچھونا بنایا تو یہ مجازی معنی میں صحیح ہے لیکن ہم

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جز 4، صفحہ 1859

پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اسے اس کی ضرورت نہیں۔

مزمل سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم نہیں

مسئلہ نمبر 3۔ سہیلی نے کہا: مزمل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں سے نہیں اور نہ ہی اس میں یہ معروف ہے جس طرح بعض لوگ اس طرف گئے ہیں اور اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء میں شمار کیا ہے۔ مزمل اسم مشتق ہے جو اس حالت میں اشتقاق کیا گیا جو خطاب کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی۔ اسی طرح مدثر ہے اس نام کے ساتھ خطاب کرنے میں دو فائدے ہیں: ایک تو شفقت و محبت کا اظہار ہے کیونکہ عرب جب مخاطب کے ساتھ شفقت کرنے اور عتاب کے ترک کرنے کا ارادہ کرتے تو اسے ایسے نام کے ساتھ پکارتے جو اس حالت سے مشتق ہوتا جس حالت پر وہ ہوتا۔ جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا کو فرمایا جب وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہوئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی شیر خدا کے پاس آئے جب کہ وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کے پہلو پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی شیر خدا سے فرمایا: ''اے ابو تراب! اٹھو'' مقصود یہ شعور دلانا تھا کہ رسول اللہ ان پر ناراض نہیں اور ان پر شفقت کا اظہار تھا اس طرح حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''اے نومان! اٹھو'' جب کہ حضرت حذیفہ سوئے ہوئے تھے مقصود ان پر شفقت و نرمی کا اظہار تھا اور ناراضگی و عتاب کو ترک کرنا مقصود تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو یہ ارشاد فرمایا ہے: **یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ قُمِ** اس میں بھی انس اور شفقت کا اظہار ہے تاکہ یہ شعور دلایا جائے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض نہیں۔

دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر وہ آدمی جو چادر لے کر رات کو سویا ہوا ہو اس کے لیے تنبیہ ہے کہ وہ رات کے وقت عبادت کے لیے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے بیدار ہو کیونکہ فعل سے جو اسم مشتق ہوتا ہے اس میں مخاطب کے ساتھ ہر آدمی شریک ہوتا ہے جو ایسا عمل کر رہا ہو اور اس صفت کے ساتھ موصوف ہو۔

قُمِ کی لغوی تشریح

مسئلہ نمبر 4۔ قُمِ الَّیْلَ عام قراء کی قراءت میم کے کسرہ کے ساتھ ہے کیونکہ دو ساکن جمع ہوئے اس وجہ سے میم کو نیچے کسرہ دیا ہے۔ ابو سمال نے میم پر ضمہ پڑھا ہے وجہ قاف کے ضمہ کی اتباع ہے اور میم پر فتحہ بھی پڑھا ہے کیونکہ فتحہ خفیف ترین حرکت ہے۔ عثمان بن جنی نے کہا: میم پر حرکت سے غرض دو ساکنوں کے اجتماع سے دور بھاگنا ہے میم پر جو بھی حرکت آئے تو غرض حاصل ہو جاتی ہے۔ یہ فعل لازم ہے اور مفعول بہ کی طرف متعدی نہیں ہوتا جہاں تک اس کے لیے ظرف زمان اور ظرف مکان لانے کا تعلق ہے تو یہ جائز ہے، جہاں تک ظرف مکان کا تعلق ہے تو فعل کے بعد کسی واسطہ کا لانا ضروری ہوتا ہے تو یہ نہیں کہے گا: قمت الدار بلکہ تو یہ کہے گا: **قمت** وسط الدار و خارج الدار ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قم کا معنی ہے صَلِّ یعنی نماز پڑھ۔ صل کو قم سے تعبیر کیا گیا ہے اور اسے صل سے بطور مجاز ذکر کیا گیا ہے یہاں تک کہ کثرت استعمال کی وجہ سے عرف بن گیا ہے (1)۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی

اللیل کی مراد اور رات کی عبادت کن لوگوں پر فرض یا مستحب ہے

مسئلہ نمبر 5۔ الَّيْلَ۔ رات کی حد سورج کے غروب ہونے سے لے کر فجر کے طلوع ہونے تک ہے۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔ اس میں اختلاف ہے کیا رات کا قیام رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے فرض تھا یا مستحب تھا؟ دلائل اس نقطہ نظر کی تائید کرتے ہیں کہ رات کا قیام حتمی اور فرض تھا اس کی وجہ یہ ہے مستحب رات کے کچھ حصہ پر واقع نہیں ہوتا اور کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں ہوتا۔ اس بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے راویوں سے تعیین آئی ہے۔

اس مسئلہ میں بھی اختلاف ہے کیا یہ عبادت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل انبیاء پر فرض تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر بھی فرض تھی؟ اس بارے میں تین قول ہیں:

۱۔ سعید بن جبیر کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ خطاب صرف رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔

۲۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ ہے کہ رات کی عبادت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ سے قبل کے انبیاء پر بھی فرض تھی۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی رائے ہے، یہ حضرت ابن عباس سے بھی مروی ہے اور یہی صحیح ہے جس طرح حضرت زرارہ بن اوفی سے مروی روایت مسلم شریف میں ہے کہ حضرت سعد بن ہشام نے الله کی راہ میں جہاد کرنے کا ارادہ کیا اس میں یہ وضاحت ہے کہ حضرت سعد بن ہشام نے کہا: میں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کی مجھے رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادت کے بارے میں بتایئے؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: کیا تو سورۃ المزمل کی قراءت نہیں کرتا؟ میں نے کہا: کیوں نہیں، میں قراءت کرتا ہوں۔ فرمایا: الله تعالیٰ نے سورت کے شروع میں رات کا قیام (عبادت) فرض کیا۔ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ نے ایک سال تک قیام کیا الله تعالیٰ نے اس سورت کا اختتام بارہ ماہ تک آسمانوں میں ہی روکے رکھا یہاں تک کہ سورت کے آخر میں تخفیف کو نازل فرمایا اس کے بعد رات کا قیام فرض سے نفل ہو گیا۔

وکیع اور یعلی نے یہ روایت نقل کی ہے ہمیں مسعر نے سماک حنفی سے روایت بیان کی ہے انہوں نے کہا میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو یہ کہتے ہوئے سنا: جب سورۃ مزمل کا ابتدائی حصہ نازل ہوا تو صحابہ کرام رات کو اتنا قیام کیا کرتے تھے جتنا قیام وہ رمضان شریف کے مہینے میں کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اس میں سورت کا آخری حصہ نازل ہوا اس کے ابتدائی اور آخری حصہ میں سال کا وقفہ ہے۔

سعید بن جبیر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ دس سال تک راتوں کو قیام کرتے رہے تو دس سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ تو الله تعالیٰ نے ان سے اس امر کو خفیف کر دیا۔

قَلِيْلًا سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 6۔ اِلَّا قَلِيْلًا۔ یہ الَّيْلَ سے مستثنیٰ ہے یعنی ساری رات کھڑے ہوں مگر تھوڑا حصہ کیونکہ ساری رات کا قیام ہمیشہ کے لیے ناممکن ہے تو تھوڑے حصہ کو قیام سے خارج کر دیا تاکہ جسم آرام پائے۔ کسی شی کے قلیل سے مراد نصف سے کم ہے۔ وہب بن منبہ سے یہ منقول ہے کہ قلیل دسویں یا چھٹے حصے سے کم کو کہتے ہیں۔ کلبی اور مقاتل نے کہا: ایک تہائی کو قلیل

کہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِیْلًا ۙ یہ تخفیف تھی کیونکہ قیام کا زمانہ محدود نہ تھا لوگوں نے راتوں کا قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم سوج گئے پھر اسے عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ سے منسوخ کر دیا گیا۔ اخفش نے کہا: نصف سے پہلے او کا لفظ محذوف ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: أعطه درهما درهمين ثلاثة۔ اس سے متکلم یہ ارادہ کرتا ہے اسے ایک درہم یا دو درہم یا تین درہم دے دو۔ زجاج نے کہا: نِّصْفَهٗۤ یہ الَّیْلَ سے بدل ہے۔ اِلَّا قَلِیْلًا۔ یہ نصف سے مستثنیٰ ہے اور منه اور علیه میں جو ضمیر ہے یہ نصف کے لیے ہے معنی یہ ہوگا نصف رات قیام کیجئے یا اس سے تھوڑا کم کر لیجئے یعنی ایک تہائی یا اس سے زیادہ کر لیجئے یعنی دو تہائی۔ گویا یہ حکم ہوا رات کا دو تہائی، نصف یا ایک تہائی قیام کیجئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: نِّصْفَهٗۤ یہ قَلِیْلًا سے بدل ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تین امور میں اختیار دیا گیا مکمل نصف، اس سے کم اور اس سے زائد۔ گویا تقدیر کلام یہ ہے قم الليل إلا نصفه أو أقل من نصفه او اكثر من نصفه۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب رات کا پہلا ایک تہائی گزر جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے: میں بادشاہ ہوں، میں بادشاہ ہوں جو مجھ سے دعا کرتا ہے میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں، جو مجھ سے سوال کرتا ہے میں اسے عطا کرتا ہوں، جو مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے میں اسے بخش دیتا ہوں یہ اسی طرح معاملہ رہتا ہے یہاں تک کہ فجر روشن ہو جاتی ہے''۔ اس کی مثل حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رات کے دو تہائی کا قیام مرغوب ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''رات کا نصف یا دو تہائی جب گزر جاتا ہے'' الخ۔

دو سندوں سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اسی طرح او کے لفظ کے ساتھ روایت مروی ہے۔

سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ مہلت دیتا ہے یہاں تک کہ رات کا پہلا نصف گزر جاتا ہے پھر وہ منادی کو حکم دیتا ہے تو منادی کرنے والا کہتا ہے: کیا کوئی دعا کرنے والا ہے جس کی دعا قبول کی جائے؟ کیا کوئی مغفرت طلب کرنے والا ہے جس کو بخشا جائے؟ کیا کوئی سائل ہے جس کو عطا کیا جائے؟'' ابو محمد عبد الحق نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔

یہ حدیث صحیح ہونے کے ساتھ نزول کے معنی کی وضاحت کرتی ہے کہ یہ نصف رات کو ہوتا ہے۔

ابن ماجہ نے ابن شہاب کی حدیث سے وہ ابو سلمہ اور ابو عبد اللہ اغر سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہر رات جب رات کا تیسرا حصہ باقی ہوتا ہے تو ہمارا رب نزول اجلال فرماتا ہے وہ فرماتا ہے: کون مجھ سے سوال کرتا ہے کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے جو مجھ سے دعا کرے کہ میں اس کی دعا قبول کروں؟ کون مجھ سے مغفرت طلب کرتا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ یہاں تک کہ فجر طلوع ہو جاتی ہے''۔ صحابہ کرام رات کے

آخری حصہ میں نماز پڑھنا پسند کرتے تھے (1)۔ ہمارے علماء نے کہا: قرآن وحدیث میں اسی طریقہ پر تطبیق کی جائے گی کیونکہ وہ دونوں ایک ہی مشکاۃ سے دیکھتے ہیں۔ موطا اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں رات گزاری جب رات نصف گزر چکی تھی یا اس سے تھوڑا پہلے یا بعد کا وقت ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہوئے آپ ایک لٹکے ہوئے مشکیزہ کی طرف اٹھے آپ نے ہلکا سا وضو کیا۔

ساری رات کی عبادت کا ناسخ حکم

مسئلہ نمبر 7۔ رات کے قیام (عبادت) کے ناسخ کے بارے میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ رات کے قیام کا ناسخ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی منقول ہے کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کے فرمان عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى سے منسوخ ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، امام شافعی، مقاتل اور ابن کیسان سے یہ مروی ہے کہ یہ پانچ نمازوں کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس حکم کا ناسخ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ہے۔ ابو عبدالرحمن سلمی نے کہا: جب يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے راتوں کا قیام کیا یہاں تک کہ ان کے قدم اور پنڈلیاں سوج گئیں پھر یہ آیت نازل ہوئی فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ (2) بعض علماء نے کہا: یہ ایسا فرض ہے جس کے ساتھ فرض منسوخ ہوگیا۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خاص طور پر فرض تھا جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ (الاسراء: 79)

میں کہتا ہوں: پہلا قول ان تمام اقوال کو شامل ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ (بقرہ: 110) اس میں اس کا قول بھی داخل ہو جاتا ہے جو یہ کہتا ہے کہ ناسخ پانچ نمازوں کا حکم ہے۔ حضرت حسن بصری اور حضرت ابن سیرین اس طرف گئے ہیں کہ رات کی نماز ہر مسلمان پر فرض تھی اگرچہ بکری دوہنے کے وقت تک ہو۔ حضرت حسن بصری سے اس آیت کے بارے میں قول بھی منقول ہے۔ الحمد للہ یہ فریضہ کے بعد نفلی نماز ہے۔ ان شاء اللہ یہی قول صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن وسنت میں رات کے قیام میں ترغیب دلائی گئی ہے اور اس کی فضیلت کا ذکر ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت مروی ہے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک چٹائی بچھاتی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھا کرتے تھے تو لوگوں نے اس بارے میں ایک دوسرے سے سنا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کے اجتماع کو دیکھا تو اسے ناپسند کیا اور اس امر سے ڈرے کہ ان پر رات کا قیام فرض ہی نہ کر دیا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراضگی کے عالم میں گھر میں داخل ہو گئے۔ صحابہ کرام نے کھانسنا شروع کر دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی طرف نکلے اور فرمایا: "اے لوگو! اپنے آپ کو اتنے ہی اعمال کا مکلف بناؤ جس کی تم طاقت رکھتے ہو۔ بے شک اللہ تعالیٰ بدلہ دینے سے نہیں اکتاتا جب کہ تم عمل سے اکتا جاتے ہو کیونکہ بہترین عمل وہ ہے جو دائمی ہو اگرچہ تھوڑا ہی ہو"۔ تو اس وقت يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ نازل ہوئی تو رات کا

1۔ سنن ابن ماجہ، باب ما جاء فی ای ساعۃ اللیل افضل، حدیث نمبر 1355، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 362

قیام ان پر فرض کر دیا گیا اور اسے فریضہ کا درجہ دیا گیا یہاں تک کہ صحابہ میں سے ایک آدمی رسی باندھتا اور اس کے ساتھ لٹک جاتا آٹھ ماہ تک صحابہ اسی طرح رہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور یہ حکم نازل کیا: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ انہیں فرض نماز کی طرف پھیر دیا اور رات کا قیام ان سے ختم کر دیا مگر جو وہ نفلی نماز کے طور پر پڑھیں (1)۔

میں کہتا ہوں: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث کو ثعلبی نے ذکر کیا ہے اس کا معنی (رات تک) صحیح میں بھی ثابت ہے اور اس کا باقی ماندہ حصہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی وہ آٹھ ماہ تک قیام کرتے رہے۔ صحیح مسلم کی روایت میں پہلے گزر چکا ہے کہ وہ ایک سال تک قیام کرتے رہے۔ ماوردی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے تیسرا قول بھی ذکر کیا ہے کہ صحابہ سولہ ماہ تک قیام کرتے رہے کسی اور نے حضرت عائشہ سے یہ قول ذکر نہیں کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سورۂ مزمل کی ابتدا اور انتہا میں ایک سال کا عرصہ حائل ہے۔ کہا: جہاں تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے یہ قیام آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھا۔ ایک نسخہ میں ان سے دو قول مروی ہیں۔ ایک یہ ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس جہان فانی سے پردہ فرمانے تک فرض تھا۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی منسوخ کر دیا گیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے منسوخ کر دیا گیا۔ منسوخ ہونے تک اس کے فرض ہونے کی مدت میں دو قول ہیں۔ ایک قول تو یہ ہے: امت پر فرض رہنے والی مدت میں دو قول گزر چکے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے ایک سال ذکر کی ہے اور حضرت عائشہ نے سولہ ماہ ذکر کی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: یہ دس سال کا عرصہ تھا یہاں تک کہ اسے منسوخ کر کے تخفیف کی گئی مقصود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے احکام میں زیادتی تھی تاکہ رسالت کے عمل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ممتاز ہو جائیں؛ ابن جبیر نے یہ بات کہی۔

میں کہتا ہوں: ثعلبی نے سعید بن جبیر سے جو روایت ذکر کی ہے یہ اس کے خلاف ہے پس اس میں غور وفکر کیجئے۔ سورت کے آخر میں زیادہ وضاحت آئے گی۔ ان شاء اللہ۔

ترتیل سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 8۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا ۝ قرآن کی قراءت میں جلدی نہ کرو بلکہ ٹھہر ٹھہر کر اور معانی میں تدبر کرتے ہوئے پڑھو۔ ضحاک نے کہا: اسے حرف حرف کر کے پڑھو۔ مجاہد نے کہا: اللہ تعالیٰ کے ہاں قراءت قرآن میں لوگوں میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے جو اسے سب سے زیادہ سمجھ کر پڑھتا ہے۔ ترتیل سے مراد بڑی خوبصورتی سے منظم ومرتب کرنا اس سے ثغر رتَل و رتِل یعنی عین کلمہ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ پڑھتے ہیں جب کہ دانت خوبصورت اور نمایاں ہوں۔ اس کا بیان کتاب کے مقدمہ میں گزر چکا ہے۔ حضرت حسن بصری نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے جو ایک آیت کی تلاوت کر رہا تھا اور رو رہا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کیا تم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان کو نہیں سنا وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِيْلًا یہ ترتیل ہے''۔ علقمہ نے ایک آدمی کو اچھی طرح قراءت کرتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا: اس نے قرآن حکیم ترتیل کے ساتھ پڑھا ہے میرے ماں باپ اس پر قربان ہوں! ابو بکر بن طاہر نے ان الفاظ کی یہ تعبیر بیان

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 359

کی ہے اس کے خطاب کے لطائف میں غور وفکر کیجئے، نفس سے اس کے احکام بجالانے کا مطالبہ کیجئے، اپنے دل سے اس کے معانی کے فہم کا مطالبہ کیجئے اور اس کی طرف توجہ کرنے کا مطالبہ کیجئے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز قرآن کے قاری کو لایا جائے گا اسے جنت کے پہلے زینہ پر کھڑا کیا جائے گا اور اسے کہا جائے گا: پڑھتا جا اور اوپر چڑھتا جا اور اس طرح ٹھہر ٹھہر کر پڑھ جس طرح تو دنیا میں پڑھا کرتا تھا، بے شک تیرا ٹھکانہ اس آخری آیت کے پڑھنے پر ہوگا جس کو تو پڑھے گا'' (1)۔ اسے ابوداؤد نے نقل کیا ہے کتاب کے آغاز میں اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پڑھتے وقت اپنی آواز کو لمبا کیا کرتے تھے۔

اِنَّا سَنُلْقِیْ عَلَیْكَ قَوْلًا ثَقِیْلًا ۝

''بے شک ہم جلد ہی القا کریں گے آپ پر ایک بھاری کلام''۔

اس آیت کا تعلق اس آیت کے ساتھ ہے جس میں رات کا قیام فرض کیا گیا یعنی رات کی نماز فرض کرنے کے ساتھ ہم آپ پر قول ثقیل القا کریں گے جس کا اٹھانا مشکل ہوگا کیونکہ رات سونے کے لیے ہوتی ہے جس کو رات کے اکثر حصہ میں قیام کا حکم دیا گیا ہو وہ اس کے لیے تیار نہیں ہوتا مگر اسے نفس پر سختی کرنا پڑتی ہے اور شیطان سے مجاہدہ کرنا پڑھتا ہے یہ چیز بندے پر بڑی بھاری ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم آپ کی طرف قرآن وحی کریں گے۔ وہ قول ثقیل ہے جس کے شرعی احکام پر عمل ثقیل ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! اس کے فرائض اور اس کی حدود ثقیل ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس کا حلال اور حرام ثقیل ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس پر عمل کرنا مشکل ہے۔ ابوالعالیہ نے کہا: وعدہ، وعید اور حلال وحرام کے اعتبار سے ثقیل ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: منافقوں پر ثقیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: کفار پر ثقیل ہے کیونکہ اس میں ان کے خلاف استدلال ہے، ان کی گمراہی کا بیان ہے، ان کے معبودوں کے لیے سب وشتم موجود ہے اور اہل کتاب نے اپنی کتابوں میں جو تحریف کی اس کی وضاحت موجود ہے۔ سدی نے کہا: ثقیل، کریم کے معنی میں ہے، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان ثقیل علیّ یعنی وہ میرے لیے معزز ہے۔ فراء نے کہا: ثقیل بمعنی باوقار ہے یہ خفیف نہیں کیونکہ یہ ہمارے رب کا کلام ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: یہ ثقیل ہے اس کا حامل وہی دل ہو سکتا ہے جس کو توفیق کی تائید نصیب ہو، وہی نفس اٹھا سکتا ہے جو توحید سے مزین ہو۔ ابن زید نے کہا: اللہ کی قسم! وہ ثقیل اور بابرکت ہے جس طرح قرآن دنیا میں ثقیل ہے اسی طرح قیامت کے روز میزان میں ثقیل ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ثبت ہے جس طرح بھاری چیز اپنی جگہ میں ثبت ہوتی ہے اس کا معنی ہوگا اس کا اعجاز ثابت ہے اس کا اعجاز کبھی زائل نہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد قرآن ہے جس طرح حدیث میں ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی گئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر سوار تھے تو اس اونٹنی نے اپنا سینہ زمین پر رکھ دیا وہ حرکت بھی نہ کر سکتی تھی یہاں تک کہ وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔ موطا اور دوسری کتب میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی کس طرح آتی تھی؟ فرمایا: ''کبھی میرے پاس وحی گھنٹی کی آواز کی صورت میں آتی تھی یہ میرے

1۔ مستدرک للحاکم، باب فضائل القرآن، جلد 1، صفحہ 739

لیے سب سے شدید ہوا کرتی تھی وہ وحی ختم ہوتی جب کہ میں اسے یاد کر چکا ہوتا، کبھی فرشتہ میرے لیے انسانی شکل میں آتا وہ مجھ سے گفتگو کرتا اور جو وہ کہتا میں اسے یاد کر لیتا'' (1)۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید سردی میں دیکھا آپ پر وحی نازل ہوتی وہ وحی ختم ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنپٹی سے پسینہ بہہ رہا ہوتا تھا (2)۔ ابن عربی نے کہا: یہ تعبیر بہتر ہے کیونکہ یہی حقیقت ہے جب کہ قرآن حکیم میں یہ بھی ہے: وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بُعِثْتُ بالحنيفية السمحة۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سورت میں قول سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا قول ہے کیونکہ حدیث طیبہ میں آیا ہے ''زبان پر ہلکا اور میزان میں بھاری ہے'' یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِيْلًا ۞ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۞

''بلاشبہ رات کا قیام (نفس کو) سختی سے روندتا ہے اور بات کو درست کرتا ہے۔ یقیناً آپ کو دن میں بڑی مصروفیتیں ہیں''۔

نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے کیا مراد ہے؟

اس میں پانچ مسائل ہیں:

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ علماء نے کہا: نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد رات کے اوقات اور گھڑیاں ہیں کیونکہ اس کے اوقات یکے بعد دیگرے پیدا ہوتے ہیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشأ الشيء ينشأ۔ جب وہ ابتدا کرے اور ایک چیز کے بعد دوسری چیز کی طرف متوجہ ہو۔ ناشئة یہ نشأت سے فاعلة کا وزن ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَوَ مَنْ يُّنَشَّؤُا فِي الْحِلْيَةِ وَهُوَ فِي الْخِصَامِ غَيْرُ مُبِيْنٍ ۞ (الزخرف) مراد یہ ہوگا رات کی گھڑیاں پروان چڑھ رہی ہیں تو اسم کی بجائے وصف پر اکتفا کیا نَاشِئَةَ کو مونث ساعة کے لفظ کی وجہ سے ذکر کیا ہے کیونکہ ہر گھڑی جنم لیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نَاشِئَةَ مصدر ہے جس کا معنی رات کا قیام ہے جس طرح خاطئة اور کاذبة مصدر ہیں یعنی رات کا قیام روندنے میں سخت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نَاشِئَةَ الَّيْلِ سے مراد رات کا قیام ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: حبشی کہتے ہیں نشأ یعنی اٹھا شاید انہوں نے یہ ارادہ کیا ہو کہ کلمہ تو عربی ہے مگر حبشی زبان میں عام اور غالب ہے وگرنہ قرآن میں کوئی ایسی چیز نہیں جو لغت عرب میں نہ ہو۔ کتاب کے مقدمہ میں اس کی مکمل وضاحت گزر چکی ہے۔

رات کی نماز دن کی نماز سے افضل ہے

مسئلہ نمبر 2۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز کی دن کی نماز پر فضیلت بیان کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ جتنا ممکن ہو رات کی نماز میں زیادہ قراءت کرنی چاہیے کیونکہ یہ عظیم اجر اور زیادہ ثواب کا باعث ہے۔

1۔ سنن نسائی، باب ماجاء فی القرآن، حدیث نمبر 924، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح بخاری، باب کیف کان بدء الوحی، حدیث نمبر 2، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

نَاشِئَةَ الَّیْلِ سے کیا مراد ہے علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت ابن عمر اور حضرت انس بن مالک نے کہا: اس سے مراد مغرب اور عشاء کے درمیان کی عبادت ہے وہ اس چیز سے استدلال کرتے ہیں لفظ نشأ ابتدا کا معنی دیتا ہے تو ابتدائی جز زیادہ حق رکھتا ہے۔ اسی بارے میں شاعر کا شعر ہے:

ولولا أنْ يُقالَ صَبَا نُصَيبٌ لَقلتُ بِنفسِيَ النَّشَأُ الصِّغارُ

اگر یہ بات نہ کہی جاتی کہ نصیب بے دین ہو گیا تو میں اپنے آپ کو کہتا یہ تو نئی اٹھان ہے۔

علی بن حسین مغرب و عشاء کے درمیان نماز پڑھتے اور کہتے: یہ نَاشِئَةَ الَّیْلِ ہے۔ عطا اور عکرمہ نے کہا: اس سے مراد رات کا آغاز ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد ساری رات ہے کیونکہ یہ دن کے بعد جنم لیتی ہے۔ امام مالک بن انس نے اسے ہی پسند کیا ہے۔ ابن عربی نے کہا: لفظ یہی معنی دیتا ہے اور لغت اس کا ہی تقاضا کرتی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: نَاشِئَةَ سے مراد نیند کے بعد رات کا قیام ہے جس نے نیند سے پہلے رات کے پہلے پہر قیام کیا تو اس نے نَاشِئَةَ کا قیام نہ کیا۔ یمان اور ابن کیسان نے کہا: رات کے آخری حصہ میں قیام ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: ان کی نماز رات کے ابتدائی حصہ میں ہوا کرتی تھی اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جب سوتا ہے تو وہ نہیں جانتا کب بیدار ہو گا؟ صحاح میں ہے: نَاشِئَةَ الَّیْلِ سے مراد رات کی ابتدائی گھڑیاں ہیں۔ قتبی نے کہا: یہ رات کی گھڑیاں ہیں کیونکہ یہ یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی ہیں۔

حسن اور مجاہد سے مروی ہے: یہ عشاء کے بعد سے لے کر صبح تک کا وقت ہے۔

حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: عشاء کے بعد کا وقت نَاشِئَةَ ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد وہ طاعتیں ہیں جو رات کو کی جاتی ہیں؛ یہ جوہری نے بیان کیا ہے۔

وَطْاً کی لغوی تشریح اور معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 3۔ هِيَ اَشَدُّ وَطْاً ابو العالیہ، ابو عمرو، ابن ابی اسحاق، مجاہد، حمید، ابن محیصن، ابن عامر، مغیرہ اور ابو حیوہ نے اسے وِطاء واؤ کے کسرہ، طاء کے فتحہ اور الف ممدودہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو عبیدہ نے اسے ہی پسند کیا ہے جب کہ باقی قراء نے وَطْاً واؤ کے فتحہ، طاء ساکن اور الف مقصورہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ ابو حاتم نے اسے اختیار کیا ہے جس طرح تیرا قول ہے: اشتدت على القوم وطأة سلطانهم جو چٹیاں ان پر لازم کی گئیں وہ ان پر ثقیل ہو گئیں۔ اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اللّٰهم اشدد وطأتك على مُضَرَ اے اللہ! مضر قبیلہ پر اپنی پکڑ کو سخت کر دے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ نمازی پر یہ ساعتیں دن کی ساعتوں سے بھاری ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رات نیند اور کام کاج چھوڑنے کا وقت ہے جو آدمی عبادت میں مشغول ہوا تو اس نے عظیم مشقت اٹھائی۔ جب یہ الف ممدودہ کے ساتھ ہو تو واطأت وطاء و مواطاة کا مصدر ہو گا یعنی میں نے اس کی موافقت کی۔ ابن زید نے کہا: واطأته على الأمر مواطاة۔ یعنی جب میں نے اس کے ساتھ موافقت کی۔

فلان يواطئ إسمه إسمي۔ فلاں! اپنے نام کو میرے نام کے ساتھ موافق کرتا ہے۔

تواطئوا علیه۔ انہوں نے آپس میں موافقت کی۔ معنی یہ ہوگا یہ عمل دل، نظر، کان اور زبان کو موافق کرنے والا ہے کیونکہ آوازیں اور حرکتیں منقطع ہو چکی ہوتی ہیں؛ یہ قول مجاہد، ابن ابی ملیکہ اور دوسرے علماء نے کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کے معنی کے موافق قول کیا، یعنی یہ قوت سماعت کو دل کے موافق کرتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ (توبہ: 37) تاکہ وہ اس کی موافقت کریں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے تفکر اور تدبر میں تصرف کے لیے سختی سے موافقت کرنے والا ہے۔

وطاء، غطاء کے خلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَشَدُّ وَطْاً دن کی بنسبت سختی سے ثبت کرنے والا ہے کیونکہ رات ایسا وقت ہوتا ہے جس میں انسان عمل نہیں کرتا تو یہ عمل کو زیادہ مضبوط کرنے والا جو چیز انسان کو غافل کرے اور دل کو مشغول کرے اس سے زیادہ پاک ہوتا ہے۔ الوطء کا معنی ثبات ہے تو کہتا ہے: وطئت الأرض بقدمی۔ میں اپنے قدم کے ساتھ زمین پر ثابت ہوا۔ اخفش نے معنی کیا: اشد قیاما۔ قیام میں شدید ہے۔ فراء نے کہا: اثبت قراءۃ وقیاما۔ قراءت اور قیام میں زیادہ ثبت کا باعث ہے۔ انہیں سے اَشَدُّ وَطْاً کا معنی منقول ہے عمل کو ثبت کرنے والا اور جو زیادہ عبادت کا ارادہ کرے اس کے لیے دوام کا باعث ہے۔ رات کا وقت زندگی کی مصروفیات سے فارغ ہونے کا وقت ہے اس کی عبادت دائمی ہوتی ہے ختم نہیں ہوتی۔ کلبی نے اَشَدُّ وَطْاً کا معنی کیا ہے: نمازی کے لیے زیادہ نشاط کا باعث ہے کیونکہ وہ اپنی راحت کے زمانہ میں ہوتا ہے۔ عبادہ نے کہا: اَشَدُّ وَطْاً کا معنی ہے نمازی کے لیے نشاط کا باعث ہے، زیادہ خفیف اور قراءت کو درست کرنے والا ہوتا ہے۔

وَّاَقْوَمُ قِيْلًا کی تشریح

مسئلہ نمبر 4۔ وَّاَقْوَمُ قِيْلًا یعنی رات کے وقت کی قراءت دن کی بنسبت درستگی پر استقامت و دوام میں شدید ہوتی ہے کیونکہ آوازیں پرسکون ہوتی ہیں، دنیا خاموش ہوتی ہے نمازی جو پڑھتا ہے وہ نمازی پر مضطرب نہیں ہوتا۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: قراءت کو درست کرنے والا، قول کو ثبت کرنے والا ہوتا ہے۔ کہا: یہ وقت سمجھنے کا ہوتا ہے۔ ابوعلی نے کہا: وَّاَقْوَمُ قِيْلًا سے مراد ہے رات کے وقت فارغ البال ہونے کی وجہ سے استقامت کو مضبوط بناتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دعا کو جلدی قبول کراتا ہے؛ ابن شجرہ نے یہ بیان کیا ہے۔ عکرمہ نے کہا: رات کی عبادت مکمل نشاط والی، کامل اخلاص والی اور زیادہ برکت والی ہوتی ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: یہ اس کے زیادہ مناسب ہوتی ہے کہ وہ قرآن میں تفقہ حاصل کرے۔ اعمش سے مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک نے أصوب قیلا پڑھا تو انہیں کہا گیا: وَّاَقْوَمُ قِيْلًا تو انہوں نے جواب دیا: اقوم، اصوب اور اھیأ سب برابر ہیں۔ ابوبکر انباری نے کہا: ان کج رو لوگوں میں سلسلہ لگاتار جاری رہا یہاں تک کہ انہوں نے یہ کہا: جس نے کسی ایسے حرف کے ساتھ قرآن پڑھا جو قرآن کے حرف کے معنی کے موافق ہو تو وہ درست قراءت کرنے والا ہے، جب کہ اس نے معنی کی مخالفت نہ کی ہو اور اللہ تعالیٰ کا جو قصد و ارادہ تھا اس کا غیر نہ لایا ہو۔ ان لوگوں نے حضرت انس کے قول سے استدلال کیا ہے۔ یہ ایسا قول ہے جس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا اور اس کے قائل کی طرف التفات نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس نے اگر ایسے الفاظ سے قراءت کی جو قرآن کے الفاظ کے مخالف ہو اور اس کے معانی کے قریب ہو تو اس کے

لیے پھر یہ بھی جائز ہوگا کہ وہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی جگہ الشكر للباری ملك المخلوقين پڑھ لے۔ اس میں معاملہ بہت وسیع ہو جائے گا یہاں تک کہ تمام قرآن کے الفاظ باطل ہو جائیں گے اور ان الفاظ کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے والا اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھے گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولے گا۔ ان کے لیے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول میں کوئی دلیل نہیں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔ یہ تمہارے اس قول کی طرح ہے، هلم، تعال اور اقبل کیونکہ یہ حدیث اس امر کو ثابت کرتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح سندوں سے منقول قرائتیں جب الفاظ مختلف ہوں اور معانی متفق ہوں تو وہ هلم، تعال اور اقبل کے معنی میں ہیں مگر جس لفظ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور تابعین نے نہیں پڑھا تو جو ایسا ایک حرف بھی قرآن میں لایا تو صحیح مذہب سے نکل گیا۔

ابوبکر نے کہا: وہ حدیث جسے انہوں نے اس گمراہی میں بطور قاعدہ پیش کیا ہے وہ ایسی حدیث ہے جو کسی اہل علم سے ثابت نہیں کیونکہ اس کا انحصار اس سند پر منحصر ہے اعمش، انس سے روایت کرتے ہیں یہ سند مقطوع ہے متصل نہیں کہ اس سے استدلال کیا جا سکے کیونکہ اعمش نے حضرت انس کو دیکھا تو ہے ان سے احادیث نہیں سنیں۔

سَبْحًا طَوِيْلًا کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 5۔ اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا ۞ عام قراءت حاء غیر معجمہ کے ساتھ ہے یہاں آپ کو ضروریات کے لیے آنا جانا پڑتا ہے۔ سبح کا معنی دوڑنا اور چکر لگانا ہے، اسی سے پانی میں تیرنے والا ہے کیونکہ وہ اپنے ہاتھ پاؤں مارتا ہے اور فرس سابح ہے جو گھوڑا بہت تیز دوڑتا ہے۔

امراء القیس نے کہا:

مِسَحٍّ إذا ما السَّابِحاتُ علی الوَنَی أَثَرْنَ الغُبارَ بِالكَدِيدِ المُرَكَّلِ

وہ بہت تیز دوڑنے والا ہوتا ہے جب کہ تیز رفتار گھوڑے تھکاوٹ کے وقت سخت جگہ غبار اڑاتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبح سے مراد فراغت ہے یعنی دن کے وقت کام کاج کے لیے آپ کے پاس فراغت ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ دن کے وقت آرام کرتے ہیں۔ تسبح کا معنی لمبا ہونا ہے؛ یہ خلیل نے ذکر کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عطا سے مروی ہے: سَبْحًا طَوِيْلًا یعنی آپ کی نیند اور آپ کے آرام کے لیے طویل فراغت ہوتی ہے۔ پس رات کا وقت عبادت کے لیے بنا لیجئے۔ زجاج نے کہا: اگر رات کے وقت کوئی شے فوت ہو جائے تو دن میں آپ کے لیے آرام کے لیے فراغت ہوتی ہے۔

یحییٰ بن یعمر اور ابو وائل نے سبخا پڑھا ہے۔ مہدوی نے کہا: اس کا معنی نیند ہے اس قراءت کے قاریوں سے یہ مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی خفت، وسعت اور استراحت ہے اسی معنی میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جب کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چادر چوری کرنے والے کے لیے بددعا کی تھی: لا تُسَبِّخي بدعائك عليه۔ یعنی اس کے گناہ کو اس سے ہلکا نہ کرو؛ شاعر نے کہا:

فَسَبِّخْ علیك الْهَمَّ واعلم بِأَنَّهُ إذا قَدَّرَ الرحمٰنُ شَیْئًا فَكَائِنُ

اپنے سے غم کو ہلکا کردو اور یہ جان لو جب اللہ تعالیٰ کسی شی کو مقدر کرتا ہے تو وہ ہو کر رہتی ہے۔

اصمعی نے کہا: یہ قول کیا جاتا ہے سَبَّخَ الحر یعنی گرمی ہلکی پڑ گئی۔ تسبیخ سے مراد سخت نیند ہے۔ تسبیخ کا معنی یہ بھی ہے روئی، کتان اور اون کے اجزاء کو الگ الگ کرنا، عورت کو کہا جاتا ہے: سبخی قطنك اور سبیخ من القطن سے مراد یہ ہوتا ہے اسے لپٹا جائے تا کہ عورت اسے کاتے۔ اس کے ایک حصہ کو سبیخه کہتے ہیں، اس طرح بھیڑ بکریوں کی اون اور اونٹ کی اون میں ہوتا ہے۔ روئی کے ان حصوں کو سبائخ کہتے ہیں۔ اخطل شکاریوں اور کتوں کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے:

فأَرْسَلُوهُنَّ یُذْرِینَ التُّرَابَ كما یُذْرِی سَبَائِخَ قُطْنٍ نَدْفُ أَوْتَارِ

شکاریوں نے کتوں کو چھوڑا وہ مٹی کو یوں اڑا رہے تھے جس طرح روئی کا دھنکنا روئی کے اجزاء کو اڑاتا ہے۔

ثعلب نے کہا: سبخ کا معنی تردد اور اضطراب ہے۔ سبخ کا معنی سکون بھی ہے اس معنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الحُمّٰی من فیح جهنم، فَسبخوها بالماء بخار جہنم کی لپک ہے اسے پانی کے ساتھ ٹھنڈا کرو۔ ابو عمرو نے کہا: سبخ سے مراد نیند اور فراغت ہے۔ میں کہتا ہوں: اس لحاظ سے تو یہ لفظ اضداد میں ہوا، یہ سبح کے معنی میں ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّلْ إِلَيْهِ تَبْتِيلًا ۞

"اور ذکر کیا کرو اپنے رب کے نام کا اور سب سے کٹ کر اسی کے ہو رہو"۔

اس میں تین مسائل ہے۔

اللہ تعالیٰ کے نام کا ذکر کرنے سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ۔ یعنی اسے اسمائے حسنیٰ سے یاد کرو تا کہ نماز کے ساتھ اچھا انجام حاصل ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عمل کے ساتھ اپنے رب کی ذات کا قصد کر۔ سہیلی نے کہا: اپنی نماز کی ابتدا میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ اس کی قراءت کی برکت تجھے تیرے رب تک پہنچا دے گی اور اس کے غیر سے تجھے قطع کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وعدہ اور وعید میں اپنے رب کے نام کا ذکر کیجیے تا کہ تو زیادہ اطاعت کرے اور معصیت سے اعراض کرے۔ کلبی نے کہا: دن کے وقت اپنے رب کی نماز پڑھیے۔ میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھی تاویل ہے کیونکہ جب رات کا ذکر کیا تو دن کا بھی ذکر کیا کیونکہ دن رات کا قسیم ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِّمَنْ اَرَادَ اَنْ یَّذَّكَّرَ (فرقان: 62)

تَبَتَّلْ کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا۔ تَبَتَّلْ کا معنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ہو کر رہ جانا۔ یعنی اس کی عبادت کرو اور کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کرو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: بتلت الشیء یعنی میں نے اس چیز کو کاٹا۔ اس معنی میں ان کا قول

ہے: طلقها بتّۃ بتلة اس نے اپنی بیوی کو طلاق بائنہ دی، هذه صدقة بتّة بتلة یہ صدقہ بائنہ ہے اپنے مالک سے منقطع ہے یعنی مالک کی صدقہ سے ملکیت ختم ہو چکی ہے؛ اس معنی میں مریم بتول ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی ہو رہی تھیں۔ راہب کو متبتل کہتے ہیں کیونکہ وہ لوگوں سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے اور اس کی عبادت کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

تُضِئُ الظَّلَامَ بِالعِشَاءِ كَأَنَّهَا مَنَارَةُ مُمْسَى رَاهِبٍ مُتَبَتِّلِ

ان کی چمک عشاء کے وقت تاریکیوں کو دور کر دیتی ہے گویا یہ وہ منارہ ہے جہاں راہب رات گزارتا ہے۔

حدیث طیبہ میں تَبَتُّل سے نہی کی گئی ہے، وہ لوگوں اور جماعتوں سے الگ تھلگ ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے ہاں اس کا اصل معنی الگ تھلگ ہونا ہے؛ ابن عرفہ نے یہی کہا ہے جب کہ پہلا معنی ان آثار کی وجہ سے زیادہ قوی ہے جو آثار ہم نے ذکر کیے ہیں۔ یہ سوال کیا جاتا ہے: تَبْتِيْلًا کیوں کہا تبتلا نہیں کہا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: تَبَتُّل کا معنی بتل نفسه ہے یعنی اپنے نفس کو الگ تھلگ کرنا تو آیات کے سروں کی موافقت کی وجہ سے تَبَتُّل کی جگہ تَبْتِيْلًا کا لفظ ذکر کیا۔

رہبانیت اختیار کرنے کی ممانعت

مسئلہ نمبر 3۔ سورۂ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (86)) کی تفسیر میں یہ بات گزر چکی ہے جو آدمی الگ تھلگ ہوتا ہے اور رہبانیت کی راہ اختیار کرتا ہے وہ مکروہ ہے تو وہ بحث کافی ہے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک اس دور کا تعلق ہے تو لوگوں کے عہد و پیمان فاسد ہو چکے ہیں، امانت داری کا جذبہ ضعیف ہو چکا ہے اور حرام، دنیاوی اموال پر غالب آ چکا ہے اس لیے تنہائی میل جول سے بہتر ہے اور مجرد زندگی شادی سے افضل ہے لیکن آیت کا معنی ہے بتوں اور غیر اللہ کی عبادت سے دستکش ہو جاؤ؛ مجاہد نے اسی طرح کی بات کی ہے جس کا معنی یہ ہے اس کے لیے عبادت کو خالص کرو۔ تَبَتُّل کا ارادہ نہیں کیا۔ تَبَتُّل کا قرآن حکیم میں حکم دیا گیا، سنت میں اس سے نہی کی گئی امر کا تعلق، نہی کا متعلق نہیں تو یہ دونوں چیزیں آپس میں متناقض نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی لیے مبعوث کیا گیا تا کہ لوگوں کے لیے نازل شدہ احکام کی وضاحت کریں۔ پس وہ تَبَتُّل جس کا قرآن حکیم میں حکم دیا گیا وہ عبادت کو خالص کرتے ہوئے اللہ کے لیے ہو کر رہنا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ (البینہ: 5) جس تَبَتُّل سے منع کیا گیا ہے وہ نکاح کو ترک کرنے اور عبادت گاہوں میں الگ تھلگ رہنے میں نصاریٰ کا طریقہ اپنانا ہے لیکن جب زمانہ فساد کا شکار ہو جائے تو مسلمان کا بہترین مال وہ بھیڑ بکریاں ہیں جنہیں وہ پہاڑ کی چوٹیوں اور بارش کی جگہوں میں چراتا ہے اور اپنے دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے دور بھاگتا ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا ﴿۹﴾ وَ اصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَ اهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا ﴿۱۰﴾ وَ ذَرْنِيْ وَ الْمُكَذِّبِيْنَ اُولِي النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا ﴿۱۱﴾

''مالک ہے مشرق و مغرب کا اس کے سوا کوئی معبود نہیں پس بنائے رکھیے اس کو اپنا کارساز۔ اور صبر کیجئے ان کی

(دل آزار) باتوں پر اور ان سے الگ ہو جایئے بڑی خوبصورتی سے۔ آپ چھوڑ دیں مجھے اور ان جھٹلانے والے مالداروں کو اور انہیں تھوڑی سی مہلت دیں"۔

اہل حرمین، ابن محیصن، مجاہد، ابوعمرو، ابن اسحاق اور حفص نے لفظ رب کو مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے اس کی خبر لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے پہلے هُوَ مضمر ہے۔ باقی قراء نے لفظ رَبُّ کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ اور رَبُّ الْمَشْرِقِ کے لفظ رب کی صفت ہے، جو آدمی یہ جان لیتا ہے کہ وہ مشارق اور مغارب کا رب ہے تو اس کا عمل اور آرزو اس کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا یعنی تو اسے یوں بنالے کہ وہ تیرے امور کی نگہبانی کرنے والا ہے اور اسی نے تیرے ساتھ جو وعدہ کیا ہے اس پر اسے ضامن بنالے۔

کفار جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دیتے ہیں، سب و شتم کرتے ہیں اور مذاق اڑاتے ہیں اس پر صبر کیجئے ان کی باتوں سے نہ گھبرائیں اور ان کو دعوت دینے سے نہ رکیں، انہیں بدلہ دینے میں مشغول نہ ہوں کیونکہ اس صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے کو ترک کرنے والے ہوں گے۔ یہ امر جہاد سے قبل کا تھا اس کے بعد کفار کے ساتھ قتال کا حکم نازل ہوا تو جہاد والی آیت نے ماقبل کے ترک کے حکم کو منسوخ کر دیا؛ قتادہ اور دوسرے علماء کا یہی نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابودرداء نے کہا: ہم کچھ لوگوں کے لیے ہنستے ہیں جب کہ ہمارے دل ان پر ناراض ہوتے ہیں اور ان پر لعنت کر رہے ہوتے ہیں۔

وَذَرْنِيْ وَالْمُكَذِّبِيْنَ یعنی انہیں سزا دینے کے لیے میری سزا پر راضی ہو جایئے۔ یہ قریش کے ان سرداروں کے بارے میں نازل ہوئی جو استہزاء کیا کرتے تھے۔ مقاتل نے کہا: یہ ان دس افراد کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ بدر میں مشرک فوج کو کھانا کھلانے کی ذمہ داری لی تھی۔ ان کا ذکر سورۂ انفال میں ہو چکا ہے۔

یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ بنو مغیرہ ہیں۔ سعید بن جبیر نے کہا: مجھے خبر دی گئی کہ وہ بارہ افراد ہیں۔ اُولِي النَّعْمَةِ وہ مالدار، خوشحال اور دنیا میں لذتوں کے مالک ہیں۔ وَمَهِّلْهُمْ قَلِيْلًا یعنی ان کی وفات کی مدت تک مہلت دیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو تھوڑا وقت ہی گزرا تھا کہ واقعہ بدر ہو گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں دنیا کی مدت تک مہلت دیجئے۔

اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ وَّطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّعَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳﴾ يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ وَكَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ﴿۱۴﴾

"ہمارے پاس ان کے لیے بھاری بیڑیاں اور بھڑکتی آگ ہے اور غذا جو گلے میں پھنس جانے والی ہے اور دردناک عذاب ہے (یہ اس روز) جس دن لرزنے لگیں گے زمین اور پہاڑ اور پہاڑ ریت کے بہتے ٹیلے بن جائیں گے"۔

اِنَّ لَدَيْنَاۤ اَنْكَالًا وَّجَحِيْمًا ﴿۱۲﴾ انکال کا معنی بیڑیاں ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ اس کا واحد نکل ہے نکل اسے کہتے ہیں جو انسان کو حرکت سے روک دے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے نکل اس لیے کہتے ہیں

کیونکہ اس کے ساتھ عبرت حاصل کی جاتی ہے۔ امام شعبی نے کہا: کیا تمہاری یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کے پاؤں میں بیڑیاں اس لیے ڈالی ہیں کہ کہیں وہ بھاگ نہ جائیں؟ نہیں اللہ کی قسم! لیکن جب انہوں نے اوپر آنے کا ارادہ کیا تو ان بیڑیوں نے انہیں نیچے کر دیا۔ کلبی نے کہا: انکال کا معنی طوق ہے۔ پہلا معنی لغت میں بہت معروف ہے؛ اس معنی میں خنساء کا قول ہے:

دَعَاكَ فَقَطَّعتَ أَنْكَالَهُ وَقَدْ كُنَّ قَبْلَكَ لَا تُقْطَعُ

اس نے تجھے بلایا تو تو نے اس کی بیڑیاں توڑ دیں، جب کہ تجھ سے قبل انہیں نہیں توڑا جاتا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ شدید عذاب کی انواع ہیں؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ارشاد ہے: إن الله يحب النكل على النكل۔ اللہ تعالیٰ ایسے تجربہ کار بہادر سوار کو پسند کرتا ہے جو زور آور آزمودہ گھوڑے پر سوار ہو۔

جوہری نے کہا: نکل کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ پوچھا گیا: نکل کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا: طاقتور، تجربہ کار آدمی، طاقتور تجربہ کار گھوڑے پر؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا کہا: اسی وجہ سے بیڑی کو نکل کہتے ہیں کیونکہ وہ قوی ہوتی ہے اسی طرح غُلّ ہے اور ہر سخت عذاب اور جہنم کی آگ۔

وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ جو خوشگوار نہ ہو جو حلق کو پکڑ لے نہ نیچے اترے اور نہ ہی باہر نکلے وہ غسلین، زقوم اور ضریع ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: وہ کانٹا ہے جو حلق میں داخل ہو جاتا ہے نہ وہ نیچے جاتا ہے اور نہ ہی نکلتا ہے۔ زجاج نے کہا: ان کا ٹھکانا ضریع ہوگا جس طرح ارشاد فرمایا: لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ إِلَّا مِنْ ضَرِيعٍ ⑥ (غاشیہ) یہ عوسج جیسا کانٹا ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ کھانا زقوم ہے جس طرح ارشاد فرمایا: إِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّومِ ﴿٤٣﴾ طَعَامُ الْأَثِيمِ ﴿٤٤﴾ (الدخان) دونوں کا معنی ایک ہے۔ حمران بن اعین نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا ذَا غُصَّةٍ کو پڑھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہو گئے۔ خلید بن حسان نے کہا: حضرت حسن بصری نے ہمارے ہاں روزے کی حالت میں شام کی تو میں کھانا لایا تو ان کے سامنے یہ آیت پڑھی گئی إِنَّ لَدَيْنَا أَنْكَالًا وَجَحِيمًا ﴿١٢﴾ وَطَعَامًا تو حضرت حسن بصری نے کہا: اپنا کھانا اٹھا لو جب دوسرا دن ہوا تو میں کھانا لایا تو ان پر یہ آیت پیش کی گئی تو آپ نے کہا: اسے اٹھا لو اور تیسرے دن بھی ایسا ہی ہوا، ان کا بیٹا ثابت بنانی، یزید جنی اور یحییٰ بکاء کے پاس گیا اور ان سے گفتگو کی وہ ان کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ہی رہے یہاں تک کہ حضرت حسن بصری نے ستو کا ایک گھونٹ پی لیا۔ غصہ کا معنی شجا (حلق میں اٹک جانے والی ہڈی) ہے یہ وہ چیز ہے جو حلق میں اٹک جاتی ہے وہ ہڈی ہو یا کوئی اور۔ اس کی جمع غُصص آتی ہے غَصَص فتح کے ساتھ ہو تو یہ اس باب سے مصدر ہوگا غَصِصْتَ تَغَصُّ اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: أنت غاص بالطعام، أنت غصان۔ تیرے گلے میں کھانا اٹک گیا ہے۔ أغصصته أنا (میرے گلے میں کوئی چیز اٹک گئی ہے) المنزل غاص بالقوم یعنی منزل لوگوں کے ساتھ بھری ہوئی ہے۔

يَوْمَ تَرْجُفُ الْأَرْضُ وَالْجِبَالُ جو کوئی ان پر ہوگا ان کے ساتھ زمین اور پہاڑ مضطرب ہوں گے۔ يَوْمَ کا لفظ ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہوتا ہے یعنی انہیں عذاب دیا جائے گا جس دن زمین کانپے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یوم سے

پہلے حرف جار تھا اس کے حذف کی وجہ سے یہ منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہوگی هذه العقوبة فی یوم ترجف الأرض والجبال۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا عامل ذرنی ہے معنی یہ ہوگا جس روز زمین اور پہاڑ کانپیں گے اس دن مجھے اور جھٹلانے والوں کو چھوڑ دینا۔

وَ كَانَتِ الْجِبَالُ كَثِيْبًا مَّهِيْلًا ۝ کثیب سے مراد جمع شدہ ریت ہے؛ حضرت حسان نے کہا:

عَرَفْتُ دِيَارَ زَيْنَبَ بِالْكَثِيْبِ　　كَخَطِّ الْوَحْيِ فِي الْوَرَقِ الْقَشِيْبِ

میں نے ریت کے ٹیلے پر زینب کے گھروں کو پہچان لیا جس طرح نئے کاغذ پر لکھائی کی لکیریں ہوتی ہیں۔

مھیل اس ریت کو کہتے ہیں جو پاؤں کے نیچے سے نکل جاتی ہے۔ ضحاک اور کلبی نے کہا: مھیل اسے کہتے ہیں جب اس پر قدم رکھے تو وہ نیچے سے سرک جائے اور جب تو اس کا نیچے والا حصہ پکڑے تو وہ گر پڑے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مھیل سے مراد بہنے اور بکھرنے والی ہے اس کی اصل مھیول ہے یہ تیرے اس قول سے اسم مفعول کا صیغہ ہے: هلت علیه التراب أهیله هیلا۔ جب تو اسے بہائے جس طرح کہا جاتا ہے: مھیل، مھیول، مکیل، مکیول، مدین، مدیون، معین، معیون۔

شاعر نے کہا:

قدكان قَوْمُكَ يَحْسَبُونَكَ سَيِّدًا　　واخَالُ أَنَّكَ سَيِّدٌ مَعْيُوْنُ

تیری قوم تجھے سردار گمان کرتی ہے اور میرا خیال ہے تو آنکھوں دیکھا سردار ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں خشک سالی کی شکایت کی تو فرمایا: اتکیلون أم تهیلون کیا تم کیل کرتے ہو یا انڈیلتے ہو؟ عرض کی ہم انڈیلتے ہیں۔ فرمایا: ''اپنے کھانوں کا کیل کیا کرو اس میں تمہارے لیے برکت رکھ دی جائے گی''۔ هِلتُ میں ایک لغت أَهَلْتُ الدقیق بھی ہے اسی سے مہال اور مھیل آتا ہے واؤ کو حذف کر دیا گیا کیونکہ یاء پر ضمہ ثقیل ہوتا ہے ضمہ کو حذف کیا گیا تو یاء ساکن ہوگئی پھر یاء اور واؤ ساکن ہو گئے تو اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ کو حذف کر دیا گیا۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا ۝ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ فَاَخَذْنٰهُ اَخْذًا وَّبِيْلًا ۝ فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۝ السَّمَآءُ مُنْفَطِرٌۢ بِهٖ ؕ كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا ۝ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝

''(اے اہل مکہ!) ہم نے بھیجا ہے تمہاری طرف ایک (عظیم الشان) رسول تم پر گواہ بنا کر جیسے ہم نے فرعون کی طرف (موسیٰ کو) رسول بنا کر بھیجا۔ پس نافرمانی کی فرعون نے رسول کی تو ہم نے اس کو بڑی سختی سے پکڑ لیا۔

(ذرا سوچو) کہ تم کیسے بچو گے اگر تم کفر کرتے رہے اس روز جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور آسمان پھٹ جائے گا اس (کے ہول) سے، اور اللہ کا وعدہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ یقیناً یہ (قرآن) نصیحت ہے پس اب جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کی طرف سیدھا راستہ"۔

اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا یہاں رَسُوْلًا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قریش کی طرف بھیجا۔ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا اس میں رَسُوْلًا سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ فَعَصٰى فِرْعَوْنُ الرَّسُوْلَ یعنی فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلایا اور ایمان نہ لایا۔ مقاتل نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا کہا: کیونکہ اہل مکہ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا لحاظ نہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ان میں ہوئی تھی جس طرح فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان کا لحاظ نہ کیا کیونکہ فرعون نے آپ علیہ السلام کی پرورش کی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں میں پروان چڑھے تھے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی حکایت بیان کی ہے: اَلَمْ نُرَبِّكَ فِيْنَا وَلِيْدًا (شعراء: 18) مہدوی نے کہا: الرسول میں الف لام اس لیے آیا ہے کیونکہ رسول کا پہلے ذکر ہو چکا تھا؛ اس وجہ سے خطوط کے آغاز میں سلام علیکم اور ان کے اختتام میں السلام علیکم کو اختیار کیا جاتا ہے۔ وَّبِيْلًا سخت بوجھل؛ اس معنی میں ضرب وبیل اور عذاب وبیل بمعنی شدید بولا جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ اس سے مطر وابل کہتے ہیں یعنی سخت بارش؛ یہ اخفش کا قول ہے۔ زجاج نے اس کا معنی ثقیلا غلیظا کیا ہے بھاری بھرکم۔ اس معنی میں بارش کے لیے وبیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی مھلکا ہے معنی یہ ہے ہم نے اسے تباہ کن سزا دی۔ شاعر نے کہا:

أَكَلْتِ بَنِيكِ أَكْلَ الضَّبِّ حتی　　وجَدْتِ مَرَارَةَ الْكَلَا الْوَبِيلِ

تو نے اپنی اولاد کو گوہ کے کھانے کی طرح کھا لیا یہاں تک کہ تو نے ہلاک کر دینے والی گھاس کی کڑواہٹ کو پا لیا۔

استوبل فلان کذا اس کے انجام کی تعریف نہ کی، ماء وبیل ایسا پانی جو خوشگوار نہ ہو۔ کلأ مستوبل و طعام وبیل و مستوبل۔ جب وہ گھاس کھانا خوشگوار نہ ہو اور ہضم نہ ہو؛ زہیر نے کہا۔

فَقَضَوْا مَنَايَا بَيْنَهُمْ ثم أَصْدَرُوا　　إِلَى كَلَأٍ مُسْتَوْبَلٍ مُتَوَخِّمِ

انہوں نے آپس میں موتوں کا فیصلہ کیا پھر وہ ایسی گھاس کی طرف گئے جو نا خوشگوار تھی۔

خنساء نے کہا:

لَقَدْ أَكَلَتْ بَجِيلَةُ يومَ لَاقَتْ　　فَوَارِسَ مَالِكٍ أَكْلًا وَبِيلًا

بجیلہ نے اس روز نامناسب کھانا کھایا جس روز وہ مالک کے شہسواروں سے ملی۔

وبیل کا معنی موٹا ڈنڈا بھی ہے؛ شاعر کا شعر ہے:

لو أَصْبَحَ فِي يُمْنَى يَدَيَّ زِمَامُهَا　　وفِي كَفِّي الأُخْرَى وَبِيلٌ تُحَاذِرُهُ

کاش! میرے دائیں ہاتھ میں اس کی نکیل ہوتی اور دوسرے ہاتھ میں موٹا ڈنڈا ہوتا جو اسے ڈراتا۔

اسی طرح موبل کا لفظ ہے اور موبلہ بھی اسی طرح ہے اس کا معنی لکڑیوں کا گٹھا ہے اسی طرح وبیل بھی اسی معنی میں ہے جس طرح اس شعر میں ہے، طرفہ نے کہا:

عَقِيلَةُ شَيْخٍ كَالوَبِيلِ يَلَنْدَدُ

فَكَيْفَ تَتَّقُوْنَ اِنْ كَفَرْتُمْ يَوْمًا يَّجْعَلُ الْوِلْدَانَ شِيْبَا ۝ یہ توبیخ اور تقریع کے لیے ہے، یعنی اگر تم نے کفر کیا تو تم کیسے عذاب سے بچو گے۔ اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ یعنی اگر تم نے کفر کیا تو تم اس دن کیسے بچو گے جو بچوں کو بوڑھا بنا دیتا ہے۔ عبد اللہ اور عطیہ کی قراءت اسی طرح ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: تم کون سی نماز کے ساتھ عذاب سے بچو گے؟ کون سے روزے کے ساتھ بچو گے؟ اس میں اضمار ہے یعنی تم کیسے اس دن کے عذاب سے بچو گے۔ قتادہ نے کہا: اللہ کی قسم! جس نے اللہ تعالیٰ کا انکار کیا اس دن کسی بھی چیز کے ساتھ عذاب سے نہیں بچے گا۔ اور یوما، تتقون کا مفعول بہ ہے، یہ ظرف نہیں ہے۔ اگر کفر کو انکار کے معنی میں مقدر کیا جائے تو یوم کا لفظ **كَفَرْتُمْ** کا مفعول ہوگا۔

بعض مفسرین نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان **كَفَرْتُمْ** پر وقف تام ہے اور **يَوْمًا** سے ابتدا ہو رہی ہے، تو یہ صورت اس طرف جاتی ہے کہ یوما **يَّجْعَلُ** کا مفعول ہے اور **يَّجْعَلُ** فعل کا فاعل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے گویا یہ ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ ایک دن میں بچوں کو بوڑھا کر دیتا ہے۔ ابن انباری نے کہا: یہ درست نہیں کیونکہ دن ہی اپنی ہولناکی کی وجہ سے ایسا کرتا ہے۔

مہدوی نے کہا: **يَّجْعَلُ** کی ضمیر کے بارے میں یہ جائز ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ یوم کے لیے ہو جب ضمیر یوم کے لیے ہوگی تو یہ صحیح ہوگا کہ جملہ یوم کی صفت ہو اور جب ضمیر اللہ تعالیٰ کے لیے ہو تو یہ صفت بننے کی صلاحیت نہ رکھے مگر اس صورت میں کہ کلام میں حذف تسلیم کیا جائے، گویا ارشاد فرمایا: یوم یجعل اللہ الولدان فیہ شیبا۔

ابن انباری نے کہا: علماء میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے **يَوْمًا** کو **كَفَرْتُمْ** فعل سے نصب دی ہے۔ یہ بہت ہی قبیح ہے کیونکہ **يَوْمًا** کو جب **كَفَرْتُمْ** کے ساتھ متعلق کریں گے تو یہ صفت کا محتاج ہوگا تقدیر کلام یوں ہوگی کفرتم بیوم۔ اگر کوئی استدلال کرنے والا یہ استدلال کرے کہ صفت بعض اوقات حذف ہو جاتی ہے اور فعل مابعد کو نصب دیتا ہے تو ہم اس کے خلاف حضرت عبد اللہ کی قراءت سے استدلال کریں گے۔

میں کہتا ہوں: یہ (حضرت عبد اللہ کی) قراءت متواتر نہیں یہ تو تفسیر کے طریقہ پر آئی ہے جب کفر جحود (انکار) کے معنی میں ہو تو یوما بغیر کسی صفت اور اس کے حذف کے صریح مفعول ہوگا یعنی تم کیسے اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرو گے اور اس سے ڈرو گے اگر تم قیامت اور جزا کے دن کا انکار کرو گے۔ ابو سمال قعنب نے **فَكَيْفَ تَتَّقُوْنِ** نون کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔

الْوِلْدَانَ سے مراد بچے ہیں۔ سدی نے کہا: اس سے مراد زنا کی اولاد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد مشرکین کی اولاد ہے جب کہ عمومی معنی مراد لینا زیادہ صحیح ہے یعنی اس دن میں چھوٹے بچے کے بال بڑھاپے کے بغیر سفید ہو جائیں گے۔ یہ اس وقت ہوگا جب حضرت آدم علیہ السلام سے کہا جائے گا: اے آدم! اٹھیے جہنم کا حصہ نکالیے جس طرح سورۂ حج کے آغاز میں گزر

چکا ہے۔ قشیری نے کہا: پھر اللہ تعالیٰ جس طرح ارادہ فرمائے گا جنتیوں کے احوال اور اوصاف بدل دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس دن کی شدت کو بیان کرنے والی ضرب المثل ہے۔ یہ مجاز ہے کیونکہ قیامت کے روز کوئی بچہ نہ ہوگا، بلکہ اس کا معنی یہ ہے اس دن کی ہیبت ایسی حالت میں ہوگی اگر وہاں کوئی بچہ ہوا تو ہیبت کی وجہ سے اس کے سر کے بال سفید ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ نزع کا وقت ہوگا اور صور پھونکے جانے سے قبل ہوگا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمخشری نے کہا: کسی کتاب میں میری نظروں کے سامنے سے یہ حکایت گزری ہے کہ ایک آدمی نے شام کی جب کہ اس کے بال کوے کی طرح سیاہ تھے اس نے صبح کی تو اس کا سر سفید ہو چکا تھا اور داڑھی ثغامہ بوٹی کی طرح سفید ہو چکی تھی اس نے کہا: مجھے خواب میں قیامت، جنت اور دوزخ دکھائی گئی، میں نے لوگوں کو دیکھا کہ انہیں زنجیروں سے جکڑ کر آگ کی طرف لے جایا جا رہا ہے تو اس کی ہولناکی کی وجہ سے میں اس طرح ہو گیا جس طرح تم مجھے دیکھتے ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ دن کی طوالت کے ساتھ صفت بیان کی جائے کہ اس دن میں بچے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں گے۔

السَّمَآءُ مُنۡفَطِرٌۢ بِهٖ اس دن کی شدت کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔ بِهٖ میں باء، فی کے معنی میں ہے یعنی اس دن میں اس کی ہولناکی کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا۔ اس کی تعبیر میں جو بھی اقوال ذکر کیے گئے ہیں یہ ان میں سے سب سے اچھا ہے۔ اس کی تاویل میں یہ قول بھی کیا جاتا ہے: اس پر ایسا بوجھ ڈالا جائے گا جو اسے شق ہونے کی طرف لے جائے گا کیونکہ وہ بوجھ اس پر بہت بھاری ہوگا اور آسمان اس بوجھ کے واقع ہونے کی وجہ سے ڈر جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثَقُلَتۡ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (الاعراف: 187) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ بِهٖ، له کے معنی میں ہے یعنی اس دن کی وجہ سے آسمان پھٹ جائے گا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فعلت كذا بحرمتك ولحرمتك میں نے اس طرح تیرے احترام کی وجہ سے کیا ہے۔ باء، لام اور فی اس جیسی جگہوں میں قریب المعنی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَضَعُ الۡمَوَازِيۡنَ الۡقِسۡطَ لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (الانبیاء: 47) ہم قیامت کے روز انصاف کے میزان رکھیں گے۔ یہاں بھی لِيَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ، فی یوم القیامۃ کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بِهٖ کی ضمیر امر کے معنی میں ہے یعنی آسمان اس امر کی وجہ سے پھٹ جائے گا جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آسمان اللہ تعالیٰ کے امر سے پھٹ جائے گا۔

ابو عمرو بن علاء نے کہا: مُنۡفَطِرٌۢ نہیں کہا کیونکہ سماء کا مجازی معنی سقف، چھت ہے تو کہتا ہے: هذا سماء البيت۔ یہ کمرے کی چھت ہے۔

شاعر نے کہا:

فَلَوۡ رَفَعَ السَّمَاءُ اِلَيۡهِ قومًا لَحِقۡنا بالسَّماءِ وبالسَّحَابِ

اگر چھت قوم کو اس کی طرف اٹھاتا تو ہم آسمان اور بادل تک جا پہنچتے۔

قرآن حکیم میں ہے وَجَعَلۡنَا السَّمَآءَ سَقۡفًا مَّحۡفُوۡظًا (الانبیاء: 32) ہم نے آسمان کو محفوظ چھت بنایا۔ فراء نے کہا: السَّمَآءُ مذکر اور مونث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ ابو علی نے کہا: اس کا استعمال الجراد المنتشر، الشجر الاخضر اور

اعجاز نخل منقعر کے باب سے ہے۔ ابو علی نے کہا: اس کا معنی ہے آسمان پھٹنے والا ہے جس طرح وہ کہتے ہیں: امراۃ مرضع یعنی دودھ پلانے والی عورت۔ اسم فاعل کا صیغہ نسبت کے معنی میں ہے۔

كَانَ وَعْدُهٗ مَفْعُوْلًا یعنی قیامت، حساب اور جزا کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہو کر رہے گا اس میں کوئی شک اور خلاف ورزی نہ ہوگی۔ مقاتل نے کہا: اس کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو تمام ادیان پر غالب کرے گا۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ، هٰذِهٖ سے مراد سورت ہے، آیات ہیں۔ ایک قول کیا گیا ہے: قرآن کی آیات مراد ہیں کیونکہ وہ سورۂ واحدہ کی طرح ہے۔

فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا جو یہ ارادہ رکھتا ہے کہ وہ ایمان لائے اور اپنے رب کی رضا اور رحمت تک پہنچنے کا راستہ بنائے تو وہ رغبت کرے پس یہ اس کے لیے ممکن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دلائل ظاہر کر دیئے ہیں۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت، آیت سیف سے منسوخ ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اسی طرح ہے: فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ (المدثر) ثعلبی نے کہا: زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں۔

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ ؕ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ؕ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ فَتَابَ عَلَيْكُمْ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ ؕ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَاٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِى الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَاٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ ۙ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرًا وَّاَعْظَمَ اَجْرًا ؕ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

”بے شک آپ کا رب جانتا ہے کہ آپ نماز میں قیام کرتے ہیں کبھی دو تہائی رات کے قریب، کبھی نصف رات اور کبھی تہائی رات اور ایک جماعت ان سے جو آپ کے ساتھ ہیں (وہ بھی یونہی قیام کرتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ ہی چھوٹا بڑا کرتا رہتا ہے رات اور دن کو، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی طاقت نہیں رکھتے تو اس نے تم پر مہربانی فرمائی پس تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا تم آسانی سے پڑھ سکتے ہو، وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم میں سے کچھ بیمار ہوں گے اور کچھ سفر کرتے ہوں گے زمین میں تلاش کر رہے ہوں گے اللہ کے فضل رزق حلال کو اور کچھ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہوں گے تو پڑھ لیا کرو قرآن سے جتنا آسان ہو اور نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہا کرو اور جو نیکی تم آگے بھیجو گے اپنے لیے تو اسے اللہ کے پاس موجود پاؤ گے یہی بہتر ہے اور (اس کا) اجر بہت بڑا ہے، اور مغفرت طلب کیا کرو اللہ تعالیٰ سے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے“۔

اس میں تیرہ مسائل ہیں:

رات کا ثلث، اس کا نصف اور دو ثلث میں قیام کرنے کی شرعی حیثیت

مسئلہ نمبر 1۔ اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان: قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ کی تفسیر ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے یہ رات کے قیام کی فرضیت کے لیے ناسخ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے تَقُوْمُ کا معنی (آپ نماز پڑھتے ہیں) ہے۔ اَدْنٰی کا معنی کم ہے۔ ابن سمیقع، ابوحیوہ اور ہشام نے اہل شام سے ثُلُثَيِ لام کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ نِصْفَهٗ وَ ثُلُثَهٗ کو مجرور پڑھا ہے یہ عام قراء کی قراءت ہے اس کا عطف ثُلُثَيِ پر ہے اس کا معنی یہ ہے آپ رات کے دو تہائی، اس کے نصف اور ایک تہائی سے کم قیام کرتے ہیں؛ ابوعبید اور ابوحاتم نے اسے پسند کیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ (المزمل: 20) تو صحابہ کرام اس کا نصف، ایک تہائی کیسے قیام کرتے جب کہ وہ شمار نہ کر سکتے تھے۔ ابن کثیر اور کوفہ کے قراء نے نصفه وثلثه کو منصوب پڑھا ہے انہیں ادنی پر معطوف کیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی تقوم أدنى من ثلثى الليل و تقوم نصفه و ثلثه۔ آپ رات کے دو تہائی سے کم قیام کرتے ہیں اور اس کا نصف اور ایک تہائی قیام کرتے ہیں۔ فراء نے کہا: یہ درست ہونے کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ دو ثلث سے کم ارشاد فرمایا پھر قلت کا ذکر کیا اور قلت سے کم ذکر نہیں کیا۔ قشیری نے کہا: اس قراءت کی بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ وہ ایک تہائی اور نصف تک پہنچ جاتے تھے کیونکہ اتنی مقدار کا قیام ان کے لیے خفیف تھا وہ اس میں زیادتی کرتے تھے اور زیادتی میں مقصود کو پا لیتے۔ جہاں تک دو تہائی کا تعلق ہے اس کا قیام ان پر مشکل تھا وہ اسے حاصل نہ کر پاتے اور اس میں کمی کر دیتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ انہیں نصف رات کے قیام کا حکم دیا گیا اور کمی بیشی میں انہیں رخصت دی گئی زیادتی کی صورت میں وہ دو تہائی کو جا پہنچتے اور کمی کی صورت میں ایک تہائی تک پہنچ جاتے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لیے نصف، اس سے کم یعنی ایک تہائی تک اور زیادتی کی صورت میں دو تہائی مقدر کیا گیا ان میں سے کچھ وہ بھی تھے جو اسے پورا کرتے اور ان میں کچھ وہ بھی تھے جو اس کو ترک کر دیتے یہاں تک کہ حکم ان سے منسوخ ہو گیا۔ ایک قوم نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ایک چوتھائی کو ان پر لازم کیا اور ایک چوتھائی سے کمی کرتے۔ یہ قول مرضی کا فیصلہ ہے۔

رات کے پہروں کا صحیح حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے

مسئلہ نمبر 2۔ وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اللہ تعالیٰ رات اور دن کی مقدار کو حقیقت میں جانتا ہے جب کہ تم تلاش اور اجتہاد سے جانتے ہو جس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ عَلِمَ اَنْ لَّنْ تُحْصُوْهُ تم اس کے حقائق کی معرفت اور اسے بجالانے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تم رات کے قیام کی طاقت ہرگز نہیں رکھو گے، جب کہ پہلا معنی زیادہ صحیح ہے، کیونکہ رات کا قیام کبھی بھی پورا فرض نہیں کیا گیا۔ مقاتل اور دوسرے علماء نے کہا: جب قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ نِّصْفَهٗۤ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ نازل ہوئی تو ان پر معاملہ مشکل ہو گیا کوئی آدمی نہیں جانتا تھا کہ رات کا نصف اور ایک تہائی کب ہوتا ہے وہ صبح تک قیام کرتے کہ کہیں خطا ہی نہ ہو جائے تو اس کے پاؤں میں سوجن آ جاتی اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم

فرمایا اور حکم میں تخفیف کر دی اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عَلِمَ اَنۡ لَّنۡ تُحۡصُوۡهُ ان مثقلہ سے مخففہ ہے یعنی اسے علم ہے کہ تم اس کا شمار نہ کر سکو گے کیونکہ اگر تم زیادہ قیام کرو گے تو تم پر مشکل ہو جائے گا اور ایسی تکلیف کے تم محتاج ہو گے جو تم پر فرض نہیں اگر تم کمی کرو گے تو تم پر معاملہ شاق گزرے گا۔

اللہ تعالیٰ نے کس کی وجہ سے ان کی توبہ قبول کی

مسئلہ نمبر 3۔ فَتَابَ عَلَيۡكُمۡ۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما کر تمہاری طرف رجوع فرمایا۔ اس میں اس امر پر دلالت موجود ہے کہ ان میں ایسے لوگ موجود تھے جنہوں نے بعض ان امور کو ترک کر رکھا تھا جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ قیام کی فرضیت میں تخفیف فرمائی کیونکہ تم عاجز آ گئے تھے، توبہ کا اصل معنی لوٹنا ہے جس طرح پہلے گزرا ہے معنی یہ ہوگا اس لیے تمہارے لیے سختی سے نرمی کی طرف، مشکل سے آسانی کی طرف رجوع کیا۔ انہیں حکم دیا گیا تھا کہ وہ تلاش کی صورت میں اوقات کی حفاظت کریں تو ان سے تلاش کرنے کے حکم میں تخفیف کر دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَاللّٰهُ يُقَدِّرُ الَّيۡلَ وَالنَّهَارَ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو خاص مقدار میں پیدا فرماتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَخَلَقَ كُلَّ شَيۡءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقۡدِيۡرًا ۝ (فرقان) ابن عربی نے کہا: خلقت کی تقدیر کے ساتھ حکم متعلق نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے اس کے ساتھ مکلف بنائے جانے کے فرائض وابستہ کر دیتا ہے۔

کتنی تلاوت کرنا مقصود ہے اور کیا اس کا مقصد تلاوت قرآن ہے یا نماز؟

مسئلہ نمبر 4۔ فَاقۡرَءُوۡا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ اس میں دو قول ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اس سے مراد قراءت ہے رات کے بارے میں جس امر میں تم پر تخفیف کر دی گئی اس میں نماز ادا کرتے وقت قرآن حکیم کی تلاوت کرو۔ سدی نے کہا: یہ سو آیات ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھیں قرآن حکیم اس کے ساتھ جھگڑا نہیں کرے گا۔ کعب نے کہا: جس نے ایک رات میں سو آیات پڑھیں تو وہ عبادت گزاروں میں لکھ لیا جائے گا۔ سعید نے کہا: پچاس آیات پڑھیں۔

میں کہتا ہوں: کعب کا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''جو آدمی دس آیات پڑھے تو وہ غافلوں میں سے نہیں لکھا جاتا، جس نے سو آیات کے ساتھ قیام کیا وہ قانتین میں لکھ لیا جاتا ہے اور جو ہزار آیات پڑھے تو مقنطرین (جنہیں خزانہ دیا جائے) میں لکھ لیا جاتا ہے''(1)۔ اسے ابو داؤد اور طیالسی نے اپنی مسند میں حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ الحمد للہ۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب کے مقدمہ میں کیا ہے۔

دوسرا قول ہے: جتنا آسان ہو اتنی نماز پڑھو (2)۔ نماز کو قرآن کا نام دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: قُرۡاٰنَ الۡفَجۡرِ (الاسراء: 78) یعنی صبح کی نماز۔ ابن عربی نے کہا: یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس نے نماز کے بارے میں ہی خبر دی اور قول نماز کی طرف ہی راجع ہے۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب سجود القرآن باب تحزیب القرآن۔ 2۔ تفسیر بغوی، جز 4، صفحہ 412

میں کہتا ہوں: پہلا قول صحیح ہے کلام کا ظاہر معنی یہی ہے اور دوسرا قول مجاز ہے کیونکہ اس میں کل کو جز کا نام دیا گیا ہے۔

اس آیت کریمہ نے کون سے حکم کو منسوخ کیا؟

مسئلہ نمبر 5۔ بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ نے رات، اس کے نصف، نصف سے کم اور اس سے زیادہ کے قیام کو منسوخ کر دیا ہے پھر فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ دو معنی کا احتمال رکھتا ہے (۱) یہ دوسرا فرض ہو کیونکہ اس کے ذریعے دوسرا فرض زائل کیا گیا ہے (۲) یہ فرض منسوخ ہے جسے دوسرے فرض کے ساتھ منسوخ کیا گیا ہے جس طرح اس کے ساتھ غیر کو زائل کیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۗ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (الاسراء) تو اس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یہ احتمال رکھتا ہے وہ نماز جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہیں کی گئی اور وہ آسانی سے ادا ہو سکتی ہے اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو اٹھ کر ادا کرتے ہیں۔ امام شافعی نے کہا: ضروری یہ تھا کہ دونوں معنوں میں سے ایک پر سنت سے استدلال کرتے تو ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو پایا جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ صرف پانچ وقت کی نمازیں ہی فرض ہیں۔

اس آیت سے رات کا قیام امت سے منسوخ ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں

مسئلہ نمبر 6۔ قشیری ابو نصر نے کہا: مشہور یہ ہے کہ رات کا قیام جو منسوخ ہوا ہے وہ صرف امت کے حق میں ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرض باقی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مخصوص مقدار کا اندازہ منسوخ ہوا اور اصل وجوب باقی رہا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ (بقرہ: 196) تو ہدی ضروری ہے اس طرح رات کی نماز ضروری ہے لیکن اس کی مقدار نمازی کے اختیار کی طرف سپرد کر دی گئی ہے؛ اس وجہ سے ایک قوم نے کہا: رات کا تھوڑا قیام باقی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قوم نے کہا: کلی طور پر منسوخ ہے پھر رات کی نماز بالکل ہی فرض نہیں؛ یہ امام شافعی کا مذہب ہے۔ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں جو فرضیت باقی ہے وہ یہی ہے وہ قیام ہے اس کی مقدار اختیار کے سپرد ہے۔
جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ قیام فرض نہیں تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ کا معنی یہ ہوگا اگر تمہارے لیے آسان ہو تو اسے پڑھو اور اگر چاہو تو نماز پڑھو۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ کلی طور پر نسخ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ثابت ہے۔ رات کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہیں تھی اللہ تعالیٰ کا فرمان: نَافِلَةً لَّكَ نفل کے حقیقی معنی پر محمول ہے۔ جس نے یہ کہا: مقدار منسوخ ہے اور رات کے قیام کے وجوب کا اصل باقی رہا پھر اسے منسوخ کر دیا گیا تو یہ نسخ نماز کے اوقات کے بیان کے ساتھ واقع ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (الاسراء: 78) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ۝ (الروم) احادیث میں ہے کہ پانچ نمازوں سے زائد نفل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: نسخ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے ثابت ہوا وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے جس طرح نماز کی فرضیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے ہے جب کہ خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے ارشاد باری ہے: يٰۤاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۝ قُمِ الَّيْلَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کا فریضہ ہجرت کے بعد جاری رہا اور یہ

ثم مدینہ طیبہ میں منسوخ ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جہاد تو مدینہ طیبہ میں فرض ہوا اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کے اوقات مکہ مکرمہ میں ہی جاری ہو گئے تھے اور رات کا قیام وَ مِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ کے ساتھ منسوخ ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ نے رات کے وجوب کو منسوخ کر دیا۔

رات کا قیام منسوخ کرنے کی علت

مسئلہ نمبر 7۔ عَلِمَ اَنْ سَيَكُوْنُ مِنْكُمْ مَّرْضٰى اس حصہ میں اللہ تعالیٰ نے رات کے قیام میں تخفیف کی علت کو بیان کیا ہے کیونکہ مخلوقات میں مریض لوگ بھی ہوتے ہیں جن پر رات کا قیام شاق گزرتا ہے اور ان کے لیے یہ چیز بھی تکلیف دہ ہوتی ہے کہ ان کی نماز فوت ہو جائے؛ اسی طرح تجارت کی غرض سے سفر کرنے والا رات کے قیام کی طاقت نہیں رکھتا، مجاہد بھی اسی طرح ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں کی وجہ سے سب سے حکم میں تخفیف کر دی ہے۔ اَنْ سَيَكُوْنُ میں ان مثقلہ سے مخففہ ہے یعنی وہ جانتا ہے کہ تم میں سے مریض ہوں گے۔

رزق حلال کمانا اور اللہ کے رستے میں جہاد کرنا بھی قیام کی طرح ہے

مسئلہ نمبر 8۔ اس آیت میں مجاہدین اور اپنی ذات، اپنے عیال کے نفقہ اور فضل و احسان کے لیے حلال مال کمانے والوں کے درجہ میں برابری کی ہے تو یہ اس امر پر دلیل ہوگی کہ مال کمانا جہاد کا درجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے فی سبیل اللہ جہاد کے ساتھ جمع کیا ہے۔ ابراہیم نے علقمہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو غلہ لانے والا ایک شہر سے دوسرے شہر میں غلہ لاتا ہے وہ اس غلہ کو اس دن کے بھاؤ کے مطابق بیچ دیتا ہے، اس کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں شہداء کے مقام جتنا ہے'' پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ يَبْتَغُوْنَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ ۙ وَ اٰخَرُوْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ (1)

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: جو انسان مسلمانوں کے شہروں میں سے ایک شہر کی طرف کوئی چیز صبر کے ساتھ اور ثواب کی امید رکھتے ہوئے لایا، اسے اس دن کے بھاؤ کے ساتھ بیچ دیا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا مقام شہداء جیسا ہوگا اور اس آیت کی تلاوت کی وَ اٰخَرُوْنَ يَضْرِبُوْنَ فِي الْاَرْضِ۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی موت پیدا نہیں کی جو شہادت کی موت کے بعد میرے لیے اس موت سے زیادہ پسندیدہ ہو جو کجاوے کے دو اجزاء کے درمیان مجھے آئے جب کہ میں اللہ تعالیٰ کا فضل چاہتا ہوئے سفر کر رہا ہوں۔

طاؤس نے کہا: بیواؤں اور مسکینوں کے لیے تگ و دو کرنے والا اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کی طرح ہے۔

سلف صالحین میں سے ایک سے مروی ہے کہ وہ واسط میں تھے انہوں نے بصرہ کے لیے گندم کی ایک کشتی لے جانے کا ارادہ

1۔ الدر المنثور، زیر آیت ہذہ

کیا اور اپنے وکیل کو خط لکھا: جس روز یہ گندم والی کشتی بصرہ پہنچے اسی روز گندم بیچ دینا اور اگلے روز کے لیے اسے موخر نہ کرنا اور بھاؤ میں سہولت کو پیش نظر رکھنا۔ تاجروں نے وکیل سے کہا: اگر تو گندم کی فروخت کو جمعہ تک موخر کرے تو تو کئی گنا نفع حاصل کرے گا اس نے مال کے مالک کو خط لکھا تو گندم کے مالک نے اسے جواب دیا: اے فلاں! ہم اپنے دین کی سلامتی کے ساتھ تھوڑے نفع پر قناعت کرتے تھے تو نے ہم پر زیادتی کی ہے جب میرا یہ خط پہنچے تو مال لے اور اسے فقراء پر صدقہ کر دے کاش! میں ذخیرہ اندوزی سے بچ جاتا جب کہ مجھے نہ نقصان ہوتا اور نہ مجھے نفع ہوتا۔ ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ اہل مکہ کا ایک نوجوان مسجد میں رہتا ایک دفعہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے نہ پایا تو آپ اس کے گھر کی طرف گئے اس کی والدہ نے کہا: وہ اپنے کھانے پینے کے سامان کو بیچ رہا ہے۔ حضرت ابن عمر اسے ملے اسے فرمایا: اے بیٹے! تجھے اشیاء خوراک کے سامان سے کیا غرض، تو نے اونٹوں کے مال میں تجارت کیوں نہ کی، تو نے گائیوں میں تجارت کیوں نہ کی، تو نے بھیڑ بکریاں کیوں نہ پالیں کیونکہ کھانے کے مال کی تجارت کرنے والا خشک سالی چاہتا ہے اور جانوروں کا مالک بارش چاہتا ہے۔

فرض نماز پڑھنے کی اہمیت اور چھوڑنے پر سخت وعید

مسئلہ نمبر 9۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ۔ جتنا ممکن ہو نماز پڑھو اللہ تعالیٰ نے رات کی نماز اتنی فرض کی ہے جتنی آسان ہو، پھر پانچ نمازوں کے وجوب کے ساتھ اس کو منسوخ کر دیا۔ ابن عربی نے کہا: ایک قوم نے کہا رات کے قیام کی فرضیت اس آیت میں دو رکعتوں میں مسنون ہو گئی ہے؛ یہ امام بخاری اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ انہوں نے ایک باب باندھا ہے جس میں یہ حدیث ذکر کی ہے ''شیطان تم میں سے ایک کے سر کے نصف پر تین گرہیں لگاتا ہے ہر گرہ پر یہ کہتا ہے: تجھ پر لمبی رات ہے تو سو جا اگر وہ بیدار ہو اور اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اگر وضو کرے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اگر نماز پڑھے تو اس کی تمام گرہیں کھل جاتی ہیں۔ تو وہ صبح چست و چالاک اور پاکیزہ نفس کے ساتھ کرتا ہے بصورت دیگر وہ خبیث نفس اور سست صبح کرتا ہے۔

حضرت سمرہ بن جندب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب کے بارے میں روایت نقل کی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس کا سر پتھر سے کچلا جائے گا وہ، وہ ہے جو قرآن حکیم کو یاد کرتا ہے پھر اسے بھلا دیتا ہے اور فرض نماز پڑھے بغیر سو جاتا ہے'' اور حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک آدمی کا ذکر کیا گیا جو تمام رات سوتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وہ ایسا آدمی ہے جس کے کانوں میں شیطان نے پیشاب کر دیا ہے''۔

ابن عربی نے کہا: یہ ایسی احادیث ہیں جو مطلق صلوٰۃ کو فرض نماز پر محمول کرنے کا تقاضا کرتی ہیں تو اس احتمال کی وجہ سے مطلق کو مقید پر محمول کیا جائے گا اور جس نے اسے رات کے قیام کے ساتھ معین کیا ہے اس کا دعویٰ ساقط ہو جاتا ہے۔ صحیح میں ہے جب کہ الفاظ بخاری کے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عبداللہ! فلاں کی مثل نہ ہو جا، وہ رات کو قیام کیا کرتا تھا، پھر اس نے رات کا قیام ترک کر دیا'' اگر یہ فرض ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ اس پر یہ ثابت کرتے اور نہ اس قسم کی خبر دیتے بلکہ اس کی حد درجہ مذمت کرتے۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری زندگی میں جب کوئی آدمی خواب دیکھتا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کرتا میں ایک مجرد نوجوان تھا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد میں ہی سوجایا کرتا تھا میں نے خواب میں دیکھا گویا دوفرشتے ہیں ان دونوں نے مجھے پکڑا اور مجھے جہنم کی طرف لے گئے تو وہ یوں لپیٹی گئی تھی جس طرح کنویں کو لپیٹا جاتا ہے، اس کے دو سینگ تھے جہنم میں کچھ لوگ ایسے تھے جنہیں میں پہچانتا تھا میں کہنے لگا: میں آگ سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہا: ہمیں ایک اور فرشتہ ملا اس نے مجھ سے کہا: تجھ پر کوئی خوف نہیں ہونا چاہیے۔ میں نے یہ خواب حضرت حفصہ پر بیان کیا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بیان کیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عبداللہ کتنا ہی اچھا آدمی ہے کاش! وہ رات کی نماز پڑھا کرتا''۔

نماز میں کتنی قراءت فرض ہے؟

مسئلہ نمبر 10۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ رات کا قیام فرض نہیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ اور فَاقْرَءُوْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ اپنے ظاہر معنی یعنی نماز میں قراءت میں محمول ہے۔ علماء نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ نماز میں کس قدر قرأت کرنا لازم ہے امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے فرمایا: سورۂ فاتحہ سے عدول اور اس کے بعض پر اکتفا جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک آیت کی قراءت کو فرض قرار دیا ہے وہ قرآن کے کسی حصہ سے بھی ہو۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ تین آیات کی تلاوت فرض ہے۔ پہلا قول علامہ ماوردی نے ذکر کیا اور دوسرا قول ابن عربی نے ذکر کیا ہے۔ صحیح وہ ہے جو امام مالک اور امام شافعی کا نقطہ نظر ہے جس طرح ہم نے کتاب اللہ کے آغاز میں سورۂ فاتحہ میں بیان کر دیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نماز کے علاوہ قرآن حکیم کی قراءت ہے ماوردی نے کہا اس وجہ سے مطلق امر وجوب پر محمول ہوگا یا وجوب کی بجائے استحباب پر محمول ہوگا؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے کیونکہ اگر اس پر قراءت واجب ہے تو اس پر اس کا حفظ بھی واجب ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اسے وجوب پر محمول کیا جائے تاکہ اس کی قراءت کے ساتھ اس کے اعجاز، اس میں موجود جو دلائل توحید ہیں ان پر اور رسل کی بعثت کا جو ذکر ہے اس پر آگاہ ہو۔ جب وہ اسے پڑھے اور اس کے اعجاز اور دلائل توحید کو پہچانے تو اس پر یاد کرنا لازم نہیں کیونکہ قرآن حکیم کا حفظ مستحب عبادات میں سے ہے واجب عبادات میں سے نہیں یہ امر قراءت کی جتنی مقدار کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے اس کے بارے میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) تمام قرآن حکیم کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اسے آسان کر دیا ہے؛ یہ ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔

(۲) قرآن کا ایک تہائی؛ یہ جویبر کا نقطہ نظر ہے۔

(۳) دوسو آیات؛ یہ سدی کا قول ہے۔

(۴) ایک سو آیات؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

(۵) تین آیات جس طرح سب سے چھوٹی سورت ہوتی ہے؛ یہ ابوخالد کنانی نے کہا۔

نماز کے قیام اور اداءِ زکوٰۃ کے معانی ومفاہیم

مسئلہ نمبر 11۔ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ۔ یعنی فرض نمازیں پڑھو وہ پانچ نمازیں ہیں۔ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ یعنی اپنے اموال میں سے فرض زکوٰۃ ادا کرو، یہ عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ حارث عکلی نے کہا: صدقہ فطر ادا کرو کیونکہ اموال میں زکوٰۃ بعد میں واجب ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نفلی صدقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمام بھلائی کے کام ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے لیے اخلاص۔

قرض حسن کا معنی ومراد

مسئلہ نمبر 12۔ وَ اَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔ قرض حسن سے مراد وہ چیز ہے جس کو صدقہ کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی رضا کا قصد کیا جائے اور پاکیزہ مال سے اسے دیا جائے۔ سورۂ حدید میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: قرض حسن سے مراد اپنے خاندان پر خرچ کرنا ہے۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔

جو صدقہ وزکوٰۃ اور اعمال خیر بندہ کرتا ہے ان کا اجر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پائے گا

مسئلہ نمبر 13۔ وَ مَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے کھجور اور دودھ کو ملا کر حلوہ بنایا ایک مسکین آیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ لیا اور مسکین کو دے دیا۔ کسی نے عرض کی: یہ مسکین کیا جانے کہ یہ کیا چیز ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: مسکین کا رب جانتا ہے کہ یہ کیا چیز ہے؟ گویا انہوں نے اس آیت کا یہ معنی لیا کہ جو تم اپنے نفسوں کے لیے آگے بھیجتے ہو تم اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں پاؤ گے وہ اس سے بہتر ہے جو تم نے پیچھے چھوڑا ہے اور وہ بخل اور کوتاہی سے بھی بہتر ہے۔ وَّ اَعْظَمَ اَجْرًا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد جنت ہے۔ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے اَعْظَمَ اَجْرًا سے مراد یہ ہے کہ وہ نیکی کے بدلے میں دس گنا عطا فرماتا ہے۔ خَیْرًا اور اَعْظَمَ پر نصب تجدون کے مفعول ثانی ہونے کی وجہ سے ہے۔ ھو ضمیر بصریوں کے نزدیک ضمیر فصل ہے اور کوفیوں کے نزدیک عماد ہے جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ اَجْرًا یہ تمیز ہے وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ اس سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرو۔ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ توبہ سے پہلے جو گناہ ہوتے ہیں ان کو بہت زیادہ بخشنے والا ہے۔ رَّحِیْمٌ اور توبہ کے بعد تم پر رحم فرمانے والا ہے؛ یہ حضرت سعید بن جبیر کی رائے ہے۔

سورة المدثر

آیاتہا ۵۶ ۷۴ سورۃ المدثر مکیۃ ۴ رکوعاتہا ۲

تمام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے، اس کی چھپن آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ۝۱ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ۝۲ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ۝۳ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ۝۴

''اے چادر لپیٹنے والے اٹھیے اور (لوگوں کو) ڈرایئے اور اپنے پروردگار کی بڑائی بیان کیجئے اور اپنے لباس کو پاک رکھیے''۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

مدثر کا معنی اور اس سورت کا نزول

مسئلہ نمبر 1۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ اے وہ ذات جس نے اپنے آپ کو اپنے کپڑے سے ڈھانپ لیا ہے اور نیند کی حالت میں ہے! اس کی اصل المتدثر ہے تاء کو دال میں ادغام کر دیا کیونکہ وہ باہم نسبت رکھتے ہیں۔ اُبی نے اسے اصل پر المتدثر پڑھا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سورت کا اکثر حصہ ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے وہ بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فترت وحی کے بارے میں بیان کر رہے تھے: ''اسی اثنا میں کہ میں چل رہا تھا تو میں نے آسمان کی جانب سے آواز سنی، میں نے اپنا سر اٹھایا کیا دیکھتا ہوں کہ وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آتا تھا وہ آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں اس وجہ سے ڈر گیا اور میں لوٹ آیا تو میں نے کہا: مجھے کملی اوڑھا دو، مجھے کملی اوڑھا دو۔ تو انہوں نے مجھے کملی اوڑھا دی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ۝ وَ ثِیَابَكَ فَطَهِّرْ ۪ۙ۝ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝'' ایک روایت میں ہے: یہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رجز سے مراد بت ہیں کہا: پھر لگاتار وحی آنے لگی۔ امام ترمذی نے بھی اس حدیث کی تخریج کی ہے اور کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ امام مسلم نے کہا: زہیر بن حرب، ولید بن مسلم سے وہ اوزاعی سے وہ یحییٰ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسلمہ سے پوچھا قرآن حکیم کا کون سا حصہ سب سے پہلے نازل ہوا؟ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ میں نے کہا: کیا اِقْرَاْ تو انہوں نے کہا: میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا: قرآن حکیم کا کون سا حصہ پہلے نازل ہوا؟ فرمایا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ میں نے کہا: کیا اقرأ تو حضرت جابر نے کہا: میں تمہیں وہ بیان کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بیان کیا ہے۔ فرمایا: ''میں نے غار حرا

میں ایک ماہ تک اعتکاف کیا جب میں نے اعتکاف کو پورا کر لیا تو میں وہاں سے نیچے اترا میں وادی کے بطن میں پہنچا تو مجھے آواز دی گئی میں نے اپنے سامنے، اپنے پیچھے، اپنے دائیں اور اپنے بائیں دیکھا تو میں نے کسی کو نہ دیکھا مجھے پھر ندا کی گئی میں نے دیکھا تو میں کسی کو نہ دیکھ سکا۔ مجھے پھر ندا کی گئی تو میں نے اپنا سر اٹھایا تو وہ ہوا میں عرش پر متمکن تھا یعنی جبرئیل علیہ السلام۔ مجھے شدید کپکپی نے اپنی گرفت میں لے لیا میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا: مجھے کمبل اوڑھا دو، مجھے کمبل اوڑھا دو، انہوں نے مجھ پر پانی انڈیلا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ ''(1)۔ امام بخاری نے اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں کہا میں حضرت خدیجہ کے پاس آیا میں نے کہا: ''مجھے کملی اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہا دو۔ انہوں نے مجھ پر کملی ڈال دی اور ٹھنڈا پانی مجھ پر انڈیلا تو یہ آیات نازل ہوئیں يَاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ قُمْ فَاَنْذِرْ ۙ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۙ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۙ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۙ وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ''۔

علامہ ابن عربی نے کہا: ایک مفسر نے کہا عقبہ بن ربیعہ کی جانب سے بدسلوکی ہوئی آپ ﷺ غمگین ہو کر گھر لوٹ آئے آپ ﷺ مضطرب ہوئے اور لیٹ گئے تو یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول باطل ہے(2)۔ قشیری ابو نصر نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا آپ ﷺ کو کفار مکہ کی یہ بات پہنچی کہ تو جادوگر ہے، اس وجہ سے آپ ﷺ کو دکھ ہوا اور بخار ہوا تو آپ ﷺ نے چادر اپنے اوپر لپیٹ لی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: قُمْ فَاَنْذِرْ آپ ﷺ ان کی باتوں میں نہ سوچتے رہیں اور انہیں رسالت کا پیغام پہنچائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ابولہب، ابوسفیان، ولید بن مغیرہ، نضر بن حرث، امیہ بن خلف، عاص بن وائل اور مطعم بن عدی اکٹھے ہوئے انہوں نے کہا: عرب کے وفود ایام حج میں جمع ہو رہے ہیں وہ ایک دوسرے سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے بارے میں باہم پوچھتے ہیں جب کہ تم ان کے بارے میں مختلف باتیں کرتے ہو کوئی کہتا ہے: وہ مجنون ہیں، کوئی کہتا ہے: وہ کاہن ہیں، کوئی کہتا ہے: وہ شاعر ہیں۔ سارے عرب جہاں جائیں گے یہ سب ایک آدمی کے بارے میں رائے قائم کرنے میں متفق نہیں تم محمد کو ایک نام دو جس پر تم سب متفق ہو اور عرب بھی اسے وہی نام دیں۔ ان میں سے ایک آدمی نے کہا: وہ شاعر ہے، ولید نے کہا: میں نے ابن ابرص اور امیہ بن صلت کا کلام سنا ہے، محمد (مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء) کا کلام ان میں سے کسی کے بھی مناسب نہیں۔ انہوں نے کہا: وہ کاہن ہیں، ولید نے کہا: کاہن کبھی سچ بولتا ہے اور کبھی جھوٹ بولتا ہے جب کہ محمد (ﷺ) نے تو کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ ایک اور اٹھا اس نے کہا: وہ مجنون ہیں۔ ولید نے کہا: جنون تو لوگوں کے گلے دباتا ہے اور محمد (ﷺ) کا تو گلا نہیں دبایا گیا۔ ولید اپنے گھر چلا گیا قریش نے کہا: ولید بن مغیرہ بے دین ہو گیا۔ ابوجہل اس کے پاس آیا اور کہا: اے ابا عبد شمس! کیا بات ہے یہ قریش تجھے مال دینے کے لیے مال جمع کر رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے تو محتاج ہو گیا ہے اور بے دین ہو گیا ہے۔ ولید نے کہا: مجھے اس کی ضرورت نہیں لیکن میں نے محمد (ﷺ) کے بارے میں سوچا میں نے کہا: جادوگر کی کیا حقیقت ہوتی ہے؟ تو کہا گیا: وہ باپ، بیٹے، بھائی، بھائی، میاں بیوی میں جدائی ڈال دیتا ہے تو میں نے کہا: وہ جادوگر ہے یہ بات لوگوں میں عام ہو گئی تو وہ شور مچانے لگے: بے شک محمد جادوگر ہیں (نعوذ

1۔ تفسیر طبری، زیر آیت ہذہ، جلد 29
2۔ احکام القرآن لابن العربی

باللہ) رسول اللہ ﷺ مغموم گھر آئے اور ایک چادر لپیٹ لی تو یہ آیت نازل ہوئی یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ عکرمہ نے کہا: یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ کا معنی ہے اے نبوت اور اس کی ذمہ داریوں کو اٹھانے والے! علامہ ابن عربی نے کہا: یہ مجاز بعید ہے کیونکہ ابھی آپ ﷺ نے تبلیغ کا سلسلہ شروع نہ کیا تھا جب کہ یہ نزول قرآن کا آغاز تھا رسول اللہ ﷺ نے اس سورت میں موجود احکام پر شدت سے عمل شروع نہ کیا تھا کیونکہ نازل ہونے والی یہ دوسری سورت تھی۔

صفت کے ساتھ خطاب محبت وشفقت کی دلیل ہے

مسئلہ نمبر 2۔ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ کریم ذات کی طرف سے اپنے محبوب کے لیے خطاب میں شفقت ونرمی کا اظہار ہوتا ہے جب وہ ذات اسے اس کی حالت سے ندا کرے اور اس کی صفت کے ساتھ اسے تعبیر کرے یہ نہیں فرمایا: اے محمد! اے فلاں! تا کہ اس کے رب کی جانب سے نرمی اور شفقت کا شعور دلائے جس طرح سورۂ مزمل میں پہلے گزر چکا ہے اس کی مثل حضرت علی شیر خدا کے لیے سرور دو عالم ﷺ کا ارشاد ہے جب وہ مسجد میں سور ہے تھے: قم ابا تراب، اے ابوتراب! اٹھو۔ وہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے ناراض ہو کر گھر سے نکلے تھے ان کی چادر گر گئی تھی اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی تھی۔ امام مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے اس کی مثل رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ کے لیے غزوۂ خندق کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا: قم یانومان اے سونے والے! اٹھو۔ یہ پہلے گزر چکی ہے۔

انداز سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 3۔ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ اہل مکہ کو ڈرایئے انہیں عذاب سے خبردار کیجئے اگر وہ اسلام نہ لائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں انذار سے مراد اپنی نبوت کا اعلان ہے کیونکہ یہ رسالت کا مقدمہ ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ انہیں توحید کی طرف دعوت دینا ہے کیونکہ نبوت ورسالت سے یہی مقصود ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: اٹھیے نماز پڑھیے اور نماز کا حکم دیجئے۔

تکبیر کہنے کا حکم اور اس کے اسباب

مسئلہ نمبر 4۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ اپنے سردار، اپنے مالک اور اپنے معاملات کو درست کرنے والے کی عظمت بیان کر اور اس کی یہ صفت بیان کر کہ وہ اس سے برتر ہے کہ اس کا کوئی بیٹا یا بیوی ہو۔ ایک حدیث میں ہے کہ صحابہ نے پوچھا: نماز کو کیسے شروع کیا جائے؟ تو یہ آیت نازل ہوئی وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ یعنی اس کی اس سے صفت بیان کرو کہ وہ سب سے بڑا ہے۔ علامہ ابن عربی نے کہا: یہ ارشاد اگرچہ اس کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ نماز کی تکبیر کو بھی شامل ہے تاہم اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کرنا اور اس کی پاکی بیان کرنا ہے کہ اس کے سوا تمام شریکوں اور بتوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا جائے اور اس کے سوا کسی کو اپنا دوست نہ بنا، اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کیا کر، اس کی مشیت کے سوا کسی کے لیے فعل کے ثبوت کو نہ دیکھ اور اس کے سوا کسی کی طرف سے نعمت نہ جان۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ ابوسفیان نے غزوۂ احد کے موقع پر کہا تھا: اعل ھبل تو نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم کہو اللہ اعلیٰ واجل (اللہ سب سے بلند اور عظیم ہے) عرف شرع میں یہ لفظ تمام عبادات (نماز، آذان اور ذکر) میں اللہ اکبر

کے ساتھ ادا کیا جانے لگا۔ اس پر اس لفظ کو محمول کیا گیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے مختلف مواقع پر وارد ہوا جن میں سے ایک یہ ارشاد ہوا: تحریمها التکبیر و تحلیلها التسلیم (1) (نماز کا وہ عمل جو تمام دوسرے امور کو حرام کر دیتا ہے وہ تکبیر ہے اور وہ عمل جو دوسرے امور کو حلال کر دیتا ہے وہ سلام ہے) شرع اس کے عرف کا اس طرح تقاضا کرتی ہے جس طرح اس کی عمومیت کا تقاضا کرتی ہے وہ مواقع جہاں تکبیر کہی جاتی ہے ان میں جانور ذبح کرنے کے وقت تکبیر کہنا ہے تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ کوئی اس کا شریک نہیں، قربانی میں اس کے نام کا اعلان اور خون بہانے کا جو حکم اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اس امر کو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص کرنے کے لیے ہے۔

میں کہتا ہوں: سورۂ بقرہ کے آغاز میں گزر چکا ہے کہ اللہ اکبر کا لفظ ہی وہ لفظ ہے جس کا نماز میں حکم دیا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، تفسیر میں ہے جب اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے کہا: اور کہا اللہ اکبر۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہا: اللہ اکبر۔ حضرت خدیجہ کو بھی علم ہو گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے وحی ہے۔

کَبِّر پر فاء کی لغوی حیثیت

مسئلہ نمبر 5۔ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ میں فاء جواب جزا کے معنی پر داخل ہوئی ہے جس طرح فَاَنْذِرْ میں داخل ہوئی ہے تقدیر کلام یوں ہوگی قم فانذر و قم فکبّر ربك؛ یہ زجاج کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جنی نے کہا: یہ تیرے قول زیدا فاضرب کی طرح ہے یعنی زیدا اضرب۔ یہاں فاء زائدہ ہے۔

ثیاب کی طہارت سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 6۔ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ اس میں آٹھ قول ہیں۔ (۱) ثیاب سے مراد عمل ہے (۲) دل (۳) نفس (۴) جسم (۵) اہل (۶) خلق (۷) دین (۸) ظاہری لباس۔ جو پہلے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کی تاویل یہ ہے اپنے عمل کو درست کرو؛ یہ مجاہد اور ابن زید کا قول ہے۔ منصور نے ابن رزین سے روایت نقل کی ہے: اپنے عمل کو درست کرو۔ کہا: جب ایک آدمی کا عمل خبیث ہوتا ہے تو لوگ کہتے ہیں: إنّ فلانا خبيث الثياب۔ جب وہ اچھے عمل والا ہوتا ہے تو وہ کہتے ہیں: إنّ فلانا طاهر الثياب؛ سدی سے اسی طرح مروی ہے؛ اس معنی میں شاعر کا شعر ہے:

لاهُمَّ إنَّ عامرَ بن جَهْمِ	أَوْذَمَ حَجًا فی ثِيابٍ دُسْمِ

اے اللہ! عامر بن جہم نے گناہوں سے لت پت ہو کر حج کیا۔

اس معنی میں وہ روایت بھی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: یحشر المرء فی ثوبیه الذین مات علیهما (2) یہاں ثوبیه سے مراد اس کے اچھے اور برے اعمال ہیں؛ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ جو دوسرے قول کی طرف مائل ہوئے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے دل کو پاک کیجئے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت سعید بن جبیر کا نقطہ نظر ہے؛ اس کی دلیل امرء

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطهارة، باب فرض الوضوء، حدیث نمبر 56۔ سنن ابن ماجہ، باب مفتاح الصلاة الطهور، حدیث 270، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز باب مایستحب من تطهیر ثیاب المیت عند الموت، حدیث نمبر 2707، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

القیس کا شعر ہے:

فَسُلِّی ثیابی من ثیابك تَنْسُلِ

یعنی قلبی من قلبك۔ اس میں ثیاب دل کے معنی میں ہے۔ ماوردی نے کہا: اس آیت کی تعبیر میں اس کے دو قول ہیں: ان دو میں سے ایک یہ ہے: اپنے دل کو گناہ اور نافرمانی سے پاک رکھیں؛ یہ حضرت ابن عباس اور قتادہ کا قول ہے۔ دوسرا قول یہ ہے: اپنے دل کو دھوکہ سے پاک کریں یعنی دھوکہ نہ کرو ورنہ تو گدلے دل والا ہو جائے گا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ غیلان بن سلمہ ثقفی کے قول سے استدلال کیا گیا ہے:

فإنی بحمد الله لا ثوبَ فاجر لبستُ ولا مِن غَدْرَةٍ أَتَقَنَّعُ

الحمد للہ میں نے فسق و فجور کا لباس نہیں پہنا اور نہ ہی دھوکہ سے پردہ کیا ہے۔

جو تیسرے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی یہ ہے اپنے نفس کو گناہوں سے پاک کیجئے۔ عرب نفس کو ثیاب سے تعبیر کرتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے؛ اس معنی میں عنترہ کا قول ہے:

فَشَكَكْتُ بالرُّمحِ الطَّويلِ ثيابَهُ ليس الكريمُ على القنا بمُحَرَّمِ

میں نے لمبے نیزے سے اسے پھاڑ دیا معزز نیزے پر حرام نہیں۔

امراء القیس نے کہا:

فَسُلِّی ثیابی من ثیابك تَنْسُلِ

اس مصرعہ میں بھی ثیاب کا لفظ ذات کے معنی میں ہے۔

شاعر نے کہا:

ثِيابُ بنی عوفٍ طَهارَى نَقِيَّةٌ وأَوجُهُهُمْ بيضُ المَسافِرِ غُرّانُ

بنی عوف کے نفس صاف ستھرے ہیں اور ان کے چہرے روشن سفید ہیں۔

یہاں بھی ثیاب سے مراد نفوس ہیں۔

جو چوتھے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے جسم کو پاک رکھو یعنی ظاہری نافرمانیوں سے پاک رکھو۔ عربوں سے اقوال مروی ہیں جن سے جسم کو ثیاب سے تعبیر کیا گیا ہے ان میں سے ایک لیلی کا قول ہے اس نے اونٹوں کا ذکر کیا:

رموها بأثْيابٍ خِفافٍ فلا تَرى لها شَبَهًا إلّا النَّعامَ المُنَفَّرا

یعنی ان پر وہ سوار ہوئے اور اپنے ہلکے پھلکے جسموں کو ان پر پھینک دیا تو تیز رفتار اونٹوں کے سوا کوئی جسم نہ دیکھے گا۔

جو پانچویں قول کی طرف گئے ہیں اس نے کہا: آیت کا معنی یہ ہے وعظ و ادب کے ذریعے اپنے اہل کو گناہوں سے پاک رکھو۔ عرب گھر والوں کے لیے ثوب (کپڑا) لباس اور ازار (تہبند) کا لفظ استعمال کرتے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ** (بقرہ: 187) ماوردی نے کہا: ان کے ہاں آیت کی تاویل میں دو صورتیں ہیں (۱) اس کا معنی ہے

مومن اور پاک دامن عورتوں کا انتخاب کر کے اپنی بیویوں کو پاک رکھو۔ (۲) ان کی دبر سے لطف اندوز نہ ہو ان کی قبل سے لطف اندوز ہو، ان کے طہر میں ان سے لطف اندوز ہو۔ حیض کے ایام میں ان سے لطف اندوز نہ ہو؛ ابن بحر نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ جو چھٹے قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے اخلاق کو حسین بناؤ؛ یہ حضرت حسن بصری اور قرظی کا قول ہے کیونکہ انسان کے اخلاق اس کے احوال کو اس طرح جامع ہوتے ہیں جس طرح کپڑے انسان کو احاطہ کیے ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

وَيَحْيَى لَا يُلَامُ بِسُوءِ خُلْقٍ وَيَحْيَى طَاهِرُ الْأَثْوَابِ حُرُّ

یحییٰ پر برے اخلاق کی وجہ سے ملامت نہیں کی جاتی اور یحییٰ اچھے اخلاق والا آزاد ہے۔

جو ساتویں قول کی طرف گیا ہے اس نے کہا: آیت کا معنی ہے اپنے دین کو پاک کیجئے۔ صحیحین میں سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت مروی ہے فرمایا: ''میں نے لوگوں کو دیکھا جب کہ ان پر کپڑے تھے ان میں سے کچھ پستان تک پہنچ رہے تھے اور کچھ اس سے نیچے تک پہنچ رہے تھے، میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو دیکھا جب کہ اس کے جسم پر چادر ہے جسے وہ گھسیٹ رہے ہیں''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اس کی کیا تاویل کی؟ فرمایا: دین (1)۔ ابن وہب نے حضرت امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: ''مجھے یہی بات خوش کرتی ہے کہ میں قرآن حکیم کو نماز اور مساجد میں پڑھوں نہ کہ راستہ میں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ امام مالک نے فرمایا: یہاں ثیاب سے مراد دین ہے۔ حضرت عبداللہ بن نافع نے ابوبکر بن عبدالعزیز بن عبداللہ بن عمر بن خطاب سے وہ حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ سے مراد ہے کہ دھوکہ کو نہ اپناؤ؛ اس معنی میں ابو کبشہ کا قول ہے:

ثِيَابُ بَنِي عَوفٍ طَهَارَى نَقِيَّةٌ أَوْجُهُهُمْ بِيضُ الْمَسَافِرِ غُرَّانُ

یہاں طهارة ثيابهم سے مراد ان کا کمینی عادات سے سلامت رہنا ہے اور غرة وجوههم سے مراد محرمات سے ان کی پاکی ہے یا شکل وصورت میں ان کا جمال ہے یا دونوں صورتوں میں ان کا جمال ہے؛ یہ علامہ ابن عربی کا قول ہے۔ حضرت سفیان بن عیینہ نے کہا: تو اپنا لباس جھوٹ، ظلم، دھوکہ اور گناہ پر نہ پہن۔ عکرمہ نے کہا: اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَوْ دَمَّرَ حَجَانِي ثِيابَ دُنْسٍ۔ یعنی اس نے نافرمانیوں کے ساتھ اسے آلودہ کر دیا۔

نابغہ نے کہا:

رِقَاقُ النِّعَالِ طَيِّبٌ حُجُزَاتُهُمْ يُحَيَّوْنَ بِالرَّيْحَانِ يَوْمَ السَّبَاسِبِ

وہ بادشاہ ہیں پاک دامن ہیں، شعانین کے دن انہیں ریحان کے ساتھ سلام کیا جاتا ہے۔

جو آٹھویں قول کی طرف گیا ہے تو اس نے کہا: یہاں ثیاب سے مراد ملبوسات ہیں، ان کے نزدیک اس معنی کی چار وجوہ ہیں (۱) اس کا معنی ہے اپنے کپڑوں کو پاک رکھو؛ اسی معنی میں امرء القیس کا شعر ہے:

1۔ صحیح بخاری، باب مناقب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

ثیاب بنی عوف طَھاریٰ نَقِیَۃٌ

(۲) اپنے کپڑوں کو سمیٹ کر رکھ، کیونکہ کپڑوں کو سمیٹ کر رکھنا نجاست سے دوری کا باعث ہوتا ہے جب کپڑے زمین پر گھسیں تو وہ نجاست لگنے سے محفوظ نہیں ہوتے؛ زجاج اور طاؤس نے یہی بات کہی ہے۔

(۳) اپنے کپڑوں کو پانی کے ساتھ پاک کرلو؛ یہ محمد بن سیرین، ابن زید اور فقہاء کا نقطہ نظر ہے۔

(۴) حلال کمائی سے ہی کپڑے پہنو تا کہ وہ حرام سے پاکیزہ ہوں۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: جو تو لباس پہنتا ہے وہ حرام کمائی کا نہ ہو۔ علامہ ابن عربی نے جو کچھ کہا اور بعض علماء نے جو کچھ کہا جس کا ہم نے ذکر کیا یہ ممتنع نہیں کہ آیت کو عموم مراد پر محمول کیا جائے وہ حقیقت ہو یا مجاز ہو۔ جب ہم اسے پاکیزہ، معروف کپڑوں پر محمول کریں گے تو یہ دونوں معنوں کو شامل ہو گا۔ (۱) دامنوں کو سمیٹنا کیونکہ جب انہیں ڈھیلا چھوڑا جائے تو وہ آلودہ ہو جاتے ہیں؛ اس وجہ سے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انصار کے ایک نوجوان کو فرمایا جب انہوں نے اس کا دامن ڈھیلا دیکھا: اپنا تہبند اونچا کرلو کیونکہ یہ زیادہ تقویٰ، زیادہ پاکیزگی اور زیادہ عرصہ باقی رہنے کا باعث ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن کا تہبند اس کی نصف پنڈلی تک ہوتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں اگر وہ پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو ٹخنوں سے بھی نیچے ہو وہ آگ میں ہے'' (1)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہبند کی انتہا ٹخنہ معین کی ہے اور جو اس سے بھی نیچے ہو اس پر دھمکی دی ہے ان لوگوں کا کیا حال ہے جو اپنے دامنوں کو نیچے چھوڑے رکھتے ہیں، اپنے کپڑوں کو لمبا کرتے ہیں پھر اپنے ہاتھوں سے انہیں اوپر اٹھاتے ہیں یہ تکبر کی حالت ہے اور عجب (اپنے عمل پر خوشی کا اظہار کرنا) کا طریقہ ہے (اس معاملہ میں سب سے شدید معاملہ یہ ہے کہ وہ نافرمانی کرتے ہیں، کپڑوں کو ناپاک کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کے ساتھ جا ملاتے ہیں) جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے غیر کو نہیں ملایا اور نہ ہی اس کے ساتھ کسی کو لاحق کیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے کپڑے کو گھسیٹا اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا'' (2)۔ صحیح کے الفاظ یہ ہیں: ''جس نے تکبر کرتے ہوئے اپنے تہبند کو گھسیٹا قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا''۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! میرے تہبند کا ایک پہلو ڈھیلا رہتا ہے مگر اس صورت میں کہ میں اس کا خیال رکھوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو ان لوگوں میں سے نہیں ہے جو تکبر کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی کو عام رکھا اور حضرت صدیق اکبر کو مستثنیٰ قرار دیا تو کمینے لوگوں نے اپنے آپ کو بلند مرتبہ لوگوں کے ساتھ ملانے کا قصد کیا۔ یہ ان کے لیے جائز نہیں۔

(۲) نجاست لگی ہو تو کپڑوں کو دھونا۔ یہ اس کا ظاہر مفہوم ہے اور صحیح ہے۔ مہدوی نے کہا: بعض علماء نے اس آیت کریمہ سے کپڑے کے پاک ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔ ابن سیرین اور ابن زید نے کہا: تو صرف پاک کپڑے میں نماز

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اللباس، باب موضع الازار این ھو، حدیث نمبر 3562، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحمام، باب فی قدر موضع الازار، حدیث نمبر 3570، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پڑھ۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کریمہ سے کپڑے کے پاک ہونے کے وجوب پر استدلال کیا ہے۔امام مالک اور اہل مدینہ کے نزدیک فرض نہیں۔ بدن کی طہارت بھی اسی طرح ہے اس چیز پر یہ اجماع دلالت کرتا ہے جب کوئی آدمی قضائے حاجت کرے تو پتھروں کے ساتھ استنجاء کی صورت میں نماز پڑھنا جائز ہے جب کہ اس نے پانی کے ساتھ استنجا نہ کیا ہو۔سورۂ برأت میں یہ بحث مکمل گزر چکی ہے۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝

''اور بتوں سے (حسب سابق) دور رہیے''۔

وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: یہاں رُجز سے مراد بت ہیں اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ (الحج:30)؛ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے بھی یہی کہا ہے۔حضرت ابن عباس سے یہ بھی منقول ہے: گناہوں کو چھوڑ دیجئے۔مغیرہ نے ابراہیم نخعی سے اس طرح روایت کیا ہے کہ رجز سے مراد گناہ ہے۔قتادہ نے کہا: رجز سے مراد اساف اور نائلہ دو بت ہیں جو بیت اللہ کے قریب نصب تھے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عذاب ہے جب کہ مضاف مقدر ہے۔معنی ہوگا عذاب کے عمل کو چھوڑ دے یا مراد ہے ایسے عمل کو چھوڑ دے جو عذاب کی طرف لے جانے والا ہے۔ رجز کا اصل معنی عذاب ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ (الاعراف:134) اگر تو ہم سے عذاب کو دور کر دے تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ (الاعراف:162) اور ہم نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا۔بتوں کو رجز کا نام دیا گیا کیونکہ بت عذاب کی طرف لے جاتے ہیں۔عام قراء رجز کو راء کے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے۔حسن، عکرمہ، مجاہد، ابن محیصن اور حفص نے عاصم سے رجز کو راء کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے ذِکر اور ذُکر ہے۔ابو العالیہ، ربیع اور کسائی نے کہا: رُجز کا معنی بت ہے اور رِجز کا معنی نجاست اور معصیت ہے۔کسائی نے بھی کہا: رُجز کا معنی بت ہے اور رِجز کا معنی عذاب ہے۔سدی نے کہا: رجز جب راء کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی وعید ہے۔

وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝

''اور کسی پر احسان نہ کیجئے زیادہ لینے کی نیت سے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

استکثار کے وصف کے ساتھ احسان نہ کرنے کی صورتیں

مسئلہ نمبر 1۔وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ میں گیارہ تاویلیں ہیں۔

(۱) جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی ذمہ داریاں اٹھاتے ہیں ان کے بدلے میں اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلایئے جس طرح وہ آدمی جو غیر کی وجہ سے کوئی چیز اٹھاتا ہے تو اسے کثیر خیال کرتا ہے۔

(۲) غیر کو عطیہ نہ دو کہ اس کے عوض میں زیادہ کے طالب ہو؛ یہ حضرت ابن عباس عکرمہ اور قتادہ کا قول ہے۔ضحاک نے کہا:

اللہ تعالیٰ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام کیا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آداب میں سب سے شرف والے اور اخلاق میں سب سے جلیل کا حکم دیا گیا ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے اسے مباح قرار دیا؛ یہ مجاہد کا نقطہ نظر ہے۔

(۳) یہ بھی مجاہد سے مروی ہے زیادہ بھلائی کرنے سے کمزور نہ ہو جایئے جس طرح تیرا قول ہے: حبل منین یہ ترکیب اس وقت بولتے ہیں جب وہ رسی کمزور ہو اس کی دلیل حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہے: ولا تمنن تستکثرہ من الخیر۔

(۴) مجاہد اور ربیع سے مروی ہے: اپنے عمل کو اپنی آنکھ میں عظیم نہ جانو کہ تو مزید بھلائی کرے کیونکہ یہ وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر انعام کیا ہے۔ ابن کیسان نے کہا: تو اپنے عمل کو زیادہ خیال نہ کر کہ تو اسے اپنی طرف سے دیکھے بے شک تیرا عمل تجھ پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے اپنی عبادت کی راہ بنا دی ہے۔

(۵) حضرت حسن بصری نے کہا: اپنے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ کرو کہ تو اسے زیادہ خیال کرے۔

(۶) نبوت اور قرآن کے ساتھ لوگوں پر احسان نہ جتلاؤ کہ تو ان سے اجر لے جس کے ذریعے تو زیادہ کا خواہش مند ہو۔

(۷) قرطبی نے کہا: تو اپنا مال مصانعۃً پر نہ دے۔

(۸) زید بن اسلم نے کہا: جب تو کسی کو عطیہ دے تو وہ اپنے رب کی رضا کے لیے دے۔

(۹) تو یہ نہ کہہ: میں نے دعوت دی تو میری دعوت قبول نہ کی گئی۔

(۱۰) ایسا نہ ہونا چاہیے کہ تو طاعت کا عمل کرے اور ثواب کا طالب ہو بلکہ صبر کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر بدلہ دے۔

(۱۱) تو بھلائی کا کام نہ کر کہ تو اس کے ذریعے لوگوں میں ریاکاری کرے۔

ان مختلف اقوال میں سے صحیح ترین قول اور اس کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ اگر یہ اقوال مراد ہیں تو ان میں سے نمایاں ترین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ تو مال نہ دے تاکہ اس کے ذریعے لوگوں سے زیادہ مال لے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت فلانا کذا یعنی میں نے اسے عطا کیا۔ عطیہ کو منہ کہتے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عطیات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہونے چاہئیں نہ کہ مخلوقات کی طرف سے بدلے کا انتظار ہونا چاہیے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا جمع نہیں کرتے تھے اسی وجہ سے فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں جو کچھ عطا فرماتا ہے اس میں سے میرے لیے خمس کے سوا کچھ بھی نہیں اور خمس (پانچواں حصہ) بھی تم پر لوٹا دیا جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عیال کے نفقہ سے جو مال بچ جاتا اسے مسلمانوں کے مصالح پر صرف کر دیا جاتا اسی وجہ سے کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا وارث نہ ہوا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حق میں ذخیرہ اور مال جمع کرنے کا حق نہ رکھتے تھے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی اشیاء کی رغبت سے محفوظ رکھا تھا؛ اسی وجہ سے صدقہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حرام تھا اور ہدیہ مباح تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو قبول فرماتے تھے؛ اور اس پر بدلہ عطا فرماتے تھے۔ ''اگر مجھے پائے کھانے کی دعوت دی گئی تو میں اسے قبول کروں گا اگر مجھے باز وتحفہ کے طور پر دیا گیا تو میں اسے قبول کروں گا''۔

علامہ ابن عربی نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کو سنت کے طریقہ پر قبول کرتے تھے اور شرعی حکم کے طور پر زیادہ کی

خواہش نہیں رکھتے تھے، جب وہ زیادہ کی خواہش میں عطیہ نہیں دیتے تھے تو اغنیاء اس سے اجتناب کرنے کے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ یہ ذلت اور رسوائی کے باب میں سے ہے؛ اس طرح اس آدمی کا قول ہے جو یہ کہتا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ آپ عطیہ نہ دیں جس کے ثواب کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم منتظر ہوں کیونکہ انتظار طمع کے ساتھ متعلق ہے۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ممتنع ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﳔ لِنَفْتِنَهُمْ فِیْهِ ؕ وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰى ۝ (طٰہٰ) اور مشتاق نگاہوں سے نہ دیکھیے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے لطف اندوز کیا ہے کافروں کے چند گروہوں کو یہ محض زیب و زینت ہے دنیوی زندگی کی اور (انہیں اس لیے دی ہیں) تا کہ ہم آزمائیں انہیں ان سے اور آپ کے رب کی عطا بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہ باقی مخلوق کے لیے جائز ہے کیونکہ وہ دنیا کے سامان، روزی کی کمائی اور اس کے ذریعے باہم فخر کرنے میں سے ہے۔ رہا وہ شخص جس نے اس کے ساتھ عمل کا ارادہ کیا یعنی اپنے عمل کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر احسان نہ جتلاؤ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ کی خواہش رکھیں تو وہ صحیح ہے کیونکہ انسان اگر زندگی بھر بغیر کسی کوتاہی کے عمل کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر تھوڑے سے شکر کے درجے میں بھی نہیں پہنچے گا۔

تَمْنُنْ کی قراءت اور معنی

مسئلہ نمبر 3۔ وَ لَا تَمْنُنْ۔ عام قراءت دونوں نونوں کے اظہار کے ساتھ ہے؛ ابوسمال عدوی، اشہب عقیلی اور حضرت حسن بصری نے یہ قراءت کی وَ لَا تَمُنَّ ان میں ادغام کیا اور اسے مفتوح پڑھا۔ تستکثر عام قراءت تو رفع کے ساتھ ہے یہ حال کے معنی میں ہے۔ تو کہتا ہے: جاء زید یرکض یعنی زید دوڑتا ہوا آیا۔ یعنی کسی کو کوئی چیز عطا نہ کیجئے یہ اندازہ لگاتے ہوئے کہ تو اس کے بدلے میں زیادہ چیز لے گا۔ حضرت حسن بصری نے نہی کے جواب میں مجزوم پڑھا ہے۔ یہ درست نہیں کیونکہ یہ جواب نہیں۔ یہ جائز ہے کہ یہ تمنن سے بدل ہو گویا ارشاد فرمایا: لا تستکثر۔ ابوحاتم نے اس کا انکار کیا ہے اور کہا: کیونکہ احسان کثرت طلب کرنے کے ساتھ نہیں ہوتا کہ اس سے بدل بنایا جائے، یہ احتمال موجود ہے کہ اس کو ساکن تخفیف کی وجہ سے پڑھا جائے جس طرح عضد پڑھتے ہیں یا وقف کی حالت کا اعتبار کیا جائے۔ اعمش اور یحییٰ نے تَسْتَكْثِرَ نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ ان کے نزدیک لام کی کے معنی میں ہے گویا فرمایا: لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہاں ان مضمر ہے۔ جیسے اَلَا اَیُّهَذَا الزَّاجِرِیْ اَحْضُرَ الوَغٰی۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت اس امر کی تائید کرتی ہے وَ لَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ۝ کسائی نے کہا: جب ان کو حذف کیا گیا تو فعل مضارع کو رفع دیا گیا۔ معنی ایک ہی ہے۔ کبھی من سے مراد یہ ہوتا ہے کہ جس پر نعمتیں کی گئیں ان پر نعمتوں کا شمار کرنا یہ بھی دوسرے قول کی طرف لوٹتا ہے اس کی تائید اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کرتا ہے: لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى (بقرہ: 264) اپنے صدقات احسان جتلانے اور اذیت دینے کے ساتھ باطل نہ کرو۔

وَ لِرَبِّكَ فَاصْبِرْ ۝

''اور اپنے رب (کی رضا) کے لیے صبر کیجئے''۔

اپنے آقا اور اپنے مالک کے لیے اس کے فرائض اور اس کی عبادت پر صبر کیجئے۔ مجاہد نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو اذیت دی

گئی اس پر صبر کیجئے۔ ابن زید نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عظیم امر ڈالا گیا یعنی عربوں اور عجمیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا گیا اس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر قضا پر صبر کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آزمائش پر صبر کیجئے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء اور منتخب افراد کا امتحان لیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اپنے اہل اور وطن کے فراق پر صبر کیجئے۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾

''پھر جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن بڑا سخت ہوگا کفار پر آسان نہ ہوگا''۔

فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ جب صور پھونکا جائے گا۔ ناقور، نقر سے فاعول کا وزن ہے گویا یہ ایسی چیز ہے جس کی شان یہ ہے کہ آواز پیدا کرنے کے لیے جسے کھٹکھٹایا جائے بلکہ عرب میں نقر کا معنی آواز ہے؛ اس معنی میں امرء القیس کا شعر ہے:

أُخَفِّضُه بالنَّقرِ لَمَّا عَلَوْتُهُ وَيَرْفَعُ طَرْفًا غَيْرَ خَافٍ غَضِيضِ

عرب کہتے ہیں: نقر باسم الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے بلائے جب کہ اپنی دعوت کو اس کے لیے خاص کرے۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ بگل جیسی کوئی چیز ہے اس سے مراد دوسرا نفخہ ہے۔ ایک قول کیا گیا ہے: اس سے پہلا نفخہ مراد ہے کیونکہ یہ پہلی ہولناک سختی ہوگی اس کے بارے میں مفصل گفتگو سورۃ النمل، سورۃ الانعام اور کتاب التذکرہ میں گزر چکی ہے الحمد للہ۔

ابو حبان سے مروی ہے: حضرت زرارہ بن اوفی نے ہمیں امامت کرائی جب وہ فَاِذَا نُقِرَ فِي النَّاقُوْرِ ﴿۸﴾ تک پہنچے تو گر پڑے اور فوت ہو گئے۔

فَذٰلِكَ يَوْمَئِذٍ يَّوْمٌ عَسِيْرٌ ﴿۹﴾ وہ دن بڑا سخت ہے۔ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ یہاں الْكٰفِرِيْنَ سے مراد اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء کا انکار کرنے والے ہیں۔

غَيْرُ يَسِيْرٍ ﴿۱۰﴾ وہ آسان نہیں ہوگا؛ یعنی ان کی گرہیں نہیں کھلیں گی مگر اگلی گرہ پہلے سے بھی شدید ہوگی۔ عقیدہ توحید پر ایمان رکھنے میں گناہگاروں کا معاملہ مختلف ہوگا کیونکہ ان کی شدت کی گرہ کھلے گی تو اگلا مرحلہ آسان ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ يَوْمَئِذٍ اس تقدیر کلام میں فذلك يوم عسير يومئذ کی صورت میں منصوب ہے یعنی عَسِيْرٌ نے اسے نصب دی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حرف جر کے مقدر ماننے کے ساتھ اسے جر دی گئی ہے اس کی تقدیر یہ ہوگی فذلك فی یومئذ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بھی جائز ہے کہ یہ مرفوع ہو مگر یہ کیونکہ غیر منصرف کی طرف مضاف ہے اس لیے مبنی برفتحہ ہے۔

ذَرْنِيْ وَ مَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ۭ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾

''آپ چھوڑ دیجئے مجھے اور جس کو میں نے تنہا پیدا کیا اور دے دیا ہے اس کو مال کثیر اور بیٹے دیئے ہیں جو پاس

رہنے والے ہیں اور مہیا کر دیا ہے اسے ہر قسم کا سامان پھر طمع کرتا ہے کہ میں اسے مزید عطا کروں۔ ہرگز نہیں، وہ ہماری آیتوں کا سخت دشمن ہے۔ میں اسے مجبور کروں گا کہ وہ کٹھن چڑھائی چڑھے''۔

ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ ذَرۡنِیۡ یعنی مجھے چھوڑ دو، یہ وعید اور دھمکی کا کلمہ ہے یعنی مجھے اور جسے میں نے تنہا پیدا کیا ہے اسے چھوڑ دے۔ وَحِیۡدًا اس صورت میں ضمیر محذوف سے حال ہے جو ضمیر مفعول بہ ہے یعنی میں نے اسے پیدا کیا تو وہ تنہا تھا اس کے پاس کوئی مال نہ تھا اور نہ ہی اس کی اولاد تھی۔ اس کے بعد میں نے اسے عطا کیا جو عطا کیا۔ مفسرین کا خیال ہے اس کا مصداق ولید بن مغیرہ ہے اگرچہ تمام لوگ اس کی مثل پیدا کیے گئے اس کا خصوصی طور پر اس لیے ذکر کیا گیا کیونکہ وہ نعمت کی ناشکری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینے میں خصوصیت رکھتا تھا وہ اپنی قوم میں وحید کے لقب سے جانا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ولید کہا کرتا تھا میں وحید بن وحید ہوں، عربوں میں میری مثل نہیں نہ ہی میرے باپ مغیرہ کی کوئی مثل ہے اسے وحید کا نام دیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ذَرۡنِیۡ وَ مَنۡ خَلَقۡتُ وَحِیۡدًا ﴿۱۱﴾ اسے وحید اس کے گمان کے اعتبار سے کہا گیا ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی تصدیق کی کہ وہ وحید ہے۔

ایک قوم کی یہ رائے ہے: وَحِیۡدًا کا لفظ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے اس کے پھر دو معنی ہو سکتے ہیں (۱) اس کے ساتھ معاملہ کرنے کے لیے مجھے اکیلا چھوڑ دے میں اس سے انتقام لینے میں کسی بھی منتقم کی جانب سے تجھے بہتر بدلہ دوں گا (۲) میں نے اسے تنہا پیدا کیا ہے اس کی تخلیق میں میرے ساتھ کوئی شریک نہیں ہوا، میں اسے ہلاک کروں گا اور اس کے ہلاک کرنے میں کسی مددگار کا محتاج نہیں اس صورت میں وَحِیۡدًا ضمیر فاعل سے حال ہوگا وہ خَلَقۡتُ میں تاء ہے۔ پہلا قول مجاہد کا ہے: میں نے اسے اس کی ماں کے پیٹ میں تنہا پیدا کیا اس کے پاس کوئی مال اور اولاد نہ تھی میں نے اس پر انعام کیا تو اس نے کفر کیا۔ اس صورت میں وَحِیۡدًا ولید کی طرف لوٹے گا۔ یعنی اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا میں نے اسے ہر چیز کا مالک بنایا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ اس امر پر دلالت کرے وہ اسے تنہا اٹھائے گا جس طرح اسے تنہا پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وحید سے مراد وہ شخص ہے جس کا باپ معلوم نہ ہو۔ ولید کے بارے معروف یہ تھا کہ وہ بداصل تھا جس طرح ہم نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: عُتُلٍّۭ بَعۡدَ ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ ﴿۱۳﴾ (القلم) وہ ترش رو ہے اس سے بڑھ کر وہ بداصل ہے۔ یہ بھی ولید کی صفت میں ہے۔

وَّ جَعَلۡتُ لَهٗ مَالًا مَّمۡدُوۡدًا ﴿۱۲﴾ میں نے اسے لمبا چوڑا مال عطا کیا۔ یہ ولید کا مکہ مکرمہ اور طائف میں مال تھا جس میں اونٹ، گھوڑیاں، جانور، باغات، غلام اور لونڈیاں تھیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی کہا کرتے تھے۔ مجاہد نے کہا: اس کا نفع ایک ہزار دینار تھا؛ یہ سعید بن جبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: چھ ہزار دینار۔ سفیان ثوری اور قتادہ نے کہا: چار ہزار دینار۔ ثوری نے کہا: دس لاکھ دینار۔ مقاتل نے کہا: اس کا ایک باغ تھا جس کا پھل موسم سرما اور موسم گرما میں ختم نہیں ہوتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد ہے مہینہ بمہینہ نفع۔ نعمان بن سالم نے کہا: اس سے مراد ہے ایسی زمین جس میں فصل کاشت کی جاتی۔ قشیری نے کہا: زیادہ ظاہر یہ ہے اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اس کا رزق ختم نہ

ہوگا بلکہ وہ پے در پے جاری رہے گا جس طرح کھیتی، جانور اور تجارت۔

وَّ بَنِيْنَ شُهُوْدًا ۝ یعنی ایسے بیٹے جو اس کے پاس حاضر رہتے کسی کام کی وجہ سے غائب نہ ہوتے۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا: وہ دس تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ بارہ تھے؛ یہ سدی اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: سات مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے اور پانچ طائف میں پیدا ہوئے۔ سعید بن جبیر نے کہا: وہ تیرہ تھے۔ مقاتل نے کہا: وہ سات تھے سب کے سب بہادر تھے ان میں سے تین مسلمان ہوئے خالد، ہشام اور ولید بن ولید۔ کہا: ولید اس آیت کے نازل ہونے کے بعد لگاتار مال اور اولاد کے بارے میں نقصان میں رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہاں **شُهُوْدًا** سے مراد ہے جب اس کا ذکر کیا جاتا تو ان کا بھی ساتھ ہی ذکر کیا جاتا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں **شُهُوْدًا** سے مراد یہ ہے کہ جن مجالس میں وہ حاضر ہوتا یہ بھی اس کی طرح حاضر ہوتے اور جو کام وہ کرتے یہ بھی وہ کرتے۔ پہلا قول سدی کا ہے وہ مکہ مکرمہ میں رہتے تھے تجارت کے لیے وہ اس کے پاس سے دور نہ جاتے اور نہ ہی غائب ہوتے۔

وَّ مَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا ۝ میں نے اسے زندگی میں فراخی عطا کی یہاں تک کہ وہ اپنے شہر میں ہی مطمئن، خوشحال قیام کرتا ہے، اس کی رائے سے فائدہ اٹھایا جاتا۔ عربوں کے ہاں تمہید کا معنی ہے تیار کرنا، بچھانا۔ اسی سے بچے کا پنگھوڑہ ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں نے اسے یمن اور شام میں وسعت عطا کی ہے؛ یہی مجاہد کا قول بھی ہے۔ مجاہد سے یہ بھی قول مروی ہے کہ اس کا مال اوپر نیچے پڑا ہے جس طرح بستر کو نیچے بچھایا جاتا ہے۔

ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ ۝ یعنی ولید اس کے بعد بھی طمع کرتا ہے کہ میں اس سے زیادہ اسے مال اور اولاد عطا کروں۔ **كَلَّا** وہ نعمتوں کا جو انکار کرتا رہا ہے اس کے ساتھ یہ نہیں ہوسکتا۔

حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء نے کہا: پھر وہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے جنت میں داخل کروں۔ ولید کہا کرتا تھا: اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو جنت تو پھر صرف میرے لیے پیدا کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا رد کرنے اور اس کو جھٹلانے کے لیے **كَلَّا** کا ذکر کیا یعنی میں اس کے مال میں اضافہ نہیں کروں گا۔ وہ لگاتار مال اور اولاد میں نقصان دیکھتا رہا یہاں تک کہ وہ ہلاک ہوگیا۔

ثُمَّ يَطْمَعُ میں **ثُمَّ** عاطفہ نہیں بلکہ تعجب کا اظہار کرنے کے لیے ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان: **وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ** ۝ (الانعام) اس نے تاریکیاں اور نور بنایا پھر بھی کافر اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: میں نے تجھے عطا کیا پھر بھی تو مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ یہ بات وہ کرتا ہے جو تعجب کا اظہار کرتا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طمع کرتا تھا کہ میں اس کے وارثوں میں بھی یہ مال اسی طرح چھوڑے رکھوں۔ کیونکہ وہ کہا کرتا تھا: بے شک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل نہیں، ان کی موت کے ساتھ ہی ان کا ذکر ختم ہوجائے گا۔ وہ گمان رکھتا تھا کہ اسے جو رزق دیا گیا ہے وہ اس کی موت کے ساتھ ختم نہیں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اس کے کفر پر

اس کی مدد کروں گا۔ کَلَّا ہر اس کی امید کو ختم کرنے کے لیے ہے جو وہ زیادہ مال کی طمع کرتا تھا۔ یہ پہلی کلام کے ساتھ متصل ہے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: کَلَّا یہ حق کے معنی میں ہے یہاں سے کلام کی ابتداء ہوگی۔

اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا۝ یعنی ولید نبی کریم ﷺ اور جو وہ پیغام حق لائے ہیں اس سے عناد رکھتا تھا۔جس طرح یہ کہا جاتا تھا: عاند، عنید جیسے جالس، جلیس؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔عَنَدَ یَعْنِدُ کسرہ کے ساتھ ہو اس کا معنی حق کی مخالفت کرنا ہے اور اس کا رد کرنا ہے جب کہ وہ حق کو پہچانتا ہو اس سے اسم فاعل عنید اور عاند استعمال ہوتا ہے۔عاند اس اونٹ کو بھی کہتے ہیں جو راستہ سے بھٹک جائے اس کی جمع عُنَّدٌ آتی ہے جس طرح راکع کی جمع رُکَّع آتی ہے؛ ابو عبیدہ نے حارثی کا شعر ذکر کیا:

إذا رَكِبْتُ فاجْعَلَانِي وَسَطًا إِنِّي كَبِيرٌ لاأطيقُ الْعُنَّدَ

جب میں کوچ کرتا ہوں تو وہ دونوں مجھے درمیان میں رکھ لیتے ہیں میں بوڑھا ہو چکا ہوں میں راستہ نہیں بھٹکتا۔

ابو صالح نے کہا: عنید کا معنی مباعد ہے؛ شاعر نے کہا:

أرَانا على حالٍ تُفَرِّقُ بَيْنَنَا نَوَى غَرْبَةٌ إنَّ الفِرَاقَ عَنُود

اس نے ہمیں ایسی حالت میں دکھایا جب کہ دوری ہمارے درمیان جدائی ڈال رہی تھی بے شک فراق بہت دوری کا ہے۔

قتادہ نے کہا: اس کا معنی انکار کرنے والا ہے۔مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے اعراض کرنے والا۔حضرت ابن عباس نے کہا: بہت زیادہ انکار کرنے والا۔ایک قول یہ کیا گیا: وہ اپنی دشمنی کو ظاہر کرنے والا ہے۔مجاہد نے بھی یہی کہا ہے: اس کا معنی ہے حق سے پہلو تہی کرنے والا، اس سے دشمنی رکھنے والا اور اس سے اعراض کرنے والا۔سب کا معنی قریب قریب ہے۔عرب کہتے ہیں: عند الرجل۔یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ حد سے تجاوز کر جائے۔اونٹوں میں سے عنود اسے کہتے ہیں جو اونٹوں کے ساتھ ملتا جلتا نہ ہو بلکہ وہ ایک طرف میں رہتا ہے۔رجل عنود اسے کہتے ہیں جب وہ تنہا پڑاؤ ڈالتا ہو اور لوگوں کے ساتھ میل جول نہ رکھتا ہو۔عنید یہ تجبر (اپنے آپ کو سرکش سمجھنا) کا پیکر ہے۔عرق عاند اس رگ کو کہتے ہیں جس کا خون نہ رکے۔یہ سب ایک ہی قیاس ہے۔سورۂ ابراہیم میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔عنید کی جمع عُنُد ہے جس طرح رغیف کی جمع رُغُف آتی ہے۔

سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا۝ میں اسے صَعُوْدًا پر چڑھنے کا مکلف بناؤں گا۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: میں اسے مجبور کروں گا۔کلام عرب میں ارھاق سے مراد یہ ہے کہ انسان کو کسی شی پر مجبور کیا جائے۔صَعُوْدًا جہنم میں ایک پہاڑ ہے جہنمی ستر سال تک اس پر چڑھتا رہے گا پھر اتنا عرصہ نیچے گرتا رہے گا، یہ ہمیشہ اسی طرح ہوگا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں۔امام ترمذی نے اسے نقل کیا ہے اس بارے میں انہوں نے کہا: یہ حدیث غریب ہے(1)۔عطیہ نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ صعود جہنم میں ایک چٹان ہے جب جہنمی اس پر اپنا ہاتھ رکھیں گے تو ان کے ہاتھ پگھل جائیں گے اور جب اسے اٹھائیں گے تو وہ ہاتھ ٹھیک ہو

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفة جهنم، باب ما جاء فی صفة قعر جهنم، حدیث نمبر 2499، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

جائیں گے۔ کہا: جہنمی اس کی بلندی تک چالیس سال تک پہنچے گا اسے سامنے سے زنجیروں سے کھینچا جا رہا ہو گا اور پیچھے سے انہیں گرز مارے جا رہے ہوں گے یہاں تک کہ جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے اس کی پستی کی طرف پھینک دیا جائے گا ہمیشہ اس کے ساتھ یہی سلوک جاری رہے گا۔ یہی بحث سورۂ قُلْ اُوْحِیَ میں گزر چکی ہے۔ تفسیر میں ہے: یہ ایک ملائم چٹان ہے جس پر چڑھنے کا اسے حکم دیا جائے گا جب وہ اس کی بلندی تک پہنچے گا تو اسے جہنم میں گرا دیا جائے گا تو جہنم کی گہرائی تک پہنچنے تک ہزار سال تک گرتا ہی رہے گا۔ ہر ستر دنوں میں اسے ایک بار جلایا جائے گا پھر اسے نئے سرے سے پیدا کر دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے میں اسے عذاب کی مشقت میں ڈالوں گا جس میں اس کے لیے کوئی راحت نہ ہو گی؛ اس کی مثل حضرت حسن بصری اور قتادہ سے مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کی روح نکلنے کے لیے بلند ہو گی اگرچہ اسے موت واقع نہ ہو گی اسے جسم کے اندر سے اسی طرح عذاب دیا جائے گا جس طرح اسے خارج سے عذاب دیا جائے گا۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَ بَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَ اسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾

"اس نے غور کیا اور پھر ایک بات طے کر لی، اس پر پھٹکار اس نے کتنی بری بات طے کی، اس پر پھر پھٹکار کیسی بری بات اس نے طے کی، پھر دیکھا پھر منہ بسورا اور ترش رو ہوا، پھر پیٹھ پھیری اور غرور کیا اور بولا: یہ نہیں ہے مگر جادو جو پہلوں سے چلا آتا ہے یہ نہیں مگر انسان کا کلام"۔

اِنَّهٗ فَكَّرَ وَ قَدَّرَ ﴿۱۸﴾ ولید نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے متعلق غور و فکر کیا اور اپنے دل میں کلام کو سوچا۔ عرب کہتے ہیں: قدرت الشئی جب تو اسے تیار کرے یہ اس وجہ سے ہوا جب حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۲﴾ غَافِرِ الذَّنْۢبِ وَ قَابِلِ التَّوْبِ شَدِيْدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۳﴾ (المومن) تک نازل ہوئی۔ ولید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیات پڑھتے ہوئے سنا اس نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے ان سے ایسی کلام سنی ہے جو نہ انسانوں کی کلام ہے اور نہ ہی جنوں کی کلام ہے، اس میں مٹھاس ہے، اس کا ظاہر حسین ہے، اس کا اوپر والا حصہ پھل دار ہے، اس کا نیچے والا حصہ گہرا ہے، وہ خود بلند ہے، اس پر غلبہ نہیں پایا جا سکتا، کوئی انسان ایسی کلام نہیں کر سکتا۔ قریش نے کہا: ولید بے دین ہو گیا تمام قریش اپنا دین چھوڑ جائیں گے۔ ولید کو ریحانہ قریش کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ ابوجہل نے کہا: میں تمہاری جانب سے اسے کافی ہوں۔ وہ اس کے پاس غمگین بن کر گیا۔ ولید نے اس سے کہا: کیا وجہ ہے میں تجھے غمگین دیکھتا ہوں؟ ابوجہل نے ولید سے کہا: میں کیوں غمگین نہ ہوں؟ یہ قریشی تیرے لیے روزینہ جمع کر رہے ہیں وہ تیرے بڑھاپے میں تیری مدد کرنا چاہتے ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ تو نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کو زینت والا قرار دیا ہے اور تو ابن ابی کبشہ اور ابن ابی قحافہ کے پاس جاتا ہے تاکہ تو ان کے بچے ہوئے کھانے کو کھائے۔ ولید غضب ناک ہو گیا اور تکبر کا اظہار کیا اور کہا: میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اس کے ساتھی کے ٹکڑوں کا محتاج ہوں جب کہ تم تو میرے مال کی قدر و منزلت کو جانتے ہو۔ لات و عزیٰ کی

قسم! مجھے تو اس کی کوئی ضرورت نہیں تم گمان کرتے ہو کہ محمد مجنون ہیں کیا تم نے کبھی دیکھا ہے کہ ان کا گلا کبھی بند ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں۔ الله کی قسم! اس نے کہا تم گمان کرتے ہو کہ وہ شاعر ہے؟ کیا تم نے کبھی اسے دیکھا ہے کہ کبھی اس نے شعر کہا ہو؟ لوگوں نے کہا: نہیں الله کی قسم! اس نے کہا تم یہ گمان کرتے ہو کہ وہ جھوٹا ہے کیا تمہیں اس کے جھوٹ بولنے کا کبھی تجربہ ہوا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں الله کی قسم! اس نے کہا: تم گمان کرتے ہو کہ وہ کاہن ہے کیا تم نے اسے کہانت کرتے ہوئے دیکھا ہے ہم نے تو کاہنوں کو سجع والی گفتگو کرتے ہوئے اور باتوں کو خلط ملط کرتے ہوئے دیکھا ہے کیا تم نے انہیں بھی کبھی ایسے کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں الله کی قسم! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق امین کے لقب سے یاد کیا جاتا کیونکہ وہ ہمیشہ سچ بولتے تھے۔ قریش نے ولید سے کہا: بتاؤ وہ کیا ہے؟ اس نے دل میں سوچا پھر غور و فکر کیا پھر چیں بجبیں ہوا اور کہا: وہ صرف جادوگر ہے (نعوذ باللہ) کیا تم نے اسے نہیں دیکھا کہ وہ میاں بیوی، اس کے بچوں اور اس کے غلاموں میں جدائی ڈال دیتا ہے؟ الله تعالیٰ کے فرمان کا بھی یہی معنی ہے اس نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے بارے میں سوچا، اس نے دل میں اندازہ لگایا جو وہ زیادہ سے زیادہ ان دونوں کے متعلق کہہ سکتا تھا۔ **فَقُتِلَ** اس پر لعنت ہو۔ بعض علماء اس کی تاویل میں کہتے ہیں: اس کا معنی ہے وہ مقہور مغلوب ہو کیونکہ ہر وہ شخص جسے مغلوب و مسخر کر لیا جائے وہ قتل کیا گیا ہی ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

وَمَا ذَرَفَتْ عيناكِ إلّا لِتَقْدَحِي　　بِسَهْمَيْكِ فِي أَعْشَارِ قَلْبٍ مُقَتَّلِ

تیری آنکھیں نہیں بہیں مگر اس لیے کہ تو اپنے دو تیروں سے مغلوب کے دل میں زخم لگا دے۔

زہری نے اس کا معنی کیا ہے: اسے عذاب دیا جائے گا تو یہ بد دعا ہوگی۔

كَيْفَ قَدَّرَ ﴿١٩﴾ لوگوں نے کہا: **كَيْفَ** تعجب کے اظہار کے لیے ہے جس طرح ایسے آدمی کو کہا جاتا ہے جس کے عمل پر تعجب کا اظہار کیا جائے: کیف فعلت هذا تو نے یہ کام کیسے کر لیا؛ اس معنی میں الله تعالیٰ کا یہ فرمان بھی ہے: **اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ** (فرقان: 9)

دیکھ تو اس نے تیرے بارے میں کیسی مثالیں ذکر کی ہیں **ثُمَّ قُتِلَ** اس پر لعنت کے بعد لعنت ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ایک سزا سے قتل ہو پھر دوسرے عذاب سے قتل ہو۔ **كَيْفَ قَدَّرَ** اس نے کس حال پر اندازہ لگایا۔ **ثُمَّ نَظَرَ ﴿٢١﴾** کس شے کے ساتھ وہ حق کو لوٹاتا ہے۔ **ثُمَّ عَبَسَ** اس نے مومنوں کے سامنے اپنی آنکھوں کے درمیان بل ڈالا اس کی وجہ یہ بنی جب ولید نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں قریش کو جس قسم کی گفتگو پر ابھارا کہ وہ جادوگر ہے تو ولید مسلمانوں کی ایک جماعت کے پاس سے گزرا انہوں نے ولید کو اسلام کی طرف دعوت دی تو وہ چیں بجبیں ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اسلام کی دعوت دی تو اس پر ناراض ہوا اور چہرے پر درشتگی کے آثار لایا۔ **عَبَسَ** کو جب تخفیف کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ عَبَسَ، يَعْبِسُ. عَبْسًا، عُبُوسًا کا مصدر ہو گا یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ ماتھے پر بل لائے۔ **عَبَسَ** اس پیشاب اور گوبر کو کہتے ہیں جو اونٹ کی دم کے ساتھ لگا ہوتا ہے۔ ابو النجم نے کہا:

كَأَنَّ فِي أَذْنَابِهِنَّ الشُّوَّلِ　　مِن عَبَسِ الصَّيْفِ قُرُونَ الْأَيِّلِ

گویا ان کی اٹھی ہوئی گردنوں میں موسم گرما کی سختی میں بارہ سنگا کے سینگ ہیں۔

وَبَسَرَ اس کا چہرہ سیاہ ہو گیا اور اس کا رنگ بدل گیا؛ یہ قتادہ اور سدی کا قول ہے، اس معنی میں بشر بن ابی حازم کا قول ہے:

صَبَحْنَا تَمِيْمًا غَدَاةَ الجِفَارِ بِشَهْبَاءَ مَلْمُوْمَةٍ بَاسِرَةْ

ہم نے جفار کی صبح بنو تمیم پر حملہ کیا مسلح جماعتوں والے ترش رو لشکروں کے ساتھ۔

ایک اور شاعر نے کہا:

وقَدْ رَابَنِي مِنْهَا صُدُوْدٌ رَأَيْتُهُ وإِعْرَاضُهَا عَنْ حَاجَتِي وبُسُوْرُهَا

مجھے شک میں ڈال دیا اس کے رکنے نے جو میں نے دیکھا، میری ضرورت کے اعراض نے اور اس کی ترش روئی نے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: چہرہ میں عبوس کا ظہور گفتگو کے بعد ہوتا ہے اور چہرے میں بسور کا ظہور گفتگو سے پہلے ہوتا ہے یعنی عبوس اور بسور چہرے پر درشتگی کے آثار ہیں۔ ایک قوم نے کہا: بسر وہ رک گیا نہ وہ آگے ہوتا ہے اور نہ پیچھے ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا: اس طرح اہل یمن کہتے ہیں قد بسر المرکب۔ سواری رک گئی نہ آتی ہے نہ جاتی ہے۔ ابسر کا معنی بھی رکنا ہے۔ قد ابسر نا ہم رک گئے عرب کہتے ہیں: وجه باسر بین البسور۔ جب وہ متغیر ہو اور سیاہ ہو جائے۔ **ثُمَّ أَدْبَرَ** وہ مڑا اور اپنے گھر جانے کے لیے منہ پھیر لیا۔ **وَاسْتَكْبَرَ** ایمان لانے سے اس نے اپنے آپ کو بڑا جانا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایمان سے اس نے رخ پھیر لیا اور جب اسے ایمان کی طرف دعوت دی گئی تو اس نے تکبر کیا۔ **فَقَالَ إِنْ هٰذَآ إِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ** یعنی جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لائے ہیں یہ نہیں ہے مگر ایسا جادو جو کسی دوسرے سے بیان کرتے ہیں۔ سِحْرٌ کا معنی دھوکہ ہے۔ اس کا بیان سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے۔ ایک قوم نے کہا: سِحْرٌ کا مطلب ہے حق کی صورت میں باطل کو ظاہر کرنا۔ اثرہ یہ تیرے اس قول کا مصدر ہے أثرت الحدیث أثرة۔ جب تو اس بات کو غیر سے بیان کرے۔ اس معنی میں حدیث ماثور ہے یعنی جسے بعد میں آنے والا پہلے آنے والوں سے بیان کرتا ہے؛ امراء القیس نے کہا:

لَقُلْتُ مِنَ القولِ ما لَا يَزَا لُ يُؤْثَرُ عَنِّي يَدَ الْمُسْنَدِ

میں نے ایسی بات کہی جو مجھ سے ہمیشہ بیان کی جاتی رہے گی۔ اعشیٰ نے کہا:

إِنَّ الذي فيه تمارَيْتُمَا بُيِّنَ لِلسَّامِعِ والآثِرِ

وہ چیز جس میں تم شک کا اظہار کر رہے: وہ سامع اور بعد میں آنے والوں کے لیے واضح ہے۔

إِنْ هٰذَآ إِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ یہ نہیں ہے مگر مخلوق کا کلام۔ دل اس سے دھوکہ کھا جاتے ہیں جس طرح جادو سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ سدی نے کہا: وہ یہ مراد لیتے کہ یہ یسار کا کلام ہے جو بنی حضرمی کا غلام تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتا لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس غلام سے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہوں نے اہل بابل سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مسیلمہ سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: عدی حضرمی کاہن سے اسے سیکھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس سے سیکھا ہے جس نے ان سے پہلے دعویٰ نبوت کیا، تو کلام انہیں کے انداز میں کی گئی۔ ابو سعید ضریر نے

کہا: یہ نہیں ہے مگر ایسا امر جو نسل در نسل چلا آرہا ہے۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝

''عنقریب میں اسے جہنم میں جھونکوں گا۔ اور تو کیا سمجھے کہ جہنم کیا ہے، نہ باقی رکھے اور نہ چھوڑے، جھلسا دینے والی آدمی کی کھال کو''۔

سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ ۝ میں اسے سقر میں داخل کروں گا تاکہ اس کی گرمی تاپے، اس کا نام سقر رکھا یہ سقرتہ الشمس سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب سورج اسے پگھلا دے، اس کو سیاہ کردے اور اس کے چہرے کی جلد کو جلا دے یہ غیر منصرف ہے کیونکہ علیت اور عجمہ کا سبب موجود ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہنم کا چھٹا طبقہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب سے سوال کیا اے میرے رب! تیرے بندوں میں سے کون سب سے محتاج ہے؟ فرمایا: سقر کا مستحق''۔ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ یہ اس کے وصف میں مبالغہ کے لیے ہے تجھے کس چیز نے بتایا کہ وہ کیا چیز ہے؟ یہ کلمہ تعظیم ہے پھر اس کی تفسیر بیان کی ارشاد فرمایا: لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ وہ ان کی ہڈی، گوشت اور خون نہیں چھوڑے گا وہ سب کچھ جلا دے گی تاکید کے طور پر اسے مکرر ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے کسی چیز کو نہیں چھوڑے گی پھر انہیں تازہ جسموں کے ساتھ لایا جائے گا وہ انہیں چھوڑے گی یعنی دوبارہ اسی طرح جلا دے گی یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے گا۔ مجاہد نے کہا: ان میں جو زندہ ہوگا انہیں باقی نہ رکھے گی اور نہ اسے مردہ چھوڑے گی جب بھی انہیں نئے جسم عطا کیے جائیں گے آگ انہیں جلاتی رہے گی۔ سدی نے کہا: وہ ان کے گوشت کو باقی نہ رکھے گی اور ان کی ہڈی کو نہ چھوڑے گی۔

لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ چمڑے کو بدل دے گی۔ یہ لاحہ سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے تبدیل کرے۔ عام قراء کی قراءت لَوَّاحَةٌ رفع کے ساتھ ہے یہ سقر کی صفت ہے جو وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ میں ہے۔ عطیہ عوفی، نصر بن عاصم اور عیسیٰ بن عمر نے لواحۃً نصب کے ساتھ پڑھا ہے یہ اختصاص کے طریقہ پر منصوب ہے۔ مقصود ہولنا کی بیان کرنا ہے۔ ابورزین نے کہا: ان کے چہروں پر ایک لپک پڑے گی جو ان کے چہروں کو رات سے بھی زیادہ سیاہ کر کے چھوڑے گی، یہ مجاہد کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: لاحہ البرد والحر والسقم والحزن سردی، گرمی، بیماری اور غم نے اسے سیاہ کر دیا اور اس کے چہرے کو بدل دیا؛ اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَقُولُ مَالَاحَكَ يَا مُسَافِرُ يَابْنَةَ عَمِّيْ لَاحَنِي الْهَوَاجِرُ

وہ کہتی ہے: اے مسافر! کس چیز نے تیرے چہرے کی رنگت کو بدل دیا ہے اے چچازاد بہن! دوپہر کی لپکوں نے میرے چہرے کو سیاہ کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح کا معنی سخت پیاس ہے۔ کہا جاتا ہے: لاحہ العطش ولوحہ۔ پیاس نے اس کے چہرے کے رنگ کو بدل دیا۔ معنی یہ ہوگا وہ انسانوں یا جہنمیوں کے لیے پیاس ہوگی؛ یہ اخفش کا قول ہے؛ اس نے یہ شعر پڑھا:

سَقَتْنِي على لَوْحٍ منَ الماءِ شُرْبَةً سقاها بها اللهُ الرِّهامَ الغَواديا

اس نے مجھے شدید پیاس میں پانی کا ایک گھونٹ پلایا اللہ تعالیٰ اسے ہلکی بارش سے سیراب کرے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: لَوَّاحَةٌ یعنی وہ انسان کے لیے پانچ سو سال کی مسافت سے ظاہر ہو جائے گی۔

حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: جہنم ان کے لیے ظاہر ہو گی یہاں تک کہ وہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَبُرِّزَتِ الْجَحِيمُ لِلْغَاوِينَ (الشعراء) جہنم سرکشوں کے لیے ظاہر کر دی جائے گی۔

بشر کی دو توجیہیں ہیں۔ (۱) اس سے مراد جہنمی انسان ہیں؛ یہ اخفش اور اکثر لوگوں کا خیال ہے۔ (۲) یہ بشرہ کی جمع ہے۔ یہ انسان کی ظاہری جلد ہے، یہ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے۔ بشرہ کی جمع ابشار ہے۔ پہلی تفسیر کی بنا پر درست ہو سکتا ہے جہاں تک حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر کا تعلق ہے اس میں لوگ ہی درست ہو سکتے ہیں جلدیں درست نہیں ہو سکتے۔ یہ لاح الشیء یلوح سے مشتق ہے جس کا معنی چمکنا ہے۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ وَمَا جَعَلْنَا أَصْحٰبَ النَّارِ إِلَّا مَلٰٓئِكَةً ۙ وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِينَ كَفَرُوا ۙ لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَيَزْدَادَ الَّذِينَ اٰمَنُوٓا إِيمَانًا وَّلَا يَرْتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُونَ ۙ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْكٰفِرُونَ مَاذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۭ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ ۭ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝

"اس پر انیس فرشتے مقرر ہیں اور ہم نے مقرر نہیں کیے آگ کے داروغے مگر فرشتے اور نہیں بنایا ہم نے ان کی تعداد کو مگر آزمائش ان لوگوں کے لیے جنہوں نے کفر کیا تاکہ یقین کر لیں اہل کتاب اور بڑھ جائے اہل ایمان کا ایمان اور نہ شک میں مبتلا ہوں اہل کتاب اور مومن اور تاکہ کہنے لگیں جن کے دلوں میں روگ ہے اور کفار: کیا ارادہ کیا ہے اللہ نے اس بیان سے، یونہی اللہ تعالیٰ (ایک ہی بات سے) گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور ہدایت بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا آپ کے رب کے لشکروں کو بغیر اس کے، اور نہیں ہے یہ بیان مگر نصیحت لوگوں کے لیے"۔

عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ یعنی سقر پر انیس فرشتے ہیں جو جہنم میں جہنمیوں سے ملاقات کریں گے پھر کہا گیا: مجموعی جہنم پر انیس فرشتے ہیں وہی اس کے خازن ہیں ایک مالک اور باقی اٹھارہ۔ یہ احتمال ہے انیس نقیب ہوں۔ یہ بھی احتمال ہے انیس فرشتے ہوں۔ اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ ثعلبی نے کہا: اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا جب ایک فرشتہ تمام مخلوق کی ارواح کو قبض کر سکتا ہے تو یہ زیادہ مناسب ہے کہ انیس فرشتے بعض مخلوق کے عذاب پر متعین ہوں۔ ابن جریج نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہنم کے داروغوں کی صفت بیان کی فرمایا: "گویا ان کی آنکھیں بجلیاں ہیں، ان کے منہ قلعے ہیں، وہ اپنے بال

کھینچتے ہوں گے، ان میں سے ایک میں اتنی طاقت ہو گی جتنی جن وانس میں طاقت ہے، ان میں سے ایک پوری امت کو ہانک لے گا اس کی گردن پر ایک پہاڑ ہو گا وہ ان سب کو آگ میں پھینک دے گا اور ان پر پہاڑ پھینک دے گا"۔

میں نے کہا: ابن مبارک نے ذکر کیا کہا حماد بن سلمہ، ازرق بن قیس سے وہ بنی تمیم کے ایک آدمی سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ہم ابو عوام کے پاس تھے انہوں نے اس آیت کو پڑھا وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا سَقَرُ ۝ لَا تُبْقِيْ وَلَا تَذَرُ ۝ لَوَّاحَةٌ لِّلْبَشَرِ ۝ عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ پوچھا: یہ انیس کیا ہے، انیس ہزار فرشتے یا انیس فرشتے؟ میں نے کہا: نہیں بلکہ انیس فرشتے۔ پوچھا: تو نے یہ کہاں سے سیکھا؟ میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے وَّمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا کہا: تو نے سچ کہا وہ انیس فرشتے ہیں ان میں سے ہر ایک فرشتے کے پاس ایک گرز ہو گا جس کی آگے دو شاخیں ہوں گی وہ ایک ضرب لگائے گا تو اس کے ساتھ ستر ہزار افراد کو جہنم میں گرا دے گا۔ حضرت عمرو بن دینار سے مروی ہے: ان میں سے ہر ایک، ایک ہی دھکے کے ساتھ ربیعہ اور مضر سے زیادہ افراد کو جہنم میں ڈال دے گا۔

امام ترمذی نے حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ کچھ یہودیوں نے کچھ صحابہ کرام سے کہا: کیا تمہارا نبی جہنم کے داروغوں کی تعداد کو جانتا ہے؟ صحابہ نے کہا: جب تک ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ پوچھ لیں ہم کچھ بھی نہیں جانتے۔ ایک آدمی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا انہوں نے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھی مغلوب ہو گئے پوچھا: "وہ کیسے مغلوب ہوئے؟" اس نے عرض کی: یہودیوں نے ان سے سوال کیا: کیا تمہارا نبی جہنم کے داروغوں کو جانتا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "صحابہ نے کیا جواب دیا؟" اس نے عرض کی: صحابہ نے کہا ہم کچھ نہیں جانتے یہاں تک کہ ہم اپنے نبی سے سوال کرلیں۔ فرمایا: "کیا وہ قوم مغلوب ہو گئی جن سے ایسی بات پوچھی گئی جس کو وہ نہ جانتے تھے تو انہوں نے یہ کہا اسے نہیں جانتے جب تک ہم اس کے بارے میں اپنے نبی سے نہ پوچھ لیں؟ جب کہ انہوں نے تو اپنے نبی سے یہ سوال کیا تھا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ عیاں دکھا۔ اللہ کے دشمنوں کو میرے پاس لے آؤ میں ان سے جنت کی مٹی کے بارے میں سوال کرنے والا ہوں جب کہ وہ میدے کی طرح سفید ہے جب وہ آ گئے انہوں نے عرض کی: اے ابا القاسم! جہنم کے داروغوں کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: اتنی اتنی"۔ ایک دفعہ دس انگلیوں کے ساتھ اشارہ کیا اور دوسری دفعہ نو کے ساتھ۔ انہوں نے کہا: ہاں (اتنی ہی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا: "جنت کی مٹی کیسی ہے؟" وہ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر کہا: اے ابا القاسم! کیا وہ روٹی جیسی ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارہ فرمایا: روٹی میدے کی ہے۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے ہم اسے اسی سند سے جانتے ہیں یعنی مجاہد، شعبی سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں (1) ابن وہب نے ذکر کیا اس نے کہا عبد الرحمن بن زید نے حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنم کے داروغوں کے بارے میں فرمایا: "ان میں سے ایک کے کندھوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہو گا جتنا مشرق و مغرب کے درمیان ہوتا ہے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ان میں سے ایک کے کندھوں کے درمیان فاصلہ ایک سال کی مسافت ہو گی، ان میں سے ایک کی

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المدثر، حدیث نمبر 3250، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

قوت یہ ہوگی کہ وہ ایک گرز مارے گا تو ایک ہی دفعہ ستر ہزار انسانوں کو جہنم میں پھینک دے گا۔

میں کہتا ہوں: انشاء اللہ صحیح یہ ہے کہ یہ انیس سردار اور نقیب ہیں جہاں تک ان کی کل تعداد کا تعلق ہے عبارت اس کے اظہار سے عاجز ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (مدثر: 31) تیرے رب کے لشکروں کو اس ذات کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس دن جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے جو اسے کھینچ رہے ہوں گے''۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور ضحاک نے کہا: جب عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۝ آیت نازل ہوئی؛ ابوجہل نے قریش سے کہا: تمہاری مائیں تم پر روئیں میں ابن ابی کبشہ کو سنتا ہوں جو تمہیں خبر دیتا ہے کہ جہنم کے انیس داروغے ہیں جب کہ تمہاری اتنی تعداد اور تم اتنے بہادر ہو کیا تم اس بات سے بھی عاجز ہو کہ تم میں سے دس آدمی ایک کو پکڑ لیں؟ سدی نے کہا: ابو اسود بن کلدہ جمحی نے کہا: انیس تمہیں پریشان نہ کریں میں اپنے دائیں کندھے سے دس فرشتوں اور اپنے بائیں کندھے سے نو کو روک لوں گا، پھر تم جنت میں داخل ہو جانا۔ وہ یہ بات بطور مزاق کے کیا کرتا۔ ایک روایت میں ہے حرث بن کلدہ نے کہا: میں سترہ کو تمہاری جانب سے کافی ہوں، تم میری جانب سے دو کو کافی ہو جانا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابوجہل نے یہ کہا تھا: کیا تم میں سے سو عاجز ہیں کہ ان میں ایک کو پکڑ لیں پھر تم جہنم سے نکل جاؤ تو یہ آیت نازل ہوئی وَمَا جَعَلْنَا أَصْحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً یعنی ہم نے انہیں انسان نہیں بنایا کہ تم ان پر غلبہ پا سکو۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں فرشتے اس لیے بنایا کیونکہ وہ جن وانس کے خلاف ہوں جنہیں عذاب دیا جانے والا ہے تو انہیں وہ چیز اپنی گرفت میں نہ لے گی جو شفقت اور رحمت ہم جنس کو اپنی گرفت میں لے لیتی ہے۔ وہ داروغے جہنمیوں کے لیے راحت طلب نہیں کریں گے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو بجالانے والے اور اس کے لیے غضب ناک ہونے والی سب سے قوی مخلوق ہے کہ ان کی نرمی فائدہ دے۔ ایک اور وجہ یہ ہے وہ پکڑ اور قوت کے لحاظ سے سب سے قوی مخلوق ہے۔ وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ إِلَّا فِتْنَةً فتنہ کا معنی آزمائش ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کئی سندوں سے مروی ہے: ہم نے اس تعداد کو کافروں کے لیے گمراہی بنا دیا ہے، اس سے مراد ابوجہل اور اس کے ساتھی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فتنہ سے مراد عذاب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ هُمْ عَلَى النَّارِ يُفْتَنُونَ ۝ ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ اس روز انہیں آگ پر عذاب دیا جائے گا تم اپنے عذاب کو چکھو۔ (الذاریات)

یعنی ہم نے اسے ان کے کفر اور عذاب کا سبب بنا دیا۔

تِسْعَةَ عَشَرَ میں سات قرائتیں ہیں عام قراءت تِسْعَةَ عَشَرَ ہے۔ ابوجعفر بن قعقاع اور طلحہ بن سلیمان نے عین کو ساکن کرتے ہوئے تسعۃَ عْشَر پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تسعۃُ عشر منقول ہے۔ حضرت انس بن مالک سے تسعۃُ وعشر، تسعۃُ وعشر، تسعۃُ اعشر منقول ہے؛ مہدوی نے اسے ذکر کیا ہے۔ جس نے تسعۃَ عْشَر پڑھا ہے اس نے عین کو اس لیے ساکن کیا ہے کیونکہ پے در پے حروف متحرک آ رہے ہیں۔ جس نے اسے تسعۃ وعشر پڑھا ہے وہ اسے ترکیب سے قبل اصل پر لایا ہے اور عشر کو تسعۃ پر معطوف کیا ہے اور کثرت استعمال کی وجہ سے تنوین کو حذف کر دیا اور

عشر کی راء کو سکوت کے ارادہ سے ساکن پڑھا ہے جس نے تسعة عشر پڑھا ہے گویا یہ تداخل سے ہے گویا اس نے عطف کا ارادہ کیا اور ترکیب کو ترک کر دیا۔ تسعة اعشر یہ قراءت معروف نہیں۔ ابو حاتم نے اس قراءت کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح تسعة وعشر ہے کیونکہ یہ بھی تِسْعَةَ عَشَرَ پر محمول ہے واؤ ہمزہ کا بدل ہے۔ نحویوں کے نزدیک اس کی کوئی وجہ نہیں۔ زمخشری نے کہا: اسے تسعة اعشر پڑھا گیا ہے اعشر، عشیر کی جمع ہے جس طرح یمین کی جمع ایمن آتی ہے۔

لِيَسْتَيْقِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ تا کہ جنہیں تورات اور انجیل دی گئی ہے انہیں یقین ہو جائے کہ جہنم کے داروغوں کی جو تعداد ذکر کی گئی ہے وہ اس کے موافق ہے جو ان کے پاس تعداد مذکور ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، قتادہ، ضحاک، مجاہد اور دوسرے لوگوں کا قول ہے۔ پھر یہ احتمال ہے کہ اہل کتاب میں سے مومن مراد ہیں حضرت عبداللہ بن سلام۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے سب مراد ہیں۔ وَيَزْدَادَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِيْمَانًا اور اس لیے تا کہ اس پر ایمان رکھنے والوں کے ایمان میں اضافہ ہو کیونکہ جب بھی انہوں نے کتاب اللہ میں موجود چیز کی تصدیق کی وہ ایمان لائے پھر جب انہوں نے جہنم کے داروغوں کی تعداد کی تصدیق کی تو ان کے ایمان میں اضافہ ہوا۔ وَلَا يَرْتَابَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اہل کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس بات میں شک نہیں کرتے کہ جہنم کے داروغوں کی تعداد انیس ہے۔ وَلِيَقُوْلَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی اہل مدینہ کے منافقوں کے سینوں میں شک اور نفاق ہے جو ہجرت کے بعد آئندہ زمانہ میں ظاہر ہونے والے تھے۔ مکہ مکرمہ میں کوئی نفاق نہیں تھا یہ مدینہ طیبہ میں ظاہر ہوا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ معنی یہ ہے تا کہ وہ منافق کہیں جو آئندہ زمانہ میں ہجرت کے بعد ظاہر ہونے والے تھے۔ وَّالْكٰفِرُوْنَ سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں۔ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا یعنی جہنم کے داروغوں کی تعداد سے اللہ تعالیٰ نے کیا ارادہ کیا ہے۔

حسین بن فضل نے کہا: سورت مکی ہے اور مکہ مکرمہ میں نفاق نہیں تھا۔ اس آیت میں مرض سے مراد اختلاف ہے اور کفار سے مراد عرب کے مشرک ہیں؛ اکثر مفسرین کی رائے پہلے قول کے موافق ہے۔

یہ بھی جائز ہے مَّرَضٌ سے مراد شک اور ارتیاب ہو، کیونکہ اہل مکہ میں سے اکثر شک کرنے والے تھے۔ بعض قطعی طور پر جھٹلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں کے بارے میں خبر دیتا ہے: مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا وہ عدد جو بطور حکایت ذکر کیا ہے اس سے اللہ تعالیٰ نے کس چیز کا ارادہ کیا ہے یعنی یہ کیسی حکایت ہے۔ لیث نے کہا: مثل کا معنی حکایت ہے اس معنی میں مثل الجنة التی وعد المتقون (رعد: 35)

اس جنت کی کیفیت جس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے۔

كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اللہ تعالیٰ نے جہنم کے داروغوں کے بارے میں جس طرح ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کو گمراہ کیا جس کو چاہتا ہے، رسوا کرتا ہے اور اندھا بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ہدایت عطا فرمائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جسے چاہتا ہے جنت سے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کے بارے میں چاہتا ہے اسے راہنمائی دیتا ہے۔

وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالیٰ نے جہنمیوں کو عذاب دینے کے لیے جنہیں پیدا کیا اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یہ ابوجہل کے جواب میں کلام کی گئی جس نے یہ کہا تھا: جہاں تک محمد کے لشکروں کا تعلق ہے وہ انیس ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ حنین کی غنیمتیں تقسیم فرما رہے تھے تو حضرت جبرئیل امین حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ گئے ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: تیرا رب تجھے یہ حکم دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خوف ہوا کہ یہ کہیں شیطان ہی نہ ہو فرمایا: اے جبرئیل! کیا تو اسے پہچانتا ہے؟ حضرت جبرئیل نے عرض کی: یہ فرشتہ ہے، میں تیرے رب کے تمام فرشتوں کو نہیں پہچانتا۔

اوزاعی نے کہا: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی اے میرے رب! آسمان میں کون ہے؟ فرمایا: میرے فرشتے۔ عرض کی: اے میرے رب! ان کی تعداد کتنی ہے؟ فرمایا: بارہ سبط۔ عرض کی: ہر سبط کی کیا تعداد ہے؟ فرمایا: مٹی کے برابر؛ ثعلبی نے یہ دونوں قول ذکر کیے۔ ترمذی شریف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''آسمان آواز نکالنے لگا اس کو زیبا یہی ہے کہ وہ آواز نکالے اس میں چار انگلیوں کے برابر بھی جگہ نہیں مگر ایک فرشتہ سجدہ کی حالت میں اپنی پیشانی رکھے ہوئے ہے''۔

وَمَا هِيَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْبَشَرِ ۝ ذِكْرٰى سے مراد دلائل، حجتیں اور قرآن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا هِيَ سے مراد وہ آگ جو سقر ہے یعنی وہ آگ مخلوقات کے لیے نصیحت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دنیا کی آگ آخرت کی آگ کو یاد کرانے والی ہے؛ یہ زجاج نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: یہ تعداد نہیں مگر انسانوں کے لیے نصیحت، یعنی وہ نصیحت حاصل کریں اور اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت کو جانیں وہ اعوان و انصار کا محتاج نہیں۔ اس صورت میں وَمَا هِيَ کی ضمیر جنود کی طرف لوٹے گی کیونکہ قریب وہ ہی مذکور ہے۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۝ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۝ وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ۝ اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ۝ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ۝ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّتَقَدَّمَ اَوْ يَتَاَخَّرَ ۝ كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ ۝ اِلَّآ اَصْحٰبَ الْيَمِيْنِ ۝ فِيْ جَنّٰتٍ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَنِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ ۝ قَالُوْا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ ۝ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِيْنَ ۝ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝

''ہاں ہاں چاند کی قسم! اور رات کی قسم! جب وہ پیٹھ پھیرنے لگے اور صبح کی جب روشن ہو جائے یقیناً دوزخ بڑی آفتوں میں سے ایک آفت ہے، ڈراوا ہے لوگوں کے لیے ان کے لیے جو تم سے آگے بڑھنا چاہتے ہیں یا پیچھے رہنا چاہتے ہیں۔ ہر نفس اپنے عملوں میں گروی ہے سوائے اصحاب یمین کے جو جنتوں میں ہوں گے، اہل جنت پوچھیں گے مجرموں سے کہ کس جرم نے تم کو دوزخ میں داخل کیا۔ وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے اور

مسکین کو کھانا بھی نہیں کھلایا کرتے تھے اور ہم ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی میں لگے رہتے اور ہم جھٹلایا کرتے تھے روز جزا کو یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا پس انہیں کوئی فائدہ نہ پہنچائے گی شفاعت کرنے والوں کی شفاعت''۔

كَلَّا وَالْقَمَرِ ﴿۳۲﴾ فراء نے کہا: كَلَّا قسم کا صلہ ہے تقدیر کلام یوں ہوگی ای والقمر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے حقا والقمر۔ ان دونوں تقدیروں کی بنا پر كَلَّا پر وقف نہیں ہوگا۔ طبری نے اس پر وقف کو جائز قرار دیا ہے اور اسے ان لوگوں کا رد بنایا ہے جو یہ گمان رکھتے ہیں کہ وہ جہنم کے داروغوں کا مقابلہ کرسکیں گے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح وہ آدمی گمان کرتا ہے کہ وہ جہنم کے داروغوں کا مقابلہ کرلے گا، پھر اس امر کو ثابت کرنے کے لیے جاندار اور مابعد مذکور چیزوں کی قسم اٹھائی۔

وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ﴿۳۳﴾ یعنی جب رات پھرے اسی طرح دَبَرَ کا معنی بھی یہی ہے۔ نافع، حمزہ اور حفص نے اذ ادبر قراءت کی جب کہ باقی قراء نے اذا دبر قراءت کی یعنی اِذَآ الف کے ساتھ اور دَبَرَ الف کے بغیر ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہم معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے: دَبَرَ، ادبر اسی طرح قَبِلَ اللیل واقبل۔ عربوں نے کہا: امس الدابر والمدبر۔ صخر بن عمرو بن شرید سلمی نے کہا:

وَلَقَدْ قَتَلْنَاكُمْ ثُنَاءً وَ مُوْحَدًا　　وَتَرَكْتُ مُرَّةَ مِثْلَ أَمْسِ الدَّابِرِ

تحقیق ہم نے تمہیں دو دو اور ایک ایک قتل کیا اور میں نے مرہ کو گزشتہ کل کی طرح چھوڑا۔

شعر میں دابر کی جگہ مدبر بھی روایت کیا گیا ہے؛ یہ فراء اور اخفش کا قول ہے۔ بعض اہل لغت نے کہا: دَبَرَ اللیل۔ جب وہ گزر جائے اور ادبر یعنی وہ پلٹنے لگی۔ مجاہد نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ کے بارے میں پوچھا تو آپ خاموش ہو گئے یہاں تک کہ وہ پلٹنے لگی۔ فرمایا: اے مجاہد یہ وہ وقت ہے جب رات پلٹتی ہے۔ محمد بن سمیقع نے واللیل اذا ادبر دونوں الفوں کے ساتھ اسے پڑھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت ابی بن کعب کے صحیفوں میں اسی طرح ہے۔ قطرب نے کہا: جس نے دَبَرَ پڑھا تو وہ اس کا معنی اقبل لے گا۔ یہ عربوں کے قول دبر فلان سے ماخوذ ہے۔ جب وہ تیرے پیچھے سے آئے۔ ابو عمرو نے کہا: یہ قریش کی لغت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت مروی ہے جس میں ہے: صحیح اَدْبَرَ ہے کیونکہ وہ اونٹ کی پشت کو زخمی کرتی ہے۔ ابو عبید نے اِذْ اَدْبَرَ کو پسند کیا ہے کیونکہ یہ مابعد حروف کے زیادہ موافق ہے کیا تو نے اسے یہ کہتے ہوئے نہیں دیکھا وَالصُّبْحِ اِذَآ اَسْفَرَ ﴿۳۴﴾ تو یہ کیسے ہوسکتا ہے ایک جگہ اِذْ ہو اور دوسری جگہ اِذَا ہو۔ قرآن حکیم میں کوئی ایسی قسم نہیں جس کے بعد اِذْ ہو قسم کے بعد اِذَا ہوتا ہے۔ اَسْفَرَ کا معنی روشن ہونا ہے عام قراءت اَسْفَرَ الف کے ساتھ ہے ابن سمیقع نے سَفَرَ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں یہ کہا جاتا ہے: سفر وجہ فلان و أسفر یہ اس وقت بولتے ہیں جب چہرہ روشن ہو جائے۔ حدیث طیبہ میں ہے أسفروا بالفجر فجر کو خوب روشن کرو کیونکہ یہ عظیم اجر کا باعث ہوتا ہے(1) مراد یہ ہے صبح کی نماز خوب روشن کر کے پڑھو۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسے صبح کے روشن ہونے تک لمبا کرو۔ اسفار کا معنی روشن کرنا ہے اسفر وجهه حسنا اس کا چہرہ حسن کی وجہ سے روشن ہوا۔ سفرت المراة

1۔ جامع ترمذی، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الاسفار بالفجر، حدیث نمبر 142، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یعنی عورت نے اپنے چہرہ سے پردہ ہٹا دیا، اس سے اسم فاعل سافر آتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ سفر الظلام سے ماخوذ ہو، یعنی اس نے تاریکی کو دور کیا جس طرح بولتے ہیں سفر البیت یعنی گھر میں جھاڑو دیا جاتا ہے اسی سے سفیر ہے سفیرا سے کہتے ہیں جو درخت کے پتوں میں سے گرے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اسے سفیر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ہوا اسے اڑا لے جاتی ہے۔ مسفرۃ کا معنی جھاڑو ہے۔

اِنَّهَا لَاِحْدَى الْكُبَرِ ﴿۳۵﴾ یہ جواب قسم ہے یعنی یہ جہنم کی آگ بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ مقاتل کی تفسیر میں ہے الکبر جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا گناہ کبیرہ میں سے ایک ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: قیامت کا برپا ہونا بڑی مصیبتوں میں سے ایک ہے۔ الْكُبَرِ عذابوں میں سے بڑے عذاب کو کہتے ہیں۔ راجز نے کہا:

یابن المُعَلّٰی نزلتْ إحدی الکُبَرْ ۔ داهيةُ الدهر وصَمّاءُ الغِيَرْ

اے ابن معلی! ایک بڑی مصیبت نازل ہوئی جو زمانے کی مصیبتوں میں سے بڑی ہے۔

کبر کا واحد کبریٰ ہے جس طرح صغر کا واحد صغریٰ ہے اسی طرح عظم اور عظمیٰ ہے عام قراء نے لاحدی پڑھا ہے یہ ایسا اسم ہے جو ابتداءً تانیث کے لیے وضع کیا گیا ہے یہ مذکر پر مبنی نہیں، جس طرح عقبیٰ اور اخریٰ ہے اس کا الف قطعی ہے یہ وصل کی صورت میں بھی نہیں گرتا۔ جریر بن حازم نے ابن کثیر سے انھا لحدی الکبر روایت کیا ہے یعنی ہمزہ کو حذف کر دیا۔

نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ یعنی اس صفت سے موصوف آگ لوگوں کو خبردار کرنے والی ہے۔ نَذِيْرًا، انھا کی ضمیر سے حال ہے: یہ زجاج کا قول ہے۔ نَذِيْرًا کو مذکر ذکر کیا ہے کیونکہ اس کا معنی عذاب ہے یا یہ نسبت کے معنی میں ہے یعنی ذات انذار۔ جس طرح ان امثلہ میں اسم فاعل نسبت کے معنی میں ہے: امرأۃ طالق و طاهر۔

خلیل نے کہا نذیر مصدر ہے جس طرح نکیر مصدر ہے اسی وجہ سے اس کے ساتھ اسم مونث کی صفت ذکر کر دی جاتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس سے زیادہ خوفناک چیز کے ساتھ نہیں ڈرایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نذیر سے مراد حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ معنی یہ ہوگا لوگوں کو ڈرانے کے لیے اٹھ کھڑے ہو۔ نَذِيْرًا، قم میں پوشیدہ ضمیر سے حال ہے جو قُمْ فعل سورت کے آغاز میں ہے۔ ارشاد فرمایا: قُمْ فَاَنْذِرْ ﴿۲﴾ ابو علی فارسی اور ابن زید نے یہ کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ فراء نے اس کا انکار کیا۔ ابن انباری نے کہا: بعض مفسرین نے کہا: اس کا معنی ہے اے چادر اوڑھنے والے! لوگوں کو خبردار کرنے کے لیے اٹھیے۔ یہ تعبیر پسندیدہ نہیں کیونکہ ان دونوں کے درمیان کلام بہت طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے۔ ابو معاویہ ضریر نے روایت کی ہے اسماعیل بن سمیع نے ابو رزین سے روایت نقل کی ہے کہ نَذِيْرًا لِّلْبَشَرِ ﴿۳۶﴾ کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میں تمہیں اس سے خبردار کرنے والا ہوں اس سے ڈرو۔ اس صورت میں نَذِيْرًا حال ہوگا، یعنی ہم نے جہنم کے داروغے نہیں بنائے مگر فرشتے اس حال میں کہ اس کے ساتھ انسانوں کو خبردار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ھو سے حال ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے وَ

مَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مصدر کی جگہ واقع ہے گویا یہ فرمایا: انذارا للبشر۔ فراء نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ نذیر، انذار کے معنی میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی انذر انذارا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فکیف کان نذیر یعنی میرا ڈرانا کیسا ہے؟ اس صورت میں یہ سورت کے آغاز کی طرف راجع ہوگی۔ تقدیر کلام یہ ہوگی قم فانذر انذارا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مضمر فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ ابن ابی عبلہ نے نذیر کو مرفوع پڑھا ہے اس صورت میں ھو ضمیر مضمر ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قرآن انسانوں کو خبردار کرنے والا ہے کیونکہ یہ اپنے اندر وعدہ اور وعید کو لیے ہوئے ہے۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّتَقَدَّمَ اَوْ یَتَاَخَّرَ ۝ لام تعلیل نَذِیْرًا کے ساتھ متعلق ہے یعنی یہ خبردار کرنے والا ہے اسے بھی جو خیر اور طاعت کی طرف آگے بڑھے یا شر اور معصیت کے لیے پیچھے ہٹے۔ اس کی مثل وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَ لَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ ۝ (حجر) ہے۔ تحقیق ہم نے تم میں سے خیر کی طرف آگے بڑھنے والوں کو بھی جان لیا اور تم میں سے جو اس سے پیچھے رہنے والے ہیں انہیں بھی جان لیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: یہ وعید اور دھمکی ہے اگرچہ خبر کے انداز میں ذکر کی گئی ہے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ (کہف: 29) جو چاہے ایمان لائے جو چاہے کفر اختیار کرے۔ بعض اہل تاویل نے یہ تعبیر کی ہے اس کا معنی ہے جس کے حق میں اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ آگے بڑھے اور پیچھے رہے۔ مشیت اللہ تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے یہاں تقدیم سے مراد ایمان اور تاخیر سے مراد کفر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: یہ دھمکی اور آگاہی ہے کہ جو آدمی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی طرف بڑھا اسے ایسا بدلہ دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا اور جو طاعت سے پیچھے رہا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اسے ایسا عذاب دیا جائے گا جو ختم نہ ہوگا۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ہے جو مذکورہ آگ کی طرف آگے بڑھا یا جنت کی طرف جانے کے لیے اس سے پیچھے ہٹا۔

كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ رَهِیْنَةٌ ۝ ہر نفس اپنی کمائی کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اور اپنے عمل کے بدلے میں ماخوذ ہے یا تو اس کا عمل اسے چھٹکارا دلائے گا یا اسے ہلاک کرے گا۔ رَهِیْنَةٌ، رھین کی مونث ہے کیونکہ نفس مونث ہے کیونکہ اس کی صفت کا قصد کیا جاتا تو رھین ہوتا۔ کیونکہ فعیل کا وزن جب اسم مفعول کا معنی دے تو اس میں مذکر اور مونث برابر ہوتے ہیں بلکہ یہ رہن کے معنی میں اسم ہے، جس طرح شتیمۃ، شتم کے معنی میں ہے گویا کلام یوں کی گئی ہے کل نفس بما کسبت رھین؛ اسی معنی میں حماسہ کا شعر ہے:

أَبَعْدَ الذی بالنَّعْفِ نَعْفِ كُوَیْكِبٍ ۔۔۔ رَهِینَةُ رَمْسٍ ذِی تُرَابٍ وَجَنْدَلِ

گویا رَهْنَ رمس کہا۔ معنی یہ ہوگا: ہر نفس اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنے اعمال کے بدلہ میں رہن رکھا گیا ہے اسے آزادی نہیں۔

اِلَّاۤ اَصْحٰبَ الْیَمِیْنِ ۝ وہ اپنے گناہوں کے عوض رہن نہیں رکھے گئے۔ اصحاب الیمین کی تعیین میں اختلاف ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد فرشتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: مسلمان کی اولادیں مراد ہیں جنہوں نے کوئی عمل نہ کیا کہ وہ عمل کے بدلے رہن رکھے جاتے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب

سے جن کے لیے حسنیٰ مقدر ہو چکی ہے۔ اسی کی مثل ابن جریج سے مروی ہے ہر نفس کا اس کے عمل کے بدلے میں محاسبہ ہوگا مگر اصحاب یمین وہ جنتی لوگ ہیں ان کا محاسبہ نہیں ہوگا۔ مقاتل نے بھی اسی طرح کی گفتگو کی ہے: اس سے مراد وہ جنتی ہیں جو یوم میثاق کو حضرت آدم علیہ السلام کی دائیں طرف تھے جب اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: یہ جنت میں ہیں مجھے ان کی کوئی پرواہ نہیں۔ حضرت حسن بصری اور ابن کیسان نے کہا: یہ مخلص مومن ہیں ان کو رہن نہیں رکھا گیا، کیونکہ انہوں نے اپنے فرائض ادا کر دیئے۔ ابوظبیان نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد مسلمان ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اصحاب حق اور اہل ایمان ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو ان کی کتابیں ان کے دائیں ہاتھ میں دی گئیں۔ ابو جعفر باقر نے کہا: ہم اور ہمارے حمایتی اصحاب یمین ہیں اور جس نے بھی ہم اہل بیت سے بغض رکھا وہ رہن رکھے گئے ہیں۔ حکم نے کہا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ نے جنہیں اپنی خدمت کے لیے چن لیا وہ رہن میں داخل نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خادم اور چنے ہوئے ہیں ان کا عمل انہیں کوئی نقصان نہیں دے گا۔ قاسم نے کہا: ہر نفس کا خیر اور شر کے بدلے میں مواخذہ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر اعتماد کرے نہ کہ اپنے عمل اور خدمت پر اعتماد کرے۔ جس نے بھی اپنے عمل پر اعتماد کیا وہ ہی رہن رکھا گیا ہے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کے فضل پر اعتماد کیا وہ ماخوذ نہیں ہوگا۔

فِیْ جَنّٰتٍ ۛ یَتَسَآءَلُوْنَ ۙ عَنِ الْمُجْرِمِیْنَ ۙ مَا سَلَکَکُمْ فِیْ سَقَرَ ۝ جَنّٰتٍ سے مراد باغات ہیں۔ یَتَسَآءَلُوْنَ، یسألون کے معنی میں ہے یعنی جنتی مشرکوں سے سوال کریں گے: کس چیز نے تمہیں جہنم میں داخل کیا ہے؟ جس طرح تو کہتا ہے: سلکت الخیط فی کذا، یعنی میں نے اس میں دھاگہ داخل کر دیا۔ کلبی نے کہا: جنتی جہنمی سے اس کا نام لے کر سوال کرے گا وہ اسے کہے گا: اے فلاں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر کی قراءت میں ہے: اے فلاں! تجھے کس چیز نے جہنم میں داخل کیا؟ کلبی سے یہ بھی منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے یوں قراءت کی یا فلان ماسلککم فی سقر۔ یہ قرأت آیت کی تفسیر بیان کرنے کے طریقہ پر ہے یہ قرآن حکیم کا حصہ نہیں جس طرح وہ لوگ گمان کرتے ہیں جو قرآن حکیم پر طعن کرتے ہیں؛ یہ ابوبکر بن انباری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مومن فرشتوں سے اپنے قریبی رشتہ داروں کے بارے میں پوچھیں گے اور فرشتے مشرکوں سے پوچھیں گے انہیں کہیں گے: تمہیں جہنم میں کس چیز نے داخل کیا؟ فراء نے کہا: اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ اصحاب یمین سے مراد بچے ہیں کیونکہ وہ گناہوں کو نہیں جانتے۔

قَالُوْا لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝ وَ لَمْ نَکُ نُطْعِمُ الْمِسْکِیْنَ ۙ وَ کُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَآئِضِیْنَ ۝ جہنمیوں نے کہا: ہم نماز نہیں پڑھا کرتے تھے، ہم صدقہ نہیں کرتے تھے اور ہم اہل باطل کے ساتھ ان کے باطل میں شامل ہو جایا کرتے تھے۔ ابن زید نے کہا: ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مسئلہ میں ہرزہ سرائی کرنے والوں کے ساتھ ہرزہ سرائی کیا کرتے تھے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ وہ یہ کہتے: وہ کاہن، مجنون، شاعر اور جادوگر ہے۔ سدی نے کہا: ہم جھٹلانے والوں کے ساتھ مل کر جھٹلایا کرتے تھے۔ قتادہ نے کہا: جب بھی کوئی گمراہ گمراہوں جیسا عمل کرتا ہم بھی اس کے ساتھ اس عمل میں شریک ہو جاتے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ہم تو پیروکار تھے ہم پیشوا نہیں تھے۔

وَ كُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ حَتّٰۤى اَتٰىنَا الْيَقِيْنُ ۝ ہم یوم قیامت یعنی یوم جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہم پر موت واقع ہوگئی اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (الحجر) اپنے رب کی عبادت کر یہاں تک کہ تجھے موت آئے۔

فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ ۝ یہ گناہگاروں کے حق میں شفاعت کے صحیح ہونے کی دلیل ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل توحید میں سے کچھ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا پھر ان کی شفاعت کی جائے گی اللہ تعالیٰ ان کے موحد ہونے اور شفاعت کی وجہ سے ان پر رحم فرمائے گا اور انہیں جہنم سے نکال دے گا۔ کفار کا کوئی شفیع نہیں ہوگا جو ان کے بارے میں شفاعت کرے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تمہارے نبی چار میں سے چوتھے نمبر پر شفاعت کریں گے۔ حضرت جبرئیل پھر حضرت ابراہیم پھر حضرت موسیٰ یا حضرت عیسیٰ علیہم السلام پھر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پھر ملائکہ، پھر انبیاء، پھر صدیق، پھر شہداء۔ ایک قوم جہنم میں رہ جائے گی تو انہیں کہا جائے گا: تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کیا؟ تو وہ کہیں گے: ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: یہی لوگ جہنم میں رہ جائیں گے۔ ہم نے اس کی سند کتاب التذکرہ میں ذکر کی ہے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ كَلَّا ؕ بَلْ لَّا يَخَافُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝

''پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ وہ اس نصیحت سے روگرداں ہیں گویا وہ بدکے ہوئے جنگلی گدھے ہیں جو بھاگے جا رہے ہیں شیر سے بلکہ ان میں سے ہر شخص چاہتا ہے کہ ان کو کھلے ہوئے صحیفے دیئے جائیں، ایسا ہرگز نہیں ہوگا، دراصل وہ آخرت سے ڈرتے ہی نہیں''۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكِرَةِ مُعْرِضِيْنَ ۝ اہل مکہ کو کیا ہو گیا ہے کہ انہوں نے اس چیز سے اعراض کیا اور منہ پھیر لیا جو آپ لائے تھے۔ مقاتل کی تفسیر میں ہے، قرآن حکیم سے اعراض دو طریقوں سے ہوتا ہے (۱) انکار (۲) اس کے حکم پر عمل کو چھوڑ دینا۔ مُعْرِضِيْنَ، لھم میں ھم ضمیر سے حال ہے اور اس کے لام میں فعل کا معنی پایا جاتا ہے حال کو نصب فعل کے معنی کی وجہ سے ہے۔

كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ۝ گویا یہ کفار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھاگنے میں بدکے ہوئے گدھے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد وحشی گدھے ہیں۔ نافع اور ابن عامر نے فاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے منفرۃ پڑھا ہے۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسی قراءت کو پسند کیا ہے جب کہ باقی قراء نے کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے جس کا معنی کافرہ ہے، کہا جاتا ہے: نفرت، استنفرت دونوں ہم معنی ہیں، جس طرح عجبت، استعجبت اور سخرت، استسخرت ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا ہے:

أَمْسِكْ حِمَارَكَ إِنَّهُ مُسْتَنْفِرٌ　　فِي إِثْرِ أَحْمِرَةٍ عَمَدْنَ لِغُرَّبِ

اپنے گدھے کو روکو وہ گدھوں کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے جنہوں غرب (جگہ کا نام) کا قصد کیا۔

فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۝ وہ ان تیراندازوں سے بھاگے جا رہے ہیں جو انہیں تیر مارتے ہیں۔ اہل لغت میں سے ایک نے کہا: قَسْوَرَةٍ کا معنی تیرانداز ہے، اس کی جمع قَسْوَرَةٍ ہے۔ سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک اور ابن کیسان نے کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد تیرانداز اور شکاری ہیں۔ عطا، حضرت ابن عباس اور ابوظبیان (ابوحیان) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد شیر ہے؛ یہی قول حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ابن عرفہ نے کہا: قَسْوَرَةٍ کا معنی غلبہ ہے شیر، درندوں پر غالب آ جاتا ہے اور وحشی گدھے درندوں سے دور بھاگتے ہیں۔ ابوحمزہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہا: میں عربوں میں سے کسی کی لغت میں بھی قَسْوَرَةٍ کا معنی شیر نہیں جانتا کہیں یہ لوگوں کی جماعتیں ہیں کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد بہادروں کی جماعتیں ہیں اور یہ شعر پڑھا:

يا بنتُ كُونِي خَيْرَةً لِخَيِّرَة أخوالُها الجنِ وأهلُ القَسْوَرَة

اے بیٹی خیرہ! کے لیے اچھی صفات والی ہو جا اس کے ننہال جن اور بڑی جماعتوں والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: اس کا معنی لوگوں کی آوازیں ہیں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ یعنی وہ شکاریوں کی چالوں سے بھاگے ہوئے ہیں۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: عربوں کی زبان میں قَسْوَرَةٍ سے مراد شیر اور حبشیوں کی زبان میں تیرانداز، ایرانیوں کی زبان میں شیر اور نبطیوں کی زبان میں اریا ہے۔ ابن اعرابی نے کہا: قَسْوَرَةٍ سے مراد رات کا پہلا حصہ ہے یعنی وہ رات کی تاریکی سے بھاگے ہوئے ہیں۔ عکرمہ نے بھی یہی قول کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رات کی سیاہی کا پہلا حصہ قسور کہلاتا ہے اور رات کی سیاہی کے آخری حصہ کو قسورہ اور قسور کہتے ہیں۔ لبید بن ربیعہ نے کہا:

إذا هَتَفْنا هَتْفَةً فی نَدِيِّنا أتانا الرجالُ العائدون القَسَاوِر

جب ہم نے اپنی مجلس میں آواز دی تو ہمارے پاس طاقتور لوگ آ گئے۔

بَلْ يُرِيْدُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ يُّؤْتٰى صُحُفًا مُّنَشَّرَةً ۝ یعنی انہیں کھلی کتاب دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابوجہل اور قریش کی ایک جماعت نے کہا: اے محمد! ہم میں سے ہر ایک کے پاس رب العالمین کی جانب سے ایک مکتوب لے آ جس میں یہ لکھا ہو: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمہاری طرف بھیجا ہے۔ اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (الاسراء: 93) ہم تیرے آسمان پر جانے کو تسلیم نہیں کریں گے یہاں تک کہ تو ہم پر کتاب نازل کرے جسے ہم پڑھیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ کہا کرتے تھے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے ہیں تو وہ صبح کے وقت ہم میں سے ہر کسی کے پاس ایک صحیفہ لے آئیں جس میں اس کے جہنم سے بری ہونے اور اس سے محفوظ ہونے کا ذکر ہو۔ مطر وراق نے کہا: انہوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ انہیں بغیر عمل کے یہ چیز دے دی جائے۔ کلبی نے کہا: مشرکوں نے کہا ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ بنی اسرائیل کے ایک آدمی کے پاس صبح کے وقت اس کے سرہانے اس کا گناہ اور کفارہ لکھا ہوتا تھا ہمارے پاس اسی کی مثل لاؤ۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے ارادہ کیا ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کتاب ہو جس میں یہ تحریر ہو

یہ فلاں بن فلاں کے نام خط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی یہ ہے کہ اس کا ذکر جمیل کیا جائے تو صحیفے ذکر کی جگہ مجازاً رکھے گئے انہوں نے کہا: جب انسان کے گناہ اس پر لکھے جاتے ہیں تو کیا وجہ ہے ہم اسے نہیں دیکھتے۔

كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ ایسا ہرگز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی حقا ہے یعنی یقیناً ایسا ہے۔ جب کہ پہلا معنی زیادہ عمدہ ہے کیونکہ اس میں ان کے قول کا رد ہے، یعنی جن کی وہ تمنا کرتے ہیں میں انہیں عطا نہیں کروں گا کیونکہ وہ آخرت سے نہیں ڈرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا ہیں۔

سعید بن جبیر نے صُحُفًا مُنْشَرَةً پڑھا ہے جہاں تک حاء کو ساکن پڑھنے کا تعلق ہے تو اس میں تخفیف ہے جہاں تک نون کو ساکن پڑھنے کا تعلق ہے تو یہ شاذ ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: نشرت الثوب و شبهه۔ انشرت کے الفاظ نہیں کہے جاتے۔ یہ بھی جائز ہے کہ صحیفہ کو میت کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہو گویا وہ لپیٹ دینے کی صورت میں مردہ ہے اور جب اسے پھیلایا گیا تو وہ زندہ ہو گیا۔ یہ جملہ بھی بولا گیا: انشر الله المیت۔ جس طرح میت کو زندہ کرنے کو کپڑا پھیلانے سے تشبیہ دی گئی اس بارے میں یہ جملہ بھی بولا گیا: نشر الله المیت، پس یہ بھی اس میں ایک لغت ہے۔

كَلَّآ إِنَّهُۥ تَذْكِرَةٌ ﴿٥٤﴾ فَمَن شَآءَ ذَكَرَهُۥ ﴿٥٥﴾ وَمَا يَذْكُرُونَ إِلَّآ أَن يَشَآءَ ٱللَّهُ ۚ هُوَ أَهْلُ ٱلتَّقْوَىٰ وَأَهْلُ ٱلْمَغْفِرَةِ ﴿٥٦﴾

''ہاں ہاں یہ قرآن تو نصیحت ہے۔ پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے۔ وہ اور نصیحت قبول نہیں کریں گے بجز اس کے کہ الله تعالیٰ چاہے وہی اس کے قابل ہے کہ اس سے ڈرا جائے اور وہی بخشنے کے لائق ہے''۔

یہ سچی بات ہے کہ قرآن سراپا نصیحت ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت حاصل کرے وہ نصیحت حاصل نہیں کرتے اور نہ ہی نصیحت حاصل کرنے پر قادر ہوتے ہیں مگر اس وقت جب الله تعالیٰ اسے چاہے۔ عام قراءت يَذْكُرُونَ ہے ابو عبید نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا ۖ بَل لَّا يَخَافُونَ الْآخِرَةَ ﴿٥٣﴾ اس میں بھی صیغہ غائب کا ہے۔ نافع اور یعقوب نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے کیونکہ یہ عام ہے سب اس يَذْكُرُونَ کی تخفیف پر متفق ہیں۔

ترمذی اور ابن ماجہ میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے فرمایا: الله تعالیٰ نے فرمایا میں اس کا حق رکھتا ہوں کہ مجھ سے ڈرا جائے پس جو مجھ سے ڈرا اور اس نے میرے ساتھ کسی کو الٰہ نہ بنایا تو میں اس کا مستحق ہوں کہ میں اسے بخش دوں (1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں امام ترمذی نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا: حدیث حسن غریب۔ ایک تفسیر میں ہے: جو آدمی اس کی بارگاہ میں بڑے بڑے گناہوں سے توبہ تائب ہوا میں اس کے بڑے گناہ بخشنے والا ہوں اور بڑے گناہوں سے اجتناب کے باعث چھوٹے گناہوں کو بخشنے والا ہوں۔ محمد بن نصر نے کہا: معنی ہے میں اس کا اہل ہوں کہ میرا بندہ مجھ سے ڈرے اگر وہ ایسا نہ کرے تو میں اس کا اہل ہوں کہ میں اسے بخش دوں، میں اس پر رحم کروں میں غفور و رحیم ہوں۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ المدثر، حدیث نمبر 3251، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
سنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب ما یرجی من رحمۃ الله، حدیث نمبر 4288، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ القیامۃ

آیاتہا ۴۰ ۔ ۷۵ سورۃ القیامۃ مکیۃ ۳۱ ۔ رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اور اس کی انتالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ۙ﴿۱﴾ وَ لَاۤ اُقۡسِمُ بِالنَّفۡسِ اللَّوَّامَۃِ ؕ﴿۲﴾ اَیَحۡسَبُ الۡاِنۡسَانُ اَلَّنۡ نَّجۡمَعَ عِظَامَہٗ ؕ﴿۳﴾ بَلٰی قٰدِرِیۡنَ عَلٰۤی اَنۡ نُّسَوِّیَ بَنَانَہٗ ﴿۴﴾ بَلۡ یُرِیۡدُ الۡاِنۡسَانُ لِیَفۡجُرَ اَمَامَہٗ ۚ﴿۵﴾ یَسۡـَٔلُ اَیَّانَ یَوۡمُ الۡقِیٰمَۃِ ؕ﴿۶﴾

''میں قسم کھاتا ہوں روز قیامت کی اور میں قسم کھاتا ہوں نفس لوامہ کی (کہ حشر ہوگا)۔ کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ ہم ہرگز جمع نہ کریں گے اس کی ہڈیوں کو۔ کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم اس کی انگلیوں کے پور پور درست کر دیں، بلکہ انسان کی خواہش تو یہ ہے کہ آئندہ بھی بدکاریاں کرتا رہے۔ (ازراہ تمسخر) وہ پوچھتا ہے قیامت کب آئے گی''۔

لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ﴿۱﴾ ایک قول یہ کیا گیا کہ لَا صلہ ہے زائد ہے اور سورت کے آغاز میں اس کا آغاز جائز ہے کیونکہ قرآن حکیم کا بعض، بعض سے متصل ہے۔ یہ کلام واحد کے حکم میں ہے اس وجہ سے کسی چیز کا ذکر ایک سورت میں ہوتا اور اس کا جواب دوسری سورت میں ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوۡا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡ نُزِّلَ عَلَیۡهِ الذِّکۡرُ اِنَّکَ لَمَجۡنُوۡنٌ ﴿۶﴾ (الحجر) انہوں نے کہا: اے وہ جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے! بے شک تو تو مجنون ہے اس کا جواب ایک اور سورت میں ہے مَاۤ اَنۡتَ بِنِعۡمَۃِ رَبِّکَ بِمَجۡنُوۡنٍ ﴿۲﴾ (القلم) آپ اپنے رب کی نعمت سے مجنون نہیں۔ کلام کا معنی ہے میں قیامت کے دن کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابن جبیر اور ابو عبیدہ نے کہا؛ اسی کی مثل شاعر کا قول ہے:

تذکّرتُ لیلیٰ فاعترتنی صبابۃٌ فکاد صمیمُ القلبِ لا یتقطّعُ

میں نے لیلیٰ کو یاد کیا تو مجھے عشق لاحق ہوگیا تو قریب تھا کہ صمیم قلب ٹوٹ جاتا۔

ابو لیث سمرقندی نے بیان کیا ہے کہ مفسرین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ لَاۤ اُقۡسِمُ کا معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں انہوں نے لَا کی تفسیر میں اختلاف کیا ہے بعض نے کہا: لَا زینت کے لیے کلام میں زائد ہے کلام عرب میں لَا زائدہ استعمال ہوتا ہے جس طرح دوسری آیت میں ہے: قَالَ مَا مَنَعَکَ اَلَّا تَسۡجُدَ (اعراف: 12) فرمایا: کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا؟ یہاں ان اَلَّا تَسۡجُدَ، ان تسجد کے معنی میں ہے بعض نے کہا: لَا ان کے کلام کا رد کرنے کے لیے ہے کیونکہ

انہوں نے موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا فرمایا: جس طرح تم نے گمان کیا ہے معاملہ اس طرح نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ فراء کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اکثر نحوی کہتے ہیں لَآ صلہ ہے، یہ جائز نہیں کہ انکار سے شروع کیا جائے پھر اسے صلہ بنا دیا جائے کیونکہ اگر یہ اس طرح ہو تو کوئی ایسی خبر معروف نہیں جس میں کسی اور خبر کا تو انکار ہو اس کا انکار نہ ہو لیکن قرآن حکیم اس اسلوب میں آیا ہے کہ جنہوں نے بعث، جنت اور آگ کا انکار کیا اس کا انکار کرتا ہے قسم ان کے رد کرنے کے ساتھ واقع ہوئی ہے۔ بہت سے مقامات میں اس سے کلام کا آغاز ہوا اور بہت سے مقامات میں اس سے آغاز نہیں ہوا، یہ عربوں کے اس قول کی مانند ہے: لا واللہ لا افعل۔ لَآ کے ساتھ ان کے سابقہ کلام کا رد ہے یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: لا واللہ أنّ القیامۃ حق گویا تو نے ایسی قوم کو جھٹلایا ہے جنہوں نے اس چیز کا انکار کیا تھا۔ فراء کے علاوہ دوسرے علماء نے امراء القیس کا یہ شعر پڑھا ہے:

فلا وأبیكِ ابنةَ العامِرِیِّ لایَدَّعی القومُ أنّی أفِرّ

اے بنت عامری! تیرے باپ کی قسم قوم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ میں بھاگ جاؤں گا۔

اس کا فائدہ یہ ہے رد کرنے میں قسم کی تاکید کا باعث بنتا ہے۔ جو اس توجیہ کو نہیں جانتا وہ یوں قراءت کرتا ہے لاقسم گویا لام تاکید اُقْسِمُ فعل پر داخل ہے۔ یہ درست ہے کیونکہ عرب کہتے ہیں: لاقسم باللہ۔ میں اللہ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ حضرت حسن بصری، ابن کثیر، زہری اور ابن ہرمز کی قراءت ہے۔

بِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ۝ یعنی وہ دن جس میں لوگ اپنے رب کے لیے اٹھ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ جس چیز کی چاہے قسم اٹھائے۔

وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۝ اس میں قراء کے درمیان کوئی اختلاف نہیں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی قسم اٹھائی ہے اس کی تعظیم بیان کرنے کے لیے اور نفس کی قسم نہیں اٹھائی۔ ابن کثیر کی قراءت کے مطابق پہلے کی قسم اٹھائی اور دوسری کی قسم نہیں اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَ لَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۝ دوسرا رد ہے اور نفس لوامہ سے قسم کی ابتدا ہے۔ ثعلبی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ دونوں کے ساتھ اکٹھے قسم اٹھائی۔ نفس لوامہ سے مراد مومن کا نفس ہے تو اسے نہیں دیکھے گا مگر وہ اپنی ذات کو ملامت کر رہا ہوگا۔ وہ کہے گا: میں نے اس سے کس چیز کا ارادہ کیا؟ تو اسے نہیں دیکھے گا مگر وہ اپنے آپ کو عتاب کر رہا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، مجاہد، حضرت حسن بصری اور دوسرے مفسرین کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ مومن کا نفس ہے مومن کو نہیں دیکھا جاتا مگر وہ اپنے نفس کو ملامت کر رہا ہوتا ہے میں نے اپنی کلام سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے اپنے کھانے سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ میں نے ہم کلامی سے کس چیز کا ارادہ کیا ہے؟ جب کہ فاجر نفس کا محاسبہ نہیں کرتا۔

مجاہد نے کہا: وہ فوت ہونے والی چیز پر ملامت کرتا ہے اور شرمندہ ہوتا ہے اور برے کام پر اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا اور اچھائی کے بارے میں کہتا ہے: تو نے زیادہ عمل کیوں نہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: لوامہ یہ نسبت کے معنی

میں ہے یعنی ملامت والا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے نفس کو انہیں چیزوں پر ملامت کرتا ہے جس پر دوسرے نفوس کو ملامت کرتا ہے ان صورتوں میں لوامه، لائم کے معنی میں ہوگا۔ یہ صفت مدح ہے اسی طریقہ پر یہ قسم اچھی ہو جائے گی۔

بعض تفاسیر میں ہے: حضرت آدم علیہ السلام ہمیشہ اس خطا پر اپنے آپ کو ملامت کرتے رہے تھے جس کی وجہ سے انہیں جنت سے نکالا گیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوامه سے مراد ملامت کیا گیا؛ مذمت کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک قول مروی ہے: یہ صفت ذامہ ہے یہ اس کا قول ہے جو اس کے قسم ہونے کی نفی کرتا ہے کیونکہ نافرمان کی کوئی عظمت نہیں، جس کی وجہ سے اس کی قسم اٹھائی جائے وہ تو زیادہ ملامت کا مستحق ہوتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد کافر کی ذات ہے جو اپنے آپ کو ملامت کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق میں اس سے جو کوتاہی ہوتی ہے آخرت میں اس پر حسرت کا اظہار کرتی ہے۔ فراء نے کہا: کوئی نیک یا بد نفس نہیں مگر وہ اپنے آپ کو ملامت کرتا ہے نیک اپنے آپ کو اس امر پر ملامت کرتا ہے کہ اس نے زیادہ اعمال کیوں نہیں کیے اور گناہگار اس بنا پر ملامت کرتا ہے کہ وہ برائی کرنے سے کیوں نہیں رکا۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَلَّنْ نَّجْمَعَ عِظَامَهٗ ۝ کیا انسان یہ گمان کرتا ہے کہ ہم اس کی ہڈیاں جمع نہیں کریں گے اور اسے نئی صورت میں پیدا کر دیں گے جب کہ وہ ہڈیاں بوسیدہ ہو چکی تھیں۔ زجاج نے کہا: یوم قیامت اور نفس لوامہ کی قسم اٹھائی جواب قسم یہ ہے لیجمعن العظام للبعث۔ وہ دوبارہ اٹھانے کے لیے ہڈیوں کو ضرور جمع کرے گا۔ ضحاک نے کہا: جواب قسم محذوف ہے یعنی تمہیں ضرور دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ یہاں انسان سے مراد کافر ہے جو بعث کا انکار کرتا ہے۔ یہ آیت عدی بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئی اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی: مجھے قیامت کے بارے میں بتایئے وہ کب واقع ہوگی اور اس کا کیا معاملہ ہوگا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اس بارے میں بتایا تو عدی نے کہا: اگر میں اس دن کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لوں تو اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ میں تیری تصدیق کروں گا اور نہ اس پر ایمان لاؤں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان ہڈیوں کو جمع کرے؟ اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا کیا کرتے تھے: ''اے اللہ! میرے برے پڑوسی عدی بن ربیعہ اور اخنس بن شریق کے لیے کافی ہو جا''۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ آیت اللہ کے دشمن ابو جہل کے حق میں نازل ہوئی جب اس نے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا۔ ہڈیوں کا ذکر کیا مراد اس کی پوری ذات ہے کیونکہ ہڈیاں انسان کا ڈھانچہ ہیں۔

بَلٰى قٰدِرِيْنَ عَلٰۤى اَنْ نُّسَوِّيَ بَنَانَهٗ ۝ حضرت حسن بصری نے بَلٰى پر وقف کیا پھر اگلے کلمہ سے ابتدا کی۔ سیبویہ نے کہا: اس کا معنی ہے ہم انہیں جمع کریں گے اس حال میں کہ قادر ہوں گے۔ قٰدِرِيْنَ یہ فعل میں جو ضمیر مضمر ہے اور فاعل ہے اس سے حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی یہ ہے کیوں نہیں، ہم قادر ہیں۔ فراء نے کہا: قٰدِرِيْنَ کو نصب نقدر اور نقوی فعل دے رہا ہے جو نجمع فعل سے سمجھا جا رہا ہے۔ یہ بھی کہا: تکریر کی وجہ سے نصب دینا بھی مناسب ہے تقدیر کلام یوں ہوگی بلی فلیحسبنا قادرین ایک قول یہ کیا گیا: مضمر فعل کنا ہے معنی یہ ہوگا ہم ابتدا میں ہی قادر تھے مشرکوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔

ابن ابی عبلہ اور ابن سمیقع نے قادرون پڑھا ہے اس وقت تقدیر کلام یہ ہوگی نحن قادرون۔ عربوں کے ہاں بنان سے مراد انگلیاں ہیں اس کا احد بنانہ ہے۔ نابغہ نے کہا:

بِمُخَضَّبٍ رَخْصٍ كَأَنَّ بَنَانَهُ عَنَمٌ يَكَادُ مِنَ اللَّطَافَةِ يُعْقَدُ

اس شعر میں شاعر نے بنان سے مراد انگلیاں لی ہیں۔

عنترہ نے کہا:

وأَنَّ الموتَ طَوْعَ يدِي إِذا ما وَصَلْتُ بَنَانَهَا بِالْهِنْدُوَانِ

اس شعر میں بھی بنان سے مراد انگلیاں ہیں۔

انگلیاں ذکر کر کے باقی اعضاء پر متنبہ کیا۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ چھوٹی ہڈیاں ہوتی ہیں اس وجہ سے ان کا خصوصی طور پر ذکر کیا۔ قتبی اور زجاج نے کہا: انہوں نے گمان کیا تھا اللہ تعالیٰ مردوں کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا اور ہڈیاں جمع کرنے پر قادر نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: کیوں نہیں ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ہم انگلیوں کی ہڈیوں کو دوبارہ درست کر دیں جب کہ وہ بہت ہی چھوٹی ہیں اور انہیں مرکب کر دیں یہاں تک کہ وہ درست ہو جائیں جو ذات اس پر قادر ہے وہ بڑی ہڈیوں کو جمع کرنے پر زیادہ قادر ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور تمام مفسرین نے یہ کہا ہے: اس کا معنی ہے کہ ہم اس کے ہاتھ اور اس کے پاؤں کی ہڈیوں میں ایک چیز بنا دیں جس طرح اونٹ کا پاؤں ہوتا ہے یا گدھے کا کھر یا خنزیر کا کھر، تو اس کے لیے ممکن ہی نہ ہوتا کہ وہ ان کے ساتھ کوئی کام کر سکے لیکن ہم نے اس کی انگلیوں کو الگ الگ کر دیا تا کہ اس کے ساتھ جو چیز چاہے پکڑ لے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ نے تیرے لیے انگلیاں بنائیں تو ان کو کھولتا ہے اور انہیں بند کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان سب کو جمع کر دیتا تو تو صرف اپنی ہتھیلی کے ساتھ زمین سے بچتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہم اس بات پر قادر ہیں کہ ہم انسان کو چوپاؤں کی صورت میں لوٹا ئیں تو جس صورت پر وہ ہے ہم کیسے اسے نہیں لوٹا سکتے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: **وَمَا نَحْنُ بِمَسْبُوْقِيْنَ ۝** (الواقعہ) اور ہم مغلوب نہیں۔ **عَلٰۤى اَنْ نُّبَدِّلَ اَمْثَالَكُمْ وَ نُنْشِئَكُمْ فِيْ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝** (الواقعہ) (ہم عاجز نہیں) کہ تمہاری جگہ تم جیسے اور لوگ پیدا کر دیں اور تم کو ایسی صورت میں پیدا کر دیں جس کو تم نہیں جانتے۔ میں کہتا ہوں: سیاق کے حوالے سے پہلی تاویل زیادہ مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔

بَلْ يُرِيْدُ الْاِنْسَانُ لِيَفْجُرَ اَمَامَهٗ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے جو آنے والے معاملات یعنی دوبارہ اٹھائے جانے اور حساب کا انکار کرتا ہے یہی عبدالرحمن بن زید نے کہا اس کی دلیل **يَسْـَٔلُ اَيَّانَ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ ۝** ہے یعنی وہ سوال کرتا ہے: وہ کب واقع ہوگی؟ وہ یہ بات انکار اور جھٹلانے کے انداز میں کرتا ہے وہ جھٹلانے پر قناعت نہیں کرتا بلکہ اس کی وجہ سے گناہگار بھی ہوتا ہے۔ قتبی اور دوسرے علماء نے جو ذکر کیا ہے وہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ فجور جھٹلانا ہے کہ ایک بدو نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قصد کیا اس نے آپ کی خدمت میں اونٹ کے نَقَب (پہلو پر زخم)

اور دَبر (جانور کا زخم) کی شکایت کی اور یہ سوال کیا کہ انہیں ایک اونٹ دے دیا جائے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اونٹ نہ دیا تو اس بدو نے کہا:

أَقْسَم بِاللّٰهِ أبو حفص عُمَرْ　　ماْمَسَّها مِنْ نَقَبٍ ولا دَبَرْ

فاغفِر له اللّٰهمّ إنْ كان فَجَرْ

ابو حفص عمر رضی اللہ عنہ نے قسم اٹھا دی کہ اونٹ کو کوئی زخم نہیں۔ اے اللہ! اسے بخش دے اگر اس نے جھٹلایا ہے۔ یعنی جو میں نے کہا ہے اس کی اس نے تکذیب کی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا معنی ہے وہ نافرمانی کرنے میں جلدی کرتا ہے اور توبہ میں ٹال مٹول سے کام لیتا ہے۔ ایک حدیث میں: ''انہوں نے یہ کہا وہ کہتا ہے میں عنقریب توبہ کرلوں گا اور وہ توبہ نہیں کرتا۔ پس اس نے وعدہ خلافی کی اور جھوٹ بولا''۔ یہ مجاہد، حسن بصری، عکرمہ، سدی، سعید بن جبیر کا قول ہے وہ کہتا ہے: میں عنقریب توبہ کرلوں گا، میں عنقریب توبہ کرلوں گا یہاں تک کہ انتہائی بری حالت پر اسے موت آ جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ہمیشہ برائی کا ہی عزم کیے رکھتا ہے اگرچہ وہ تھوڑی مدت تک زندہ رہتا ہے۔ ان تمام اقوال کی صورت میں امامہ کی ضمیر کا مرجع انسان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضمیر قیامت کے لیے ہے معنی یہ ہے بلکہ انسان ارادہ رکھتا ہے کہ وہ قیامت سے پہلے حق کا انکار کرے فجور کا اصل معنی حق سے اعراض کرنا ہے یَسْـَٔلُ اَیَّانَ یَوْمُ الْقِیٰمَةِ ۝ وہ سوال کرتا ہے قیامت کب برپا ہوگی۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۝ وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۝ یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ۝ كَلَّا لَا وَزَرَ ۝ اِلٰى رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ اِلْمُسْتَقَرُّ ۝ یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَ اَخَّرَ ۝

''پھر جب آنکھ خیرہ ہو جائے گی اور چاند بے نور ہو جائے گا اور (بے نوری میں) سورج اور چاند یکساں ہو جائیں گے (اس روز) انسان کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ ہرگز نہیں، وہاں کوئی پناہ گاہ نہیں صرف آپ کے رب کے پاس ہی اس روز ٹھکانہ ہوگا۔ آگاہ کر دیا جائے گا انسان کو اس روز جو عمل اس نے پہلے بھیجے اور جو اثرات اس نے پیچھے چھوڑے''۔

فَاِذَا بَرِقَ الْبَصَرُ ۝ نافع اور ابان نے عاصم سے برق پڑھا ہے اس کا معنی ہے زیادہ کھلنے کی وجہ سے آنکھ کا چمکنا، تو اسے دیکھے گا وہ جھپکتی نہیں۔ مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: یہ موت کا وقت ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا اس بارے میں کہا: یہ اس سوال کا جواب ہے جو انسان نے اس سے سوال کیا گویا یہ قیامت کے دن ہوگا۔

جبکہ باقی قراء نے بَرِقَ پڑھا ہے معنی ہے وہ متحیر ہوگئی وہ نہ جھکی؛ یہ ابو عمر، زجاج اور دوسرے علماء نے کہا۔ ذورمہ نے کہا۔ فراء اور خلیل نے کہا بَرِقَ جب کسرہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی گھبرانا، مبہوت ہونا اور حیران ہونا ہے عرب متحیر اور مبہوت انسان کے بارے میں کہتے ہیں: قد برق فھو برق۔ وہ متحیر ہوا اور وہ متحیر ہے۔ فراء نے یہ شعر پڑھا:

فَنَفْسَكَ فَانْعَ وَلَا تَنْعَنِي وَدَاوِ الْكُلُومَ وَلَا تَبْرَقِ

اپنے نفس کو موت کی خبر دے مجھے موت کی خبر نہ دے زخموں کا علاج کرو اور زخموں سے نہ گھبراؤ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: برق یبرق ماضی عین کلمہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

اس کا معنی ہے اس نے اپنی آنکھوں کو کھولا۔

ابو عبیدہ نے یہی کہا اور کلابی کا شعر پڑھا:

لَمَّا أَتَانِي ابْنُ عُمَيْرٍ رَاغِبًا أعطيتُه عِيسًا صِهَابًا فَبَرَقْ

جب ابن عمیر رغبت کرتے ہوئے میرے پاس آیا تو میں نے اسے بھورے رنگ کا اونٹ دیا تو اس نے اپنی دونوں آنکھیں کھول دیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَرِقَ۔ راء کے کسرہ اور فتحہ دونوں اس کی لغتیں ہیں اور دونوں کا ایک ہی معنی ہے۔

وَ خَسَفَ الْقَمَرُ ۙ اس کا نور چلا گیا۔ دنیا میں تو اس کا خسوف (چاند گرہن) اس کی روشنی کے صاف ہونے تک ہوتا ہے جب کہ آخرت کا معاملہ اس سے مختلف ہوتا ہے کیونکہ اس کی روشنی واپس نہیں آتی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہ غائب ہونے کے معنی میں ہو۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَخَسَفْنَا بِهٖ وَ بِدَارِهِ الْاَرْضَ (القصص: 81) ہم نے اسے اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا۔ ابن ابی اسحاق، عیسیٰ اور اعرج نے وخسف القمر پڑھا ہے اس کے اوپر وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ دلالت کرتا ہے۔ ابو حاتم محمد ادریس نے کہا: جب اس کا بعض حصہ غائب ہو جائے تو وہ کسوف ہے اور جب اس کا کل غائب ہو جائے تو وہ خسوف ہے۔

وَ جُمِعَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ ۙ روشنی کے چلے جانے میں ان دونوں کو جمع کر دیا تو سورج کی کوئی روشنی نہ ہوگی جس طرح خسوف (چاند گرہن) کے بعد چاند کی کوئی روشنی نہیں ہوتی؛ یہ فراء اور زجاج کا قول ہے۔ فراء نے کہا: جمع کا صیغہ مونث ذکر نہیں کیا کیونکہ معنی ہے دونوں کو جمع کر دیا گیا۔ ابو عبیدہ نے کہا: مذکر کو غلبہ دینے کی بنا پر اسے مذکر ذکر کیا گیا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ معنی پر محمول ہے گویا کہا جمع الضوء ان۔ مبرد نے کہا: الشَّمْسُ مونث غیر حقیقی ہے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی گئی ہے: ان دونوں کو جمع کیا گیا یعنی دونوں کو مغرب سے سیاہ و تاریک طلوع کرنے میں جمع کر دیا گیا، گویا وہ دونوں زخمی بیل ہیں۔ اس معنی کے موافق حدیث سورۃ الانعام کے آخر میں گزر چکی ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں وجمع بین الشمس والقمر ہے۔

عطاء بن یسار نے کہا: قیامت کے روز ان دونوں کو جمع کیا جائے گا پھر دونوں کو سمندر میں پھینک دیا جائے گا تو وہ دونوں بڑی آگ ہو جائیں گے۔ حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا: دونوں کو حجاب میں کر لیا جائے گا اور ان دونوں کو جہنم کی آگ میں ڈال دیا جائے گا کیونکہ دونوں کی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی۔ آگ ان دونوں کے لیے عذاب نہ ہوگی کیونکہ وہ دونوں جمادات میں سے ہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں کے ساتھ یہ معاملہ اس لیے کرے گا تاکہ کافروں کو زیادہ شرمندہ

کرے اور انہیں حسرت دلائے۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے یزید رقاشی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ''سورج اور چاند جہنم میں دو زخمی بیلوں کی طرح ہوں گے''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس جمع سے مراد یہ ہے کہ وہ دونوں جمع ہوں گے اور جدا نہ ہوں گے وہ لوگوں کے قریب قریب ہوں گے تو گرمی کی شدت سے انہیں پسینہ آئے گا گویا معنی یہ ہے ان دونوں کی گرمی ان پر جمع کر دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سورج اور چاند کو جمع کر دیا جائے گا وہاں رات اور دن پے در پے نہیں آئیں گے۔

یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ یَوْمَىِٕذٍ اَیْنَ الْمَفَرُّ ⊙ انسان کہے گا: ایک قول یہ کیا گیا ہے ابوجہل کہے گا: بھاگنے کی جگہ کہاں ہے؟ شاعر نے کہا:

أین المفرُّ والکِباشُ تَنتَطِحُ وأیُّ کَبْشٍ حاد عنها حین یَفْتَضِحُ

بھاگنے کی جگہ کہاں ہوگی جب کہ مینڈھے سینگ مار رہے ہوں گے اور کون سا مینڈھا اس سے کنارہ کش ہوگا جب وہ ذلیل ہو گیا۔

ماوردی نے کہا: یہ دو وجہوں کا احتمال رکھتا ہے: ایک احتمال یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے حیاء کرتے ہوئے کہے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ جہنم سے بچنے کے لیے یہ قول کرے گا۔ انسان کے بارے میں بھی دو قول ہیں: (۱) خاص طور پر کافر یہ قول کرے گا جب قیامت کے روز اس کی پیشی کا مرحلہ ہوگا، کیونکہ مومن کو تو اپنے رب کی بشارت پر اعتماد ہوگا۔ (۲) قیامت کے برپا ہونے پر مومن اور کافر دونوں یہ قول کریں گے کیونکہ انہوں نے قیامت کی ہولناکی کو دیکھ لیا ہوگا۔

عام قراءت المفر ہے؛ ابوعبیدہ اور ابوحاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حضرت حسن بصری اور قتادہ نے فاء کے کسرہ اور میم کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ کسائی نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح مَدَبّ اور مَدِبّ، مَصَحّ اور مَصِحّ۔ زہری نے میم کے کسرہ اور فاء کے فتحہ کے ساتھ قراءت کی۔ مہدوی نے کہا: یہ میم اور فاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے یہ مصدر ہے اور فرار کے معنی میں ہے جس نے میم کو فتحہ اور فاء کو کسرہ دیا ہے تو اس سے مراد وہ جگہ ہے جس کی طرف وہ بھاگتا ہے۔ جس نے میم کو کسرہ اور فاء کو فتحہ دیا ہے تو اس سے مراد وہ انسان ہے جو اچھی طرح دوڑتا ہے معنی یہ ہوگا وہ عمدہ دوڑ لگانے والا انسان کہاں ہے اس کے باوجود وہ نجات نہیں پا سکے گا۔ میں کہتا ہوں: اس معنی میں امرء القیس کا شعر ہے:

مِکَرٍّ مِفَرٍّ مُقْبِلٍ مُدْبِرٍ مَعًا

وہ اچھی طرح پلٹ کر حملہ کرنے والا، عمدہ طریقہ سے بھاگ جانے والا، سامنے سے آنے والا، پیچھے سے آنے والا۔

کَلَّا لَا وَزَرَ ⊙ یعنی کوئی جائے فرار نہیں۔ **کلا** کا لفظ رد کرنے کے لیے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے انسان کے قول کی حکایت نہیں پھر اس رد کرنے کی وضاحت کی، یعنی جہنم سے بچنے کی کوئی پناہ گاہ نہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: معنی ہے کوئی قلعہ نہیں۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: کوئی پہاڑ نہیں۔ حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے: کوئی پناہ گاہ نہیں۔ حضرت ابن جبیر کہا کرتے تھے: کوئی پناہ گاہ اور بچنے کی جگہ نہیں۔ سب کا معنی اور مفہوم ایک ہی ہے۔ لغت میں وَزَر

سے مراد وہ چیز ہے جس کی پناہ لی جائے جیسے قلعہ، پہاڑ وغیرہ۔
شاعر نے کہا:

لَعَمْرِیَ ما لِلفتی مِن وَزَرٍ مِنَ الموتِ یُدْرِکُه والکِبَرْ

میری زندگی کی قسم! نوجوان کے لیے موت اور بڑھاپے سے کوئی بچنے کی صورت نہیں وہ ضرور اسے پہنچ کر رہے گی۔
سدی نے کہا: دنیا میں جب وہ خوف زدہ ہوتے تو وہ پہاڑوں میں پناہ لیا کرتے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: کوئی پناہ گاہ نہیں جو اس روز تمہیں مجھ سے بچا سکے۔ طرفہ نے کہا:

وَلَقَدْ تَعْلَمُ بَکْرٌ أَنَّنَا فاضِلُوا الرَّأْیِ وفِی الرَّوْعِ وَزَرٌ

بنو بکر جانتے ہیں کہ ہم اچھی رائے والے اور جنگ میں جائے پناہ ہوتے ہیں۔

اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾ مستقر کا معنی منتہیٰ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی ﴿۴۲﴾ (النجم) اس کی انتہاء تیرے رب کے پاس ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کا معنی ہے تیرے رب کی طرف لوٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آخرت میں قرارگاہ وہ ہوگی جہاں اللہ تعالیٰ اسے ٹھہرائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ان کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کَلَّا یہ انسان کے قول کی حکایت ہے جو وہ اپنے بارے میں کہے گا جب وہ جان لے گا کہ اس کے لیے کوئی فرار کی جگہ نہیں تو وہ اس وقت اپنے آپ سے یہ کہے گا: کَلَّا لَا وَزَرَ ﴿۱۱﴾ اِلٰی رَبِّکَ یَوْمَئِذِ ﹰالْمُسْتَقَرُّ ﴿۱۲﴾۔

یُنَبَّؤُا الْاِنْسَانُ یَوْمَئِذٍۭ بِمَا قَدَّمَ وَاَخَّرَ ﴿۱۳﴾ انسان نیک ہو یا بد اسے بتایا جائے گا جو اس نے برا یا اچھا عمل آگے بھیجا یا اچھی یا بری سنت پیچھے چھوڑی جس پر بعد میں عمل کیا جاتا رہا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ کہا: منصور نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ اس کے پہلے اور آخری عمل کے بارے میں اس سے پوچھا جائے گا؛ یہ امام نخعی کا نقطہ نظر ہے۔
حضرت ابن عباس نے یہ بھی فرمایا: اس نے معصیت میں سے جو چیز آگے بھیجی اور اطاعت میں سے جو پیچھے چھوڑی؛ یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔

ابن زید نے کہا: بِمَا قَدَّمَ سے مراد اس کے وہ اموال ہیں جو اس نے اپنے لیے خرچ کیے اور اَخَّرَ سے مراد وہ مال ہے جو اس نے وارثوں کے لیے پیچھے چھوڑا۔ ضحاک نے کہا: اس نے جو فرائض آگے بھیجے اور جن فرائض کو موخر کیا اس بارے میں اسے آگاہ کیا جائے گا۔ قشیری نے کہا: یہ اطلاع اس وقت دی جائے گی جب قیامت کے روز اس کے اعمال کو لے جائیں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اطلاع موت کے وقت ہو۔

میں کہتا ہوں: پہلی تعبیر زیادہ بہتر ہے کیونکہ ابن ماجہ رحمۃ اللہ علیہ نے زہری سے مروی حدیث ذکر کی ہے کہ ابو عبداللہ اغر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مومن کو اس کی موت کے بعد بھی جو اعمال اور نیکیاں پہنچتی رہتی ہیں وہ ایسا علم ہے جس کی اس نے تعلیم دی اور اسے عام کیا، وہ نیک بچہ جسے وہ پیچھے چھوڑ کر آیا، ایسا قرآن

حکیم کا نسخہ جسے وہ پیچھے چھوڑ کر آیا، ایسی مسجد جس کو اس نے بنایا، ایسا مسافر خانہ جسے اس نے تعمیر کروایا، ایسی نہر جو اس نے جاری کی، ایسا صدقہ جو اس نے اپنے مال میں سے صحت اور زندگی میں نکالا تھا، یہ اعمال اسے موت کے بعد بھی پہنچتے رہیں گے''۔

ابو نعیم نے اس معنی کی حدیث قتادہ سے انہوں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نقل کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''سات اعمال ایسے ہیں جس کا اجر بندے کو اس کی موت کے بعد بھی پہنچتا رہتا ہے جب کہ وہ اپنی قبر میں ہوتا ہے جس نے کسی کو علم سکھایا، جس نے کوئی نہر جاری کی، کوئی کنواں کھودا، کوئی کھجور لگائی، کوئی مسجد بنائی، مصحف قرآن کسی کو ورثہ کے طور پر دیا یا ایسا بچہ چھوڑا جو اس کے حق میں مغفرت طلب کرتا ہے'' (1)۔

حدیث طیبہ کے الفاظ بعد موته وهو في قبره اس کی موت کے بعد جب کہ وہ قبر میں ہوتا ہے یہ اس بارے میں واضح بیان ہے کہ یہ موت کے وقت اطلاع نہیں دی جاتی ان سب کے بارے میں اس وقت اطلاع دی جاتی ہے جب اس کے اعمال کا وزن کیا جا رہا ہوتا ہے، اگرچہ قبر میں اسے ان چیزوں کی بشارت دی جا سکتی ہے؛ اس معنی و مفہوم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: وَلَيَحْمِلُنَّ أَثْقَالَهُمْ وَأَثْقَالًا مَّعَ أَثْقَالِهِمْ (العنکبوت:13) اور وہ ضرور اٹھائیں گے اپنے بوجھ اور دوسرے کے کئی بوجھ اپنے (گناہوں کے) بوجھ کے ساتھ۔ وَمِنْ أَوْزَارِ الَّذِينَ يُضِلُّونَهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ (النحل:25) اور ان لوگوں کے بوجھ بھی اٹھائیں گے جنہیں وہ گمراہ کرتے رہتے تھے جہالت سے۔ یہ آخرت میں اعمال کا وزن ہونے کے بعد ہوگا۔

صحیح میں ہے: ''جس نے اسلام میں کوئی اچھی سنت قائم کی تو اس کے لیے اپنا اجر اور اس کے بعد جو اس پر عمل کریں گے ان کا اجر بھی ہوگا جب کہ عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ شروع کیا تو اس پر اس کا اپنا بوجھ ہوگا اور اس کے بعد جو اس پر عمل کریں گے ان کا بوجھ ہوگا جب کہ عمل کرنے والوں کے بوجھ میں کوئی کمی نہ کی جائے گی'' (2)۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ وَلَوْ أَلْقَىٰ مَعَاذِيرَهُ ﴿١٥﴾

''بلکہ انسان خود بھی اپنے نفس کے احوال پر نظر رکھتا ہے خواہ وہ (زبان سے ہزار) بہانے بناتا رہے''۔

بَلِ الْإِنسَانُ عَلَىٰ نَفْسِهِ بَصِيرَةٌ ﴿١٤﴾ اخفش نے کہا: انسان کو خود اپنی ذات پر نظر رکھنے والا بنا دیا جس طرح تو خود کسی کو کہتا ہے: تو اپنی ذات پر دلیل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَصِيرَةٌ کا معنی گواہ ہے، اس سے مراد ہے کہ اس کے اعضاء اس پر گواہی دیں گے ہاتھ گواہی دیں گے جس کو اس نے ان ہاتھوں سے پکڑا ہوگا، پاؤں گواہی دیں گے جن کے ساتھ وہ چل کر گیا تھا، آنکھیں گواہی دیں گی جن کے ساتھ اس نے دیکھا تھا۔ بَصِيرَةٌ کا معنی گواہ ہے۔

فراء نے یہ شعر پڑھا:

كَأَنَّ على ذي العقلِ عَيْنًا بصيرةً　　بِمَقْعَدِه أو مَنْظَرٍ هو ناظِرُهْ

يُحاذِرُ حتى يَحْسِبَ النَّاسَ كلَّهم　　من الخوفِ لا تَخْفَى عليهم سَرائِرُهْ

1۔ حلیۃ الاولیاء، جز 2، صفحہ 344　　2۔ ریاض الصالحین، باب فیمن سن سنة حسنة

گویا دانش مند پر آنکھ گواہ ہے جہاں وہ بیٹھا اور جس منظر کو اس نے دیکھا وہ احتیاط کرتا ہے یہاں تک کہ خوف کی وجہ سے وہ تمام لوگوں کے بارے میں گمان کرتا ہے کہ ان پر اس کے راز مخفی نہیں۔

اس معنی پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَ اَيْدِيْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (النور) جس روز ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے قدم ان پر گواہی دیں گے جو وہ عمل کرتے رہے۔ بَصِيْرَةٌ کا لفظ مونث آیا ہے کیونکہ انسان سے یہاں اعضاء مراد ہیں کیونکہ اعضاء انسان پر گواہ ہیں گویا یہ فرمایا: اعضاء انسان کی ذات پر گواہ ہیں؛ یہی معنی قتبی اور دوسرے علماء نے ذکر کیا۔ کچھ علماء کہتے ہیں: بَصِيْرَةٌ کے آخر میں جو ھاء ہے عرب اسے تانیث کہتے ہیں جس طرح ان کے اس قول میں ھاء مبالغہ کی ہے داھیة، علامة، راویة۔ ابوعبید کا بھی یہی قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بَصِيْرَةٌ سے مراد وہ دو کاتب ہیں جو انسان کے اعمال لکھتے ہیں جو اچھا یا برا عمل اس سے واقع ہوتا ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ اس آدمی کے بارے میں جو معذرت کو پردہ بناتا ہے؛ یہ سدی اور ضحاک کا قول ہے۔ ایک مفسر نے کہا: اس کا معنی ہے بلکہ انسان پر اس کی ذات میں سے ایک گواہ ہے تو الْاِنْسَانُ سے پہلے حرف جار کو حذف کر دیا گیا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ بَصِيْرَةٌ کا لفظ اسم مونث کی صفت ہو تو تقدیر کلام یوں ہوگی بل الانسان علی نفسه عین بصیرة؛ فراء نے بھی یہ شعر پڑھا:

كأنّ على ذِي العقلِ عينًا بصيرةً

حضرت حسن بصری نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہ معنی کیا ہے کہ وہ دوسروں کے عیوب دیکھتا ہے اور اپنے عیوب سے جاہل رہتا ہے۔ وَّ لَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۝ یعنی اگرچہ اپنے پردے لٹکائے۔ اہل یمن کی لغت میں معذار کا معنی پردہ ہے؛ ضحاک نے یہی کہا ہے۔ شاعر نے کہا:

ولكنها ضَنَّتْ بمنزِلِ ساعةٍ علينا وأَطَّتْ فَوْقَهَا بالمَعَاذِرِ

لیکن اس نے ہم پر گھڑی بھر قیام سے بخل کیا اور اپنے اوپر پردے لٹکا لیے۔

زجاج نے کہا: معاذر کا معنی پردے ہیں اس کی واحد معذار ہے اگرچہ وہ اپنا پردہ ڈال دے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کو چھپالے تو اس کا نفس اس پر گواہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے اگرچہ وہ معذرت کرے اور کہے میں نے کچھ بھی نہیں کیا تو اس کے اعضاء اس پر گواہ ہوں گے وہ اگر معذرت کرے اور اپنے بارے میں جھگڑے تو اس پر ایسا گواہ ہوگا جو اس کے عذر کو جھٹلائے گا؛ یہ مجاہد، قتادہ، سعید بن جبیر، عبدالرحمن بن زید، ابوالعالیہ، عطا، فراء اور سدی کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: اگر وہ دلیل یا عذر پیش کرے تو وہ اسے کچھ نفع نہ دے گا، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ الظّٰلِمِيْنَ مَعْذِرَتُهُمْ (غافر:52) اس روز ظالمین کو ان کی معذرت کوئی نفع نہ دے گی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ۝ (المرسلات) انہیں کوئی اجازت نہ دی جائے گی کہ وہ معذرت پیش کریں اس صورت میں معاذیر، عذر سے ماخوذ ہوگا؛ شاعر کا قول ہے:

وإياكَ والأمرَ الذي إنْ توسّعتْ　مَوارِدُهُ ضاقتْ عليكَ المصادِرُ

اس امر سے بچ جس پر وارد ہونے کے راستے تو وسیع ہوں اور اس سے نکلنے کے راستے تنگ ہوں۔

فما حسَنٌ أن يَعْذِرَ المرءُ نفسَهُ　وليس له مِن سائرِ الناسِ عاذر

یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ انسان اپنے آپ کو معذور سمجھے اور لوگوں میں سے کوئی بھی اسے معذور نہ جانے۔

ایک آدمی نے حضرت ابراہیم نخعی کی خدمت میں معذرت پیش کی تو حضرت ابراہیم نخعی نے اسے فرمایا: میں نے تجھے معذرت پیش کرنے والے کے بغیر ہی معذور جانا، بے شک معزرتوں میں جھوٹ کی آمیزش ہوتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ کا معنی ہے اگر چہ وہ کپڑے اتار دے؛ ماوردی نے یہی بیان کیا۔

میں کہتا ہوں: زیادہ نمایاں معنی دلیل پیش کرنا اور گناہ سے معذرت کرنا ہے۔ اس معنی میں نابغہ کا قول ہے۔

ها إنّ ذِي عِذْرَةٌ إلّا تكنْ نفعتْ　فإنّ صاحِبَها مُشارِكُ النَّكَدِ

لو یہ معذرت اگر نفع نہ دے تو معذرت کرنے والا محرومی میں شریک ہے۔

اس پر دلیل کفار کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ (الانعام) اس اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے! ہم مشرک نہ تھے۔ اور منافقوں کے بارے میں فرمایا: يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ كَمَا يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ (المجادلہ: 18) جس روز اللہ تعالیٰ سب کو اٹھائے گا تو وہ اس کے سامنے اسی طرح قسمیں اٹھائیں گے جس طرح وہ تمہارے سامنے قسمیں اٹھاتے ہیں۔ صحیح میں ہے: ''وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! میں تجھ پر، تیری کتاب پر اور تیرے رسول پر ایمان لایا، میں نے نمازیں پڑھیں، میں نے روزے رکھے اور میں نے صدقہ کیا اور جس قدر ہو سکے گا وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرے گا''۔ حم سجدہ اور دوسری سورتوں میں گزر چکا ہے۔ معاذیر اور معاذر، معذرۃ کی جمع ہے اس کا باب اس طرح چلتا ہے عذرتہ، أعذرہ عُذْرا و عُذُرا۔ اس کا اسم معذرۃ اور عزری آتا ہے؛ شاعر نے کہا:

إنّي حُدِدْتُ ولا عُذْرَى لِمَحْدُودِ

مجھے محدود کر دیا گیا ہے جب کہ محدود کے لیے کوئی معذرت نہیں ہوتی، اسی طرح عذرۃ کا لفظ ہے یہ رکبۃ اور جلسۃ کی طرح ہے۔

اس آیت میں پانچ مسائل ہیں:

آدمی کی گواہی اس کے اپنے خلاف قبول کی جائے گی

مسئلہ نمبر1۔ قاضی ابوبکر بن عربی نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان بَلِ الْاِنْسَانُ عَلٰى نَفْسِهٖ بَصِيْرَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ﴿۱۵﴾ میں اس امر پر دلیل ہے کہ آدمی اپنی ذات کے خلاف قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ اس کی جانب سے اپنی ذات پر گواہی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ (النور) اس

روز ان کے خلاف ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے جو وہ عمل کرتے رہے تھے۔

ایک فقہی مسئلہ کی وضاحت

مسئلہ نمبر 2۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَاۤ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (آل عمران) یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا جو میں نے تم کو کتاب اور حکمت دی پھر تمہارے پاس ایسا رسول آئے جو اس چیز کی تصدیق کرتا ہو جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور اس پر ایمان لاؤ گے اور اس کی ضرور مدد کرو گے فرمایا: کیا تم نے اقرار کر لیا اور اس پر پختہ وعدہ کر لیا، انہوں نے کہا: ہم نے اقرار کر لیا فرمایا: گواہ ہو جاؤ، بے شک ہم تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔

پھر فرمایا: وَ اٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّ اٰخَرَ سَيِّئًا (توبہ:102) دوسروں نے اپنے گناہوں کا اعتراف کر لیا انہوں نے اچھے اور برے عمل کو ملا دیا۔ احادیث میں اس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے انیس! اس کی بیوی کی طرف جاؤ اگر وہ اعتراف کرے تو اسے رجم کر دو''۔ جہاں تک ایک آدمی کا دوسرے کے بارے میں وارث ہونے یا قرض کا اقرار کرنے کا تعلق ہے تو امام مالک نے کہا: ہمارے نزدیک جس امر پر اتفاق ہے کہ ایک آدمی فوت ہو جائے اس کے بیٹے ہوں تو ان بیٹوں میں سے ایک کہے کہ میرے باپ نے اس بات کا اقرار کیا تھا کہ فلاں اس کا بیٹا ہے تو نسب ایک آدمی کی گواہی سے ثابت نہیں ہوگا اور جس نے اقرار کیا اس کا اقرار صرف اس کے حصہ میں جاری ہوگا جو حصہ اسے اس کے باپ کے مال میں ملے گا۔ جس کے حق میں اس نے اقرار کیا اسے ہر اقرار کرنے والے کے مال سے جتنا حصہ مل سکتا تھا وہ دے دے گا۔ امام مالک نے فرمایا: اس کی وضاحت یہ ہے ایک آدمی فوت ہو جاتا ہے وہ دو بیٹے چھوڑتا ہے اور چھ سو دینار چھوڑتا ہے پھر ان میں سے ایک گواہی دیتا ہے کہ اس کے فوت ہو جانے والے باپ نے اقرار کیا تھا کہ فلاں اس کا بیٹا ہے تو جس کے حق میں اس نے گواہی دی تو اسے ایک سو دینار دے گا یہ اس میراث کا نصف ہے اگر اسے لاحق کر لیا جائے اگر دوسرا بھی اس کا اقرار کرے تو دوسرا سو دینار بھی وہ لے گا اس کا حق مکمل ہو جائے گا اور اس کا نسب ثابت ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ ایک عورت اپنے والد یا اپنے خاوند پر قرض کا اقرار کرتی ہے جبکہ دوسرے وارث اس کا انکار کرتے ہیں تو اس عورت پر اتنا مال لازم ہو جائے گا جتنا مال اس کے ذمہ لازم ہوتا اگر سب وارث اس قرض کا اقرار کرتے اگر بیوی ہو تو وہ آٹھویں حصہ کی وارث ہو گی تو وہ قرض خواہ کو آٹھواں حصہ دے گی، اگر وہ بیٹی ہو تو وہ نصف کی وارث ہو گی تو وہ قرض خواہ کو نصف قرض دے گی۔ اسی حساب سے اسے مال دیا جائے گا جن عورتوں نے بھی اس کے قرض کا اقرار کیا۔

اقرار کی مختلف صورتیں

مسئلہ نمبر 3۔ اقرار مکلف کا ہی ثابت ہوگا لیکن شرط یہ ہے وہ مجبور نہ ہو اگر وہ مجبور اپنے حق کا اقرار کرے تو اس کا قول حجر کی وجہ سے ساقط ہو جائے گا اگر مجبور غیر کے حق کا اقرار کرتا ہے جیسے مریض۔ ان میں سے کچھ اقرار ساقط ہو جاتے ہیں اور کچھ

جائز ہو جاتے ہیں۔ مسائل فقہ میں اس کی وضاحت یہ ہے: اقرار میں بندے کی دو حالتیں ہیں (۱) ابتدائی، متقدمہ صورت میں کوئی اختلاف نہیں (۲) انتہائی، اس کی صورت یہ ہے کہ اقرار مبہم ہے اس کی بہت سی صورتیں ہیں۔ بنیادی چھ صورتیں ہیں۔

(۱) وہ کہے: میرے پاس اس کی امانت ہے۔ امام شافعی نے کہا: اگر چہ وہ ایک کھجور یا ایک ٹکڑے سے اس کی تفسیر بیان کر دے تو اسے قبول کیا جائے گا۔ ہمارے اصول جس چیز کا تقاضا کرتے ہیں کہ اس کی وضاحت تسلیم نہ کی جائے مگر جس کی قدر و منزلت ہو جب وہ اس کی تفسیر بیان کرے تو اس کی بات مان لی جائے گی اور اس سے قسم لی جائے گی۔

(۲) وہ اقرار کی تفسیر شراب اور خنزیر کی صورت میں کرے یا اس چیز کے ساتھ تفسیر بیان کرے جو شریعت میں مال ہی نہ ہو تو بالا تفاق اس کو قبول نہ کیا جائے گا اگر چہ وہ اس کی تائید کرے جس کے حق میں اقرار کیا گیا۔

(۳) ایسی چیز کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرے جس میں اختلاف کیا گیا ہو جس طرح مردار کی جلد، کھاد، کتا۔ حاکم اس بارے میں فیصلہ کر دے گا جس کو مناسب سمجھے گا رد کرے یا نافذ کر دے۔ اگر وہ حاکم اس کو رد کر دے تو کوئی اور حاکم اس کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا کیونکہ پہلے حاکم کے پاس باطل کرنے سے حکم نافذ ہو چکا ہے۔ امام شافعی کے بعض اصحاب نے فرمایا: شراب اور خنزیر لازم ہوگا۔ یہ باطل قول ہے۔

امام ابوحنیفہ نے ارشاد فرمایا: جب اس نے کہا مجھ پر کچھ چیز لازم ہے تو اس کی تفسیر کیلی اور وزنی کے بغیر قبول نہ کی جائے گی کیونکہ انسان کے ذمہ میں یہی چیزیں لازم ہوتی ہیں۔ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ ذمہ میں ان کے علاوہ بھی چیزیں ثابت ہو جاتی ہیں جب وہ واجب کرے اس پر اجماع ہے۔

(۴) جب اس نے کہا: میرے پاس فلاں کی امانت ہے تو اس کی تفسیر اس چیز کے ساتھ بھی قبول کر لی جائے گی جو عادت میں مال نہ ہو جس طرح ایک یا دو درہم، جب تک کوئی ایسا قرینہ نہ پائے جس کی وجہ سے اس کے زیادہ پر حکم لگایا جائے۔

(۵) وہ کہے: میرے پاس فلاں کا کثیر مال ہے یا عظیم مال ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: اس کی تفسیر حبہ کے ساتھ کرے تو اس کی بات مانی جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا: زکوٰۃ کے نصاب سے کم میں اس کی تفسیر قبول نہ کی جائے گی۔

ہمارے علماء نے اس بارے میں مختلف قول کیے ہیں۔ ان میں چوری کا نصاب، زکوٰۃ کا نصاب اور دیت کا نصاب۔ میرے نزدیک سب سے کم چوری کا نصاب ہے کیونکہ مسلمان کا عضو عظیم مال میں ہی جدا کیا جا سکتا ہے۔ احناف میں سے کثیر کی رائے یہی ہے۔ جو تعجب کر سکتا ہے تو وہ لیث بن سعد پر تعجب کا اظہار کرے وہ کہتے ہیں کہ بہتر درہم سے کم میں اس کی تفسیر قبول نہ کی جائے گی۔ ان سے پوچھا گیا: یہ مقدار آپ نے کہاں سے اخذ کی؟ تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ (توبہ: 25) اللہ تعالیٰ نے تمہاری بہت سے مقامات اور غزوۂ حنین کے موقع پر مدد فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات اور سرایا کی تعداد بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝ (الاحزاب) ارشاد فرمایا: لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ (نساء: 114) ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں اور فرمایا: وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا ۝ (الاحزاب) اللہ تعالیٰ نے ان پر بڑی لعنت کی۔

(۲) جب اقرار کرنے والا کہے: میرے پاس دس، سو اور ہزار ہیں تو وہ جو چاہے تفسیر بیان کرے اس کا قول قبول کر لیا جائے گا؛ امام شافعی کا یہی قول ہے۔ امام ابوحنیفہ نے فرمایا: اگر مبہم عدد پر کیلی یا وزنی چیز کا عطف کیا تو یہ اس کی تفسیر ہوگا جس طرح وہ کہے: مائة وخمسون درهما۔ ڈیڑھ سو درہم۔ کیونکہ درہم پچاس کی تفسیر ہے اور پچاس سو کی تفسیر ہے۔ ابن خیران اصطخری جو امام شافعی کے اصحاب میں سے ہیں نے کہا: درہم صرف پچاس کی تفسیر ہے اور سو کی جس چیز کے ساتھ چاہے تفسیر بیان کرے۔

زانی کے زنا کے اقرار کرنے کے بعد معذرت کرنا

مسئلہ نمبر 4۔ وَّلَوْ اَلْقٰى مَعَاذِيْرَهٗ ۞ اس کا معنی ہے اگر اقرار کے بعد معذرت کرے تو اس کی معذرت قبول نہ کی جائے گی۔ علماء نے اس آدمی کے بارے میں اختلاف کیا ہے جس نے ایسی حد میں اقرار کے بعد رجوع کیا جو خالص اللہ تعالیٰ کا حق ہے اکثر نے کہا جن میں امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ بھی ہیں: اقرار کے بعد اس کا رجوع قبول کیا جائے گا۔ امام مالک کے دو قولوں میں سے ایک قول یہی ہے۔ امام مالک کا دوسرا قول ہے: اس کا رجوع قبول نہیں کیا جائے گا یہاں تک کہ رجوع کی صحیح وجہ بیان کرے۔ صحیح یہ ہے کہ رجوع مطلق جائز ہے کیونکہ ائمہ نے روایت نقل کی ہے جن میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ بھی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے چار دفعہ زنا کے اقرار کرنے والے کا رد کیا ہر دفعہ آپ اس سے اعراض کر لیتے تھے جب اس نے چار دفعہ اقرار کر لیا تو آپ نے اسے بلایا فرمایا: ''تو مجنون ہے؟'' عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''کیا تو شادی شدہ ہے؟'' عرض کی: جی ہاں۔ بخاری شریف میں یہ الفاظ بھی ہیں: ''شاید تو نے بوسہ لیا ہو، اشارہ کیا یا نظر بازی کی ہو؟'' سنن نسائی اور سنن ابی داؤد میں ہے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسے پانچویں دفعہ فرمایا: ''کیا تو نے اس عورت سے جماع کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''یہاں تک کہ تیری شرمگاہ اس کی شرمگاہ میں غائب ہو گئی؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''جس طرح سرمچو سرمہ دانی میں اور رسی کنوئیں میں غائب ہو جاتی ہے''۔ اس نے عرض کی: جی ہاں۔ پھر پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے زنا کیا ہے؟'' اس نے عرض کی: جی ہاں۔ میں نے اس کے ساتھ حرام فعل کا ارتکاب کیا جس طرح ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ حلال فعل کرتا ہے۔ پوچھا: ''تو مجھ سے کس چیز کا ارادہ رکھتا ہے؟'' اس نے عرض کی: میں یہ ارادہ رکھتا ہوں کہ آپ مجھے پاک کر دیں۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکم دیا تو اسے رجم کر دیا گیا(1)۔

امام ترمذی اور امام ابوداؤد نے یہ ذکر کیا: جب اسے پتھر لگے تو وہ دوڑ پڑا تو ایک آدمی نے اسے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی ماری تو لوگوں نے اسے پتھر مارے تو وہ مر گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم نے اسے چھوڑ کیوں نہ دیا''(2)۔ امام ابوداؤد اور امام نسائی نے کہا تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خوب چھان کر لیتے جہاں تک حد کے ترک کرنے کا معاملہ ہے وہ مقصود نہ تھا(3)۔ یہ سب رجوع کے طریقے اور اس کے رجوع کو قبول کرنے کی وضاحت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد میں: ''شاید

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3843، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3836، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر 3835، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو نے بوسہ لیا ہو یا اشارہ کیا ہو"۔ امام مالک کے قول کی طرف اشارہ ہے کہ وہ رجوع کو قبول کر لیتے جب وہ کوئی وجہ ذکر کرتا۔

غلام کے اقرار کی صورتحال

مسئلہ نمبر 5۔ یہ آزاد اور اپنی ذات کے مالک کا معاملہ ہے جہاں تک غلام کا تعلق ہے تو اس کا اقرار دو قسموں میں سے ایک قسم سے خالی نہیں ہوتا، وہ اس چیز کا اقرار کرے جس کی سزا اس کی ذات پر واقع ہو یا ایسی چیز کا اقرار کرے جس کا اثر اس چیز پر واقع ہو جو اس کے ہاتھ میں ہے یا اس کے ذمہ میں ہے۔ اگر وہ ایسی چیز کا اقرار کرے جس کا اثر اس کی ذات پر پڑتا ہو جس میں اس کا قتل لازم کرتا ہو یا اس سے کم سزا واقع ہوتی ہو تو اس پر نافذ ہو جائے گی۔ امام محمد بن حسن نے کہا: یہ اقرار اس سے قبول نہ کیا جائے گا کیونکہ اس کا بدن آقا کے حق میں مستغرق ہے اس کے اقرار میں ان کے حقوق کا اتلاف ہے جو آقا کے اس کے بدن میں واقع ہیں۔ ہماری دلیل سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جس نے ان گندی چیزوں میں کوئی چیز پائی تو وہ اس پر پردہ ڈالے جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس پر پردہ ڈالا ہے جس نے ہمارے لیے اس امر کو ظاہر کیا تو ہم اس پر حد قائم کر دیں گے"۔ اس کا معنی یہ ہے عقوبت کا محل انسان کی ذات ہے وہ انسان کے ذمہ ہے آقا کا اس میں کوئی حق نہیں آقا کا حق وصف اور تبع میں ہے وہ مالی حق ہے جو اس پر لازم ہوتا ہے، کیا تو نہیں دیکھتا اگر غلام کسی مال کا اقرار کرتا تو اسے قبول نہ کیا جاتا یہاں تک کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اگر غلام یہ اقرار کرے میں نے یہ مال چوری کیا ہے تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ مال وہ آدمی لے لے گا جس کے حق میں غلام نے اقرار کیا۔ ہمارے علماء نے فرمایا: سامان آقا کا ہوگا اور جب غلام آزاد ہوگا تو اس کی قیمت کا مطالبہ غلام سے کیا جائے گا کیونکہ غلام کا مال آقا کا ہوتا ہے اس پر اجماع ہے اس میں غلام کا قول اور اقرار قبول نہ کیا جائے گا خصوصاً حضرت امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں: غلام کی کوئی ملکیت نہیں اس کا مالک بننا صحیح نہیں وہ مالک نہیں بنے گا۔ ہم اگرچہ یہ کہتے ہیں اس کا مالک بننا صحیح ہے لیکن اس کے ہاتھ میں جو کچھ ہوتا ہے وہ آقا کا ہوتا ہے، دونوں قولوں کے اعتبار سے یہی اجماع ہے۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۷﴾ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ﴿۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ﴿۱۹﴾ كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ﴿۲۰﴾ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ﴿۲۱﴾

"اے حبیب! آپ حرکت نہ دیں اپنی زبان کو اس کے ساتھ تاکہ آپ جلدی یاد کر لیں اس کو، ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا۔ پس جب ہم اسے پڑھیں تو آپ اتباع کریں اسی پڑھنے کا۔ پھر ہمارے ذمہ ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا۔ ہرگز نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم محبت کرتے ہو جلدی ملنے والی (نعمت) سے اور چھوڑ رکھا ہے تم نے آخرت کو"۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ﴿۱۶﴾ امام ترمذی، سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن حکیم نازل ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو پڑھتے وقت زبان ہلاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوتا

کہ اسے یاد کرلیں تو اللہ تعالیٰ نے اسے نازل فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اپنے ہونٹوں کو ہلاتے اور سفیان نے بھی اپنے ہونٹ ہلائے۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام مسلم، ابن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کرتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے مشقت اٹھاتے آپ اپنے ہونٹوں کو حرکت دیتے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہونٹوں کو حرکت دیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر نے کہا: میں دونوں ہونٹوں کو اس طرح حرکت دیتا ہوں جس طرح حضرت ابن عباس حرکت دیا کرتے تھے تو انہوں نے دونوں ہونٹوں کو حرکت دی، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو نازل فرمایا۔

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے میں جمع کرنا ہمارے ذمہ کرم پر ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پڑھیں جب ہم اسے پڑھیں تو اس کو سنیں اور خاموش رہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا جب جبریل علیہ السلام آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سنتے جب وہ چلے جاتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اسی طرح پڑھتے جس طرح جبریل امین نے پڑھایا ہوتا۔ اسے امام بخاری نے بھی نقل کیا ہے، اسی کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طہٰ: 114) وحی کے مکمل ہونے سے پہلے پڑھنے میں جلدی نہ کریں۔

عامر شعبی نے کہا: جب قرآن حکیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتا تو قرآن کی محبت اور زبان میں اس کی مٹھاس پانے کی وجہ سے جلدی کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع کر دیا گیا یہاں تک وحی جمع ہو جائے کیونکہ اس کا بعض بعض کے ساتھ مربوط ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی نازل ہوتی تو اس کے بھول جانے کے خوف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زبان کو حرکت دیتے تو یہ آیت نازل ہوئی: وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ (طہٰ: 114) سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ (الاعلیٰ) ہم تمہیں پڑھائیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بھولیں گے۔ اور یہ آیت نازل ہوئی: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ آپ اس کو پڑھنے کے لیے زبان کو حرکت نہ دیجئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے(1)۔ قُرْاٰنَهٗ کا معنی ہے اس کا تجھ پر پڑھنا۔ فراء کے قول میں قراءت اور قرآن دونوں مصدر ہیں۔ قتادہ نے کہا: فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ یعنی اس کے شرائع اور احکام کی پیروی کریں۔

ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝ اس میں حدود، حلال و حرام کے احکام کی وضاحت ہمارے ذمہ ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو وعدہ و وعید ہے اس کو بیان کرنا اور ان کو ثابت کرنا ہمارے ذمہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے ذمہ ہے کہ ہم اسے تیری زبان سے بیان کریں۔

كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ ۝ وَ تَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ ۝ حضرت ابن عباس نے فرمایا: ابوجہل قرآن کی تفسیر اور اس کے بیان پر ایمان نہیں لائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نماز نہیں پڑھیں گے اور زکوٰۃ نہیں دیں گے۔ اس سے مراد کفار مکہ ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 498

اے اہل مکہ کے کفار! تم دنیاوی زندگی سے محبت کرتے ہو اور تم آخرت کے لیے عمل کرنے کو ترک کرتے ہو۔ ایک تفسیر میں ہے آخرت سے مراد جنت ہے۔ اہل مدینہ اور کوفہ کے قراء نے تُحِبُّوْنَ اور تَذَرُوْنَ کو تاء کے ساتھ خطاب کا صیغہ پڑھا ہے۔ ابو عبید نے بھی اسی قراءت کو پسند کیا ہے اور کہا: اگر ان قراء کی مخالفت مکروہ نہ ہوتی تو میں انہیں یاء کے ساتھ پڑھتا کیونکہ اس سے پہلے انسان کا ذکر ہے باقی قراء نے دونوں کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ خبر دی جارہی ہے؛ یہ ابو حاتم کی پسندیدہ قراءت ہے۔ جس نے اسے ینبؤا الانسان پر محمول کرتے ہوئے یاء کے ساتھ پڑھا ہے تو اس میں الانسان لوگوں کے معنی میں ہے۔ جس نے اسے تاء کے ساتھ پڑھا ہے تو اس نے اس کلام کو اس امر پر محمول کیا ہے کہ شرمندہ کرنے کے لیے ان سے گفتگو کی کیونکہ یہ مقصود میں زیادہ بلیغ ہے اس کی مثل یہ ارشاد ہے: اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۞ (دہر) بے شک وہ دنیا کو پسند کرتے ہیں اور قیامت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞ وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍۭ بَاسِرَةٌ ۞ تَظُنُّ اَنْ يُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ۞

''کئی چہرے اس روز تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کے (انوار جمال) کی طرف دیکھ رہے ہوں گے اور کئی چہرے اس دن اداس ہوں گے خیال کرتے ہوں گے کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک ہوگا''۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۞ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۞ پہلا نضرہ سے مشتق ہے جس کا معنی حسن اور تروتازگی ہے۔ دوسرا نظر سے مشتق ہے یعنی مومنوں کے چہرے روشن، خوبصورت اور تروتازہ ہوں گے۔ یہ باب ذکر کیا جاتا ہے نضرھم اللہ يَنْضُرُهم نَضْرَةً و نَضَارَةً اس سے مراد روشن ہونا، آسودگی ہونا اور غنی ہونا ہے۔ اس معنی میں یہ حدیث طیبہ ہے: نَضَّرَ اللہ امرأ سَمِعَ مقالتی فوعاھا (1) اللہ تعالیٰ اس آدمی کو خوش وخرم رکھے جس نے میری گفتگو سنی اور اسے یاد رکھا۔ رب سے مراد خالق و مالک ہے۔ ناظرۃ یعنی اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے؛ یہی جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے۔ اس بارے میں حضرت صہیب رضی اللہ عنہ کی مروی حدیث ہے جسے امام مسلم نے نقل کیا ہے جو سورۂ یونس میں لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ (26) میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جنتیوں میں سے سب سے معزز وہ شخص ہوگا جو صبح و شام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا۔ پھر اس آیت کی تلاوت کی (2)۔

یزید نحوی نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ وہ اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔ حضرت حسن بصری کہا کرتے تھے: ان کے چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں نظر بمعنی انتظار ہے یعنی وہ اس ثواب کا انتظار کر رہے ہوں گے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے لیے ہوگا؛ یہ حضرت ابن عمر اور مجاہد سے مروی ہے، عکرمہ نے کہا: وہ اپنے رب کے حکم کا انتظار کر رہے ہوں گے۔ ماوردی نے حضرت ابن عمر اور عکرمہ سے یہی روایت نقل کی ہے؛ یہ صرف مجاہد سے مروی ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: لَا تُدْرِكُهُ

1۔ اربعین نووی　2۔ جامع ترمذی، کتاب صفة الجنة، باب تفسیر قوله وجوہ يومئذ ناضرة

الْاَبْصَارُ ۫ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) سے استدلال کیا ہے، یعنی آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور وہ آنکھوں کا احاطہ کر لیتا ہے۔ یہ قول بہت کمزور ہے آیت، احادیث کے ظاہر سے خارج ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنتیوں میں سے سب سے کم مرتبہ جنتی وہ ہوگا جو اپنے باغات، بیویوں، خادموں اور پلنگوں کی طرف ایک ہزار سال کی مسافت سے دیکھ لے گا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے معزز وہ شخص ہوگا جو صبح وشام اللہ تعالیٰ کا دیدار کرے گا'' (1)۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی۔ امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب کہ انہوں نے اسے مرفوع نقل نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں ابوبکر بن عبداللہ بن قیس، اپنے باپ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''دو جنتیں ہیں ان کے برتن اور جو کچھ ان میں ہے وہ چاندی کے ہوں گے اور دو جنتیں ہیں جن کے برتن اور ان میں جو کچھ ہے وہ سونے کے ہوں گے۔ جنت عدن میں جنتیوں اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کبریائی کی رداء کے سوا کوئی چیز حائل نہ ہوگی'' (2)۔

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چودھویں رات کو چاند کی طرف دیکھا فرمایا: ''تم اپنے رب کو یوں عیاں دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھتے ہو تم پر اس کی رؤیت میں ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اگر تم طاقت رکھو کہ تم سورج کے طلوع اور سورج کے غروب ہونے سے پہلے والی نماز میں مغلوب نہ ہو تو ایسا کرو'' پھر اس آیت وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ الْغُرُوْبِ ﴿۳۹﴾ (ق) سورج کے طلوع اور غروب ہونے سے پہلے تم اپنے رب کی نماز پڑھو، تلاوت کی۔ متفق علیہ؛ اسے ابو داؤد اور امام ترمذی نے روایت کیا ہے(3)۔ امام ترمذی نے فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابو داؤد نے رزین عقیلی سے روایت نقل کی ہے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم میں سے ہر ایک اپنے رب کا دیدار کرے گا؟ حضرت ابن معاذ نے کہا: قیامت کے روز تنہا تنہا دیکھے گا؟ فرمایا: ''ہاں اے ابارزین!'' پوچھا: مخلوق میں سے اس کی کیا صورت ہے؟ فرمایا: ''اے ابارزین! کیا تم میں سے ہر کوئی چاند کو نہیں دیکھتا''۔ حضرت ابن معاذ نے کہا: چودھویں رات کو تنہا تنہا۔ ہم نے عرض کی: کیوں نہیں۔ کہا: ''اللہ تعالیٰ سب سے عظیم ہے''۔ ابن معاذ نے کہا فرمایا: ''چاند تو اللہ تعالیٰ کی ایک مخلوق ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کی ذات عظیم و برتر ہے'' (4)۔

سنن نسائی میں حضرت صہیب رومی سے مروی ہے: حجاب ہٹا دیا جائے گا جنتی اسے دیکھیں گے اللہ کی قسم! اللہ تعالیٰ نے انہیں جو کچھ عطا کیا ہوگا دیدار سے بڑھ کر کوئی چیز ان کے لیے زیادہ محبوب اور آنکھوں کی ٹھنڈک کا باعث نہ ہوگی۔

ابو اسحاق ثعلبی کی تفسیر میں زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہمارا رب عزوجل جلوہ افروز ہوگا یہاں تک کہ جنتی اس کا دیدار کریں گے وہ اس کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ ارشاد

1۔ درمنثور، جلد 6، تحت زیر آیت ہذہ

2۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان باب اثبات رؤیۃ المؤمنین فی الآخرۃ ربھم سبحانہ و تعالیٰ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنۃ، باب فی الرویۃ، حدیث نمبر 4104، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ سنن ابن ماجہ، ابواب فی فضائل اصحاب الرسول، باب فیما انکرت الجھمیۃ، حدیث نمبر 172، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمائے گا: اپنے سر اٹھالو یہ عبادت کا وقت نہیں''۔ ثعلبی نے کہا: مجاہد کا قول کہ وہ اپنے رب کی جانب سے ثواب کے منتظر ہوں گے اور مخلوقات میں سے کوئی اس کا دیدار نہیں کرے گا تو یہ محل نظر تاویل ہے کیونکہ عرب جب نظر کو انتظار کے معنی میں استعمال کرتے ہیں تو وہ کہتے ہیں: نظرته جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ (الزخرف:66) وہ صرف قیامت کا انتظار کرتے ہیں۔ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ (الاعراف:53) کافرکس چیز کے منتظر ہیں یہ کہ قرآن کی دھمکی کا انجام کیا ہوتا ہے: مَا يَنْظُرُوْنَ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً (یاسین:49) وہ ایک ہی چیخ کا انتظار کررہے ہیں۔ جب اس سے تفکر اور تدبر کا ارادہ ہو تو اس وقت وہ کہتے ہیں: نظرت فيه مگر جب یہ الفاظ الی یا وجہ کے ذکر کے ساتھ ملا ہو تو اس وقت یہ دیکھنے کے معنی میں ہوگا۔ ازہری نے کہا: مجاہد کا قول کہ وہ اپنے رب کے ثواب کا انتظار کرتے ہوں گے غلط ہے کیونکہ یہ نہیں کہا جاتا نظر الی کذا کہ اس نے اس کا انتظار کیا۔ کسی کا یہ کہنا: نظرت الی فلاں یہ آنکھ سے دیکھنا ہی ہوتا ہے عرب بھی اسی طرح کہتے ہیں جب وہ آنکھ سے دیکھنے کا ارادہ کریں تو وہ کہتے ہیں: نظرت اليه جب وہ انتظار کا ارادہ کرتے ہیں تو کہتے ہیں: نظرته؛ شاعر نے کہا:

فَاِنَّكُمَا اِنْ تَنْظُرَانِيْ ساعةً مِنَ الدَّهْرِ تَنْفَعْنِيْ لَدَى اُمِّ جُنْدُبِ

اگر تم مجھے ایک ساعت مہلت دیتے تو وہ ساعت مجھے ام جندب کے ہاں نفع دیتی۔

جب اس نے انتظار کا ارادہ کیا تو اس نے تنظران کہا اور تنظران الی نہیں کہا: اگر وہ آنکھ سے دیکھنا مراد لیں تو وہ کہتے ہیں: نظرت اليه؛ شاعر نے کہا:

نظرتُ إليها والنُّجُومُ كأنّها مَصابيحُ رُهْبانٍ تُشَبُّ لِقُفَّالِ

میں نے اسے دیکھا جب کہ ستارے گویا راہبوں کے چراغ ہیں جو پلٹنے والوں کے لیے روشن کیے گئے۔

ایک شاعر نے کہا:

نظرتُ إليها بالمُحَصَّبِ مِنْ مِنًى ولِي نَظَرٌ لولا التَّحَرُّجُ عارِمُ

میں نے منیٰ سے اس کی طرف دیکھا جو محصب میں تھی اگر گناہ نہ ہوتا تو میری نظر بد خلق ہوتی۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إِنِّي إِلَيْكَ لِمَا وَعَدْتَ لَنَاظِرٌ نَظَرَ الْفَقِيْرِ إِلَى الغَنِيِّ المُوسِرِ

میں تیرے وعدہ کی طرف اس طرح دیکھنے والا تھا جس طرح محتاج خوشحال کی طرف دیکھتا ہے۔

یعنی میں تیری طرف عاجزی کی نظر سے دیکھ رہا تھا کیونکہ خشوع و خضوع کی نظر مسئول کے دل کو زیادہ نرم کر دیتی ہے۔ جہاں تک اس چیز کا تعلق ہے کہ انہوں نے لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ (الانعام:103) آنکھیں اس کا ادراک نہیں کرتیں جبکہ وہ آنکھوں کا احاطہ کر لیتا ہے، یہ دنیا میں ہوگا اس کے بارے میں گفتگو اس کے محل میں مفصل گزر چکی ہے۔ عطیہ عوفی نے کہا: وہ الله تعالیٰ کا دیدار کریں گے اس کی عظمت کی وجہ سے لوگوں کی آنکھیں اس کا احاطہ نہ کرسکیں گی اور الله تعالیٰ کی نظر ان کا احاطہ کرلے گی؛ اس پر الله تعالیٰ کا فرمان: لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَ هُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ دلالت کرتا

ہے۔ قشیری ابونصر نے کہا: الی کی جگہ الآلاء ہے یعنی اس کی نعمتوں کا انتظار ہوگا۔ یہ قول بھی باطل ہے کیونکہ الآلاء کا واحد الف کے ساتھ لکھا جاتا ہے یاء کے ساتھ نہیں لکھا جاتا پھر الآلاء اس کی ان نعمتوں کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو دور کرنے والی ہوں جب کہ وہ جنت میں اپنی ذاتوں سے ناراضگی کے دور کرنے کا انتظار نہیں کر رہے ہوں گے۔ جو آدمی کسی چیز کا انتظار کرتا ہے اس کی زندگی پریشان کن ہوتی ہے جنتیوں کی یہ صفت بیان نہیں کی جاتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں نظر کو وجہ کی طرف مضاف کیا گیا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ (البقرہ:25) اس کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ پانی نہر میں چلتا ہے نہ کہ نہر چلتی ہے۔ بعض اوقات وجہ، آنکھ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا (یوسف:93) تم اسے میرے باپ کی آنکھوں پر ڈال دو وہ روشن ہو جائیں گی۔ قیامت کے روز قانون کو بدل دینا کوئی بعید نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے دیکھنے کا فعل چہرے میں پیدا کر دے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤى (الملک:22) کیا وہ جو منہ کے بل چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے۔ عرض کی گئی: یا رسول اللہ! وہ آگ میں منہ کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: ''جو ذات انہیں قدموں پر چلانے پر قادر ہے وہ انہیں منہ کے بل بھی چلانے پر قادر ہے'' (1)۔

وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍۭ بَاسِرَةٌ ﴿۲۴﴾ تَظُنُّ اَنْ یُّفْعَلَ بِهَا فَاقِرَةٌ ﴿۲۵﴾ یعنی کفار کے چہرے قیامت کے روز تیوری چڑھے ترش ہوں گے۔ صحاح میں ہے بسر الفحل الناقة وابتسرها یعنی نر اونٹ، اونٹنی کی خواہش کے بغیر اس پر جا پڑا۔ وبسر الرجل وجهه بسورا آدمی نے تیوری چڑھائی۔ کہا جاتا ہے: عَبَسَ وَ بَسَرَ۔ سدی نے کہا: بَاسِرَةٌ یعنی بدلے ہوئے معنی ایک ہی ہے۔ انہیں یقین ہوگا کہ ان کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا جائے گا۔ فَاقِرَةٌ سے مراد بڑی مصیبت اور عظیم امر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فقرته الفاقرة مصیبت نے اس کی کمر توڑ دی؛ مجاہد اور دوسرے علماء نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: فَاقِرَةٌ کا مطلب مصیبت ہے۔ سدی نے کہا: ہلاکت ہے۔ حضرت ابن عباس اور ابن زید نے کہا: آگ میں داخل ہونا ہے۔ سب معانی قریب قریب ہے۔ اصل اس کا معنی ہے اونٹ کی ناک پر لوہے یا آگ سے ایسا نشان لگانا جو ہڈی تک جا پہنچے؛ یہ اصمعی نے کہا۔ کہا جاتا ہے: فقرت أنف البعير۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو لوہے سے اس کی ناک میں سوراخ کرے پھر سوراخ کی جگہ چمڑے سے بنی رسی ڈالے جس پر کمان کی تان لپٹی ہوئی ہوتا کہ اس کے ساتھ تو اونٹ کو مطیع کرے۔ اسی معنی میں ان کا قول ہے: قد عمل به الفاقرة اس کے ساتھ کمر توڑ سلوک کیا گیا۔

نابغہ نے کہا:

وضَرْبَةُ فَأْسٍ فوقَ رأسِيَ فَاقِرَة

میرے سر پر کلہاڑے کی ایسی ضرب لگائی جو ہڈی توڑنے والی تھی۔

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿۲۶﴾ وَ قِیْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿۲۷﴾ وَّ ظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ﴿۲۸﴾ وَ الْتَفَّتِ

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ بنی اسرائیل، حدیث نمبر 3067، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

السَّاقُ بِالسَّاقِ ﴿٢٩﴾ اِلٰی رَبِّكَ یَوْمَىِٕذِ الْمَسَاقُ ﴿٣٠﴾

''ہاں ہاں جب جان پہنچے گی ہنسلی تک اور کہا جائے گا کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا اور (مرنے والا) سمجھ لیتا ہے کہ جدائی کی گھڑی آ پہنچی، اور لپٹ جاتی ہے ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے، اس دن آپ کے رب کی طرف کوچ ہوتا ہے''۔

كَلَّاۤ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِیَ ﴿٢٦﴾ كَلَّا جھڑکنے کے لیے ہے، یعنی یہ بات حقیقت سے بہت دور ہے کہ کافر روز قیامت پر ایمان لائے۔ پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا اور فرمایا: جب نفس یا روح ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے جس نفس کا ذکر جاری نہیں تھا اس کی خبر دی کیونکہ مخاطب کو اس کا علم تھا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿٣٢﴾ (ص) یہاں تک کہ وہ حجاب میں چھپ جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَوْلَاۤ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ﴿٨٣﴾ (الواقعہ) پس تم کیوں نہیں لوٹا دیتے جب روح حلق تک پہنچ جاتی ہے؟ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا کا معنی حقا ہے معنی یہ بات ثابت کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جاتا ہے یعنی نفس جب ہنسلی کی ہڈی تک پہنچ جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جب کافر کا نفس ہنسلی کی ہڈی تک جا پہنچے۔ تراق، ترقوۃ کی جمع ہے ان ہڈیوں کو کہتے ہیں جو اونٹ ذبح کرنے کی جگہ جمع ہوتی ہیں یہ سینہ سے اوپر اور حلق کے ابتدائی حصہ میں ہوتی ہیں، یہی گھنگرو کی جگہ ہے۔ درید بن صمہ نے کہا:

وَرُبَّ عَظِیمَةٍ دَافَعْتَ عَنْهُمْ　　وَقَدْ بَلَغَتْ نُفُوسُهُمُ التَّرَاقِ

کتنی ہی عظیم مصیبتیں ہیں جن کو تو نے ان سے دور کیا جب کہ ان کے نفوس ہنسلی کی ہڈی کو پہنچے ہوئے تھے۔

جو آدمی موت کے وقت کو پہنچ چکا ہو اس کے لیے کنایہ کے طور پر نفس کے ہنسلی کی ہڈی تک پہنچنے سے تعبیر کرتے ہیں، مقصود یہ ہے کہ انہیں موت کے آنے کے وقت سختی کو یاد کرایا جائے۔

وَ قِیْلَ مَنْ ٚ رَاقٍ ﴿٢٧﴾ اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رقیہ سے مشتق ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ضحاک نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ من یرق کا معنی ہے ایسا طبیب جو شفا دے۔ میمون بن مہران نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے معنی ہے کوئی طبیب ہے جو اس کو شفا دے؛ یہ ابو قلابہ اور قتادہ نے کہا؛ شاعر نے کہا:

هَلْ لِلْفَتٰى مِنْ بَنَاتِ الدَّهْرِ مِنْ وَاقِ　　أَمْ هَلْ لَهُ مِنْ حِمَامِ الْمَوْتِ مِنْ رَاقِ

کیا نوجوان کو مصائب سے بچانے والی کوئی چیز ہے، کیا اسے موت سے شفا دینے والا کوئی طبیب ہے۔

یہ بات وہ مایوسی کے طور پر کریں گے۔ یعنی وہ کون ہے جو موت سے شفا دے؟ حضرت ابن عباس اور ابو جوزاء سے مروی ہے۔ یہ رقی، یرقی سے مشتق ہے جب وہ بلند ہو معنی ہے کون اس کی روح آسمان کی طرف لے جائے گا؟ کیا رحمت کے فرشتے لے جائیں گے یا عذاب کے فرشتے لے جائیں گے؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ موت کا فرشتہ کہے گا: اس کی روح کو کون لے جائے گا؟ اس کی وجہ یہ ہے کافر کا نفس ملائکہ کے قرب کو ناپسند کرتا ہے تو موت کا فرشتہ کہے گا: اے فلاں! اسے لے جا۔ عاصم

اور ایک جماعت نے من راق میں نون کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے اور بَلۡ ۜ رَانَ (المطففین: 14) میں لام کو اظہار کے ساتھ پڑھا ہے تا کہ یہ مراق کے مشابہ نہ ہو جس کا معنی شوربہ بیچنے والا ہے اور بران کے مشابہ نہ ہو جائے جو بر کا تثنیہ ہے صحیح اظہار کو چھوڑنا ہے۔ مَنۡ ۜ رَاقٍ میں قاف کا کسرہ اور بَلۡ ۜ رَانَ میں نون کا فتحہ التباس کو زائل کرنے کے لیے کافی ہے۔ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ مَنۡ اور بَلۡ پر وقف کا قصد کرے اور ان میں اظہار کرے؛ یہ قشیری کا قول ہے۔

وَّظَنَّ اَنَّهُ الۡفِرَاقُ ۝ انسان یقین کر لے گا کہ یہ دنیا، اہل، مال اور اولاد کے فراق کا وقت ہے یہ اس وقت ہو گا جب وہ فرشتوں کو دیکھ لے گا؛ شاعر نے کہا:

فراقٌ لیس یُشْبِهُهٗ فِرَاقٌ قد انقطع الرجاءُ عن التَّلَاقِ

ایسا فراق جس کی مثل کوئی فراق نہیں جس میں ملاقات کی امید ختم ہو چکی ہے۔

وَالۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ ایک شدت دوسری شدت کے ساتھ مل چکی ہے یعنی دنیا کے آخر کی شدت، آخرت کے آغاز کی شدت کے ساتھ مل چکی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ امام شعبی اور دوسرے علماء نے فرمایا: موت کے وقت شدت تکلیف سے انسان کی دونوں پنڈلیاں لپٹ گئیں۔ قتادہ نے کہا: کیا تو نے نہیں دیکھا جب وہ موت کے قریب پہنچتا ہے تو وہ اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر مارتا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب اور حضرت حسن بصری نے کہا: یہ انسان کی دو پنڈلیاں ہیں جب انہیں کفن میں لپیٹ دیا جائے۔ زید بن اسلم نے کہا: کفن کی پنڈلی میت کی پنڈلی کے ساتھ لپٹ گئی۔ حضرت حسن بصری نے یہ بھی کہا: اس کے دونوں پاؤں مر گئے، اس کی دونوں پنڈلیاں سوکھ گئیں پس وہ اسے نہیں اٹھاتیں جب کہ وہ ان پر خوب گھومتا تھا۔ نحاس نے کہا: پہلا قول ان میں سے سب سے حسین ہے۔ علی بن ابی طلحہ نے حضرت ابن عباس سے وَالۡتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ ۝ کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ دنیا کا آخری دن آخرت کے پہلے دن کے ساتھ لپٹ گیا تو ایک شدت دوسری شدت سے مل گئی مگر جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرے یعنی موت کی کرب کی شدت مطلع کی ہولناکی کی شدت سے مل گئی اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اِلٰی رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ الۡمَسَاقُ ۝ مجاہد نے کہا: معنی ہے ایک مصیبت دوسری مصیبت سے مل گئی۔ وہ کہتے: اس پر شدائد پے در پے ہو گئیں۔ ضحاک اور ابن زید نے کہا: اس پر دو شدید امر جمع ہو گئے، لوگ اس کے جسم کو تیار کرتے ہیں اور فرشتے اس کی روح کو تیار کرتے ہیں۔ عرب ساق کا لفظ بڑی مصیبت کے لیے استعمال کرتے ہیں اس معنی میں ان کا قول ہے: قامت الدنیا علی ساق، قامت الحرب علی ساق دنیا بڑی مصیبت پر کھڑی ہے، جنگ بڑی مصیبت پر کھڑی ہے۔ شاعر نے کہا:

قامتِ الحربُ بنا علی ساقٍ جنگ نے ہمیں بڑی مصیبت پر کھڑا کر دیا ہے۔

یہی معنی سورۂ قلم کے آخر میں گزر چکا ہے۔ ایک قوم نے کہا: کافر کو اس وقت عذاب دیا جاتا ہے جب اس کی روح جسم سے نکلتی ہے یہ پہلی مصیبت ہے پھر اس کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کی مصیبت ہو گی۔

اِلٰی رَبِّكَ يَوۡمَئِذِ الۡمَسَاقُ ۝ رب سے مراد خالق ہے۔ يَوۡمَئِذٍ سے مراد یوم قیامت ہے۔ مساق سے مراد لوٹنا ہے۔

ایک تفسیر میں ہے: وہ فرشتہ جو اس کی برائیاں لکھا کرتا تھا وہ اسے ہانکے گا۔ مساق یہ ساق، یسوق سے مصدر ہے جس طرح مقال یہ قال، یقول کا مصدر ہے (1)۔

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾

"(اتنی فہمائش کے باوجود) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی بلکہ اس نے (حق کو) جھٹلایا اور اس سے منہ پھیر لیا، پھر گیا گھر کی طرف نخرے کرتا ہوا۔ تیری خرابی آ لگی اب آ لگی پھر تیری خرابی آ لگی اب آ لگی"۔

فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿٣١﴾ ابو جہل نے نہ تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر انسان کی طرف لوٹ رہی ہے جو سورت کے آغاز میں ہے وہ اسم جنس ہے۔ پہلا قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ہے یعنی اس نے رسالت کی تصدیق نہ کی اور نہ اپنے رب سے دعا کی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھا۔ قتادہ نے کہا: نہ کتاب اللہ کی تصدیق کی اور نہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہ اپنے مال کا صدقہ دیا تا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذخیرہ ہو جائے اور نہ ہی وہ نمازیں پڑھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نہ اپنے دل سے ایمان لایا اور نہ اپنے بدن سے عمل کیا۔ کسائی نے کہا: لَا، لم کے معنی میں ہے لیکن اسے غیر کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جاتا ہے عرب کہتے ہیں: لا عبد اللہ خارج ولا فلاں، نہ عبد اللہ نکلا نہ کوئی اور، تو یہ نہیں کہہ سکتا: مررت برجل لا محسن یہاں تک کہ تو ساتھ یہ نہ کہے ولا مجمل میں ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرا جو نہ محسن ہے نہ مجمل۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿١١﴾ (البلد) وہ اس انداز کا نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کیا وہ عقبہ (مشقت) میں داخل نہیں ہوا۔ الف استفہام کو حذف کر دیا گیا۔ اخفش نے کہا: فَلَا صَدَّقَ کا معنی ہے اس نے تصدیق نہ کی جس طرح فلا اقتحم ہے وہ داخل نہ ہوا۔ اس میں دوسری شی کو پیچھے لانا شرط نہیں۔ عرب کہتے ہیں: لا ذھب وہ نہ گیا۔ حرف نفی ماضی کی نفی کرتا ہے جس طرح مستقبل کی نفی کرتا ہے؛ اس معنی میں زہیر کا قول ہے:

فَلَا هُوَ أَبْدَاهَا وَلَمْ يَتَقَدَّمِ　نہ اس نے اسے ظاہر کیا اور نہ خود آگے بڑھا۔

وَ لٰكِنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰى ﴿٣٢﴾ ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ يَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ اس نے قرآن کو جھٹلایا اور ایمان سے روگردانی کی۔ پھر وہ اس پر فخر کرتے ہوئے تکبر کے انداز میں اپنے گھر چلا گیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد ابو جہل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مطا سے مشتق ہے جس کا معنی پشت ہے معنی ہے وہ اپنی پشت کو دہرا کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل یتمطط ہے یعنی سستی کا اظہار کرنا اور بوجھل ہونا ہے وہ حق کی طرف دعوت دینے والے سے بوجھل ہوتے ہیں، اس کی ایک طاء کو یاء سے بدل دیا کیونکہ ایک ہی جنس کے حرف ہونا ناپسندیدہ تھا۔ تمطی یہ پرواہ نہ کرنے پر دلالت کرتا ہے۔ تمدد سے بھی یہی مراد ہے گویا وہ تکبر کی وجہ سے اپنی پشت کو پھیلاتا ہے اور اسے دہرا کرتا ہے۔ مطیطه، حوض کے نیچے گاڑھے پانی کو کہتے ہیں۔ حدیث میں ہے: "جب میری امت کمریں دہری کر کے چلے گی ایرانی اور رومی اس کے خدمت گزار ہو

1۔ تفسیر رازی، معروف تفسیر کبیر، جز 30، صفحہ 232

جائیں گے تو اس کی آپس میں جنگ شروع ہو جائے گی"(1)۔ مطیطاء سے مراد تکبر کرنا اور چلتے وقت ہاتھوں کو پھیلانا ہے۔

اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ دھمکی کے بعد دھمکی ہے، وعید کے بعد وعید ہے۔ یہ چار چیزوں پر چار وعیدیں ہیں۔ جس طرح روایت کی گئی ہے یہ ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنے رب سے جاہل تھا یعنی اس نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق نہ کی، میرے سامنے کھڑا نہ ہوا کہ نماز پڑھتا بلکہ اس نے میرے رسول کی تکذیب کی اور میرے سامنے نماز پڑھنے سے روگردانی کی۔ تصدیق کو چھوڑنا ایک خصلت ہے، جھٹلانا ایک خصلت ہے، نماز چھوڑنا ایک خصلت ہے، اللہ تعالیٰ سے روگردانی کرنا ایک خصلت ہے چار چیزوں کو چھوڑنے کی وجہ سے چار وعیدیں آئیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

یہ نہ کہا جائے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ ذَهَبَ اِلٰۤى اَهْلِهٖ یَتَمَطّٰى ﴿٣٣﴾ پانچویں خصلت ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں: یہ خصلت جھٹلانے اور اعراض کرنے سے پہلے بھی موجود تھی تو اس کے بارے میں خبر دی۔ یہ قتادہ کے قول میں واضح ہے جس طرح ہم [illegible] ئے۔

ایک قول یہ کیا گیا: رسول اللہ ﷺ ایک روز مسجد سے نکلے تو مسجد کے دروازے پر آپ ﷺ کو ابوجہل ملا جو بنی مخزوم کے دروازے کے ساتھ تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا اسے ایک یا دو دفعہ جھٹکا دیا پھر فرمایا: اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ابوجہل نے آپ ﷺ سے کہا: کیا تو مجھے دھمکاتا ہے؟ اللہ کی قسم! میں اس وادی کے مکینوں میں سے سب سے زیادہ معزز و محترم ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے جس طرح ابوجہل سے فرمایا تھا اس اسلوب میں آیت نازل ہوئی، یہ دھمکی کے کلمات ہیں شاعر نے کہا:

فَأَوْلَى ثم أَوْلَى ثم أَوْلَى هَلْ لِلدَّرِّ يُحْلَبُ من مَرَدْ

ہلاکت ہو، ہلاکت ہو پھر ہلاکت ہو، کیا دودھ کو بار بار دوہا جا سکتا ہے۔

قتادہ نے کہا: ابوجہل تکبر کرتے ہوئے آیا نبی کریم ﷺ نے اس کا ہاتھ پکڑا فرمایا: اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٤﴾ ثُمَّ اَوْلٰى لَكَ فَاَوْلٰى ﴿٣٥﴾ اس نے کہا: تو اور تیرا رب مجھے کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے میں ان دو پہاڑوں کے درمیان سب سے معزز ہوں۔ جب بدر کا دن آیا تو وہ مسلمانوں کے قریب ہوا کہا: آج کے بعد اللہ تعالیٰ کی کبھی بھی عبادت نہ کی جائے گی تو اللہ تعالیٰ نے اسے ہلاک کر دیا اور وہ برے طریقے سے قتل ہوا(2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تیرے لیے ہلاکت ہے؛ اسی بارے میں حضرت خنساء کا شعر ہے:

هَمَمْتُ بنفسيَ كُلَّ الهُمُومِ فَأَوْلَى لِنَفْسِيَ أَوْلَى لَهَا
سَأَحْمِلُ نفسي على آلةٍ فإمَّا عليها و إمَّا لَهَا

میں نے اپنے بارے میں ہر قسم کا ارادہ کیا میرے نفس کے لیے ہلاکت ہے اس کے لیے ہلاکت ہے۔ میں اپنے نفس کو ایسی حالت پر مجبور کروں گی، وہ حالت اس کے خلاف ہوگی یا اس کے حق میں ہوگی۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی النھی عن سب الریاح، حدیث نمبر 2187، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 525

الآلة کا معنی حالت ہے اور الآلة کا معنی چارپائی بھی ہے جس پر میت کو اٹھایا جاتا ہے۔ اس تاویل کی بنا پر یہ کہا جائے گا کہ ان کلمات میں سے ہے جن میں قلب کا قاعدہ جاری ہوا گویا کہا گیا: اویل پھر حرف علت کو موخر کیا گیا معنی ہے تیرے لیے زندہ ہونے کی صورت میں ہلاکت ہے، تیرے لیے مردہ ہونے کی صورت میں ہلاکت ہے جس روز تو جہنم میں داخل ہو۔ یہ جانے کے وقت ہلاکت ہے اور تیرے لیے اس روز ہلاکت ہے جس روز تو جہنم میں داخل ہو۔ یہ تکرار اسی طرح ہے جس طرح کسی نے کہا:

لَکَ الْوَیْلَاتُ إِنَّکَ مُرْجِلِی   تیرے لیے پے در پے ہلاکتیں ہوں تو مجھے آزاد چھوڑنے والا ہے۔

مراد یہ ہے لك الویل ثم الویل ثم الویل۔ یعنی تیرے لیے ہلاکت، پھر ہلاکت اور پھر ہلاکت ہے۔ یہ قول ضعیف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تیری مذمت اس کے ترک کرنے سے بہتر ہے۔ مگر کثرت استعمال کی وجہ سے اسے حذف کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اصمعی نے کہا کلام عرب میں اَوْلٰی کا لفظ ہلاکت کے قریب ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے گویا وہ کہتا ہے: تو ہلاکت کے قریب ہو گیا۔ یہ ولی سے ماخوذ ہے جس کا معنی قرب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (توبہ:123) اے ایمان والو! ان کفار سے تم جنگ کرو جو تمہارے قریب رہتے ہیں۔ اصمعی نے یہ مصرعہ پڑھا: وأولی أن یکون له الولاء قریب ہے کہ اس کے لیے حکومت ہو۔ اور اس نے یہ مصرعہ بھی پڑھا: أَوْلٰی لمن هاجت له أن یکمد جس کے دل کا مرض جوش مارنے لگا اس کی ہلاکت کا وقت قریب ہو گیا۔ ابو العباس ثعلب، اصمعی کے قول کی تحسین کرتا وہ کہتا: کوئی آدمی اصمعی کی وضاحت جیسی وضاحت نہیں کرتا۔ نحاس نے کہا: عرب کہتے ہیں اَوْلٰی لَكَ۔ قریب تھا کہ تو ہلاک ہو جاتا پھر تو بچ گیا گویا تقدیر کلام یوں ہے أولی لك وأولی لك الهلاکة۔ مہدوی نے کہا: تقدیر کلام یہ نہ ہو گی ولا تکون أَوْلٰی۔ یہ مبتدا محذوف کی خبر ہو گی۔ گویا یہ کہا: الوعید أولی له من غیره کیونکہ ابو زید نے بیان کیا اولاة الآن۔ یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ دھمکی دیں۔ علامت تانیث کا اس پر داخل کرنا اس امر پر دلیل ہے کہ معاملہ اس طرح نہیں۔ لَكَ خبر ہے اَوْلٰی مبتدا ہے اَوْلٰی غیر منصرف ہے کیونکہ یہ وعید کا علم (نام) ہو چکا ہے یہ اس طرح ہے جس طرح کسی کا نام احمد ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تکرار اس معنی کی بنا پر ہے میں تجھ پر تیرے پہلے برے عمل، دوسرے، تیسرے اور چوتھے پر لازم کرتا ہوں جس طرح یہ پہلے گزر چکا ہے۔

اَیَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ یُّتْرَكَ سُدًى ﴿٣٦﴾ اَلَمْ یَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِیٍّ یُّمْنٰى ﴿٣٧﴾ ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ﴿٣٨﴾ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَیْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ﴿٣٩﴾ اَلَیْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ یُّحْیِۦَ الْمَوْتٰى ﴿٤٠﴾

”کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔ کیا وہ (ابتدا میں) منی کا ایک قطرہ نہ تھا جو (رحم مادر میں) ٹپکایا جاتا تھا پھر وہ اس سے لوتھڑا بنا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے بنایا اور اعضاء درست کیے پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت کیا وہ اتنی (قدرت والا) اس پر قادر نہیں کہ مردوں کو پھر زندہ کرے“۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۞ کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے مہمل چھوڑ دیا جائے گا نہ اسے حکم دیا جائے گا نہ اسے نہی کی جائے گی؛ یہ ابن زید اور مجاہد نے کہا: اسی سے ابل سدی ہے جو اونٹ چرواہے کے بغیر چرتے رہتے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے قبر میں ہمیشہ کے لیے اس طرح چھوڑا جائے گا اسے دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا؛ شاعر نے کہا:

فَأُقْسِمُ　بالله　جهدَ　الْيَمِينِ　　ما　تَرَكَ　اللهُ　شيأً　سُدى

میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم اٹھاتا ہوں! اللہ تعالیٰ نے کسی چیز کو مہمل نہیں چھوڑا۔

اَلَمْ يَكُ نُطْفَةً مِّنْ مَّنِيٍّ يُّمْنٰى ۞ پانی کا قطرہ جسے رحم میں ٹپکایا جاتا ہے۔ منی کو منی اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہاں جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ نطفہ کا معنی تھوڑا پانی ہے۔ کہتے ہیں: نطف الماء جب وہ قطرہ قطرہ گرے کیا وہ مرد کی پشت اور عورت کی سینے کی ہڈیوں میں قلیل پانی نہ تھا؟ حفص نے اسے مَنِيٍّ يُمْنَى پڑھا ہے۔ ابن محیصن، مجاہد، یعقوب اور عیاش نے ابو عمرو سے یہی روایت نقل کی ہے۔ ابو عبید نے لفظ مَنِيّ کی وجہ سے یاء کے ساتھ قراءت کو اختیار کیا ہے جب کہ باقی قراء نے لفظ نطفہ کی وجہ سے تمنی پڑھا ہے؛ ابو حاتم نے اسے پسند کیا ہے۔

ثُمَّ كَانَ عَلَقَةً فَخَلَقَ فَسَوّٰى ۞ فَجَعَلَ مِنْهُ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۞ نطفہ کے بعد وہ خون تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی بے قدری کو بیان کرنے کے لیے ان چیزوں کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا پھر اندازہ لگایا اور اس میں روح رکھ کر مناسب اور موزوں بنا دیا پھر اس انسان سے مرد اور عورت بنائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: منه کی ضمیر سے مراد منی ہے۔ جس نے خنثی کو ساقط کرنے کی رائے قائم کی ہے اس نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ آیت اور اس جیسی آیات غالب طریقہ کے اعتبار سے ہیں۔ سورۃ النساء میں بھی اس بارے میں قول گزر چکا ہے۔ میراث والی آیت میں اس کا حکم گزر چکا ہے اس کے دوبارہ اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْيِۦَ الْمَوْتٰى ۞ کیا وہ ذات پاک جس نے پانی کے ایک قطرہ سے اس انسان کو پیدا کیا ہے وہ ان اجسام کے بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے پر قادر نہیں۔ رسول اللہ سے یہ روایت مروی ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کی تلاوت کرتے تو زبان سے یہ کلمات پڑھتے: سبحانك اللهم بلیٰ اے اللہ! تو ہر عیب سے پاک ہے کیوں نہیں تو ایسا کرنے پر قادر ہے (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا: جو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۞ کی قراءت کرے وہ امام ہو یا کوئی اور تو وہ یہ کہے: سبحان ربی الاعلی اور جو سورۃ القیامہ کی تلاوت کرے وہ امام ہو یا کوئی اور تو وہ سبحانك اللهم بلی کہے: ثعلبی نے یہ ابو اسحاق سبیعی سے روایت نقل کی ہے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 528

سورۃ الانسان

آیاتہا ۳۱ ۷۶ سُوْرَۃُ الْاِنْسَانِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۸ رکوعاتہا ۲

اس کی اکتیس آیات ہیں۔ حضرت ابن عباس، مقاتل اور قلبی کے قول کے مطابق یہ مکی ہے جب کہ جمہور علماء نے کہا: یہ مدنی ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا گیا: اس میں اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ سے آخر تک مکی ہے اور اس سے پہلے کی آیات مدنی ہیں۔

ابن وہب نے ذکر کیا ہے کہ ابن زید نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ یہ آیت آپ پر نازل ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک حبشی موجود تھا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کرتا تھا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشان نہ کر۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ارشاد فرمایا: ''اے ابن خطاب! اسے چھوڑ دو''۔ کہا: یہ سورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی جب کہ وہ آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اس سورت کو پڑھا اور جنت کی صفت تک پہنچے تو اس نے لمبی سانس لی تو اس کی روح نکل گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت کے شوق نے تمہارے ساتھی یا تمہارے بھائی کی روح کو نکال دیا ہے'' (1)۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے اس سے مختلف الفاظ کے ساتھ یہ روایت مروی ہے۔ سورت کا مقصود عام ہے۔ اس طرح مختلف اقوال ہیں کہ اس کا سبب نزول یہ ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ ۖ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

''بے شک گزرا ہے انسان پر زمانہ میں ایک ایسا وقت جب کہ یہ کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا۔ بلا شبہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا ایک مخلوط نطفہ سے تاکہ ہم اس کو آزمائیں پس (اس غرض سے) ہم نے بنا دیا ہے اس کو سننے والا، دیکھنے والا۔ ہم نے اسے دکھایا ہے (اپنا) راستہ اب چاہے شکر گزار بنے چاہے احسان فراموش''۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْـًٔا مَّذْكُوْرًا ۝، هَلْ، قد کے معنی میں ہے: یہ کسائی، فراء اور ابو عبیدہ کا قول ہے۔ سیبویہ سے منقول ہے کہ هَلْ، قد کے معنی میں ہے۔

1۔ الطبرانی، الاوسط، حدیث نمبر 1604۔ الکبیر 13595

فراء نے کہا: هَلْ نافیہ ہوتا ہے اور خبریہ ہوتا ہے یہ هَلْ خبریہ ہے کیونکہ تو کہتا ہے: ھل اعطیتك تو اس سے یہ مراد لیتا ہے کہ تو نے اسے عطا کر دیا ہے، نافیہ کی مثال یہ ہے کہ تو کہتا ہے: ھل یقدر احد علی مثل ھذا اس پر کوئی قادر نہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ استفہام کے معنی میں ہے۔ یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں؛ یہ قتادہ، ثوری، عکرمہ اور سدی کا قول ہے؛ حضرت ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے۔

حضرت ابن عباس سے ابو صالح نے روایت نقل کی ہے: حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ کا مطلب ہے ان پر چالیس سال گزر گئے ابھی ان میں روح نہیں پھونکی گئی تھی وہ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان پڑے رہے۔

حضرت ابن عباس سے ضحاک نے روایت نقل کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا گیا وہ چالیس سال تک اسی طرح رہے پھر چالیس سال تک لیس دار مٹی کی صورت میں رہے پھر چالیس سال تک بجتی مٹی کی صورت میں رہے ان کی تخلیق ایک سو بیس سال کے بعد مکمل ہوئی، اس کے بعد ان میں روح پھونکی گئی۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہاں جس حِیْنٌ کا ذکر ہے اس کی مقدار کا پتہ نہیں؛ یہ ماوردی نے حضرت ابن عباس سے بیان کیا ہے (1)۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ ان کا آسمان وزمین میں کوئی ذکر نہ تھا۔ یعنی وہ محض ایک جسم تھے جن کی تصویر کشی کی گئی تھی وہ صرف مٹی تھے نہ کوئی ان کا ذکر تھا اور نہ ہی کوئی پہچان تھی، ان کے نام کا کچھ پتہ نہ تھا اور نہ ان کے بارے میں یہ معلوم تھا کہ کیا ارادہ کیا گیا پھر اس میں روح پھونکی گئی؛ یہ فراء، قطرب اور ثعلب نے بات کہی۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: وہ مخلوقات میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑی شان کے حامل تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ذکر اخبار کے معنی میں نہیں کیونکہ کائنات میں رب العالمین کی اخبار قدیمی چیز ہے بلکہ یہ ذکر شرف وقدر و مرتبہ کے معنی میں ہے؛ یہ قول کیا جاتا ہے: فلان مذکور یعنی اس کی قدر و منزلت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَ لِقَوْمِكَ (الزخرف: 44) اور بے شک یہ بڑا اشرف ہے آپ کے لیے اور آپ کی قوم کے لیے۔ یعنی انسان پر ایسا وقت ضرور گزرا ہے کہ وہ مخلوق کے نزدیک کوئی قابل ذکر چیز نہ تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو آگاہ کیا کہ اس نے حضرت آدم کو خلیفہ بنایا ہے اور اسے ایسی امانت سے نوازا ہے جس کے اٹھانے سے آسمان، زمین اور پہاڑ عاجز آ گئے تھے تو انسان کی تمام پر فضیلت ظاہر ہو گئی تو وہ قابل ذکر چیز بن گیا۔ قشیری نے کہا: خلاصہ کلام یہ ہے وہ مخلوق کے لیے کوئی قابل ذکر چیز نہ تھی اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل ذکر چیز تھی۔ محمد بن جہیم نے فراء سے اس کی یہ تعبیر نقل کی ہے وہ شی تو تھا مگر اس کا کوئی ذکر نہ تھا۔ ایک قوم نے کہا: نفی شی کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی زمانے میں سے کئی مدتیں گزر گئیں۔ حضرت آدم مخلوق میں کوئی قابل ذکر چیز نہ تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی اصناف میں سے سب سے آخر میں اسے پیدا کیا تھا۔ معدوم کوئی چیز نہیں ہوتی یہاں تک کہ اس پر حِیْنٌ واقع ہو۔ معنی اس کا یہ ہے اس پر کئی زمانے گزر گئے حضرت آدم علیہ السلام کوئی چیز نہ تھے، نہ مخلوق اور نہ مخلوقات کے ہاں قابل ذکر؛ یہ قتادہ اور مقاتل کے قول کا مطلب ہے۔ قتادہ نے کہا: انسان کی تخلیق نئی نئی ہوئی ہے ہم انسان کی تخلیق کے بعد اللہ تعالیٰ

1۔ النکت والعیون، ماوردی، جلد 6، صفحہ 161

کی کسی مخلوق کو نہیں جانتے۔

مقاتل نے کہا: کلام میں تقدیم وتاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہے هل اتی حین من الدهر لم یکن الانسان شیأ مذکورا کیونکہ انسان کو تمام حیوانات کی تخلیق کے بعد تخلیق کیا گیا اس کے بعد کوئی حیوان پیدا نہیں کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی خبر ہے اور حِیْنٌ سے مراد نو ماہ ہیں جتنا عرصہ انسان اپنی ماں کے پیٹ میں رہتا ہے کیونکہ اس عرصہ میں وہ جما ہوا خون اور گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے کیونکہ اس حالت میں وہ جماد کی حالت میں ہوتا ہے اس کی کوئی قدر ومنزلت نہیں ہوتی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت پڑھی تو کہا: کاش! وہ مدت مکمل ہو جاتی تو ہمیں آزمایا نہ جاتا، اے کاش! جو مدت حضرت آدم علیہ السلام پر واقع ہوئی تھی وہ قابل ذکر چیز نہ ہوتی وہ اس پر مکمل ہو جاتی ان کی اولاد نہ ہوتی اور ان کی اولاد کو آزمایا نہ جاتا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو انہوں نے کہا: کاش! وہ مدت مکمل ہو جاتی۔

اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ بغیر کسی اختلاف کے یہاں انسان سے مراد ابن آدم ہے، نطفہ سے مراد ایسا پانی ہے جس کو ٹپکایا جاتا ہے وہ منی ہے۔ برتن میں جو تھوڑا سا پانی ہو اسے نطفہ کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ اپنے نفس کو عتاب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مالی أراكِ تكرهِينَ الجَنّة هل أنتِ إلّا نُطفةٌ فی شَنّه

کیا وجہ ہے میں تجھے دیکھتا ہوں کہ تو جنت کو ناپسند کرتا ہے تو تو محض مشکیزہ کا ایک قطرہ ہے۔

نُّطْفَةٍ کی جمع نطف اور نطاف ہے **اَمْشَاجٍ** کا معنی اخلاط ہے اس کا واحد مشج اور مشیج ہے جس طرح خدن اور خدین ہے۔

کہتے ہیں: مشجت هذا بهذا یعنی میں نے اس کو اس کے ساتھ ملایا ہے اس کا اسم مفعول کا صیغہ ممشوج اور مشیج آتا ہے جس طرح مخلوط اور خلیط ہے۔ مبرد نے کہا: امشاج کا واحد مشیج ہے کہتے ہیں: مشج یمشج۔ جب وہ ایک چیز کو دوسرے کے ساتھ ملا دے یہاں اس سے مراد نطفہ کا خون کے ساتھ ملنا ہے۔ شماخ نے کہا:

طَوَتْ أَحْشَاءَ مُرتِجَةٍ لِوَقْتٍ عَلی مَشَجٍ سُلَالَتُهُ مَهِینُ

مرتجہ (وہ مادہ جو پانی کو رحم میں داخل ہونے سے روک دے) کا بطن ایک خاص وقت تک نطفہ پر لپٹا رہا جس کی اولاد حقیر تھی۔

فراء نے کہا: **اَمْشَاجٍ** سے مراد مرد اور عورت کے پانی، خون اور رنگ ہوئے خون کا آمیزہ ہے جب کوئی چیز مل جائے تو اس وجہ سے مشج کہتے ہیں جس طرح تیرا قول خلط ہے اور ممشوج جس طرح تیرا قول مخلوط ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ **اَمْشَاجٍ** سے مراد سرخی مائل سفیدی اور سفیدی مائل سرخی ہے۔ یہ ایسا قول ہے جسے بہت سے اہل لغت نے پسند کیا ہے: ہذلی نے کہا:

كَأَنَّ الرِّيشَ وَالفُوقَيْنَ مِنْهُ خِلَافَ النَّصْلِ سِيطَ بِهِ مَشِيجُ

گویا پر اور اس کے دونوں سوناروں پر پھل کے برعکس سرخی مائل سفیدی لگی تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مرد کا پانی جو سفید گاڑھا ہوتا ہے عورت کے پانی جو زرد نرم ہوتا ہے ملتے ہیں تو ان دونوں سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بچے کے جسم میں پٹھے، ہڈیاں اور جو طاقت ہوتی ہے وہ مرد کے پانی کی وجہ سے ہوتی ہے اور اس بچے کے جسم میں خون، گوشت اور بال ہوتے ہیں وہ عورت کے پانی سے ہوتے ہیں، اس بارے میں ایک مرفوع روایت بھی ہے اسے بزار نے ذکر کیا ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس کے اَمْشَاجٍ سے مراد گوشت کے لوتھڑے کی رگیں ہیں۔ انہیں سے ایک روایت مروی ہے: مرد کا پانی، عورت کا پانی اور دونوں دو رنگ والے ہوتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: مرد کا نطفہ سفید اور سرخ اور عورت کا نطفہ سبز اور زرد ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: وہ رنگوں سے پیدا ہوا ہے، وہ مٹی سے پیدا ہوا ہے پھر شرمگاہ اور رحم کے پانی سے پیدا ہوا ہے وہ پہلے نطفہ، جما ہوا خون، ہڈیاں اور گوشت ہوتا ہے؛ اسی کی مثل قتادہ نے کہا: یہ پیدائش کے مراحل ہیں نطفے کا مرحلہ، جمے ہوئے خون کا مرحلہ، ہڈیوں کا مرحلہ اور پھر ہڈیوں کو گوشت پہنا دیتا ہے، جس طرح سورۂ مومنون میں ہے وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۝ (مومنون) اور بے شک ہم نے پیدا کیا انسان کو مٹی کے جوہر سے۔

ابن سکیت نے کہا: امشاج سے مراد اخلاط ہیں کیونکہ وہ مختلف انواع سے ملا ہوتا ہے انسان اس سے مختلف طباع والا پیدا کیا گیا۔ اہل معانی نے کہا: اَمْشَاجٍ جمع کا صیغہ نہیں یہ واحد کے معنی میں ہے کیونکہ یہ نطفہ کی صفت ہے جس طرح کہا جاتا ہے: بُرْمَةٌ أَعْشَار، ثَوْبٌ أَخْلَاقٌ۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: یہودیوں کا ایک عالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے مرد اور عورت کے پانی کے بارے میں بتایئے؟ فرمایا: ''مرد کا پانی سفید گاڑھا ہوتا ہے اور عورت کا پانی زرد پتلا ہوتا ہے، جب عورت کا پانی غالب ہوتا ہے تو بچی پیدا ہوتی ہے اور جب مرد کا پانی غالب آجاتا ہے تو بچہ پیدا ہوتا ہے''۔ اس عالم نے کہا: میں اللہ تعالیٰ کے معبود برحق ہونے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں، یہ واقعہ سورۂ بقرہ میں مفصل گزر چکا ہے۔

نَّبْتَلِيْهِ ہم اسے آزمائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہم اس آزمائش کو مقدر کریں گے۔ اس سے مراد امتحان ہے جس کے ذریعے امتحان لیا جاتا ہے اس کی دو صورتیں ہیں (۱) ہم خیر اور شر کے ذریعے اسے آزمائیں گے؛ یہ کلبی نے کہا۔ (۲) ہم خوشحالی میں اس کے شکر اور تنگی میں اس کے صبر کو آزمائیں گے؛ یہ حضرت حسن بصری نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہم اسے مکلف بنائیں گے۔ اس میں بھی دو صورتیں ہیں (۱) پیدائش کے بعد عمل کے ساتھ؛ یہ مقاتل کا قول ہے۔ (۲) دین کے ساتھ تاکہ اسے طاعت کا حکم دیا جائے اور معاصی سے روکا جائے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس کا معنی ہے ہم اسے ایک مخلوق سے دوسری مخلوق کی طرف پھیریں گے تاکہ ہم خیر و شر کے ساتھ اسے آزمائیں۔ محمد بن جہیم

نے فراء سے حکایت بیان کی کہا: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا ۝ ہم نے اسے سمیع و بصیر بنایا ہے تاکہ ہم اسے آزمائیں یہ مقدم ہے اس کا معنی موخر ہے۔

میں کہتا ہوں کہ آزمائش خلقت کے مکمل ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اس کے کان بنائے جس کے ساتھ ہدایت کو سنے اور اس کی آنکھیں بنائیں تاکہ اس کے ساتھ ہدایت کو دیکھے۔

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ ہم نے اس کے لیے واضح کیا اور ہم نے رسول مبعوث کر کے اس کو ہدایت و گمراہی اور خیر و شر کے راستوں کی پہچان کرائی، پس وہ ایمان لایا اور کفر کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد) اور ہم نے دونوں راستوں کی طرف اس کی راہنمائی کی۔ ضحاک، ابو صالح اور سدی نے کہا: یہاں سبیل سے مراد اس کا رحم سے نکلنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کے منافع اور مضرتیں ہیں جن کی طرف وہ طبعی اور کمال عقل کی بنا پر ہدایت پاتا ہے۔

اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝ ان دونوں میں سے جو بھی کرے ہم نے اس کے لیے واضح کر دیا ہے۔ کوفیوں نے کہا: یہاں ان شرطیہ ہے اور ما زائد ہے یعنی ہم نے اس کے لیے راستہ کو واضح کیا ہے وہ شکر کرے یا کفر کرے۔ فراء نے اسے پسند کیا ہے اور بصریوں نے اس کو جائز قرار نہیں دیا، کیونکہ ان جزا کے لیے اسماء پر داخل نہیں ہوتا مگر اس صورت میں کہ اس کے بعد فعل مضمر ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اس کی رشد کی طرف راہنمائی کی یعنی ہم نے دلائل قائم کر کے اس کے لیے توحید کے راستہ کو واضح کیا پھر اگر ہم اس کے لیے ہدایت کو تخلیق کر دیں تو وہ ہدایت پا جاتے اور ایمان لے آتے اور اگر ہم اس کو بے یار و مددگار چھوڑ دیں تو وہ کفر اختیار کرے وہ اس طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: قد نصحت لك إن شئت فاقبل وإن شئت فاترك میں نے تجھے نصیحت کر دی ہے چاہے تو اسے قبول کرے چاہے اسے ترک کر دے۔ یعنی اصل میں فإن شئت تھا تو تاء کو حذف کیا گیا اِمَّا شَاكِرًا بھی اسی طرح ہے۔ واللہ اعلم۔

یہ قول کیا جاتا ہے: هديته السبيل وللسبيل والى السبيل۔ یعنی فعل واسطہ کے بغیر، لام اور الی کے واسطہ کے ساتھ دوسرے مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے۔ سورۂ فاتحہ اور دوسری سورتوں میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

شاکر اور کفور کو جمع کیا ہے شکور اور کفور کو جمع نہیں کیا جب کہ دونوں مبالغہ کے معنی میں جمع ہیں مقصود شکر میں مبالغہ کی نفی اور کفر میں اس کا اثبات ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کیا جا سکتا پس اس سے مبالغہ منتفی ہو گیا اور کفر سے مبالغہ منتفی نہیں۔ نعمتوں کی زیادتی کی وجہ سے شکر کم ہے اور کفر زیادہ ہے اگرچہ احسان کے مقابلہ میں کم ہے؛ یہ ماوردی نے حکایت بیان کی ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ سَلٰسِلَا۟ وَاَغْلٰلًا وَّسَعِيْرًا ۝

"بے شک ہم نے بالکل تیار کر رکھی ہیں کفار کے لیے زنجیریں، طوق اور بھڑکتی آگ"۔

دونوں فریقوں (ناشکری کرنے والے، شکر گزار) کی حالت کو بیان کیا اللہ تعالیٰ نے عقلاء سے مطالبہ کیا کہ وہ ان اوامر کو بجا لائیں جن کا انہیں حکم دیا گیا، انہیں مکلف بنایا اور انہیں ان امور پر قادر بنایا۔ جو انکار کرے اس کے لیے عتاب ہے اور

جو اس کی وحدانیت کو تسلیم کرے اور شکر بجالائے اس کے لیے ثواب ہے۔ السلاسل سے مراد جہنم کی بیڑیاں ہیں ہر بیڑی کی لمبائی ستر ہزار گز ہے جس طرح سورۃ الحاقہ میں گزر چکا ہے۔ نافع، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے اور ہشام نے ابن عامر سے سلاسلا تنوین کے ساتھ نقل کیا ہے جب کہ باقی قراء نے اسے تنوین کے بغیر پڑھا ہے۔ قنبل، ابن کثیر اور حمزہ نے بغیر الف کے وقف کیا ہے جب کہ باقی قراء نے الف کے ساتھ وقف کیا ہے۔ جہاں تک پہلے قواریر کا تعلق ہے اسے نافع، ابن کثیر، کسائی اور ابوبکر نے عاصم سے تنوین کے ساتھ روایت نقل کیا ہے باقی قراء نے تنوین نہیں پڑھی۔ یعقوب اور حمزہ نے الف کے بغیر اس پر وقف کیا ہے اور باقی قراء نے الف پر وقف کیا ہے۔ جہاں تک دوسرے قواریر کا تعلق ہے اسے نافع، کسائی اور ابوبکر نے تنوین دی ہے، باقی قراء نے اسے تنوین نہیں دی۔ جس نے اسے تنوین دی ہے اسے الف کے ساتھ پڑھا ہے جس نے تنوین نہیں پڑھی اس سے الف کو ساقط کر دیا ہے۔ ابوعبید نے تینوں میں تنوین اور الف پر وقف کو اختیار کیا ہے وہ مصحف عثمانی کی اتباع کرتے ہیں کہا: میں نے مصحف عثمانی، سلاسلا کو الف اور پہلے قواریرا کو الف کے ساتھ دیکھا دوسرا الف کے ساتھ لکھا ہوا تھا تو اسے مٹا دیا گیا۔ میں نے اس کا واضح اثر دیکھا۔ جو اسے منصرف بنائے تو اس کے پاس چار دلیلیں ہیں (۱) جمع الجمع احاد کے مشابہ ہے تو اس کو احاد کی جمع کی طرح جمع بنایا گیا۔ اسے احاد کے حکم میں رکھا گیا تو وہ منصرف ہو گئے (۲) اخفش نے عربوں سے ان تمام اسماء کو منصرف نقل کیا ہے جو منصرف نہیں ہوتے مگر اسم تفضیل کا صیغہ جو من کے ساتھ استعمال ہو رہا ہو: کسائی اور فراء نے اسی طرح کہا ہے۔ یہ ان لوگوں کی لغت کے مطابق ہے جو تمام اسماء کو جر دیتے ہیں مگر وہ اظرف منك کو جر نہیں دیتے۔ ابن انباری نے اس بارے میں عمرو بن کلثوم کا شعر پڑھا:

كَأَنَّ سُيُوفَنَا فِينا وَ فِيهِمْ مَخَارِيقٌ بِأَيْدِي لَاعِبِينَا

گویا ہماری تلواریں ہم میں اور ان میں دھجیوں سے بٹے ہوئے کوڑے ہیں جو ہمارے کھیلنے والوں کے ہاتھوں میں ہوتے ہیں۔

لبید نے کہا:

وجَزُورِ أَيْسَارٍ دَعوتُ لِحَتْفِها بِمَغَالِقٍ مُتَشَابِهٍ أَجْسَامُهَا

فَضَلًا وذِي كَرَمٍ يُعِينُ عَلى النَّدَى سَمْحٌ كَسُوبُ رَغَائِبٍ غَنَّامُهَا

ان اشعار میں مخاریق، مغالق اور رغائب کو منصرف پڑھا گیا ہے جب کہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ یہ منصرف نہ ہوتے۔

(۳) پہلے قواریر کو تنوین دی جائے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے اور آیات کے سرے تنوین کے ساتھ آتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مذکورا، سمیعا، بصیرا۔ پہلے کو تنوین اس لیے دی گئی کیونکہ وہ آیت کا سرا ہے اور دوسرے کو پہلے کے جوار کی وجہ سے تنوین دی گئی۔

(۴) مصاحف کی اتباع کرتے ہوئے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں مکہ مکرمہ، مدینہ طیبہ اور کوفہ کے مصاحف میں الف کے ساتھ ہیں۔

جوان کو تنوین نہیں دیتا اس نے اس چیز سے استدلال کیا ہے کہ ہر جمع جس کے الف کے بعد تین حرف ہوں، دو حرف ہوں یا ایک حرف مشدد ہو۔ وہ معرفہ اور نکرہ میں منصرف نہیں ہوتے جس جمع میں الف کے ساتھ تین حرف ہوتے ہیں جیسے قنادیل، دنانیر اور منادیل۔ جس کے الف کے بعد دو حرف ہوتے ہیں جیسے صوامع، مساجد جس کے الف کے بعد حرف مشدد ہوتا ہے، شواب، دواب۔

خلف نے کہا: میں نے یحییٰ بن آدم کو امام ابن ادریس سے روایت نقل کرتے ہوئے سنا کہ پہلے مصاحف میں پہلا قواریر الف کے ساتھ تھا اور دوسرا الف کے بغیر تھا۔ یہ حمزہ کے مذہب کی دلیل ہے۔ خلف نے کہا: میں نے ایک مصحف میں دیکھا جسے حضرت ابن مسعود کی قراءت کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ پہلا الف کے ساتھ اور دوسرا بغیر الف۔ جہاں تک اسم تفضیل جو من کے ساتھ استعمال ہو، عربوں میں سے کوئی بھی شعر یا غیر شعر میں تنوین کے ساتھ نہیں پڑھتا، کیونکہ من اضافت کے قائم مقام ہوتا ہے تو تنوین اور اضافت کو ایک حرف میں جمع نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ دونوں اسم کی دلیلیں ہیں دونوں کو جمع نہیں کیا جائے گا: یہ فراء اور دوسرے علماء نے کہا۔

اَغْلٰلًا وَّ سَعِیْرًا ۝ اغلال یہ غل کی جمع ہے جس کے ساتھ ان کے ہاتھوں کو ان کی گردن کے ساتھ جکڑ دیا جائے گا۔ جبیر بن نفیر نے حضرت ابودرداء سے روایت نقل کی ہے وہ کہا کرتے تھے: ان ہاتھوں کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اٹھاؤ قبل اس کے کہ انہیں گردنوں کے ساتھ جکڑ دیا جائے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جہنمیوں کی گردنوں میں طوق اس لیے نہیں ڈالے جائیں گے کہ انہوں نے اپنے رب کو عاجز کر دیا ہے بلکہ انہیں ذلیل و رسوا کرنے کے لیے طوق ڈالے جائیں گے (1)۔

سَعِیْرًا کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ یُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِیْرًا ۝

”بے شک نیک لوگ پئیں گے شراب کے ایسے جام جن میں آب کافور کی آمیزش ہوگی۔ (کافور) ایک چشمہ ہے جس سے اللہ کے (وہ) خاص بندے پئیں گے اور جہاں چاہیں گے اسے بہا کر لے جائیں گے“۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ، ابرار سے مراد اہل صدق ہیں جس کا واحد بر ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا: بر سے مراد موحد ہے۔ ابرار، بار کی جمع ہے جس طرح شاھد کی جمع اشھاد آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ بر کی جمع ہے جس طرح نہر کی جمع انہار آتی ہے۔ صحاح میں ہے برّ کی جمع ابرار ہے اور بار کی جمع بررۃ ہے جملہ بولا جاتا ہے: فلان یبر خالقہ ویتبررہ یعنی وہ اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے۔

الام برۃ بولدھا ماں اپنے بچے کے ساتھ نیکی کرتی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی

1۔ ابن ابی شیبہ، جلد 13، صفحہ 170۔ درمنثور، جلد 4، صفحہ 44

ہے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان کا نام ابرار رکھا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے والدین اور بیٹوں کے ساتھ حسن سلوک کیا، جس طرح تیرے والد کا تجھ پر حق ہے اس طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے''(1) حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: بر وہ ہے جو اولاد کو تکلیف نہ دے۔ قتادہ نے کہا: ابرار وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کا حق ادا کرتے ہیں اور نذر پوری کرتے ہیں حدیث طیبہ میں ہے ''ابرار وہ ہیں جو کسی کو اذیت نہیں دیتے''۔

یَشْرَبُوْنَ مِنْ كَاْسٍ، کأس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں مشروب ہو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد شراب ہے۔ لغت میں کأس ایسے برتن کو کہتے ہیں جس میں شراب ہو جب اس میں شراب نہ ہو تو اسے کأس نہیں کہتے۔ عمرو بن کلثوم نے کہا:

صَبَنْتِ الكَأسَ عَنَّا أُمَّ عَمْرٍو ۔۔۔ وكان الْكَأْسُ مَجْرَاها الْيَمِينَا

اے ام عمرو! تو نے ہم سے پیالے کو روک لیا جبکہ پیالے کو دائیں جانب سے چلانا چاہیے۔

اصمعی نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے صَبَنْتَ عنّا الهديةَ أو ما كان من معروف تو نے ہم سے ہدیہ یا احسان کو روک لیا۔ صبنت تَصْبِنُ صَبْنًا معنی ہے تو نے روک لیا؛ یہ جوہری کا قول ہے۔

كَانَ مِزَاجُهَا كَافُوْرًا ۝ مزاج کا معنی ہے اس کی آمیزش۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے کہا:

كَأَنَّ سَبِيئَةً مِنْ بَيْتِ رَأْسٍ ۔۔۔ يكونُ مِزَاجُهَا عَسَلٌ وماءُ

گویا بیت رأس (اردن کا ایک مقام) کے شراب میں شہد اور پانی کی آمیزش تھی۔

اس سے بدن کا مزاج ہے اس سے مراد یہ ہے صفراء، سوداء، حرارت اور برودت۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جنت میں ایک چشمہ کا نام ہے جسے کافور کا چشمہ کہتے ہیں یعنی اس میں اس چشمہ کے پانی کی آمیزش ہوگی جسے کافور کہتے ہیں۔ سعید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے: ان کے لیے شراب میں کافور کی آمیزش کی جائے گی اور اس پر مشک کی مہر ہوگی؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: مزاج سے مراد اس کا ذائقہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافور اس کی خوشبو کے اعتبار سے ہوگا نہ کہ ذائقہ کے اعتبار سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ارادہ کیا ہے وہ سفیدی، عمدہ خوشبو اور ٹھنڈک میں کافور کی طرح ہوگا کیونکہ کافور کو پیا نہیں جاتا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا (الکہف: 96) آیت میں نَارًا سے مراد آگ کی طرح ہے۔ ابن کیسان نے کہا: اسے کستوری، کافور اور زنجبیل کے ساتھ عمدہ بنا دیا گیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ دنیا کا کافور نہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں موجود چیز کو تمہارے ہاں موجود چیز کے ساتھ نام دیا ہے تاکہ تمہارے دل اس تک پہنچ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَانَ مِزَاجُهَا میں كَانَ زائدہ ہے یعنی ایسا جام جس میں کافور کی آمیزش ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ فراء نے کہا: کافور جنت میں پانی کے ایک چشمہ کا نام ہے عَيْنًا کافور سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ كَاْسٍ کے محل سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مِزَاجُهَا کی ضمیر سے بدل ہے۔ ایک قول یہ کیا

1۔ الکامل ابن عدی، جلد 4، صفحہ 1630

گیا ہے: یہ بطور مدح منصوب ہے جس طرح ایک آدمی کا ذکر کیا جاتا ہے تو تو کہتا ہے: العاقل اللبیب یعنی تم نے عقل مند دانا آدمی کا ذکر کیا یہ اعنی فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ چشمہ سے پانی پیتے ہیں۔ کافور کو قافور بھی کہتے ہیں کافور سے مراد کھجور کے گابھے کا پردہ ہے اسی طرح کفری ہے یہ اصمعی نے کہا:

وہ ہرن جس سے کستوری حاصل کی جاتی ہے وہ پاکیزہ خوشے کھاتا ہے تو یہ چیز اسے کافور بنا دیتی ہے۔ فراء نے کہا: یشرب بھا او یشرف بھا دونوں معنی میں ایک جیسے ہیں گویا یَشْرَبُ بِهَا کا معنی ہے وہ اس سے سیراب ہوتا ہے اور یہ شعر پڑھا:

شَرِبْنَ بِماءِ البَحْرِ ثم تَرَفَّعَتْ مَتَى لُجَجٍ خُضْرٍ لَهُنَّ نَئِيجُ

وہ سمندر کے پانی سے سیراب ہو گئے پھر وہ سبز لہروں میں اوپر اٹھے جو لہریں تیز اور آواز والی تھیں۔

کہا: اس کی مثل ہے فلان یتکلم بکلام حسن اور یتکلم کلا ما حسنا۔ فلاں اچھی گفتگو کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یَشْرَبُ بِهَا میں باء زائدہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، من کا بدل ہے تقدیر کلام یوں ہوگی یشرب منھا، یہ قتبی نے کہا۔

يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ایک آدمی اپنے گھروں میں گھومے پھرے گا اپنے محلات کی طرف اوپر جائے گا اس کے ہاتھ میں ایک ٹہنی ہوگی جس کے ساتھ وہ پانی کی طرف اشارہ کرے گا تو وہ پانی اس کے ساتھ ساتھ چلے گا جہاں جہاں وہ اپنے گھروں میں گھومے گا، وہ سطح زمین پر ہوگا کوئی نالہ، کھالہ نہ ہوگا۔ وہ محلات میں جہاں جہاں جائے گا پانی اس کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا کا یہی مقصود ہے وہ نہریں نکالیں گے جس طرح ایک آدمی نہر کو یہاں وہاں نکالتا ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے وہ اسے لے جائیں گے جہاں چاہیں گے۔ وہ ان کی پیروی کرے گا جہاں سے وہ مڑیں گے وہ نہر بھی مڑ جائے گی۔

ابو مقاتل، ابو صالح سے وہ سعد سے وہ ابو سہیل سے وہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جنت میں چار چشمے ہیں، دو چشمے عرش کے نیچے سے نکلتے ہیں ان دو میں سے ایک تو وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور دوسرا زنجبیل ہے وہ عرش کے اوپر سے ابلتے ہیں ان میں سے ایک تو وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سلسبیل کے نام سے کیا ہے اور دوسرا تسنیم ہے''(1) حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں اس کا ذکر کیا ہے کہا: تسنیم مقربین کے لیے خاص ہے وہ اسے خالص پئیں گے، کافور، ابرار کے لیے ہے ابرار کو تسنیم سے آمیزہ ملے گا۔ زنجبیل اور سلسبیل یہ ابرار کے لیے ہے اس کی ان کے مشروب میں آمیزش ہوگی۔ اس کا قرآن حکیم میں ذکر ہے اسے کون پئے گا اس کے ذکر سے خاموشی اختیار کی گئی ہے۔ ابرار کے لیے جو آمیزہ کی صورت میں ہوگا تو وہ مقربین کے لیے خالص ہوگا۔ جو ابرار کے لیے خاص ہے وہ باقی جنتیوں کے لیے آمیزہ کی صورت میں ہوگا۔ ابرار سے مراد الصادقون ہیں اور مقربون سے مراد صدیقین ہیں۔

يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَ يَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ

1۔ الدر المنثور، جز 6، صفحہ 301

جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝

"جو پوری کرتے ہیں اپنی منتیں اور ڈرتے ہیں اس دن سے جس کا شر ہر سو پھیلا ہوگا۔ اور جو کھانا کھلاتے ہیں الله کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو۔ (اور کہتے ہیں) ہم تمہیں کھلاتے ہیں الله کی رضا کے لیے نہ ہم تم سے کسی اجر کے خواہاں ہیں اور نہ شکریے کے"۔

یُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ جب وہ نذر مانتے ہیں تو اس کی خلاف ورزی نہیں کرتے۔ معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے اس سے مراد الله تعالیٰ کی جانب سے فرض کی گئی نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، عمرہ اور دوسرے فرائض ہیں (1)۔ مجاہد اور عکرمہ نے کہا: جب وہ الله تعالیٰ کے حق میں نذر مانیں تو وہ اسے پورا کرتے ہیں۔ فراء اور جرجانی نے کہا: کلام میں اضمار ہے یعنی وہ دنیا میں نذر پوری کیا کرتے تھے۔ عرب اس مفہوم کو بیان کرنے کے لیے کبھی کان کا ذکر کرتے اور کبھی حذف کر دیتے۔

نذر۔ اس کی حقیقت یہ ہے مکلف نے اپنے نفس پر کسی چیز کو اس لیے واجب کیا کہ وہ اسے بجالائے گا اگر تو چاہے تو اس کی تعریف میں یہ بھی کہہ سکتا ہے: نذر سے مراد مکلف کا طاعات میں سے کسی چیز کو اپنے او پر واجب کرنا۔ اگر وہ اسے اپنے او پر واجب نہ کرتا تو وہ چیز اس پر واجب نہ ہوتی۔ کلبی نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اپنے وعدوں کو پورا کرتے ہیں: دونوں کا معنی ایک ہی ہے الله تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ (الحج: 29)

پھر وہ اپنی میل کو دور کریں اور حج کے وہ اعمال جن کو انہوں نے حج کے احرام کی وجہ سے اپنے او پر لازم کیا ہے ان کو پورا کریں۔ یہ قتادہ کے قول کو تقویت بہم پہنچاتا ہے کہ نذر میں وہ تمام چیزیں شامل ہوتی ہیں جن کو انسان اپنے ایمان کی وجہ سے لازم کرتا ہے جیسے الله تعالیٰ کے احکام کی اطاعت؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ اشہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ نذر پوری کرنے سے مراد یہ ہے وہ غلام آزاد کرنے، روزے رکھنے اور نماز پڑھنے کی نذر کو پورا کرتے ہیں۔ ابوبکر بن عبدالعزیز نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ امام مالک نے کہا: نذر سے مراد قسم ہے۔

وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وہ قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں جس کا شر غالب، چھا جانے والا اور عام ہے۔ لغت میں مُسْتَطِيْرًا کا معنی پھیلا ہوا ہے۔ عرب کہتے ہیں: استطار الصدع فی القارورۃ والزجاجۃ واستطال بوتل اور شیشے میں ٹوٹنے کی لکیر لمبی ہو گئی؛ اعشٰی نے کہا:

وَبَانَتْ وَقَدْ أَسْأَرَتْ فِي الْفُؤَا دِ صَدْعًا عَلَى نَأْيِهَا مُسْتَطِيْرًا

وہ جدا ہوئی اس نے اپنی دوری کی وجہ سے دل میں لمبا شق چھوڑا۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: استطار الحریق آگ پھیل گئی۔ استطار الفجر روشنی پھیل گئی؛ حضرت حسان نے کہا:

وَهَانَ عَلَى سَرَاةِ بَنِي لُؤَيٍّ حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

بویرہ کے مقام پر بنو لوی کے سرداروں پر پھیل جانے والی آگ آسان ہو گئی۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 23، صفحہ 541-542

قتادہ کہا کرتے تھے: اللہ کی قسم! اس دن کا شر پھیل جائے گا یہاں تک کہ وہ آسمانوں اور زمین کو بھر دے گا(1)۔ مقاتل نے کہا: اس کا شر آسمانوں میں پھیل گیا تو وہ پھٹ گئے، ستارے ٹوٹ گئے، فرشتے خوفزدہ ہو گئے، زمین میں پہاڑ اڑ گئے اور پانی انتہائی گہرائی میں چلے گئے۔

وَ يُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّ يَتِيْمًا وَّ اَسِيْرًا ۝ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے کہا: وہ کھانا تھوڑا ہونے، اس کی محبت ہونے اور اس کی چاہت ہونے کے باوجود دوسروں کو کھلاتے ہیں۔ دارانی نے کہا: حُبِّهٖ کی ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ فضیل بن عیاض نے کہا: کھانا کھلانے کی محبت رکھتے ہوئے کھانا کھلاتے ہیں۔ ربیع بن خثیم کے پاس جب کوئی سائل آتا تو آپ فرماتے: اسے شکر کھلاؤ کیونکہ ربیع شکر پسند کرتے تھے۔

مسکین سے مراد مسکنہ والا ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے: دروازوں پر گردش کرنے والا وہ تجھ سے تیرے مال کا سوال کرتا ہے۔

یتیم سے مراد مسلمانوں کا یتیم ہے۔ منصور نے حضرت حسن بصری سے روایت نقل کی ہے کہ ایک یتیم حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ کھانے میں شریک ہوتا تھا ایک روز آپ نے اپنا کھانا منگوایا یتیم کو طلب کیا تو اسے نہ پایا حضرت ابن عمر جب کھانے سے فارغ ہوئے تو اس وقت وہ یتیم آیا تو کھانا نہ پایا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اس کے لیے ستو اور شہد منگوایا فرمایا: اسے لے لو اللہ کی قسم! تیرے ساتھ کوئی غبن نہیں کیا گیا۔

اسیر سے مراد وہ شخص ہے جسے قید کر دیا جائے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اسیر سے مراد مشرک ہے جو مسلمانوں کے قبضہ میں ہے؛ یہ قتادہ کا بھی قول ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے: اسیر سے مراد وہ شخص ہے جسے قید کیا گیا ہو۔ سعید بن جبیر اور عطا نے یہی کہا ہے: اس سے مراد وہ مسلمان شخص ہے جسے کسی حق کے بدلہ میں قید کیا گیا ہو۔ سعید بن جبیر نے قتادہ اور حضرت ابن عباس جیسا قول کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے قیدیوں کے بارے میں حکم دیا کہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے ان کے قیدی ان دنوں میں مشرک ہوا کرتے تھے، تیرا مسلمان بھائی اس چیز کا زیادہ حق دار ہے کہ تو اسے کھلائے۔ عکرمہ نے کہا: اسیر سے مراد غلام ہے۔ ابو حمزہ ثمالی نے کہا: اسیر سے مراد عورت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: استوصوا بالنساء خیرًا فانھن عوان عندکم(2) عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو کیونکہ وہ تمہاری قید میں ہیں۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی فرمایا: ”مسکین سے مراد فقیر ہے، یتیم سے مراد جس کا باپ نہ ہو اور اسیر سے مراد قیدی ہے“۔ یہ قشیری نے ذکر کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مسکین کو کھانا کھلانے والی آیت کو صدقات والی آیت نے منسوخ کر دیا، قیدی کو کھانا کھلانے والی آیت کو تلوار والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: اس کا حکم ثابت ہے یتیم و مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم نفل کے طور پر ہے، قیدی کو کھانا کھلانے کا حکم اس کی جان کی حفاظت کی خاطر ہے مگر امام اس کے

1۔ تفسیر طبری 2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب حق المرأۃ علی الزوج، حدیث نمبر 1840، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بارے میں جو پسند کرے۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ اسیر سے مراد ناقص العقل ہو کیونکہ وہ اپنے جنون کی قید میں ہے مشرک کی قید انتقام ہے جو امام کی رائے پر موقوف ہے یہی نیکی اور احسان ہے۔ عطا سے مروی ہے: اسیر اہل قبلہ اور دوسرے لوگوں میں سے بھی ہو سکتا ہے۔

میں نے کہا: گویا یہ قول عام ہے جو تمام اقوال کو جامع ہے اور مشکوک قیدی کو کھانا کھلانا اللہ تعالیٰ کے ہاں عبادت ہے مگر یہ نفلی صدقہ ہوگا جہاں تک فرضی صدقات ہیں تو وہ ان پر صرف کرنا جائز نہیں۔ مسکین، یتیم، اسیر اور لغت میں ان کے اشتقاق کے بارے میں گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔

اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ وہ مسکین، یتیم اور اسیر کو اپنی زبانوں سے یہ کہتے ہیں: ہم تمہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے، اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے کھلاتے ہیں۔ ہم تم سے کسی بدلہ کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ یہ چاہتے ہیں کہ تم اس بارے میں ہماری تعریف کرو۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: دنیا میں جب وہ کھانا کھلاتے تھے تو ان کی یہی نیتیں ہوا کرتی تھیں۔ سالم نے مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے: انہوں نے اپنی زبانوں سے یہ بات نہیں کی لیکن اللہ تعالیٰ کو ان کے بارے میں یہ علم تھا اس لیے ان کی ان الفاظ سے تعریف کی تاکہ رغبت کرنے والا اس بارے میں ان سے رغبت کرے۔ سعید بن جبیر نے یہ بات کہی: قشیری نے ان سے یہ نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت مطعم بن ورقاء کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے نذر مانی تھی اور اسے پورا کیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ان مہاجرین کے حق میں نازل ہوئی جنہوں نے بدر کے قیدیوں کی کفالت اٹھائی تھی وہ سات افراد تھے، حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زبیر، حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد اور حضرت ابو عبیدہ رضوان اللہ علیہم اجمعین، یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ ایک انصاری کے حق میں نازل ہوئی جس نے ایک دن میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلایا تھا (1)۔

ابوحمزہ ثمالی نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ایک آدمی نے عرض کی یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھانا کھلایئے بے شک میں سخت مشقت میں ہوں۔ فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! میرے پاس تو کوئی ایسی چیز نہیں جو میں تجھے کھلاؤں لیکن تو کسی کو تلاش کر''۔ ایک انصاری کے پاس آیا جو اپنی بیوی کے ساتھ رات کا کھانا کھا رہا تھا اس آدمی نے اس انصاری سے سوال کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ذکر کیا بیوی نے کہا: اسے کھلاؤ، اسے پلاؤ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یتیم آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! مجھے کچھ کھلایئے۔ فرمایا: ''میرے پاس تو ایسی کوئی چیز نہیں جو تجھے کھلاؤں لیکن تم تلاش و جستجو کرو'' اس یتیم نے اس انصاری سے کھانا طلب کیا اس کی عورت نے کہا: اسے کھلاؤ پلاؤ، تو اس انصاری نے اسے کھلایا۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک قیدی آیا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کچھ کھلایئے کیونکہ میں سخت مشقت میں مبتلا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! میرے پاس کچھ بھی نہیں جو میں تجھے کھلاؤں

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 428

بلکہ تم طلب کرو" وہ اسی انصاری کے پاس گیا اس نے اس سے مطالبہ کیا اس کی بیوی نے کہا: اسے کھلاؤ اور اسے پلاؤ تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا ہے۔ علماء تفسیر نے کہا: یہ آیت حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی لونڈی فضہ کے بارے میں نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام نیک لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور جس نے بھی کوئی اچھا عمل کیا یہ آیت عام ہے۔ نقاش، ثعلبی، قشیری اور دوسرے کئی مفسرین نے حضرت علی شیر خدا، حضرت فاطمۃ الزہرا اور ان کی لونڈی کے بارے میں ایک روایت نقل کی ہے جو صحیح اور ثابت نہیں اسے لیث نے مجاہد سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما دونوں مریض ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کی عیادت کی اور عام لوگوں نے بھی ان کی عیادت کی انہوں نے کہا: اسے ابو الحسن جابر جعفی نے قنبر سے جو حضرت علی شیر خدا کے غلام تھے سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما بیمار ہوئے یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے ان کی عیادت کی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے اباالحسن! پھر حدیث، لیث بن سلیم کی حدیث کی طرف لوٹ جاتی ہے کاش! آپ اپنے بیٹوں کی جانب سے کوئی نذر مانتے ہر نذر جس کو پورا نہ کیا جائے تو وہ کوئی چیز نہیں ہوتی۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اگر میرے دونوں بچے صحت مند ہو جائیں تو میں شکرانہ کے طور پر اللہ تعالیٰ کے لیے تین روزے رکھوں گا۔ ان کی لونڈی نے کہا: اگر میرے دونوں سردار صحت مند ہو گئے تو میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کے لیے تین روزے رکھوں گی۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بھی اسی طرح کہا۔ جعفی کی حدیث میں ہے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین نے کہا: ہم پر بھی اسی کی مثل ہے۔ دونوں بچے صحت مند ہو گئے جبکہ سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آل کے ہاں کچھ بھی نہ تھا۔ حضرت علی شیر خدا شمعون بن حاریا خیبری کے پاس گئے وہ یہودی تھا اس سے تین صاع جو ادھار لیے اور انہیں لے آئے اسے گھر کے ایک کونے میں رکھا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے ایک صاع جو لیے اسے پیسا اور اس کی روٹیاں پکائیں۔ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر گھر آئے اور کھانا اپنے سامنے رکھا۔ جعفی کی حدیث میں ہے لونڈی نے ایک صاع جو لیے اس سے پانچ روٹیاں پکائیں ہر ایک کے لیے ایک روٹی تھی جب پہلا روزہ مکمل ہوا تو انہوں نے اپنے سامنے روٹی اور نمک رکھا کہ ان کے پاس ایک مسلمان مسکین آیا کہا: اللہ کی قسم! میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تعالیٰ تمہیں جنت کے دستر خوان سے کھلائے حضرت علی شیر خدا نے اسے سنا تو یہ شعر پڑھنے لگے:

فاطمَ ذاتَ الفضلِ واليقينْ   يا بنتَ خيرِ النّاسِ أجمعينْ

اے فاطمہ! اے فضل و یقین والی! اے تمام لوگوں سے بہتر کی بیٹی!۔

أما ترَيْنَ البائسَ المسكينْ   قد قام بالباب له حنينْ

کیا تو محتاج کو نہیں دیکھتی دروازے پر ایک ایسا آدمی کھڑا ہے جس کی دکھ بھری آواز آرہی ہے۔

يشكو إلى الله ويستكينْ   يشكو إلينا جائعٌ حزينْ

وہ اللہ کی بارگاہ میں اپنی شکایت کرتا ہے اور ہمارے سامنے ایک بھوکا غمگین شکایت کرتا ہے۔

كل امرئ بكسبه رهين وفاعل الخيرات يستبين

ہر آدمی اپنے عمل کے بدلے میں رہن رکھا گیا ہے اور بھلائیاں کرنے والا واضح ہوتا ہے۔

موعدُنا جنّة عِلّيين حرّمها الله على الضّنين

ہمارے ساتھ اعلیٰ علیین کا وعدہ کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے بخیل پر اسے حرام کر دیا ہے۔

وللبخيل موقفٌ مهينٌ تهوي بِهِ النّار إلى سجّين

بخیل کے لیے رسوا کرنے والا ٹھکانہ ہے جہنم اسے سجین تک لے جائے گی۔

شرابه الحميم والغِسْلِين من يفعلِ الخيرَ يقم سمين

اس کا مشروب کھولتا ہوا پانی اور جہنمیوں کا نچوڑ ہوگا جو بھلائی کرتا ہے وہ موٹا ہوگا۔

ويَدْخُل الجنّة أيّ حِيْن

وہ جنت میں جس وقت چاہے گا داخل ہو جائے گا۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہنے لگیں:

أمرُكَ عندي يا بن عَمّ طاعةٌ مابِيَ من لُؤم ولا وَضَاعةٌ

اے چچازاد! تیرا حکم میرے نزدیک قابل اطاعت ہے میرے نزدیک ملامت کا باعث اور بے وقعت نہیں۔

غَذَيْتُ في الخبز له صناعةٌ أطعِمه ولا أُبالي السّاعةٌ

میں نے روٹی تیار کرنے میں دن صرف کر دیا ہے اسے کھلاؤ اس وقت مجھے کوئی پرواہ نہیں۔

أرجو إذا أشبعتُ ذا المَجَاعةٌ أنْ ألحق الأخيارَ والجَماعةٌ

جب میں بھوکے کو سیر کروں گی تو میں نیک لوگوں اور جماعت کے ساتھ جا ملوں گی۔

وأدخلَ الجَنّة لي شَفَاعةٌ

میں جنت میں داخل ہو جاؤں گی میرے لیے شفاعت ہے۔

گھر والوں نے اسے کھانا کھلا دیا وہ اس دن اور رات بھوکے رہے اس روز انہوں نے خالص پانی کے سوا کچھ نہ چکھا جب دوسرا دن ہوا انہوں نے دوسرا صاع جو کا لیا اسے پیسا اور اس سے روٹی پکائی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر آپ گھر آئے اور کھانا اپنے سامنے رکھا تو دروازے پر ایک یتیم آ کھڑا ہوا اس نے کہا: السلام علیکم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو! میں مہاجرین کی اولاد میں سے ایک یتیم ہوں میرا والد یوم عقبہ کو شہید ہو گیا مجھے کھانا کھلاؤ اللہ تعالیٰ آپ کو جنت کے دستر خوان سے کھانا کھلائے۔ حضرت علی شیر خدا نے اس کی آواز سنی اور یہ شعر پڑھنا شروع کر دیے:

فاطمَ بنتَ السّيدِ الكريمْ بنتَ نبي ليس بالزّنيمْ

اے سید کریم کی بیٹی! اے نبی کی بیٹی! جو بے شان نہ تھے۔

لقد أتى الله بذی الیتیم   من یرحم الیوم یکن رحیم

اللہ تعالیٰ ایک یتیم کو لایا، جو آج اس پر رحم کرے گا اس پر رحم کیا جائے گا۔

ویدخل الجنة أی سلیم   وقد حرم الخلد علی اللئیم

جنت میں کوئی بھی سلیم الفطرت داخل ہو جائے گا اور جنت کمینے آدمی پر حرام کر دی گئی ہے۔

ألا یجوز الصراط المستقیم   یزل فی النار إلی الجحیم

وہ پل صراط پر سے نہیں گزر سکے گا اور وہ جحیم تک آگ میں پھسلتا ہی جائے گا۔

شرابه الصدیدُ والحمیمْ

اس کا مشروب پیپ اور کھولتا ہوا پانی ہوگا۔

حضرت فاطمہ بنت نبی نے یہ کہنا شروع کر دیا۔

أطعمه الیوم ولا أبالی   وأوثر الله علی عیالی

آج اسے کھلاؤ اور مجھے کوئی پرواہ نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے ہماری اولاد پر ترجیح دی ہے۔

أمسَوا جیاعًا وهم أشبالی   أصغرهم یُقتَلُ فی القتالِ

انہوں نے بھوکے شام کی جب کہ وہ میرے شیر ہیں، ان میں سب سے چھوٹا جنگ میں قتل کیا جاتا ہے۔

بِکَربَلا یُقتَلُ باغتیالِ   یاویلُ لِلقاتِلِ مَعْ وَبالِ

کربلا میں اسے دھوکہ سے قتل کیا جائے گا ہائے قاتل کے لیے عذاب کے ساتھ ہلاکت ہے۔

تَهوی به النار إلی سِفالِ   وفی یدیه الغُلُّ والأغلالِ

آگ انہیں نیچے تک لے جائے گی اور اس کے ہاتھوں میں طوق اور بیڑیاں ہوں گی۔

کبولة زادت علی الأکبالِ

انہوں نے اسے کھانا کھلایا وہ دو دن اور دو راتیں ٹھہرے رہے انہوں نے خالص پانی کے سوا کوئی چیز نہ چکھی۔ جب تیسرا دن تھا انہوں نے باقی ماندہ صاع لیا اسے پیسا اور اس کی روٹیاں پکائیں۔ حضرت علی شیر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پھر وہ گھر آئے کھانا ان کے سامنے رکھا گیا کہ ایک قیدی ان کے پاس آگیا وہ دروازے پر کھڑا ہو گیا اس نے کہا: اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والو! تم ہمیں قیدی بناتے ہو ہمیں باندھتے ہو اور ہمیں کھانا نہیں کھلاتے، مجھے کھانا کھلاؤ کیونکہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا قیدی ہوں۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس کی بات سنی تو آپ یہ اشعار پڑھنے لگے:

فاطم یا بنتَ النبیِّ أحمدْ   بنت نبیٍّ سیِّدٍ مُسَوَّدْ

اے فاطمہ! اے نبی احمد کی بیٹی! اے سردار نبی کی بیٹی!

وسماہ اللہ فھو محمد　قد زانہ اللہ بِحسنٍ أَغیدْ

اللہ تعالیٰ نے ان کا نام رکھا پس وہ محمد ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت ہی حسین بنایا ہے۔

ھذا أسِیرٌ للنبیّ المھتدَ　مُثقَلٌ فی غُلِّہ مُقیَّدْ

یہ ہدایت یافتہ نبی کا قیدی ہے یہ اپنے طوق کے نیچے دبا جا رہا ہے یہ بیڑیوں میں قید ہے۔

یَشکو إلینا الجوعَ قد تمددَ　من یُطعِم الیومَ یجِدہ فی غدْ

وہ ہمارے سامنے طویل بھوک کی شکایت کرتا ہے جو آدمی آج کھلاتا ہے کل اسے پالے گا۔

عند العلیّ الواحِدِ الموحَّدْ　ما یزرع الزارِعُ سوف یَحصُدْ

اللہ تعالیٰ جو بلند شان والا یکتا ہے، جو اس کے ہاں نیکی کرے عنقریب اسے کاٹے گا۔

أعطیہ لا لا تجعلِیہِ أقعد

اسے عطا کیجئے اسے رسوا نہ کیجئے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے یہ شعر پڑھنے شروع کر دیئے:

لم یَبْقَ مما جاء غیرُ صاعْ　قد ذھبت کَفِّی مع الذِّراعْ

جو وہ کھانا لائے اس میں سے صاع کے سوا کچھ باقی نہیں بچا میری تو ہتھیلی بازو کے ساتھ جاتی رہی۔

ابنایَ واللہ ھم جِیَاعْ　یا ربِّ لا تترکھما ضیاعْ

اللہ کی قسم! میرے دونوں بیٹے بھوکے ہیں اے میرے رب! ان دونوں کو ضائع نہ ہونے دے۔

أبوھما للخیر ذو اصطناعْ　یَصطنِع المعروفَ بابتداعْ

ان دونوں کا والد نیکی کرنے والا ہے وہ شروع سے نیکی کرنے والا ہے۔

عَبْلُ الذِّراعین شدید الباعْ　وما علی رأسِیَ من قِناعْ

وہ بٹے ہوئے بازوں والا اور ضرورت مند ہے اور میرے سر پر اوڑھنی بھی نہیں۔

إلّا قناعًا نَسْجُہ أنْسَاعْ

مگر ایسی اوڑھنی جو تسمہ کی طرح بن گئی ہو۔

انہوں نے اسے کھانا دیا اور تین دن اور تین راتیں خالص پانی کے سوا انہوں نے کسی چیز کو نہ چکھا جب چوتھا دن تھا جب کہ نذر پوری ہو چکی تھی تو حضرت علی شیر خدا نے اپنے دائیں ہاتھ میں حضرت حسن اور بائیں ہاتھ میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو پکڑا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ بھوک کی شدت سے چوزوں کی طرح کانپ رہے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا فرمایا: ''اے ابا الحسن میں تم میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں مجھے کس قدر تکلیف دے رہا ہے۔ ہمیں ہماری بیٹی کے پاس لے چلو'' وہ سب ان کی طرف گئے جبکہ وہ اپنی عبادت کی جگہ میں تھیں ان کا پیٹ ان کی پشت کے ساتھ لگا ہوا تھا جب رسول اللہ

ﷺ نے انہیں دیکھا اور ان کے چہرہ میں بھوک کے آثار کو دیکھا تو آپ رو دیئے: ''فرمایا اے اللہ! محمد (ﷺ) کے گھر والے بھوک کی وجہ سے مرے جارہے ہیں'' حضرت جبریل امین نازل ہوئے اور سورۂ دہر کی آیات تلاوت کیں۔

حکیم ترمذی، ابوعبداللہ نے ''نوادر الاصول'' میں کہا(1): یہ حدیث من گھڑت ہے اس حدیث کو گھڑنے والے نے بڑی ذہانت سے کام لیا یہاں تک کہ سننے والوں پر معاملہ مشتبہ ہو گیا اس روایت سے جاہل افسوس کرتے ہوئے ہونٹ کاٹتا ہے کہ وہ اس صفت پر کیوں نہیں۔ وہ نہیں جانتا کہ اس طرح کا عمل کرنے والا قابل مذمت ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ (البقرہ:219)

وہ آپ سے سوال کرتے ہیں وہ کیا خرچ کریں فرمایئے: ضرورت سے زائد۔ فضل سے مراد وہ مال ہے جو تیری اور تیرے خاندان کی ضروریات سے زائد ہو۔ رسول اللہ ﷺ سے متواتر ایسی روایات آئی ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے جو اپنے پیچھے غنا چھوڑ جائے، اپنی ذات پر خرچ کرنا شروع کرو پھر ان پر خرچ کرو جو تیری زیر کفالت ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے خاوندوں پر اپنے گھر والوں اور اپنی اولاد کا نفقہ فرض کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک انسان کے لیے اتنا گناہ ہی کافی ہے کہ وہ قوت لایموت کو ضائع کر دے(2) کیا کوئی عقلمند یہ گمان کر سکتا ہے کہ حضرت علی شیر خدا اس امر سے ناواقف تھے یہاں تک کہ انہوں نے پانچ یا چھ سال کے بچوں کو تین دن اور تین راتیں بھوکا رکھا یہاں تک کہ وہ بھوک کی وجہ سے پیچ و تاب کھانے لگے، پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے ان کی آنکھیں اندر کو دھنس گئیں یہاں تک کہ ان کی تکلیف نے رسول اللہ ﷺ کو رلا دیا چلو انہوں نے سائل کو اپنی ذات پر ترجیح دی کیا یہ جائز تھا کہ وہ اپنے گھر والوں کو اس چیز پر برانگیختہ کرتے۔ چلو یہ بھی مان لیا کہ انہوں نے حضرت علی شیر خدا کی وجہ سے اس سخاوت کا اظہار کیا تو کیا یہ جائز تھا کہ وہ اپنے بچوں کو تین دن اور راتیں بھوک پر مجبور کرتے؟ اس قسم کی روایات جہال کے ہاں مشہور ہو سکتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ بیدار دلوں کے بارے میں اس چیز کو ناپسند کرتا ہے کہ وہ حضرت علی شیر خدا کے بارے میں اس چیز کا گمان کریں۔ کاش! میں یہ سمجھ سکتا کہ وہ کون تھا جس نے حضرت علی شیر خدا اور حضرت فاطمہ ؓ سے ان اشعار کو یاد رکھا اور دونوں نے جو ایک دوسرے کو جواب دیا اسے یاد رکھا یہاں تک کہ اس نے ان راویوں تک ان کو پہنچایا۔ یہ اور اس قسم کی روایات قیدیوں کی باتیں ہیں میرا یہی خیال ہے مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ کچھ لوگ قید خانوں میں ہمیشہ قید رہتے وہ کسی حیلہ کے بغیر وہاں رہتے وہ قصہ گوئی کے طریقہ پر یہ روایات لکھتے اس قسم کی روایات پر یہ مشق کی گئی جب اس قسم کی روایات ماہرین تک پہنچتیں تو وہ انہیں پھینک دیتے اور انہیں ناکارہ قرار دیتے ہر چیز کی کوئی نہ کوئی آفت ہوتی ہے اور دین کی آفت اور مکر بہت بڑھ کر ہوتا ہے۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ۝

''ہم ڈرتے ہیں اپنے رب سے اس دن کے لیے جو بڑا ترش (اور) سخت ہے پس بچا لے گا انہیں اللہ تعالیٰ اس

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 65
2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الزکوۃ، باب فی صلۃ الرحم، حدیث نمبر 1442، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دن کے شر سے اور بخش دے گا انہیں چہروں کی تازگی اور دلوں کا سرور"۔

اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ ، عَبُوْسًا یہ يَوْمًا کی صفت ہے یعنی ایسا دن جس کی ہولناکی اور شدت کی وجہ سے چہرے ترش رو ہوں گے، معنی ہے ہم ترش رو دن سے ڈرتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کافر اس دن ترش رو ہوگا یہاں تک کہ اس سے تارکول جیسا پسینا بہے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: العبوس کا معنی تنگ ہے۔ قمطریر کا معنی طویل ہے؛ شاعر نے کہا:

شدیدًا عبوسًا قمطریرًا سخت، ترش رو اور لمبا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: قمطریر کا معنی شدید ہے عرب کہتے ہیں: یوم قمطریر، قماطر، عصیب سب کا معنی ایک ہی ہے؛ فراء نے یہ شعر پڑھا:

بَنِي عَمِّنَا هل تَذْكُرُونَ بَلَاءَنَا عليكم إذا ما كان يومٌ قُمَاطِرُ

اے ہمارے چچا زاد بھائیو! کیا تم ہماری اس جنگ کو یاد کرتے ہو جو تمہارے خلاف ہوئی جب دن بہت سخت تھا۔

اقمطر کا معنی ہے جب وہ سخت ہو جائے۔ اخفش نے کہا: قمطریر کا معنی ہے دنوں میں سے جو سب سے سخت اور آزمائش میں طویل ہو؛ شاعر نے کہا:

فَفَرُّوا إذا ما الحرب ثار غُبارُه ولَجَّ بها اليومُ العَبُوسُ القُمَاطِرُ

جب جنگ نے غبار اڑایا تو وہ بھاگ گئے اور سخت آزمائش والا دن اس کے ساتھ گڈمڈ ہو گیا۔

کسائی نے کہا: اقمطر اليوم وازمهر، ان کا مصدر اقمطرار اور ازمهرار آتا ہے اسم فاعل قمطریر اور زمهریر ہے یوم مقمطر اس وقت کہتے ہیں جب وہ بہت ہی سخت ہو جائے؛ ہذلی نے کہا:

بَنُو الحَرْبِ أَرْضِعْنَا لهم مُقْمَطِرَّةٌ ومَنْ يُلْقَ مِنَّا ذلكَ اليومَ يَهْرُبِ

وہ سخت جنگجو ہیں ہمیں ان کے لیے دودھ پلایا گیا ہے جو اس دن ہم سے ملتا ہے بھاگ جاتا ہے۔

مجاہد نے کہا: عبوس اسے کہتے ہیں جو ہونٹوں سے ترشی کا اظہار کرے اور قمطریر وہ ہوتا ہے جو پیشانی اور دونوں ابروؤں سے اس کا اظہار کرے انہوں نے اس دن کی سختیوں کی وجہ سے متغیر چہرے کی صفات میں شمار کیا ہے۔

يَغْدُو على الصَّيْدِ يَعُودُ مُنْكَسِرْ ويَقْمَطِرُّ ساعةً ويَكْفَهِرُّ

وہ شکار پر حملہ آور ہوتا ہے جب کہ وہ ٹوٹ کر لوٹتا ہے وہ ایک لحہ کے لیے سخت ہوتا ہے اور سخت ترش ہو جاتا ہے۔

ابوعبید نے کہا: یہ کہا جاتا ہے رجل قمطریر یعنی دونوں آنکھوں کے درمیانی حصہ کو سمیٹنے والا ہے۔ زجاج نے کہا: اقمطرت الناقة یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اپنی دم کو اٹھائے اور اس کے دونوں کناروں کو جمع کر دے۔ وزمت بانفها اس نے ناک کی تکلیف کی وجہ سے سر اٹھایا ہوا ہے اس نے اسے قطر سے مشتق مانا ہے اور میم کو زائد شمار کیا۔

اسد بن ناعصہ نے کہا:

اصطليتُ الحروبَ فى كلِّ يومٍ باسلِ الشّرِّ قمطريرِ الصبّاحِ

میں ہر روز جنگوں میں شامل ہوا جو دن ترش جنگ والے اور ترش صبح والے تھے۔

فَوَقٰىهُمُ اللّٰهُ شَرَّ ذٰلِكَ الْيَوْمِ وَ لَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّ سُرُوْرًا ⑪ اللہ تعالیٰ نے ان سے اس دن کی شدت اور عذاب کو دور کر دیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی یعنی اسے دیکھا تو انہیں حسن و سرور عطا کیا۔ حسن اور مجاہد نے کہا: تر و تازگی ان کے چہروں میں اور خوشی ان کے دلوں میں تھی۔ نَضْرَةً میں تین صورتیں ہیں، ان میں سے ایک سفیدی اور صفائی ہے؛ یہ ضحاک نے کہا۔ دوسری حسن و خوبصورتی؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے۔ تیسری یہ نعمت کا اثر ہے؛ یہ ابن زید نے کہا۔

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ⑫ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ ۚ لَا يَرَوْنَ فِيْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِيْرًا ۚ⑬ وَ دَانِيَةً عَلَيْهِمْ ظِلٰلُهَا وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِيْلًا ⑭

''اور مرحمت فرمائے گا انہیں صبر کے بدلے جنت اور ریشمی لباس، وہاں پلنگوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے نہ نظر آئے گی انہیں وہاں سورج کی تپش اور نہ ٹھرن۔ اور قریب ہوں گے ان سے اس کے درختوں کے سائے اور میووں کے گچھے جھکے ہوئے لٹک رہے ہوں گے''۔

وَ جَزٰىهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّ حَرِيْرًا ⑫ انہوں نے فقر پر جو صبر کیا اللہ تعالیٰ اس پر انہیں جنت اور ریشم عطا فرمائے گا۔ قرظی نے کہا: روزوں پر جزا دے گا۔ عطا نے کہا: تین دن بھوکا رہنے پر جزا دے گا۔ یہ نذر کے دن ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنے، اللہ تعالیٰ کی معصیت اور اس کے محارم سے بچنے پر صبر کرنے پر جزا دے گا۔ ما مصدر یہ ہے۔ یہ تعبیر اس صورت میں ہوگی کہ یہ آیت تمام نیک لوگوں اور جس نے اچھا کیا اس کے بارے نازل ہوئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صبر کے بارے میں پوچھا گیا فرمایا: ''صبر کی چار صورتیں ہیں (۱) پہلے صدمہ پر صبر (۲) فرائض کی ادائیگی پر صبر (۳) اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب پر صبر (۴) مصائب پر صبر''۔

اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا اور انہیں ریشم پہنائے گا اسے دنیا کے ریشم کا نام دیا جاتا ہے اسی طرح آخرت میں ہوگا اور اس میں وہ کچھ ہوگا جو اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ یہ روایت پہلے گزر چکی ہے: جس نے دنیا میں ریشم کا لباس پہنا وہ آخرت میں ریشم کا لباس نہیں پہنے گا۔ میں جنت میں اسے پہناؤں گا جسے پہناؤں گا یہ حقیقت میں اس کے بدلے میں ہوگا کہ انہوں نے دنیا میں اپنے آپ کو ان ملبوسات سے اپنے آپ کو روکا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا تھا۔

مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ، ھاضمیر سے مراد جنت ہے مُّتَّكِـِٕيْنَ کو ھم ضمیر سے حال ہونے کی وجہ سے نصب دی گئی ہے۔ اس حال میں عامل جزی ہے صَبَرُوْا اس میں عامل نہیں ہے کیونکہ صبر دنیا میں تھا اور الاتکاء آخرت میں ہوگا۔ فراء نے کہا: اگر تو چاہے تو مُّتَّكِـِٕيْنَ کو صفت بنالے گویا کلام یوں ہوگی: جزاهم جنة متكئين فيها۔

خیموں میں پلنگوں پر، یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ عربوں سے کچھ ایسے اسماء آئے ہیں جو چند صفات پر مشتمل ہیں ان میں سے ایک الاریکہ ہے یہ نہیں بولا جاتا مگر ایسے پردے کے لیے جو چارپائی پر بنایا گیا ہو۔ انہیں میں سے ایک حجل ہے وہ پانی

سے بھرا ہوا ڈول ہے جب وہ پانی سے خالی ہو تو اس کو سجل نہیں کہتے۔ اسی طرح ذنوب ہے انہیں ذنوب نہیں کہتے مگر جب انہیں بھرا جائے، کاس کو کاس نہیں کہتے جب تک وہ شراب سے چھلک نہ رہا ہو، اسی طرح طبق ہے جب اس پر ہدیہ رکھ کر بھیجا جائے تو اسے مھدی کہتے ہیں، جب وہ تحفہ سے فارغ ہو تو اسے طبق اور خوان کہتے ہیں۔ ذو رمہ نے کہا:

خُدُودٌ جَفَتْ فِی السَّیْرِ حَتّٰی کَاَنَّمَا یُبَاشِرْنَ بِالْمَعْزَاءِ مَسَّ الْاَرَائِکِ

اس شعر میں الارائک سے مراد ایسے بستر ہیں جو چار پائیوں پر ہیں۔

لَا یَرَوْنَ فِیْهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا ۝ وہ جنت میں سورج کی گرمی جیسی گرمی نہ دیکھیں گے اور نہ ہی سخت ٹھنڈک۔

مُنَعَّمَةٌ طَفْلَةٌ کَالْمَهَا ةِ لَمْ تَرَ شَمْسًا وَلَا زَمْهَرِیْرًا

وہ نیل گائے کی طرح آسودہ اور نرم نازک ہے اس نے نہ گرمی اور نہ ٹھنڈک دیکھی ہے۔

ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جہنم نے اللہ تعالیٰ کے حضور شکایت کی: اے میرے رب! میرا بعض بعض کو کھائے جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے دو سانسیں بنا دیں ایک سانس موسم سرما میں اور ایک سانس موسم گرما میں۔ تم جو سخت سردی پاتے ہو یہ جہنم کا زَمْهَرِیْرًا ہے اور موسم گرما میں تم جو سخت گرمی پاتے ہو یہ جہنم کی باد سموم ہے“ (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ”جنت کی آب و ہوا سجسج ہے نہ گرم، نہ سرد“۔ سجسج سے مراد لمبا سا یہ ہے جس طرح سورج کے طلوع اور غروب کے وقت ہوتا ہے۔ مرہ ہمدانی نے کہا: زَمْهَرِیْرٌ سے مراد سخت سردی ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: یہ سوئی کے ناکے کی مثل کوئی چیز ہے جو آسمان سے سخت سردی کے وقت نازل ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ عذاب کی ایک صورت ہے جو سخت سردی ہے یہاں تک کہ جہنمیوں کو جب اس میں پھینکا جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ انہیں آگ میں ایک ہزار سال کا عذاب زَمْهَرِیْر کے ایک دن کے عذاب سے آسان ہے۔

ابو النجم نے کہا: أو کنتُ ریحًا کُنْتُ زَمْهَرِیرا، یا میں ہوا تھا میں زمہریر تھا۔

ثعلب نے کہا: زَمْهَرِیْر سے مراد طے کی لغت میں چاند ہے؛ ان کے شاعر نے کہا:

ولیلةٍ ظَلَامُهَا قد اعتکَرْ قَطَعْتُهَا والزَّمْهَرِیْرُ ما زَهَرْ

کتنی ہی راتیں ہیں جن کی تاریکی بہت زیادہ تھی میں نے انہیں طے کیا جب کہ چاند طلوع نہ ہوا۔

معنی یہ ہے وہ دنیا کے سورج کی طرح اس میں سورج اور دنیا کے چاند کی طرح اس میں چاند نہیں دیکھیں گے۔ یعنی وہ دائمی روشنی میں ہوں گے نہ رات ہوگی اور نہ دن ہوگا کیونکہ دن کی روشنی سورج کے ساتھ اور رات کی روشنی چاند کے ساتھ ہوگی۔ اس کے بارے میں مفصل گفتگو سورۂ مریم میں وَ لَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّ عَشِیًّا ۝ (مریم) ان کے لیے اس میں صبح و شام ان کا

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزہد، باب فی صفة النار، حدیث نمبر 4309، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
جامع ترمذی، کتاب صفة جهنم باب ما جاء ان للنار نفسین، حدیث نمبر 2517، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

رزق ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس اثنا میں کہ جنتی جنت میں ہوں گے کہ وہ نور دیکھیں گے جسے وہ سورج گمان کریں گے اس نور کی وجہ سے جنت روشن ہو جائے گی وہ کہیں گے: ہمارے رب نے تو فرمایا لَا یَرَوْنَ فِیۡهَا شَمْسًا وَّ لَا زَمْهَرِیْرًا۝ تو یہ نور کیسا ہے؟ رضوان انہیں کہے گا: یہ سورج اور چاند نہیں بلکہ یہ حضرت فاطمہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہما مسکرائے ہیں ان کے ہنسنے کے نور سے جنتیں روشن ہوگئیں انہیں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ اور یہ شعر پڑھا:

أنا مولًى لِفَتًى أُنْزِلَ فيه هَلْ أتى

ذاكَ عليٌّ المُرْتَضَى وابن عَمِّ المصطفَى

میں ایسے نوجوان کا مولیٰ ہوں جس کے بارے میں هَلْ اَتٰى نازل ہوا۔ وہ علی المرتضیٰ اور مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچازاد ہیں۔

وَ دَانِیَةً عَلَیْهِمْ ظِلٰلُهَا یعنی جنت میں درختوں کے سائے نیک لوگوں کے قریب ہوں گے وہ ان پر سایہ فگن ہوں گے۔ یہ ان کی نعمتوں پر اضافہ کی خاطر ہوگا اگرچہ وہاں کوئی سورج اور چاند نہیں ہوگا جس طرح ان کی کنگیاں سونے اور چاندی کی ہوں گی اگرچہ وہاں نہ کوئی میل ہوگی اور نہ پراگندگی ہوگی۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: جنت میں درختوں کی بلندی سو سال کی مسافت تک ہوگی جب اللہ کا ولی اس کے پھل کی خواہش کرے گا تو وہ جھک جائیں گے یہاں تک کہ وہ انہیں لے لے گا۔ دانیۃ حال ہونے اور مُتَّکِـِٕیۡنَ پر معطوف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: فی الدار عبد اللہ متکئا و مرسلة علیه الحجال۔ گھر میں عبداللہ ٹیک لگائے ہوئے ہے اور اس پر پردے لٹکائے گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جنت کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی جزاھم جنة دانیة۔ پس یہ محذوف موصوف کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بطور مدح منصوب ہے یعنی دنت دانیة؛ یہ فراء کا قول ہے۔ ظِلٰلُهَا یہ دَانِیَةً کی وجہ سے مرفوع ہے۔ اگر دَانِیَةٌ کو مرفوع پڑھا جائے کہ ظِلٰلُهَا مبتدا ہو اور دَانِیَةٌ اس کی خبر ہو تو یہ بھی جائز ہے پھر یہ جملہ جزاھم کی ھم ضمیر سے حال ہوگا اس طرح اس کی قراءت بھی کی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت میں ودانیا علیھم ہے، کیونکہ فعل پہلے ہے۔ حضرت ابی کی قراءت میں ودان ہے، جملہ مستانفہ ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے۔

وَ ذُلِّلَتْ قُطُوْفُهَا تَذْلِیْلًا۝ یعنی ان کے پھلوں کو مسخر کر دیا گیا ہے اسے کھڑا، بیٹھا اور لیٹا ہوا لے لے گا۔ دوری اور کانٹا ان کے ہاتھوں کو واپس نہیں کرے گا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

مجاہد نے کہا: اگر کوئی کھڑا ہوگا تو وہ پھل اوپر اٹھ جائیں گے اور اگر وہ بیٹھے گا تو وہ نیچے آ جائیں گے اگر وہ پہلو کے بل لیٹے گا تو وہ پھل اس کے قریب ہو جائیں گے تو وہ اس سے کھا لے گا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جنت کی زمین چاندی کی ہے، اس کی مٹی زعفران کی ہے، اس کی خوشبو اذفر کستوری کی ہے، اس کے درختوں کے تنے سونے اور چاندی کے ہیں، ان کی شاخیں لولو، زبرجد اور یاقوت ہیں۔ پھر ہر ایک کے نیچے پھل ہے جس نے اس میں سے کھایا وہ اسے کوئی تکلیف نہ دے گا جس نے اس سے بیٹھے ہوئے کھایا وہ اسے کوئی اذیت نہ دے گا جس نے اسے پہلو کے بل لیٹ کر کھایا وہ اسے کوئی اذیت نہیں دے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب وہ اس کے پھل کھانے کا ارادہ کرے گا تو وہ پھل اس کی طرف لٹک جائیں گے یہاں تک کہ وہ جو چاہے گا ان میں سے لے لے گا۔ تذلیل القطوف سے مراد آسانی سے لے لینا ہے۔ قطوف سے مراد پھل ہیں اس کا واحد قطف ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اسے بار بار کاٹا جاتا ہے جس طرح اسے جَنَی کا نام دیا جاتا ہے کیونکہ اسے چنا جاتا ہے۔ تَذْلِيْلًا یہ اس ذل کی تاکید ہے جس کے ساتھ صفت بیان کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ (الاسراء) ہم نے اسے نازل کیا۔ وَ كَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿۱۶۴﴾ (النساء) اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ گچھوں کی تذلیل سے مراد ان کا غلاف سے باہر آنا ہو اور گٹھلی سے پاک ہونا ہو۔

میں نے کہا: اس میں حقیقت سے بہت ہی دوری ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک نے روایت نقل کی ہے کہ سفیان نے، حماد سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: جنت کی کھجوریں ان کے تنے سبز زمرد کے ہوں گے، ان کی جڑیں سرخ سونے کی ہوں گی، ان کے پتے اہل جنت کے لباس ہوں گے انہیں سے ان کے حلے ہوں گے، ان کے پھل مٹکوں اور ڈولوں جیسے ہوں گے، دودھ سے زیادہ سفید ہوں گے، شہد سے زیادہ میٹھے ہوں گے، مکھن سے زیادہ نرم ہوں گے اس میں گٹھلی نہیں ہوگی۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: ایک قول یہ کیا جاتا ہے مذلل اسے کہتے ہیں جسے پانی نے سیراب کیا ہو۔ مذلل اسے بھی کہتے ہیں جس کو نرمی کی وجہ سے تھوڑی سے ہوا جھکا دیتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذلل سے مراد ہے جسے سیدھا کیا جائے کیونکہ اہل حجاز کہتے ہیں: ذلل نخلك۔ اپنی کھجور کو سیدھا کر۔ مذلل ایسی چیز کو بھی کہتے ہیں جو قریب ہو اسے لیا جا سکے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: حائط ذليل چھوٹی دیوار۔ ابو جعفر نے کہا: یہ اقوال جو ہم نے ذکر کیے انہیں علماء لغت نے ذکر کیا ہے اور انہوں نے امراء القیس کے اس قول میں ذکر کیے ہیں:

وساقٍ كأنبوبِ السَّقِيِّ المُذَلَّلِ　پنڈلی اس بردی (عمدہ کھجور) کی طرح ہے جسے خوب سیراب کیا گیا ہو۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيْرَاۡ ﴿۱۵﴾ قَوَارِيْرَاۡ مِنْ فِضَّةٍ قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا ﴿۱۶﴾ وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ﴿۱۷﴾ عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ﴿۱۸﴾

''اور گردش میں ہوں گے ان کے سامنے چاندی کے ظروف اور شیشہ کے چمکدار گلاس، اور شیشے بھی وہ جو چاندی کی قسم کے ہوں گے۔ ساقیوں نے انہیں پورے اندازہ سے بھرا ہوگا اور انہیں پلاتے جائیں گے، وہاں (ایسی شراب کے) جام جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی۔ (یہ زنجبیل) جنت میں ایک چشمہ ہے جس کو سلسبیل کہا جاتا ہے''۔

وَ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِاٰنِيَةٍ مِّنْ فِضَّةٍ وَّ اَكْوَابٍ جب وہ مشروب کا ارادہ کریں گے تو ان نیک لوگوں کے اوپر خدام چاندی کے برتن لے کر گھومیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جنت میں جو کچھ ہے دنیا میں تو صرف ان کے نام ہی ہیں۔ جنت میں جو کچھ ہے وہ بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہے یہاں سونے کے برتنوں کی نفی نہیں کی گئی بلکہ مطلب یہ ہے کہ کبھی چاندی کے

برتنوں میں انہیں پلایا جاتا ہے اور کبھی سونے کے برتنوں میں انہیں پلایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **یُطَافُ عَلَیۡہِمۡ بِصِحَافٍ مِّنۡ ذَہَبٍ وَّ اَکۡوَابٍ** (الزخرف:71) گردش میں ہوں گے ان پر سونے کے تھال اور جام۔

ایک قول یہ کیا گیا: چاندی کا ذکر کر کے سونے پر متنبہ کیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے **سَرَابِیۡلَ تَقِیۡکُمُ الۡحَرَّ** (النحل:81) اور ایسا جامے جو تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں، یعنی سردی سے بچاتے ہیں۔ دونوں میں سے ایک کو ذکر کر کے دوسرے پر آگاہ کیا۔ **اَکۡوَابٍ** سے مراد بڑے کوزے ہیں جن کا نہ دستہ ہوتا ہے اور نہ ہی سنت۔ اس کا واحد کوب ہے؛ عدی نے کہا:

مُتَّكِئًا تُقْرَعُ أبوابُهُ يَسْعَى عليهِ العبدُ بِالكُوبِ

دراں حالیکہ وہ ٹیک لگائے ہوئے ہیں اس کے دروازوں کو کھٹکھٹایا جاتا ہے غلام پیالہ لے کر اس پر دوڑتا ہے۔

سورۂ زخرف میں **قَوَارِیۡرَا۠ ﴿ قَوَارِیۡرَا۠ مِنۡ فِضَّۃٍ** وہ شیشے کی صفائی اور چاندی کی سفیدی والا ہوگا۔ اس کی صفائی شیشے کی صفائی ہوگی جب کہ وہ چاندی سے ہوگا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت کی زمین چاندی کی ہوگی اور برتن زمین کی مٹی سے بنائے جاتے ہیں جو اس چاندی کے ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ ذکر کیا ہے فرمایا: جنت میں کوئی ایسی چیز نہیں مگر دنیا میں تمہیں اس کی مثل عطا کیا گیا مگر **قَوَارِیۡرَا۠ مِنۡ فِضَّۃٍ**۔ جو صفائی میں شیشہ اور رنگت میں چاندی جیسے ہوں گے۔ کہا: اگر تو دنیا کی چاندی لے اسے باریک کرے یہاں تک کہ تو اسے مکھی کے پر جیسا باریک کر دے تو اس کے پیچھے سے پانی نہیں دیکھ سکے گا مگر جنت کے **قَوَارِیۡرَا۠** چاندی کی طرح اور شیشے کی طرح شفاف ہوں گے۔

قَدَّرُوۡہَا تَقۡدِیۡرًا ﴿ عام قراء کی قراءت قاف اور دال کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی ساقیوں نے ان کا اندازہ لگایا ہے جو انہیں لے کر ان پر گردش کریں گے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: وہ بغیر کسی کمی بیشی کے ان کی طلب کے مطابق لائیں گے۔ کلبی نے کہا: وہ زیادہ لذیذ اور اشتہاء والی ہوگی۔ معنی اس کا یہ ہے وہ فرشتے جو ان پر گردش کریں گے انہوں نے اس کا اندازہ لگایا ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی بیان کیا ہے: ان فرشتوں نے اس کا ہتھیلی بھر اندازہ لگایا ہوگا وہ نہ زیادہ ہوگا نہ کم ہوگا یہاں تک کہ وہ بوجھ اور انتہائی چھوٹا ہونے کی بنا پر انہیں اذیت نہیں دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پینے والوں نے اپنے دلوں میں خواہش کے مطابق اندازہ لگایا ہوگا۔

عبید بن عمر، شعبی اور ابن سیرین نے قُدِّرُوھا پڑھا ہے یعنی انہیں ان کے ارادہ کے مطابق بنایا گیا۔ مہدوی نے یہ قراءت حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے اور کہا: جس نے اسے قُدِّرُوھا پڑھا ہے تو وہ دوسری قراءت کے معنی کی طرف راجع ہے گویا اصل کلام یوں ہے قدروا علیھا حرف جر کو حذف کر دیا گیا ہے معنی اس کا یہ ہے ان پر اس کا اندازہ لگایا گیا۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا:

آلَيْتَ حَبَّ العِرَاقِ الدَّهْرَ أكُلُهُ والحَبُّ يأكُلُه في القَرْيَةِ السُّوسُ

تو نے عراق کی گندم کے بارے میں قسم اٹھائی ہے تو کسی کو نہیں کھلائے گا زمانہ اس کو کھا رہا ہے جب کہ اسے دیہات میں کیڑا کھا رہا ہے۔

اس کی رائے یہ ہے کہ کلام اصل میں علی حب العراق ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس اندازے کی صورت یہ ہوگی کہ پیالے اڑیں گے وہ پینے والے کی طلب کے مطابق بھر جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: قَدَّرُوْهَا تَقْدِيْرًا کا یہی مطلب ہے یعنی وہ طلب سے زائد نہیں ہوگا اور اس سے کم بھی نہیں ہوگا۔ پیالوں کو پینے والوں کی طلب کے مطابق پیالوں کو الہام کیا جائے گا یہاں تک کہ پیالے اس مقدار کے حساب سے بھر جائیں گے۔ اس قول کو ترمذی حکیم نے ''نوادر الاصول'' میں ذکر کیا ہے (1)۔

وَ يُسْقَوْنَ فِيْهَا كَاْسًا كَانَ مِزَاجُهَا زَنْجَبِيْلًا ۝ كَاْسًا سے مراد ایسا پیالہ ہے جس میں شراب ہو اس میں زنجبیل کی آمیزش ہو یا معنی ہے اللہ کے حکم میں وہ زنجبیل تھی عرب اس شراب کو پسند کرتے تھے جس میں زنجبیل کی آمیزش ہو کیونکہ اس کی خوشبو عمدہ ہوتی ہے کیونکہ وہ زبان کو چھیل دیتی ہے اور کھائی ہوئی چیز کو ہضم کر دیتی ہے تو جو وہ اعتقاد رکھتے تھے اس کے باعث انہیں آخرت میں انتہاء درجے کی نعمت اور خوشبو کی طرف راغب کیا گیا۔ مسیب بن علس عورت کے ہونٹ کی صفت بیان کرتا ہے:

كَاَنَّ طَعْمَ الزنجبيلِ بِهِ إِذْ ذُقْتُهُ وَسَلَافَةَ الخَمْرِ

جب میں نے اسے چکھا گویا زنجبیل اور نچڑے ہوئے شراب کا ذائقہ اس میں ہے۔

مجاہد نے کہا: زنجبیل اس چشمہ کا نام ہے جس سے ابرار کی شراب میں آمیزش کی جائے گی۔ قتادہ نے اس طرح کہا: زنجبیل ایسا چشمہ ہے مقرب جس سے خالص پئیں گے اور باقی جنتیوں کی شراب میں اس سے آمیزش کی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جنت میں ایک ایسا چشمہ ہے جس میں زنجبیل کا ذائقہ ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں ایسی شراب ہوگی جس میں زنجبیل کی آمیزش ہوگی، معنی یہ ہوگا گویا اس میں زنجبیل ہے۔

عَيْنًا فِيْهَا تُسَمّٰى سَلْسَبِيْلًا ۝ عَيْنًا، كَاْسًا سے بدل ہے، یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے مضمر ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، تقدیر کلام یوں ہوگی یسقون عینا۔ یہ بھی جائز ہے کہ حرف جار کے حذف ہونے کی وجہ سے منصوب ہو، یعنی اصل یہ ہے من عین جس طرح اللہ تعالیٰ کے فرمان: عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ (الانسان: 6) میں یہ گفتگو گزر چکی ہے۔ فِيْهَا میں ضمیر سے مراد جنت ہے۔ سَلْسَبِيْلًا سے مراد لذیذ شراب ہے یہ سلالة سے فعلليل کا وزن ہے عرب کہتے ہیں: هذا شراب سلس، سلسال، سلسل، سلسبيل۔ سب کا معنی ایک ہے۔ یعنی عمدہ، لذیذ ذائقہ والی۔ صحاح میں ہے: تسلسل الماء في الحلق۔ پانی حلق میں سے تیزی سے اتر گیا۔ سلسلته میں نے اسے حلق میں انڈیلا۔ ماء سلسل و سلسال۔ مٹھاس اور صفائی کی وجہ سے حلق میں آسانی سے اتر جاتا ہے۔ سلاسل ضمہ کے ساتھ بھی اسی کی مثل ہے۔ زجاج نے کہا: لغت میں یہ سلسبیل ہے یہ اس چیز کو کہتے ہیں جس میں حد درجہ کی سلاست ہو، گویا چشمہ کو اس کی صفت کا نام دیا گیا ہے۔ مجاہد سے مروی

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 339

ہے: سَلۡسَبِيۡلًا اسے کہتے ہیں تیز چلنے والا جوان کے حلقوں میں تیزی سے اتر جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح مروی ہے: وہ تیز چلنے والا ہے؛ ماوردی نے یہ ذکر کیا ہے۔ اس معنی میں حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

يَسْقُونَ مَنْ وَرَدَ الْبَرِيصَ عليهمُ بَرَدَى يُصَفَّقُ بالرَّحِيقِ السَّلْسَلِ

جو آدمی بریص کے مقام پر ان پر وارد ہوتا ہے وہ اسے بردی کا پانی پلاتے ہیں جس کی خالص شراب میں آمیزش کی گئی ہوتی ہے۔

ابو العالیہ اور مقاتل نے کہا: اسے سلسبیل اس لیے نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ راستوں اور ان کے گھروں میں بہتا ہے جنت عدن سے عرش کے نیچے سے جنتیوں کی طرف یہ چشمہ بہتا ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ جہاں چاہیں گے اس کا پانی ان کے پیچھے پیچھے چلے گا۔ عکرمہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ قفال نے کہا: وہ معزز چشمہ ہے اس کو پانے کے لیے راستہ اپناؤ؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ تُسَمّٰی کا معنی ہے فرشتوں، ابرار اور جنتیوں کے ہاں اس نام سے اس کا ذکر کیا جاتا ہے۔ سَلۡسَبِيۡلًا کو تنوین دی گئی ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الظنونا اور السبیلا۔

وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ ۚ اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۝ وَاِذَا رَاَيۡتَ ثَمَّ رَاَيۡتَ نَعِيۡمًا وَّمُلۡكًا كَبِيۡرًا ۝ عٰلِيَهُمۡ ثِيَابُ سُنۡدُسٍ خُضۡرٌ وَّاِسۡتَبۡرَقٌ ۫ وَّحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ ۚ وَسَقٰهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ۝ اِنَّ هٰذَا كَانَ لَـكُمۡ جَزَآءً وَّكَانَ سَعۡيُكُمۡ مَّشۡكُوۡرًا ۝

''اور چکر لگاتے رہیں گے ان کی خدمت میں ایسے بچے جو ایک ہی حالت پر رہیں گے، جب تو انہیں دیکھے تو یوں سمجھے گویا یہ موتی ہیں جو بکھر گئے ہیں۔ اور جدھر بھی تم وہاں دیکھو گے تمہیں نعمتیں ہی نعمتیں اور وسیع مملکت نظر آئے گی۔ ان کے اوپر لباس ہوگا باریک سبز ریشم کا (بنا ہوا) اطلس کا اور انہیں چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے اور پلائے گا انہیں ان کا پروردگار نہایت پاکیزہ شراب۔ (انہیں کہا جائے گا) یہ تمہارا صلہ ہے اور (مبارک ہو) تمہاری کوششیں مقبول ہوئیں''۔

وَيَطُوۡفُ عَلَيۡهِمۡ وِلۡدَانٌ مُّخَلَّدُوۡنَ اس میں اس امر کی وضاحت کی کہ کون ان پر برتن لے کر گھومے گا ان کی وہ بچے خدمت کریں گے جو ہمیشہ بچے ہی رہیں گے کیونکہ خدمت کرنا ان کے لیے آسان ہوتا ہے۔ مُخَلَّدُوۡنَ سے مراد ہے جس جوانی، حسن وبشاشت پر وہ ہیں اس پر باقی رہیں گے وہ نہ بوڑھے ہوں گے اور نہ ہی ان میں کوئی تبدیلی ہوگی۔ وہ مرور زمانہ کے باوجود ایک ہی عمر پر رہیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے جو ہمیشہ زندہ رہیں گے انہیں کوئی موت نہ آئے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے انہیں کنگن اور بالیاں پہنائی گئی ہوں گی یعنی انہیں زیور پہنایا گیا ہوگا۔ تخلیہ کا معنی زیور پہنانا ہے یہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

اِذَا رَاَيۡتَهُمۡ حَسِبۡتَهُمۡ لُؤۡلُؤًا مَّنۡثُوۡرًا ۝ ان کے حسن، کثرت اور ان کے رنگوں کی صفائی کی وجہ سے تو انہیں گمان کرے گا وہ مجلس میں بکھرے ہوئے موتی ہیں۔ موتیوں کو جب قالین پر بچھایا جائے تو لڑی میں پروئے جانے کی بنسبت زیادہ

خوبصورت لگتے ہیں۔ مامون سے مروی ہے کہ جس رات بوران بنت حسن بن سہیل نے اس کے ساتھ شب زفاف گزاری تو وہ ایک ایسی قالین پر تھا جس کو سونے کی تاروں سے بنا گیا تھا۔ خلیفہ کی گھر کی عورتوں نے اس قالین پر موتیوں کو بکھیر دیا تھا۔ مامون نے قالین پر بکھرے ہوئے موتیوں کو دیکھا تو اس منظر کو بہت ہی حسین خیال کیا اور کہا: ابونواس کا بھلا ہو گویا اس نے یہ منظر دیکھا تھا جب اس نے کہا تھا:

كَأَنَّ صُغْرى و كُبْرى من فَقَاقِعها حَصْبَاءُ دَرٍّ على أرضٍ مِنَ الذَّهَبِ

گویا کہ چھوٹے بڑے بلبلے موتیوں کے سنگریزے ہیں جو سونے کی زمین پر پڑے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں بکھرے ہوئے موتیوں سے تشبیہ دی گئی کیونکہ وہ خدمت میں بہت تیز ہوں گے حورعین کا معاملہ مختلف ہے انہیں لؤلؤ مکنون اور لؤلؤ مخزون سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ ان سے خدمت نہیں لی جاتی۔

وَ اِذَا رَاَيْتَ ثَمَّ رَاَيْتَ نَعِيْمًا وَّ مُلْكًا كَبِيْرًا ۝، ثَمَّ ظرف مکان ہے یعنی جنت میں۔ ثَمَّ میں عامل رَاَيْتَ کا معنی ہے یعنی جب تو اپنی آنکھ سے وہاں دیکھے گا۔ فراء نے کہا: کلام میں ما مضمر ہے تقدیر کلام یوں ہے اذا رأیت ماثم جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ (الانعام: 94) تقدیر کلام یہ ہے ما بینکم۔ زجاج نے کہا: ما، ثَمَّ کے ساتھ ملایا گیا ہے جس طرح فراء نے ذکر کیا۔ یہ جائز نہیں کہ اسم موصول کو ساقط کیا جائے اور صلہ ترک کر دیا جائے لیکن رَاَيْتَ معنی میں ثَمَّ کی طرف متعدی ہے معنی ہے جب تو اپنی نظر سے وہاں دیکھے گا اور ثَمَّ سے مراد جنت ہے۔ فراء نے یہ بھی ذکر کیا: نعیم سے مراد تمام وہ چیزیں ہیں جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے۔ ملك كبير سے مراد ہے کہ فرشتے ان سے اجازت طلب کرتے ہیں؛ یہ قول سدی اور دوسرے علماء نے کیا ہے۔ کلبی نے کہا: اس کی تعبیر یہ ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے قاصد لباس، کھانا، مشروب اور تحائف اللہ کے ولی کے پاس لائے گا جب کہ اللہ کا ولی اپنے مکان میں ہو گا وہ قاصد اس ولی سے اجازت طلب کرے گا یہی ملک عظیم ہے؛ یہی تعبیر مقاتل بن سلیمان نے بھی کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملك كبير یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک کے ستر حاجب ہوں گے ایک حاجب دوسرے کے لیے حاجب ہو گا۔ اللہ کا ولی اس اثناء میں کہ وہ لذت و سرور میں ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے آنے والا فرشتہ اس سے اجازت طلب کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے مکتوب، ہدیہ اور ایسے تحفہ کے ساتھ بھیجا ہو گا اس ولی نے ایسا پہلے کبھی نہ دیکھا ہو گا۔ وہ فرشتہ باہر والے حاجب کو کہے گا: اللہ کے ولی سے اجازت طلب کرو کیونکہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجا ہوا ہے اس کے پاس مکتوب اور تحفہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ولی کے ہاں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ وہ اجازت طلب کرے گا یہاں تک کہ یہ معاملہ اس حاجب تک جا پہنچے گا جو اللہ کے ولی کے بالکل قریب ہو گا وہ دربان اللہ کے ولی سے کہے گا: یہ رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے وہ تیری بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت طلب کرتا ہے اس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے مکتوب اور تحفہ ہے کیا اسے اجازت ہے؟ اللہ کا ولی کہے گا: ہاں تم اسے اجازت دو وہ دربان قریبی دربان کو کہے گا ہاں اسے اجازت دو تو وہ دوسرے دربان کو یہی بات کرے گا یہاں تک کہ بات آخری دربان تک جا پہنچے گی۔ وہ اسے کہے گا: ہاں اے فرشتے! تجھے اجازت ہے۔ وہ داخل ہو گا وہ اللہ کے ولی کو

سلام کرے گا اور کہے گا: السلام (اللہ تعالیٰ کا نام) تجھے سلام فرماتا ہے یہ تحفہ ہے یہ اللہ رب العالمین کی جانب سے مکتوب ہے اس مکتوب پر لکھا ہوگا اس حی کی جانب سے جسے موت نہیں آئے گی اس زندہ کی جانب جسے اب موت نہیں آئے گی، اللہ کا ولی اس کو لے گا تو اس میں یہ تحریر ہوگا: میرے بندے، میرے ولی، میری رحمت اور میری برکات پر سلام، اے میرے ولی! کیا اب تجھ میں اپنے رب کی زیارت کا شوق نہیں؟ شوق اسے بے تاب کردے گا وہ براق پر سوار ہوگا۔ براق علام الغیوب کی زیارت کے شوق میں ہوا کے دوش پر اڑے گا اللہ تعالیٰ اسے وہ چیز عطا کرے گا جسے کسی آنکھ نے دیکھا نہ ہوگا، کسی کان نے سنا نہ ہوگا اور کسی دل میں کھٹکا نہ ہوگا۔

سفیان ثوری نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ ملک کبیر سے مراد یہ ہے کہ فرشتے انہیں سلام کریں گے، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ (الرعد) فرشتے ہر دروازے سے ان پر داخل ہوں گے۔ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ (الرعد) تم نے جو صبر کیا اس کی وجہ سے تم پر سلامتی ہو یہ جنت کتنا اچھا ٹھکانہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ملك كبير سے مراد ہے کہ تاج ان کے سروں پر ہوں گے جس طرح بادشاہ کے سر پر تاج ہوتا ہے۔ ترمذی حکیم نے کہا: اس سے مراد ملک تکوین ہے جب وہ کسی چیز کا ارادہ کریں گے تو وہ کہیں گے: کن تو ہو جا۔ ابوبکر وراق نے کہا: ایسی بادشاہت جو ختم نہ ہو۔ حدیث طیبہ میں ہے: ”ملك كبير سے مراد یہ ہے کہ جنتیوں میں سے ادنیٰ درجے کا جنتی اپنی مملکت کو ایک ہزار سال کی مسافت تک دیکھے گا وہ اس کے سب سے دور والے کونے کو اس طرح دیکھے گا جس طرح اس کے قریب والے کونے کو دیکھے گا“۔ فرمایا: ”جنتیوں میں سے سب سے بلند مرتبہ والا وہ ہوگا جو دن میں دو دفعہ اپنے رب کا دیدار کرے گا“۔

عٰلِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاِسْتَبْرَقٌ نافع، حمزہ اور ابن محیصن نے عٰلِيْهِمْ یعنی یاء کو ساکن پڑھا ہے۔ ابو عبید نے حضرت ابن مسعود، ابن وثاب اور دوسرے قراء کی قراءت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس طرح پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: عٰلِيَهُمْ یہ مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے اس کی خبر ثِيَابُ سُنْدُسٍ ہے اسم فاعل سے جمع مراد ہے۔ اخفش کے قول میں یہ جائز ہے کہ یہ مفرد اس بنا پر ہو کہ یہ اسم فاعل ہو اور متقدم ہو اور ثِيَابُ اس کا فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہو اور قائم مقام خبر ہو اس میں اضافت انفصال کے حکم میں ہو کیونکہ اس میں تخصیص واقع نہیں ہوئی اس کے ساتھ کلام کی ابتدا کی گئی ہے کیونکہ اضافت کی وجہ سے اختصاص واقع ہو گیا ہے۔ باقی قراء نے اسے عٰلِيَهُمْ یاء کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ تیرے قول فوقهم کی طرح ہے عرب کہتے ہیں: قومك داخل دار وہ داخل کے لفظ کو ظرف کی بنا پر نصب دیتے ہیں کیونکہ یہ محل ہے۔ زجاج نے اس کا انکار کیا اور کہا: ہم اسے ظرف میں نہیں جانتے اگر یہ ظرف ہوتا تو یاء کو ساکن کرنا جائز نہ ہوتا لیکن یہ دونوں چیزوں سے حال ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور ان میں سے ایک یطوف علیھم میں ھم ضمیر ہے یعنی نیک لوگوں کے پاس بچے گردش کررہے ہوں گے جن لوگوں پر یہ لباس ہوگا۔ دوسری چیز وِلْدَانٌ ہے معنی یہ بنے گا جب تو انہیں دیکھے گا تو تو انہیں بکھرے ہوئے موتی دیکھے گا جب کہ ان بچوں کے بدنوں پر یہ لباس ہوگا۔ ابو علی نے کہا: حال میں عامل یا تو وَلَقّٰىهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا ﴿۱۱﴾

ہے یا جَزٰىهُمۡ بِمَا صَبَرُوۡا ہے یہ بھی جائز ہے کہ یہ ظرف ہو تو اس کو منصرف بنا دیا گیا ہے۔ مہدوی نے کہا: یہ جائز ہے کہ یہ اسم فاعل کے وزن پر ہو اور ظرف ہو جس طرح تیرا قول ہے: ھو ناحیۃ من الدار اس کی صورت پھر یہ ہوگی کہ عالیا جب فوق کے معنی میں ہے تو اسے بھی اس کے قائم مقام رکھا تو اسے ظرف بنا دیا گیا۔ ابن محیصن، ابن کثیر اور ابوبکر نے عاصم سے خضر مجرور نقل کیا ہے کیونکہ یہ سُنۡدُسٍ کی صفت ہے ابو عبید اور ابو حاتم نے معنی کی عمدگی کی وجہ سے اسے اپنایا ہے کیونکہ کپڑوں کی صفت میں خضر سب سے خوبصورت ہے پس یہ کلمہ مرفوع ہوگا میرا خیال ہے اِسۡتَبۡرَقٌ کا سُنۡدُسٍ پر جو عطف ہے وہ جنس کا جنس پر عطف ہے معنی یہ ہوگا ان پر سبز کپڑے ہوں گے جو سُنۡدُسٍ اور اِسۡتَبۡرَقٌ کے ہوں گے یعنی ان دونوں ناموں سے ہوں گے۔ نافع اور حفص نے دونوں کو مرفوع پڑھا ہے تو خُضۡرٌ، ثِيَابُ کی صفت ہوگی کیونکہ یہ دونوں جمع ہیں۔ اِسۡتَبۡرَقٌ اس کا عطف ثِيَابُ پر ہے۔ اعمش، ابن وثاب، حمزہ اور کسائی نے دونوں کو جر کے ساتھ پڑھا ہے پھر خُضۡرٌ، سُنۡدُسٍ کی صفت ہوگی اور سُنۡدُسٍ اسم جنس ہوگا۔ اخفش نے اس امر کو جائز قرار دیا ہے کہ اسم جنس کی صفت جمع سے لگائی جائے اگرچہ اسے قبیح جانا جاتا ہے تو کہتا ہے: أھلك الناس الدینارُ الصُّفۡرُ والدرھمُ البِیضُ۔

دونوں مثالوں میں صفر اور بیض جمع کے صیغے ہیں جو الدینار اور الدرھم اسم جنس کی صفتیں ہیں لیکن کلام میں یہ بہت ہی مستبعد ہے اس قراءت کی صورت میں معنی یہ ہوگا ان پر سبز سندسی کپڑے اور اِسۡتَبۡرَق کے کپڑے ہوں گے۔ ابن محیصن کے اصحاب نے استبرق کو منصرف کہا ہے اس نے اسے فتحہ دیا ہے اور منصرف نہیں کہا۔ اسے استبرق پڑھا ہے جر کی جگہ زبر پڑھی ہے اور غیر منصرف قرار دیا ہے کیونکہ یہ عجمی ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ یہ نکرہ ہے اس پر حرف تعریف (الف لام) داخل ہوتا ہے تو الاستبرق کہتا ہے مگر ابن محیصن گمان کرتا ہے کہ کپڑے کی اس قسم کو یہ نام دے دیا گیا ہے اس کو استبرق بھی پڑھا گیا ہے۔ یعنی ہمزہ وصل اور اس کے اوپر زبر۔ یہ بریق سے مشتق ہے اور استفعل کے وزن پر اس کا نام رکھا گیا ہے۔ یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ معرب ہے اس کا معرب ہونا مشہور ہے اصل میں استبرك تھا سندس باریک ریشم کو کہتے ہیں۔ استبرق موٹے ریشم کو کہتے ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

وَّحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ اس کا عطف یطوف پر ہے، سورۂ فاطر میں گزرا ہے يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ (33) اس میں انہیں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۂ فاطر میں ہے يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا (33) اس میں انہیں سونے کے کنگن اور موتی پہنائے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرد کے زیورات چاندی اور عورت کے زیورات سونے کے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کبھی وہ سونے کے زیورات پہنیں گے اور کبھی وہ چاندی کے زیورات پہنیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان میں سے ایک کے ہاتھ میں دو کنگن سونے کے، دو کنگن چاندی کے اور دو کنگن موتی کے جمع کیے جائیں گے تاکہ جنت کے محاسن ان کے لیے جمع ہو جائیں؛ یہ سعید بن مسیب نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: ہر قوم کے لیے وہ کچھ ہوگا جس کی طرف ان کے دل مائل ہوں گے۔

وَسَقٰىهُمۡ رَبُّهُمۡ شَرَابًا طَهُوۡرًا ⑳ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا: جب جنتی جنت کی

طرف متوجہ ہوں گے وہ ایک ایسے درخت کے پاس سے گزریں گے جس کے تنے کے نیچے سے دو چشمے جاری ہوں گے وہ ان میں سے ایک سے پانی پئیں گے تو ان پر نعیم کی تروتازگی جاری ہو جائے گی ان کی جلد میں کوئی تبدیلی واقع نہ ہوگی اور ان کے بال کبھی بھی پراگندہ نہ ہوں گے پھر وہ دوسرے چشمہ سے پئیں گے تو ان کے پیٹوں میں جو کچھ ہوگا وہ نکل جائے گا پھر جنت کے خازن ان کی طرف متوجہ ہوں گے وہ انہیں کہیں گے: سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ (زمر) تم پر سلام ہو تم خوب رہے پس اندر تشریف لے چلو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ نخعی اور ابو قلابہ نے کہا: کھانا کھانے کے بعد جب وہ اسے پئیں گے تو وہ پانی انہیں پاکیزہ بنا دے گا جو کچھ انہوں نے کھایا پیا ہوگا وہ کستوری کی مہک ہو جائے گا اور ان کے پیٹوں کو ضامر بنا دے گا۔ مقاتل نے کہا: وہ جنت کے دروازے پر چشمے کا پانی ہے جو چشمہ درخت کے تنے سے پھوٹتا ہے جس نے بھی اس سے پی لیا اللہ تعالیٰ اس کے دل سے کینہ، کھوٹ اور حسد خارج کر دے گا اور اسی طرح اس کے پیٹ میں جو غلیظ مادہ ہوگا اسے بھی خارج کر دے گا اسے بھی نکال دے گا۔ حضرت علی شیر خدا نے جو کچھ روایت کیا ہے اس کا بھی یہی معنی ہے مگر مقاتل کے قول کے مطابق وہ چشمہ ایک ہے اس اعتبار سے طَهُوْرًا مبالغہ کا صیغہ ہوگا۔ ائمہ احناف کی اس میں کوئی دلیل نہیں کہ اس کا معنی پاک ہے۔ اس کی وضاحت سورۃ الفرقان میں گزر چکی ہے۔ الحمد للہ

کہا: اس کا معنی پاکیزہ اور خوبصورت ہے میں نے سہل بن عبداللہ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھی انہوں نے وَ سَقٰهُمْ رَبُّهُمْ شَرَابًا طَهُوْرًا ۝ (الانسان) آیت کو پڑھا اور اپنے ہونٹوں اور منہ کو حرکت دینے لگے گویا وہ کسی چیز کو چوس رہے ہوں جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انہیں کہا گیا: کیا آپ کسی چیز کو پی رہے تھے یا قراءت کر رہے تھے؟ انہوں نے جواب دیا: اللہ کی قسم! اگر میں اس کی قراءت سے ایسی لذت نہ پاتا جو اس کے پینے سے پاتا تو میں اس کی قراءت نہ کرتا۔

اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ انہیں یہ بات کہی جائے گی: یہ تمہارا بدلہ ہے تمہارا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہے اللہ تعالیٰ کا بندے کے لیے شکر کا معنی ہے وہ اس کی اطاعت کو قبول کرتا ہے، اس پر اس کی ثنا کرتا ہے اور اس عمل پر اسے بدلہ عطا فرماتا ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے ان کو اچھی جزاء دیتا ہے۔ مجاہد نے کہا: مَشْكُوْرًا کا معنی مقبول ہے اور معنی قریب قریب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ جب عمل قبول فرماتا ہے تو اس پر شکر کرتا ہے جب شکر کرتا ہے تو اس پر بڑا ثواب دیتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فضل عظیم والا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: ایک حبشی نے عرض کی: یا رسول اللہ! تم لوگوں کو ہم پر شکل وصورت، رنگت اور نبوت میں فضیلت دی گئی ہے بتائیے اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایمان لائے ہیں اور میں ویسا ہی عمل کروں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے ہیں کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں داخل ہو سکوں گا؟ فرمایا: ہاں مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! بے شک حبشی کی سفیدی اور اس کی روشنی جنت میں ایک ہزار سال کی مسافت سے دکھائی دے گی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں وعدہ ہے جس نے سبحان اللہ اور الحمد للہ کہا اس کے بدلے اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک لاکھ چالیس ہزار نیکیاں ہوں گی''۔ اس آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! اس کے بعد ہم

کیسے ہلاک ہوں گے؟ فرمایا: ''قیامت کے روز ایک آدمی عمل لائے گا اگر وہ اس عمل کو پہاڑ پر رکھے تو پہاڑ کو بوجھل کر دے پھر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت آئے گی قریب ہے کہ وہ ان سب اعمال کو ختم کر دے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ ان پر مہربانی کرے'' فرمایا: پھر یہ آیت نازل ہوئی هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ... مُلْكًا كَبِيْرًا ۝ حبشی نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا میری آنکھیں وہ کچھ دیکھیں گی جو جنت میں آپ کی آنکھیں دیکھتی ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں''۔ وہ حبشی رویا یہاں تک کہ اس کی روح پرواز کر گئی۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبر میں اتار رہے تھے اور زبان سے یہ پڑھ رہے تھے اِنَّ هٰذَا كَانَ لَكُمْ جَزَآءً وَّ كَانَ سَعْيُكُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ (1) ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ کیا ہے؟ فرمایا: ''مجھے اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ تعالیٰ نے اسے کھڑا کیا پھر فرمایا: اے میرے بندے! میں تیرے چہرے کو سفید کروں گا اور جنت میں تجھے وہاں ٹھکانہ دوں گا جہاں تو چاہے گا تو عمل کرنے والوں کا اتنا اچھا اجر ہے''۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ وَ اذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝ وَ مِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝

''ہم نے ہی (اے حبیب!) آپ پر تھوڑا تھوڑا کر کے کلام نازل کیا اور اپنے رب کے حکم کا انتظار کیجیے اور نہ کہنا مانیے ان میں سے کسی بدکار یا احسان فراموش کا۔ اور یاد کرتے رہا کیجیے اپنے رب کے نام کو صبح بھی اور شام بھی۔ اور رات (کی تنہائیوں میں) بھی اس کو سجدہ کیا کیجیے اور رات کافی وقت اس کی تسبیح کیا کیجیے''۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا ۝ یعنی آپ نے اسے اپنی طرف سے گھڑا ہے اور نہ ہی آپ اسے اپنی طرف سے لائے ہیں جس طرح مشرک دعویٰ کرتے ہیں۔ اس آیت کا ماقبل آیت کے ساتھ تعلق یہ ہے جب اللہ تعالیٰ نے وعدہ اور وعید کی کئی صورتوں کا ذکر کیا تو اس امر کو بیان کیا کہ یہ کتاب ان چیزوں کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے جن کی انسان کو ضرورت ہے، یہ جادو، کہانت اور شعر نہیں یہ حق ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم تھوڑا تھوڑا آیت در آیت نازل کیا گیا ہے یہ یکبارگی نازل نہیں کیا گیا، اس وجہ سے ارشاد فرمایا: نَزَّلْنَا اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَ لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا ۝ حکم سے مراد قضا و فیصلہ ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ معنی ہے مشرکوں کی اذیت پر صبر کرو اس طرح فیصلہ کیا گیا ہے۔ پھر اسے جہاد والی آیت سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ پر جو طاعات لازم کی گئی ہیں ان پر صبر کیجیے یا اللہ تعالیٰ کے حکم کا انتظار کیجیے کیونکہ اس نے تیرے ساتھ مدد کا وعدہ کیا ہے جلدی نہ کیجیے کیونکہ یہ ہر صورت ہو کر رہے گا۔ وآثم سے مراد گناہ والا ہے یعنی گناہ گار اور ناشکرے کی اطاعت نہ کیجیے۔

1۔ طبرانی، الاوسط، حدیث نمبر 1603۔ الکبیر حدیث 13595۔ الحلیۃ، ابونعیم، جلد 3، صفحہ 319

معمر نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: ابوجہل نے کہا اگر میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند ڈالوں گا تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا(1)۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ آیت عتبہ بن ربیعہ اور ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مال اور شادی کی پیشکش لے کر حاضر ہوئے شرط یہ تھی کہ وہ نبوت کا ذکر چھوڑ دیں۔ ان دونوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: جس نے شادی کی پیشکش کی تھی وہ عتبہ بن ربیعہ تھا، اس نے کہا: میری بیٹیاں قریش کی عورتوں میں سے خوبصورت ترین ہیں میں بغیر مہر کے اپنی بیٹی سے تیری شادی کیے دیتا ہوں، اس امر سے تو لوٹ جا۔ ولید نے کہا: اگر تو نے جو کچھ کیا مال کو حاصل کرنے کے لیے کیا ہے میں تجھے مال دوں گا یہاں تک کہ تو راضی ہو جائے گا جب کہ تو اس امر سے لوٹ جا تو یہ آیت نازل ہوئی (2)۔ پھر اللہ تعالیٰ کے فرمان میں اَوْ کا لفظ ہے یہ و سے زیادہ موکد ہے کیونکہ جب تو کہتا ہے: لا تطع زیدا او عمروا۔ اس نے ان میں سے ایک کی اطاعت کی تو وہ نافرمانی کرنے والا نہیں ہوگا کیونکہ اسے یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ دو کی اطاعت نہ کرے جب یہ ارشاد فرمایا: لَا تُطِعْ مِنْهُمْ اٰثِمًا اَوْ كَفُوْرًا، اَوْ کے لفظ سے اس امر پر دلالت کی ان میں سے ہر ایک اس چیز کا اہل تھا کہ اس کی نافرمانی کی جائے جس طرح تو یہ کہے: لا تخالف الحسن او ابن سیرین تو حسن بصری اور ابن سیرین میں سے کسی کی بھی مخالفت نہ کر یا اتبع الحسن او ابن سیرین تو تو نے یہ کہا ہے: یہ دونوں اس بات کے اہل ہیں کہ ان دونوں کی اتباع کی جائے اور ان میں سے ہر ایک بھی اس کا اہل ہے کہ اس کی اتباع کی جائے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔ فراء نے کہا: یہاں اَوْ، لا کے معنی میں ہے گویا یوں فرمایا: لا کفورا نہ ناشکرے کی اطاعت کر۔ شاعر نے کہا:

لَا وَجْدُ ثُكْلَى كما وَجَدْتُ وَلَا وَجْدُ عَجُولٍ أَضَلَّهَا رُبَعُ

أَوْ وَجْدُ شيخٍ أَضَلَّ ناقتَهُ يَوْمَ تَوَافَى الحجيجُ فاندفعُوا

جس کا بچہ فوت ہوا اس کا اتنا دکھ نہیں جتنا دکھ میں نے پایا اور نہ اس اونٹنی نے اتنا دکھ محسوس کیا جس کا موسم بہار میں پیدا ہونے والا بچہ فوت ہوا۔ اور نہ ہی اس شیخ کو اتنا دکھ ہوا جس نے اپنی اونٹنی گم کر دی ہو اس روز حاجی حج کے سامنے مناسک پورے کرے اور واپس چلے جائیں۔

یہاں بھی شاعر نے اَوْ سے مراد لا لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آثم سے مراد منافق اور کفور سے مراد ایسا کافر ہے جو اپنے کفر کو ظاہر کرتا ہے یعنی ان میں سے آثم کی اور نہ ہی کافر کی اطاعت کریں۔ یہ فراء کے قول کے بالکل قریب ہے۔

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ۝ دن کے پہلے اور آخری حصہ میں اپنے رب کے حضور نماز پڑھیے۔ اس کے پہلے حصہ میں صبح کی نماز ہے اور آخری حصہ میں ظہر اور عصر کی نماز ہے۔

وَمِنَ الَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهٗ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا ۝ اس سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہے اور رات کے نوافل ہیں؛ یہ ابن حبیب کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سفیان کا نقطہ نظر ہے: قرآن حکیم میں جہاں بھی تسبیح کا لفظ ہے اس سے

1۔ تفسیر طبری، جز 23، صفحہ 572 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 431

مراد نماز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مطلق ذکر ہے۔ خواہ وہ نماز میں ہو یا کسی اور صورت میں۔ ابن زید اور دوسرے علماء نے کہا: وَ سَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيْلًا یہ پنجگانہ نماز کے حکم کے ساتھ منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مستحب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کی مثل میں گفتگو سورۃ المزمل میں گزر چکی ہے۔ ابن حبیب کا قول اچھا ہے۔ اصیل کی جمع اصائل اور اصل ہے جس طرح سفائن اور سفن ہے؛ شاعر نے کہا:

ولا بأحسنَ منها إذ دنا الأُصُلُ

جب عصر کا وقت قریب ہوتا ہے تو اس سے بڑھ کر کوئی حسین نہیں ہوتا۔

اصائل کے بارے میں کہا: یہ جمع الجمع ہے؛ شاعر نے کہا:

لَعَمْرِی لَأَنْتَ البیتُ أُكْرِمُ أَهْلَهُ وأَقْعُدُ فی أَفْيَائِهِ بالأَصَائِلِ

میری زندگی کی قسم! تو ایسا گھر ہے جس کے مکینوں کی میں تعظیم کرتا ہوں میں عصر کے وقت اس کے ساتھیوں میں بیٹھتا ہوں۔

سورۂ اعراف کے آخر میں یہ بحث مکمل گزر چکی ہے اور اسم ظرف پر من بعضیت کے لیے داخل ہوا ہے جس طرح اس فرمان میں وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ (آل عمران: 31) تا کہ تمہارے بعض گناہوں کو بخش دے۔

اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَ يَذَرُوْنَ وَرَآءَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلًا ۝ نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ۚ وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَآ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝

''بے شک یہ لوگ دنیا سے محبت کرتے ہیں اور پس پشت ڈال رکھا ہے انہوں نے بڑے سخت دن کو، ہم نے ہی ان کو پیدا کیا ہے اور ان کے جوڑ بند مضبوط کیے ہیں اور جب ہم چاہیں تو ان کی شکلوں کو بدل کر رکھ دیں''۔

یہ کلام شرمندہ کرنے اور انہیں جھڑکنے کے لیے ہے۔ هٰٓؤُلَآءِ سے مراد اہل مکہ ہیں۔ الْعَاجِلَةَ سے مراد دنیا ہے۔ يَذَرُوْنَ کا معنی ہے وہ چھوڑ دیتے ہیں۔ وَرَآءَهُمْ سے مراد ہے اپنے سامنے يَوْمًا ثَقِيْلًا سے مراد ہے بہت ہی سخت جس طرح فرمایا: ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ (الاعراف: 187) وہ آسمان و زمین میں بہت مشکل ہے، یعنی وہ یوم قیامت پر ایمان کو ترک کر دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَرَآءَهُمْ کا معنی پس پشت یعنی وہ آخرت کو پس پشت ڈال دیتے ہیں وہ اس کے لیے کچھ عمل نہیں کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور نبوت کے ثبوت کو چھپایا تھا ان کا دنیا سے محبت کرنے کا مطلب ہے جو وہ چھپاتے ہیں اس پر وہ رشوت لیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے منافقین مراد ہیں کیونکہ وہ کفر چھپاتے ہیں اور دنیا طلب کرتے ہیں آیت عام ہے۔ یوم ثقیل سے مراد یوم قیامت ہے اپنی سختیوں اور ہولناکیوں کی وجہ سے ثقیل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس دن بندوں کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اس وجہ سے ثقیل ہے۔

نَحْنُ خَلَقْنٰهُمْ وَ شَدَدْنَآ اَسْرَهُمْ ہم نے انہیں مٹی سے پیدا کیا اور ان کی خلقت کو مضبوط کیا؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ، مقاتل اور دوسرے علماء نے کہا۔ اَسْرَ کا معنی خلقت ہے۔ ابو عبید نے کہا: کہا جاتا ہے فرس شدید الاسر یعنی گھوڑے

کی خلقت اور جوڑ بڑے مضبوط ہیں، کہا جاتا ہے: اسرہ اللہ جل ثناءہ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی خلقت اور جوڑوں کو مضبوط کیا۔ اخطل نے کہا:

مِنْ كُلِّ مُجْتَنَبٍ شَدِيدٍ أَسْرُهُ سَلِسِ الْقِيَادِ تَخَالُهُ مُخْتَالًا

یہ مجتنب (ایسا گھوڑا جس کی لگام پکڑ کر آگے چلا جاتا) مضبوط جوڑوں والا اطاعت شعار ہے تو اسے متکبر خیال کرے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: ہم نے ان کے جوڑوں کو رگوں اور پٹھوں کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ مضبوط کر دیا ہے۔ مجاہد نے اَسْرَ کی تفسیر میں کہا: اس سے مراد شرج ہے یعنی جب پاخانہ اور پیشاب نکلتا ہے تو مخرج بند ہو جاتا ہے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی قوت ہے؛ ابن احمر گھوڑے کی صفت بیان کرتا ہے:

يَمْشِي بِأَوْظِفَةٍ شِدَادٍ أَسْرُهَا

وہ گھوڑا باریک پنڈلی کے ساتھ چلتا ہے جو پنڈلی بہت ہی مضبوط ہے۔

یہ اسار سے مشتق ہے اس سے مراد چمڑے کی رسی ہے جس کے ساتھ سامان باندھا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اَسَرْتُ القَتَبَ أَسْرًا یعنی میں نے اسے باندھا، کہا جاتا ہے: ما أحسن أَسْرَ قَتَبِه اس کا سامان باندھنا کتنا اچھا ہے۔ عربوں کا قول ہے: خذہ بأسرہ یعنی یہ سب تیرا ہے گویا انہوں نے اس کے باندھنے کا ارادہ کیا نہ وہ کھلے اور نہ ہی اس سے کوئی چیز گم ہو۔ اسی سے ایک لفظ اسیر ہے کیونکہ اسے رسیوں سے باندھا جاتا ہے۔ یہ کلام نعمتوں کے ساتھ احسان کرنے کے اعتبار سے لائی گئی ہے جب انہوں نے ان کا نافرمانی کے ساتھ مقابلہ کیا۔ میں نے تیری خلقت کو درست کیا اور اسے قوتوں کے ساتھ مضبوط کیا پھر تو میرے ساتھ کفر کرتا ہے۔

وَ اِذَا شِئْنَا بَدَّلْنَاۤ اَمْثَالَهُمْ تَبْدِيْلًا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ فرماتا ہے اگر ہم چاہتے تو ہم انہیں ہلاک کر دیتے اور ان کی جگہ زیادہ اطاعت شعار لوگوں کو لے آتے۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: ہم ان کے محاسن کو قبیح ترین صورتوں میں بدل دیتے۔ ضحاک نے ان سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ پہلی تعبیر ابو صالح نے ان سے روایت کی ہے۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَ الظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝

”بے شک یہ ایک نصیحت ہے پس جس کا جی چاہے اختیار کر لے اپنے رب کے قرب کا راستہ۔ اور (اے لوگو) تم کچھ بھی نہیں چاہ سکتے بجز اس کے کہ اللہ خود چاہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم ہے حکیم ہے، جس کو چاہتا ہے اپنے (دامن) رحمت میں داخل کر لیتا ہے، اور ظالموں کے لیے تو اس نے تیار کر رکھا ہے دردناک عذاب“۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا ۝ وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝، هٰذِهٖ سے مراد سورت ہے۔ تَذْكِرَةٌ سے مراد نصیحت ہے۔ سَبِيْلًا سے مراد ایسا راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی

اطاعت اور اس کی رضا کی طلب تک پہنچا دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سَبِيْلًا سے مراد وسیلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی سمت اور جنت کی طرف جانے والا راستہ ہے معنی ایک ہے۔ تم طاعت، استقامت اور اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والا راستہ نہیں چاہ سکتے مگر جب اللہ تعالیٰ چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی امر اس کے قبضہ قدرت میں ہے لوگوں کے قبضہ قدرت میں نہیں کسی کی مشیت نافذ نہیں ہو سکتی اور نہ ہی آگے ہو سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت متقدم ہوتی ہے۔ ابن کثیر اور ابو عمرو نے وما یشاؤن پڑھا ہے کہ یہ ان کے بارے میں خبر ہے۔ باقی نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں خطاب کیا جا رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہلی آیت دوسری آیت کے ساتھ منسوخ ہے۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ یہ منسوخ نہیں بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ کے فرمان فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا کا جواب ہے پھر انہیں خبر دی امر ان کے ہاتھ میں نہیں ہے یعنی تم یہ راستہ اپنا نہیں سکتے مگر اللہ تعالیٰ تمہارے حق میں یہ چاہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دل کو جانتا ہے اور تمہیں امر و نہی دینے میں حکیم ہے۔

یہ گفتگو کئی مواقع پر گزر چکی ہے۔

يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمِيْنَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرتے ہوئے جنت میں داخل فرما دیتا ہے۔ ظالمون کو عذاب دیتا ہے ظالمین کو نصب فعل مضمر یعذب سے دی گئی ہے۔ زجاج نے کہا: ظالمین کو نصب دی گئی ہے کیونکہ اس کا ماقبل منصوب ہے یعنی جسے چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل فرماتا ہے اور ظالمین یعنی مشرکوں کو عذاب دیتا ہے۔ اَعَدَّ لَهُمْ یہ فعل مضمر کی تفسیر ہے جس طرح شاعر نے کہا:

أَصْبَحْتُ لَا أَحْمِلُ السِّلَاحَ وَلَا أَمْلِكُ رَأْسَ الْبَعِيرِ إِنْ نَفَرَا

میں نے اس حال میں صبح کی کہ میں مسلح نہ تھا اور اونٹ کا مالک بھی نہ تھا اگر وہ بھاگ جائے۔

و الذِّئْبَ أَخْشَاهُ إِنْ مَرَرْتُ بِهِ وَحْدِي وَأَخْشَى الرِّيَاحَ وَالْمَطَرَ

میں بھیڑیئے سے ڈرتا ہوں اگر میں اس کے پاس سے تنہا گزروں اور میں ہواؤں اور بارش سے ڈرتا ہوں۔

تقدیر کلام یوں ہے أخشى الذئب أخشاه۔ زجاج نے کہا: پسندیدہ نصب ہی ہے اگرچہ رفع جائز ہے تو کہتا ہے: أعطيت زيدا و عمروا أعددت له برا۔ میں نے زید کو دیا اور عمرو سے نیکی کی۔ تقدیر کلام یوں ہوگی بررت عمروا یا أبر عمروا، حٰمٓ ۝ عٓسٓقٓ ۝ میں آیت گزری ہے يُّدْخِلُ مَنْ يَّشَآءُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ وَالظّٰلِمُوْنَ (8)

جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت میں داخل کر دیتا ہے اور ظالم۔ یہاں الظّٰلِمُوْنَ کو رفع دیا گیا ہے کیونکہ اس کے بعد کوئی فعل مذکور نہیں جو اس پر واقع ہو کہ یہ معنوی طور پر منصوب ہوتا۔ اس سے قبل بھی ایسا کوئی اسم منصوب نہیں تھا جس پر اس کا عطف کیا جاتا تو یہ مبتدا کی حیثیت سے مرفوع ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا، ویعذب فعل پر دلالت کرتا ہے اس وجہ سے نصب جائز ہے۔ ابان بن عثمان نے الظالمون پڑھا ہے کہ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر اَعَدَّ لَهُمْ ہے۔ اَلِيْمًا سے مراد تکلیف دہ دردناک ہے۔ سورۂ بقرہ اور دوسری سورتوں میں اس پر بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

سورۃ المرسلات

آیاتہا ۵۰ ۔ ۷۷ سورۃ المرسلت مکیۃ ۳۳ ۔ رکوعاتہا ۲

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور حضرت جابر کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ نے کہا: صرف ایک آیت مدنی ہے: وہ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ (المرسلات)(1) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: سورۃ المرسلات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لیلۃ الجن میں نازل ہوئی تھی جب کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ چل رہے تھے یہاں تک کہ ہم نے منیٰ میں ایک غار میں پناہ لی تھی تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اسی اثنا میں کہ ہم آپ سے سیکھ رہے تھے آپ کا دہن مبارک اس سے تر تھا کہ اچانک ایک سانپ جھپٹ پڑا ہم اس پر جھپٹے تا کہ ہم اس کو قتل کریں تو وہ چلا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم اس کے شر سے محفوظ رہے جس طرح وہ تمہارے شر سے محفوظ رہا"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب سے مروی ہے: میں نے سورۃ المرسلات پڑھی تو حضرت عباس کی زوجہ حضرت ام الفضل رو پڑیں فرمایا: اے بیٹے! تو نے اپنی اس قراءت کے ساتھ مجھے یاد دلا دیا کہ یہ آخری سورت تھی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مغرب کی نماز میں پڑھتے ہوئے سنی تھی، واللہ اعلم۔ اس کی پچاس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝ فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا ۝ فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا ۝ عُذْرًا اَوْ نُذْرًا ۝ اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۝ فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۝ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۝ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۝ وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ۝ لِاَيِّ يَوْمٍ اُجِّلَتْ ۝ لِيَوْمِ الْفَصْلِ ۝ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

"ان (ہواؤں کی) قسم جو پے در پے بھیجی جاتی ہیں پھر ان کی (قسم) جو تند و تیز ہیں اور ان کی (قسم) جو بادلوں کو پھیلانے والی ہیں پھر ان کی جو بادلوں کو پارہ پارہ کرنے والی ہیں پھر ان کی قسم جو (دلوں میں) ذکر کا القا کرنے والی ہیں حجت تمام کرنے کے لیے یا ڈرانے کے لیے۔ بے شک جس بات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ ضرور ہو کر رہے گی۔ پس اس وقت جب ستارے بے نور کر دیئے جائیں گے اور جب آسمانوں میں شگاف پڑ

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 175

جائیں گے اور جب پہاڑ (خاک بنا کر) اڑا دیئے جائیں گے اور جب رسولوں کو وقت مقررہ پر اکٹھا کیا جائے گا (تمہیں علم ہے) کس دن کے لیے یہ ملتوی کیا گیا ہے فیصلہ کے دن کے لیے۔ (اے مخاطب!) تجھے کیا علم کہ فیصلہ کا دن کیسا ہے؟ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے"۔

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا۝ جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ مرسلات سے مراد ہوائیں ہیں۔ مسروق نے حضرت عبداللہ سے روایت نقل کی ہے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں معروف کے ساتھ بھیجا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کا حکم، اس کی نہی، وحی اور خبر دے کر بھیجا جاتا ہے یہی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، مقاتل، ابو صالح اور کلبی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انبیاء ہیں جنہیں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا پیغام دے کر بھیجا گیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ابو صالح نے کہا: اس سے مراد رسل ہیں جنہیں معجزات کے ساتھ بھیجا جاتا ہے جن معجزات کے ذریعے ان کی پہچان ہوتی ہے(1)۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے: اس سے مراد ہوائیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ (الحجر: 22) اور ہم نے ہوائیں بھیجیں۔ ارشاد فرمایا: وَهُوَ الَّذِيْ يُرْسِلُ الرِّيٰحَ (الاعراف: 57) اور وہی ہوائیں بھیجتا ہے۔

عُرْفًا کا معنی ہے ان میں سے بعض، بعض کے پیچھے آتی ہیں جس طرح عرف الفرس۔ گھوڑے کی گردن کے بال۔ عرب کہتے ہیں: الناس إلى فلان عرف واحد۔ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب وہ اس آدمی کی طرف متوجہ ہوں اور کثیر ہو جائیں۔ عُرْفًا حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی ایسی ہوائیں جنہیں پے در پے بھیجا گیا۔ یہ بھی جائز ہے کہ مفعول مطلق ہو۔ یہ بھی جائز ہے کہ اس کو نصب حرف جر کے مضمر ہونے کی وجہ سے ہو گویا فرمایا: والمرسلات بالعرف اس سے مراد فرشتے ہیں یا اس سے مراد فرشتے اور رسول ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ احتمال بھی موجود ہے کہ مرسلات سے مراد بادل ہیں کیونکہ اس میں نعمت اور عذاب ہوتا ہے کیونکہ یہ اس کی پہچان کرانے والے ہوتے ہیں جو ان کی طرف بھیجا گیا اور جن کی طرف بھیجا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد تنبیہات اور مواعظ ہیں اس تاویل پر عُرْفًا کا معنی پے در پے ہے جس طرح اونٹ کی گردن کے بال ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ عقول میں جانے پہچانے ہیں۔

فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا۝ بغیر کسی اختلاف کے اس سے مراد ہوائیں ہیں؛ یہ مہدوی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد تیز ہوائیں ہیں جو گھاس پھونس لاتی ہیں۔ عصف سے مراد کھیتی کے پتے اور ٹوٹی پھوٹی چیزیں ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا (الاسراء: 69)

ایک قول یہ کیا گیا: عاصفات سے مراد وہ فرشتے ہیں جو ہوا پر مقرر ہیں جو انہیں تیزی سے چلاتے ہیں کہا جاتا ہے: عصف بالشيء یعنی اسے ہلاک کر دیا۔ ناقة عصوف جو اپنے سوار کو ہلاک کر دے وہ یوں گزر جاتی ہے گویا تیزی میں ہوا ہے۔ عصفت الحرب بالقوم۔ جنگ نے قوم کو ہلاک کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ آیات ہیں جو تباہ و برباد کر دیتی ہیں جس طرح زلزلہ اور زمین میں دھنس جانا۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 175

وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا۝ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بادلوں پر معین ہیں جو ان بادلوں کو پھیلاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود اور مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ بارش سے قبل بھیجتا ہے؛ یہ ابوصالح سے مروی ہے ابوصالح سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد بارشیں ہیں کیونکہ وہ نباتات کو جنم دیتی ہیں یہاں نشر کا معنی زندہ کرنا ہوگا۔ کہا جاتا ہے: نشرہ اللہ المیت۔ اللہ تعالیٰ نے مردہ کو زندہ کر دیا۔ سدی نے ان سے روایت کیا: اس سے مراد فرشتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی کتب کو پھیلاتے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد انسانوں کے نامہ اعمال اور ان کے اعمال کو کھولنا ہے۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال کے ساتھ کھولے جاتے ہیں۔ ربیع نے کہا: اس سے مراد قیامت کے لیے اٹھانا ہے جن میں روحوں کو پھیلایا جائے گا۔ وَّالنّٰشِرٰتِ فرمایا ہے کیونکہ یہ دوسری قسم کا آغاز ہے۔

فَالْفٰرِقٰتِ فَرْقًا۝ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد، ضحاک اور ابوصالح نے کہا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد فرشتے جو روزی، رزق اور موت بانٹتے ہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد وہ ہوائیں ہیں جو بادل کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہیں۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد فرقان ہے اللہ تعالیٰ نے اس میں حق و باطل اور حلال و حرام میں فرق کر دیا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور کیسان کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ رسول ہیں جنہوں نے اوامر و نواہی کو بیان کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد بارش برسانے والے بادل ہیں، انہیں اس اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو حاملہ ہوتی ہے جب اس نے بچہ جننا ہوتا ہے تو وہ نکل پڑتی ہے اور دوڑتی ہے اور یہ بھی لفظ کہا جاتا ہے: نوق فوارق و فرق۔ بعض اوقات وہ ایسے بادل کو جو دوسرے بادلوں سے الگ تھلگ ہوتا ہے اس اونٹنی کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں۔ ذو رمہ نے کہا:

أَوْ مُزْنَةٌ فارِقٌ يَجْلو غَوارِبَها　　تَبَوُّجُ الْبَرقِ والظَّلْماءُ عُلْجُومُ

یا الگ تھلگ بادل جس کے اطراف روشن ہیں اس کی بجلی موجزن ہے اور سیاہی شدید ہے۔

فَالْمُلْقِيٰتِ ذِكْرًا۝ تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی کتب انبیاء تک پہنچاتے ہیں؛ یہ مہدوی نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں ان کے لیے جمع کا ذکر کیا کیونکہ جبریل امین فرشتوں کے ساتھ اترتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد رسول ہیں اللہ تعالیٰ ان کی طرف جو نازل کرتا ہے وہ اپنی امتوں تک پہنچاتے ہیں؛ یہ قطرب کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے اسے فالملقیات بھی پڑھا ہے یعنی قاف کو مشدد اور مفتوح۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكَ لَتُلَقَّى الْقُرْاٰنَ (نمل: 6) اور بے شک آپ کو سکھایا جاتا ہے قرآن حکیم۔

عُذْرًا اَوْ نُذْرًا۝ وہ وحی کو لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے حجت تمام کرنے کے لیے اور مخلوقات کو اس کے عذاب سے

خبردار کرنے کے لیے؛ یہ فراء نے کہا: ابو صالح سے مروی ہے: اس سے مراد رسول ہیں جو حجت تمام کرتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں۔ سعید نے قتادہ سے یہ قراءت نقل کی ہے۔ عُذْرًا اللہ تعالیٰ کی جانب سے مخلوقات کے لیے حجت تمام کرنے کے لیے اور مومنوں کو خبردار کرنے کے لیے کیونکہ مومن ہی اس سے نفع حاصل کرتے ہیں اور اسے اپناتے ہیں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ عُذْرًا سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اولیاء کو جو تو یہ القاء کرتا ہے اور نُذْرًا سے مراد ہے وہ اپنے دشمنوں کو ڈراتا ہے۔ ابو عمرو، حمزہ، کسائی اور حفص نے اَوْ نُذْرًا ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ ساتوں قراء نے عذرا کو ذال کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے صرف جعفی اور اعشی نے ابو بکر سے وہ عاصم سے ذال کے ضمہ کے ساتھ روایت نقل کرتے ہیں یہی چیز حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ابراہیم تیمی اور قتادہ نے اسے عذرا ونذرا واؤ عاطفہ کے ساتھ نقل کیا ہے درمیان میں او کا ذکر نہیں کیا۔ یہ دونوں اعزار اور انذار سے اسم فاعل کے معنی میں ہو کر منصوب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اسم مفعول کے معنی میں ہو کر منصوب ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ذکرا سے بدل ہے یعنی وہ عذر اور نذر کو القا کرنے والے ہیں۔ ابو علی نے کہا: عاذر اور ناذر کی جمع کے طور پر عذرا اور نذرا پڑھنا بھی درست ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: هٰذَا نَذِيْرٌ مِّنَ النُّذُرِ الْاُوْلٰى (النجم) یہ ڈرانے والا (رسول عربی) بھی پہلے ڈرانے والوں کی طرح ہے۔ پھر یہ الملقیات سے حال ہوں گے یعنی وہ ذکر القاء کرتے ہیں اس حال میں کہ وہ حجت تمام کرتے ہیں اور خبردار کرتے ہیں یا یہ ذکرا کے مفعول ہیں یعنی وہ ذکر کو القاء کرتے ہیں تاکہ وہ عُذْرًا اور نُذْرًا یاد دلائیں۔ مبرد نے کہا: یہ جمع کا صیغہ ہے اس کی واحد عذیر اور نذیر ہے۔

اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَوَاقِعٌ ۞ جو قسم پہلے گزری ہے یہ اس کا جواب ہے یعنی قیامت کے امر کا جو تم سے وعدہ کیا گیا ہے وہ تم پر واقع ہو کر رہے گا پھر اس کے وقوع کا وقت بیان کیا۔

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ ۞ وَ اِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ ۞ وَ اِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ ۞ جب ستاروں کی روشنی اور ان کا نور ختم ہو جائے گا جس طرح لکھی ہوئی چیز کو مٹا دیا جائے کہا جاتا ہے: طمس الشئ جب وہ اس چیز کو مٹا دے اس سے طمس آتا ہے اس سے اسم مفعول مطموس ہے۔

جب آسمانوں کو کھول دیا جائے گا اور انہیں پھاڑ دیا جائے گا، اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۞ (النباء) اور آسمانوں کو کھول دیا جائے گا اور وہ دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: انہیں لپیٹنے کے لیے کھول دیا جائے گا۔

اور جب پہاڑوں کو جلدی سے لے جایا جائے گا۔ کہا جاتا ہے: نسفتُ الشی أنسفتُه۔ جب تو نے سب کو تیزی سے لے لیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور کلبی کہا کرتے تھے: سَوِّيت بالأرض، پہاڑوں کو زمین کے ساتھ برابر کر دیا جائے گا عرب کہتے ہیں: فرس نسوف یہ لفظ اس وقت کہتے ہیں جب گھوڑا اپنے تنگ کو پیچھے ہٹائے۔ مبشر نے کہا: نَسُوفٌ لِلحزام بمرفقیها وہ اپنی دونوں کہنیوں کے ساتھ تنگ کو پیچھے ہٹاتا ہے عرب کہتے ہیں: نَسَفتِ الناقةُ الکلأ۔ اونٹنی نے گھاس کو چرا۔

مبرد نے کہا: معنی ہے پہاڑوں کو ان کی جگہ سے اکھاڑ لیا جائے گا۔ جو آدمی اپنے دونوں پاؤں کو زمین سے اٹھالیتا ہے اسے دوسرا آدمی کہتا ہے: آنسفت رجلاہ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نسف کا معنی اجزاء کو بکھیرنا ہے یہاں تک کہ ہوائیں انہیں اڑا دیں اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: نسف الطعام وہ کھانے کو حرکت دیتا ہے تاکہ ہوا اس میں موجود تنکے کو ختم کر دے۔

وَ اِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ ○ جب رسولوں کو وقت مقررہ یعنی قیامت کے دن اکٹھا کیا جائے گا وقت سے مراد وہ وقت ہے جس تک کسی کام کو موخر کیا جاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا رسولوں اور ان کی امتوں کے درمیان فیصلہ کرنے کے لیے وقت مقرر کر دیا گیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ** (المائدہ: 109) جس روز اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دنیا میں ہوگا یعنی رسولوں کو اس مخصوص وقت میں جمع کیا جائے گا جو کفار کے عذاب کے لیے مقرر کیا گیا ہے جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کو مہلت دی گئی قیامت کے روز تمام شکوک زائل کر دیئے جائیں گے پہلی تعبیر سب سے اچھی ہے کیونکہ توقیت کا معنی ہے ایسی چیز جو قیامت کے روز واقع ہوگی جس طرح بے نور کرنا، پہاڑوں کو اڑانا، آسمانوں کو پھاڑنا یہ قیامت کے وقوع سے قبل مناسب نہیں۔ ابوعلی نے کہا: روز جزا اور فیصلہ کے دن کو اس کے لیے معین کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اُقِّتَتْ** کا معنی ہے وعدہ کیا گیا اور مہلت دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا جیسا علم اور ارادہ تھا اسی کے مطابق انہیں معلوم اوقات میں بھیجا گیا۔ اقتت میں ہمزہ واؤ کا بدل ہے؛ یہ فراء اور زجاج نے کہا۔ فراء نے کہا: ہر واؤ جو مضموم ہو اس کا ضمہ لازم ہو اس کو ہمزہ سے بدلنا جائز ہے تو کہتا ہے: صلی القوم احدانا یہ اصل میں وحدانا تھا۔ عرب کہتے ہیں: ھذہ أجوہ حسان اصل میں وجوہ تھا یہ قاعدہ اس لیے جاری کیا گیا کیونکہ واؤ کا ضمہ ثقیل ہے **لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَیْنَكُمْ** (بقرہ: 237) باہم فضل کرنے کو نہ بھولو۔ یہاں واؤ کو ہمزہ سے بدلنا جائز نہیں کیونکہ ضمہ لازمی نہیں؛ یہ ابو عمرو، حمید، حسن اور نصر کی قراءت ہے۔ عاصم اور مجاہد نے وُقِّتَتْ پڑھا ہے یہی اس کی اصل ہے۔ ابوعمرو نے کہا: اسے اُقِّتَتْ پڑھے گا جو وجوہ کو اجوہ پڑھتا ہے۔ ابوجعفر، شیبہ اور اعرج نے وُقِتَتْ پڑھا ہے یعنی واؤ اور قاف کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یہ وقت سے فُعِلت کا وزن ہے۔ اس سے **كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ○** (النساء) ہے۔ حضرت حسن بصری سے وُوْقِتَت دو واؤ کے ساتھ ہے یہ وقت سے باب مفاعلہ کا صیغہ ہے جس طرح عوھدت ہے اگر ان دونوں قراءتوں میں واؤ کو الف سے بدل دیا جائے تو یہ جائز ہے۔ یحییٰ، ایوب، خالد بن الیاس اور سلام نے اقتت پڑھا ہے کیونکہ یہ مصحف عثمانی میں الف کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔

لِاَیِّ یَوْمٍ اُجِّلَتْ ○ یعنی اسے مؤخر کیا گیا، یہ اس دن کی عظمت شان کو بیان کرنا یہ تعظیم بیان کرنے کے لیے استفہام کا انداز اپنایا گیا ہے۔

لِیَوْمِ الْفَصْلِ ○ فیصلہ کے دن تک اسے مؤخر کر دیا گیا ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: اللہ تعالیٰ اس روز لوگوں کے درمیان جنت میں بھیجنے یا جہنم میں بھیجنے کا فیصلہ فرمائے گا۔ حدیث طیبہ میں ہے ''جب قیامت کے روز لوگوں کو اٹھایا جائے گا وہ چالیس سال تک اس طرح کھڑے رہیں گے کہ ان کے سروں پر سورج ہوگا ان کی آنکھیں آسمان کی طرف لگی ہوں گی وہ فیصلہ کے انتظار میں ہوں گے''۔

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الْفَصْلِ ﴿۱۴﴾ تعظیم کے بعد تعظیم کا ذکر کیا یعنی آپ کو کس نے بتایا کہ یوم فصل کیا ہے؟

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۵﴾ جو اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں، اس کی کتابوں اور یوم قیامت کو جھٹلائے اس کے لیے عذاب اور رسوائی ہے۔ یہ وعید ہے۔ اس سورت میں ہر آیت میں جھٹلانے والوں کا ذکر کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی تکذیب کے حساب سے ان کے درمیان عذاب کو تقسیم کر دیا، کیونکہ ایک شی کو جھٹلانے والے کے لیے ایک عذاب ہے جو دوسری چیز کے جھٹلانے والے کے عذاب سے مختلف ہے کیونکہ بعض چیزوں کی تکذیب جرم میں دوسری شے کی تکذیب سے بڑھ کر ہوتی ہیں کیونکہ وہ تکذیب میں بہت ہی قبیح اور اللہ تعالیٰ کا رد کرنے میں بڑھ کر ہوتی ہیں تو ہلاکت اسی حساب سے ان پر تقسیم کی جاتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جَزَآءً وِّفَاقًا ﴿۲۶﴾ (النباء) موافق جزا۔

حضرت نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہا: ویل جہنم میں ایک وادی ہے اس میں کئی قسم کے عذاب ہیں (1) یہی بات حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء نے کہی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: جب جہنم ٹھنڈی ہو جائے گی تو اس کا ایک انگارہ لیا جائے گا اسے اس جہنم پر پھینکا جائے گا تو اس کا بعض بعض کو کھا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے فرمایا: ''مجھ پر جہنم پیش کی گئی تو میں نے ویل سے بڑھ کر کوئی وادی نہیں پائی''۔ ایک روایت یہ کی گئی ہے: یہ جہنمیوں کی پیپ کے جمع ہونے کی جگہ ہے۔ دنیا میں بندے جانتے ہیں کہ دنیا میں سب سے بری جگہ وہ ہوتی ہے جہاں مرداروں اور حماموں کے پانیوں میں سے گندگیاں جمع ہوتی ہیں۔ یہ ذکر کیا گیا ہے وہ وادی ایسی ہے جہاں کفار اور مشرکوں کی پیپ جمع ہو جاتی ہے تاکہ دانشمند جان لیں اس سے بڑھ کر کوئی چیز گندی نہیں، اس سے زیادہ کوئی چیز بدبودار نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی چیز کڑوی نہیں اور اس سے بڑھ کر کوئی چیز سیاہ نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صفت اس عذاب سے بیان کی جس کو یہ وادی متضمن ہے کہ وہاں جہنم میں سب سے بڑی وادی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں اس وعید کا ذکر کیا۔

اَلَمْ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ نُتْبِعُهُمُ الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۷﴾ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۹﴾

''کیا ہم نے ہلاک نہیں کر دیا جو ان سے پہلے تھے۔ پھر ہم ان کے پیچھے پیچھے بھیج دیں گے بعد میں آنے والوں کو۔ گناہگاروں کے ساتھ ہم ایسا ہی سلوک کرتے ہیں۔ تباہی ہو گی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے''۔

حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک گزشتہ امتوں میں سے جن کفار کو ہلاک کیا گیا اس کی خبر دی جا رہی ہے پھر ہم بعد والوں کو پہلوؤں کے ساتھ ملا دیں گے، جس طرح ہم نے پہلے لوگوں کے ساتھ کیا ہم قریش کے مشرکوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے یا تو تلوار کا وار کر کے یا ہلاک کر کے۔ عام قراء نے ثم نتبعهم رفع کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ جملہ مستانفہ ہے اعرج نے نتبعهم جزم کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نُهْلِكِ الْاَوَّلِيْنَ ﴿﴾ پر معطوف ہے جس طرح تو کہتا ہے: الم تزرنی اکرمک۔ مراد اس سے یہ ہے کہ رسولوں کے اوقات کے مختلف ہونے کے ساتھ اس نے مختلف قوموں کو یکے بعد دیگرے

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 418

ہلاک کیا۔ پھر اس کلام سے نیا کلام شروع کیا۔ كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ۝ اس سے یہ ارادہ کیا کہ اس کے بعد جنہیں ہلاک کرے گا۔ یہ بھی جائز ہے نُتْبِعُهُمْ میں پے در پے حرکات کی وجہ سے تخفیف کرتے ہوئے ساکن پڑھا ہو۔ تخفیف کے لیے اسکان بھی مروی ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ثم سنتبعھم ہے كَذٰلِكَ میں کاف محل نصب میں ہے یعنی اس ہلاکت کی طرح ہم ہر مشرک کے ساتھ کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے دنیا میں ان کی ہلاکت کی ہولناکی بیان کی جارہی ہے۔ تاکہ عبرت دلائی جائے: ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آخرت میں ان کے عذاب کی خبر دی جارہی ہے۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۝ فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ فَقَدَرْنَا ۖ فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ۝

"کیا ہم نے تمہیں حقیر پانی سے پیدا نہیں فرمایا، پھر ہم نے رکھ دیا اسے ایک محفوظ جگہ (رحم مادر) میں ایک معین مدت تک، پھر ہم نے ایک اندازہ ٹھہرایا، پس ہم کتنے بہتر اندازہ ٹھہرانے والے ہیں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے"۔

اَلَمْ نَخْلُقْكُّمْ مِّنْ مَّآءٍ مَّهِيْنٍ۝ مَّهِيْنٍ کا معنی کمزور اور حقیر ہے۔ اس سے مراد نطفہ ہے اس کا ذکر ہو چکا ہے۔ جو آدمی یہ کہتا ہے کہ جنین کی پیدائش صرف مرد کے پانی سے ہوتی ہے اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

فَجَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۝ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ سے مراد محفوظ جگہ ہے وہ رحم ہے۔

اِلٰى قَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ۝ اتنے عرصہ تک جس میں ہم اس کی تصویر بنا دیں، لیکن قول یہ کیا گیا ہے: ولادت کے عرصہ تک۔

فَقَدَرْنَا نافع اور کسائی نے اسے فقدّرنا مشدد پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے مخفف پڑھا ہے یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ کسائی، فراء اور قتبی نے یہی کہا ہے۔ قتبی نے کہا: قدرنا بھی قدرناہ کے معنی میں ہے جس طرح تو کہتا ہے: قدرت کذا، قدرتہ۔ اس معنی میں چاند کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: اذا غم علیکم فاقدروا لہ (1) یعنی اس کی رفتار اور منازل کا اندازہ لگاؤ۔ محمد بن جہیم نے فراء سے روایت نقل کی ہے: فَقَدَرْنَا۔ حضرت علی شیر خدا سے مشدد اور مخفف دونوں طرح مروی ہے۔ کہا: یہ بعید نہیں مشدد اور مخفف ہونے کی صورت میں معنی ایک ہو کیونکہ عرب کہتے ہیں: قدر علیہ الموت، قدّر علیہ الموت۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَحْنُ قَدَّرْنَا بَيْنَكُمُ الْمَوْتَ (الواقعہ: 60) ہم نے تمہارے درمیان موت کو مقدر کر دیا۔ اس میں بھی قدرنا کو مشدد اور مخفف دونوں پڑھا گیا ہے۔ اس طرح قدر علیہ رزقہ وقدّر۔ دونوں طرح ہے۔ جنہوں نے اس کو مخفف پڑھا ہے انہوں نے استدلال کیا ہے اور کہا: اگر یہ مشدد ہوتا تو بعد میں فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ۝ ہوتا۔ فراء نے کہا: عرب دو لغتوں کو جمع کر لیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا۝ (الطارق) کافروں کو مہلت

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصوم، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا رأیتم الہلال

دیجئے انہیں کچھ مہلت دیجئے۔

اعشی نے کہا:

وأنكرتني وما كان الذى نكرت　　من الحوادث إلا الشيب والصلعا

انہوں نے مجھے عجیب جانا اور حوادثات میں سے صرف بڑھاپا اور گنجاپن عجیب جانا جاتا۔

عکرمہ سے مروی ہے: فَقَدَرْنَا معنی یہ قدرت سے مخفف ہے؛ یہ ابوعبید، ابو حاتم اور کسائی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

فَنِعْمَ الْقٰدِرُوْنَ ۝ جس نے فعل کو مشدد پڑھا ہے وہ قادرون کو تقدیر سے مشتق مانتا ہے یعنی ہم نے شقی اور سعید کو مقدم کیا ہم کتنے اچھے مقدر کرنے والے ہیں۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ ہم نے اسے لمبا اور چھوٹا مقدر کیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی کی مثل مروی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے ہم اس کے مالک ہیں۔ مہدوی نے کہا: یہ تفسیر تخفیف کی قراءت کے زیادہ مشابہ ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ صحیح ہے کیونکہ عکرمہ نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یا اس کا معنی ہے ہم اس کے مالک ہوتے تو ہم کتنے اچھے مالک ہیں۔ دونوں کلمات نے مختلف معانی دیئے یعنی ہم نے ولادت اور نطفہ کے احوال کو مقدر کیا جب وہ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ مکمل انسان بن جاتا ہے یا بدبخت اور سعادت مند بن جاتا ہے یا لمبا اور چھوٹا ہو جاتا ہے۔ یہ سب تشدید کے طریقہ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ اَحْیَآءً وَّ اَمْوَاتًا ۝ وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ وَیْلٌ یَّوْمَىٕذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ۝

''کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی تمہارے زندوں اور مردوں کو اور ہم نے ہی بنا دیئے اس میں خوب جمے ہوئے اونچے اونچے پہاڑ اور ہم نے ہی تمہیں میٹھا پانی پلایا۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

جسم اور اس کے اعضاء کو زمین میں دفن کرنا واجب ہے

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا ۝ کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو جمع کرنے والی زندوں کو روئے زمین پر اور مردوں کو اس کے بطن میں۔ یہ اس امر پر دال ہے کہ میت کو چھپانا، اسے دفن کرنا، اس کے بالوں کو دفن کرنا اور وہ تمام چیزیں جن کو وہ اپنے جسم سے الگ کرتا ہے دفن کرنا اور اس میں چھپانا واجب ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''اپنے ناخن کاٹو اور کٹے ہوئے ناخن زمین میں دفن کر دو'' (1)۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: کفت

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 45

الشیٔ اکفتہ یعنی میں نے اسے جمع کیا کفت کا معنی جمع کرنا اور ملانا ہے۔ سیبویہ نے یہ شعر پڑھا ہے:

کِرَامٌ حین تَنْکفتُ الأفَاعی إلی أحْجَارهن من الصَّقیعِ

وہ اس وقت بھی سخی ہوتے ہیں جب سانپ سخت ٹھنڈک کی وجہ سے اپنی بلوں میں سمٹ جاتے ہیں۔

ابو عبید نے کہا: کِفَاتًا کا معنی برتن ہیں سی کو کفت اور کفیت کہتے ہیں کیونکہ وہ دودھ کو جمع کرتی ہے۔ کہا:

فأنت الیومَ فوقَ الأرض حَیًا وأنت غدًا تَضُمُّكَ فی کِفَات

آج تو زمین پر زندہ ہے اور کل تجھے زمین پہلوؤں میں جمع کرے گی۔

امام شعبی ایک جنازہ میں نکلے آپ نے ایک قبرستان دیکھا فرمایا: یہ مردوں کو جمع کرنے والے برتن ہیں۔ پھر گھروں کی طرف دیکھا فرمایا: یہ زندوں کو جمع کرنے والے برتن ہیں۔

ان آیات سے مستنبط دیگر احکام ومسائل

مسئلہ نمبر 2۔ ایک کفن چور کے بارے میں ربیع سے پوچھا گیا۔ کہا: اس کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ان سے پوچھا گیا: آپ نے یہ بات کیوں کی؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ''کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مردوں کو جمع کرنے والا نہیں بنایا''۔ زمین محفوظ جگہ ہے۔ سورۂ مائدہ میں یہی بات گزر چکی ہے۔ لوگ بقیع غرقد کو کفتہ کہتے تھے کیونکہ یہ قبرستان ہے جو مردوں کو جمع کرتی ہے۔ زمین زندوں کو ان کے گھروں میں جمع کرتی ہے اور مردوں کو ان کی قبروں میں جمع کرتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے: لوگ روئے زمین پر قرار پذیر ہوتے ہیں پھر زمین پر پہلو کے بل لیٹتے ہیں ان میں سے کچھ اس کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ زندوں کے برتن ہیں یعنی انسان سے جو فضلات نکلتے ہیں انہیں زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے۔ لوگوں کا اس کے اوپر ہونا اس میں ملانے کا کوئی تصور نہیں ضم کا لفظ تمام وجوہ سے احاطہ کرنے کے معنی میں آتا ہے۔ اخفش، ابو عبید اور مجاہد نے اپنے دو قولوں میں سے ایک قول میں کہا: اَحْیَآءً اور اموات کا مرجع ارض ہے یعنی زمین دو قسموں میں منقسم ہے زندہ جو فصل اگاتی ہے، مردہ جو کوئی چیز نہیں اگاتی۔ فراء نے کہا: اَحْیَآءً اور اَمْوَاتًا اس وجہ سے منصوب ہے کہ یہ کفات کے مفعول بہ ہیں معنی ہوگا کیا ہم نے زمین کو زندہ اور مردہ جمع کرنے والا نہیں بنایا جب تو انہیں تنوین دے گا تو تو انہیں نصب دے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۙ یَّتِیْمًا (البلد) یا بھوک والے دن یتیم کو کھانا کھلانا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ الْاَرْضَ سے حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے یعنی زمین میں سے کچھ اس طرح اور کچھ اس طرح۔ اخفش نے کہا: کِفَاتًا یہ کافتتکی جمع ہے الْاَرْضَ سے مراد جمع ہے اس وجہ سے جمع کے ساتھ اس کی لغت بیان کی جاتی ہے خلیل نے کہا: تکفیت کا معنی کسی شی کو الٹ دینا، ظاہر کو باطن بنا دینا اور باطن کو ظاہر بنا دینا یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکفت القوم الی منازلھم لوگ اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔

کفات کا معنی یہ ہوگا وہ زمین کے اوپر تصرف کرتے ہیں اور اس کی طرف پلٹ آتے ہیں اور انہیں اس میں دفن کیا جاتا ہے۔

وَّ جَعَلْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ شٰمِخٰتٍ وَّ اَسْقَیْنٰكُمْ مَّآءً فُرَاتًا ۝ ھا ضمیر سے مراد زمین ہے۔ رَوَاسِیَ سے مراد پہاڑ ہیں۔ رَوَاسِیَ سے مراد ثبت ہیں۔ شٰمِخٰتٍ سے مراد لمبے ہیں اس معنی میں کہا جاتا ہے: شمخ بانفہ جب وہ تکبر کرتے ہوئے اپنے

تاء کو واو پر اٹھائے اور ہم نے تمہارے لیے پانی بنا دیا ہے۔ فرات سے مراد میٹھا پانی ہے جس کو پایا جاتا ہے اور اس سے کھیتی سیراب کی جاتی ہے یعنی ہم نے پہاڑوں کو پیدا کیا اور میٹھا پانی نازل کیا یہ امور دوبارہ اٹھائے جانے سے زیادہ عجیب ہیں (1)۔ ایک حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: زمین میں جنت سے فرات، دجلہ اور نہر اردن ہے۔ صحیح مسلم میں ہے سیحان، جیحان، نیل اور فرات عام جنت کے دریا ہیں (2)۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۞ اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۞ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ۞ اِنَّهَا تَرۡمِىۡ بِشَرَرٍ كَالۡقَصۡرِ ۞ كَاَنَّهٗ جِمٰلَتٌ صُفۡرٌ ۞ وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۞

"انہیں حکم ملے گا چلو اس (آگ) کی طرف جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے۔ چلو اس سایہ کی طرف جو تین شاخوں والا ہے، نہ وہ سایہ دار ہے اور نہ وہ بچاتا ہے آگ کی لپیٹ سے، وہ جہنم پھینک رہی ہوگی بڑے بڑے انگارے جیسے محل گویا وہ زرد رنگ کے اونٹ ہیں۔ تباہی ہوگی اس دن جھٹلانے والوں کے لیے"۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى مَا كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۞ یعنی کفار کو کہا جائے گا: جس عذاب کو تم جھٹلاتے تھے اس کی طرف تم چلو تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔

اِنۡطَلِقُوۡۤا اِلٰى ظِلٍّ ذِىۡ ثَلٰثِ شُعَبٍ ۞ لَّا ظَلِيۡلٍ وَّلَا يُغۡنِىۡ مِنَ اللَّهَبِ ۞ ایسے دھویں کی طرف چلو جو اوپر اٹھتا ہے تو تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ عظیم دھویں کی یہی صورتحال ہوتی ہے جب وہ اوپر اٹھتا ہے تو شاخوں والا ہو جاتا ہے پھر سایہ کی صفت بیان کی، یعنی وہ ایسا سایہ نہیں ہوگا جو سورج کی گرمی سے بچائے اور جہنم کی لپک سے کچھ فائدہ نہیں دے گا۔ جب آگ بھڑکتی ہے تو جو چیز اس پر بلند ہوتی ہے اسے لہب کہتے ہیں وہ سرخ ہو، زرد ہو یا سبز ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: تین شاخوں سے مراد ضریع، زقوم اور غسلین ہے؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لہب، انگارہ، دھواں، کیونکہ یہی تین حالتیں ہیں جب آگ خوب بھڑکتی ہے تو آگ کے یہی تین وصف ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد وہ ابتدائی دھواں ہے جو آگ سے باہر نکلتا ہے پھر تین حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے جہاں تک نور کا تعلق ہے وہ مومنوں کے سروں پر رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد گرد و غبار ہے وہ آگ کا شعلہ ہے جو انہیں احاطہ میں لیے ہوگا، پھر تین حصوں میں تقسیم ہو جائے گا وہ ان پر سایہ کیے رہے گا یہاں تک کہ حساب سے فراغت ہو جائے گی اور انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ یحموم کا سایہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِىۡ سَمُوۡمٍ وَّحَمِيۡمٍ ۞ وَّظِلٍّ مِّنۡ يَّحۡمُوۡمٍ ۞ لَّا بَارِدٍ وَّلَا كَرِيۡمٍ ۞ (الواقعہ)

جیسے پہلے گزر چکا ہے حدیث طیبہ میں ہے: سورج لوگوں کے سروں کے قریب ہوگا اس روز ان پر کوئی لباس اور کفن نہیں ہوں گے سورج ان کو جھلسا دے گا، ان کی سانسوں کو گرفت میں لے لے گا اور اس دن کو لمبا کر دیا جائے گا پھر اللہ تعالیٰ جس کے حق میں چاہے گا اپنی رحمت کے ساتھ اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا اس وقت وہ کہیں گے: فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيۡنَا وَوَقٰٮنَا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 434
2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة و صفة نعیمها و اهلها، باب مافی الدنیا من انهار الجنة

عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ (طور) الله تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا اور ہمیں عذاب سموم سے بچایا اور جھٹلانے والوں کو کہا جائے گا: تین شاخوں والے سایہ کی طرف چلو الله تعالیٰ کے اولیاء اس کے عرش کے سایہ میں ہوں یا جہاں وہ اپنے سایہ میں جگہ دینا چاہے گا یہاں تک کہ حساب سے فراغت ہو جائے گی پھر ہر فریق کو جنت اور جہنم کے مستقر کی طرف جانے کا حکم دے دیا جائے گا۔ پھر آگ کی صفت بیان کی۔

اِنَّهَا تَرْمِيْ بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ ۝ شرر کا واحد شررۃ ہے اور شرار کا واحد شرارۃ ہے۔ اس سے مراد وہ چیز ہے جو آگ کی جانب سے اڑتی ہے اصل میں شررت الثوب سے مشتق ہے یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اسے دھوپ میں پھیلائے تا کہ وہ خشک ہو جائے۔ قصر سے مراد بلند عمارت ہے۔ عام قراءت كَالْقَصْرِ صاد کے سکون کے ساتھ ہے اس سے مراد قلعے اور شہر ہیں اس کی جمع قصور آتی ہے، یہ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے یہ جنس کے طبقہ پر جمع کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قصر یہ قصرۃ کی جمع ہے جس طرح جمرۃ کی جمع جمر، تمرۃ کی جمع تمر آتی ہے قصر لکڑی کے موٹے ٹکڑے کو کہتے ہیں۔

بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم موسم سرما کے تین تین ہاتھ کی یا اس سے کم لکڑیاں اٹھا کر رکھتے اور اسے قصر کا نام دیتے۔ سعید بن جبیر اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد بڑے درخت اور بڑی کھجور کے تنے ہیں جب وہ گر پڑیں اور انہیں کاٹا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اس کا ابتدائی حصہ ہے۔ حضرت ابن عباس، مجاہد، حمید اور سلمی نے اسے كالقصر پڑھا ہے اس سے مراد کھجور کا ابتدائی حصہ ہے۔ قصرۃ کا معنی گردن بھی ہے اس کی جمع قصر اور قصرات آتی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد اونٹ کی گردن ہے۔ سعید بن جبیر نے قاف کے کسرہ اور صاد کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ قصرۃ کی جمع بھی ہو سکتی ہے جیسے بدرۃ کی جمع بدر، قصعہ کی جمع قصع اور حلقہ کی جمع حلق آتی ہے یہ لوہے کے چھلوں کے لیے ہے۔ ابو حاتم نے کہا: شاید یہ بھی ایک لغت ہے جس طرح حاجۃ کی جمع حوج آتی ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے: قصر سے مراد پہاڑ ہے شرر کو انگاروں سے مقدار میں قصر سے تشبیہ دی گئی پھر انہیں رنگوں میں سیاہ اونٹوں سے تشبیہ دی گئی صفر اس سے مراد سیاہ اونٹ ہیں عرب سیاہ اونٹوں کو صفر کہتے ہیں۔

شاعر نے کہا:

تِلْكَ خَيْلِي مِنْه وَتِلْكَ رِكَابِي هُنَّ صُفْرٌ أَوْلَادُهَا كَالزَّبِيبِ

وہ اس کی جانب سے میرے گھوڑے اور میرے اونٹ ہیں وہ سیاہ ہیں ان کی اولادیں کشمش کی رنگت والی ہیں۔

سیاہ اونٹوں کو صفر کہا گیا ہے کیونکہ ان کی سیاہی میں زردی کی آمیزش ہوتی ہے جس طرح سفید ہرنوں کو اُدْم کہتے ہیں کیونکہ ان کی سفیدی پر گدلا پن غالب ہوتا ہے۔ انگارہ جب اڑے اور پھر گرے تو اس میں آگ کی رنگت ہوتی ہے جو سیاہ رنگ کے مشابہ ہوتی ہے جس میں زردی کی آمیزش ہوتی ہے۔

عمران بن خطان خارجی نے کہا:

دَعَتْهُمْ بِأَعْلَى صَوْتِهَا وَرَمَتْهُمْ بِمِثْلِ الْجِمَالِ الصُّفْرِ نَزَّاعَةُ الشَّوَى

اس نے انہیں بلند آواز سے بلایا اور انہیں زرد اونٹوں کی طرح پھینکا جو چہرے کو جھلسا دینے والی تھی۔

ترمذی نے اس قول کو ضعیف قرار دیا کہا: یہ قول لغت میں محال ہے کہ کوئی چیز ہو جس میں تھوڑی سی چیز کی آمیزش ہو تو تمام کو اس تھوڑی سی ملنے والی چیز کی طرف منسوب کر دیا جائے۔ جس نے یہ قول کیا ہے اس پر تعجب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ ہم لغت میں ایسی کوئی چیز نہیں جانتے۔ ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ آگ نور سے پیدا کی گئی وہ روشن آگ ہے جب اللہ تعالیٰ نے جہنم کو پیدا کیا جو آگ کی جگہ ہے وہ جگہ اس آگ سے بھر گئی اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف اپنی قوت اور غضب بھیجا تو اس قوت و غلبہ کی وجہ سے وہ سیاہ ہو گئی اور اس کی گہرائی میں اور اضافہ ہو گیا۔ وہ آگ سے زیادہ سیاہ ہو گئی اور ہر چیز سے زیادہ سیاہ ہو گی، جب قیامت کا دن ہو گا میدان محشر میں جہنم کو لایا جائے گا تو وہ لوگوں پر شرارے پھینکے گی وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی وجہ سے غضبناک ہو گی وہ انگارے بھی سیاہ ہوں گے کیونکہ وہ سیاہ آگ کے ہوں گے۔ جب آگ اپنے انگارے پھینکے گی تو وہ دشمنوں کو مارے گی وہ آگ کے سیاہ ہونے کی وجہ سے سیاہ ہوں گے یہ موحدین تک نہیں پہنچیں گے وہ رحمت کے حجاب میں ہوں گے جنہوں نے مومنین کی موقف کو گھیر رکھا ہو گا۔ یہی وہ بادل ہے جس میں رب العالمین جلوہ افروز ہو گا لیکن وہ شراروں کے پھینکے جانے کے منظر کو دیکھیں گے جب وہ اس منظر کو دیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ اس غضب اور ہیبت کو دور فرما دے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: جِمٰلَتٌ صُفْرٌ ﴿۳۳﴾ سے مراد کشتیوں کی رسیاں ہیں۔ ان رسیوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ مردوں کی کمریں محسوس ہوں گی؛ اسے امام بخاری نے ذکر کیا ہے وہ اسے جُمالات پڑھتے؛ اسی طرح مجاہد اور حمید نے جمالات پڑھا ہے اس سے مراد موٹی رسیاں ہیں اس سے مراد کشتی کی رسیاں ہیں قلوس کا واحد قلس ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد تانبے کے ٹکڑے ہیں۔ موٹی رسی میں جو لفظ معروف ہے وہ جمل ہے جس طرح سورۃ الاعراف میں پہلے گزر چکا ہے۔ جمالات، جمالۃ کی جمع ہے گویا جمالہ، جمل کی جمع ہے جس طرح حجر کی جمع حجارہ ہے اور ذکر کی جمع ذکارہ ہے۔ یعقوب، ابن ابی اسحاق، عیسیٰ اور جحدری نے جُمالۃ پڑھا ہے یہ واحد کا صیغہ ہے اس سے مراد عظیم شی ہے جس کا ایک حصہ دوسرے کے ساتھ جمع ہو۔ حفص، کسائی اور حمزہ نے جِمالۃ پڑھا ہے اور سات میں سے باقی قراء نے جمالات پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ جائز ہے کہ جمالات، جمال کی جمع ہو جس طرح کہا جاتا ہے: رجل کی جمع رجال اور رجالات ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی تیزی کی وجہ سے اونٹوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بعض، بعض کی متابعت کرتے ہیں۔ قصر کی جمع قصور ہے قصر الظلام کا معنی تاریکیوں کا آپس میں ملنا ہے کہا جاتا ہے: اتیته قصرا میں عشاء کے وقت آیا، یہ مشترک ہے۔

جس طرح کسی نے کہا: کانھم قصرا مصابیح راھب گویا وہ عشاء کے وقت راہب کے چراغ ہیں۔

مسئلہ: اس آیت میں یہ دلیل موجود ہے کہ لکڑیوں اور کوئلہ کو ذخیرہ کرنا جائز ہے اگر چہ یہ غذا میں سے ہے کیونکہ یہ انسان کے مصالح اور ضروریات کو پورا کرنے کا باعث ہے یہ ان چیزوں میں سے ہے جو یہ تقاضا کرتی ہیں کہ انسان ضرورت کے

وقت کے علاوہ کسی چیز کو حاصل کرنے کا خیال رکھے تا کہ یہ چیز سستی مل جائے اور اس کے وجود کی حالت زیادہ ممکن ہو جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول مبارک یہ تھا کہ آپ اپنے مال اور کمائی سے اس وقت خوراک اکٹھی کر لیتے تھے جب خوراک عام پائی جاتی ہر شے اس پر محمول کی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے اس ارشاد میں اس چیز کو بیان کیا ہے ہم لکڑیوں کا ارادہ کرتے ہیں ہم تین تین ہاتھ یا اس سے زائد یا اس سے کم کاٹ لیتے اور موسم سرما کے لیے انہیں ذخیرہ کر لیتے ہم اس عمل کو قصر کا نام دیتے اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ان میں سے یہ سب سے زیادہ صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ وَلَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ﴿٣٧﴾

''یہ وہ دن ہوگا جس میں نہ وہ بول سکیں گے اور نہ انہیں اجازت ملے گی کہ وہ کچھ عذر پیش کریں۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے''۔

وہ اس وقت گفتگو نہ کریں گے۔ قیامت کے دن کے کئی مواقع اور محل ہیں یہ ان اوقات میں سے ہے جس میں وہ گفتگو نہ کریں گے اور انہیں معذرت کرنے کی اجازت نہ دی جائے گی۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابن ارزق نے ان سے هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ ﴿٣٥﴾ اور فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿١٠٨﴾ (طٰہٰ) کے بارے میں پوچھا جبکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿٢٥﴾ (الطور) تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے فرمایا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے تیرے رب کے ہاں ایک دن ان ہزار سالوں کی طرح ہے جنہیں تم شمار کرتے ہو۔ ان دونوں میں سے ہر ایک دن کی مقدار کا انداز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ نفع مند بات نہ کریں گے۔ جو آدمی ایسی گفتگو کرے جو نفع مند نہ ہو وہ اس طرح ہے جیسے اس نے گفتگو کی ہی نہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ دلیل سے گفتگو نہیں کریں گے اگرچہ وہ گفتگو کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ان کے جواب کا وقت ہے ارشاد فرمایا: اخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿١٠٨﴾ (المومنون)

اس بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت ابو عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہیبت کو دیکھنے اور گناہوں کے حیاء نے انہیں خاموش کر دیا۔ جنید نے کہا: اس آدمی کے لیے کیا عذر ہو سکتا ہے جو منعم سے اعراض کرے، اس کا انکار کرے اور اس کے احسانات اور نعمتوں کی ناشکری کرے۔ یوم کا لفظ عام لوگوں کی قراءت میں مبتدا اور خبر ہونے کی حیثیت میں مرفوع ہے فرشتے کہیں گے: یہ ایسا دن ہے جس میں وہ گفتگو نہ کریں۔ یہ بھی جائز ہے کہ اِنْطَلِقُوْٓا فرشتوں کا قول ہے پھر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں سے فرمائے گا: یہ ایسا دن ہوگا جس میں کفار گفتگو نہ کریں گے۔ الیوم کا معنی ساعت اور وقت ہے۔

یحییٰ بن سلطان نے ابوبکر سے وہ عاصم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس میں یوم کا لفظ منصوب ہے۔ ابن ہرمز اور دوسرے علماء سے مروی ہے: یہ بھی جائز ہے کہ یوم کا لفظ مبنی ہو کیونکہ وہ فعل کی طرف مضاف ہو اور اس کا محل رفع کا ہو؛ یہ کوفیوں کا نقطہ نظر ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اشارہ یوم کی طرف نہ ہو؛ یہ بصریوں کا مذہب ہے کیونکہ ان کے نزدیک یہ مبنی ہوتا ہے جب اسے مبنی کی طرف مضاف کیا جائے یہاں فعل معرب ہے۔ فراء نے اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ لَا يُؤْذَنُ لَهُمْ فَيَعْتَذِرُوْنَ ﴿٣٦﴾ کے

بارے میں کہا: یہاں فاء عاطفہ ہے یعتذرون کا عطف یوذن پر ہے۔ یہ جائز ہے کیونکہ آخر میں نون اعرابی موجود ہے اگر یہ فیعتذروا ہوتا، آیات میں موافقت نہ ہوتی جب کہ یہ ارشاد فرمایا: لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا (فاطر: 36) یہاں فَیَمُوْتُوْا محل نصب میں ہے سب درست ہے اس کی مثل مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ (الحدید: 11) کون ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے کہ اللہ تعالیٰ اس کے اجر میں کئی گنا اضافہ کردے یہاں فَیُضٰعِفَهٗ کو مرفوع اور منصوب پڑھنا جائز ہے۔

هٰذَا یَوْمُ الْفَصْلِ ۚ جَمَعْنٰكُمْ وَ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۸﴾ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ كَیْدٌ فَكِیْدُوْنِ ﴿۳۹﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۰﴾

''(اے کافرو!) یہ فیصلہ کا دن ہے (جس میں) ہم نے تمہیں اور اگلوں کو جمع کر دیا ہے۔ پس اگر تمہارے پاس کوئی چال ہے تو میرے خلاف استعمال کرو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے''۔

انہیں کہا جائے گا: یہ وہ دن ہے جس میں مخلوقات کے درمیان فیصلہ کیا جائے گا اور حق پرست باطل پرست سے ممتاز ہو جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کو جھٹلانے والوں اور آپ سے قبل کے انبیاء کو جھٹلانے والوں کو جمع کرے گا۔ ضحاک نے ان سے یہ روایت نقل کی ہے۔

اگر تمہارے پاس ہلاکت سے خلاصی کی کوئی صورت ہے تو اپنے لیے کوئی حیلہ کرو اور مجھ سے قوت میں مقابلہ کر لو تم ہرگز اس کو نہ پاؤ گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اگر تم جنگ پر قادر ہو تو مجھ سے جنگ کرو۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کی ہے تم دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنگ کیا کرتے تھے اور مجھ سے جنگ کیا کرتے تھے آج تم مجھ سے جنگ کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا: تم دنیا میں نافرمانیاں کیا کرتے تھے آج تم اس سے عاجز آ چکے ہو اور اپنا دفاع کرنے سے بھی عاجز آ چکے ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کی حکایت ہے تو یہ حضرت ہود علیہ السلام کے قول کی طرح ہوگا: ''تم میرے ساتھ خفیہ تدبیر کر لو پھر تم مجھے مہلت نہ دینا''۔

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ ظِلٰلٍ وَّ عُیُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا یَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا هَنِیْٓئًۢا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۴۴﴾ وَیْلٌ یَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۴۵﴾

''بے شک پرہیزگار (اللہ کی رحمت کے) سایوں میں اور چشموں میں ہوں گے اور (ان) پھلوں میں ہوں گے جن کو وہ پسند کریں گے۔ (انہیں کہا جائے گا) مزے سے کھاؤ اور پیو اور ان اعمال کے صلہ میں جو تم کیا کرتے تھے۔ ہم یوں ہی صلہ دیا کرتے تھے نیکوں کاروں کو، تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے''۔

یہاں اس چیز کے بارے میں خبر دی جس کی طرف متقی لوٹیں گے۔ ظِلٰلٍ سے مراد درختوں اور محلات کے سائے ہیں یہ اس سایہ کی جگہ ہوں گے جو تین شاخوں والا ہوگا۔ سورۂ یاسین میں ہے هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِیْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ﴿۵۶﴾ (یاسین) وہ اور ان کی بیویاں سایوں میں ہوں گی پلنگوں پر ٹیک لگائے ہوئے۔

ان کے لیے وہ پھل ہوں گے جس کی تمنا کریں گے۔ عام قراء کی قرات ظلال ہے۔

اعرج، زہری اور طلحہ نے ظُلَلٍ پڑھا ہے جو ظلہ کی جمع ہے یعنی جنت میں وہ سائے میں ہوں گے۔

کھاؤ پیو یعنی متقین کو آخرت میں یہ کہا جائے گا جب کہ مشرکین کو کہا جائے گا: اگر تم کوئی حیلہ کر سکتے ہو تو حیلہ کرو۔ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا یہ متقین کی ضمیر سے حال ہے جو ضمیر فِيْ ظِلٰلٍ کی ظرف میں ہے یعنی جار مجرور جس شبہ فعل کے متعلق ہے اس میں جو ضمیر ہے اس سے حال ہے جو شبہ فعل مستقرون ہے انہیں یہ کہا جائے گا: ہم انہیں بدلہ دیں گے جنہوں نے دنیا میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق اور اپنے اعمال میں احسان سے کام لیا۔

كُلُوْا وَتَمَتَّعُوْا قَلِيْلًا اِنَّكُمْ مُّجْرِمُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝

"(اے منکرو!) اب کھالو اور عیش کرلو تھوڑا سا وقت بے شک تم مجرم ہو۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے"۔

اس کلام کو متقین کے متعلق کلام سے قبل کلام کی طرف پھیرا جائے گا۔ یہ کلام وعید اور دھمکی ہے یہ المکذبین سے حال ہے مطلب یہ ہوگا جس وقت انہیں یہ کہا جائے گا اس وقت ان کے لیے ہلاکت ثابت ہوگی، کیونکہ تم مجرم ہو یعنی کافر ہو تم ایسا عمل (شرک و کفر) کرنے والے ہو جو تمہیں آخرت میں نقصان پہنچائے گا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ يُؤْمِنُوْنَ ۝

"اور (آج) ان سے کہا جاتا ہے اپنے رب کے سامنے جھکو تو نہیں جھکتے۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے۔ آخر کس بات پر وہ اس کتاب کے بعد ایمان لائیں گے"۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝ جب ان مشرکوں کو یہ کہا جاتا ہے: نماز پڑھو تو وہ نماز نہیں پڑھتے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ بنو ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی جو نماز پڑھنے سے رک گئے تھے تو یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی۔ مقاتل نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کہا: "اسلام قبول کرلو" اور انہیں نماز کا حکم دیا تو ان کے بارے میں یہ حکم نازل ہوا۔ انہوں نے کہا: ہم نہیں جھکیں گے کیونکہ یہ ہمارے لیے گالی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایسے دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں رکوع و سجود نہ ہو"۔ یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نماز عصر کے بعد مسجد میں داخل ہوئے آپ نماز عصر کے بعد نماز پڑھنے کو جائز خیال نہ کرتے تھے آپ بیٹھ گئے اور نماز نہ پڑھی ایک بچے نے ان سے کہا: اے شیخ! اٹھیے اور نماز پڑھیے آپ اٹھے اور نماز پڑھی اور اپنے مذہب کے مطابق اس سے کوئی جھگڑا نہ کیا۔ حضرت امام مالک سے اس بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے جواب دیا میں ڈر گیا کہ کہیں میں ان لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں جن کے بارے میں ہے وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ ارْكَعُوْا لَا يَرْكَعُوْنَ ۝۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ بات انہیں آخرت میں کہی جائے گی جب انہیں سجدہ کی دعوت دی جائے گی تو وہ

اس کی طاقت نہ رکھیں گے۔ قتادہ نے کہا: یہ دنیا میں ہوگا۔ ابن عربی نے کہا: یہ آیت اس امر پر حجت ہے کہ رکوع واجب ہے اور نماز میں یہ رکن ہے اس پر تمام علماء کا اجماع ہے۔ ایک قوم کا گمان ہے: یہ قیامت میں ہوگا وہ تکلیف کا گھر نہیں یعنی وہاں مقصود کسی فعل کا مطالبہ نہیں امر اس کی طرف ویل اور عقاب کی حیثیت سے متوجہ ہوگا۔ انہیں سجدہ کی دعوت دی جائے گی تا کہ دنیا میں لوگوں کا جو حال تھا وہ عیاں ہو جائے جو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کیا کرتا تھا وہ سجدہ کر سکے گا جو ریا کاری کے طور پر سجدہ کیا کرتا تھا تو اس کی پشت سیدھی ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب انہیں کہا جائے گا حق کے لیے جھکو تو وہ نہ جھک سکیں گے یہ نماز اور دوسرے امور میں عام ہے نماز کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ توحید کے بعد وہ شرائع کی اصل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ نماز ایمان کے بغیر درست نہیں۔

فَبِاَيِّ حَدِيۡثٍۢ بَعۡدَهٗ يُؤۡمِنُوۡنَ ۝ یعنی اگر وہ قرآن کی تصدیق نہ کریں جو معجزہ ہے اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت پر دلیل ہے تو پھر وہ کس چیز کی تصدیق کریں گے؟

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۝ کو مکرر ذکر کیا گیا ہے تا کہ تخریف اور وعید کا اعادہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تکرار نہیں کیونکہ ہر قول سے ایسی چیز کا ارادہ کیا گیا جو دوسرے قول سے ارادہ نہیں کیا گیا تھا گویا ایک چیز کا ذکر کیا گیا اور فرمایا: جو اس کو جھٹلاتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہے پھر ایک چیز کا ذکر کیا اور کہا: جو اس کو جھٹلاتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہے پھر ایک اور چیز کا ذکر کیا اور کہا: جو اس کو جھٹلاتا ہے اس کے لیے ہلاکت ہے، پھر آخر تک اسی طرح ہے۔

سورۂ عم

آیاتہا ۴۰ ۔ ۷۸ سورۃ النبا مکیۃ ۸۰ ۔ رکوعاتہا ۲

یہ سورت مکی ہے، اسے سورۃ النبا بھی کہتے ہیں۔ اس کی آیات چالیس ہیں یا اکتالیس ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝۱ عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝۳ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۴ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۝۵

''وہ کس چیز کے بارے میں ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کیا وہ اس بڑی اور اہم خبر کے بارے میں پوچھ رہے ہیں جس میں وہ اختلاف کرتے رہتے ہیں۔ یقیناً وہ اسے جان لیں گے پھر یقیناً وہ اسے جان لیں گے (کہ قیامت برحق ہے)''۔

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ۝ عَمَّ استفہام کا لفظ ہے اس وجہ سے ما کا الف حذف کر دیا گیا تا کہ خبر استفہام سے ممتاز ہو جائے اس طرح فیم اور مم ہے جب ان کے ساتھ سوال کیا جائے معنی ہوگا وہ ایک دوسرے کے بارے میں کس چیز کے متعلق سوال کرتے ہیں؟ زجاج نے کہا: عَمَّ اصل میں عن ما تھا نون کو میم میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ نون غنہ میں میم کے ساتھ شریک ہے۔ يَتَسَآءَلُوْنَ میں ضمیر قریش کے لیے ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب قرآن حکیم نازل ہوا تو قریش بیٹھا کرتے وہ آپس میں گفتگو کرتے ان میں سے کچھ تصدیق کرنے والے ہوتے اور کچھ جھٹلانے والے، تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَمَّ، فیم کے معنی میں ہے یعنی کس چیز کے بارے میں سختی کرتے ہیں اور جھگڑتے ہیں؟

عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ۝۲ وہ نبا عظیم کے بارے میں سوال و جواب کرتے ہیں۔ عن حرف جار اس يَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق نہیں جو تلاوت میں ہے کیونکہ یہ حرف استفہام کے داخل ہونے کو لازم ہے تو عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ تیرے اس قول کی طرح ہو جائے گا: تیرا کتنا مال ہے کیا تیس یا چالیس؟ جو بات ہم نے ذکر کی ہے اس سے یہ بات لازم ہوگی کہ اسے اس يَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق کرنا ممتنع ہے جو تلاوت میں موجود ہے۔ یہ ایک اور يَتَسَآءَلُوْنَ کے متعلق ہے جو مضمر ہے اسے مضمر ماننا اچھا ہے کیونکہ يَتَسَآءَلُوْنَ پہلے موجود ہے؛ یہ مہدوی نے کہا۔ بعض اہل علم نے یہ ذکر کیا ہے کہ دوبارہ جو عَنِ آیا ہے اس میں استفہام ہے مگر وہ مضمر ہے گویا کلام یوں ہے عم یتساءلون عن النبا العظیم اس بنا پر پہلی آیت کے ساتھ متصل ہے اور النَّبَاِ الْعَظِيْمِ سے مراد بڑی خبر ہے۔

الَّذِیْ هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ۝ وہ اس کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں ایک تصدیق کرتا ہے اور دوسرا جھٹلاتا ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبا عظیم سے مراد قرآن حکیم ہے اس کی دلیل قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِیْمٌ ۙ اَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ ۝ (ص) کہہ دیجئے: وہ عظیم خبر ہے جس سے تم اعراض کرتے ہو قرآن حکیم نبا خبر اور قصص ہے وہ عظیم الشان خبر ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ موت کے بعد دوبارہ اٹھانا ہے لوگ اس بارے میں دو حصوں میں بٹ گئے تصدیق کرنے والے اور تکذیب کرنے والے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا امر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ساری چیزوں کے بارے میں سوال کیا اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے اختلاف کے بارے میں آگاہ کیا پھر انہیں خبر دار کیا، فرمایا: كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَیَعْلَمُوْنَ ۝ وہ عنقریب قرآن کے انجام کے بارے میں آگاہ ہو جائیں گے کیا وہ حق ہے یا باطل ہے؟ كَلَّا انہوں نے بعث کا جو انکار کیا اور قرآن کی جو تکذیب کی اس کا رد کرنے کے لیے کلام کو ذکر کیا۔ اس پر وقف کیا جائے گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حق کے معنی میں ہو یا الا کے معنی میں ہو۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ ان کا سوال دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں ہو۔ ہمارے بعض علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان اِنَّ یَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِیْقَاتًا ۝ اس امر پر دلالت کرتا ہے وہ دوبارہ اٹھائے جانے کے بارے میں باہم سوال کیا کرتے تھے۔

یعنی یہ بات حق ہے کہ وہ اس بات کو جان لیں گے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس قرآن کو لائے ہیں وہ سچ ہے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کے سامنے جو یہ بیان کیا ہے کہ موت کے بعد انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا وہ سچ ہے۔

ضحاک نے کہا: اس سے مراد ہے کفار اپنے جھٹلانے کے انجام کو دیکھ لیں گے پھر مومنین اپنی تصدیق کے انجام کو دیکھ لیں گے۔ ایک قول اس کے برعکس بھی کیا گیا ہے کہ پہلے فعل کا فاعل مومن اور دوسرے فعل کا فاعل کافر ہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ وعید کے بعد وعید ہے۔ دونوں افعال میں عام قراءت یاء کے ساتھ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَتَسَآءَلُوْنَ، هُمْ فِیْهِ مُخْتَلِفُوْنَ یعنی یہ غائب کے صیغے ہیں۔ حضرت حسن بصری، ابو العالیہ اور مالک بن دینار نے کہا: دونوں تاء کے ساتھ مخاطب کے صیغے ہیں۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۙ وَّ الْجِبَالَ اَوْتَادًا ۙ وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۙ وَّ جَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۙ وَّ جَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۙ وَّ جَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۪ وَّ بَنَیْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ۙ وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ۪ وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ۙ لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝

"کیا ہم نے نہیں بنا دیا زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں اور ہم نے پیدا کیا ہے تمہیں جوڑا جوڑا اور ہم نے بنا دیا تمہاری نیند کو باعث آرام اور ہم نے بنا دیا رات کو پردہ پوشی اور ہم نے دن کو روزی کمانے کے لیے بنا دیا اور ہم

نے بنائے تمہارے اوپر سات مضبوط (آسمان) اور ہم نے ہی ایک نہایت روشن چراغ بنایا اور ہم نے برسایا بادلوں سے موسلا دھار پانی تا کہ ہم اگائیں اس کے ذریعے اناج اور سبزی نیز گھنے باغات"۔

اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ مِهٰدًا ۝ ان کی اس بات پر راہنمائی کی کہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے پر قادر ہے یعنی ان امور کو پیدا کرنے پر ہماری قدرت دوبارہ اٹھانے پر ہماری قدرت سے عظیم ہے۔ مہاد کا معنی بستر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا** (البقرہ:22) وہ ذات پاک جس نے زمین کو تمہارے لیے بستر بنا دیا۔ اسے مھدا بھی پڑھا گیا ہے اس کا معنی ہے زمین ان کے لیے ایسی ہے جیسے بچے کے لیے پنگھوڑا ہوتا ہے، مھد اسے کہتے ہیں جسے بچھایا جاتا ہے اور اس پر سویا جاتا ہے۔

وَّالْجِبَالَ اَوْتَادًا ۝ پہاڑوں کو میخیں بنایا تا کہ وہ پرسکون ہو جائے اور اپنے مکینوں کے ساتھ ایک طرف مائل نہ ہو جائے۔

وَّخَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ یعنی اصناف بنایا ان میں سے کچھ مذکر ہیں اور کچھ مونث ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **اَزْوَاجًا** کا معنی رنگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں ہر جوڑا داخل ہو جاتا ہے یعنی قبیح، حسین اور لمبا، چھوٹا تا کہ احوال مختلف ہو جائیں تو اعتبار واقع ہو سکے فضیلت والا شکر بجالائے اور جس پر فضیلت حاصل کی گئی وہ صبر کرے۔

وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا ۝ جَعَلْنَا یہ صیّرنا کے معنی میں ہے اس وجہ سے یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے **سُبَاتًا** یہ دوسرا مفعول ہے یعنی ہم نے نیند کو تمہارے بدنوں کی راحت بنا دیا ہے، اسی سے یوم السبت ہے جس کا معنی آرام کا دن ہے یعنی بنی اسرائیل کو کہا گیا: اس روز آرام کرو اس میں کوئی کام نہ کرو۔ ابن انباری نے اس کا انکار کیا اور کہا: راحت کو سبات نہیں کہا جاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا اصل معنی لمبا ہونا ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: سبتت المرأۃ شعرھا جب عورت اپنے بالوں کو لمبا کرے۔ السبات، لمبا کرنا ہے رجل مسبوت الخلق لمبا آدمی، جب کوئی آدمی آرام کا ارادہ کرتا ہے تو وہ لمبا ہو جاتا ہے تو آرام کو سبت کہہ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا اصل معنی کاٹنا ہے، یہ جملہ بولا جاتا ہے: سبت شعرہ سبتا۔ اس نے اپنے بالوں کا حلق کرایا گویا جب وہ سو جاتا ہے تو وہ لوگوں اور مصروفیات سے الگ تھلگ ہو جاتا ہے۔ سبات موت کے مشابہ ہے مگر اس میں روح جسم سے الگ نہیں ہوتی اسی طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: سیر سبت یعنی چال نرم ہے: شاعر نے کہا:

ومطویۃ الاقراب اما نہارھا فسبت واما لیلھا فزمیل

لپٹے ہوئے پہلوؤں والا جہاں تک اس کے دن کا تعلق ہے اس کی چال تیز ہوتی ہے جہاں تک اس کی رات کا تعلق ہے تو اس کی چال نرم ہوتی ہے۔

وَّجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا ۝ وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا ۝ ہم نے رات کو یوں بنایا کہ رات کی تاریکی تمہیں ڈھانپ لیتی ہے؛ یہ طبری نے کہا ہے۔ ابن جبیر اور سدی نے کہا: اسے تمہارے لیے سکون کا باعث بنا دیا اور دوسرے جملے میں اضمار ہے اصل میں وقت معاش تمہارا رزق کی تلاش میں آنے جانے کا وقت۔ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کے ساتھ زندگی گزاری جاتی ہے جیسے کھانے، پینے اور دوسرے امور کی چیزیں اس اعتبار سے **مَعَاشًا** اسم زمان ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ وہ مصدر ہو اور عیش کے

معنی میں ہو اور مضاف مقدر ہو۔

وَّ بَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا ﴿۱۲﴾ یعنی سات مضبوط آسمان، ان کی خلقت مضبوط اور عمارتیں بڑی پختہ ہیں۔

وَّ جَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا ﴿۱۳﴾ وھاج کا معنی روشن ہے جعل فعل یہاں پیدا کرنے کے معنی میں ہے کیونکہ یہ ایک مفعول کی طرف متعدی ہے۔ وھاج اسے کہتے ہیں جس میں وھج (روشنی) پائی جائے اس کا باب یوں چلایا جاتا ہے وَهَجَ، يَهِجُ وَهْجا ووَهَجا ووھجانا۔ جوہر جب چمک رہا ہو تو اسے توھج کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا وَّهَّاجًا یعنی روشن چمکنے والا۔

وَّ اَنْزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرٰتِ مَآءً ثَجَّاجًا ﴿۱۴﴾ مجاہد اور قتادہ نے کہا: معصرات سے مراد ہوائیں ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس کی رائے ہے گویا وہ بادلوں کو نچوڑتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی کہا: اس سے مراد بادل ہیں۔ سفیان، ربیع، ابو العالیہ اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد وہ بادل ہیں جو پانی کی صورت میں نچڑتے ہیں ابھی تک انہوں نے بارش نہیں برسائی ہوتی جس طرح امرأة معصرة اس عورت کو کہتے ہیں جس کے حیض کا وقت قریب ہو اور ابھی اسے حیض نہ آئے؛ ابو النجم نے کہا:

تمشي الهُوَيْنَى مائلا خمارُها　　قد أعْصَرتْ أو قد دنا إعصارُها

وہ نرمی سے چلتی ہے جبکہ اس کی اوڑھنی ایک طرف جھکی ہوتی ہے اسے حیض آچکا ہے یا حیض آنے کا وقت قریب ہے۔

ہواؤں کو معصرات کہتے ہیں باب یوں چلایا جاتا ہے أعْصَرَت الريح تُعْصِر إعصارا جب وہ غبار اڑائے۔ یہی اعصار ہے بادلوں کو معصرات کہتے ہیں کیونکہ وہ بارش برساتے ہیں قتادہ نے کہا الْمُعْصِرٰتِ سے مراد آسمان ہے۔ نحاس نے کہا یہ صحیح اقوال ہیں وہ ہوائیں جو بارش کو لائیں انہیں معصرات کہتے ہیں وہ ہوائیں جو بادلوں سے ملتی ہیں اور بارش ہوتی ہے انہیں معصرات کہتے ہیں بارش ہوا سے اسی طرح نازل ہوتی ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ تمام اقوال کا مفہوم ایک ہی ہو۔ معنی یہ ہے ہم نے ہواؤں سے تیز بہتا ہوا پانی نازل کیا۔ صحیح ترین قول یہ ہے کہ معصرات سے مراد بادل ہے معروف بھی یہی ہے کہ بارش بادلوں سے ہوتی ہے اگر الفاظ بالمعصرات ہوتے تو معنی ہوا کرنا بہتر ہوتا۔ صحاح میں ہے: معصرات سے مراد بادل ہیں جن کو بارش کے ساتھ نچوڑا جاتا ہے۔ أعصر القوم ان پر بارش ہوئی اسی وجہ سے بعض نے یہ قراءت کی وفيه يعصرون۔ المعصر سے مراد وہ بچی ہے جسے پہلی دفعہ حیض آئے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قد أعصر گویا وہ جوانی کی عمر میں داخل ہو گئی؛ راجز نے کہا:

جارِيَةٌ　بِسَفْوانَ　دارُها　تمشي الهُوَيْنَى ساقطا خمارُها

قد أعْصَرتْ أو قد دنا إعصارُها

نوجوان بچی جس کا گھر سفوان کے مقام پر ہے وہ آہستہ آہستہ چلتی ہے جب کہ اس کی اوڑھنی گری ہوئی ہے اسے حیض آچکا ہے یا اس کے حیض کے آنے کا وقت قریب ہو چکا ہے۔

اس کی جمع معاصر آتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وہ حیض کے قریب ہیں کیونکہ بچی میں اعصار کی حیثیت وہی ہے جس طرح مراھق (قريب البلوغ) بچے کی ہوتی ہے۔ میں نے ابو غوث اعرابی سے یہ بات سنی۔ دوسرے علماء نے کہا: معصر سے مراد وہ بادل ہیں جو بارش برسانے کے وقت کو پہنچ چکا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أجن الزرع فهو مجن یعنی کسی کو چھپانے کے

قابل ہوگئی، اسی طرح بادل جب بارش برسانے والا ہو جائے تو اسے کہتے ہیں: أعصر۔ مبرد نے کہا: سحاب معصر۔ پانی کو روکنے والا یعنی اس سے تھوڑی تھوڑی چیز نچوڑی جاتی ہے۔ اسی سے عصر ہے اس پناہ گاہ کو کہتے ہیں جس کی پناہ لی جاتی ہے۔ عصرۃ جب اسے ضمہ کے ساتھ پڑھا جائے تو اسے بھی پناہ گاہ کہتے ہیں۔ سورۂ یوسف میں یہی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

اسی سے معصر کا لفظ ہے جو اس بچی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو بلوغ کی عمر کو پہنچے کیونکہ اسے گھر میں محبوس کر دیا جاتا ہے تو گھر کو عصر کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عکرمہ کی قراءت میں بالمعصرات ہے۔ مصاحف میں من المعصرات ہے۔ حضرت ابی بن کعب، حسن بصری، ابن جبیر، زید بن اسلم اور مقاتل بن حیان نے کہا: من المعصرات یعنی آسمانوں سے۔ مَآءً ثَجَّاجًا جو پے درپے بہے: حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ثججت دمه فأنا أثجه ثجا میں نے اس کے خون کو بہایا۔ قد ثَجَ الدم يَثِجُّ ثُجُوجًا۔ خون بہا۔ اسی طرح پانی ہے یہ فعل لازم بھی استعمال ہوتا ہے اور متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔ آیت میں ثجاج سے مراد بہنا ہے۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی صباب ہے۔ بہت زیادہ بہانے والا۔ یہ متعدی ہے گویا وہ اپنے نفس کو بہاتا ہے۔ عبید بن ابرص نے کہا:

فَثَجَّ أعلاہ ثم ارتَجَّ أسفله اس کے اوپر والے حصہ کو بہایا پھر اس کے نیچے والا حصہ میں اضطراب پیدا ہوا۔

حدیث نبوی میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حج مبرور کے بارے میں سوال کیا گیا فرمایا: العج والثج، عج کا معنی تلبیہ کے ساتھ آواز کو بلند کرنا اور ثج کا معنی خون بہانا اور قربانیوں کو ذبح کرنا۔ ابن زید نے کہا: ثجاجا کثیرا معنی ایک ہی ہے۔

لِّنُخْرِجَ بِهٖ حَبًّا وَّ نَبَاتًا ۙ وَّ جَنّٰتٍ اَلْفَافًا ۝ بہٖ کی ضمیر سے مراد پانی ہے۔ حَبًّا سے مراد گندم، جو اور اسی طرح کی دوسری چیزیں ہیں۔ نَبَاتًا سے مراد وہ گھاس ہے جسے حیوانات کھاتے ہیں۔ جَنّٰتٍ سے مراد باغات ہیں۔ اَلْفَافًا سے مراد ایک دوسرے کے ساتھ لپٹی ہوئی تا کہ ان کی شاخیں ادھر ادھر پھیلیں اس کی کوئی واحد نہیں جس طرح اوزاع، اضیاف۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی واحد لِفٌ یا لُفٌ ہے کسائی نے یہی ذکر کیا ہے کہا: جنة لف وعيش مغدق۔ گھنا باغ اور خوش حال زندگی۔

ان سے اور ابو عبید سے یہ مروی ہے: یہ لفیف کی جمع ہے جس طرح شہیف کی جمع اشہاف آتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جمع کی جمع ہے؛ کسائی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ یہ ترکیب ذکر کی جاتی ہے: جنة لفاء، نبت لف اس کی جمع لف آتی ہے جس طرح حمراء کی جمع حُمر آتی ہے پھر لُف کی جمع الفاف آتی ہے۔ زمخشری نے کہا: اگر یہ کہا جاتا کہ یہ ملتفۃ کی جمع ہے اس میں حروف زائدہ کو حذف کر دیا گیا ہے تو یہ زیادہ ذیشان ہوتا۔ یہ لفظ بولا جاتا ہے: شجرۃ لفاء، شجر لف اور امراۃ لفاء اس عورت کو کہتے ہیں جس کی پنڈلی موٹی اور بھرے گوشت والی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یہ ہے نخرج به جنات الفافا کلام کیونکہ اس پر دلالت کرتا ہے اس لیے اسے حذف کر دیا گیا۔ اس التفات اور انضمام کا معنی ہے کہ باغوں میں درخت قریب قریب ہیں اور ہر درخت کی ٹہنیاں ایک دوسرے کے قریب ہیں۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ۙ يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ۙ وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ۙ وَّ سُيِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝

''بے شک فیصلہ کا دن ایک معین وقت ہے جس روز صور پھونکا جائے گا تو تم چلے آؤ گے فوج در فوج اور کھول دیا جائے گا آسمان تو وہ دروازے ہی دروازے بن کر رہ جائے گا اور حرکت دی جائے گی پہاڑوں کو تو وہ سراب بن جائیں گے''۔

اِنَّ يَوْمَ الْفَصْلِ كَانَ مِيْقَاتًا ﴿۱۷﴾ میقات کا معنی وقت، جمع ہونے کی جگہ اور اولین و آخرین کے وعدہ کی جگہ ہے۔

يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ دوبارہ اٹھانے کے لیے جس وقت صور پھونکا جائے گا تو تم پیشی کی جگہ جماعت در جماعت آؤ گے۔ ہر امت اپنے امام کے ساتھ آئے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: افواج کا معنی جماعتیں ہیں اس کا واحد فوج ہے۔ يَّوْمَ کا لفظ پہلے يَوْمَ سے بدل کے طور پر منصوب ہے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی حدیث سے مروی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے فرمان يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَتَاْتُوْنَ اَفْوَاجًا ﴿۱۸﴾ کے بارے میں بتایئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! تو نے عظیم چیز کے بارے میں سوال کیا ہے''۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے چھم چھم آنسو برسنے لگے پھر فرمایا: ''میری امت میں سے دس جماعتیں الگ کی جائیں گی اللہ تعالیٰ انہیں مسلمانوں کی جماعت سے ممتاز کر دے گا، اس کی صورتوں کو بدل دے گا، ان میں سے کچھ بندروں کی صورت میں ہوں گے، بعض خنزیروں کی صورت میں ہوں گے، بعض اوندھے منہ ہوں گے ان کی ٹانگیں اوپر کی طرف ہوں گی اور انہیں چہرے کے بل گھسیٹا جا رہا ہوگا، بعض اندھے ہوں گے وہ ادھر ادھر مارے مارے پھر رہے ہوں گے ان میں سے بعض بہرے گونگے ہوں گے وہ کوئی سمجھ بوجھ نہ رکھیں گے، بعض اپنی زبانیں چبا رہے ہوں گے وہ ان کے سینوں پر لٹک رہی ہوں گی، ان کے مونہوں سے پیپ لعاب کے طور پر بہہ رہی ہوگی، محشر میں موجود تمام افراد ان سے نفرت کریں گے، بعض کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے، بعض کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا گیا ہوگا، بعض مردار سے بھی زیادہ بدبودار ہوں گے، بعض ایسے جبے پہنائے جائیں گے جن سے تارکول بہہ رہی ہوگی جو جسے ان کے جسموں سے چمٹے ہوئے ہوں گے۔ رہے وہ شخص جو بندروں کی صورت میں ہوں گے وہ لوگوں میں سے چغل خور ہیں، جو خنزیر کی صورت پر ہوں گے جو ناجائز کمائی، حرام چیز اور محصول کھائیں گے، جن کے سر اوندھے ہوں گے وہ سود خور ہیں، اندھے وہ ہوں گے جو حکم میں ظلم کرتے ہیں، صم اور بکم وہ لوگ ہوں گے جو اپنے اعمال پر عجب کا اظہار کرتے ہیں، جو اپنی زبانیں چبا رہے ہوں گے وہ علماء اور قصہ گو ہیں جن کے قول عمل کے خلاف ہوں گے، جن کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوں گے وہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے پڑوسیوں کو اذیت دیتے ہیں، جن کو آگ کی سولیوں پر لٹکایا جائے گا وہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کو حاکموں کے پاس لے جاتے ہیں، جو مردار سے زیادہ بدبودار ہوں گے وہ لوگ ہیں جو شہوات اور لذات سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اپنے اموال میں سے اللہ تعالیٰ کے حق کو روکتے ہیں، جو جبے پہنیں گے وہ متکبر اور فخر کرنے والے ہوں گے'' (1)۔

وَّ فُتِحَتِ السَّمَآءُ فَكَانَتْ اَبْوَابًا ﴿۱۹﴾ فرشتوں کے نازل ہونے کے لیے آسمان کو کھول دیا جائے گا اور وہ دروازے

1۔ در منثور، جلد 6، زیر آیت ہذہ

دروازے ہو جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَ نُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِیْلًا ۝ (الفرقان) جس روز آسمان بادل کی صورت میں پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ٹکڑے ہو جائے گا وہ دروازوں کی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اس تاویل کی بنا پر ابواب کو نصب کاف حرف جار کے حذف کی وجہ سے ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ تقدیر کلام یہ ہو گی فکانت ذات ابواب، کیونکہ وہ سارے کے سارے دروازے ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے ابواب اس کے راستے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے اجزاء الگ الگ ہو جائیں گے اور اس کے ٹکڑے گر جائیں گے یہاں تک کہ اس میں دروازے دروازے ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر بندہ کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں ایک اس کے عمل کا دروازہ اور اس کے رزق کا دروازہ۔ جب قیامت قائم ہو گی تو دروازے کھل جائیں گے۔ اسراء کی حدیث میں ہے: ''پھر مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو جبریل امین نے دروازہ کھلوانا چاہا تو ان سے کہا گیا: تو کون ہے؟ حضرت جبریل امین نے کہا: جبریل، پوچھا گیا: تیرے ساتھ کون ہے؟ جواب دیا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ پوچھا گیا: ان کی طرف پیغام بھیجا گیا تھا؟ حضرت جبریل امین نے جواب دیا: انہیں پیغام بھیجا گیا تھا تو اس دروازے کو ہمارے لیے کھول دیا گیا'' (1)۔

وَّ سُیِّرَتِ الْجِبَالُ فَكَانَتْ سَرَابًا ۝ یعنی پہاڑ کوئی چیز نہ ہوں گے جس طرح سراب ہوا کرتا ہے دیکھنے والا اسے پانی گمان کرتا ہے جب کہ وہ پانی نہیں ہوتا: ایک قول یہ کیا گیا ہے: سُیِّرَتِ کا معنی ہے انہیں ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: انہیں اپنی جگہ سے زائل کر دیا گیا۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ لِّلطَّاغِیْنَ مَاٰبًا ۝ لّٰبِثِیْنَ فِیْهَاۤ اَحْقَابًا ۝ لَا یَذُوْقُوْنَ فِیْهَا بَرْدًا وَّ لَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا یَرْجُوْنَ حِسَابًا ۝ وَّ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا كِذَّابًا ۝ وَ كُلَّ شَیْءٍ اَحْصَیْنٰهُ كِتٰبًا ۝ فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِیْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۝

''درحقیقت جہنم ایک گھات ہے (یہ) سرکشوں کا ٹھکانہ ہے پڑے رہیں گے اس میں عرصہ دراز وہ نہیں چکھیں گے اس میں کوئی ٹھنڈی چیز اور نہ پانی بجز کھولتے پانی اور گرم پیپ کے (ان کے گناہوں کی) پوری سزا۔ یہ لوگ (روز) حساب کی توقع ہی نہیں رکھتے تھے اور انہوں نے ہماری آیتوں کو سختی سے جھٹلایا حالانکہ ہر چیز کو ہم نے گن گن کر لکھ لیا تھا، پس اے منکرو! (اپنے کیے کا) مزا چکھو اب ہم نہیں زیادہ کریں گے تم پر مگر عذاب''۔

اِنَّ جَهَنَّمَ كَانَتْ مِرْصَادًا ۝ مِرْصَادًا، رصد سے فعال کا وزن ہے رصد ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو تیرے سامنے ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: جہنم پر داروغے ہیں کوئی آدمی جنت میں داخل نہیں ہوتا مگر اس کے پاس سے گزرتا ہے جو

1۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب ماجاء فی قولہ تعالیٰ کلم اللہ موسیٰ تکلیما۔ صحیح مسلم، باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

آدمی راہداری لے کر آتا ہے وہ آگے گزر جاتا ہے اور جو راہداری لے کر نہیں آتا اسے روک لیا جاتا ہے۔

حضرت سفیان سے مروی ہے کہ جہنم پر تین پل ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مِرْصَادًا اسم منسوب ہے یعنی جہنم اس کو تاڑنے والی ہوتی ہے جو بھی اس کے پاس سے گزرتا ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے قید خانہ۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے راستہ، گزرگاہ، جہنم تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں مگر یہ کہ جہنم کے اوپر سے گزر جائے۔

صحاح میں ہے: مِرْصَادًا کا معنی راستہ ہے۔ قشیری نے ذکر کیا ہے: مِرْصَادًا سے مراد وہ جگہ ہے جس میں کوئی فرد دشمن کی تاڑ میں ہوتا ہے جس طرح مضمار یہ وہ جگہ ہوتی ہے جہاں گھوڑوں کو ضامر بنایا جاتا ہے یعنی جہنمیوں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ پس مِرْصَادًا محل کے معنی میں ہے۔ فرشتے جہنمیوں کی تاڑ میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ وہ جہنم میں جا گرتے ہیں۔ ماوردی نے ابوسنان سے روایت نقل کی ہے کہ مِرْصَادًا، راصدہ کے معنی میں ہے وہ انہیں ان کے افعال کے بدلے جزا دے گا۔ صحاح میں ہے: الراصد الشئ۔ اس کو تاڑنے والا اس کا باب یوں چلتا ہے: رَصَدَہٗ یَرْصُدُہٗ رَصَدًا و رَصَدًا۔ ترصد کا معنی بھی تاڑنا ہے مرصد تاڑنے کی جگہ۔ اصمعی نے کہا: رصدتہ، أرصدہ کا معنی ہے میں نے اسے تاڑا۔ میں اسے تاڑتا ہوں أرصدتہ میں نے اسے تیار کیا۔ کسائی نے اس کی مثل کہا۔

میں کہتا ہوں: جہنم تیار کی گئی ہے وہ تاڑ میں ہے۔ مترصد، رصد سے متفعل کے وزن پر اسم فاعل کا صیغہ ہے جس کا معنی تاڑنا ہے یعنی جو بھی آتا ہے اس پر جھانکنے والا ہے۔ مرصاد مفعول کا وزن ہے جو مبالغہ کے انداز میں سے ہے جس طرح معطار، مغیار گویا جہنم کفار کا بہت زیادہ انتظار کرنے والی ہے۔

لِّلطّٰغِيْنَ مَاٰبًا۝ یہ مِرْصَادًا سے بدل ہے مآب سے مراد لوٹنے کی جگہ ہے یہ لوٹنے کی جگہ ہے جس کی طرف لوگ لوٹ کر آتے ہیں جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: آبَ یَئُوبُ أوبۃ جس کا معنی لوٹنا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی پناہ گاہ اور ٹھکانہ ہے۔ طاغین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر اختیار کر کے اپنے دین میں سرکشی کی یا دنیا میں ظلم اختیار کر کے سرکشی اختیار کی۔

لّٰبِثِيْنَ فِيْهَاۤ اَحْقَابًا۝ جب تک احقاب رہیں گے وہ آگ میں ہی رہیں گے اور احقاب ختم نہ ہوں گے۔ جب ایک حقب ختم ہوگا تو دوسرا شروع ہو جائے گا۔ حقب سے مراد زمانہ ہے اور احقاب سے مراد کئی زمانے ہیں۔ حِقْب کا معنی سال ہے اس کی جمع حِقَب آتی ہے۔ متمم بن نویرہ تمیمی نے کہا:

كنا كنَدْمَانَيْ جَذِيمة حِقْبةً   من الدَّهرِ حتى قيل لنْ يتصدَّعا

فلمّا تفرّقنا كأنّي و مالِكًا   لِطولِ اجتماعٍ لم نَبِتْ ليلةً معًا

ہم دونوں ایک زمانہ جذیمہ کے دو ساتھیوں کی طرح رہے یہاں تک کہ یہ کہا گیا: وہ دونوں ہرگز جدا نہ ہوں گے، جب ہم جدا ہوئے گویا میں اور مالک طویل اجتماع کی وجہ سے ایک رات بھی اکٹھے نہ رہے۔

حقب قاف کے ضمہ اور سکون کے ساتھ اسی سال کا عرصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے کم یا اس سے زیادہ جیسا کہ بعد میں آئے گا۔ اس کی جمع احقاب ہے۔ آیت میں اس کا معنی ہے وہ جہنم میں آخرت کے حقبہ رہیں گے جن کی کوئی انتہا

نہیں آخرت کا لفظ حذف کر دیا گیا ہے کیونکہ سیاق کلام اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کلام میں آخرت کا ذکر ہے یہ کلام اس
طرح ہے جس طرح کہا جاتا ہے: ایام الآخرۃ یعنی ایام کے بعد ایام جن کی کوئی انتہا نہیں یہ کلام تعیین پر تب دلالت کرتی اگر یہ
کہا جاتا پانچ احقاب یا دس احقاب وغیرہ۔

اعقاب کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک حقب لمبی مدت تھی، اس کے ساتھ اس لیے گفتگو کی گئی جس کی
طرف ان کے اوہام جا سکتے تھے اور لوگ اسے پہچانتے تھے، یہ ہیشگی سے کنایہ ہے یعنی وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہیں
گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ایام کی بجائے احقاب کا ذکر کیا کیونکہ احقاب دلوں میں زیادہ ہولناکی پیدا کرتا ہے اور ہیشگی پر
دلالت کرتا ہے۔ معنی قریب قریب ہے۔ یہ ہیشگی کا حکم مشرکین کے حق میں ہے۔ آیت کو ان نافرمانوں پر بھی محمول کرنا ممکن
ہے جو طویل زمانہ کے بعد جہنم سے نکلیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احقاب سے مراد وہ وقت ہے جس میں وہ کھولتا ہوا پانی
اور پیپ پئیں گے جب وہ غصہ ختم ہو جائے گا تو ان کے لیے ایک اور عذاب ہوگا اس لیے یہ ارشاد فرمایا: لٰبِثِيْنَ فِيْهَآ
اَحْقَابًا ﴿۲۳﴾ لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ﴿۲۴﴾ اِلَّا حَمِيْمًا وَّغَسَّاقًا ﴿۲۵﴾

لٰبِثِيْنَ یہ لبث سے اسم فاعل ہے اس کی تائید یہ قول بھی کرتا ہے کہ اس کا مصدر بعثت ہے جس طرح شراب۔ حمزہ اور
کسائی نے لبثین الف کے بغیر پڑھا ہے یہ قراءت ابو حاتم اور ابو عبید کی ہے۔ یہ بھی دونوں لغتیں ہیں جس طرح یہ کہا جاتا
ہے: رجل لابث، لَبِث اس طرح طَمِع، طامِع اور فَرِہ، فَارِہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھو لبث بمکان کذا یعنی ٹھہرنا اس کا
عمل رہا۔ اسے تشبیہ دی گئی ہے اس چیز کے ساتھ جس کی انسان میں خلقت ہوتی ہے جس طرح حذِر، فرِق کیونکہ فعل کا باب
عموماً اس چیز کے لیے بولا جاتا ہے جن کی کسی شی میں خلقت ہو اسم فاعل میں یہ چیز نہیں ہوتی۔

حقب سے مراد اسی سال ہے؛ یہ ابن عمر، ابن محیصن اور حضرت ابو ہریرہ کا نقطہ نظر ہے۔ سال تین سو ساٹھ دن کا ایک دن
دنیا کے دنوں کے لحاظ سے ایک ہزار کا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہی مرفوع
روایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: سال تین سو ساٹھ دن کا ہوگا اور ہر دن دنیا کے دنوں جیسا ہوگا۔ حضرت ابن عمر
رضی اللہ عنہما نے کہا: حقب سے مراد چالیس سال ہیں۔ سدی نے کہا: ستر سال۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایک ہزار ماہ۔ ابو امامہ نے اسے
مرفوع نقل کیا ہے۔ بشیر بن کعب نے کہا: تین سو سال۔ حضرت حسن بصری نے کہا: احقاب کتنے ہیں تم میں سے کوئی بھی نہیں
جانتا۔ لیکن انہوں نے ذکر کیا کہ اس سے مراد سو حقب ہیں ایک ایک حقب ستر ہزار سال ہیں ان میں سے ایک دن ان ایک
ہزار سال کی طرح ہے جس کو تم شمار کرتے ہو۔ ابو امامہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ایک حقب تیس ہزار سال کا
ہے؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ پہلا قول ماوردی کا ہے۔ قطرب نے کہا: اس سے مراد طویل غیر محدود زمانہ ہے۔ حضرت عمر بن
خطاب رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! جو جہنم میں داخل ہوگا وہ جہنم میں سے نہیں نکلے گا یہاں تک
کہ وہ اس میں کئی زمانے رہے گا''۔ حقب سے مراد اسی سے زیادہ سال ہیں۔ سال تین سو ساٹھ دن کا ہے اور اس کا ہر دن ان
ہزار سالوں کی طرح ہے جسے تم شمار کرتے ہو تم میں سے کسی کو بھی اس بات پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے کہ وہ جہنم سے نکلے گا؛ یہ

ثعلبی نے ذکر کیا۔ قرطبی نے کہا: احقاب سے مراد تینتالیس حقب ہیں۔ ہر حقب ستر خریف کا ہے اور ہر خریف سات سو سال کے برابر ہے ہر سال تین سو ساٹھ دنوں کے برابر ہوتا ہے اور ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اقوال آپس میں متعارض ہیں آیت میں ہمیشگی کا ذکر ہے جو ایسی خبر کی محتاج ہے جو عذر کو ختم کر دے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کوئی چیز ثابت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ معنی وہی ہے جو ہم نے پہلے ذکر کیا، یعنی وہ اس میں کئی زمانے رہیں گے جب بھی ایک زمانہ گزرے گا اس کے پیچھے ایک اور زمانہ آجائے گا ایک دہر گزرے گا تو دوسرا اس کے پیچھے آجائے گا یہ سلسلہ اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ کے لیے رہے گا۔

ابن کیسان نے کہا: لّٰبِثِيْنَ فِيْهَآ اَحْقَابًا۝ کا معنی ہے جس کی کوئی انتہا نہیں گویا ابداً کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ابن زید اور مقاتل نے کہا: یہ آیت اللہ تعالیٰ کے فرمان فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا۝ (النبا) چکھو ہم تمہارے لیے عذاب کے سوا کسی چیز میں اضافہ نہیں کریں گے، یعنی عدد ختم ہو چکا اور خلود حاصل ہو گیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ تعبیر بعید ہے کیونکہ وہ خبر ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ (الاعراف: 40) وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو جائے، جس طرح پہلے گزرا ہے یہ کفار کے حق میں ہے جہاں تک نافرمان موحدوں کا معاملہ ہے تو یہ صحیح ہے تو نسخ، تخصیص کے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا۝ میں ھا ضمیر جہنم کے لیے ہو گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: احقاب کا واحد حقب اور حقبۃ ہے۔

کمیت نے کہا:

مَرّلها بعد حِقْبةٍ حِقَبُ

اس کے لیے ایک حقبہ کے بعد کئی حقب گزر گئے۔

لَا يَذُوْقُوْنَ فِيْهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا۝ ھا ضمیر سے مراد احقاب ہے۔ برد سے مراد نیند ہے؛ یہ ابو عبید اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے؛ شاعر نے کہا:

ولو شئتُ حَرَّمتُ النساءَ سِواكُمُ   وان شئت لم أَطْعَمْ نُقَاخًا ولا بَرْدًا

اگر میں چاہتا تو میں تم پر عورتوں کو حرام کر دیتا اور اگر میں چاہتا تو میں نہ ٹھنڈا پانی چکھتا اور نہ نیند کرتا۔

یہی معنی مجاہد، سدی، کسائی، فضل بن خالد اور ابو معاذ نحوی نے کیا ہے۔ عرب کہتے ہیں: منع البرد البرد۔ ٹھنڈک نے نیند کو دور کر دیا۔

میں کہتا ہوں: حدیث طیبہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی گئی: کیا جنت میں نیند ہو گی؟ فرمایا: ''نہیں نیند موت کا بھائی ہے اور جنت میں کوئی موت نہیں'' اسی طرح جہنم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا (فاطر: 36)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: بَرْدًا کا معنی مشروب کی ٹھنڈک ہے۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: بَرْدًا کا معنی نیند ہے اور شراب کا معنی پانی ہے۔ زجاج نے کہا: اس میں وہ ہوا، سایہ اور نیند کی ٹھنڈک نہیں پائیں گے۔ پس بَرْدًا اس شی کی ٹھنڈک کو قرار دیا جس میں راحت ہوتی ہے یہ ٹھنڈک انہیں نفع دے گی جہاں تک زمہریر کا تعلق ہے اس سے وہ اذیت حاصل کریں گے وہ انہیں نفع نہ دے گی ان کے لیے اس میں عذاب ہوگا اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کوئی اسے زیادہ نہیں جانتا۔ حضرت حسن بصری، عطا اور ابن زید نے کہا: بَرْدًا سے مراد سکون وراحت ہے؛ شاعر نے کہا:

فلا الظلَّ مِن بردِ الضحی تستطیعهٗ لا الفَیَ أوقات العَشِی تذوقُ

تو چاشت کی ٹھنڈک کے سایہ کی طاقت نہیں رکھتا اور نہ بعد دوپہر کے اوقات کے سایہ کو چکھتا ہے۔

یہ جملہ الطاغین سے حال بن رہا ہے یا یہ احقاب کی صفت ہے۔ احقاب ظرف زمان ہے اس میں عامل لّٰبِثِیْنَ یالبثین ہے جبکہ فعل کو متعدی مانا جائے۔

اِلَّا حَمِیْمًا وَّ غَسَّاقًا۝ جس نے بَرْدًا کا معنی نیند لیا ہے اس کے نزدیک یہ مستثنیٰ منقطع ہے جس نے اس کا معنی ٹھنڈک لیا ہے اس نے اسے بدل قرار دیا ہے۔ حمیم سے مراد گرم پانی ہے؛ یہ ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ ابن زید نے کہا: حَمِیْمًا سے مراد ان کی آنکھوں کے آنسو ہیں جن کو حوضوں میں جمع کیا جائے گا پھر وہ انہیں پلائے جائیں گے۔ نحاس نے کہا: حَمِیْمًا کی اصل گرم پانی ہے اسی سے حمام ہے اسی سے حُمّٰی (بخار) ہے اسی معنی میں ظل من یحموم ہے۔ اس سے مراد انتہائی گرم ہے۔ غساق سے مراد جہنمیوں کی پیپ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد زمہریر ہے۔ حمزہ اور کسائی نے سین کو مشدد پڑھا ہے۔ سورۂ (ص) میں اس کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔

جَزَآءً وِّفَاقًا۝ ایسی جزا جو ان کے اعمال کے موافق ہو۔ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء نے کہا: وفاق، موافقت کے معنی میں ہے جس طرح قتال، مقاتلہ کے معنی میں ہے۔ جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے یعنی ہم نے انہیں ایسی جزا دی جو ان کے اعمال کے موافق تھی؛ یہ فراء اور اخفش نے بات کہی۔ فراء نے یہ بھی کہا: یہ وفق کی جمع ہے وفق اور لفق دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ مقاتل نے کہا: عذاب دنیا کے موافق ہوگا۔ شرک سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں اور جہنم سے بڑھ کر کوئی عذاب نہیں۔ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: ان کے اعمال برے تھے اللہ تعالیٰ انہیں وہ کچھ دے گا جو ان کے لیے تکلیف دہ ہوگا۔

اِنَّهُمْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ حِسَابًا۝ وہ اپنے اعمال کے محاسبہ پر کوئی خوفزدہ نہ ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ حساب کے ثواب کی امید نہیں رکھتے تھے۔ زجاج نے کہا: وہ دوبارہ اٹھائے جانے کی امید نہ رکھتے تھے کہ وہ حساب کی امید رکھتے۔

وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا۝ آیات سے مراد وہ ہے جو انبیاء لائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو ہم نے کتابیں نازل کیں ان کو جھٹلاتے تھے۔ عام قراء کی قراءت کِذّابا ہے یعنی ذال مشدد اور کاف کے نیچے کسرہ ہے یعنی بہت شدید جھٹلایا۔ فراء نے کہا: یہ یمنی لغت ہے وہ یوں کہتے ہیں: کذبت بہ کذابا، خرقت القمیص خراقا۔ ہر وہ فعل جو فعّل کے وزن پر ہو اس کا

مصدر فعال کے وزن پر ہوتا ہے یہی ان کی لغت ہے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کِذَّابًا تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، یہ بھی مصدر ہے۔ ابو علی نے کہا: تخفیف اور تشدید دونوں طرح ہے اس کا مصدر مکاذبہ ہے جس طرح اعشیٰ کا قول ہے:

فصدقتها و كَذَبْتها والمرءُ ينفعهُ كِذَابه

میں نے نفس سے سچ بولا اور اس سے جھوٹ بھی بولا انسان کو اس کا جھوٹ ہی نفع دیتا ہے۔

ابو الفتح نے کہا: کذب اور کذّب دونوں کا یہ مصدر ہے۔ زمخشری نے کہا: کِذَّابًا جب ذال کی تخفیف کے ساتھ ہو تو یہ کذب کا مصدر ہوگا جس طرح مذکورہ شعر میں ہے یہ اس قول کی طرح ہے: انبتکم من الارض نباتا یعنی انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا اور انہوں نے جھوٹ بولا یا کَذَّبُوْا فعل بذات خود اس کو نصب دیتا ہے کیونکہ کِذَّابًا، کَذَّبُوْا کے معنی کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے کیونکہ ہر حق کی تکذیب کرنے والا جھوٹا ہوتا ہے کیونکہ جب وہ مسلمانوں کے نزدیک جھوٹے تھے تو مسلمان بھی ان کے نزدیک جھوٹے تھے تو اس طرح ان کے نزدیک مکاذبہ ہوا کرتا تھا۔ حضرت ابن عمر نے اسے کُذَّابًا پڑھا جو کاذب کی جمع ہے؛ یہ ابو حاتم کا قول ہے اور وہ حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ زمخشری کا قول ہے۔ بعض اوقات کذاب سے مراد ایسا شخص ہے جو جھوٹ میں مبالغہ کا کام دے کہا جاتا ہے: رجل كذاب۔ جس طرح تو کہتا ہے: حسان بخال وہ اسے کَذَّبُوْا کے مصدر کی صفت بناتے ہیں تقدیر کلام یوں ہوگی تکذیبا کذابا مفرطا کذبہ صحاح میں ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذَّابًا ۞ یہ مشدد کے مصدر میں سے ایک ہے کیونکہ باب تفعیل کا مصدر کبھی تفعیل جیسے تکلیم، کبھی فعال جیسے کذاب، کبھی تفعلۃ جیسے توصیۃ اور کبھی مفعل کے وزن پر آتا ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَمَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ (السبا:19)

وَكُلَّ شَيْءٍ اَحْصَيْنٰهُ كِتٰبًا ۞ لفظ کُلَّ کو نصب فعل مضمر دے رہا ہے جس پر اَحْصَيْنٰهُ دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی وأحصینا کل شئ أحصیناہ۔ ابو سمال نے اسے مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع پڑھا ہے کِتٰبًا مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے کیونکہ أحصینا کا معنی کتبنا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی کتبناہ کتابا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ علم کے معنی میں ہے کیونکہ جس چیز کو لکھا جاتا ہے وہ نسیان سے بہت ہی بعید ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے اسے لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے تاکہ ملائکہ اسے پہچان لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد وہ ہے جو بندوں کے اعمال لکھے جاتے ہیں تو یہ وہ کتابت ہے جو ان فرشتوں کی طرف سے صادر ہوئی جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے بندوں کے افعال کے بارے میں صادر ہوئی، اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۞ (الانفطار) تم پر کراما کاتبین محافظ ہیں۔

فَذُوْقُوْا فَلَنْ نَّزِيْدَكُمْ اِلَّا عَذَابًا ۞ ابو برزہ نے کہا: میں نے قرآن حکیم میں موجود سب سے سخت آیت کے بارے میں پوچھا فرمایا: تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی یعنی جب بھی ان کے چمڑے پک جائیں گے ہم ان کے چمڑے بدل دیں گے اور جب کبھی وہ ٹھنڈی ہوگی ہم اسے مزید بھڑکا دیں گے۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾
لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا وَّ لَا كِذّٰبًا ﴿۳۵﴾ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ﴿۳۶﴾

''بلاشبہ پرہیزگاروں کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے (ان کے لیے) باغات اور انگوروں (کی بیلیں) ہیں اور جواں سال ہم عمر لڑکیاں اور چھلکتا ہوا جام۔ نہ سنیں گے وہ وہاں کوئی بیہودہ بات اور نہ جھوٹ یہ بدلہ ہے آپ کے رب کی طرف سے بڑا کافی انعام''۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ جو آدمی الله تعالیٰ کے امر کی مخالفت سے بچا تا ہے اس کی جزا کا ذکر کیا **مَفَازًا** یہ کامیابی، نجات اور جہنمی جس میں داخل ہو چکے ہیں اس سے خلاصی کی جگہ ہے اسی وجہ سے جب پانی کم ہو جاتا ہے تو اسے **فلاۃ کو مَفَازًا** کہتے ہیں یہ فال لیتے ہوئے کہ اس قحط سالی سے نجات نصیب ہو۔

حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾ یہ فوز کی تفسیر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ متقین کے لیے باغات ہیں۔ حَدَآئِقَ، حدیقہ کی جمع ہے یہ اس باغ کو کہتے ہیں جس کا احاطہ کیا گیا ہو جس طرح کہا جاتا ہے: أحدق بہ یعنی اس کا احاطہ کیا۔ اَعْنَابًا، عِنَب کی جمع ہے اس سے مراد انگور کی بیلیں ہیں۔

وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ﴿۳۳﴾ كَوَاعِبَ، کعب کی جمع ہے اس کا معنی ابھری ہوئی چیز ہے اس کا یوں باب چلایا جاتا ہے كَعَبَتِ الجاریۃ تَكْعَبُ كُعُوبًا، كَعُبَتْ تُكَعِّبُ تَكْعِیْبًا اور نَهَدَتْ تَنْهَدُ نُهُوْدًا۔ ضحاک نے کہا: ککواعب العذاری۔ دوشیزاؤں کے ابھرے ہوئے سینے۔ اس معنی میں قیس بن عاصم کا شعر ہے:

وكَمْ مِنْ حَصَانٍ قد حَوَيْنَا كَرِيمَةٍ　　ومِن كاعِبٍ لو تدرِ ما البؤسُ مُعْصِرِ

کتنی ہی پاکدامن معزز عورتوں کو ہم نے جمع کیا اور کتنی ہی ابھرے ہوئے سینوں والی بلوغت کی عمر کو پہنچنے والی بچیوں کو جمع کیا جو نہیں جانتی کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔

اَتْرَابًا کا معنی ہم عمر ہے اس کی وضاحت سورۂ واقعہ میں گزر چکی ہے اس کا واحد ترب ہے۔

وَّ كَاْسًا دِهَاقًا ﴿۳۴﴾ حضرت حسن بصری، قتادہ، ابن زید اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کا معنی چھلکتا ہوا، بھرا ہوا جام لیا ہے۔ کہا جاتا ہے: أدهقتُ الكأسَ یعنی میں نے اس کو بھر دیا۔ کأس دھاق یعنی بھرا ہوا جام۔

جس طرح شاعر نے کہا:

مِنْ مائِها بكأسك الدِّهاقِ

اس کے پانی سے اپنے بھرے ہوئے جام سے۔

خداش بن زہیر نے کہا:

فأترعنا له كأسًا دِهاقًا

ہم نے اس کے لیے چھلکتا ہوا جام بھرا۔

سعید بن جبیر، عکرمہ، مجاہد اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا: اس کا معنی پے در پے ہے یعنی ان میں سے ایک دوسرے کے پیچھے ہوگا، اسی سے أدهقت الحجارة ادهاقا یہ ایسی سختی ہوتی ہے جس سے پناہ لی جاتی ہے اس کا بعض، بعض میں داخل ہوتا ہے پس متتابع، متداخل کی طرح ہے۔

عکرمہ سے یہ بھی مروی ہے اور زید بن اسلم نے بھی یہی کہا ہے: اس کا معنی صاف ہے؛ شاعر نے کہا:

لَأَنتِ إلى الفؤاد أحبُّ قربًا   من الصادى إلى كأسٍ دِهاقِ

تو قربت کے اعتبار سے دل کے لیے اس پیاسے سے بھی زیادہ محبوب ہے جو صاف جام سے محبت رکھتا ہے۔

یہ دَهَق کی جمع ہے یہ دو ایسی لکڑیاں ہوتی ہیں جن کے ساتھ پنڈلی کو جکڑا جاتا ہے۔ کأس سے مراد شراب ہے تقدیر کلام یہ ہے خمرا ذات دهاق، یعنی اسے نچوڑا گیا اور اسے صاف کیا گیا؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ صحاح میں ہے أدهقتُ الماءَ میں نے اسے تیزی سے انڈیلا۔ ابو عمرو نے کہا: دَهَق یہ عذاب کی ایک قسم ہے فارسی میں اسے شکنجہ کہتے ہیں۔ مبرد نے کہا: مدهوق سے مراد وہ شخص ہے جس کو ہر قسم کا عذاب دیا جائے جس سے نکلنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ ابن اعرابی نے کہا: دهقتُ الشئ میں نے اسے توڑ دیا، میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اسی سے دَهْدَقْتُه ہے؛ شاعر نے کہا:

نُدَهْدِقُ بَضْعَ اللحمِ لِلباعِ والندى

ہم پہنچنے والے کے لیے اور سخاوت کے لیے گوشت کے ٹکڑے کرتے ہیں۔

دهمقته میم کی زیادتی کے ساتھ اس کی مثل معنی رکھتا ہے۔ اصمعی نے کہا: دهمقه کا معنی کھانے کی نرمی، اس کی خوشبو اور رقت ہے، اسی طرح ہر نرم چیز کے لیے بھی یہ لفظ بولتے ہیں اس معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ایک قول ہے: لوشئت أن يُدَهْمَقَ لي لفعلت ولكن الله عاب قوما اگر میں چاہتا کہ عمدہ عمدہ نرم کھانا میرے لیے تیار کیا جائے تو میں ایسا کر سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی قوم پر عیب لگایا ہے اور فرمایا: أَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا (الاحقاف: 20)

لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا۞ ھا ضمیر سے مراد جنت ہے، لغو سے مراد باطل ہے اس سے مراد لغو کلام ہے اس معنی میں حدیث ہے: ''جب تو نے جمعہ کے روز اپنے ساتھی سے کہا: خاموش ہو جا جبکہ امام خطبہ دے رہا ہو تو تو نے باطل عمل کیا'' (1) اس کی وجہ یہ ہے جب وہ جام پئیں گے تو ان کی عقلیں متغیر نہ ہوں گی اور وہ باطل کلام نہ کریں گے جبکہ دنیا داروں کا معاملہ مختلف ہے نیز وہ ایک دوسرے کو نہیں جھٹلائیں گے اور نہ ہی وہ جھوٹ سنیں گے۔ کسائی نے كِذَابا پڑھا ہے یہ كذبت كذابا ہے یعنی وہ جنت میں باہم جھوٹ نہ بولیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں تکذیب کے مصدر ہیں یہاں اسے غیر مشدد پڑھا گیا ہے کیونکہ یہ کسی ایسے فعل کے ساتھ مقید نہیں جس کا یہ مفعول مطلق بنے۔ اور وَّكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا كِذّٰابًا۞ انہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا، کیونکہ كذبوا فعل كذاب مصدر کو مقید کرتا ہے۔

جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا۞ جَزَآءً مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے گویا معنی یہ ہے اللہ تعالیٰ نے انہیں

1۔ موطا امام مالک، کتاب الجمعۃ، باب ما جاء فی الانصات یوم الجمعۃ

اس چیز کا بدلہ دیا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اسی طرح عطاء ہے کیونکہ أعطاھم اور اجزاھم کا معنی ایک ہی ہے۔ حِسَابًا کا معنی کثیر ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أحسبت فلانا یعنی میں نے اسے کثیر مال عطا کیا یہاں تک کہ اس نے کہا: یہ میرے لیے کافی ہے؛ شاعر نے کہا:

وَنُقْفِي وَلِيدَ الْحَيِّ إِنْ كَانَ جَائِعًا   وَنُحْسِبُهُ إِنْ كَانَ لَيْسَ بِجَائِعِ

ہم قبیلہ کے بچے کو ترجیح دیتے ہیں اگر وہ بھوکا ہو اور اگر وہ بھوکا نہ ہو تو ہم اسے کثیر مال دیتے ہیں۔

قتبی نے کہا: ہم اس کا اصل معنی یہ دیکھتے ہیں کہ ایک آدمی دوسرے کو اتنا دے یہاں تک کہ وہ کہے: یہ میرے لیے کافی ہے۔ زجاج نے کہا: حِسَابًا کا معنی ہے جو ان کے لیے کافی ہو؛ یہی اخفش نے کہا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أحسبني کذا یعنی میرے لیے کافی ہے۔ کلبی نے کہا: ان کا حساب لیا اور انہیں ایک نیکی پر دس گنا عطا کیا۔ مجاہد نے کہا: انہوں نے جو عمل کیے اس کے مناسب انہیں عطا کیا۔ حساب، شمار کرنے کے معنی میں ہے، یعنی انہیں اتنا عطا کیا جس قدر رب تعالیٰ کے وعدہ کے مطابق اس کے لیے ثابت ہوا کیونکہ اس نے ایک نیکی پر دس گنا عطا کیا، ایک قوم کے لیے سات سو گنا کا وعدہ کیا اور ایک قوم کے لیے اس مقدار کا وعدہ کیا جس کی کوئی انتہا اور مقدار نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّمَا يُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۝ (الزمر) صبر کرنے والوں کو بغیر حساب کے اجر دیا جائے گا۔ ابو ہاشم نے عطاء حَسَّابا پڑھا ہے یہ فعال کا وزن ہے جس کا معنی کافی ہو جاتا ہے۔ اصمعی نے کہا: عرب کہتے ہیں حسبت الرجل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو اس کی تعظیم بجالائے؛ شاعر کا مصرعہ ہے:

إذا أتاه ضيفه يُحَسِّبه

جب اس کا مہمان اس کے پاس آتا ہے تو وہ اس کی تعظیم بجالاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسے حسانا پڑھا ہے۔

رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا۝ يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۚۙ لَّا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا۝ ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا۝ اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِيْبًا ۚۖ يَّوْمَ يَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ وَ يَقُوْلُ الْكٰفِرُ يٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ تُرٰبًا۝

''جو پروردگار ہے آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے بے حد مہربان، انہیں طاقت نہ ہوگی کہ (بغیر اجازت) اس سے بات بھی کر سکیں۔ جس روز روح اور فرشتے پرے باندھ کر کھڑے ہوں گے، کوئی نہ بول سکے گا بجز اس کے جس کو رحمٰن اذن دے اور وہ ٹھیک بات کرے۔ یہ دن برحق ہے، سو جس کا جی چاہے بنا لے اپنے رب کے جوار میں اپنا ٹھکانا۔ بے شک ہم نے ڈرا دیا ہے تمہیں جلد آنے والے عذاب سے، اس دن دیکھ لے گا ہر شخص

(ان عملوں کو) جو اس نے آگے بھیجے تھے اور (کافر) بصد حسرت کہے گا: کاش! میں خاک ہوتا"۔

رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَیْنَهُمَا الرَّحْمٰنِ حضرت ابن مسعود، نافع، ابو عمرو، ابن کثیر اور زید نے یعقوب سے، مفضل نے عاصم سے لفظ رب پر رفع پڑھا ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے الرَّحْمٰنِ اس کی خبر ہے یا اس کا معنی ہے ھو رب السموات، یعنی وہ آسمانوں کا رب ہے لفظ الرَّحْمٰنِ دوسرا مبتدا ہوگا۔ ابن عامر، یعقوب اور ابن محیصن نے دونوں کو مجرور پڑھا ہے کیونکہ یہ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ کی صفت ہے یعنی تیرے رب کی جزا جو آسمانوں کا رب اور رحمٰن ہے۔ حضرت ابن عباس، عاصم، حمزہ اور کسائی نے ربِّ السموات پڑھا ہے کیونکہ یہ صفت ہے۔ الرَّحْمٰنِ یہ مرفوع ہے تقدیر کلام یوں ہے ھو الرحمٰن۔ ابوعبید نے اسے اختیار کیا ہے کہا: یہ زیادہ مناسب ہے لفظ ربّ کے نیچے کسرہ ہے کیونکہ یہ من ربك کے قریب ہے تو یہ اس کی نعت ہوگا لفظ رحمٰن کو رفع دیں گے کیونکہ یہ اس سے دور ہے اور جملہ مستانفہ ہے اور لَا یَمْلِكُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا ﴿۳۷﴾ اس کی خبر ہے یعنی وہ اس امر کے مالک نہیں ہوں گے کہ وہ اس کا سوال کریں مگر اس کے متعلق جس کی انہیں اجازت دی جائے۔ کسائی نے کہا: اس کا معنی ہے وہ شفاعت کے بارے میں گفتگو کے مالک نہ ہوں مگر اس وقت جب انہیں اجازت دی جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ خطاب کا معنی کلام کرنا ہے یعنی وہ مالک نہ ہوں گے کہ وہ اپنے رب سبحانہ تعالیٰ سے گفتگو کریں مگر اس کی اجازت کے ساتھ ہی گفتگو کریں گے، اس کی دلیل یہ ارشاد ہے: لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (ہود: 105) کوئی بھی اس کی اجازت کے بغیر گفتگو نہیں کرے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کفار ہیں وہ گفتگو کے مالک نہ ہوں گے جہاں تک مومنوں کا تعلق ہے وہ شفاعت کریں گے۔

میں کہتا ہوں کہ اجازت ملنے کے بعد وہ گفتگو کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (البقرہ: 255) کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کی بارگاہ میں شفاعت کرے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ رَضِیَ لَهٗ قَوْلًا ﴿۱۰۹﴾ (طٰہٰ) اس روز شفاعت نفع نہ دے گی مگر جس کے حق میں رحمٰن اجازت دے اور رحمٰن اس کے حق میں بات پر راضی ہو۔

یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا، یَوْمَ ظرف کی حیثیت سے منصوب ہے معنی یہ ہوگا وہ گفتگو کا اختیار نہیں رکھیں گے روح کے بارے میں آٹھ قول ہیں: (۱) یہ بھی فرشتوں میں سے ایک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی مخلوق تخلیق نہ کی جو عرش کے بعد اس سے بڑی ہو جب قیامت کا روز ہوگا تو وہ تنہا صف باندھ کر کھڑا ہو جائے گا اور تمام فرشتے دوسری صف میں ہوں گے۔ اس کی مخلوق کی عظمت ان کی صفوں کے اعتبار سے ہوگی؛ اس کی مثل حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: روح ساتوں آسمانوں سے، ساتوں زمینوں اور پہاڑوں میں سے بڑی مخلوق ہے وہ چوتھے آسمان کے بالمقابل ہو گی وہ ہر روز بارہ ہزار دفعہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرے گی اللہ تعالیٰ ہر تسبیح کے بدلے میں ایک فرشتہ پیدا فرمائے گا قیامت کے روز وہ تنہا صف میں ہوگی اور باقی فرشتے ایک صف میں ہوں گے۔

(۲) روح سے مراد حضرت جبریل امین علیہ السلام ہیں؛ یہ شعبی، ضحاک اور سعید بن جبیر کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس

بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ عرش کی دائیں جانب نور کی ایک نہر ہے جس کی وسعت ساتوں آسمانوں، ساتوں زمینوں اور ساتوں سمندروں کی مانند ہے۔ جبریل امین ہر روز سحری کے وقت اس میں داخل ہوتے ہیں اس سے غسل کرتے ہیں تو وہ نور علی نور ہو جاتے ہیں ان کے جمال میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے اور عظمتیں بڑھ جاتی ہیں، پھر وہ پر جھاڑتے ہیں تو ہر وہ قطرہ جوان کے پر سے گرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے ستر ہزار فرشتے پیدا فرما دیتا ہے ان میں سے ہر روز ستر ہزار بیت معمور میں داخل ہوتے ہیں اور کعبہ میں ستر ہزار داخل ہوتے ہیں تا قیامت وہ فرشتے دوبارہ ان دونوں کی طرف نہیں لوٹتے۔ وہب نے کہا: جبریل امین علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہیں ان کے سینہ کا گوشت کانپ رہا ہے اللہ تعالیٰ ہر کپکپی سے ایک لاکھ فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے سر جھکائے صف در صف کھڑے ہیں جب اللہ تعالیٰ انہیں کلام کی اجازت دیتا ہے تو فرشتے کہتے ہیں: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِكَةُ صَفًّا ۙ لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کا یہی مطلب ہے اور صواب سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ ہے۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ آیت میں روح سے مراد اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے وہ فرشتے نہیں ان کے سر، ہاتھ اور پاؤں ہیں، وہ کھانا کھاتے ہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی بے شک یہ بھی لشکر ہے وہ بھی لشکر ہے؛ یہ ابو صالح اور مجاہد کا قول ہے۔ اس تاویل کی بنا پر وہ انسان کی شکل وصورت پر بنائے گئے ہیں وہ لوگوں کی طرح ہیں انسان نہیں ہیں۔

(۴) وہ فرشتوں میں سے معزز فرشتے ہیں؛ یہ مقاتل بن حیان کا قول ہے۔

(۵) وہ ملائکہ پر نگہبان ہیں؛ یہ ابن ابی نجیح کا قول ہے۔

(۶) یہ انسان ہیں؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا قول ہے۔ اس سے مراد روحوں والے ہیں۔ عوفی اور قرظی نے کہا: یہ وہ بات ہے جو حضرت ابن عباس چھپایا کرتے تھے کہا: روح اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے جو انسان کی شکل پر بنائی گئی ہے آسمان سے کوئی فرشتہ نازل نہیں ہوتا مگر اس کے ساتھ ایک روح بھی ہوتی ہے۔

(۷) بنی آدم کی روحیں صف در صف کھڑی ہوں گے، فرشتے صف در صف کھڑے ہوں گے یہ دونفخوں کے درمیان ہوگا۔ ابھی ان کو جسموں کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا؛ یہ عطیہ کا قول ہے۔

(۸) اس سے مراد قرآن ہے؛ یہ زید بن اسلم کا قول ہے اور اس آیت کی تلاوت کی وَ كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (الشوریٰ:52) اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے حکم سے قرآن کو وحی کیا۔ صفًا یہ مفعول مطلق ہے تقدیر کلام یہ ہوگی یقومون صفوفا مصدر اپنے اندر واحد اور جمع کا معنی رکھتا ہے جس طرح عدل اور صوم ہے۔ یوم العید کو یوم الصف کہتے ہیں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا: وَّجَآءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ (الفجر) تیرے رب کا حکم آیا جب کہ فرشتے صف در صف تھے۔ یہ صفوف پر دلالت کرتا ہے یہ سلسلہ پیشی اور حساب کے موقع پر ہوگا؛ یہ قتبی اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح ایک صف میں کھڑے ہوں اور فرشتے ایک صف میں کھڑے ہوں گے پس وہ دو صفوں میں ہوں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔

لَا یَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَ قَالَ صَوَابًا ۝ وہ شفاعت نہیں کریں گے مگر جس کو رحمٰن شفاعت کی اجازت دے جبکہ وہ بات بھی سچی کرے؛ یہ ضحاک اور مجاہد کا قول ہے۔ ابو صالح نے کہا: صواب کا معنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے جو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہے وہ اس کے حق میں شفاعت کریں گے۔ صواب کا اصل معنی درست ہے خواہ وہ قول ہو یا فعل ہو۔ یہ أَصَابَ، یُصِیْبُ إِصَابَةً سے مشتق ہے، جس طرح جواب، أَجَابَ یُجِیْبُ إِجَابَةً سے مشتق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: معنی ہے وہ فرشتہ اور روح جو صفوں میں کھڑے ہیں وہ کلام نہیں کریں گے وہ ہیبت اور جلال کی وجہ سے کلام نہیں کریں گے مگر جسے رحمٰن شفاعت کے بارے میں اجازت دے جبکہ انہوں نے سچی بات کی، وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: قیامت کے روز روح کہے گی کوئی جنت میں داخل نہیں ہوگا مگر رحمت کے ساتھ اور کوئی آگ میں داخل نہیں ہوگا مگر عمل کے ساتھ۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ قَالَ صَوَابًا کا یہی معنی ہے۔

ذٰلِكَ الْيَوْمُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ مَاٰبًا ۝ حق کا معنی ہے جو واقع ہونا ہے۔ مَاٰبًا کا معنی مرجعا ہے یعنی جو چاہے عمل صالح کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے ہاں لوٹنے والی جگہ بنالے۔ گویا جب وہ اچھا عمل کرتا ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹاتا ہے اور جب وہ برا عمل کرتا ہے تو اسے اپنے میں سے شمار کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی راہنمائی کرتا ہے ''بھلائی سب کی سب تیرے قبضہ میں ہے اور شر تیری طرف لوٹنے والا نہیں''۔ قتادہ نے کہا: مَاٰبًا کا معنی راستہ ہے۔

اِنَّاۤ اَنْذَرْنٰكُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا قریش کے کفار اور عرب کے مشرکوں سے خطاب فرمایا کیونکہ انہوں نے کہا: ہم کو دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا جبکہ عذاب آخرت کا عذاب ہے ہر وہ چیز جو ہو کر رہنے والی ہو وہ قریب ہوا کرتی ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ (النازعات) گویا جس روز وہ اسے دیکھیں گے (وہ کہیں گے) وہ اس میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات یا اس کا ایک دن؛ یہ کلبی اور دوسرے علماء نے معنی کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ دنیا کا عذاب ہے کیونکہ دونوں عذابوں میں سے یہ زیادہ قریبی ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد بدر کے دن قریش کا قتل ہے۔ زیادہ ظاہر بات یہ ہے اس سے مراد آخرت کا عذاب ہے، یہی موت اور قیامت ہے کیونکہ جو آدمی مرجاتا ہے اس کے لیے قیامت قائم ہوجاتی ہے اگر وہ جنتی ہوگا تو وہ جنت میں اپنا ٹھکانہ دیکھ لے گا اگر وہ جہنمی ہوگا تو وہ ذلت اور رسوائی دیکھے گا۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ اس میں عذاب کے وقت کو بیان فرمایا یعنی ہم نے تمہیں ایسے عذاب سے خبردار کیا جو اس دن کے قریب ہے، اس سے مراد وہ دن ہے جس میں انسان وہ کچھ دیکھ لے گا جو اس کے ہاتھوں نے آگے بھیجا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یَنْظُرُ کے بعد الی حرف جار محذوف ہے۔ حضرت حسن بصری کے قول کے مطابق الْمَرْءُ سے مراد مومن ہے یعنی وہ اپنے لیے عمل پائے گا۔ جہاں تک کافر کا تعلق ہے تو وہ اپنے لیے کوئی عمل نہیں پائے گا۔ تو وہ یہ آرزو کرے گا کہ وہ مٹی ہوجائے۔ بعد میں جب کافر کا ذکر کیا تو اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ اس سے مراد مومن ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں اَلْمَرْءُ سے مراد ابی بن خلف اور عقبہ بن ابی معیط ہے، کافر سے مراد ابوجہل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عام ہے اس روز وہ اپنے عمل کی جزا دیکھے گا۔ مقاتل نے کہا: یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ ابو سلمہ بن عبد الاسد مخزومی کے حق میں نازل ہوئی۔

وَ یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا۝ یہ اس کے بھائی اسود بن عبد الاسد کے حق میں نازل ہوئی۔ ثعلبی نے کہا: میں نے ابو القاسم بن حبیب کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ یہاں کافر سے مراد ابلیس ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام پر عیب لگایا کہ انہیں مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور خود فخر کیا کہ اسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے جب وہ قیامت کے روز دیکھے گا جس ثواب، راحت اور رحمت میں حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے اور اپنے آپ کو شدت اور عذاب میں دیکھے گا تو وہ یہ تمنا کرے گا کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی جگہ ہوتا اور یہ کہے گا: یَقُوْلُ الْكٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا۝ کہا میں نے یہ تعبیر ابو نصر قشیری کی بعض تفاسیر میں پڑھی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہائے کاش! میں مٹی سے پیدا کیا جاتا اور میں یہ نہ کہتا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر ہوں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جب قیامت برپا ہوئی تو زمین کو چمڑے کی طرح بچھا دیا جائے گا جانوروں، چوپاؤں اور وحشیوں کو جمع کیا جائے گا پھر ان کے درمیان قصاص قائم کیا جائے گا یہاں تک کہ سینگ والی بکری سے بے سینگ بکری کا قصاص لیا جائے گا جو اس نے اس بکری کو سینگ مارا تھا۔ جب ان کے قصاص سے فراغت ہو جائے گی تو اسے کہا جائے گا: تو مٹی ہو جا، اس موقع پر کافر کہے گا: یٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ تُرٰبًا اسی کی مثل حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کر دیا ہے جو مردوں اور آخرت کے امور کے متعلق ہے۔ الحمدللہ۔

ابو جعفر نحاس نے ذکر کیا احمد بن نافع، سلمہ بن شبیب سے وہ عبد الرزاق سے وہ معمر سے وہ جعفر بن برقان جزری سے وہ یزید بن اصم سے وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو دوبارہ اٹھائے گا خواہ وہ جوان ہو، پرندہ ہو یا انسان ہو، پھر چوپاؤں اور پرندوں سے کہا جائے گا: مٹی ہو جاؤ۔ اس موقع پر کافر کہے گا: ہائے کاش! میں مٹی ہو جاتا۔ کچھ لوگوں نے کہا: اس کا معنی ہے مجھے دوبارہ نہ اٹھایا جاتا جس طرح کہا: اے کاش! مجھے کتاب نہ دی جاتی۔ ابو زناد نے کہا: جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جائے گا، جنتیوں کو جنت کی طرف جانے کا حکم دے دیا جائے گا اور جہنمیوں کو جہنم کی طرف جانے کا حکم دے دیا جائے گا تو تمام دوسری مخلوقات اور مومن جنوں کو کہا جائے گا مٹی ہو جاؤ تو وہ مٹی ہو جائیں گے اس موقع پر کافر جب انہیں مٹی ہوتا ہوا دیکھے گا تو کہے گا: ہائے کاش! میں مٹی ہوتا (1)۔ لیث بن ابی سلیم نے کہا: مومن جن مٹی ہو جائیں گے (2)۔

عمر بن عبد العزیز، زہری، کلبی اور مجاہد نے کہا: مومن جن جب جنت کے ارد گرد میدانوں میں ہوں گے وہ جنت میں نہیں ہوں گے۔ یہ زیادہ صحیح ہے سورۃ الرحمٰن میں اس کا بیان گزر چکا ہے کہ وہ مکلف ہیں انہیں بدلہ دیا جائے گا اور انہیں سزا دی جائے گی وہ انسانوں کی طرح ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 56
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 441

سورة النازعات

آیاتہا ٤٦ ۔ ٧٩ سورۃ النّٰزعٰت مکیۃ ٨١ ۔ رکوعاتہا ٢

یہ سورت مکی ہے۔ اس کی پینتالیس یا چھیالیس آیتیں ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ وَّالنّٰشِطٰتِ نَشۡطًا ۙ﴿۲﴾ وَّالسّٰبِحٰتِ سَبۡحًا ۙ﴿۳﴾ فَالسّٰبِقٰتِ سَبۡقًا ۙ﴿۴﴾ فَالۡمُدَبِّرٰتِ اَمۡرًا ۘ﴿۵﴾ يَوۡمَ تَرۡجُفُ الرَّاجِفَةُ ۙ﴿۶﴾ تَتۡبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؕ﴿۷﴾ قُلُوۡبٌ يَّوۡمَئِذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ﴿۸﴾ اَبۡصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۘ﴿۹﴾ يَقُوۡلُوۡنَ ءَاِنَّا لَمَرۡدُوۡدُوۡنَ فِى الۡحَافِرَةِ ؕ﴿۱۰﴾ ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ؕ﴿۱۱﴾ قَالُوۡا تِلۡكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۘ﴿۱۲﴾ فَاِنَّمَا هِىَ زَجۡرَةٌ وَّاحِدَةٌ ۙ﴿۱۳﴾ فَاِذَا هُمۡ بِالسَّاهِرَةِ ؕ﴿۱۴﴾

''قسم ہے (فرشتوں کی) جو غوطہ لگا کر (جان) کھینچنے والے ہیں اور بند آسانی سے کھولنے والے ہیں اور تیزی سے تیرنے والے ہیں پھر (تعمیل ارشاد میں) جو دوڑ کر سبقت لے جانے والے ہیں پھر (حسب حکم) ہر کام کا انتظار کرنے والے ہیں۔ جس روز تھرتھرائے گی تھرتھرانے والی، اس کے پیچھے ایک اور جھٹکا ہوگا۔ کتنے دل اس روز (خوف سے) کانپ رہے ہوں گے، ان کی آنکھیں (ڈر سے) جھکی ہوں گی۔ کافر کہتے ہیں: کیا ہم پلٹائے جائیں گے الٹے پاؤں (یعنی) جب ہم بوسیدہ ہڈیاں بن چکے ہوں گے۔ بولے: یہ واپسی تو بڑے گھاٹے کی ہو گی (پس اسی واپسی کے لیے) تو فقط ایک جھڑک کافی ہے پھر وہ فوراً کھلے میدان میں جمع ہو جائیں گے''۔

وَالنّٰزِعٰتِ غَرۡقًا ۙ﴿۱﴾ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ چیزوں کی قسم اٹھائی کہ قیامت برحق ہے۔ النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو نکالتے ہیں؛ یہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مسروق و مجاہد کا یہی قول ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسانوں کے نفوس نکالتے ہیں (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد کفار کے نفوس ہیں جنہیں ملک الموت ان کے جسموں سے نکالتا ہے ان کے ہر بال کے نیچے سے، ناخنوں کے نیچے سے اور قدموں کی جڑ سے اس طرح جس طرح گوشت بھوننے والی سیخ تر اون سے نکالی جاتی ہے پھر وہ انہیں جسموں میں داخل کرتے ہیں پھر اسے باہر نکالتے ہیں یہ کفار کے ساتھ اس کا معاملہ ہے (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 57
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 441

سعید بن جبیر نے کہا: ان کی روحیں نکالی گئیں، پھر غرق کی گئیں پھر انہیں جلایا گیا، پھر انہیں جہنم میں پھینک دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کافر موت کے وقت نفس کو دیکھے گا کہ وہ غرق ہو رہا ہے۔ سدی نے کہا: النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ نفوس ہیں جو سینوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد موت ہے جو نفوس کو کھینچتی ہے۔ حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو ایک افق سے دوسرے افق کی طرف جاتے ہیں، یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: نزع الیہ، یعنی اس کی طرف گیا اور عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: نزعت الخیل گھوڑے دوڑے۔ غَرْقًا یعنی وہ غرق ہو جاتے ہیں، غائب ہو جاتے ہیں وہ ایک افق سے ظاہر ہوتے ہیں اور دوسرے افق میں غائب ہو جاتے ہیں؛ یہ تعبیر ابو عبیدہ، ابن کیسان اور اخفش نے کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد کمانوں کو کھینچنے والے ہیں جو کمانوں پر تیر چڑھا کر انہیں کھینچتے ہیں؛ یہ عطا اور عکرمہ نے کہا ہے۔ غَرْقًا، اغراق کے معنی میں ہے۔ اغراق النازع فی القوس کا مفہوم یہ ہے جہاں تک وہ قوس کو کھینچ سکتا تھا وہاں تک پہنچ گیا یہاں تک کہ وہ پھل تک پہنچ گیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: اغرق فی القوس اس نے پورا پورا کھینچا۔ استغراق کا معنی استیعاب ہوتا ہے انڈے کے اندرونی پردے کو غرقی کہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسے غازی ہیں جو تیر پھینکنے والے ہوں۔

میں کہتا ہوں: یہ اور مقابل تعبیر برابر ہے کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے قوموں کی قسم اٹھائی تو اس سے مراد قوس کھینچنے والے بھی ہوں گے مقصود قوموں کی عظمت بیان کرنا ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ الْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۝ (العادیات) قسم ہے ان گھوڑوں کی جو دوڑتے ہوئے آواز نکالتے ہیں۔ اغراق سے مراد کھینچنے میں مبالغہ کرنا ہے یہ تمام تاویلات میں جائز ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ وحشی ہیں جو گھاس سے نکلتے ہیں اور بھاگ جاتے ہیں؛ یہ یحییٰ بن سلام نے بیان کیا ہے۔ غرق کا معنی بہت ہی دور۔

وَّالنّٰشِطٰتِ نَشْطًا ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومن کے نفس کو نکالتے ہیں جس طرح اونٹ کے اگلے پاؤں سے ڈھنگا کھولا جاتا ہے؛ فراء نے یہ قول بیان کیا پھر کہا: عربوں سے جو کچھ میں نے سنا وہ یہ کہتے ہیں اُنشِطت کما اُنشِط من عقال یعنی کھولنے کے لیے مجہول کا فعل استعمال کیا جاتا ہے باندھنے کے لیے مجرد کا فعل استعمال کیا جاتا ہے باندھنے والے کو ناشط کہتے ہیں۔ جب تو اونٹ کے بازو میں رسی باندھے تو کہے گا: نشطته اور تو ناشط ہوگا اور جب تو اس رسی کو کھولے تو اس وقت کہے گا: انشطته، انت منشط۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد موت کے وقت مومنوں کے نفوس ہیں وہ تیزی سے نکلتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے جب بھی کسی مومن پر موت کا وقت آتا ہے تو اس پر جنت پیش کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو کچھ تیار کیا ہوتا ہے یعنی بیویاں اور حور عین تو ان سب کو دیکھ لیتا ہے۔ وہ اسے اپنی طرف دعوت دیتے ہیں وہ ان کی طرف تیزی سے نکلتا ہے اور ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد کفار اور منافقوں کے نفوس ہیں ان کے نفوس کو یوں نکالا جاتا ہے جس طرح عقب کو نکالا جاتا ہے۔ عقب اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ تیر کو لپیٹا جاتا ہے۔ عقب سے مراد وہ پٹھا ہے جس

سے تانت بنائی جاتی ہے اس کا واحد عقبہ ہے اس سے تو کہتا ہے: عقب السھم والقدح والقوس عقبا، جب تو ان چیزوں پر کوئی چیز لپیٹے۔ نشط کا معنی تیزی سے کھینچنا ہے اس سے انشوطه کا لفظ ہے جس کا معنی ایسی گرہ ہے جس کا کھولنا آسان ہو جب تو اسے کھینچے جس طرح ازار بند کی گرہ ہوتی ہے۔ ابو زید نے کہا: اس کا باب یوں چلایا جاتا ہے نشطتُ الحبل أَنْشِطُه نشطا۔ میں نے اسے ایسی گرہ کے ساتھ باندھا جس کا کھولنا آسان تھا انشطته یعنی میں نے اسے کھول دیا۔ انشطت الحبل یعنی میں نے اسے پھیلایا یہاں تک کہ اس کی گرہ کھل گئی۔ فراء نے کہا: انشط العقال، ڈھنگا کھولا گیا۔ نشط اس کے ہاتھوں میں رسی باندھی گئی۔ لیث نے کہا: انشطته بأنشوطة وأُنشوطتين یعنی میں نے اسے ایک گرہ یا دو گرہوں سے باندھا۔ أنشطت العقال، میں نے اس کے ڈھنگے کو لمبا کیا تو وہ ڈھنگا کھل گیا۔ یہ بھی قول کیا گیا ہے کہ نشط، أنشط کے معنی میں ہے، دونوں لغتیں ایک معنی میں ہیں۔ اس تعبیر پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا پہلا قول صحیح ثابت ہوتا ہے۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی نقل کیا جاتا ہے کہ ناشطات سے مراد فرشتے ہیں جنہیں ان کے نشاط کی وجہ سے ناشطات کہا جاتا ہے وہ جہاں کہیں ہو اللہ تعالیٰ کے امر کے ساتھ جاتے اور آتے ہیں۔ ان سے اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو کفار کی روحوں کو جلد اور ناخنوں کے درمیان سے نکالتے ہیں یہاں تک ان کے پیٹوں سے اسے بڑی سختی کے ساتھ نکالتے ہیں جب کہ انہیں بڑی تکلیف اور غم لاحق ہوتا ہے جس طرح تو خاردار تار کو اون سے نکالتا ہے۔ اس وقت نشط کھینچنے کے معنی میں ہوگا یہ جملہ بولا جاتا ہے: نشطتُ الدلوَ أنشِطها وانشُطها۔ یعنی میں نے اسے کھینچا۔ اصمعی نے کہا: بئر انشاط۔ ایسا کنواں جس کی گہرائی تھوڑی ہو جس سے ڈول ایک دفعہ کھینچنے سے نکل جاتا ہے۔ بئر نشوط ایسے کنویں کو کہتے ہیں جس سے ڈول کئی دفعہ کھینچنے سے نکلتا ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ ایسی موت ہے جو انسان کے نفس کو کھینچتی ہے۔ سدی نے کہا: اس سے مراد ایسے نفوس ہیں جن کو دونوں قدموں سے کھینچا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: النّٰزِعٰتِ سے مراد نمازیوں کے ہاتھ اور ان کی ذاتیں ہیں جو تیر چڑھا کر کمانوں کو کھینچتے ہیں۔ النّٰزِعٰتِ سے مراد وہ ہاتھ ہیں جو گھوڑوں اور اونٹوں کی رسیوں کو کھولتے ہیں۔

عکرمہ اور عطا نے کہا: اس سے مراد وہ تانتیں ہیں جن کے ساتھ تیروں کو چھوڑا جاتا ہے۔ عطا، قتادہ، حسن بصری اور اخفش سے مروی ہے: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو ایک افق سے دوسرے افق کی طرف جاتے ہیں۔ صحاح میں اسی طرح ہے یعنی وہ ستارے جو ایک برج سے دوسرے برج کی طرف نکلتے ہیں جس طرح بیل ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتا ہے اور غم، غم والے کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

ابو عبیدہ اور عطا نے کہا: النّٰشِطٰتِ سے مراد وحشی جانور ہیں جو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف جاتے ہیں جس طرح غم انسان کو ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف لے جاتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: النّٰزِعٰتِ سے مراد کافروں کی روحیں نکالنے والے ہیں اور النّٰشِطٰتِ سے مراد مومنوں کی روحیں نکالنے والے ہیں۔ فرشتے مومن کی روح کو نرمی سے کھینچتے ہیں۔ نزع کا معنی سختی سے کھینچنا ہے اور نشط کا معنی نرمی سے کھینچنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دونوں آیتیں کفار کے لیے ہیں باقی مومنین کے لیے ہیں جب وہ دنیا سے جدا ہو رہے ہوتے ہیں۔

وَّالسّٰبِحٰتِ سَبْحًا۝ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کے ساتھ تیرتے ہیں۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو قبض کرتے ہیں جس طرح ایک آدمی پانی میں تیرتا ہے کبھی وہ نیچے چلے آتے ہیں اور کبھی وہ اوپر اٹھ آتے ہیں وہ نرمی سے اسے نکالتے ہیں پھر اسے چھوڑ دیتے ہیں تاکہ وہ آرام کر لیں۔ مجاہد اور ابو صالح نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو اللہ کے حکم سے آسمان سے جلدی آتے ہیں جس طرح تیز رفتار گھوڑے کو سابح کہتے ہیں جب وہ تیز دوڑے۔ مجاہد سے مروی ہے: فرشتے اترنے اور اوپر چڑھنے میں تیزی کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ السّٰبِحٰتِ سے مراد موت ہے جو بنی آدم کے نفسوں میں تیرتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نمازیوں کے گھوڑے ہیں؛ عنترہ نے کہا:

والخیلُ تَعْلَمُ حین تَسْ بَحُ فی حِیاض الموت سَبْحا

گھوڑے جانتے ہیں جب وہ موت کے حوضوں میں تیرتے ہیں۔

قتادہ اور حسن نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو افلاک میں تیرتے ہیں اسی طرح سورج اور چاند ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۝ (یٰسٓ) ہر ایک اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ کشتیاں ہیں جو پانی میں تیرتی ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: السّٰبِحٰتِ سے مراد مومنوں کی روحیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی رحمت کے شوق میں تیرتے ہیں جب وہ نکلتی ہیں۔

فَالسّٰبِقٰتِ سَبْقًا۝ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انبیاء تک وحی پہنچانے میں شیاطین پر سبقت لے جاتے ہیں؛ یہ مسروق اور مجاہد کا بھی قول ہے۔ مجاہد اور ابوروق سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسانوں پر خیر اور عمل صالح میں سبقت لے گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بنی آدم پر عمل صالح میں سبقت لے جاتے ہیں تو اسے لکھ لیتے ہیں۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد موت ہے جو انسان پر سبقت لے جاتی ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو مومنوں کی روحوں کو جنت کی طرف جلدی لے جاتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس سے مراد مومنوں کے نفوس ہیں جو ملائکہ کی طرف سبقت لے جاتے ہیں جو ان کی روحوں کو قبض کرتے ہیں جبکہ انہوں نے فرحت و سرور کو دیکھ لیا ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی رحمت کا شوق رکھتے ہیں۔ ربیع سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا: اس سے مراد وہ نفوس ہیں جو موت کے وقت نکلنے میں سبقت لے جاتے ہیں۔ قتادہ، حسن اور معمر نے کہا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جن میں سے بعض بعض سے چال میں سبقت لے جاتے ہیں۔ عطا نے کہا: اس سے مراد وہ گھوڑے ہیں جو جہاد کی طرف سبقت لے جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ روحیں ہیں جو جسموں سے پہلے جنت یا جہنم کی طرف سبقت لے جاتی ہیں؛ یہ ماوردی کا قول ہے۔ جرجانی نے کہا: سابقات کا فاء کے ساتھ ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس سے مراد بھی پہلے والے ہیں یعنی جو تیرتے ہیں اور سبقت لے جاتے ہیں۔ تو کہتا ہے: وہ اٹھا اور چلا گیا تو یہ چیز اس امر کو ثابت کرتی ہے کھڑا ہونا جانے کا سبب ہے اگر تو کہتا: قام و ذھب تو کھڑا ہونا جانے کا سبب نہ ہوتا۔

فَالْمُدَبِّرٰتِ اَمْرًا ۞ قشیری نے کہا: علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں۔ ماوردی نے کہا: اس بارے میں دو قول ہیں: (1) اس سے مراد ملائکہ ہیں؛ یہ جمہور کا نقطہ نظر ہے۔ (2) اس سے مراد سات ستارے ہیں؛ یہ خالد بن معدان نے حضرت معاذ بن جبل سے روایت نقل کی ہے۔ ان کے امور کی تدبیر کی دو صورتیں: (1) ان کے طلوع وغروب کی تدبیر کرنا (2) اللہ تعالیٰ نے اس میں جو احوال کے بدلنے کا فیصلہ کیا ہے وہ تدبیر ہے؛ قشیری نے بھی اپنی تفسیر میں یہی قول نقل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عالم کے بہت سے امور کو نجوم کی حرکات کے ساتھ معلق کیا ہے پس تدبیر کو ان ستاروں کی طرف منسوب کر دیا گیا ہے اگرچہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتا ہے جس طرح ایک چیز کو اس کے مجاور کی وجہ سے نام دے دیا جاتا ہے۔

اگر مراد فرشتے ہوں تو ان کی تدبیر سے مراد یہ ہوگا کہ وہ حلال وحرام اور اس کی تفصیل کے ساتھ نازل ہوتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: اس میں یہ امر اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے لیکن جب فرشتے اسے لے کر اترے تو انہیں یہ نام دے دیا گیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ۞ (شعراء) اسے روح الامین لے کر نازل ہوئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ (بقرہ: 97) جبریل امین نے اسے تیرے دل پر نازل کیا۔ یعنی جبریل امین نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اسے نازل کیا جبکہ نازل کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہے۔

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مدبرات امر سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں زمین کے احوال کی تدبیر سپرد کی گئی ہے ہواؤں کا معاملہ ہو، بارش کا معاملہ ہو یا کوئی اور۔ عبدالرحمن بن سابط نے کہا: دنیا کے امور کی تدبیر چار فرشتوں کے ذمہ ہے حضرت جبریل، حضرت میکائیل، ملک الموت یعنی حضرت عزرائیل اور حضرت اسرافیل۔ جہاں تک حضرت جبریل کا تعلق ہے اس کے ذمہ ہواؤں اور لشکروں کے معاملات ہیں۔ حضرت میکائیل کے ذمہ بارش اور نباتات ہے۔ ملک الموت کے ذمہ خشکی اور تری میں روحوں کو قبضہ کرنا ہے۔ جہاں تک حضرت اسرافیل کا تعلق ہے وہ ان فرشتوں پر اللہ تعالیٰ کا امر لاتے ہیں حضرت اسرافیل سے بڑھ کر کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کے قریب نہیں۔ حضرت اسرافیل اور عرش کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں ایسے امور کا مکلف بنا دیا گیا ہے انہیں جس کی پہچان اللہ تعالیٰ نے کرا دی ہے۔ سورت کے آغاز سے یہاں تک قسمیں ہیں اللہ تعالیٰ نے جن کی قسمیں اٹھائی ہیں اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسمیں اٹھائے ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی ذات کے علاوہ کسی چیز کی قسم اٹھانا جائز نہیں قسم کا جواب مضمر ہے گویا فرمایا: والنازعات..... لتبعثن ولتحاسبن۔ جواب قسم اس لیے مضمر کیا گیا کیونکہ سامعین اسے پہچانتے تھے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۞ (النازعات) کیا اس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہ ان کے اس قول کے جواب میں ہے: ائذا کنا عظاما نخرۃ نبعث تو صرف ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً پر اکتفا کیا گیا۔

ایک قوم نے کہا: جواب قسم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۞ (النازعات) اس میں ڈرانے والے کے لیے عبرت

ہے؛ یہ ترمذی ابن علی کا پسندیدہ مذہب ہے یعنی میں نے جو قیامت کا ذکر کیا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر کیا ہے یہ سب ڈرنے والوں کے لیے نصیحت ہے لیکن جواب قسم اسی چیز کو بنانا جو سورت میں مذکور ہو ظاہر و باہر ہو اس سے زیادہ مناسب ہے کہ کسی ایسی چیز کو جواب قسم بنایا جائے جو کلام میں مذکور نہ ہو؛ یہ انباری کا قول ہے یہ قبیح ہے کیونکہ قسم اور جواب قسم کے درمیان طویل فاصلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب قسم هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ؈ ہے کیونکہ معنی تجھ پر واضح ہو چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ؈ ہے یہاں يَوْمَ سے پہلے لام مقدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ؈ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؈ (النازعات) والنازعات غرقا سجستانی نے کہا: یہ جائز ہے کہ اس میں تقدیر و تاخیر ہو گویا کلام یوں کی گئی فاذاهم بالساهرة والنازعات۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ فاء کے ساتھ کلام کو شروع نہیں کیا جاتا۔ پہلی توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ جواب قسم یہ ہے کہ جہنمیوں کے دل سخت ہو گئے، ان کی آنکھیں جھکی ہیں يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ؈ کو نصب اس وجہ سے ہے لیکن یہ جواب قسم نہیں۔ زجاج نے کہا: تقدیر کلام یوں ہے قلوب واجفة یوم ترجف الراجفة۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اذکر کی وجہ سے منصوب ہے اور ترجف کا معنی تضطرب ہے اور راجفہ کا معنی مضطربہ ہے۔ عبدالرحمن بن زید نے یہی کہا ہے کہا: اس سے مراد زمین ہے اور رادفہ سے مراد قیامت ہے۔ مجاہد نے کہا: راجفہ سے مراد زلزلہ ہے۔

تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ؈ رادفہ سے مراد چیخ ہے۔ مجاہد، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: دونوں سے مراد چیخیں ہیں یعنی دونوں نفخے۔ جہاں تک پہلے نفخہ کا تعلق ہے وہ اللہ کے حکم سے ہر چیز کو ہلاک کر دے گا۔ جہاں تک دوسرے نفخے کا تعلق ہے وہ اللہ کے حکم سے ہر چیز کو زندہ کر دے گا۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: ''دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ ہوگا''۔ مجاہد نے بھی کہا: رادفہ اس وقت ہوگا جب آسمان پھٹ جائے گا، زمین اور پہاڑ اٹھا لیے جائیں گے اور انہیں ایک ہی بار ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا یہ سلسلہ زلزلہ کے بعد ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: راجفہ سے مراد زمین کا حرکت کرنا ہے رادفہ سے مراد دوسرا زلزلہ ہے جو زمینوں کو فنا کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ سورۃ النمل کے آخر میں ایسی بحث گزر چکی ہے جو صور پھونکنے کی بحث میں کافی و شافی ہے۔ رجفہ کا اصل معنی حرکت ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَرْجُفُ الْاَرْضُ (المزمل: 14) یہاں رجفہ سے مراد صرف حرکت نہیں بلکہ یہ رَجَفَ الرعدُ يَرْجُفُ رَجْفًا و رَجِيفًا سے مشتق ہے یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ آواز اور حرکت کو ظاہر کرے اسی سے اراجیف کا لفظ ہے کیونکہ اس میں آوازیں مضطرب ہوتی ہیں اور لوگ اس میں بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَبِالأَراجِيفِ يا بن اللؤمِ تُوعِدُني　وفي الأَراجِيفِ خِلتُ اللؤمَ الخَوَرَا

کیا تو ایسے قصائد میں (جو رجز بحر میں کہے گئے ہیں) مجھے دھمکی دیتا ہے اے ملامت کرنے والے! جبکہ میرا خیال تھا کہ ایسے قصائد میں ملامت اور ضعف کا طعنہ ہوگا۔

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب رات کا ایک چوتھائی گزر جاتا تو آپ اٹھتے پھر فرماتے: اے لوگو اللہ تعالیٰ کو یاد کرو راجفہ آچکی رادفہ اس کے پیچھے آرہی ہے موت اپنی سختیوں کے ساتھ آگئی (1)۔

قُلُوْبٌ یَّوْمَىٕذٍ وَّاجِفَةٌ ۙ اس روز دل خوفزدہ ہوں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور اکثر مفسرین کی یہی رائے ہے۔ سدی نے کہا: وہ اپنی جگہوں سے ہل جائیں گے اس کی مثل اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ (غافر:18) جب دل زخرہ تک پہنچ جائیں گے۔ مورج نے کہا: جب دل مضطرب خوفزدہ اور پرسکون نہ ہوں گے۔ مبرد نے کہا: جب دل مضطرب ہوں گے۔ معنی سب کا قریب قریب ہے اس سے مراد کفار کے دل ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: وجف القلب یَجِفُ وَجِیفًا جب وہ پھڑ پھڑا رہا ہو جس طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: وَجَبَ یَجِبُ وَجِیبًا اسی سے وجیف الفرس والناقۃ فی العدو ہے ایجاف کا معنی جانور کو تیز چال پر برانگیختہ کرنا ہے۔ قلوب کو مبتدا کی حیثیت سے رفع دیا گیا اور واجفہ اس کی صفت ہے۔

اَبْصَارُهَا خَاشِعَةٌ ۙ یہ سابقہ مبتدا کی ضمیر ہے جس طرح یہ قول وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَیْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ (البقرہ:221) مومن غلام مشرک سے بہتر ہے۔ خَاشِعَةٌ کا معنی ہے جھکی ہوئی ذلیل ورسوا۔ یہ صورت اس ہولنا کی کی وجہ سے ہوگی جسے وہ دیکھ رہی ہوں گی اس کی مثل خَاشِعَةً اَبْصَارُهُمْ تَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ (المعارج:44) ہے یعنی یہ بعث کو جھٹلانے والے اور اس کا انکار کرنے والے کہیں گے: جب انہیں کہا جاتا ہے تمہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا تو وہ انکار کرتے ہوئے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں: کیا ہم اپنی موت کے بعد پہلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے تو جس طرح ہم موت سے پہلے زندہ تھے اسی طرح پھر زندہ ہو جائیں گے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا (الاسراء) کیا ہم کوئی مخلوق کی حیثیت سے دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ او علی حافرتہ یعنی وہ آدمی جہاں سے آیا تھا وہاں سے ہی واپس چلا گیا؛ یہ قتادہ کا قول ہے؛ ابن اعرابی نے کہا:

أحافِرَةً علی صَلَعٍ وشَیْبٍ مَعَاذَ اللهِ مِن سَفَهٍ وعارِ

کیا اس گنجے پن اور بالوں کی سفیدی کے بعد میں پہلی حالت کی طرف لوٹ جاؤں گا اس بے وقوفی اور شرمندگی سے اللہ کی پناہ۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجع فلان فی حافرتہ یعنی جس راستہ سے آیا تھا اسی راستہ سے واپس چلا گیا۔ ان کا ضرب المثل میں قول ہے: النقد عند الحافرۃ۔ نقد سبقت کے وقت ہوتا ہے۔ یعقوب نے کہا: پہلے کلمہ پر۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: التقی القوم فاقتتلوا عند الحافرۃ۔ لوگ آپس میں ملے تو انہوں نے ملاقات پر آغاز پر ہی باہم جھگڑا شروع کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حافرۃ کا معنی دنیا ہے یعنی کیا ہم دنیا کی طرف لوٹا دیئے جائیں گے تو ہم بطور زندہ اس طرح صبر کریں گے جس طرح ہم پہلے تھے؛ شاعر نے کہا:

آلیتُ لا أنساکُمْ فاعْلَمُوا حَتّٰی یُرَدَّ النّاسُ فی الحافِرَۃ

1۔ جامع ترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب ماجاء فی صفۃ اوانی الحوض، حدیث نمبر 2381، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

میں قسم اٹھاتا ہوں! میں تمہیں کبھی بھی نہیں بھولوں گا جان لو یہاں تک کہ لوگوں کو دنیا کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: حافرۃ سے مراد وہ زمین ہے جہاں قبروں کو دفن کر دیا گیا ہو، یہ مخصوص کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ (الطارق) عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ (الحاقہ) معنی یہ ہوگا کیا ہمیں اپنی قبروں میں دوبارہ زندہ کر کے لوٹایا جائے گا؛ یہ مجاہد، خلیل اور فراء کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین کو حافرۃ کا نام دیا گیا ہے کیونکہ وہ قدم لگنے کی جگہ ہے جس طرح قدم کو ارض کا نام دے دیا جاتا ہے کیونکہ قدم زمین پر ہوتا ہے معنی اس کا یہ ہوگا کیا ہم موت کے بعد زمین کی طرف لوٹیں گے اور اپنے قدموں پر چلیں گے۔ ابن زید نے کہا: حافرۃ سے مراد آگ ہے اور پڑھا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ ۝ (النازعات) پھر وہ باری تو بڑے خسارے والی ہوگی۔ مقاتل اور زید بن اسلم نے کہا: یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: کلام عرب میں حافرۃ سے مراد دنیا ہے۔ ابوحیوہ نے اسے حفِرۃ پڑھا ہے یہ حافرۃ سے ماخوذ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حفرۃ سے مراد ایسی زمین ہے جو اپنے مردوں کے جسموں کی وجہ سے بدبودار ہو گی یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: حفرت اسنانہ یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب اس کے دانتوں کے ظاہر اور باطن میں میل چڑھ جائے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فی اسنانہ حفر، وقد حفَرت تَحفُرُ حفرا یہ کَسَر، یَکْسِر کسرا کے وزن پر ہے جب اس کی جڑیں خراب ہو جائیں۔ بنو اسد کہا کرتے تھے: فی اسنانہ حفر، وقد حفِرت یہ تعِب، تعبا کی مثل ہے یہ دونوں لغتوں میں سے مروی لغت ہے صحاح میں اسی طرح ہے۔

ءَ اِذَا كُنَّا عِظَامًا نَّخِرَةً ۝ کیا اس وقت جب ہم بوسیدہ ہڈیاں ہو جائیں گے۔ کہا جاتا ہے: نخر العظم یعنی بوسیدہ ہو جائے اور ٹوٹ پھوٹ جائے کہا جاتا ہے: عِظَامًا نَّخِرَةً اہل مدینہ، اہل مکہ، اہل شام اور اہل بصرہ نے اسی طرح پڑھا ہے۔ ابوعبید نے اسی کو پسند کیا ہے کیونکہ وہ آثار جن میں ہڈیوں کا ذکر ہوتا ہے ہم نے ان میں غور کیا تو ہم نے نخرہ دیکھا ناخرہ نہ دیکھا۔ ابوعمرو، ان کے بیٹے عبداللہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، ابن زبیر، حمزہ، کسائی اور ابوبکر نے ناخرۃ پڑھا۔ فراء، طبری اور ابو معاذ نحوی نے آیات کے سروں کی موافقت کی وجہ سے اسے ہی پسند کیا۔ صحاح میں ہے: ناخرۃ اس ہڈی کو کہتے ہیں جس میں ہوا داخل ہو پھر اس سے نکلے تو اس سے آواز نکلے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما بہا ناخر گھر میں کوئی بھی نہیں: یہ قول یعقوب نے باہلی سے نقل کیا ہے۔ ابوعمرو بن علاء نے کہا: ناخِرۃ اسے کہتے ہیں جو ابھی بوسیدہ نہ ہوا ہو تاہم اس کا بوسیدہ ہونا ضروری ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ناخرۃ سے مراد جو اندر سے خالی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ دونوں لغتیں ایک معنی میں ہیں اسی طرح عرب کہتے ہیں: نخر الشی فھو ناخر و نخر جس طرح اس فعل سے اسم فاعل کا صیغہ ذکر کرتے ہیں طمع فھو طَمِعٌ و طامِعٌ، حذِرٌ و حاذِرٌ، بَخِلٌ و بَاخِلٌ، فَرِہٌ و فارِہٌ۔

بعض تفاسیر میں ہے: جب ناخرۃ کا لفظ ہو تو معنی بوسیدہ ہے اور جب نخرۃ ہو تو اس کا معنی ہے ہوا اس میں سے گزرتی ہے۔ یہ پہلے معنی کے برعکس ہے ہمدانی نے قادسیہ کے موقع پر کہا تھا: من بعد ما صرت عظاما ناخرۃ اس کے بعد میں بوسیدہ ہڈیاں ہو چکا ہوں گا۔ بعض نے کہا: ناخرۃ اسے کہتے ہیں جس کی اطراف کھائی جا چکی ہوں اور اس کا درمیانی حصہ باقی ہو

نخرۃ اسے کہتے ہیں جو مکمل خراب ہو چکی ہو۔ مجاہد نے کہا: نخرۃ سے مراد ہے جو ریزہ ریزہ ہو چکا ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عِظَامًا وَّ رُفَاتًا (الاسراء:49) ریزہ ریزہ ہڈیاں۔ نخرۃ الریح ہوا کا تیز چلنا۔ نُخْرۃ اور نُخَرۃ میں وہی مناسبت ہے جو ہمزہ میں میم کو سکون اور ضمہ دینے کی صورت میں ہے یہ گھوڑے، گدھے اور خنزیر کے ناک کا اگلا حصہ ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: هَشِم نَخرتَه یعنی اس کی ناک کو توڑ دیا۔

قَالُوْا تِلْكَ اِذًا كَرَّةٌ خَاسِرَةٌ۞ انہوں نے کہا: وہ تو خسارے والا لوٹنا ہوگا یہ محض لوٹنے کی طرح نہیں ہوگا؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: جس نے اس کو جھٹلایا تھا اس کے لیے نقصان کا باعث ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خسارے کی باری ہوگی معنی یہ ہے اس باری والے خسارہ پانے والے ہوں گے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: تجارۃ رابحۃ یعنی تجارت کرنے والا نفع اٹھانے والا ہوگا۔ اس باری سے بڑھ کر کوئی چیز خسارہ دینے والی نہ ہوگی وہ جہنم کی طرف لے جانے والی ہے۔ قتادہ اور محمد بن کعب نے کہا: اگر ہم موت کے بعد زندہ لوٹے تو ہمیں آگ میں جمع کیا جائے گا انہوں نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ انہیں آگ کی دھمکی دی گئی تھی کَرّ کا معنی لوٹنا ہے یہ کہا جاتا ہے کرّہ اور کرّ پہلا فعل متعدی ہے اور دوسرا لازم ہے کرۃ کا معنی ایک بار اور اس کی جمع کرات ہے۔

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ۞ اللہ تعالیٰ نے اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اس پر دوبارہ اٹھانا آسان ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نفخۃ واحدۃ قراءت نقل کی ہے۔

فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۞ سب مخلوق روئے زمین پر ہوگی جبکہ پہلے وہ زمین کے اندر تھی۔ فراء نے کہا: اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اس میں حیوان سوتا اور جاگتا ہے عرب کھلے میدان اور اس کی زمین کو ساھرہ کہتے ہیں یہ نسبت کا معنی دے رہا ہے کیونکہ ایسی زمین میں خوف کی وجہ سے جاگا جاتا ہے تو اس زمین کی ایسی صفت بیان کردی جو اس چیز کی صفت تھی جو اس میں ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس اور مفسرین نے امیہ بن ابی صلت کے قول سے استدلال کیا ہے:

وفیھا لحمُ ساهِرۃ وبحرٌ

صحاح میں ہے: یوں قول کیا جاتا ہے ساھور یہ زمین کا سایہ ہے اور ساھرہ سے مراد روئے زمین ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَاِذَا هُمْ بِالسَّاهِرَةِ۞ (النازعات) اور کہا جاتا ہے: الساھور جس طرح چاند کا غلاف ہوتا ہے جب اسے گرہن لگتا ہے تو وہ اس غلاف میں داخل ہو جاتا ہے انہوں نے امیہ بن ابی صلت کا شعر پڑھا:

قمرٌ وساھورٌ یُسَلّ ویُغْمَدُ

چاند اور سایہ کبھی اسے سونتا جاتا ہے اور کبھی اس سایہ میں داخل کر دیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا جاتا ہے کہ ساھرہ سے مراد سفید زمین ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ چاندی کی زمین ہوگی اس پر کبھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کی گئی ہوگی اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ایسی زمین ہے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اسے نئے سرے سے بنائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساھرۃ سے مراد

ساتویں زمین کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ لائے گا اور اس پر مخلوق کا حساب لے گا۔ یہ اس وقت ہوگا جب زمین کو دوسری زمین سے بدل دیا جائے گا۔ ثوری نے کہا: ساھرہ سے مراد شام کا علاقہ ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا: یہ بیت المقدس کا پہاڑ ہے عثمان بن ابی عاتکہ نے کہا: یہ شام میں ایک مخصوص جگہ کا نام ہے یہ اریحاء اور حسان پہاڑوں کے درمیان کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ جتنا چاہے گا اسے پھیلا دے گا۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد جہنم ہے یعنی اچانک یہ کفار جہنم میں ہوں گے۔ اسے ساھرہ کہا گیا ہے کیونکہ اس وقت وہ لوگ اس پر نہ سوئیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساھرہ سے مراد جہنم کے کنارے صحراء ہے یعنی وہ قیامت کے دن زمین پر ٹھہریں گے تو اس وقت ہمیشہ کی بیداری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ساھرہ سے مراد ہموار زمین ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں سراب چلتا ہے یہ عربوں کے قول: عین ساھرۃ سے ماخوذ ہے ایسا چشمہ جس کا پانی چلتا رہتا ہو اس کی ضد نائم ہے۔

یا اس وجہ سے اسے ساھرۃ کہتے ہیں کیونکہ اس پر چلنے والا ہلاکت کے خوف سے نہیں سوتا۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰىۘ ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًىۚ ۝۱۶ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰىؗۖ ۝۱۷ فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰىۙ ۝۱۸ وَ اَهْدِیَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰىۚ ۝۱۹ فَاَرٰىهُ الْاٰیَةَ الْكُبْرٰىؗۖ ۝۲۰ فَكَذَّبَ وَ عَصٰىؗۖ ۝۲۱ ثُمَّ اَدْبَرَ یَسْعٰىؗۖ ۝۲۲ فَحَشَرَ فَنَادٰىؗۖ ۝۲۳ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰىؗۖ ۝۲۴ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَ الْاُوْلٰىؕ ۝۲۵ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰىؕ ۝۲۶

"(اے حبیب!) کیا پہنچی ہے آپ کو موسیٰ کی خبر؟ جب ان کے رب نے انہیں طوی کی مقدس وادی میں پکارا تھا (کہ) جاؤ فرعون کے پاس وہ سرکش بن گیا ہے پس (اس سے) دریافت کرو کیا تیری خواہش ہے کہ تو پاک ہوجائے اور (کیا تو چاہتا ہے) میں تیری راہبری کروں تیرے رب کی طرف تاکہ تو (اس سے) ڈرنے لگے۔ پس آپ نے (جاکر) اسے بڑی نشانی دکھائی، پس اس نے جھٹلایا اور نافرمانی کی پھر روگرداں ہوکر فتنہ انگیزی میں کوشاں ہوگیا، پھر (لوگوں کو) جمع کیا پس پکارا اور کہا: میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، آخرکار مبتلا کر دیا اسے اللہ نے آخرت اور (دنیا کے) دوہرے عذاب میں۔ بے شک اس میں بڑی عبرت ہے اس کے لیے جو اللہ سے ڈرتا ہے"۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ مُوْسٰىۘ ۝۱۵ اِذْ نَادٰىهُ رَبُّهٗ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝۱۶ یعنی آپ تک وہ خبر آچکی ہے اور پہنچ چکی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تسلی کا باعث ہے کیونکہ فرعون آپ کے زمانہ کے کفار سے زیادہ قوی تھا پھر ہم نے اسے پکڑ لیا اسی طرح یہ لوگ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: هَلْ بمعنی ما ہے وہ خبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں آئی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی گئی ہے: اس میں ڈرنے والوں کے لیے عبرت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا

واقعہ کئی مواقع پر گزر چکا ہے جو کافی وشافی ہے۔ طُوًی میں تین قرائتیں ہیں۔ ابن محیصن، ابن عامر اور کوفیوں نے طوی کو تنوین سے پڑھا ہے۔ ابوعبید نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ اس میں تخفیف ہے باقی قراء نے تنوین کے بغیر پڑھا ہے کیونکہ یہ معدول ہے جس طرح عُمر اور قُثم ہے۔ فراء نے کہا: طوی، مدینہ طیبہ اور مصر کے درمیان ایک وادی ہے کہا یہ طاوِ سے معدول ہے جس طرح عامر سے عمر معدول ہے۔ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے طاء کے کسرہ کے ساتھ اسے پڑھا ہے اور ابوعمرو سے بھی یہی مروی ہے معنی یہ ہے کہ وہ وادی یکے بعد دیگرے مقدس بنائی گئی ہے؛ یہ زجاج نے کہا اور شعر پڑھا:

أَعَاذِلَ إِنَّ اللوم فی غیرِ کنهِهِ   علیَّ طِوًی مِن غَیِّكِ المتردِّدِ

اے مجھے ملامت کرنے والے! بے شک بغیر وجہ کے میری بار بار ملامت تیری متردد سرکشی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: طاء کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ دو لغتیں ہیں اس بارے میں گفتگو سورۂ طٰہٰ میں گزر چکی ہے۔

اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۱۷﴾ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے رب نے انہیں ندا کی کہ فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی ہے تو کلام سے ایک جز کو حذف کر دیا گیا کیونکہ ندا بھی ایک قول ہے گویا ان کے رب نے انہیں ارشاد فرمایا: فرعون کے پاس جاؤ اس نے سرکشی کی۔ یعنی اس نے نافرمانی میں حد سے تجاوز کیا۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ فرعون ہمدان کا رہنے والا چھوٹے قد کا مضبوط آدمی تھا۔ مجاہد نے کہا: اصطخر کا رہنے والا تھا۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے کہ وہ اصفہان کا رہنے والا تھا جسے ذوظفر کہتے ہیں۔ اس کی لمبائی چار بالشت تھی۔

فَقُلْ هَلْ لَّكَ اِلٰۤى اَنْ تَزَكّٰى ﴿۱۸﴾ کیا تو خواہش رکھتا ہے کہ تو اسلام لائے اور گناہوں سے اپنے آپ کو پاک کرے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: کیا تو خواہش رکھتا ہے کہ تو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی گواہی دے؟

وَ اَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ﴿۱۹﴾ میں تیری تیرے رب کی اطاعت کی طرف راہنمائی کروں تو تو اس سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے۔ نافع اور ابن کثیر نے تَزَّكّٰى پڑھا ہے کہ تاء کو زاء میں مدغم کر دیا گیا کیونکہ یہ اصل میں تتزکی تھا۔ باقی قراء نے اسے تزکی پڑھا ہے معنی ہوگا تو پاکیزہ مومن بنے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعا دی کہ وہ پاکیزہ مومن بن جائے۔ کہا: اس وجہ سے ہم نے تخفیف کو اختیار کیا ہے۔ صخر بن جویریہ نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا تو حضرت موسیٰ کو فرمایا: اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میں اس کے پاس کیسے جاؤں جبکہ تو جانتا ہے کہ وہ اس طرح نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ تجھے جو حکم دیا گیا ہے اس پر عمل کر بے شک آسمان میں بارہ ہزار فرشتے ہیں جو تقدیر کے علم کے خواہش مند ہیں وہ اس تک نہیں پہنچے اور نہ ہی اس کا ادراک کر سکے۔

فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى ﴿۲۰﴾ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے بڑی نشانی دکھائی یہ معجزہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے عصا مراد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے ید بیضاء مراد ہے جو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آیۃ کبریٰ سے مراد عصا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد ید بیضاء اور عصا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد سمندر کا پھٹنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: آیۃ سے مراد تمام نشانیاں اور معجزات ہیں۔

فَكَذَّبَ وَعَصٰى ۞ ثُمَّ اَدْبَرَ يَسْعٰى ۞ اس نے اللہ کے نبی حضرت موسیٰ کو جھٹلایا اور اپنے رب کی نافرمانی کی پھر ایمان سے اعراض کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی اور زمین میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سزا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ سانپ دیکھ کر بھاگ کھڑا ہوا۔

فَحَشَرَ فَنَادٰى ۞ فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ اس نے اپنے ساتھیوں کو بلایا تا کہ وہ اسے سانپ سے بچائیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے جنگ کرنے کے لیے اپنے لشکروں کو جمع کیا اور مقابلہ کے لیے جادوگروں کو جمع کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس نے لوگوں کو جمع کیا اس نے لوگوں کو بلند آواز سے ندا دی: میں تمہارا بڑا رب ہوں میرے اوپر کوئی تمہارا رب نہیں۔ یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ ابلیس نے فرعون کے سامنے انسان کی صورت بنائی جب کہ وہ مصر میں ایک حمام میں تھا فرعون نے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ ابلیس نے اسے کہا: تجھ پر افسوس! کیا تو مجھے نہیں پہچانتا؟ فرعون نے کہا: نہیں۔ شیطان نے کہا: تو کیسے مجھے نہیں پہچانتا جبکہ تو نے مجھے تخلیق کیا ہے؟ کیا تو نے یہ نہیں کہا تھا: میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ ثعلبی نے یہ واقعہ کتاب العرائس میں ذکر کیا۔

عطا نے کہا: فرعون نے ان کے لیے چھوٹے بت بنائے اور ان کی عبادت کا حکم دیا اور کہا: میں تمہارے بتوں کا رب ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے قائدوں اور سرداروں کا ارادہ کیا ہے وہ ان کا مالک تھا اور وہ اپنے ماتحت لوگوں کے مالک تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، تقدیر کلام اس طرح ہے فنادی فحشر کیونکہ بلانا جمع کرنے سے پہلے ہوا۔

فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى ۞ اس کا پہلا قول مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرِيْ (القصص:38) میں اپنے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پاتا۔ اس کا دوسرا قول ہے: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۞ (النازعات) میں تمہارا بڑا رب ہوں؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور عکرمہ کا نقطہ نظر ہے ان دونوں کے درمیان چالیس سال کا عرصہ تھا؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے معنی یہ بنا پہلی بات پر مہلت دی اور دوسری پر اسے پکڑ لیا اور دونوں پر عذاب دیا۔ مجاہد نے کہا: یہ اس کی پہلی عمر اور آخری عمر کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا دوسرا قول اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ہے اور پہلا قول اس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھٹلانا ہے؛ یہ قتادہ سے بھی مروی ہے۔

نَكَالَ زجاج کے قول کے مطابق مفعول مطلق ہے تاکید کے لیے ہے۔ کیونکہ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ کا معنی ہے نکل اللہ بہ۔ یہاں نکال کا لفظ ذکر کیا کیونکہ یہ مذکورہ فعل کے مصدر کا معنی دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے اسے نصب دی اصل کلام یوں تھی فاخذہ اللہ بنکال الآخرۃ۔ جب حرف جار کو حذف کر دیا گیا تو اسے نصب دی گئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کو عبرتناک انداز میں پکڑا اور نکال اس کا نام ہے جس کو دوسروں کے لیے عبرت بنایا گیا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: نکل فلان بفلان۔ جب اسے سزا دے کر عمل سے روک دیا۔ کلمہ میں امتناع کا معنی پایا جاتا ہے اس سے قسم سے انکار کرنا ہے اور بیڑی کو نکل کہتے ہیں۔ سورۂ مزمل میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۲۶﴾ جو آدمی ڈرتا ہے اس کے لیے اس میں عبرت ہے۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۭ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا وَاَخْرَجَ ضُحٰىهَا ﴿۲۹﴾ وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا ﴿۳۰﴾ اَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰىهَا ﴿۳۱﴾ وَالْجِبَالَ اَرْسٰىهَا ﴿۳۲﴾ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾

''کیا تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کا، اس نے اسے بنایا۔ اس کی چھت کو خوب اونچا کیا پھر اس کو درست کیا اور تاریک کیا اس کی رات کو اور ظاہر کیا اس کے دن کو اور زمین کو بعد ازاں بچھا دیا۔ نکالا اس نے اس کا پانی اور اس کا سبزہ اور پہاڑ (اس میں) گاڑ دیئے سامان زینت ہے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے''۔

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ اس سے مراد اہل مکہ ہیں کیا تمہارے اندازے کے مطابق تمہاری موت کے بعد تمہیں پیدا کرنا مشکل ہے یا آسمان کو پیدا کرنا مشکل ہے پس جو آسمان پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ اٹھانے پر بھی قادر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ (غافر: 57) آسمانوں اور زمین کی تخلیق لوگوں کی تخلیق سے بڑھ کر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَوَلَيْسَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ (یاسین: 81) کیا وہ ذات پاک جو آسمانوں اور زمین کی تخلیق فرمانے والی ہے وہ اس بات پر قادر نہیں کہ وہ ان کی مثل کو پیدا کرے۔ اس کلام کا مقصود تقریع و توبیخ ہے پھر آسمان کی صفت بیان کی۔

بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا آسمان کو تم پر اس طرح بلند کیا جس طرح کوئی عمارت بنائی جاتی ہے اس کی چھت کو فضا میں بلند کر دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سمکت الشیٔ یعنی میں نے اسے ہوا میں بلند کیا اور سمك الشیٔ سموکا وہ چیز بلند ہو گئی۔ فراء نے کہا: ہر وہ شی جو کسی دوسری چیز کو اگائے وہ عمارت ہو یا کوئی اور چیز تو دوسری چیز کو سمك کہتے ہیں اس طرح یوں کہا جاتا ہے: بناء مسموك اونچی عمارت۔ سنام سامك تامك اونچی کوہان۔ مسموکات یعنی آسمان۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اسمك فی الریم سیڑھی اوپر چڑھ۔

فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾ اس کی بناوٹ کو برابر کیا اس میں کوئی کجی، کوئی پھٹن اور سوراخ نہیں۔

وَ اَغْطَشَ لَيْلَهَا اس کی رات کو تاریک کر دیا جس طرح کہتے ہیں: غطش اللیل رات تاریک ہو گئی أغطشه الله۔ اللہ تعالیٰ نے اسے تاریک کر دیا، جس طرح تو کہتا ہے: ظلم اللیل و أظلمه الله یوں بھی جملہ بولا جاتا ہے: أغطش اللیل اور أغطشه الله، جس طرح یوں کہا جاتا ہے: أظلم اللیل اور أظلمه الله۔ غَطَش اور غَبَش کا معنی تاریکی ہے۔ رجل أغطش۔ اندھا آدمی یا اندھے جیسا، اسی طرح قد غطش بھی کہتے ہیں وہ اندھا ہے۔ المرأة غطشاء عورت اندھی ہے، اسی طرح یہ کہا جاتا ہے: لیلة غطشاء ولیل اغطش۔ تاریک رات۔ فلاة غطشی لا یهتدی لها۔ ایسا بیابان جس کا کوئی راستہ نہ ہو۔ اعشی نے کہا:

دعا مرهم مدلهمّ غطش

ان کی تاریک رات ان کو ڈھانپے ہوئے ہے۔ رات کی نسبت آسمان کی طرف کی کیونکہ رات سورج کے غروب ہونے کے ساتھ ہوتی ہے اور سورج کو آسمان کی طرف مضاف کیا جاتا ہے یوں کہا جاتا ہے: نجوم اللیل کیونکہ ان کا ظہور رات کے وقت ہوتا ہے۔

وَ اَخْرَجَ ضُحٰىهَا۞ اس کے دن کو روشن اور سورج کو ظاہر کیا ضُحٰىهَا کی نسبت آسمان کی طرف کی جس طرح رات کی نسبت اس کی طرف کی کیونکہ اس میں تاریکی اور روشنی کا سبب ہے، یہ سورج کا غروب وطلوع ہے۔

وَ الْاَرْضَ بَعْدَ ذٰلِكَ دَحٰىهَا۞ یعنی اسے پھیلا دیا۔ یہ آیت اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے زمین کی تخلیق آسمان کی تخلیق کے بعد ہوئی اس کے بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں ھو الذی خلق لکم ما فی الارض جمیعا ثم استوی الی السماء کے تحت گزر چکی ہے عرب کہتے ہیں: دحوت الشئ أدحوه دحوًا۔ جب تو اسے پھیلائے، شتر مرغ کے گھونسلے کو ادحی کہتے ہیں کیونکہ وہ زمین پر پھیلایا گیا ہوتا ہے؛ امیہ بن ابی صلت نے کہا:

وبثَّ الخلقَ فيها إذ دحاها فهُمْ قُطَّانُها حتى التنادِي

جب زمین کو پھیلا دیا تو اس میں مخلوق کو پھیلا دیا پس یہ روز قیامت تک اس کے مکین ہیں۔

مبرد نے یہ شعر پڑھا ہے:

دحاها فلما رآها استوت على الماءِ أرسى عليها الجِبالَ

زمین کو پھیلایا جب اسے دیکھا کہ وہ پانی پر قرار پکڑ گئی ہے تو اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: دَحٰىهَا کا معنی ہے برابر کرنا۔ زید بن عمرو کا قول ہے:

دحاها فلما استوت شدَّها بأيدٍ وأرسىَ عليها الجبال

اسے ہموار کیا جب وہ ہموار ہو گئی تو اسے ہاتھوں کے ساتھ مضبوط کیا اور اس پر پہاڑوں کو گاڑ دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے دنیا کو تخلیق کرنے سے ایک دو ہزار سال پہلے کعبہ بنایا اور چار ستونوں پر اسے پانی پر رکھا پھر بیت اللہ شریف کے نیچے سے زمین کو پھیلایا۔ بعض علماء نے یہ ذکر کیا ہے کہ بعد کا لفظ مع کے معنی میں ہے گویا فرمایا: اس کے ساتھ ہی زمین کو پھیلا دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ۞ (القلم) اس آیت میں بھی بعد، مع کے معنی میں ہے اس معنی میں عربوں کا قول ہے: أنت احمق وأنت بعد هذا سیئ الخلق تو احمق ہے ساتھ ہی ساتھ بد اخلاق ہے؛ شاعر نے کہا:

فقلت لها عَنِّي إليكِ فإنني حَرامٌ وإني بعد ذلك لَبيبُ

میں نے اسے کہا: تو مجھ سے دور ہو جا بے شک میں محروم ہوں اور اس کے ساتھ ساتھ میں دانشمند ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: بَعْدَ، قبل کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ (الانبیاء: 105) اس آیت میں بعد کا لفظ پہلے کے معنی میں ہے، ابو خراش ہذلی نے کہا:

حَمدتُ إلٰهي بعد عروة إذ نجا خِراشٌ و بعض الشر أهون مِن بعض

میں نے عروہ سے پہلے اپنے اللہ کی حمد کی کیونکہ خراش نجات پا چکا تھا بعض مصیبتیں دوسروں سے آسان ہوتی ہیں۔

لوگوں کا خیال ہے: خراش نے عروہ سے پہلے نجات پائی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ دَحٰهَا کا معنی ہے اس میں ہل چلایا اور اس کو پھاڑا؛ یہ ابن زید کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے خوراک کے لیے تیار کیا۔ معنی قریب قریب ہے۔ عام قراء کی قراءت نصب کے ساتھ ہے یعنی دحا الارض۔ حضرت حسن بصری اور عمرو بن میمون نے الأرض کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ ضمیر اس کی طرف لوٹتی ہے۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے دَحَا یَدْحُودَحْوًا، دَحَی یَدْحِی دَحْیًا جس طرح طَغَی یَطْغَی، یَطْغُو اور طَغَی یَطْغِی ہے اسی طرح مَحَا یَمْحُو، یَمْحَی اسی طرح لَحَی العودُ یَلْحَی ویَلْحُو جس نے مضارع کا صیغہ یدحو کہا وہ دحوتُ کہتا ہے اور جو یدحی کہتا ہے وہ دحیتُ کہتا ہے۔

أَخْرَجَ مِنْهَا مَآءَهَا وَ مَرْعٰهَا ﴿۳۱﴾ هاء ضمیر سے مراد زمین ہے مَآءَهَا سے مراد وہ چشمے ہیں جو پانی سے پھوٹتے ہیں مرعا سے مراد وہ نباتات ہیں جن کو چرا جاتا ہے۔ قتبی نے کہا: ان دو چیزوں کے ساتھ ان تمام چیزوں پر دلالت ہوگی جن کو زمین نکالتی ہے خواہ وہ انسانوں کی خوراک ہو یا چوپاؤں کا چارہ ہو جیسے گھاس، درخت، دانا، کھجور، بھوسہ، ایندھن، لباس، آگ اور نمک کیونکہ آگ لکڑیوں سے ہوتی ہے اور نمک پانی سے ہوتا ہے۔

وَالْجِبَالَ أَرْسٰهَا ﴿۳۲﴾ عام لوگوں کی قراءت والجبال ہے معنی ہوگا پہاڑوں کو گاڑھا اور انہیں زمین میں اس کی میخوں کے طور پر ثبت کیا۔ حضرت حسن بصری، عمرو بن میمون، عمرو بن عبید اور نصر بن عاصم نے والجبال پڑھا ہے کیونکہ یہ مبتدا ہے۔ یہ سوال کیا جائے گا: اخرج سے پہلے حرف عطف کیوں نہ داخل کیا گیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا: یہ قد کے مضمر ہونے کے ساتھ حال ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ (النساء:90) تنگ ہو چکے ہوں ان کے سینے۔ یہاں بھی قد مضمر ہے۔

مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ ﴿۳۳﴾ تمہاری منفعت کے لیے اور تمہارے اونٹوں، گائیوں اور بھیڑ بکریوں کی منفعت کے لیے۔ مَتَاعًا یہ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے اور یہ مفعول مطلق ہے جو مذکورہ فعل کے الفاظ پر نہیں کیونکہ اخرجہا کا معنی ہے اس سے تمہیں لطف اندوز کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حرف جار کے حذف کی وجہ سے منصوب ہے۔

فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ يَوْمَ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ مَا سَعٰى ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى ﴿۳۶﴾

"پھر جب آئے گی سب سے بڑی آفت، اس دن انسان یاد کرے گا جو دوڑ دھوپ اس نے کی تھی اور ظاہر کر دی جائے گی جہنم ہر دیکھنے والے کے لیے"۔

فَإِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ الْكُبْرٰى ﴿۳۴﴾ طامۃ کبریٰ سے مراد بڑی مصیبت ہے۔ اس سے مراد دوسرا نفحہ ہے جس کے ساتھ دوبارہ اٹھانا ہوگا؛ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے۔ حضرت حسن بصری کا قول بھی یہی ہے۔

حضرت ابن عباس اور ضحاک سے یہ بھی منقول ہے کہ اس سے مراد قیامت ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کہ وہ ہر چیز پر غالب آجائے گی یہ اپنی ہولناکی کی وجہ سے ہر دوسری مصیبت پر چھا جائے گی عربوں کی امثال میں سے ایک یہ بھی ہے:

جری الوادی فطمّ علی القریّ　وادی بہی یہاں تک کہ اپنی گزرگاہ سے باہر نکل آئی۔

مبرد نے کہا: عربوں کے ہاں طامہ اس مصیبت کو کہتے ہیں جس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی عربوں کی امثلہ میں سے میں نے چند اخذ کی ہیں وہ کہتے ہیں: طم الفرس طمیما یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ دوڑنے میں اپنی ساری کوشش صرف کر دے۔ طم الماء یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ پوری نہر کو بھر دے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: طم السیل الرکیۃ۔ سیلاب نے کنویں کو دفن کر دیا۔ طم کا معنی دفن کرنا اور غالب آنا ہے قاسم بن ولید ہمدان نے کہا: طامہ کبری سے مراد یہ ہے جب جنتیوں کو جنت اور جہنمیوں کو جہنم کی طرف نہ روکا جائے گا۔ مجاہد کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ سفیان نے کہا: اس سے مراد وہ ساعت ہے جس وقت جہنمیوں کو زبانیہ کے حوالے کیا جائے گا یعنی ایسی مصیبت جو غالب آجاتی ہے اور بڑی ہو جاتی ہے۔ شاعر نے کہا:

إنّ بعض الحبّ يُعْمِي ويصِمّ　　وكذلك البغضُ أدْهَى وأطَمّ

بعض محبتیں انسان کو اندھا بہرہ بنا دیتی ہیں اسی طرح بغض ہر چیز پر غالب آجاتا ہے۔

یَوْمَ یَتَذَکَّرُ الْاِنْسَانُ مَا سَعٰی ﴿۳۵﴾ وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ لِمَنْ یَّرٰی ﴿۳۶﴾ اس نے جو اچھا یا برا عمل کیا ہوگا اسے یاد کرے گا اور ہر دیکھنے والے کے لیے جہنم ظاہر کر دی جائے گی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس جہنم سے پردہ ہٹا دیا جائے گا اسے ہر آنکھ والا بھڑکتا ہوا دیکھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مراد کافر ہے کیونکہ وہ جہنم میں عذاب کی انواع کو دیکھے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مومن اسے دیکھے گا تاکہ وہ نعمت کی قدر کو پہچانے اور کافر آگ میں داخل ہو۔ فَاِذَا جَآءَتِ الطَّآمَّةُ کا جواب محذوف ہے یعنی جب بڑی مصیبت آجائے گی تو جہنمی جہنم میں اور جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ مالک بن دینار نے وَ بُرِّزَتِ الْجَحِیْمُ پڑھا ہے عکرمہ اور دوسرے قراء نے ولمن تری پڑھا ہے یعنی جہنم جسے دیکھے گی یا اے محمد! جسے تو دیکھے گا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور مراد لوگ ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ فَاِنَّ الْجَحِیْمَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۳۹﴾ وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَی النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰی ﴿۴۰﴾ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰی ﴿۴۱﴾

''پس جس نے سرکشی کی ہوگی اور ترجیح دی ہوگی دنیوی زندگی کو تو دوزخ میں اس کا ٹھکانہ ہوگا۔ جو ڈرتا ہوگا اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے اور اپنے نفس کو روکتا رہا ہوگا ہر بری خواہش سے، جنت اس کا ٹھکانہ ہوگا''۔

فَاَمَّا مَنْ طَغٰی ﴿۳۷﴾ وَ اٰثَرَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۳۸﴾ طغیان سے مراد ہے نافرمانی میں حد سے تجاوز کرنا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت نضر اور اس کے بیٹے حارث کے حق میں نازل ہوئی یہ ہر اس کافر کو عام ہے جس نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی۔ یحییٰ بن کثیر سے مروی ہے: جس نے ایک کھانے میں تین قسم کے کھانے تیار کیے تو اس نے سرکشی کی۔ جو یبر نے ضحاک سے

روایت نقل کی ہے کہ حضرت حذیفہ نے کہا: اس امت کے بارے میں جس چیز سے میں زیادہ خوف محسوس کرتا ہوں کہ وہ دیکھی ہوئی چیز کو جانی گئی، چیز پر ترجیح دیں گے۔ یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ کتابوں میں یہ چیز پائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: میرا کوئی بندہ اپنی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دیتا مگر اس پر اس کے غم اور چیزوں کا ضیاع عام کر دیا جاتا ہے پھر مجھے کوئی پرواہ نہیں کہ وہ کس میں ہلاک ہوا۔

فَاِنَّ الْجَحِيْمَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞ الماوی میں الف لام مضاف الیہ ھاء کے عوض میں ہے۔

وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وہ اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ ربیع نے کہا: مراد ہے قیامت کے روز اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا۔ قتادہ کہا کرتے تھے: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایک ایسا مقام ہے مومن جس سے ڈرتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ دنیا میں ذنب کے مواقع پر اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور گناہوں کا قلع قمع کرتا ہے، اس کی مثل وَ لِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ۞ (الرحمن) جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔

وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۞ جس نے معاصی اور محارم سے اپنے نفس کو روکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”خواہش نفس کو ترک کرنا جنت کی چابی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَ نَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۞“

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم ایسے زمانہ میں ہو جس میں حق خواہش نفس کی قیادت کرتا ہے اور عنقریب ایسا زمانہ آئے گا جس میں خواہش نفس حق کی قیادت کرے گی، ہم ایسے زمانہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہتے ہیں۔

فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى ۞ ماوی سے مراد منزل ہے۔ یہ دونوں آیتیں حضرت مصعب بن عمیر اور ان کے بھائی کے حق میں نازل ہوئیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: جس نے سرکشی کی اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر کا بھائی ہے جو غزوۂ بدر کے موقع پر گرفتار ہوا انصار نے اسے پکڑ لیا۔ انصار نے اس سے پوچھا: تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا: میں مصعب بن عمیر کا بھائی ہوں صحابہ نے اس کی مشکیں نہ باندھیں اس کی عزت کی اور اپنے ہاں رات ٹھہرایا جب صبح ہوئی تو صحابہ نے حضرت مصعب بن عمیر سے اس کا ذکر کیا تو حضرت مصعب نے کہا: وہ میرا بھائی نہیں اپنے قیدی سے سختی کرو کیونکہ وادی میں اس کی والدہ کے پاس سب سے زیادہ زیور اور مال ہے۔ صحابہ نے اس کی مشکیں کس دیں یہاں تک کہ اس کی ماں نے اس کا فدیہ بھیج دیا۔ جہاں تک ڈرنے والے کا تعلق ہے تو اس سے مراد حضرت مصعب بن عمیر ہیں جنہوں نے غزوۂ احد کے موقع پر اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کیا جب لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دور چلے گئے تھے یہاں تک کہ تیر آپ کے پیٹ سے آر پار ہو گئے تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خون میں لت پت دیکھا فرمایا: اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تیرے لیے اجر کی آرزو رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ”میں نے حضرت مصعب کو دیکھا جبکہ ان پر دو چادریں تھیں جن کی قیمت کا کوئی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا ان کے جوتوں کے تسمے سونے کے ہیں“۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت مصعب نے غزوۂ بدر کے موقع پر اپنے بھائی کو قتل کیا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت دو آدمیوں ابوجہل بن ہشام مخزومی اور حضرت مصعب بن عمیر

عبدی کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کا ایک غلام تھا جو کھانا لاتا تھا آپ اس سے پوچھتے تھے: تو اسے کہاں سے لایا ہے؟ ایک روز وہ کھانا لایا حضرت ابوبکر صدیق نے اس سے نہ پوچھا اور کھانا کھالیا۔ غلام نے آپ سے پوچھا: آج آپ نے مجھ سے کیوں نہیں پوچھا؟ فرمایا: میں بھول گیا تھا تو یہ کھانا کہاں سے لایا تھا؟ غلام نے بتایا: دور جاہلیت میں میں نے کچھ لوگوں سے کہانت کی تھی انہوں نے یہ کھانا مجھے دیا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اس وقت قے کر دی۔ ساتھ ہی یہ عرض کی: اے میرے رب! رگوں میں جو کچھ باقی ہے تو نے اسے روک لیا ہے (1)۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی وَ اَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ۔

کلبی نے کہا: یہ آیت اس آدمی کے حق میں نازل ہوئی جس نے گناہ کا ارادہ کیا خلوت میں اس پر قادر ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے اسے ترک کر دیا، اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جو نافرمانی کے وقت اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا (2)۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۟ فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۟ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۟ اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ يَّخْشٰىهَا ۟ كَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهَا لَمْ يَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِيَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۟

"یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں کہ وہ کب قائم ہوگی اس کے بیان کرنے سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کے رب تک اس کی انتہا ہے آپ ضرور خبردار کرنے والے ہیں ہر اس شخص کو جو اس سے ڈرتا ہے۔ گویا وہ جس روز اس کو دیکھیں گے (انہیں یوں محسوس ہوگا) کہ وہ (دنیا میں) نہیں ٹھہرے تھے مگر ایک شام یا ایک صبح"۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ۟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مکہ مکرمہ کے مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مذاق کے انداز میں سوال کیا: قیامت کب برپا ہوگی؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ حضرت عروہ بن زبیر نے اس آیت کی تفسیر میں روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لگاتار قیامت کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی فِيْمَ اَنْتَ مِنْ ذِكْرٰىهَا ۟ اِلٰى رَبِّكَ مُنْتَهٰىهَا ۟۔

مُرْسٰىهَا کا معنی اس کا قائم ہونا ہے۔ فراء نے کہا: رسوھا کا معنی اس کا قیام ہے جس طرح کشتی ٹھہرتی ہے۔ ابو عبید نے کہا: اس کا معنی اس کی انتہا ہے کیونکہ مرسی السفینة اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں کشتی لنگر انداز ہوتی ہے؛ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ربیع بن انس نے کہا: اس کا کون سا زمانہ ہے؟ معنی قریب قریب ہے۔ سورۃ الاعراف میں اس کا بیان گزر چکا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "قیامت برپا نہیں ہوگی مگر ایک غصہ کے

1۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 1، صفحہ 31　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 453

ساتھ جو تیرا رب فرمائے گا''۔ اے محمد! (ﷺ) تجھے کیا پڑی کہ آپ ﷺ قیامت کا ذکر کریں یا اس کے بارے میں سوال کریں۔ یعنی آپ ﷺ کو اس کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے۔ یہی وہ معنی ہے جو زہری نے حضرت عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ لگاتار قیامت کے بارے میں سوال کرتے رہے یہاں تک کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی تیرے رب کے پاس اس کی انتہا ہے گویا جب مشرکین نے آپ ﷺ سے اس بارے میں بہت زیادہ سوال کیے تو رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اس بارے میں سوال کیا تا کہ اسے پہچان لیں، تو آپ ﷺ سے یہ فرمایا گیا کہ آپ ﷺ سوال نہ کریں آپ ﷺ کا اس معاملہ میں کوئی دخل نہیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مشرکوں کے بارے میں ناپسندیدگی کا اظہار ہو جو انہوں نے آپ ﷺ سے سوال کیا تھا، یعنی آپ کو اس سے کیا غرض یہاں تک کہ وہ اس کی وضاحت آپ سے پوچھیں آپ ﷺ ان لوگوں میں سے نہیں ہیں جو اس کا علم رکھتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ذکریٰ، ذکرہ کے معنی میں ہے اِلٰی رَبِّكَ مُنْتَهٰهَا ۝ یعنی اس کے علم کی انتہا تیرے رب کے پاس ہے قیامت کے وقوع کا علم کسی اور کے پاس نہیں یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ (الاعراف: 187) فرما دیجئے: اس کا علم میرے رب کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (لقمان: 34) بے شک اللہ تعالیٰ کے پاس ہی قیامت کا علم ہے۔

اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُنْذِرُ مَنْ یَّخْشٰىهَا ۝ مُنْذِرُ کا معنی ڈرانے والا ہے۔ ڈرانے کو ڈرنے والے کے ساتھ خاص کیا کیونکہ وہی اس سے نفع حاصل کرتا ہے اگرچہ سرور دو عالم ﷺ ہر کسی کو خبردار کرنے والے ہیں، یہ آیت بھی اسی طرح ہے جس طرح یہ ارشاد ہے: اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَ خَشِیَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَیْبِ (یاسین: 11) آپ ﷺ اسے خبر کرنے والے ہیں جو ذکر کی اتباع کرے اور بن دیکھے رحمن سے ڈرے۔ عام قراء کی قراءت منذرُ تنوین کے بغیر اضافت کے ساتھ ہے مقصود تخفیف ہے ورنہ اصل میں تو اس کے آخر میں تنوین ہے، کیونکہ یہ مستقبل کے معنی میں ہے کیونکہ جب یہ ماضی کا معنی دے تو اس پر تنوین نہیں آتی۔ فراء نے کہا: تنوین اور اس کا ترک دونوں طرح جائز ہے جس طرح اس میں دونوں قراءتیں جائز ہیں بالغٌ أمرہ، بالغُ أمرہ، موهنٌ کید الکافرین، موهنُ کید الکافرین تنوین ہی اصل ہے۔ ابو جعفر، شیبہ، اعرج، ابن محیصن، حمید اور عیاش نے ابو عمرو سے تنوین کے ساتھ پڑھا ہے معنی یہ ہو گا تیرے خبردار کرنے سے وہ نفع حاصل کرے گا جو قیامت سے ڈرتا ہے۔ ابو علی نے کہا: یہ بھی جائز ہے کہ اضافت ماضی کے لیے ہو جس طرح ضارب زید أمس کیونکہ وہ خبردار کر چکا تھا۔ یہ آیت ان افراد کا رد کر رہی ہے جنہوں نے یہ کہا: احوال آخرت غیر محسوس ہیں، یہ صرف روح کی راحت اور اس کا دکھ ہے کسی قسم کا احساس نہیں ہو گا۔

كَاَنَّهُمْ یَوْمَ یَرَوْنَهَا لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا ۝ گویا کفار جس وقت وہ قیامت کو دیکھیں گے وہ کہیں گے: وہ دنیا میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات بھر یا دن بھر وہ دن جو اس رات کے ساتھ ملا ہوا ہے مراد قلیل مدت کا اظہار ہے، جس طرح یہ فرمایا: لَمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنْ نَّهَارٍ (الاحقاف: 35) وہ نہیں ٹھہرے مگر دن کی ایک گھڑی۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: گویا جب وہ اسے دیکھیں گے تو وہ کہیں گے: وہ اس میں نہیں ٹھہرے مگر ایک دن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ قبروں میں نہیں ٹھہرے مگر ایک رات یا اس کا دن۔ گویا جب وہ اس کی ہولناکی کو دیکھیں گے تو وہ قبروں میں ٹھہرنے کی مدت کو قلیل جانیں گے۔ فراء نے کہا: کہنے والا کہے گا کیا اس رات کی چاشت بھی ہے؟ ضحادن کے ابتدائی حصہ کو کہتے ہیں لیکن ضحا کو عشیہ کی طرف مضاف کیا اس سے مراد وہ دن ہوتا ہے جس میں وہ آدمی ہوتا ہے۔ عربوں کی عادت یہی ہوتی ہے وہ یوں کہتے ہیں: آتیك الغداۃ أو عشیتها، آتیك العشیة أو غداتها اس میں عَشِیَّۃً کالفظ دن کا آخری حصہ ہوتا ہے اور غداۃ دن کا پہلا پہر ہوتا ہے۔

بنی عقیل کے ایک آدمی نے مجھے یہ سنایا: عشیة الهلال أو سرارها (1) چاند کی شام یا شام کے آخری حصہ میں۔ اس نے یہاں عشیة الهلال اور سرار العشیة مراد لیا ہے یہ آتیك الغداۃ أو عشیها سے زیادہ شدید ہے۔

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 101

سورۂ عبس

آیاتہا ۴۲ ۸۰ سورۃ عبس مکیۃ ۲۴ رکوعہا ۱

تمام کے نزدیک مکی سورت ہے۔ اس کی بیالیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو انتہائی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ؕ﴿۲﴾ وَ مَا یُدۡرِیۡکَ لَعَلَّہٗ یَزَّکّٰۤی ۙ﴿۳﴾ اَوۡ یَذَّکَّرُ فَتَنۡفَعَہُ الذِّکۡرٰی ؕ﴿۴﴾

"چیں بجبیں ہوئے اور منہ پھیر لیا (اس وجہ سے کہ) ان کے پاس ایک نابینا آیا۔ اور آپ کیا جانیں شاید وہ پاکیزہ تر ہو جاتا یا وہ غور و فکر کرتا تو نفع پہنچاتی اسے یہ نصیحت"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

ان آیات کا شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ۙ﴿۱﴾ اَنۡ جَآءَہُ الۡاَعۡمٰی ﴿۲﴾ اس نے چہرے پر تیوری چڑھائی یہ جملہ بولا جاتا ہے: عَبَسَ وبَسَرَ اس پر گفتگو پہلے ہو چکی ہے، اس نے چہرے کو دوسری طرف کر لیا اَنۡ جَآءَ یہ محل نصب میں ہے کیونکہ یہ مفعول لہ ہے معنی یہ ہوگا اس لیے کہ اس کے پاس اندھا آیا یعنی جو اپنی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا۔ علماء تفسیر نے یہ روایت نقل کی ہے کہ قریش کے سردار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے مسلمان ہونے کی خواہش رکھتے تھے حضرت عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قطع کلامی کو ناپسند کیا اور ان سے رخ انور پھیر لیا، تو یہ آیات حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئیں۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہشام بن عروہ نے حضرت عروہ سے روایت نقل کی کہ یہ آیات حضرت ابن ام مکتوم کے بارے میں نازل ہوئیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اپنے قریب جگہ دیجئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرک رؤسا موجود تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے اعراض کرنے لگے اور دوسرے افراد کی طرف توجہ فرمانے لگے اور فرماتے: "اے فلاں کیا میں جو کچھ کہتا ہوں اس میں تو کوئی حرج پاتا ہے؟" وہ کہتا بتوں کی قسم! جو آپ کہتے ہیں ان میں کوئی کمی نہیں پاتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤی ﴿۱﴾ کو نازل فرمایا (1)۔

ترمذی میں مسند روایت ہے کہ سعید بن یحییٰ بن سعید اموی اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہا: یہ روایت ہم نے

1۔ احکام القرآن لابن العربی

ہشام بن عروہ پر پیش کی وہ اسے اپنے باپ سے وہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ یہ آیات حضرت ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے وہ کہنے لگے: یا رسول اللہ! میری راہنمائی کیجئے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مشرکین کے سرداروں میں سے ایک آدمی موجود تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے اعراض کرنے لگے اور سردار کی طرف توجہ کرنے لگے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے: ''جو میں کہتا ہوں کیا تو اس میں کوئی حرج دیکھتا ہے؟'' وہ کہتا: نہیں، اس بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے (1)۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں قریش کے کون سے سردار موجود تھے؟

مسئلہ نمبر 2۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی جانب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے عتاب ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد اللہ بن ام مکتوم سے اعراض کیا اسے عمرو بن ام مکتوم کہتے ام مکتوم کا نام عاتکہ بنت عامر بن مخذوم تھا یہ عمرو ابن قیس بن زائدہ بن اصم ہے یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد بھائی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشرکوں میں سے ایک عظیم آدمی کے ساتھ مصروف گفتگو تھے جسے ولید بن مغیرہ کہا جاتا۔ ہمارے علماء مالکیہ میں سے ابن عربی نے کہا یہ قول کیا گیا ہے جس کی کنیت ابو عبد شمس تھی۔ قتادہ نے کہا: وہ امیہ بن خلف تھا۔ انہیں سے یہ قول مروی ہے: وہ ابی بن خلف تھا۔ مجاہد نے کہا: وہ تین افراد تھے عتبہ، شیبہ جو دونوں ربیع کے بیٹے تھے اور ابی بن خلف۔ عطا نے کہا: وہ عتبہ بن ربیعہ تھا۔ حضرت سفیان ثوری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا عباس کے ساتھ مصروف گفتگو تھے۔ زمخشری نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس قریش کے سردار تھے، عتبہ، شیبہ جو ربیعہ کے بیٹے تھے، ابوجہل بن ہشام، عباس بن عبد المطلب، امیہ بن خلف اور ولید بن مغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ امید رکھتے تھے کہ ان کے اسلام لانے سے دوسرے لوگ بھی اسلام قبول کرلیں گے۔ جہاں تک ہمارے علماء کا تعلق ہے ان کا کہنا ہے: وہ ولید بن مغیرہ ہے۔ دوسروں نے کہا: وہ امیہ بن خلف اور عباس تھے یہ سب باطل ہے اور مفسرین کی ایک جانب سے جہالت ہے جنہوں نے دینی معاملات میں کوئی تحقیق نہیں کی۔ اس کی وجہ یہ ہے امیہ بن خلف اور ولید دونوں مکہ مکرمہ میں تھے اور ابن ام مکتوم مدینہ طیبہ میں تھے وہ ان دونوں کے ساتھ اکٹھے نہ ہوئے اور نہ وہ دونوں ان کے ساتھ اکٹھے ہوئے وہ دونوں کافر مرے ان میں سے ایک ہجرت سے پہلے اور دوسرا ہجرت کے بعد غزوۂ بدر کے بعد۔ ان میں سے کسی نے بھی مدینہ کا قصد نہ کیا وہ نہ اکیلا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور نہ ہی کسی اور کے ساتھ (2)۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رخ انور پھیرنے کا سبب

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابن مکتوم حاضر ہوئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس موجود قریش کے سرداروں سے محو کلام تھے انہیں اسلام کی دعوت دے رہے تھے ان کے اسلام لانے کی قوی امید تھی اس کے اسلام لانے سے ان کی قوم کے بے شمار

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ عبس، حدیث نمبر 3254، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ حضرت مفسر کی یہ رائے توجہ طلب ہے جب یہ واضح کیا کہ سورت مکی ہے اور حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے ماموں زاد ہیں تو یہ ملاقات مکہ مکرمہ میں ہوتی تھی نہ کہ مدینہ طیبہ میں۔

لوگوں کے اسلام لانے کا امکان تھا۔ حضرت ابن مکتوم آئے جبکہ وہ نابینا تھے عرض کی: اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو تعلیم دی ہے اس کی مجھے تعلیم دیں۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا کرنے لگے اور ندا میں کثرت کرنے لگے۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کے ساتھ مصروف کلام ہیں یہاں تک کہ قطع کلامی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دل میں سوچا یہ لوگ کہیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروکار نابینے، کم مرتبہ اور غلام ہیں۔ آپ نے تیوری چڑھائی اور رخ انور پھیر لیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ثوری نے کہا: اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی حضرت ابن ام مکتوم کو دیکھتے اس کے لیے چادر بچھاتے اور کہتے: ''اے خوش آمدید! جن کے متعلق میرے رب نے مجھے عتاب کیا'' آپ فرماتے: ''کیا کوئی کام ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دو دفعہ دو غزوات کے موقع پر مدینہ طیبہ میں اپنا نائب بنایا۔ حضرت انس نے کہا: میں نے انہیں قادسیہ کے دن سواری پر سوار دیکھا جبکہ انہوں نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور ان کے پاس سیاہ جھنڈا تھا۔

حضرت عبد اللہ کا فعل درست نہ ہونے کے باوجود عتاب کیوں؟

مسئلہ نمبر 4۔ ہمارے علماء نے کہا: حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم نے جو کچھ کیا یہ سوء ادبی تھی اگر وہ جانتے ہوتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور کے ساتھ گفتگو میں شریک ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اسلام لانے کی امید کرتے ہیں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عتاب کیا تاکہ اہل مدینہ کے دل نہ ٹوٹ جائیں یا یہ معلوم ہو جائے کہ مومن فقیر غنی سے بہتر ہے اور مومن کی طرف توجہ کرنا اگرچہ وہ فقیر ہو یہ زیادہ مناسب اور بہتر ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں اگرچہ ایسے آدمی کی طرف توجہ کرنا بھی مصلحت کا تقاضا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَبِیٍّ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى (الانفال: 67) نبی کے لیے یہ زیبا نہیں کہ اس کے قیدی ہوں۔ جیسے یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آدمی کی تالیف کا قصد کیا کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبد اللہ بن ام مکتوم کے دل میں جو ایمان تھا اس پر اعتماد تھا۔ جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد میں ہے: ''ایک آدمی سے صلہ رحمی کرتا ہوں جبکہ دوسرا آدمی مجھے زیادہ محبوب ہوتا ہے اس خوف سے کہ اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں منہ کے بل نہ پھینک دے'' (1)۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ کے کس فعل کو ناپسند کرتے ہوئے رخ انور پھیرا

مسئلہ نمبر 5۔ ابن زید نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن مکتوم کے ساتھ اس لیے سخت رویہ اپنایا اور ان سے اعراض کیا کیونکہ جو آدمی انہیں لا رہا تھا اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا تھا کہ وہ حضرت ابن مکتوم کو آگے آنے سے روکے۔ حضرت ابن مکتوم نے اسے دھکا دیا اور بات ماننے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرے یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے تعلیم دیں اس میں ان کی طرف سے کچھ جفا کا پہلو تھا اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی اور غائب کا صیغہ ذکر کیا مقصود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار تھا یہ نہیں فرمایا: عبست وتولیت پھر انس پیدا کرنے کے لیے خطاب کا صیغہ ذکر کیا اور فرمایا: وَمَا یُدْرِیْكَ۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی

وَ مَا يُدْرِيْكَ لَعَلَّهٗ يَزَّكّٰۤى ۝ کس چیز نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کیا ممکن ہے ابن مکتوم اس چیز کے ذریعے جس کی انہوں نے تم سے استدعا کی کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن ودین کی تعلیم سیکھیں وہ اپنے دین میں طبیعت کی زیادتی اور اپنے آپ سے جہالت کی تاریکی کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لَعَلَّهٗ کی ضمیر کافر کے لیے ہو یعنی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طمع کیا کہ وہ اسلام قبول کر کے پاکیزہ ہو جائے یا وہ نصیحت حاصل کرے اور یہ نصیحت اسے قبول حق تک لے جائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے آگاہ کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو طمع کی ہے وہ ہو کر رہنے والی ہے۔ حمزہ نے اسے اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ۝ پر محمول کیا ہے یہ فعل محذوف کے متعلق ہے جس پر عَبَسَ وَ تَوَلّٰۤى ۝ دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی اان جاءہ أعرض عنہ وتولی جب ہمزہ استفہام کی صورت میں قراءت کی جائے گی تو اس وقت تَوَلّٰۤى پر وقف ہوگا اور جب استفہام کے بغیر قراءت کی جائے تو اس پر وقف نہیں کیا جائے گا۔ یہ عام قراء کی قراءت ہے۔

دیگر مقامات عتاب

مسئلہ نمبر 6۔ عتاب میں اس آیت کی مثل سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ (الانعام: 52) جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں ان کو دور نہ کرو۔ اسی طرح سورۂ کہف میں ہے وَ لَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (کہف: 28) اور اس قسم کی جو دوسری آیات ہیں۔ واللہ اعلم۔

اَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰى ۝ یا جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تو وہ اس سے نصیحت حاصل کرتا اور نصیحت اسے نفع دیتی۔ عام لوگوں کی قراءت فتنفعہ کے عین کے ضمہ کے ساتھ ہے اس کا عطف يَزَّكّٰى پر ہے۔ عاصم، ابن ابی اسحاق اور عیسیٰ نے اسے فتنفعہ عین کے نصب کے ساتھ پڑھا ہے؛ یہ سلمی اور زر بن حبیش کی قراءت ہے یہ لعل کا جواب ہے کیونکہ یہ (لعل) غیر موجب ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَّعَلِّيْۤ اَبْلُغُ الْاَسْبَابَ ۝ (غافر) پھر فرمایا: فَاَطَّلِعَ۔

اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ۝ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰى ۝ وَ مَا عَلَيْكَ اَلَّا يَزَّكّٰى ۝ وَ اَمَّا مَنْ جَآءَكَ يَسْعٰى ۝ وَ هُوَ يَخْشٰى ۝ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى ۝

"لیکن جو پرواہ نہیں کرتا آپ اس کی طرف تو توجہ کرتے ہیں۔ اور آپ پر کوئی ضرر نہیں اگر وہ نہ سدھرے۔ اور جو آپ کے پاس آیا ہے دوڑتا ہوا اور وہ ڈر بھی رہا تھا تو آپ اس سے بے رخی برتتے ہیں"۔

جو خوشحال وغنی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اس کی بات توجہ سے سنتے ہیں۔ تَصَدّٰى کا معنی توجہ سے بات سننا ہے؛ راعی نے کہا:

تصدّى لوضاح كأنّ جبينه ... سراج الدُّجى يَحْنِي إليه الأساوِرُ

وہ وضاح کے سامنے آیا گویا اس کی پیشانی تاریکیوں کا چراغ ہے بڑے بڑے سردار اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔

اس کی اصل تصدد ہے جو صدٌ سے مشتق ہے یہ وہ چیز ہوتی ہے جو تیرے سامنے آئے اور تیرے بالمقابل ہو جائے کہا جاتا ہے: داری صدد دارہ۔ میرا گھر اس کے گھر کے سامنے ہے، اسے ظرف کی بنا پر نصب دی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: یہ صدی سے مشتق ہے جس کا معنی پیاس ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس غنی کی طرف اس طرح متوجہ ہوتے ہیں جس طرح پیاسا پانی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مصاداۃ کا معنی بالمقابل ہونا ہے۔ عام قراء کی قراءت تصدی صاد کی تخفیف کے ساتھ ہے تخفیف کے لیے دوسری تاء کو حذف کر دیا گیا۔ نافع اور ابن محیصن نے ادغام کی صورت میں صاد کو مشدد پڑھا ہے۔

یہ کافر ہدایت نہ پاتے، ایمان نہ لاتے تب بھی آپ پر کوئی حرج نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف رسول ہیں آپ کے ذمہ صرف پیغام حق پہنچانا ہے۔

رہا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کے لیے علم کا طالب ہے وہ تیزی کرتے ہوئے آیا جب کہ وہ اللہ سے ڈرتا بھی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے رخ انور پھیر لیتے ہیں اور کسی اور کام میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ تَلَهّٰى اصل میں تتلهى تھا یوں جملہ بولا جاتا ہے: لهيتُ عن الشئِ ألهى میں نے اس سے اعراض کرنے کے لیے بناوٹی مشغول ہوا۔ تَلَهّٰى کا معنی تغافل ہے۔ لهيت عنه وتلتهيت عنه دونوں کا معنی ایک ہے۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾

”ایسا نہ چاہیے یہ تو نصیحت ہے سو جس کا جی چاہے اسے قبول کر لے۔ یہ ایسے صحیفوں میں (ثبت) ہے جو معزز ہیں جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں، ایسے کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھے ہیں جو بڑے بزرگ اور نیکوکار ہیں“۔

كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ﴿۱۱﴾ كَلَّآ یہ ردع اور زجر کا کلمہ ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریقوں کے ساتھ رویہ اپنایا ہے معاملہ ایسا نہیں یعنی اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا نہ کریں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کی طرف متوجہ ہوں اور مومن فقیر سے اعراض کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو رویہ ظاہر ہوا وہ ترک اولیٰ کے ضمن میں آتا ہے جس طرح پہلے یہ بحث گزر چکی ہے اگر اسے گناہ صغیرہ پر محمول کیا جائے تو یہ بھی بعید نہیں؛ یہ قشیری کا قول ہے۔ اس صورت میں كَلَّآ سے ابتداء کی جائے جو حقا کے معنی میں ہو۔ اِنَّهَا میں ضمیر سے مراد سورت اور قرآن کی آیات ہیں۔ تَذْكِرَةٌ سے مراد نصیحت ہے یعنی مخلوق کے لیے نصیحت۔

فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ جو چاہے قرآن سے نصیحت حاصل کرے۔ جرجانی نے کہا: اِنَّهَا میں ضمیر قرآن کے لیے ہے قرآن کا لفظ مذکر ہے مگر جب قرآن کو تذکرہ بنا دیا تو ضمیر تَذْكِرَةٌ کے اعتبار سے ذکر کی اگر ضمیر مذکر ذکر کی جاتی تو یہ بھی جائز تھا جس طرح ایک اور موقع پر فرمایا: كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ﴿۵۴﴾ (المدثر) خبردار وہ نصیحت ہے۔ جو چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد قرآن ہے وہ یہ ارشاد ہے فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ﴿۱۲﴾ یعنی وہ اس کو یاد کرنے والا ہوا سے بھولنے والا نہ ہو، یہاں ضمیر کو مذکر ذکر کیا کیونکہ تذکرہ ذکر اور وعظ کے معنی میں ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے بارے میں چاہتا ہے اس کی طرف الہام فرما دیتا ہے۔

فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ﴿۱۳﴾ صُحُفٍ صحیفہ کی جمع ہے وہ صحیفے اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے محترم ہیں؛ یہ سدی کا قول ہے۔ طبری نے

کہا: یہ دین میں مکرم ہیں کیونکہ ان میں علم اور حکمتیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مکرم اس لیے ہیں کیونکہ انہیں معزز فرشتے لاتے ہیں یا اس لیے کیونکہ یہ لوح محفوظ ہے نازل ہونے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس لیے معزز ہیں کیونکہ یہ کریم کی جانب سے نازل ہوئے کیونکہ کتاب کی شرافت کتاب والے کی بزرگی سے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد انبیاء کی کتب ہیں اس کی دلیل اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۙ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ﴿۱۹﴾ (الاعلیٰ) ہے۔

مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ﴿۱۴﴾ الله تعالیٰ کے ہاں ان کی شان بڑی بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ الله تعالیٰ کے ہاں بلند ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ساتویں آسمان میں بلند ہیں؛ یہ یحییٰ بن سلام کا نقطہ نظر ہے۔ طبری نے کہا: ان کا ذکر اور قدر بلند ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ شبہ اور تناقض سے بلند ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا: وہ ہر میل سے پاک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے محفوظ ہیں کہ کفار اس کو پائیں؛ یہی سدی کے قول کا معنی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ اس سے پاک ہیں کہ کفار پر نازل ہوں۔ ایک قول یہ ہے کہ قرآن فرشتوں کے لیے صحیفوں میں ثبت کر دیا گیا ہے وہ انہیں پڑھتے ہیں وہ صحیفے مکرم، بلند اور پاکیزہ ہیں۔

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ سَفَرَةٍ سے مراد وہ فرشتے ہیں جنہیں الله تعالیٰ نے اپنے اور رسولوں کے درمیان سفیر بنایا ہے وہ نیک ہیں وہ معصیت سے آلودہ نہیں۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: وہ صحیفہ پاکیزہ ہیں اسے بھی پاک بنا دیتے ہیں جو ان سفرہ کا حامل بنے۔ سفرہ کا معنی کاتب بھی ہے مجاہد نے بھی یہ کہا ہے: اس سے مراد وہ معزز فرشتے ہیں جو نامہ اعمال میں بندوں کے افعال لکھتے ہیں۔ اس کی واحد سافر ہے جس طرح کاتب کی جمع کتبہ ہے کہا جاتا ہے: سفرت یعنی میں نے لکھا کتاب کو سَفَر کہتے ہیں اس کی جمع اسفار آتی ہے۔ زجاج نے کہا: کتاب کو سفر کہتے ہیں اور کاتب کو سافر کہتے ہیں کیونکہ اس کا معنی ہے کہ وہ ایک چیز کو واضح کرتا ہے اور وضاحت کرتا ہے جملہ بولا جاتا ہے: اسفر الصبح جب صبح روشن ہو جائے۔ سفرت المرأة جب وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سفرت بین القوم أسفر سفارة یعنی میں نے ان کے درمیان مصالحت کرائی؛ یہی قول فراء نے کیا ہے اور یہ شعر پڑھا:

فما أدعُ السِّفارةَ بين قومي ولا أمشِي بغِشٍّ إن مَشَيتُ

میں اپنی قوم میں مصالحت کے فریضہ کو نہ چھوڑوں گا اگر میں اس کام کے لیے چلا تو دھوکہ سے نہ چلوں گا۔

السفیر سے مراد رسول اور قوم میں مصلح ہے اس کی جمع سفراء آتی ہے جس طرح فقیہ کی جمع فقہاء آتی ہے عبرانی زبان میں کاتبوں کو سفراء کہتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: یہاں سَفَرَةٍ سے مراد قراء ہیں کیونکہ وہ کتابیں پڑھتے ہیں ان سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی طرح بھی قول مروی ہے۔ وہب بن منبہ نے کہا کہ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ ابن عربی نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سَفَرَةٍ ۙ﴿۱۵﴾ كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ تھے لیکن اس آیت میں وہ مراد نہیں اور اس آیت سے جو مراد ہیں ان کے قریب بھی نہیں بلکہ جب یہ لفظ مطلق بولا جائے تو اس وقت صرف ملائکہ مراد ہوں گے ان کے علاوہ کوئی بھی ان کے ساتھ شریک نہیں جب اس آیت سے مراد ان کے علاوہ ہوں ان کے ساتھ یہ اس میں

شامل نہیں۔ صحیح میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی قرآن حکیم کی قراءت کرتا ہے جبکہ وہ حافظ ہو وہ سَفَرَةٍ ﴿۱۵﴾ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ کے ساتھ ہوگا۔ وہ آدمی جو اس کی قراءت کرتا ہے اور اس کے لیے تگ و دو کرتا ہے جبکہ یہ امر اس پر مشکل ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں''۔ متفق علیہ الفاظ بخاری کے ہیں۔

كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ اپنے رب پر کریم ہیں؛ یہ کلبی کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ معاصی سے بالا ہیں وہ اپنے آپ کو نافرمانیوں سے بلند رکھتے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے كِرَامٍ کی یہ وضاحت نقل کی ہے وہ فرشتے اس سے بالا ہیں کہ جب خاوند اپنی بیوی کے ساتھ حقوق زوجیت ادا کرے یا قضائے حاجت کے لیے پردہ کھولے تو وہ اس بندے کے ساتھ ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ دوسروں کے منافع کو اپنے اوپر ترجیح دیتے ہیں۔

بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ بار کی جمع ہے جس طرح كَفَرَة، کافر کی جمع ہے سَحَرَة، ساحر کی جمع ہے۔ فجرة، فاجر کی جمع ہے برّ اور بار جب وہ سچ کا اہل ہو۔ اس سے بر فلان فی یمینه فلاں اپنی قسم میں سچا ہے فلاں یبر خالقه ویتبرره فلاں اپنے خالق کی اطاعت کرتا ہے۔ بَرَرَةٍ کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنے والے ہیں، اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کے لیے سچے ہیں سورۂ واقعہ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنَّهٗ لَقُرْاٰنٌ كَرِيْمٌ ﴿۷۷﴾ فِيْ كِتٰبٍ مَّكْنُوْنٍ ﴿۷۸﴾ لَّا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ ﴿۷۹﴾ (واقعہ) وہ قرآن حکیم ہے محفوظ کتاب میں ہے اسے پاکیزہ لوگ ہی چھوتے ہیں۔ وہی اس سورت میں كِرَامٍ بَرَرَةٍ ﴿۱۶﴾ ہے۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ﴿۱۸﴾ مِنْ نُّطْفَةٍ ؕ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾

''غارت ہو (منکر) انسان وہ کتنا احسان فراموش ہے۔ کس چیز سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔ ایک بوند سے، اسے پیدا کیا پھر اس کی ہر چیز اندازہ سے بنائی پھر (زندگی کی) راہ اس پر آسان کر دی پھر اسے موت دی اور اسے قبر میں پہنچا دیا، پھر جب چاہے گا اسے دوبارہ زندہ کر دے گا۔ یقیناً وہ بجا نہ لایا جو اللہ نے اسے حکم دیا تھا''۔

قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَاۤ اَكْفَرَهٗ ﴿۱۷﴾ قُتِلَ لعن کے معنی میں ہے یعنی اس پر لعنت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے عذاب دیا جائے۔ انسان سے مراد کافر ہے۔ اعمش نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے: قرآن میں جہاں بھی قُتِلَ الْاِنْسَانُ کے الفاظ ہیں اس سے مراد کافر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ عتبہ بن ابی لہب کے حق میں نازل ہوئی، وہ ایمان لایا تھا جب سورۂ نجم نازل ہوئی تو وہ مرتد ہو گیا تھا اس نے کہا تھا: میں تمام قرآن پر ایمان لایا سوائے سورۃ النجم کے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں یہ آیات نازل کیں یعنی عتبہ پر لعنت ہو کیونکہ اس نے قرآن کا انکار کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے حق میں بددعا کی: اللّٰهم سَلِّطْ علیه کلبكَ أسد الغاضرة اے اللہ! اس پر غاضرہ کا شیر مسلط کر دے۔ وہ اس کے تھوڑے عرصہ بعد شام کی طرف تجارت کے لیے گیا جب وہ غاضرہ کے مقام پر پہنچا تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا یاد آ گئی جو لوگ اس کے ساتھ تھے ان سے اس نے کہا: اگر اس نے صبح زندہ انداز میں کی تو ان کے لیے ہزار دینار ہوں گے،

ان ساتھیوں نے اسے درمیان میں رکھا اور اپنا سامان اس کے اردگرد رکھ دیا وہ اس حالت میں تھے کہ ایک شیر آیا جب وہ سامان کے قریب پہنچا تو اس نے چھلانگ لگائی تو وہ عتبہ کے اوپر پہنچ گیا اور اسے پھاڑ دیا اس کے باپ نے اس پر آہ و زاری کی اور رویا اور کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بھی کی وہ پوری ہوئی۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مَآ اَكْفَرَهٗ کا معنی ہے کس چیز نے اس کو کفر پر برانگیختہ کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا: ماتعجبیہ ہے عربوں کی عادت ہے جب وہ کسی چیز سے متعجب ہوتے تو کہتے: قاتله الله ما أحسنه، أخزاه الله ما أظلمه۔ اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے وہ کتنا حسین ہے، اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے وہ کتنا ظالم ہے۔ معنی یہ ہوگا جو کچھ ہم نے ذکر کیا اس کے بعد بھی انسان کفر کرے تو اس پر تعجب کا اظہار کرو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں پر کتنی ناشکری کرنے والا ہے جبکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کتنا احسان کیا ہے۔ یہ بھی تعجب کے اظہار کے لیے ہے۔ ابن جریج نے کہا: وہ کتنا ہی شدید کافر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما استفہامیہ ہے یعنی وہ کون سی چیز ہے جو اسے کفر کی طرف دعوت دینے والی ہو۔ یہ استفہام توبیخ کے لیے ہے ماتعجب کا احتمال رکھتا ہے اور اسی کے معنی کا بھی احتمال رکھتا ہے پس یہ استفہامیہ ہوگا۔

مِنْ اَيِّ شَيْءٍ خَلَقَهٗ ۞ مِنْ نُّطْفَةٍ ۭ خَلَقَهٗ فَقَدَّرَهٗ ۞ اللہ تعالیٰ نے اس کافر کو کس چیز سے پیدا کیا ہے کہ وہ تکبر کا اظہار کرتا ہے؟ یعنی اس کی خلقت پر تعجب کا اظہار کرو۔ تھوڑے سے پانی سے جو حقیر ہے، جامد ہے تو وہ اپنے بارے میں کس وجہ سے مغالطہ کا شکار ہوتا ہے؟ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ آدمی جو بول کے راستہ دو دفعہ نکلا وہ کیسے تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی ماں کے پیٹ میں مقدر کیا۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ اس کے ہاتھوں، اس کے پاؤں، اس کی آنکھوں، تمام اعضاء، حسن، بدصورتی، لمبا، چھوٹا، بدبخت اور سعادت مند ہونے کو مقدر کیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَقَدَّرَهٗ کا معنی ہے اسے کامل بنایا جس طرح ارشاد فرمایا: اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۞ (کہف) کیا تو اس کا انکار کرتا ہے جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نطفہ سے پھر بنا سنوار کر تجھے مرد بنایا اور فرمایا: الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ (الانفطار: 7) جس نے تجھے پیدا کیا اور درست بنایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے اس کے کئی مراحل بنائے ایک حالت سے دوسری حالت، پہلے نطفہ پھر علقہ پھر اس کی خلقت کو مکمل کر لیا۔

ثُمَّ السَّبِيْلَ يَسَّرَهٗ ۞ عطا، قتادہ، سدی اور مقاتل نے کہا: ماں کے پیٹ سے نکلنے کو آسان کر دیا۔ مجاہد نے کہا: اس کے لیے خیر اور شر کے راستہ کو واضح کر دیا، اس کی دلیل اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ (الانسان: 3) ہم نے اس کی راستہ کی طرف راہنمائی کی۔ وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۞ (البلد) ہم نے اسے دونوں راستے دکھا دیئے: یہ حضرت حسن بصری، عطا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو ابو صالح نے حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: شقاوت اور سعادت کا راستہ۔ ابن زید نے کہا: اسلام کا راستہ۔ ابو بکر بن طاہر نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کے لیے اس چیز کو آسان کر دیا جس کے لیے اسے

پیدا کیا تھا اور اس پر اسے قدرت دے دی، اس پر دلیل رسول اللہ ﷺ کا قول ہے: اعملوا فکلّ میسر لما خُلِقَ له عمل کرتے جاؤ ہر ایک کے لیے اسی امر کو آسان کر دیا جائے گا جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا۔

ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ﴿۲۱﴾ یعنی اس کے لیے قبر بنائی تا کہ اس میں چھپایا جائے۔ یہ حکم اس کی تکریم کے لیے دیا اسے ان چیزوں میں سے نہیں بنایا جن کو زمین پر پھینک دیا جاتا ہے جسے پرندے اور درندے کھاتے ہیں؛ یہ فراء نے کہا: ابوعبیدہ نے کہا: اقبرہ کا معنی ہے اس کے لیے قبر بنائی اور حکم دیا کہ اسے قبر میں دفن کیا جائے۔ ابوعبیدہ نے کہا: جب عمر بن ہبیرہ نے صالح بن عبد الرحمن کو قتل کیا تو بنو تمیم نے کہا جبکہ وہ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے: اقبرنا صالحا تو جواب میں کہا: دونکموہ خود ہی یہ ذمہ داری ادا کرلو کہا: اقبرہ، قبرہ نہیں کہا کیونکہ قبرہ اسے کہتے ہیں جو اپنے ہاتھوں سے دفن کرے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قبرت المیت جب تو اسے دفن کرے، أقبرہ اللہ جب اسے اس طرح بنادے کہ اسے دفن کیا جائے اور اس کے لیے قبر بنائی جائے عرب کہتے ہیں: بترت ذنب البعیر میں نے اونٹ کی دنب کاٹی۔ أبترہ اللہ اللہ تعالیٰ نے اسے دم بریدہ کر دیا۔ عقبت قرن الثور میں نے بیل کا سینگ کاٹا۔ أعقبہ اللہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے سینگ کر دیا۔ طردت فلانا میں اسے دھتکارا۔ اللہ اطردہ اللہ تعالیٰ نے اسے دھتکارا ہوا بنا دیا۔

ثُمَّ اِذَا شَآءَ اَنْشَرَهٗ ﴿۲۲﴾ جب چاہے گا موت کے بعد زندہ کر دے، عام قراء کی قراءت أنشرہ ہے۔ ابوحیوہ نے نافع اور شعیب بن ابی حمزہ سے شاء نشرہ نقل کی ہے یہ دونوں فصیح لغتیں ہیں۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: انشرہ اللہ المیت ونشرہ۔ اللہ تعالیٰ نے مردہ کو زندہ کر دیا۔ اعشیٰ نے کہا:

حتّٰی یقولَ النّاسُ مما رأوا یا عَجَبًا لِلمیّتِ النّاشِرِ

لوگوں نے جو دیکھا اس کی وجہ سے وہ کہیں اس میت پر تعجب ہے جو اٹھنے والا ہے۔

كَلَّا لَمَّا يَقْضِ مَاۤ اَمَرَهٗ ﴿۲۳﴾ مجاہد اور قتادہ نے کہا: کسی نے بھی اس کا حق ادا نہ کیا جو اسے حکم دیا گیا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: اس کا معنی ہے اس نے اس وعدہ کو پورا نہیں کیا جو اس سے حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر اس سے لیا گیا تھا۔ پھر کہا گیا: كَلَّا یہ جھڑکنے کے لیے ہے یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح کافر کہتا ہے کیونکہ کافر کو جب دوبارہ اٹھنے کی خبر دی جائے گی تو وہ کہے گا: اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو میرے لیے اس کے ہاں اچھا ٹھکانہ ہوگا۔ بعض اوقات وہ کہے گا: مجھے جو حکم دیا گیا تھا میں نے اس کا حق ادا کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہرگز نہیں اس نے آج تک کوئی چیز پوری نہیں کی بلکہ وہ میرے ساتھ کفر کرنے والا تھا اور میرے رسول کا انکار کرنے والا تھا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ درست نہیں کہ اس نے حق ادا نہیں کیا، یعنی اسے جو حکم دیا گیا تھا اس پر عمل نہیں کیا۔ لما میں ما کلام کا سہارا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ (آل عمران: 159) عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ (مومنون) فَبِمَا اور عَمَّا میں ما کی یہی حیثیت ہے۔ امام ابن فورک نے کہا: معنی ہے یقینا اللہ تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا جو حکم دیا اس کا فیصلہ نہ کیا تھا بلکہ اس چیز کا حکم دیا جس کو مقدر نہ کیا تھا۔ ابن انباری نے کہا: كَلَّا پر وقف قبیح ہے امرہ اور نشرہ پر وقف عمدہ ہے

اس صورت میں کلّا، حق کے معنی میں ہوگا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ﴿۲۸﴾ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ﴿۳۰﴾ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَ لِاَنْعَامِكُمْ ﴿۳۲﴾

''پھر انسان غور سے دیکھے اپنی غذا کو، بے شک ہم نے زور سے پانی برسایا پھر اچھی طرح پھاڑا زمین کو پھر ہم نے اگایا اس میں غلہ اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں اور گھنے باغات اور (طرح طرح کے) پھل اور گھاس، سامان زیست ہے تمہارے لیے اور تمہارے مویشیوں کے لیے''۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ جب الله تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کے آغاز کا ذکر کیا پھر اسے جو رزق دیا گیا اس کا ذکر کیا کہ انسان دیکھے تو سہی الله تعالیٰ نے اس کا کھانا کیسے پیدا کیا یہ نظر دل کی نظر ہے کہ وہ فکر کرے یعنی وہ غور تو کرے کہ الله تعالیٰ نے اس کے کھانے کو کیسے پیدا کیا جو اس کی زندگی کا سہارا ہے اور اس کے لیے کیسے زندگی کے اسباب کو بنایا تا کہ وہ آخرت کی تیاری کرے۔ حضرت حسن بصری اور مجاہد سے مروی ہے دونوں نے کہا: کہ وہ اپنے کھانے اور قضائے حاجت کی طرف دیکھے۔ ابن ابی خیثمہ نے ضحاک بن سفیان کلابی سے روایت نقل کی ہے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے ضحاک! تیرا کھانا کیا ہے؟'' میں نے عرض کی: یا رسول الله! صلی اللہ علیہ وسلم گوشت اور دودھ۔ فرمایا: ''پھر وہ کیا ہو جاتا ہے؟'' میں نے عرض کی: وہی جسے آپ جانتے ہیں فرمایا: ''انسان سے جو نکلتا ہے الله تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ اس کی مثال بیان کی ہے''۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''انسان کے کھانے کو دنیا کی مثال بنا دیا گیا اگرچہ وہ اسے لذیذ بنانے کے لیے مصالحہ ڈالے اور اسے نمکین بنائے دیکھو تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے''۔ ابو الولید نے کہا: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا وہ بیت الخلا میں داخل ہوتا ہے تو اس کے جسم سے جو چیز نکلتی ہے اسے دیکھتا ہے فرمایا: ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور اسے کہتا ہے: دیکھو تو جس چیز میں بخل کیا کرتا تھا اس کا انجام کیا ہوا ہے(1)۔

اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ عام قراء کی قراءت اِنا کی صورت میں ہے کیونکہ یہ جملہ مستانفہ ہے کوفیوں اور رومیوں نے یعقوب سے روایت کی ہے کہ انا ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ محل جر میں ہے کیونکہ یہ طعام سے بدل ہے گویا یوں کلام کی گئی ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖۤ ﴿۲۴﴾ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ اس قراءت میں طَعَامِهٖ پر وقف کرنا اچھا نہیں اس طرح جب آپ اسے محل رفع میں رکھیں اور ھو ضمیر مضمر مانیں کیونکہ رفع کی صورت میں بھی طعام کی وضاحت کرے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کیونکہ ہم نے پانی برسایا اس کے ذریعے کھانا نکالا یعنی یہ اس طرح تھا۔ حسین بن علی نے اسے انی پڑھا ہے جو کیف کے معنی میں ہے جس نے اس قراءت کو اپنایا ہے اس نے طَعَامِهٖ پر وقف تام کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: انی، این کے معنی میں ہے اس وقت یہ وجوہ سے کنایہ ہوگا معنی ہوگا جس صورت میں ہم نے پانی برسایا۔ کمیت نے کہا: أنّی و مِنْ

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 439

أین آبكَ الطَّرَبُ کیسے اور کہاں سے تجھے تک نشاط پہنچی؟

صَبَبۡنَا الۡمَآءَ صَبًّا ﴿۲۵﴾ یعنی ہم نے بارش کو نازل کیا۔

ثُمَّ شَقَقۡنَا الۡاَرۡضَ شَقًّا ﴿۲۶﴾ فَاَنۡۢبَتۡنَا فِیۡهَا حَبًّا ﴿۲۷﴾ وَّ عِنَبًا وَّ قَضۡبًا ﴿۲۸﴾ ہم نے زمین کو نباتات سے پھاڑا پھر ہم نے اس میں گندم، جو وغیرہ جن چیزوں کو کاٹا جاتا ہے اور ذخیرہ کیا جاتا ہے ان کو اگایا جو قت (ایک دانا جو صحراء میں ہوتا ہے لوگ اسے کوٹ کر کھاتے ہیں) اور چارہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اسے قضب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کے ظہور کے بعد اسے بار بار کاٹا جاتا ہے۔ قتبی اور ثعلب نے کہا: اہل قت کو قضب کہتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد تر کھجوریں ہیں کیونکہ انہیں کھجور کے درخت سے کاٹا جاتا ہے کیونکہ اس سے پہلے عنب کا ذکر کیا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد فصفصہ یہ ترقت ہوتا ہے۔ خلیل نے کہا: قضب سے مراد تر فصفصہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فسفسہ ہے جب وہ خشک ہو جائے تو وہ قَتّ ہوتا ہے کہا: قضب کا اطلاق درخت کی ٹہنیوں پر ہوتا ہے جنہیں کاٹا جاتا ہے تا کہ اس سے تیر یا کمانیں بنائی جائیں۔ یہ بھی قول کیا جاتا ہے: قضب ہر اس چیز کو کہتے ہیں جنہیں کاٹا جاتا ہے جس طرح قت، کراث وغیرہ اسی طرح ساری سبزیاں جنہیں کاٹا جاتا ہے اس کی جڑیں اگتی ہیں۔ صحاح میں ہے: قضبہ اور قضب سے مراد سبزیاں ہیں وہ فارسی زبان میں اسفست ہے اور وہ جگہ جہاں سبزیاں اگتی ہیں۔

وَّ زَیۡتُوۡنًا وَّ نَخۡلًا ﴿۲۹﴾ وَّ حَدَآئِقَ غُلۡبًا ﴿۳۰﴾ زیتون، زیتون کا درخت ہے۔ نَخۡلًا سے مراد کھجور کا درخت ہے۔ حَدَآئِقَ سے مراد باغات ہیں جس کا واحد حدیقہ ہے۔ کلبی نے کہا: کھجور اور درختوں میں سے جس کی چاردیواری ہو اسے حدیقہ کہتے ہیں اگر چاردیواری نہ ہو تو اسے حدیقہ نہیں کہتے۔ غلب سے مراد جس کے درخت موٹے ہوں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: شجرۃ غلباء شیر کو بھی اغلب کہتے ہیں کیونکہ اس کی گردن موٹی ہوتی ہے وہ کسی طرف متوجہ ہوتا ہے تو مکمل طور پر متوجہ ہوتا ہے۔ عجاج نے کہا:

مازِلتُ یوم البیَنْ اَلوِی صَلَبِی والرأسَ حتی صِرتُ مِثْلَ الأغلب

جدائی کے روز میں لگاتار اپنی پشت اور سر کو موڑتا رہا یہاں تک میں شیر کی طرح ہو گیا۔

حدیقہ غلباء اسے کہتے ہیں جو گھنا ہو اسی طرح حدائق غلب ہے اغلولب العشب اسے کہتے ہیں جب جڑی بوٹیاں ایک دوسرے میں داخل ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: الغُلب، أغلب اور غلباء کی جمع ہے اس سے مراد موٹے درخت ہیں۔ آپ سے ہی یہ مروی ہے: اس سے مراد لمبے درخت ہیں۔ قتادہ اور ابن زید نے کہا: غلب سے مراد کھجور کے اچھے درخت ہیں۔ ابن زید اور عکرمہ سے مروی ہے: موٹے تنوں والوں کو کہتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: جن کی شاخیں باہم پیوست ہوں۔

وَّ فَاکِهَةً وَّ اَبًّا ﴿۳۱﴾ جسے لوگ کھاتے ہیں جیسے درختوں کے پھل جس طرح انجیر، اخروٹ وغیرہ۔ اب سے مراد ایسی گھاس جسے جانور کھاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت حسن بصری نے کہا: اب ان چیزوں کو کہتے ہیں جنہیں زمین اگاتی ہے لوگ اسے نہیں کھاتے۔ جسے انسان کھاتے ہیں اسے حصید کہتے ہیں اسی معنی میں شاعر کا قول ہے جو اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح میں کہا:

لَه دعوة ميمونة ريحُها الصَّبا بها يُنْبِتُ الله الحصِيدة والأَبّا

آپ کی دعوت مبارک ہے اس کی خوشبو باد صبا جیسی ہے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ حصیدہ اور اب اگاتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کو اب اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس کا قصد کیا جاتا ہے اور اسے کاٹنے کے لیے اس کی طرف جایا جاتا ہے اب اور امّ دونوں ہم معنی ہیں۔ شاعر نے کہا:

جِذمنا قيسٌ ونجدٌ دارنا ولنا الأَبُّ بِهِ والمَكْرَع

ہماری اصل (جداعلیٰ) قیس ہے اور نجد ہمارا ملک ہے وہاں ہمارے لیے بہترین گھاس اور عمدہ پانی ہے۔

ضحاک نے کہا: اب اس چیز کو کہتے ہیں جو روئے زمین پر اگے، ابورزین نے بھی اسی طرح کہا ہے: اس سے مراد نباتات ہے اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول دلالت کرتا ہے: اب سے مراد وہ چیز ہے جسے زمین اگاتی ہے جسے لوگ اور چوپائے کھاتے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور ابن ابی طلحہ کہتے ہیں: اب سے مراد تازہ پھل ہیں۔ ضحاک نے کہا: اس سے مراد خاص طور پر انجیر ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی مروی ہے۔ شاعر نے کہا:

فما لَهُمْ مَرْتَعٌ لِلسَّوا م والأبُّ عندهم يُقْدَرُ

ان کے ہاں چوپاؤں کے لیے چراگاہیں نہیں اور خوراک بھی ان کے پاس کم ہے۔

کلبی نے کہا: پھلوں کے بغیر ہر نبات مراد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَاكِهَةً سے مراد تازہ پھل اور اب سے مراد خشک پھل ہیں۔ ابراہیم تیمی نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فَاكِهَةً اور اب کی تفسیر پوچھی گئی فرمایا: کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا اور کون سی زمین مجھے اٹھائے گی جب میں کتاب اللہ کی تفسیر میں ایسی بات کروں جو میں جانتا ہی نہ ہوں؟ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا پھر فرمایا: ان سب کو تو ہم نے پہچان لیا یہ اب کیا ہے؟ پھر آپ نے اپنا عصا اٹھایا جو آپ کے ہاتھ میں تھا فرمایا: اللہ کی قسم! یہ تو تکلف ہے۔ اے ابن ام عمر! تجھ پر کیا حرج ہوگا اگر تو نہیں جانتا کہ اب کیا ہے؟ پھر فرمایا: اس کتاب سے جو چیز تمہارے لیے واضح ہے اس کی پیروی کرو اور جو واضح نہ ہو اس کو چھوڑ دو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''سات چیزوں سے تمہیں پیدا کیا گیا، سات چیزوں سے تمہیں رزق دیا گیا، سات اعضا پر اللہ تعالیٰ کے لیے سجدہ کرو''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات چیزوں سے پیدا کیا گیا سے یہ مراد لیا ہے نطفہ، علقہ، مضغہ، الآیۃ، سات چیزوں سے رزق دیا گیا سے یہ مراد لیا ہم نے اس میں دانا اور انگور اگایا اور پھل الآیۃ، پھر کہا: ابا یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے یہ انسان کا رزق نہیں یہ جانور کے لیے خاص ہے۔

مَّتَاعًا لَّكُمْ یہ مفعول مطلق کے طور پر منصوب ہے برائے تاکید ہے کیونکہ ان تمام چیزوں کا اگانا تمام حیوانات کو فائدہ پہنچاتا ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے قبروں سے مردوں کو اٹھانے کے لیے بیان فرمائی جس طرح کھیتیاں جبکہ وہ پہلے ختم ہو چکی تھیں جس کی وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے اس میں اس احسان کا بھی ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں پر انعام

فرمایا۔ یہ بھی کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ یَوْمَ یَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِیْهِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّهٖ وَ اَبِیْهِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِهٖ وَ بَنِیْهِ ﴿۳۶﴾ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ یَوْمَىِٕذٍ شَاْنٌ یُّغْنِیْهِ ﴿۳۷﴾ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾

''پھر جب کان بہرا کرنے والا شور اٹھے گا، اس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے اور اپنی بیوی سے اور اپنے بچوں سے۔ ہر شخص کو ان میں سے اس دن ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے (سب سے) بے پرواہ کر دے گی۔ کتنے ہی چہرے اس دن (نور ایمان سے) چمک رہے ہوں گے ہنستے ہوئے خوش و خرم۔ اور کئی منہ اس دن غبار آلود ہوں گے ان پر کالک لگی ہوگی۔ یہی وہ کافر (و) فاجر لوگ ہوں گے''۔

فَاِذَا جَآءَتِ الصَّآخَّةُ ﴿۳۳﴾ جب اس زندگی کے امر کا ذکر کیا تو آخرت کے امر کا ذکر کیا تاکہ وہ اعمال صالحہ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسانات کیے ہیں اسے صرف کر کے زاد راہ تیار کریں۔ صاخہ سے مراد چیخ ہے جس سے قیامت برپا ہوگی یہاں اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو کانوں کو بہرا کر دے گی وہ کوئی اور آواز نہیں سنیں گے مگر جس چیز کے ساتھ انہیں زندہ ہونے کی دعوت دی جائے گی۔ کئی مفسرین نے ذکر کیا کان اس کی طرف متوجہ ہوں گے یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: اصاخ الی کذا۔ یعنی اسے سنا اسی معنی میں ایک حدیث طیبہ ہے: ''یہ جانور جمعہ کے روز کان لگا کر سنتا ہے اسے قیامت کا ڈر ہوتا ہے مگر جن اور انسان کے''(1)۔ شاعر نے کہا:

یُصِیخُ لِلنَّبْأَةِ أَسْاعَهُ إِصاخةَ المُنْشِدِ لِلْمُنْشِدِ

وہ خبر کو غور سے سنتا ہے جس طرح ایک شاعر دوسرے شاعر کو غور سے سنتا ہے۔

ایک عالم نے کہا: یہ قدماء کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے طور پر معنی لیا گیا ہے۔ جہاں تک لغت کا تعلق ہے تو اس کا مقتضا پہلا قول ہے۔ خلیل نے کہا: صاخہ ایسی چیخ ہے جو کانوں کو بہرہ بنا دے گی۔ لغت میں اصل معنی سختی سے تھپڑ مارنا یا دروازہ بند کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ صخه بالحجر سے ماخوذ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اسے پتھر مارے۔ راجز نے کہا:

یا جارتِی هل لكِ أن تجالِدِی جلادة كالصَّك بالجلامِدِ

اے میری پڑوسن! کیا تو مجھے زمین پر ایسا پٹکے گی جس طرح پتھر کو پھینکا جاتا ہے۔

اس معنی میں عربوں کا قول ہے: صختهم الصاخة وباتتهم البائتة اس سے مراد بڑی مصیبت ہے۔ طبری نے کہا: میرا خیال ہے یہ صخ فلان فلانا سے ماخوذ ہے جب وہ اسے بہرہ کر دے۔ ابن عربی نے کہا: صاخہ اسے کہتے ہیں جو بہرے

1۔ سنن ابی داؤد، باب تفریع ابواب الجمعة، باب فضل یوم الجمعة، حدیث نمبر 882، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پن کو لازم کردے جب کہ وہ سنانے والی تھی۔ یہ فصاحت کا بہترین اسلوب ہے یہاں تک ایک آدمی نے کہا:

أَصَمَّ بِكَ النَّاعِي وَإِنْ كَانَ أَسْمَعَا

موت کی خبر دینے والے نے تجھے بہرہ کر دیا اگرچہ وہ سنانے والا تھا۔

الله کی قسم! قیامت کا صیحہ آواز سنانے والا ہے جو دنیا سے بہرہ کر دے گا اور امور آخرت کو سنائے گا۔

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ﴿٣٤﴾ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ﴿٣٥﴾ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ﴿٣٦﴾ اس دن صاخہ آئے گی تو آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا یعنی بھائی کے ساتھ دوستی کرنے اور گفتگو کرنے سے دور بھاگے گا کیونکہ اس کے لیے وہ فارغ نہیں ہوگا کیونکہ وہ اپنے بارے میں مصروف ہوگا جس طرح بعد میں فرمایا: اس دن ہر آدمی کو ایسا کام ہوگا جو اسے دوسری چیزوں سے غافل کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اس سے جو مطالبہ کر سکتے تھے اور باہم جو حقوق موجود تھے اس وجہ سے ان سے دور بھاگے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس لیے دور بھاگے گا تا کہ جس شدت سے وہ اب ہے وہ اسے دیکھ نہ لیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ ان سے اس لیے دور بھاگے گا کیونکہ وہ جانتا ہوگا کہ وہ انہیں کچھ نفع نہیں دے سکتا جس طرح فرمایا: **يَوْمَ لَا يُغْنِي مَوْلًى عَنْ مَوْلًى شَيْئًا** (الدخان: 41) اس روز کوئی دوست کسی دوست کو کچھ نفع نہ دے گا۔ عبدالله بن طاہر ابہری نے کہا: وہ ان سے اس لیے بھاگے گا کیونکہ اس پر یہ امر واضح ہو چکا ہوگا کہ وہ عاجز ہیں اور ان کے پاس کوئی حیلہ نہیں، وہ اس کی طرف بھاگے جو اس سے غم اور دکھ دور کر سکے گا۔ اگر یہ امر اس پر ظاہر ہو چکا ہوتا تو وہ اپنے رب کے سوا کسی چیز پر اعتماد نہ کرے۔ **صَاحِبَتِهِ** سے مراد اس کی بیوی ہے اور **بَنِيهِ** سے مراد اس کی اولاد ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ قابیل اپنے بھائی ہابیل سے دور بھاگے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں سے دور بھاگیں گے، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ سے دور بھاگیں گے، تو حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے سے دور بھاگیں گے، حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی سے دور بھاگیں گے حضرت آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کی لاش سے دور بھاگیں گے۔(1)

حضرت حسن بصری نے کہا: قیامت کے روز سب سے پہلے جو اپنے باپ سے دور بھاگے گا وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، سب سے پہلے جو اپنے بیٹے سے دور بھاگے گا وہ حضرت نوح علیہ السلام ہیں، سب سے پہلے جو اپنی بیوی سے دور بھاگے گا وہ حضرت لوط علیہ السلام ہیں۔ علماء کی رائے تھی یہ آیت ان کے بارے میں نازل ہوئی ان کا یہ فرار اپنے بچاؤ کے لیے ہوگا۔

لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ﴿٣٧﴾ صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ میں نے رسول

1۔ ایسے اقوال پر تعجب ہوتا ہے جب وہ دنیا میں ان ہستیوں سے تعلق قائم کرنے پر راضی ہی نہیں تھے تو وہ پھر کیسے مطالبہ کریں گے اور انبیاء کو ان سے بھاگنے کی کیا ضرورت جبکہ انہوں نے تبلیغ میں، حقوق کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہیں کی آیت کے عموم کا مصداق خاص بیان کرنا قرائن کی صورت میں تو درست ہو سکتا ہے یہاں کوئی قرینہ بھی نہیں اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت تو بڑے تعجب کا باعث ہے آپ کی والدہ ماجدہ کا وصال ہو چکا تھا جبکہ محققین نے آپ کی والدہ ماجدہ کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار کو درست تسلیم نہیں کیا۔

اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''قیامت کے روز لوگ ننگے پاؤں، ننگے بدن اور ختنہ کے بغیر اٹھائے جائیں گے''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! مرد اور عورت سب جبکہ وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے ہوں گے؟ فرمایا: ''اے عائشہ! معاملہ اس سے بڑا سخت ہوگا کہ وہ ایک دوسرے کو دیکھیں''۔

امام ترمذی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لوگوں کو ننگے پاؤں، ننگے بدن اور بے ختنہ اٹھایا جائے گا''۔ ایک عورت نے عرض کی: کیا ہم میں سے بعض ایک دوسرے کی شرمگاہ کو دیکھتے ہوں گے؟ فرمایا: ''اے فلانہ! ہر کسی کو اس روز اپنی پڑی ہوگی''۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔ عام قراء کی قراءت غین معجمہ کے ساتھ ہے ہر آدمی ایسی حالت میں ہوگا جو اسے رشتہ داروں سے غافل کر دے گی۔ ابن محیصن اور حمید نے یَعْنِیه پڑھا ہے یعنی اس کا امر اسے دوسروں سے لاتعلق کر دے گا۔ قتبی نے کہا: یُغْنِیْهِ کا معنی ہے وہ اسے پھیر دے گا اور اسے اپنی قرابت سے روک دے گا یہ جملہ کہا جاتا ہے: اغن عنی وجھك اپنے چہرے کو مجھ سے پھیر لے۔ اغن عن السفیه بے وقوف سے دور ہو جا۔ خناف نے کہا:

سَیُغْنِیك حرب بنِي مالِكٍ　　عن الفُحْش والجهلِ في المَحفِل

بنی مالک سے جنگ تجھے مجلس میں فحش گوئی اور جہالت سے روک دے گی۔

وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ مُّسْفِرَةٌ ﴿۳۸﴾ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ﴿۳۹﴾ کچھ چہرے چمکدار اور روشن ہوں گے انہیں اپنی کامیابی اور مقدر نعمتوں کا علم ہو چکا ہوگا۔ یہ مومنوں کے چہرے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں جس کرامت سے نوازا ہوگا اس کی وجہ سے خوش و خرم ہوں گے۔ عطا خراسانی نے کہا: وہ طویل عرصہ تک اللہ کی راہ میں غبار آلود ہوتے رہے اس وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ ابو نعیم نے اس کا ذکر کیا۔ ضحاک نے کہا: وضو کے آثار کی وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: راتوں کو عبادت کرنے کی وجہ سے وہ روشن ہوں گے۔ حدیث طیبہ میں ہے: ''جس کی رات کی نماز زیادہ ہو جاتی ہے دن کے وقت اس کا چہرہ حسین ہو جاتا ہے'' (2) یہ جملہ بولا جاتا ہے: أسفر الصبح جب صبح خوب روشن ہو جائے۔

وَ وُجُوْهٌ یَّوْمَىِٕذٍ عَلَیْهَا غَبَرَةٌ ﴿۴۰﴾ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ﴿۴۱﴾ غَبَرَةٌ سے مراد غبار اور دھواں ہے ترھق کا معنی چھا جانا ہے قَتَرَةٌ کا معنی ہے گرہن اور سیاہی؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اسی طرح فرمایا۔ آپ ﷺ سے یہ بھی مروی ہے: ''ذلت اور سختی''۔ کلام عرب میں قتر سے مراد غبار ہے یہ قترۃ کی جمع ہے؛ ابو عبید سے یہی مروی ہے۔ فرزدق نے یہ شعر پڑھا:

مُتَوَّجٌ بِرِداء الملكِ یَتْبعه　　مَوْجٌ ترى فوقه الرایات والقَتَرا

وہ بادشاہ کی چادر کو تاج بنائے ہوئے ہے اس کے پیچھے موج ہے تو اس کے اوپر جھنڈے اور غبار دیکھے گا۔

خبر میں ہے: ''جب قیامت کے روز چوپاؤں کو مٹی بنا دیا جائے گا تو اس مٹی کو کافروں کے مونہوں پر ڈال دیا جائے گا''۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ عبس، حدیث نمبر 3255، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب ما جاء فی قیام اللیل، حدیث نمبر 1322، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

زید بن اسلم نے کہا: قترہ اس مٹی کو کہتے ہیں جو آسمان کی طرف بلند ہو اور غَبَرَةٌ اس مٹی کو کہتے ہیں جو زمین کی طرف آئے، غبار اور غَبَرَةٌ ایک ہی چیز ہے۔

أُولَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَفَرَةُ ٱلْفَجَرَةُ ﴿۴۲﴾ - کفرہ، کافر کی جمع ہے۔ فجرہ، فاجر کی جمع ہے اس سے مراد وہ جھوٹا ہے جو اللہ تعالیٰ پر افتراء باندھتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فاسق ہے کیونکہ فجر فجور اس وقت کہتے ہیں جب وہ فسق کرے اور فجر اس وقت کہتے ہیں جب وہ جھوٹ بولے اس کا اصل معنی مائل ہونا ہے، فاجر سے مراد مائل ہونے والا اس کی وضاحت اور گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ والحمد للہ وحدہ۔

سورة التكوير

آیاتہا ۲۹ ﴿۸۱ سُوْرَةُ التَّكْوِيْرِ مَكِّيَّةٌ ۷﴾ رکوعہا ۱

یہ سورت تمام علماء کے نزدیک مکی ہے۔ اس کی انتیس آیات ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جسے یہ بات خوش کرے کہ وہ قیامت کے روز مجھے دیکھے تو وہ سورۂ کورت، سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ اور سورۂ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ پڑھا کرے'' (1)۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَ اِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳ وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ۝۴ وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝۵ وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝۶ وَ اِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ ۝۷ وَ اِذَا الْمَوْءٗدَةُ سُئِلَتْ ۝۸ بِاَيِّ ذَنْۢبٍ قُتِلَتْ ۝۹ وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝۱۰ وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝۱۱ وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۝۱۲ وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۝۱۳ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّاۤ اَحْضَرَتْ ۝۱۴

''(یاد کرو) جب سورج لپیٹ دیا جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب پہاڑوں کو اکھیڑ دیا جائے گا اور جب دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں چھٹی پھریں گی اور جب وحشی جانور یکجا کر دیئے جائیں گے اور جب سمندر بھڑکا دیئے جائیں گے اور جب جانیں (جسموں سے) جوڑی جائیں گی اور جب زندہ درگور کی ہوئی (بچی) سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے باعث ماری گئی اور جب اعمال نامے کھولے جائیں گے اور جب آسمان کی کھال ادھیڑی جائے گی اور جب جہنم دہکائی جائے گی اور جب جنت قریب کر دی جائے گی (تو اس دن) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے''۔

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: تکویر سے مراد اسے عرش میں داخل کرنا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی اس کی روشنی کا چلے جانا ہے؛ یہی قتادہ اور مجاہد کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ مروی ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے اسے بے نور کر دیا جائے گا۔ ابو عبیدہ نے کہا: اسے لپیٹا جائے گا جس طرح پگڑی کو لپیٹا جاتا ہے اسے لپیٹ دیا جائے گا اور اسے مٹا دیا جائے گا۔ ربیع بن خثیم نے کہا: كُوِّرَتْ کا معنی ہے اسے پھینک دیا جائے گا

1۔ جامع ترمذی کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اذا الشمس کورت، حدیث نمبر 3256، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اسی معنی میں ہے کورتہ فتکور میں نے اسے گرایا تو وہ گر گیا۔

میں کہتا ہوں: تکویر کا اصل معنی جمع کرنا ہے یہ کار العمامۃ علی رأسہ سے ماخوذ ہے اس نے اپنے سر پر پگڑی کو جمع کیا۔ اسے جمع کیا جائے گا اور روشنی کو مٹا دیا جائے گا پھر اسے سمندر میں پھینک دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابو صالح سے مروی ہے: کُوِّرَتْ کا معنی ہے اسے اوندھا گرا دیا جائے گا۔

وَ اِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ○ جب ستارے گر جائیں گے اور بکھر جائیں گے۔ ابو عبیدہ نے کہا: وہ گر جائیں گے جس طرح عقاب گر پڑتا ہے۔ عجاج شکرہ کا وصف بیان کرتا ہے:

أبصر خربان فضاء فانكدر

شکرہ نے کھلی فضا دیکھی تو وہ نیچے گر گیا۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس روز آسمان میں کوئی ستارہ باقی نہیں بچے گا مگر وہ گر جائے گا یہاں تک ساتویں زمین والے اس وجہ سے خوفزدہ ہو جائیں گے جو اس زمین کو مصیبت پہنچی اور اوپر والی زمینوں کو مصیبت آئی''۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ معنی ہے وہ گر جائیں گے، اس کی وجہ یہ ہے قندیلیں آسمان اور زمین کے درمیان نور کی زنجیروں سے لٹکی ہوئی ہیں وہ زنجیریں نوری فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جب پہلے صور پھونکا جائے گا تو زمین اور آسمان میں جو کوئی ہوگا مر جائے گا وہ ستارے ٹوٹ گریں گے اور فرشتوں کے ہاتھوں سے زنجیریں گر جائیں گی کیونکہ جو اسے پکڑے ہوئے تھا وہ مر گیا ہوگا۔ یہ بھی احتمال موجود ہے ان ستاروں کے ٹوٹ گرنے سے مراد اس کے آثار کا مٹ جانا ہے۔ ستاروں کو نجوم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ آسمان میں اپنی روشنی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: انْكَدَرَتْ کا معنی ہے بدل جانا، ان کی روشنی باقی نہ رہے گی کیونکہ وہ اپنی جگہ پر نہیں رہیں گے۔ معنی قریب قریب ہے۔

وَ اِذَا الْجِبَالُ سُیِّرَتْ ○ جب پہاڑوں کو زمین سے اکھاڑ دیا جائے گا اور ہوا میں چلایا جائے گا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ یَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَ تَرَی الْاَرْضَ بَارِزَةً (کہف: 47) جس روز پہاڑوں کو چلایا جائے گا اور آپ زمین کو عیاں دیکھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ان کے چلنے سے مراد پتھر کی حیثیت سے بدل جانا ہے تو وہ مجتمع مٹی کی طرح ہو جائیں گے یعنی وہ بہنے والی ریت ہو جائیں گے اور وہ دھنکی ہوئی اون ہو جائیں گے، وہ بکھرے ہوئے ذرات ہو جائیں گے، وہ سراب کی طرح ہو جائیں گے اس سراب کی طرح جو کچھ بھی چیز نہیں۔ زمین کھلا میدان ہو جانے کی اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی اونچ نیچ نہیں دیکھیں گے۔ یہ بحث اس کے علاوہ کئی مواقع پر موجود ہے۔ الحمد للہ۔

وَ اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ ○ عشار سے مراد حاملہ اونٹنیاں ہیں عشار کا واحد عشراء ہے یعنی وہ اونٹنیاں جن کے حمل کو دس ماہ ہو چکے ہوں۔ پھر اس کا یہی نام رہتا ہے یہاں تک کہ وہ بچے کو جنم دے اور بچہ جننے کے بعد اس کا یہی نام رہتا ہے عربوں

کی عادت ہے کہ وہ چیز کو پہلے والے نام سے یاد کرتے ہیں اگرچہ اس پر وہ وقت گزر چکا ہو ایک آدمی اپنے گھوڑے کو کہتا ہے جبکہ پانچ سال کی عمر پوری کرنے والا ہو: هاتوا مُهری، قربوا مُهری۔ مہر کا معنی بچھیرا ہوتا ہے اسے یہ نام سابقہ اسم کی وجہ سے دیتے ہیں۔ عنترہ نے کہا:

لاتذکری مُهری وما أطعمتُه

تو میرے گھوڑے کا ذکر نہ کر اور جو میں نے اسے کھلایا ہے اس کا ذکر نہ کر۔

مزید یہ کہا:

حَمَلْتُ مُهْرِی وسْطها فمضاها

میں اپنے گھوڑے کے درمیان اور اس کے سینہ پر سوار ہوا۔

یہاں عشار کا خصوصاً ذکر کیا گیا کیونکہ عربوں کے ہاں یہ سب سے معزز چیز ہے اس کے مالک قیامت کے سوا اس کو نہیں چھوڑتے یہ ضرب المثل کے طور پر جملہ بولا جاتا ہے کیونکہ قیامت کے روز دس ماہ کی گابھن اونٹنی نہ ہوگی۔ لیکن اس سے ضرب المثل کا ارادہ کیا کہ قیامت کے دن کا خوف ایسا ہوگا کہ اگر کسی کی دس ماہ کی گابھن اونٹنی ہو تو وہ اسے چھوڑ دے گا اور اپنی پریشانی میں مصروف ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جب وہ اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور ایک دوسرے کو دیکھیں گے، وحشی جانوروں اور چوپاؤں کو دیکھیں گے تو ان میں دس ماہ کی گابھن اونٹنیاں بھی ہوں گی جو ان کے نفیس ترین اموال تھے وہ ان کی کوئی پرواہ نہیں کریں گے اور ان اونٹنیوں کا معاملہ کسی پر اہمیت کا حامل نہیں ہوگا۔ عربوں کو عشار کے معاملہ کے ساتھ خطاب کیا گیا ہے کیونکہ عربوں کی اکثر زندگی اونٹوں کے متعلق ہی ہوتی ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ عُطِّلَتْ کا معنی ہے اس کے مالک اسے چھوڑ دیں گے کیونکہ ہر کسی کو اپنی پڑی ہوگی۔ اعشی نے کہا:

هو الواهِبُ المأةَ المصطفا ۃ إما مَخاضًا وإما عِشارًا

وہ چنی ہوئی اونٹنیاں ہبہ کرنے والا ہے ابتدائی دنوں کی حاملہ ہوں یا دس ماہ کی حاملہ ہوں۔

یوں کہا جاتا ہے: ناقة عشراء، ناقتان عشراوان، نوق عشار وعشراوات۔ یعنی تانیث کے ہمزہ کو واؤ سے بدل دیتے ہیں۔ یہ جملہ کہتے ہیں: وقد عشرت الناقة تعشيرا وہ دس ماہ کی گابھن ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عشار کا معنی ایسا بادل ہے جو پانی سے خالی ہو وہ بارش نہ برسائے۔ عرب بادل کو حاملہ سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسے گھر ہیں جو معطل ہوں اور جب کوئی رہائش نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی زمین ہے جس کو کاشت کرنے سے چھوڑ دیا گیا ہو اسے کاشت نہ کیا جاتا ہو۔ پہلا معنی زیادہ مشہور ہے اس پر اکثر لوگوں کا نقطہ نظر ہے۔

وَ اِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ ۝ جب وحشی جانور جمع کیے جائیں گے۔ حشر کا معنی جمع کرنا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس سے مروی ہے: حشر کا معنی موت ہے۔ عکرمہ نے ان سے یہ روایت کیا ہے کہ حشر سے مراد جنوں اور انسانوں کے علاوہ کی موت ہے کیونکہ یہ دونوں قیامت کے روز پورا پورا حق لیں گے۔ حضرت ابن

عباس سے مروی ہے: ہر شی کو دوبارہ اٹھایا جائے گا یہاں تک کہ مکھیوں کو بھی دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: قیامت کے روز وحشی جانوروں کو جمع کیا جائے گا یہاں تک کہ ان سے ایک دوسرے کا قصاص لیا جائے گا سینگ والے جانور سے بے سینگے جانور کا بدلہ لیا جائے گا۔ پھر انہیں کہا جائے گا: مٹی ہو جاؤ، تو وہ مر جائیں گے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس سے جو کچھ روایت کیا ہے یہ اس سے زیادہ صحیح ہے۔ ہم نے اس کا ذکر مفصل طور پر پہلے کیا ہے۔ سورۂ انعام میں بھی اس کا کچھ ذکر گزرا ہے۔ جب وحشی جانوروں کی یہ حالت ہے انسانوں کا کیا حال ہوگا؟ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آج صحراؤں میں لوگوں سے الگ تھلگ رہنے اور ان سے دور بھاگنے کے باوجود قیامت کے دن کی ہولناکیوں کی وجہ سے وہ لوگوں کے ساتھ مل جائیں گے؛ یہ معنی حضرت ابی بن کعب نے بیان کیا ہے۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ سُجِّرَتْ ۝ جب سمندروں کو پانی سے بھر دیا جائے گا عرب کہتے ہیں: سجرتُ الحوضَ أسجرہ سجرا جب تو اسے بھر دے لغت میں ساجر اور مسجور کا معنی بھرا ہوا ہونا ہے۔ ربیع بن خثیم نے روایت نقل کی ہے کہ سُجِّرَتْ کا معنی بہنا اور بھر جانا ہے؛ یہ کلبی، مقاتل، حسن اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ ابن ابی زمنین نے کہا: سُجِّرَتْ کا معنی ہے بھر جانا اس کے بعد وہ ایک دوسرے کی طرف بہہ پڑیں گے اور وہ سب ایک چیز بن جائیں گے؛ یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میٹھے سمندر کو نمکین اور نمکین کو میٹھے کی طرف چھوڑا جائے گا یہاں تک کہ وہ بھر جائے گا۔ ضحاک اور مجاہد سے مروی ہے: انہیں کھول دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ ایک سمندر بن جائے گا۔ قشیری نے کہا: اس کی صورت یہ ہوگی اللہ تعالیٰ اس پردے کو ہٹا دے گا جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے: بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ ۝ (الرحمٰن) ان کے درمیان آڑ ہے وہ ایک دوسرے سے تجاوز نہیں کرتے۔ جب وہ آڑ ختم کر دی جائے گی تو سمندروں کا پانی کھل جائے گا وہ تمام زمین پر پھیل جائے گا اور سب ایک سمندر بن جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ جہنمیوں کی گرمی کی وجہ سے ایک سمندر بن جائے گا۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور ابن حیان سے مروی ہے: وہ خشک ہو جائیں گے یہاں تک کہ پانی کا ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ قشیری نے کہا: یہ سجرت التنور سے مشتق ہے یہ اس وقت بولتے ہیں جب تو تندور کو گرم کرے۔ جب اس پر آگ کو مسلط کیا جائے گا تو اس سے رطوبت ختم ہو جائے گی اس وقت پہاڑوں کو چلایا جائے گا سمندر اور تمام زمین ہموار میدان بن جائے گا کہ پہاڑوں کی مٹی سے سمندروں کی گہرائی کو بھر دیا جائے گا۔ نحاس نے کہا: اقوال میں اتفاق ہے پہلے وہ ایک دوسرے کی طرف بہیں گے پھر آگ بنا دیئے جائیں گے پھر خشک ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں: اس وقت پہاڑ چلائے جائیں گے جس طرح قشیری نے ذکر کیا؛ ابن زید، شمر، عطیہ، سفیان، وہب، حضرت ابی، حضرت علی بن ابی طالب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے اسے روایت کیا ہے: انہیں جلایا جائے گا تو وہ آگ ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو سمندر میں پھینک دے گا پھر اللہ تعالیٰ ان پر دبور ہوا چلائے گا وہ اس میں ہوا پھونکے گی تو وہ آگ ہو جائیں گے۔ ایک حدیث میں بھی اسی طرح ہے "اللہ تعالیٰ سورج، چاند اور ستاروں کو حکم دے گا تو وہ سمندر میں گر پڑیں گے پھر اللہ تعالیٰ دبور ہوا کو بھیجے گا وہ انہیں آگ کی

صورت میں بھڑکا دے گی یہی وہ بڑی آگ ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کفار کو سزا دے گا"۔ قشیری نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سُجِّرَتْ کی جو تفسیر او قدت سے کی ہے یہ احتمال موجود ہے کہ جہنم سمندر کی گہرائیوں میں ہو دنیا کا نظام چلانے کے لیے آج اسے روشن نہیں کیا گیا جب دنیا ختم ہو جائے گی تو سب آگ بن جائیں گے جس میں اللہ تعالیٰ جہنمیوں کو داخل کرے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ سمندر کے نیچے آگ ہو پھر اللہ تعالیٰ تمام سمندروں کو روشن کر دے گا تو یہ سب آگ بن جائیں گے حدیث میں ہے: البحرُ نارٌ من نارٍ سمندر آگوں میں سے ایک آگ ہے۔

معاویہ بن سعید نے کہا: بحر روم زمین کا درمیان ہے اس کے نیچے تانبے کے بند کنویں ہیں جنہیں قیامت کے روز آگ کی صورت میں بھڑکا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سورج سمندر میں گرایا جائے گا تو سورج کی گرمی سے سمندر آگ بن جائیں گے پھر اس میں جو کچھ ہے اس کے بارے میں یہ بھی جائز ہے کہ یہ قیامت سے پہلے ہو اور یہ اس کی نشانیوں میں سے ایک ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ قیامت کے روز ہو ان آیات کے بعد جو کچھ ہے وہ قیامت کے روز ہوگا۔

میں کہتا ہوں: حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سمندر کے پانی سے وضو نہیں کیا جائے گا کیونکہ جہنم کا ایک طبق ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: چھ آیات قیامت کے وقوع سے قبل کی ہیں اس اثنا میں کہ لوگ بازاروں میں ہوں گے کہ سورج کی روشنی چلی جائے گی، ستارے ظاہر ہو جائیں گے وہ متحیر و دہشت زدہ ہو جائیں گے وہ اس حال میں دیکھ رہے ہوں گے کہ ستارے ٹوٹ گریں گے وہ اس حال میں ہوں گے کہ پہاڑ زمین پر گر پڑیں گے زمین میں حرکت برپا ہوگی اور زلزلہ واقع ہوگا اور آگ لگ جائے گی تو وہ بکھرے ذرات ہو جائیں گے۔ انسان جنوں کی جانب اور جن انسانوں کی جانب بھاگیں گے۔ عام جانور، وحشی جانور، کیڑے مکوڑے اور پرندے خلط ملط ہو جائیں گے بعض بعض میں موجزن ہو جائیں گے مابعد آیت کا یہی مفہوم ہے۔

وَإِذَا الْوُحُوشُ حُشِرَتْ ۝ پھر جن انسانوں کو کہیں گے: ہم تمہارے پاس خبر لائے ہیں، وہ سمندر کی طرف جائیں گے تو وہ بھڑکی ہوئی آگ ہوگی۔ وہ اسی حالت میں ہوں گے کہ زمین ساتویں زمین تک پھٹ جائے گی اور آسمان ساتویں آسمان تک پھٹ جائے گا وہ اس حالت میں ہوں گے کہ ہوا آئے گی وہ سب کو ہلاک کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ سُجِّرَتْ کا معنی ہے اس کا پانی سرخ کر دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ خون کی طرح ہو جائے گا یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: عین سجراء سرخ آنکھ۔ ابن کثیر نے اسے سُجِرَت پڑھا ہے ابو عمرو نے بھی اسی طرح پڑھا ہے یہ اس کی حالت کے بارے میں ایک دفعہ کی خبر ہے باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے اس میں اسے بار بار خبر دی گئی ہے۔

وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ ۝ نعمان بن بشیر نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "وَإِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ کا معنی ہے ہر آدمی کو اس جماعت کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اس جیسا عمل کیا کرتے تھے"۔ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: فاجر کو فاجر کے ساتھ اور صالح کو صالح کے ساتھ ملا دیا جائے گا (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ اس وقت ہوگا جب لوگ تین

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 527

جماعتیں ہوں گے سابقون ایک جماعت ہوں گے، اصحاب یمین ایک جماعت ہوں گے اور اصحاب شمال ایک جماعت ہوں گے۔ انہیں سے ایک قول یہ بھی مروی ہے: مومنوں کے نفوس کو حورعین کے ساتھ ملایا جائے گا(1)، کافروں کو شیاطین کے ساتھ ملایا جائے گا یہی صورتحال منافقوں کی ہوگی۔ ان سے ایک قول یہ بھی منقول ہے: ہر ایک جنتی اور جہنمی کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا جو اعلانیہ طاعت کرتا تھا اس کو اس کی مثل کے ساتھ، درمیانے کو اس کی مثل کے ساتھ، نافرمان کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ تزویج کا معنی یہ ہے کہ ایک شی کو اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے۔ معنی یہ ہوگا جب نفوس کو جنت اور دوزخ میں اس کی مثل کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر ایک کو اسی بادشاہ یا حاکم کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس کے ساتھ وہ دنیا میں رہتا تھا جس طرح ارشاد فرمایا: اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَ اَزۡوَاجَهُمۡ (الصافات: 22) ظالموں اور ان کی مثل کو جمع کرو۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: انہیں ان کے اعمال کے مشابہ جوڑے بنا دیا جائے گا وہاں حقیقت میں کوئی جوڑا نہیں۔ اصحاب یمین ایک جوڑا ہیں، اصحاب شمال ایک جوڑا ہیں، سابقون ایک جوڑا ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اُحۡشُرُوا الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا وَ اَزۡوَاجَهُمۡ ظالموں میں ان کی امثال کو جمع کر دو۔ عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے روحوں کو جسموں کے ساتھ ملا دیا جائے گا یعنی روحوں کو جسموں کی طرف پھیر دیا جائے گا(2)۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا: ہر ایک کو اس کی جماعت کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا یہودی کو یہودی کے ساتھ، نصاری کو نصاری کے ساتھ اور مجوسیوں کو مجوسیوں کے ساتھ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کیا کرتا تھا اسے اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا(3)۔ منافقین کو منافقین کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور مومنوں کو مومنوں کے ساتھ ملا دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: گمراہ کو اس کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس نے اسے گمراہ کیا ہوگا وہ شیطان ہو یا انسان ہو قدر مشترک بغض اور عداوت ہوگی۔ مطیع کو اس آدمی کے ساتھ ملا دیا جائے گا جس نے اسے طاعت کی طرف بلایا وہ نبی ہو یا مومن ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نفوس کو ان کے اعمال کے ساتھ ملا دیا جائے گا ان اعمال کے اس کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے تزویج کا نام دیا ہے۔

وَ اِذَا الۡمَوۡءٗدَةُ سُئِلَتۡ ۪ۙ بِاَیِّ ذَنۡۢبٍ قُتِلَتۡ ۚ﴿۹﴾ موءودۃ مقتولہ سے مراد وہ بچی ہے جس کو زندہ دفن کر دیا گیا ہو اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس پر مٹی ڈالی جاتی ہے تو وہ مٹی اسے دبا لیتی ہے تو وہ بچی مرجاتی ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ لَا یَـُٔوۡدُهٗ حِفۡظُهُمَا (البقرہ: 255) آسمانوں و زمین کی حفاظت اسے بوجھل نہیں کرتی۔ متمم بن نویرہ نے کہا(4):

مَوءودۃ مَقۡبورۃ فی مَفازۃ

وہ جنگل میں مدفون و مقبور ہے۔

وہ بچیوں کی دو وجہوں سے زندہ درگور کیا کرتے تھے: (۱) وہ کہتے: فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں وہ اپنی بیٹیوں کو اس کے ساتھ ملا دیتے (۲) انہیں یا تو تنگ دستی کا خوف رہتا تھا یا گرفتار ہو جانے اور غلامی کا خوف ہوتا۔ سورۂ نحل میں اَمۡ یَدُسُّهٗ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 527
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 214
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 260
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 214

فِي التُّرَابِ (نحل: 59) میں یہ بحث مکمل گزر چکی ہے۔ اشراف ایسا نہ کیا کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس سے روکتے تھے یہاں تک کہ فرزدق نے اس پر فخر کیا اور کہا۔

ومِنّا الذّی منعَ الوائداتِ　　فأحیا الوئید فلم یُوأَدِ(1)

ہم میں سے وہ لوگ ہو گزرے ہیں جو زندہ درگور کرنے والیوں کو روکتے تھے پس اس نے زندہ درگور کی جانے والی کو زندگی عطا کی اور اسے زندہ درگور نہ کیا۔

فرزدق کی مراد اس کا دادا ہے جس کا نام صعصعہ تھا وہ بچیوں کو ان کے والدین سے خرید لیتا اسلام آیا تو اس نے ستر بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچایا تھا۔ حضرت ابن عباس نے کہا: دور جاہلیت میں ایک عورت پر جب وضع حمل کا وقت آتا تو وہ ایک گڑھا کھودتی اور اس گڑھے کے کنارے بچہ جنتی۔ اگر وہ بچی ہوتی تو اسے گڑھے میں پھینک دیتی اور اس پر مٹی ڈال دیتی اگر بچہ جنتی تو اسے روک لیتی (2)۔

قتادہ نے کہا: دور جاہلیت میں ایک آدمی اپنی بیٹی کو قتل کرتا اور اپنے کتے کو کھلا دیتا اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں عتاب کیا اور اس ارشاد کے ساتھ انہیں دھمکی دی (3)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: قیس بن عاصم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا عرض کی: یا رسول اللہ! میں نے دور جاہلیت میں آٹھ بیٹیوں کو زندہ درگور کیا فرمایا: ''ہر ایک کی جانب سے ایک غلام آزاد کر دے''۔ عرض کی: یا رسول اللہ! میں تو اونٹوں والا ہوں۔ فرمایا: ''اگر چاہے تو ہر ایک کی جانب سے ایک اونٹ کی قربانی دے دے''۔ اس بچی سے سوال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ قاتل کو شرمندہ کیا جائے جس طرح جب بچے کو مارا جائے تو بچے سے پوچھا جائے: تجھے کیوں مارا گیا تیرا گناہ کیا تھا؟ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ قاتل کو شرمندہ کرے کیونکہ اس بچی کو بغیر گناہ کے قتل کیا گیا تھا (4)۔ ابن اسلم نے کہا کہ کس گناہ میں تجھے مارا گیا وہ اس بچی کو مارا کرتے تھے۔ ایک اہل علم نے سُیِٕلَتْ کا معنی طلبت کیا ہے گویا یہ ارادہ کیا کہ جس طرح مقتول کے قصاص کا مطالبہ کیا جاتا ہے اس کے قصاص کا مطالبہ کیا جائے گا یہ اس طرح ہے جس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَكَانَ عَهْدُ اللّٰهِ مَسْئُوْلًا ۝ (الاحزاب) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیے ہوئے عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی۔ گویا ان سے مطالبہ کیا جائے گا ان سے پوچھا جائے گا: تمہاری اولادیں کہاں ہیں؟ ضحاک اور ابوضحا نے جابر بن زید اور ابو صالح سے روایت نقل کی ہے کہ بچی اپنے باپ سے چمٹ جائے گی وہ پوچھے گی: کس گناہ کی پاداش میں تو نے مجھے قتل کیا؟ تو باپ کے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے آپ اسے واذا الموءودة سألت پڑھتے (5)۔ حضرت ابی کے مصحف میں بھی اسی طرح ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں فرمایا: ''وہ عورت جو اپنے بچے کو قتل کرتی تھی قیامت کے روز آئے گی اس کا بچہ اس کے پستان سے چمٹا ہوگا جب کہ اپنے خون میں لت پت ہوگا وہ عرض کرے گا: اے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 214　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 528　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 215
4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 260　　5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 214

میرے رب! یہ میری ماں ہے اس نے مجھے قتل کیا ہے''۔ پہلا قول جمہور کا نقطہ نظر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے جو اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ (المائدہ: 116) کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا۔ کیونکہ یہ عمل گناہ کے بغیر صحیح نہیں وہاں کون سا گناہ تھا جب یہ بات ظاہر ہوگئی کہ کوئی گناہ نہیں تھا تو یہ امتحان میں بہت بڑھ کر ہوگا اور قاتل کے خلاف بہت بڑی دلیل ہوگی۔ واللہ اعلم۔

اسے قُتِلَتْ بھی پڑھا گیا ہے اس میں یہ دلیل بھی موجود ہے کہ مشرکوں کے بچے عذاب میں مبتلا نہیں کیے جائیں گے اور عذاب کا استحقاق گناہ کے بغیر نہیں ہوتا۔

وَ اِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ ۝ انہیں کھول دیا جائے گا جبکہ وہ پہلے لپٹے ہوئے تھے اس سے مراد وہ صحیفے ہیں جو فرشتے لکھتے رہے جن میں ان لوگوں کے اچھے برے اعمال درج ہوں گے جن کو موت کے موقع پر لپیٹ دیا جائے گا اور قیامت کے روز انہیں پھیلا دیا جائے گا ہر انسان اپنے صحیفے پر کھڑا ہوگا اس میں جو کچھ ہوگا وہ اسے جانتا ہوگا وہ کہے گا: اس کتاب کو کیا ہوا یہ کوئی چھوٹا بڑا عمل نہیں چھوڑتی مگر اس نے اسے شمار کر رکھا ہے۔ مرثد بن وداعہ نے روایت نقل کی ہے کہ جب قیامت کا روز ہوگا تو عرش کے نیچے سے صحیفے اڑیں گے مومن کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اس کا ذکر فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۝ قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۝ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔۢا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِي الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ ۝ (الحاقہ) تک ہے کافر کا صحیفہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اس کا ذکر فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۝ وَّ ظِلٍّ مِّنْ يَّحْمُوْمٍ ۝ لَّا بَارِدٍ وَّ لَا كَرِيْمٍ ۝ (الواقعہ) میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ قیامت کے روز لوگوں کو ننگے پاؤں اور ننگے بدن اٹھایا جائے گا میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ فرمایا: ''اے ام سلمہ! لوگوں کو غافل کر دیا جائے گا''۔ میں نے عرض کیا: کس نے انہیں اس سے غافل کیا؟ فرمایا: ''صحیفوں کے پھیلنے نے جن میں ذرہ اور رائی کے برابر اعمال لکھے ہوں گے'' اس کا ذکر ابوثوار عدوی کے قول جو سورۂ سبحانہ میں ہے ہو چکا ہے ان کا دو دفعہ کھلنا ہے اور ایک دفعہ لپٹنا ہے اے ابن آدم! جس میں تجھے مہلت دی گئی ہے وہ تیرا پھیلایا گیا صحیفہ ہے اس میں جو جی چاہے املاء کرا جب تو مر جائے گا تو اسے لپیٹ دیا جائے گا جب تجھے دوبارہ اٹھایا جائے گا تو اسے پھیلا دیا جائے گا۔ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۝ (الاسراء) اپنی کتاب پڑھ آج تیرے لیے وہی کافی ہے۔ مقاتل نے کہا: جب کوئی آدمی فوت ہوتا ہے تو اس کا نامہ عمل لپیٹ دیا جاتا ہے اور جب قیامت کا دن ہوتا ہے تو اسے پھیلا دیا جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: جب آپ اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے: اے انسان! معاملہ تیرے سپرد کر دیا گیا ہے۔ نافع، ابن عامر، عاصم اور ابو عمرو نے اسے نُشِرَت پڑھا ہے حجت قائم کرنے کے لیے صرف ایک دفعہ پھیلایا جائے گا باقی قراء نے اسے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ نشر (پھیلانا) کئی دفعہ ہوگا۔ نافرمانی کو تنبیہ اور مطیع کو بشارت میں مبالغہ کے لیے ایسا ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انسان اور گواہ فرشتوں کی جانب سے عمل بار بار ہونے کی وجہ سے فعل کو مشدد ذکر کیا جائے گا۔

وَ اِذَا السَّمَآءُ كُشِطَتْ ۝ کشط سے مراد یہ ہے جو چیز کسی کے ساتھ سختی سے چمٹی ہوئی ہو اس کو کھینچ لینا۔ آسمان سے چمڑا اس طرح ادھیڑ لیا جائے گا جس طرح مینڈھے اور دوسرے جانوروں سے چمڑا اتار لیا جاتا ہے۔ قشط بھی اس میں ایک لغت

ہے حضرت عبداللہ کی قراءت میں اذا السماء قشطت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: کشطت البعیر کشطا میں نے اس کے چمڑے کو اتارا سلحتہ نہیں کہا جاتا کیونکہ عرب اونٹ کے بارے میں کشطتہ اور جلدتہ کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ انکشط کا معنی ہے چلا گیا آسمان کو اپنی جگہ سے ہلا دیا جائے گا جس طرح پردہ کو اس سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے لپیٹ دیا جائے گا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوْمَ نَطْوِي السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ (الانبیاء: 104) اس روز ہم آسمان کو یوں لپیٹ دیں گے جس طرح سجل کتابوں کو لپیٹ دیتی ہے؛ گویا معنی ہے چمڑے کو اتار دیا جائے گا اور لپیٹ دیا جائے گا۔

وَ اِذَا الْجَحِيْمُ سُعِّرَتْ ۞ جب جہنم کو روشن کیا جائے گا کفار کے لیے دہکایا جائے گا اور اس کے گرم کرنے میں اضافہ کیا جائے گا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سعرت النار، اسعرتھا عام قراء کی قراءت تخفیف کے ساتھ ہے جو سعیر سے مشتق ہے۔ نافع، ابن ذکوان اور رویس نے تشدید کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ اسے بار بار روشن کیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: جہنم کو اللہ کا غضب اور انسانوں کی خطائیں اسے بھڑکائیں گی۔ ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''آگ کو ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سرخ ہوگئی پھر اسے ایک ہزار تک جلایا گیا تو وہ سفید ہوگئی پھر اسے ایک ہزار سال تک بھڑکایا گیا تو وہ سیاہ ہوگئی وہ سیاہ تاریک ہے وہ موقوف ہے''۔

وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۞ جنت متقین کے قریب کر دی گئی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: جنتیوں کو جنت کے قریب کیا جائے گا وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن زید کہا کرتے تھے: اسے قریب کیا جائے گا۔ زلفی کلام عرب میں قربت کے معنی میں ہے۔ تزلف فلان یعنی فلاں قریب ہوگیا۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۞ نفس جان لے گا جو اس نے اچھا اور برا عمل کیا ہوگا یہ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ اور اس کے مابعد کا جواب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اسی لیے یہ گفتگو ہوئی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے: دونوں نے ان آیات کو پڑھا جب عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ تک پہنچے۔ دونوں نے کہا: اس مقصد کے لیے یہ قصہ چلایا گیا ہے۔ معنی یہ ہوگا جب سورج بے نور ہو جائے گا اور یہ امور ہو جائیں گے تو نفس اپنے اعمال کو جان لے گا۔ صحیحین میں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہم کلام ہوگا وہ اپنی دائیں طرف دیکھے گا تو وہ اپنے اعمال پائے گا وہ اپنی بائیں طرف دیکھے گا تو وہ اپنے اعمال دیکھے گا پس آگ اس کا استقبال کرے گی جو آدمی یہ طاقت رکھے کہ وہ آگ سے بچے خواہ وہ کھجور کے ایک حصہ کے ساتھ تو وہ ایسا کرے''۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ قسم ہے جو عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّآ اَحْضَرَتْ ۞ پر واقع ہے(1)۔ جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: جب زید بھاگا تو عمرو بھی بھاگ گیا۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ ابن زید نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے(2): اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۞ سے لے کر وَ اِذَا الْجَنَّةُ اُزْلِفَتْ ۞ تک بارہ چیزیں ہیں چھ دنیا میں اور

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 216 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 215

چھ آخرت میں ہوں گی۔ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے قول سے پہلی چھ کی وضاحت کر دی ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۙ﴿۱۶﴾ وَالَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۙ﴿۱۷﴾ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ۙ﴿۱۸﴾ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ﴿۱۹﴾ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ؕ﴿۲۱﴾ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۚ﴿۲۲﴾

''پھر میں قسم کھاتا ہوں پیچھے ہٹ جانے والے تاروں کی (اور قسم کھاتا ہوں) سیدھے چلنے والے، رکے رہنے والے تاروں کی اور رات کی جب وہ رخصت ہونے لگے اور صبح کی جب وہ سانس لے کہ یہ (قرآن) ایک معزز قاصد کا (لایا ہوا) قول ہے جو قوت والا ہے مالک عرش کے ہاں عزت والا ہے (سب فرشتوں کا) سردار اور وہاں کا امین ہے۔ اور تمہارا یہ ساتھی کوئی مجنون تو نہیں''۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۙ﴿۱۵﴾ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ﴿۱۶﴾ لا زائد ہے یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں جس طرح یہ بات گزر چکی ہے پانچ بڑے ستارے مراد ہیں زحل، مشتری، عطارد، مریخ اور زہرہ۔ جس طرح مفسرین نے ذکر کیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے (1)۔ تمام ستاروں سے صرف انہیں کا خصوصاً ذکر کرنا دو وجوہ سے (2) ہے (1) یہ سورج کے بالمقابل ہوتے ہیں؛ یہ بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا (۲) یہ کہکشاں کو طے کرتے ہیں (3)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

حضرت حسن بصری اور قتادہ نے کہا: اس سے مراد ستارے ہیں جو دن کے وقت چھپ جاتے ہیں؛ حضرت علی شیر خدا سے یہی مروی ہے فرمایا: اس سے مراد وہ ستارے ہیں جو دن کو چھپ جاتے ہیں اور رات کو ظاہر ہوتے ہیں اور غروب کے وقت آنکھوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ مخفی ہوتے ہیں تو وہ دکھائی نہیں دیتے۔ صحاح میں ہے: خنس سے مراد تمام ستارے ہیں کیونکہ وہ غائب ہونے کے ساتھ پیچھے ہو جاتے ہیں یا دن کے وقت پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد سیاہ رات ہیں وہ ستارے نہیں جو ایک ہی جگہ پر رہتے ہیں۔ فراء نے ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ان سے پانچ ستارے مراد ہیں زحل، مشتری، مریخ، زہرہ اور عطارد کیونکہ وہ اپنی گزرگاہ میں پیچھے ہو جاتے ہے اور چھپ جاتے ہیں جس طرح ہرن مغار میں چھپ جاتا ہے مغار سے مراد وہ ٹھکانہ ہے جو وہ شاخوں سے بنا لیتا ہے۔ یہ قول بھی کیا جاتا ہے: انہیں خنس اس لیے کہتے ہیں کیونکہ وہ پیچھے ہٹ جاتے ہیں کیونکہ ان سے مراد وہ ستارے ہیں جو متحیر ہوتے ہیں جو لوٹتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں۔ یوں جملہ بولا جاتا ہے: خَنَسَ عنه يَخْنُس خنوسا پیچھے ہٹ جانا۔ أخنسه غیرہ۔ جب اسے پیچھے کیا اور اس سے آگے گزر گیا۔ خنس ناک کا چہرے سے پیچھے ہونا جبکہ سرے سے کچھ بلند ہو۔ اس طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: الرجل أخنس، المرأة خنساء، البقر كلها خنس۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس سے مراد وحشی گائیں ہیں (4)۔ ہشیم نے زکریا سے وہ ابو اسحاق سے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 216
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 261
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 216

وہ ابومیسرہ عمرو بن شرحبیل سے روایت نقل کرتے ہیں کہ مجھے حضرت عبداللہ بن مسعود نے کہا: تم عرب قوم ہو یہ خنس کیا ہوتا ہے؟ میں نے جواب دیا: وحشی گائے۔ کہا: میری رائے بھی یہی ہے؛ یہی حضرت جابر اور ابراہیم کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحشی گائیوں کی قسم اٹھائی۔ ان سے حضرت عکرمہ نے روایت نقل کی ہے کہ خنس سے مراد گائے اور کنس سے مراد ہرن ہیں جب وہ انسان کو دیکھتے ہیں تو پیچھے ہٹ جاتے ہیں، سکڑتے ہیں اور اپنے ٹھکانے میں داخل ہو جاتے ہیں۔ خنس جو ناک میں ہوتا ہے اس سے مراد ناک کے سرے کا پیچھے ہونا اور بانسے کا چھوٹا ہونا۔ گائے اور ہرن کے ناک اسی طرح چپکے ہوتے ہیں۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ انہیں ستاروں پر محمول کیا جائے کیونکہ اس کے بعد رات اور صبح کا ذکر ہے ستاروں کا ذکر اس کے زیادہ مناسب ہے۔

میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم اٹھائے وہ حیوان ہو، جماد ہو اگرچہ اس کی حکمت کی وجہ کا علم نہ ہو۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت جابر بن عبداللہ سے یہ مروی ہے جبکہ دونوں صحابی ہیں اور امام نخعی سے مروی ہے کہ اس سے مراد وحشی گائے ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے یہ مروی ہے کہ اس سے مراد ہرن ہیں (1)۔ حجاج بن منذر نے کہا: میں نے جابر بن زید سے الجوادی الکنس کے بارے میں پوچھا فرمایا: ہرن اور گائے۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ اس سے مراد ستارے ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد فرشتے ہیں؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا (2)۔ کنس کا معنی غائب ہے یہ کناس سے ماخوذ ہے اور اس سے مراد وحشی جانور کا وہ ٹھکانہ ہے جس میں وہ چھپ جاتا ہے۔

اوس بن حجر نے کہا:

أَلم تر أنّ الله أنزلَ مُزْنَهُ وعُفْرُ الظباءِ فی الکِناسِ تَقَمَّعُ (3)

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کو نازل کیا جبکہ ہرنوں میں سے عفر (ایک قسم کا ہرن) اپنے ٹھکانے میں سر ہلا رہا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنوس کا معنی ہے اپنے اپنے ٹھکانوں میں پناہ لینا۔ اس سے مراد وہ جگہیں ہیں جہاں وحشی جانور اور ہرن پناہ لیتے ہیں۔

کنس یہ کانس اور کانسہ کی جمع ہے اسی طرح خنس، خانس اور خانسہ کی جمع ہے۔ جواری یہ جاریہ کی جمع ہے یہ جری یجری سے مشتق ہے۔

وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ ۝ فراء نے کہا: مفسرین نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ عَسْعَسَ کا معنی پیٹھ پھیرنا ہے، جوہری نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ ہمارے ایک ساتھی نے کہا: وہ اپنے پہلے حصہ کے قریب ہو گئی اور تاریک ہو گئی۔ اسی طرح جب بادل زمین کے قریب ہوتا ہے تو تاریک ہوتا ہے۔ مہدوی نے کہا: وَالَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ کا معنی ہے قسم ہے رات کی جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ پلٹ جائے؛ یہ حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ ان دونوں سے، حضرت حسن

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 216 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 217

بصری سے اور دوسرے علماء سے یہ بھی مروی ہے: جب وہ اپنی تاریکی کے ساتھ آرہی ہو۔ زید بن اسلم نے کہا: عَسْعَسَ کا معنی جاتا ہے۔ فراء نے کہا: عرب کہتے ہیں عسعس و سعسع جب اس سے تھوڑی سی تاریکی رہ جائے۔ خلیل اور دوسرے علماء نے کہا: عسعس اللیل جب وہ تاریکی آئے یا واپس پلٹے۔ مبرد نے کہا: اضداد میں سے ہے دونوں معانی ایک کی طرف لوٹتے ہیں۔ رات کے اول حصہ میں تاریکی کا شروع ہونا اور اس کے آخری حصہ میں اس کا پلٹنا۔ علقمہ بن قرط نے کہا:

حتی إذا الصبحُ لها تنفسا وانجابَ عنها لیلُها وعَسْعَسَا(1)

یہاں تک کہ صبح نے اس کے لیے سانس لی اور اس کی رات اس سے چھٹی اور پلٹی۔

ماوردی نے کہا: عس کا اصل معنی بھر جانا ہے اسی وجہ سے بڑے پیالے کو عُس کہتے ہیں کیونکہ وہ اپنے اندر موجود چیز سے بھرا ہوتا ہے اس لفظ کا اطلاق رات کے آنے پر ہوتا ہے کیونکہ اس کے بھرنے کی ابتدا ہوتی ہے اس کا اطلاق اس کے پلٹنے پر بھی ہوتا ہے کیونکہ اس کے بھرنے کی انتہا ہوتی ہے کیونکہ اس کے ساتھ ہی اس کا بھرنا مکمل ہوتا ہے۔

جہاں تک امراء القیس کا یہ قول ہے: أَلِمّا علی الربعِ القدیم بِعَسْعَسا۔ اس میں عسعس جگہ کا نام ہے۔

عَسْعَسَ ایک آدمی کا نام بھی ہے؛ رجز نے کہا:

عَسْعَسَ نِعْمَ الفتی تبیاہ عسعس کتنا اچھا نوجوان ہے جس پر تو اعتماد کرتا ہے۔

بھیڑیے کو عسعس، عسعاس اور عساس کہتے ہیں کیونکہ وہ رات کو تلاش کرتا ہے۔

قنافذ (گندگی والا کیڑا) کو عسعاس کہتے ہیں کیونکہ یہ رات کے وقت آتا جاتا ہے۔

ابو عمرو نے کہا: تعسعس کا معنی سونگھنا ہے اور یہ مصرعہ پڑھا:

کمنخر الذئبِ إذا تَعَسْعَسَا

بھیڑیے کے نتھنے کی طرح جب وہ سونگھے۔

تعسعس کا معنی رات کے وقت شکار تلاش کرنا بھی ہوتا ہے۔

وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ ﴿﴾ صبح کی قسم جب وہ پھیل جائے یہاں تک کہ روشن دن بن جائے۔ دن جب خوب چڑھ جائے تو کہتے ہیں: تَنَفَّسَ اسی طرح موج جب پانی باہر پھینکے۔ تَنَفَّسَ کا معنی ہوا کا پیٹ سے نکلنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِذَا تَنَفَّسَ کا معنی ہے جب وہ پھٹے۔ اسی سے تنفس القدس کا لفظ استعمال ہوتا ہے جب وہ ٹوٹ جائے۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ﴿﴾ یہ جواب قسم ہے اور رسول کریم سے مراد جبریل امین ہیں؛ یہی حضرت حسن، ضحاک اور قتادہ نے کہا(2): معنی یہ ہوگا یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بھیجے گئے کا قول ہے جو رسول، اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز ہے۔ یہاں کلام کو جبریل کی طرف مضاف کیا پھر اپنے اس ارشاد کے ساتھ اس کی نفی کر دی: تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿﴾ (الواقعہ) تاکہ اہل تحقیق کو معلوم ہو جائے کہ حقیقت میں کلام اللہ کا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ رسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے(3)۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 217 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 218 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 444

ذِيْ قُوَّةٍ جس نے رسول سے مراد جبریل امین لی ہے آپ کی قوت تو ظاہر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ان کی قوت کا عالم یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوط کی بستیوں کو پروں کے قوادم سے اکھاڑ دیا تھا۔

عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۙ﴿۲۰﴾ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ﴿۲۱﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے مرتبہ والے ہیں۔ حضرت ابو صالح سے مروی ہے کہ وہ ستر خیموں (دروازوں) میں بغیر اجازت داخل ہوتے ہیں ان کی آسمانوں میں اطاعت کی جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس کا معنی ہے فرشتے حضرت جبریل امین کی اطاعت کرتے ہیں جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معراج پر لے گئے تو حضرت جبریل امین نے رضوان فرشتہ جو جنت کے خازن تھے سے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے دروازہ کھول دو، اس نے دروازہ کھول دیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہوئے اور جنت میں جو نعمتیں تھیں انہیں دیکھا آپ نے جہنم کے داروغے سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے جہنم کا دروازہ کھول دو یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے دیکھ لیں۔ اس نے اس کی اطاعت کی اور دروازہ کھول دیا(1)۔

حضرت جبریل اس وحی کے بارے میں امین ہیں جس وحی کو لے کر وہ آتے ہیں۔ جس نے ان الفاظ کا مصداق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات کو بنایا ہے تو اس وقت ذِيْ قُوَّةٍ کا معنی ہے رسالت کی تبلیغ میں قوی ہیں۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بھی اطاعت کرتا ہے۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲۲﴾ یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجنون نہیں یہاں تک کہ ان کے قول میں تہمت لگائی جائی۔ یہ جواب قسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارادہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جبریل امین کو اس صورت میں دیکھیں جس صورت میں وہ اپنے رب کے پاس ہوتے ہیں۔ حضرت جبریل امین نے عرض کی: اس میں میرا اختیار نہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں اجازت دی۔ جبریل امین آپ کے پاس آئے جبکہ آفاق کو بھرا ہوا تھا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر غشی طاری ہوگئی۔ مشرکوں نے کہا: وہ تو مجنون ہے تو یہ آیات نازل ہوئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین کو ان کی صورت پر دیکھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سے ڈر گئے وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس طرح وارد ہوئے جس کا ان کے ارادہ میں احتمال تک نہ تھا تو آپ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ۙ﴿۲۵﴾ فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ؕ﴿۲۶﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۲۷﴾ لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ يَّسْتَقِيْمَ ؕ﴿۲۸﴾ وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۹﴾

''اور بلاشبہ اس نے اس قاصد کو دیکھا روشن کنارے پر۔ اور یہ نبی غیب بتانے میں ذرا بخیل نہیں۔ اور یہ (قرآن) کسی شیطان مردود کا قول نہیں، پھر تم (منہ اٹھائے) کدھر چلے جا رہے ہو۔ نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب اہل جہان کے لیے (لیکن ہدایت وہی پاتا ہے) جو تم میں سے سیدھی راہ چلنا چاہے۔ اور تم نہیں چاہ سکتے بجز اس

1۔ زاد المسیر، جلد 9، صفحہ 43

کے کہ اللہ چاہے جو رب العالمین ہے''۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ﴿۲۳﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا جن کے چھ سو پر ہیں یعنی مشرق کی جانب سورج کے ہونے کی جگہ۔ کیونکہ یہ افق جب سورج اس سے طلوع ہوتا ہے تو وہ افق روشن ہو جاتا ہے۔ یعنی اس جہت میں اشیاء کو دیکھا جا سکتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: افق مبین سے مراد آسمان کی اطراف ہیں (1)۔

شاعر نے کہا:

أَخَذْنَا بِآفَاقِ السَّماءِ عَلَيْكُمُ لَنَا قَمَرَاهَا وَالنُّجُومُ الطَّوَالِعُ

ہم نے تمہارے خلاف آسمان کی اطراف کو اپنی گرفت میں لے لیا ہمارے لیے اس کے دو چاند ہیں اور روشن ستارے۔

ماوردی نے کہا: اس تاویل کی بنا پر اس میں تین قول ہیں (۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین کو آسمان کے مشرقی افق میں دیکھا؛ یہ سفیان کا قول ہے (۲) آسمان کے مغربی افق میں دیکھا؛ یہ ابن شجرہ نے بیان کیا ہے (۳) اجیاد کی جانب دیکھا، یہ مکہ مکرمہ کا مشرق ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے (2)۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جبریل امین سے فرمایا: ''میں پسند کرتا ہوں کہ میں تجھے ایسی صورت میں دیکھوں جس میں تو آسمان میں ہوتا ہے''۔ حضرت جبریل امین نے کہا: آپ اس پر قدرت نہ رکھیں گے؟ فرمایا: ''کیوں نہیں''۔ عرض کی: آپ کہاں چاہتے ہیں کہ میں آپ کے لیے وہ صورت بناؤں؟ فرمایا: ''ابطح میں''۔ عرض کی: وہ تو مجھے احاطہ نہیں کر سکتی۔ فرمایا: ''منیٰ میں''۔ عرض کی: وہ میرے لیے کافی نہیں۔ فرمایا: ''عرفات میں''۔ عرض کی: وہ اس قابل ہے کہ مجھے احاطہ میں لے لے۔ حضرت جبریل امین نے ان سے وعدہ کر لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وقت مقررہ پر تشریف لے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ عرفات کے پہاڑوں سے جھنکار کے ساتھ آئے جبکہ انہوں نے مشرق و مغرب کو بھرا ہوا تھا ان کا سر آسمان میں تھا اور دونوں قدم زمین میں تھے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئے۔ حضرت جبریل امین نے سابقہ صورت اپنائی اور آپ کو سینے سے لگایا اور کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوف نہ کھایئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہوتا اگر آپ حضرت اسرافیل کو دیکھتے جبکہ ان کا سر تخت کے نیچے اور ان کے قدم ساتویں زمین تک پہنچے ہوئے ہوتے عرش ان کے کندھے پر ہوتا۔ بعض اوقات وہ اللہ کے خوف سے کمزور ہو جاتے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک چڑیا کی صورت میں ہوتے ہیں یہاں تک کہ تیرے رب کے عرش کو اس کی عظمت ہی اٹھائے ہوئے ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے افق مبین پر اپنے رب کو دیکھا؛ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے (3)۔ سورۃ النجم میں یہ بحث مکمل گزر چکی ہے۔ اسے وہاں سے غور سے پڑھ لے۔

الْمُبِيْنِ میں دو قول ہیں ان میں سے ایک افق کی صفت ہے؛ یہ ربیع کا قول ہے۔

دوسرا یہ ہے: یہ اس کی صفت ہے جس کو انہوں نے دیکھا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ ﴿۲۴﴾ ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی کی قراءت میں ظنین ہے یعنی ان پر کوئی تہمت نہیں۔ ظنہ کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 218 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 530 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 218

معنی تہمت ہے؛ شاعر نے کہا:

أما و كتاب اللهِ لا عن شناءةٍ　　هُجِرتُ ولكِنّ الظَنِينَ ظَنِينُ

خبردار کتاب اللہ کی قسم! مجھے کسی دشمن کی وجہ سے نہیں چھوڑا گیا مگر متہم متہم ہوتا ہے۔

ابو عبید نے اسے اختیار کیا ہے کیونکہ انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بخیل قرار نہیں دیا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا کیونکہ عربوں کا کلام یوں ہوتا ہے: ما هو بكذا۔ وہ ماھو علی کذا نہیں کہتے۔ وہ کہتے ہیں: ما أنت على هذا بمتهم۔ باقی قراء نے اسے بضنين پڑھا ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بخیل نہیں ہیں۔ یوں باب چلایا جاتا ہے ضننت بالشئ أضن ضنا فهو ضنين۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علم دیا گیا ہے اس میں تم پر بخل نہیں کرتے بلکہ وہ مخلوقات کو اللہ کا کلام اور اس کے احکام سکھاتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَجود بِمكنونِ الحديثِ وانّنِي　　بِسِرّك عمن سألنِي لضَنِينُ

میں سربستہ رازوں کے بارے میں سخاوت کرنے والا ہوں اور میں تیرے راز کے بارے میں بخل کرنے والا ہوں اس سے جو کوئی اس کے بارے میں مجھ سے سوال کرے۔

الْغَيْبِ سے مراد قرآن حکیم اور آسمان کی خبریں ہے پھر یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جبریل علیہ السلام کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بظنين کا معنی کمزور ہے؛ فراء اور مبرد نے یہ بیان کیا ہے یہ کہا جاتا ہے: رجل ظنين یعنی کمزور آدمی۔ بئر ظنون جب اس میں پانی کم ہو۔

ظنون سے مراد ایسا قرض ہے جس کے بارے میں پتہ نہ ہو کیا لینے والا ادا کرے گا یا نہیں؟ اسی معنی میں حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کی ایسے آدمی کے بارے میں گفتگو ہے جس کے دین ظنون تھے: اگر سچا ہے تو جب اپنے قرض پر قبضہ کرے گا تو گزشتہ عرصہ کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔ ظنون سے مراد ایسا آدمی ہے جس کے اخلاق برے ہوں۔ یہ مشترک لفظ ہے۔

وَمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۲۵﴾ یعنی قرآن ایسے آدمی کا قول نہیں جو ملعون ہو جس طرح قریش کا کہنا ہے۔ عطا نے کہا: اس سے مراد شیطان ابیض ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت جبریل کی صورت میں آتا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آزمائش میں ڈال دے۔

فَاَيْنَ تَذْهَبُوْنَ ﴿۲۶﴾ قتادہ نے کہا: اس سے مراد ہے (1) تم اس قول سے اور اس کی اطاعت سے کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟ معمر نے قتادہ سے یہی روایت کی ہے یعنی تم میری کتاب اور اطاعت سے کہاں بھاگے جا رہے ہو۔ زجاج نے کہا: جو راستہ میں نے تمہارے لیے واضح کیا ہے اس کو چھوڑ کر تم کون سے زیادہ واضح راستہ پر چلو گے (2)؟ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: این تذهب کا معنی ہے الی این تذهب فراء نے عربوں سے روایت نقل کی ہے: ذهبت شام، خرجت العراق، انطلقت السوق سب میں الی ھلمراد ہے کہا: ہم نے ان تین افعال میں سنا ہے۔ بنی عقیل میں سے ایک نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 219　　2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 530

وأیّ　الأرضِ　تذهبُ　بالصباحِ　　یعنی إلی أیّ الأرض تذهبُ بالصباحِ

یہاں الی محذوف ہے۔ جنید نے کہا: وہ اس آیت کو دوسری آیت سے ثابت کرتے ہیں۔

وَ اِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآىِٕنُهٗ (الحجر:21) اور نہیں کوئی چیز مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں (بھرے پڑے) کون سے راستے پر تم چلتے ہو جو اس راستہ سے زیادہ واضح ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے واضح کیا ہے؛ یہ زجاج کے قول کا معنی ہے۔

اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۷﴾ یعنی قرآن عالمین کے لیے نصیحت اور تنبیہ ہے اِنْ، ما کے معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: محمد صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نصیحت ہیں۔

لِمَنْ شَآءَ مِنْكُمْ اَنْ یَّسْتَقِیْمَ ﴿۲۸﴾ تم میں سے جو چاہے حق کی اتباع کرے اور قائم رہے۔ حضرت ابو ہریرہ اور سلیمان بن موسیٰ نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو جہل نے کہا معاملہ ہمارے سپرد ہے چاہیں تو استقامت کا مظاہرہ کریں چاہیں تو استقامت کا مظاہرہ نہ کریں۔ یہی قدر ہے اور ابو جہل قدریہ کا رئیس ہے تو یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ مَا تَشَآءُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۹﴾ اس امر کو واضح کیا بندہ کوئی بھلائی کا کام نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی ممکن ہوتا ہے اور کوئی برائی نہیں کرتا مگر اللہ تعالیٰ ہی اسے بے یار و مددگار چھوڑتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! عربوں نے اسلام نہ چاہا یہاں تک اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسے چاہا (1)۔ وہب بن منبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے انبیاء پر جو کتابیں نازل کی ہیں ان میں شامی کتب میں میں نے پڑھا: جس نے مشیئت کو اپنی طرف منسوب کیا اس نے کفر کیا۔ قرآن حکیم میں ہے: وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (الانعام:111) اور اگر ہم اتارتے ان کی طرف فرشتے اور باتیں کرتے لگتے ان سے مردے (قبروں سے اٹھ کر) اور ہم جمع کر دیتے ہر چیز کو ان کے روبرو تب بھی وہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ تعالیٰ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یونس:100) کسی نفس کو اختیار نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر ایمان لائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ (القصص:56) جسے ہدایت دینا آپ پسند کرتے ہیں آپ اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اللہ تعالیٰ ہدایت دیتا ہے جس کے حق میں چاہتا ہے۔ اس معنی میں یہ آیات کثیر ہیں اس طرح احادیث بھی بہت زیادہ ہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعے ہدایت دی اور کفر کے وسیلہ سے گمراہ کیا جس طرح پہلے کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 262

سورۃ الانفطار

آیاتہا ۱۹ ۔ ۸۲ سورۃ الانفطار مکیۃ ۸۲ ۔ رکوعہا ۱

تمام علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔اس کی انیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾ وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۙ﴿۴﴾ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ؕ﴿۵﴾

''جب آسمان پھٹ جائے گا اور جب ستارے بکھر جائیں گے اور جب سمندر بہنے لگیں گے اور جب قبریں زیرو زبر کر دی جائیں گی (اس وقت) جان لے گا ہر شخص جو (اعمال) اس نے آگے بھیجے تھے اور جو (اثرات) وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا''۔

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ﴿۱﴾ جب آسمان اللہ تعالیٰ کے حکم سے پھٹ جائے گا تاکہ فرشتے اتریں۔ یہ آیت اس آیت کی طرح ہے وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَآءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيْلًا ﴿۲۵﴾ (الفرقان) جس روز آسمان بادل کی صورت میں پھٹ جائے گا اور فرشتے نازل ہوں گے۔ایک قول یہ کیا گیا: وہ اللہ تعالیٰ کی ہیبت سے پھٹ جائے گا۔ فطر کا معنی پھاڑنا ہے یوں جملہ بولا جاتا ہے: فطرتُه فانفطر میں نے اسے پھاڑا تو وہ پھٹ گیا۔اس معنی میں فطر ناب البعیر ہے ھو بعیر فاطر۔ ایسا اونٹ جس کی ناب نکل آئی ہے تفطر الشیٔ شئی پھٹ گئی۔ سیف فطار جس میں پھٹنیں ہوں۔

عنترہ نے کہا:

وسیفی کالعقیقۃ وھو کمعی سلاحی لا أفلّ ولا فُطارا

میری تلوار چمکدار ہے وہ میری ساتھی ہے میرے اسلحہ میں نہ دندانے ہیں نہ پھٹنیں۔

یہ بحث پہلے کئی دفعہ گزر چکی ہے۔

وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ﴿۲﴾ ٹوٹ گریں گے یوں جملہ بولا جاتا ہے: نثرت الشیٔ انثرہ نثرا فانتثر میں نے اسے گرایا تو وہ گر گیا۔اس کا اسم نثار ہے نثارا سے کہتے ہیں جو کسی شئی سے گرے دُرٌ منثر کثرت کی وجہ سے اسے مشدد پڑھا۔

وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ﴿۳﴾ سمندروں کو ایک دوسرے کی طرف کھول دیا جائے گا تو وہ ایک سمندر بن جائے گا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ان کا پانی جاتا رہے گا اور وہ خشک ہو جائیں گے (1) اس کی وجہ یہ ہے پہلے وہ ایک جگہ کھڑا اور مجتمع ہوگا

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 263

جب انہیں کھولا جائے گا تو وہ بکھر جائے گا اور اس کا پانی ختم ہو جائے گا: یہ تمام امور قیامت سے پہلے ہوں گے۔

وَ اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ ۝ جب قبروں کو الٹ دیا جائے گا اور اس میں جو مردے ہیں انہیں زندہ کر کے نکالا جائے گا یہ جملہ بولا جاتا ہے: بعثرت المتاع میں نے سامان کو الٹ پلٹ کر دیا۔ بعثرت الحوض وبحثرتہ جب تو اسے گرا دے اور اس کے نیچے والا حصہ اوپر کر دے۔ ایک قوم نے کہا جن میں سے فراء بھی ہے: معنی ہے زمین میں جو سونا اور چاندی ہو گی اسے نکال دے گی یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ہے کہ زمین اپنا سونا اور چاندی باہر نکال دے گی (1)۔

عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَ اَخَّرَتْ ۝ اس روز انسان کو وہ کچھ بتایا جائے گا جو اس نے آگے بھیجا یا پیچھے چھوڑا۔ یہ اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۝ کا جواب ہے کیونکہ یہ حضرت بصری کے قول کے مطابق قسم ہے جو عَلِمَتْ نَفْسٌ پر واقع ہو رہی ہے یعنی جب قیامت کی نشانیوں میں سے یہ امور ظاہر ہوں گے تو ہر نفس نے جو کچھ کیا ہو گا اس کو جان لے گا کیونکہ اس کے بعد کا عمل اسے کوئی نفع نہیں دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہ اشیاء متحقق ہو جائیں گی تو قیامت برپا ہو جائے گی تو ہر نفس نے جو کچھ کیا ہو گا اس پر اس کا محاسبہ ہو گا اور اس کی کتاب اس کے دائیں یا بائیں ہاتھ میں دی جائے گی تو اس کے پڑھنے کے موقع پر اسے اپنے تمام اعمال یاد آ جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ خبر ہے قسم نہیں۔ یہی صحیح ہے۔ ان شاء الله تعالیٰ۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ۝ فِیْۤ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّیْنِ ۝

”اے انسان! کس چیز نے تجھے دھوکے میں رکھا اپنے رب کریم کے بارے میں جس نے تجھے پیدا کیا پھر تیرے (اعضاء کو) درست کیا پھر تیرے (عناصر کو) معتدل بنایا (الغرض) جس شکل میں چاہا تجھے ترکیب دے دیا۔ یہ سچ ہے بلکہ تم جھٹلاتے ہو روز جزا کو“۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ ۝ دوبارہ اٹھائے جانے کا جس نے انکار کیا انہیں خطاب فرمایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: انسان سے یہاں مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد ابی بن خلف ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ابو الاشد بن کلدہ کے حق میں نازل ہوئی (3)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ سے مراد ہے کس چیز نے تجھے دھوکے میں ڈالا یہاں تک کہ تو نے کفر کیا اس ذات کے ساتھ جو تجھ سے درگزر فرمانے والی ہے۔ قتادہ نے کہا: وہ شیطان جو انسان پر مسلط ہوتا ہے اس نے اسے دھوکے میں ڈالا (4)۔ حضرت حسن بصری نے کہا: خبیث شیطان نے اسے دھوکے میں ڈالا (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے بے وقوف اور جاہل بنا دیا (6)۔ حضرت حسن بصری نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہی روایت نقل کی ہے غالب حنفی نے روایت نقل کی ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو تلاوت کیا فرمایا: اسے جہالت نے دھوکے میں ڈالا۔ صالح بن مسمار نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 221
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 263
6۔ ایضاً

آیت کی تلاوت کی تو فرمایا: ''اس کی جہالت نے اسے دھوکے میں ڈالا''۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا ﴿ (الاحزاب) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کی معافی نے اسے دھوکے میں ڈالا کیونکہ پہلے جرم پر ہی اس سزا نہ دی (1)۔ ابراہیم بن اشعث نے کہا فضیل بن عیاض سے کہا گیا: اگر اللہ تعالیٰ تجھے قیامت کے روز اپنے سامنے کھڑا کرے اور تجھ سے فرمائے: تیرے کریم رب کے بارے میں تجھے کس نے دھوکہ میں ڈالا (2)؟ تو آپ کیا جواب دیں گے؟ جواب دیا: میں کہوں گا تیرے حجابات نے مجھے دھوکہ میں ڈالا کیونکہ یہی ستار ہے۔

ابن سماک نے اسے یوں نظم کیا ہے فرمایا:

یاکاتمَ الذنب أما تستحیی واللّٰهُ فی الخُلْوة ثانیكَ

غرّكَ من ربك إمهالُه وستْرُهُ طولَ مَساویكَ

اے گناہوں کو چھپانے والے! کیا تو حیا نہیں کرتا جبکہ خلوت میں اللہ تیرا ثانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل اور اس کی پردہ پوشی نے تجھے تیرے گناہوں کے بارے میں دھوکہ میں ڈالے رکھا۔

حضرت ذوالنون مصری نے کہا: پردہ کے نیچے کتنے ہی مغرور ہیں جبکہ انہیں شعور نہیں۔

حضرت علی شیر خدا کے بارے میں مروی ہے کہ آپ نے ایک غلام کو کئی بار بلایا اس نے کوئی جواب نہ دیا دیکھا تو وہ دروازے کے پاس کھڑا تھا پوچھا: کیا وجہ ہے تو نے مجھے جواب نہیں دیا؟ اس نے عرض کی: مجھے آپ کے حلم پر اعتماد تھا اور آپ کی سزا سے میں امن میں تھا۔ حضرت علی شیر خدا نے اس کے جواب کو پسند کیا اور اسے آزاد کر دیا۔ لوگ کہتے ہیں: اس کا معنی ہے کس چیز نے تجھے دھوکہ میں ڈالا یہاں تک کہ جو چیز تم پر واجب تھی اس کو بھی پس پشت ڈال دیا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: تم میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ تنہائی میں ملے گا اور پوچھے گا: اے ابن آدم! کس چیز نے تجھے میرے بارے میں دھوکہ میں ڈالا۔ اے ابن آدم! جو تجھے علم تھا اس کے بارے میں تو نے کیا عمل کیا؟ اے انسان! تو نے رسولوں کو کیا جواب دیا۔

الَّذِیْ خَلَقَكَ فَسَوّٰىكَ فَعَدَلَكَ ﴿ ایک نطفہ سے تیری خلقت کو مقدر کیا، تجھے تیری ماں کے پیٹ میں درست کیا، تیرے لیے دو ہاتھ، دو پاؤں، دو آنکھیں اور باقی اعضاء بنائے، تجھے معتدل اور مناسب ڈھانچے والا بنایا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: هذا شئ معدل یہ چیز موزوں ہے۔ یہی عام قراء کی قراءت ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: ابو عبید کہا کرتے تھے اس تعبیر پر اللہ تعالیٰ کا فرمان لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ﴿ (التین) دلالت کرتا ہے ہم نے انسان کو حسین پیکر میں بنایا۔ کوفہ کے قراء، عاصم، حمزہ اور کسائی نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی جس صورت میں چاہا اسے پھیر دیا خوبصورت، بدصورت، لمبا، چھوٹا۔ موسیٰ بن علی بن ابی رباح لخمی نے اپنے باپ سے وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب نطفہ رحم میں قرار پکڑ لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس نطفہ کے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جو جو نسب ہوتا ہے اسے حاضر کرتا ہے کیا تو نے اس آیت کو نہیں پڑھا فِیْۤ اَیِّ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 532
2۔ ایضا

صُوۡرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ ۝ ''یعنی تیرے اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان جو صورتیں تھیں ان میں سے جس صورت میں چاہا تجھے ترکیب دیا''(1)۔

عکرمہ اور ابو صالح نے کہا: اگر انسان کی صورت میں چاہا، اگر گدھے کی صورت میں چاہا، اگر بندر کی صورت میں چاہا اور اگر خنزیر کی صورت میں چاہا۔ مکحول نے کہا: اگر مذکر چاہا تو مذکر اگر مونث چاہا تو مونث۔

مجاہد نے کہا: باپ یا ماں یا چچا یا ماموں یا کسی اور میں سے جس صورت میں چاہا تجھے بنایا۔ فی حرف جار رَكَّبَكَ کے متعلق ہے عدلت کے متعلق نہیں یہ اس کی قراءت میں ہے جس نے اس میں تخفیف کے ساتھ قراءت کی کیونکہ تو کہتا ہے: عدلت الی کذا تو یہ نہیں کہتا: عدلت فی کذا اسی وجہ سے فراء نے تخفیف سے منع کیا ہے کیونکہ انہوں نے فی حرف جار کو عدلت کے متعلق کیا ہے۔ ما کے بارے میں جائز ہے کہ یہ تاکید کے لیے ہو کلام یوں ہو فی أی صورۃ شاء رکبک۔ یہ بھی جائز ہے کہ فاء شرطیہ ہو کلام یوں ہو گی ان شاء رکبک اگر چاہے تو تجھے انسان کی صورت کے علاوہ کسی اور صورت میں جیسے بندر، گدھے اور خنزیر کی صورت میں بنا دے۔ پس فاء شرط وجزا کے معنی میں ہو گا یعنی جس صورت میں ترکیب دینا چاہے گا ترکیب دے گا۔

كَلَّا بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِ ۝ یہ بھی جائز ہے کہ كَلَّا حق کے معنی میں ہو تو اس سے کلام کا آغاز ہو گا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ لا کے معنی میں ہو پھر معنی بنے گا معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ تم غیر اللہ کی عبادت میں حق پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الۡكَرِيۡمِ ۝ دلالت کرتا ہے؛ فراء بھی یہی کہتا ہے۔ معنی یہ ہو گا بات اس طرح نہیں جس طرح تجھے دھوکے میں رکھا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معاملہ اس طرح نہیں جس طرح تم کہتے ہو کہ دوبارہ اٹھانا نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جھڑکنے کے معنی میں ہے یعنی تم اللہ تعالیٰ کے حلم اور کرم سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی آیات میں تفکر چھوڑ دو۔

ابن انباری نے کہا: الدین اور رَكَّبَكَ پر وقف عمدہ ہے اور كَلَّا پر عطف قبیح ہے۔

بَلۡ تُكَذِّبُوۡنَ بِالدِّيۡنِ ۝ اے اہل مکہ تم حساب کو جھٹلاتے ہو بَلۡ ماقبل شی کی نفی اور دوسری چیز کو ثابت کرنے کے لیے ہوتی ہے ان کا دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار یہ تو معلوم تھا اگرچہ اس سورت میں اس کا ذکر نہیں ہوا۔

وَاِنَّ عَلَيۡكُمۡ لَحٰفِظِيۡنَ ۝ كِرَامًا كَاتِبِيۡنَ ۝ يَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝

'' حالانکہ تم پر (نگراں) فرشتے مقرر ہیں جو معزز ہیں (حرف بحرف) لکھنے والے ہیں جانتے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو''۔

یعنی فرشتوں میں نگہبان ہیں وہ بڑے معزز ہیں یہ اسی طرح ہے جس طرح یہ فرمایا: كِرَامٍۢ بَرَرَةٍ ۝ (عبس) معزز، نیک ہیں۔

یہاں تین مسائل ہیں:

1۔ کنز العمال، جلد 2، صفحہ 548-547، حدیث 4695

کراماً کاتبین کس حالت میں بندے سے جدا ہوتے ہیں

مسئلہ نمبر 1۔ رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے ''کراماً کاتبین کی عزت کیا کرو وہ دو حالتوں کے سوا تم سے الگ نہیں ہوتے (۱) قضائے حاجت (۲) حقوق زوجیت جب تم میں سے کوئی ایک غسل کرے تو وہ دیوار یا کسی چیز سے پردہ کرے یا اس کا بھائی اس کا پردہ کرے'' حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: فرشتہ بندہ سے رخ پھیرے رہتا ہے جب تک اس کی شرمگاہ ننگی ہو۔ روایت بیان کی گئی ہے: ''بندہ جب حمام میں بغیر چادر کے داخل ہوتا ہے تو دو فرشتے اس پر لعنت کرتے ہیں''۔

کیا کافروں پر بھی فرشتے مقرر ہیں؟

مسئلہ نمبر 2۔ علماء نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ کافروں پر بھی فرشتے ہوتے ہیں یا نہیں۔ بعض نے کہا: نہیں ہوتے کیونکہ ان کا امر ظاہر ہوتا ہے اور عمل بھی ایک ہی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ** (الرحمن) مجرموں کو ان کے چہروں سے پہچان لیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان پر حفظہ ہوں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **كَلَّا بَلْ تُكَذِّبُوْنَ بِالدِّيْنِ ۙ وَ اِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ ۙ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ ۙ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ** ایک اور جگہ فرمایا: وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِشِمَالِهٖ (حاقہ: 25) رہا وہ شخص جس کو نامہ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں دیا گیا۔ فرمایا: وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ (الانشقاق) رہا وہ شخص جس کو اس کا نامہ اعمال پشت کے پیچھے سے دیا گیا اس کی خبر دی کہ کفار کے لیے بھی کاتب ہوں گے اور ان پر نگہبان ہوں گے۔ اگر یہ سوال کیا جائے: جو فرشتہ اس کے دائیں کندھے پر ہے وہ کیا چیز لکھے گا جبکہ اس کی تو کوئی نیکی نہیں؟ اسے جواب دیا جائے گا: جو بائیں کندھے پر فرشتہ ہے وہ اپنے ساتھی کی اجازت سے لکھے گا پس وہ اس پر گواہ ہوگا اگر چہ وہ خود نہیں لکھے گا۔

فرشتے کو انسان کی نیکی اور برائی کے ارادے کا کیسے پتہ چلتا ہے؟

مسئلہ نمبر 3۔ سفیان سے پوچھا گیا: فرشتوں کو کیسے علم ہوتا ہے کہ بندے نے نیکی یا برائی کا ارادہ کیا ہے؟ کہا: جب بندہ نیکی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس سے کستوری کی خوشبو پاتے ہیں اور جب وہ کسی برائی کا ارادہ کرتا ہے تو وہ اس سے بدبو پاتے ہیں سورۂ ق میں **مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ** (ق) کے ضمن میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ علماء نے قضائے حاجت اور حقوق زوجیت کے وقت گفتگو کو مکروہ جانا ہے کیونکہ اس وقت فرشتے بندے سے الگ ہوتے ہیں اس بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے: تمہارے اعمال میں سے کوئی چیز ان پر مخفی نہیں ہوتی (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے ظاہر اعمال کو جانتے ہیں جو تمہارے دلوں کی باتیں ہیں انہیں نہیں جانتے۔ واللہ اعلم۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ۚ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ۚ يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 6، صفحہ 264

وَ مَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ ﴿16﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿17﴾ ثُمَّ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿18﴾ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْـًٔا ؕ وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿19﴾

"بے شک نیک لوگ عیش و آرام میں ہوں گے۔ اور یقیناً بدکار جہنم میں ہوں گے۔ داخل ہوں گے اس میں قیامت کے روز اور وہ اس سے غائب نہ ہو سکیں گے۔ اور آپ کو کیا علم کہ روز جزا کیا ہے، پھر آپ کو کیا علم کہ روز جزا کیا ہے۔ (یہ وہ دن ہوگا) جس روز کسی کے لیے کچھ کرنا کسی کے بس میں نہ ہوگا اور سارا حکم اس روز الله ہی کا ہوگا"۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍ ﴿13﴾ وَ اِنَّ الْفُجَّارَ لَفِيْ جَحِيْمٍ ﴿14﴾ یہ اسی طرح تقسیم ہے جس طرح یہ تقسیم ہے فَرِيْقٌ فِي الْجَنَّةِ وَ فَرِيْقٌ فِي السَّعِيْرِ ﴿7﴾ (الشوریٰ) ایک جماعت جنت میں ہوگی اور ایک جماعت جہنم میں ہوگی۔ اسی طرح اس ارشاد میں فرمایا: يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ﴿43﴾ (الروم) فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (البقرہ: 26)

يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ ﴿15﴾ انہیں جہنم کی لپک اور گرمی پہنچے گی يَوْمَ الدِّيْنِ سے مراد یوم جزا ہے اس کا ذکر مکرر کیا تا کہ اس کی عظمت شان کا اظہار ہو جس طرح اس ارشاد میں ہے: اَلْقَارِعَةُ ﴿1﴾ مَا الْقَارِعَةُ ﴿2﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ﴿3﴾ (قارعہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: قرآن حکیم نے جہاں بھی وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ کا ذکر ہے الله تعالیٰ نے ان امور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا اور قرآن حکیم میں جہاں بھی وما یدریك کے الفاظ ہیں تو وہ امور آپ سے مخفی رکھے گئے۔

يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ ابن کثیر اور ابو عمرو نے يَوْمَ کو مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ يَوْمُ الدِّيْنِ سے بدل ہے یا اسے پہلے یوم کی طرف لوٹا دیا گیا ہے تو اس صورت میں یہ يَوْمُ الدِّيْنِ کی صفت ہوگی۔ یہ بھی جائز ہے کہ ھو ضمیر کی وجہ سے مرفوع ہو (یعنی مبتدا اور خبر ہو) باقی قراء نے اسے منصوب پڑھا ہے کیونکہ یہ ہے تو رفع کے محل میں مگر نصب اس لیے دی گئی ہے کیونکہ یہ مبنی ہے اور مضاف ہے جس طرح تو کہتا ہے: اعجبنی یوم یقوم زید۔ مبرد نے کہا:

مِنْ أَيِّ يَوْمَيَّ مِنَ الموتِ أَفِرْ　　أَ يومَ لم يُقْدَرَ أَم يومَ قُدِرْ

میں موت کے کون سے دن سے بھاگوں کیا اس دن سے جو مقدر نہیں یا جو مقدر کیا گیا ہے۔

دوسرے دونوں یوم کے الفاظ پہلے دونوں یوم کے الفاظ سے بدل ہیں مگر لفظ میں منصوب اس لیے ہیں کیونکہ دونوں جملہ کی طرف مضاف ہیں؛ یہ فراء اور زجاج کا پسندیدہ مسلک ہے۔ ایک قوم نے کہا: دوسرا یوم منسوب ہے گویا یہ فرمایا: فی یوم لا تملك نفس لنفس شیا۔ ایک قوم نے یہ کہا ہے کہ ان کا معنی یہ ہے ان ھذہ الاشیاء تکون یوم یا اس کا یہ معنی ہے یدانون یوم کیونکہ لفظ دین اس پر دلالت کرتا ہے۔ اذ کہ کی وجہ سے منصوب ہے

وَ الْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ﴿19﴾ اس میں کوئی الله تعالیٰ سے جھگڑا نہیں کرے گا جس طرح یہ فرمایا: لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ؕ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿16﴾ (غافر) آج کس کی بادشاہت ہے الله واحد وقہار کی۔ اَلْيَوْمَ تُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ؕ لَا ظُلْمَ الْيَوْمَ (غافر: 17) آج ہر نفس کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا آج کوئی ظلم نہیں ہوگا۔

سورۃ المطففین

آیاتھا ۳۶ ۸۳ سورۃ المطففین مکیۃ ۸۶ رکوعھا ۱

حضرت ابن مسعود، ضحاک اور مقاتل کے قول کے مطابق یہ مکی ہے (1) اور حضرت حسن بصری اور عکرمہ کے قول کے مطابق مدنی ہے۔ اس کی چھتیس آیات ہیں۔

مقاتل نے کہا: یہ پہلی سورت ہے جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: آٹھ آیات کے علاوہ یہ مدنی ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا سے آخر تک آیات مکی ہیں۔ کلبی اور حضرت جابر بن زید نے کہا: یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَیْلٌ لِّلْمُطَفِّفِیْنَ ۙ۝۱ الَّذِیْنَ اِذَا اکْتَالُوْا عَلَی النَّاسِ یَسْتَوْفُوْنَ ۝۲ۖ وَ اِذَا کَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ یُخْسِرُوْنَ ۝۳

”بربادی ہے ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے، جب وہ لوگوں سے ناپ تول کرتے ہیں تو پورا پورا لیتے ہیں، اور جب لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو (ان کو) نقصان پہنچاتے ہیں“۔

اس میں چار مسائل ہیں:

آیت کا شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ امام نسائی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ آئے تو وہ بہت ہی برا کیل کرنے والے لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا تو انہوں نے اپنے کیل کو اچھا کر لیا (2)۔ فراء نے کہا: وہ آج تک سب سے اچھا کیل کرنے والے تھے (3)۔ حضرت ابن عباس سے بھی اسی طرح مروی ہے کہا: یہ وہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ پہنچے۔ یہ انہیں کے بارے میں حکم ہے جب وہ خریدتے تو راجح کیل کے ساتھ لیتے جب وہ بیچتے تو کیل اور وزن میں کمی کرتے جب یہ سورت نازل ہوئی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 225

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 534۔ سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب التوقی فی الکیل والوزن، حدیث نمبر 2213، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 225

تو وہ رک گئے۔ وہ آج تک تمام لوگوں سے اچھے کیل کرنے والے ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا: یہ ایک آدمی کے بارے میں آیات نازل ہوئیں جو ابوجہینہ کے نام سے معروف تھا(1) اس کا نام عمرو تھا اس کے دو صاع تھے وہ ایک صاع سے لیتا اور دوسرے صاع سے دیتا؛ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔

ویل سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 2۔ وَيْلٌ یعنی آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ جہنم میں ایک وادی ہے جس میں جہنمیوں کی پیپ بہے گی یعنی وہ لوگ جو اپنے کیل اور وزن میں کمی کرتے ہیں ان کے لیے یہ عذاب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مطفف سے مراد وہ شخص ہے جو ایسا آدمی اجرت پر لاتا ہے جس کے بارے میں اسے علم ہے کہ وہ کیل میں ظلم کرے گا تو اس مزدور کا گناہ بھی اس پر ہوگا۔ دوسرے علماء نے کہا: تطفیف، کیل، وزن، وضو، نماز اور حدیث میں ہوتی ہے۔ موطا میں امام مالک نے ارشاد فرمایا: ہر شئی میں وفا اور تطفیف ہے۔ سالم بن ابی جعد سے مروی ہے کہ نماز کا بھی معیار ہے جو اس کے حقوق پورے کرے(2) وہ اس کے حق میں ہے اور جس نے کمی کی تو تم جان لو جو اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ارشاد فرمایا: وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝۔

مطفف کی تشریح

مسئلہ نمبر 3۔ اہل لغت نے کہا: مطفف، طفیف سے ماخوذ ہے جس کا معنی قلیل ہے۔ مطفف اسے کہتے ہیں جو حق دار کے حق میں کیل اور وزن کے ذریعے کمی کرے۔ زجاج نے کہا: یہ کام کرنے والے کو مطفف کہتے ہیں کیونکہ وہ اس پیمانہ اور ترازو کے ساتھ تھوڑی سی چیز ہی چوری کرتا ہے۔ یہ طف الشئی سے ماخوذ ہے جو اس شئی کی جانب ہوتی ہے۔ یہ لفظ بولا جاتا ہے: طِفاف المكوك، طَفاف المكوك جو اس کے کناروں کو بھر دے اس طرح لفظ بولا جاتا ہے: طف المكوك و طففه۔ حدیث طیبہ میں ہے كلكم بنو آدم طف الصاع لم تملؤه۔ معنی یہ ہے تم ایک دوسرے کے قریب ہو تمہیں ایک دوسرے پر تقویٰ کے بغیر کوئی فضیلت نہیں۔ طفاف اور طفافہ سے مراد ہے جو پیمانہ سے بڑھ کر ہو۔ اناء طفاف جب اس کا بھرنا کنارے تک پہنچ جائے تو اس سے یہ فعل ماخوذ کرتا ہے أطففت۔ تطفیف سے مراد ہے پیمانہ میں کمی کرنا وہ یہ کہ کناروں تک نہ بھرا جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ادهقت الكأس الى اصبارها یعنی میں نے کنارے تک پیالے کو بھر دیا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گھڑ دوڑ کا ذکر کیا: میں اس روز شاہسوار تھا میں لوگوں پر سبقت لے گیا یہاں تک طفف بى الفرس مسجد بنى زريق میرا گھوڑا مسجد بنی زریق کے برابر ہوا چاہتا تھا۔

مطفف کی اصل حقیقت کیا ہے؟

مسئلہ نمبر 4۔ مطفف اسے کہتے جو کیل اور وزن میں کمی کرتا ہے جس طرح ہم نے بیان کیا ہے وہ پورا پورا حق نہیں

1۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 449 2۔ ایضاً

دیتا۔ ابن قاسم نے ابن مالک سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ کی قراءت کی فرمایا: نہ ناپ تول میں کمی کرو نہ ہی ملاوٹ کرو بلکہ پلڑے کو چھوڑ دو اور اس پر کوئی چیز بہاؤ یہاں تک کہ جب وہ پورا ہو جائے تو اپنے ہاتھ کو کھلا چھوڑ دو اور اسے نہ روکو۔ عبد الملک بن ماجشون نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کناروں پر ہاتھ مارنے سے منع کیا اور فرمایا: ''برکت تو اس کی چوٹی میں ہے'' کہا مجھے خبر پہنچی ہے کہ فرعون کا پیمانہ لوہے کا تھا۔

الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ فراء نے کہا: یہاں عَلَى، من کے معنی میں ہے(1) یہ جملہ بولا جاتا ہے: اكتلت منك یعنی میں نے تجھ سے پورا پورا حق لے لیا، یہ جملہ بولا جاتا ہے: اكتلت ما عليك جو حق تجھ پر لازم تھا میں نے وہ پورا پورا لے لیا ہے۔ زجاج نے کہا: جب وہ لوگوں سے کیل کرتے ہیں تو ان کے خلاف کیل پورا لیتے ہیں (2)۔ معنی یہ ہوگا جب حق لیتے ہیں تو زیادتی سے لیتے ہیں۔ جب دوسروں کو دیں یا ان کے لیے وزن کریں تو اس میں کمی کرتے ہیں جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہ لوگوں کے لیے پسند نہیں کرتے۔ طبری نے کہا: یہاں علی، عند کے معنی میں ہے۔

وَاِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝

اس میں دو مسئلے ہیں:

کیل اور وزن سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ یعنی جب دوسروں کے لیے کیل اور وزن کرتے ہیں تو یہاں سے لام حذف کر دیا گیا ہے فعل براہ راست مفعول کی طرف متعدی ہے اور اس نے اسے نصب دی ہے اس کی مثل نصحتك اور نصحت لك ہے۔ أمرتك به اور أمرتكه ہے؛ یہ اخفش اور فراء نے بات کہی۔ فراء نے کہا: میں نے ایک بدوی عورت کو یہ کہتے ہوئے سنا جب لوگ واپس لوٹ جائیں گے تو ہم تاجر کے پاس آئیں گے جو آنے والے موسم حج تک ایک مد، دو مد کیل کر کے دے دے گا۔ یہ اہل حجاز اور ان کے مجاور بنو قیس کی لغت ہے۔

زجاج نے کہا: کالوا اور وزنوا پر وقف کرنا جائز نہیں یہاں تک کہ اس کے ساتھ ھم ضمیر ملی ہو۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس ضمیر کو تاکید بناتے ہیں اور کالوا اور وزنوا پر وقف کرتے ہیں۔ پہلا نقطہ نظر پسندیدہ ہے کیونکہ فعل اور ضمیر مل کر ایک حرف ہے؛ یہ کسائی کا قول ہے۔ ابو عبید نے کہا: عیسیٰ بن عمر نے انہیں دو حرف قرار دیا اور کالوا اور وزنوا پر وقف کرتا اور ھم یخسرون سے نئی کلام شروع کرتا (3)۔ میرا خیال ہے حمزہ کی قراءت بھی اسی طرح ہے۔ ابو عبید نے کہا: پسندیدہ بات یہ ہے کہ دونوں ایک کلمہ ہوں (4) اس کی دو وجہیں ہیں (۱) خط، اس کی وجہ یہ ہے کہ علماء نے اسے الف کے بغیر لکھا ہے اگر یہ دونوں الگ الگ کلمے ہوتے تو کالوا اور وزنوا الف کے ساتھ لکھے جاتے (۲) یہ جملہ کہا جاتا ہے: كلتك، وزنتك یہ كلت لك اور وزنت لك کے معنی میں ہے یہ عربی کلام ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: صدتك و صدت لك میں نے تیرے لیے شکار کیا۔ كسبتك،

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 226
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 535
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 226
4۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 535

کسبت لك میں نے تیرے لیے کسب کیا۔ اسی طرح شکرتك اور نصحتك ہے اسی طرح کی دوسری مثالیں ہیں۔

یُخْسِرُوْنَ کا معنی ہے وہ کمی کرتے ہیں عرب کہتے ہیں: أخسرتُ المیزان، خسرتُه میں نے اس میں کمی۔ عام قرأت کے مطابق **ھم** ضمیر منصوب ہے اور الناس کی طرف لوٹ رہی ہیں تقدیر کلام یہ ہوگی واذا کالوا الناس أو وزنوھم یخسرون اس میں دو وجہیں ہیں (۱) یہ ارادہ کیا جائے کالوا لھم او وزنوا لھم حرف جار کو حذف کیا گیا اور فعل کو مفعول کے ساتھ ملا دیا جس طرح کہا: ولقد جنیتك اکموا وعساقلا اس سے مراد جنیت لك ہے (۲) مضاف کو حذف مانا جائے اور مضاف الیہ کو مضاف کے قائم مقام رکھا جائے مضاف، مکیل اور موزون ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اے عجمیو! تم دو امور کے ذمہ دار بنے ہو ان دونوں کی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہوئے جو تم سے پہلے تھے کیل اور وزن۔ عجمیوں کو خاص کیا کیونکہ یہ کیل اور وزن دونوں کو جمع کرتے ہیں دونوں حرموں میں یہ الگ الگ ہیں اہل مکہ وزن کیا کرتے تھے اور اہل مدینہ کیل کیا کرتے تھے۔ دوسری قراءت میں **ھم** ضمیر مبتدا ہونے کی حیثیت سے مرفوع ہے جب وہ لوگوں کے لیے کیل اور وزن کرتے ہیں تو وہ کمی کرتے ہیں یہ تعبیر صحیح نہیں کیونکہ پہلی ضمیر تو لغو ہو جاتی ہے یہ تعبیر اس وقت درست ہوگی اگر اس کے بعد یہ کلام ہوتی واذا کالوھم ینقصون أو وزنوا ھم یخسرون۔

کیل و وزن میں کمی کی سزا

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''پانچ سزائیں پانچ اعمال کے بدلے میں ہیں، کوئی قوم بدعہدی کا ارتکاب نہیں کرتی مگر اللہ تعالیٰ ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر فیصلہ نہیں کرتے مگر ان میں فقر عام ہو جاتا ہے، ان میں بے حیائی عام نہیں ہوتی مگر ان میں طاعون پھیل جاتا ہے، وہ کیل میں کمی نہیں کرتے مگر ان سے نباتات کو روک لیا جاتا ہے اور قحط سالی سے انہیں پکڑ لیا جاتا ہے، وہ زکوٰۃ کو نہیں روکتے مگر اللہ تعالیٰ ان سے بارش کو روک لیتا ہے''۔ اسے ابوبکر بزار اور حضرت مالک بن انس نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے ہم نے اس کا ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔ مالک بن دینار نے کہا: میں اپنے پڑوسی کے پاس گیا جس کی موت کا وقت قریب تھا وہ کہنے لگا: آگ کے دو پہاڑ، آگ کے دو پہاڑ۔ میں نے کہا: تو کیا کہتا ہے؟ کیا تو ہذیان کہتا ہے؟ اس نے کہا: اے ابو یحییٰ میرے پاس دو پیمانے تھے میں ایک کے ساتھ دیتا اور دوسرے سے لیا کرتا تھا میں اٹھا یہاں تک کہ میں ایک کو دوسرے کے ساتھ مارنے لگا یہاں تک کہ میں نے دونوں کو توڑ دیا اس نے کہا: اے ابو یحییٰ! جب تو نے ایک کو دوسرے سے مارا تو وہ اور بڑھتا گیا وہ اسی تکلیف کی وجہ سے مر گیا۔

عکرمہ نے کہا: میں کیل اور وزن کرنے والے کے بارے میں گواہی دیتا ہوں کہ وہ جہنم میں ہوگا۔ اصمعی نے کہا: میں نے ایک بدو عورت سے سنا وہ کہہ رہی تھی تو اس سے مروت کو تلاش کر جس کی مروت مکیال کے سروں میں ہو اور اس سے مروت کو تلاش نہ کر جس کی مروت ترازو کی زبان میں ہو؛ یہی حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ عبد خیر نے کہا: حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ ایک آدمی کے پاس سے گزرے جبکہ وہ زعفران کا وزن کر رہا تھا اور ان کو تول رہا تھا تو حضرت علی شیر خدا نے اس کے

ترازو کو الٹ دیا پھر فرمایا: انصاف سے وزن کرو پھر اس کے بعد جو چاہو زائد دے دو۔ گویا پہلے اسے برابری کا حکم دیا تاکہ اس کا عادی ہو جائے اور واجب کو نفل سے الگ کرے۔ نافع نے کہا: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما تاجر کے پاس سے گزرتے فرماتے: اللہ سے ڈرو اور ناپ تول پورا کرو بے شک ناپ تول میں کمی کرنے والے کھڑے ہوں گے یہاں تک کہ پسینہ ان کے کانوں کے نصف تک پہنچ رہا ہوگا۔ یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ آئے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیبر جا چکے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سباع بن عرفہ کو مدینہ طیبہ پر نائب بنایا ہوا تھا حضرت ابو ہریرہ نے کہا: ہم نے ان کو صبح کی نماز میں پایا انہوں نے پہلی رکعت میں کٓھٰیٰعٓصٓ اور دوسری رکعت میں وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ کو پڑھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں اپنی نماز میں کہتا ہوں ابو فلاں کے لیے ہلاکت ہو اس کے دو پیمانے تھے جب کسی سے کوئی چیز لیتا تو پوری لیتا اور جب کسی کو کیل کر کے دیتا تو ناقص کے ساتھ دیتا۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

”کیا وہ (اتنا) خیال بھی نہیں کرتے کہ انہیں قبروں سے اٹھایا جائے گا ایک بڑے دن کے لیے جس دن لوگ (جواب دہی کے لیے) کھڑے ہوں گے پروردگار عالم کے سامنے“۔

اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ وہ ناپ تول میں کمی کرنے پر جس جرأت کا مظاہرہ کرتے ہیں ان پر تعجب اور انکار کا ذکر ہے گویا وہ سوچتے تک نہیں اور نہ ہی گمان کرتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں اس کے بارے میں ان سے پوچھا جائے گا۔ یہاں ظن یقین کے معنی میں ہے یعنی کیا انہیں یقین نہیں اگر انہیں دوبارہ اٹھنے کا یقین ہوتا تو وہ کیل اور وزن میں کمی نہ کرتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ظن تردد کے معنی میں ہے یعنی اگر وہ یقین نہیں رکھتے تو انہوں نے گمان کیوں نہ کیا یہاں تک کہ وہ تدبر کرتے اور زیادہ محتاط چیز کو اپناتے۔

لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ اس کی شان عظیم ہے اس سے مراد یوم قیامت ہے۔

يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اس کے بارے میں چار مسائل ہیں:

یوم کی اعرابی حیثیت

مسئلہ نمبر 1۔ یوم میں عامل فعل مضمر ہے جس پر مَّبْعُوْثُوْنَ فعل دلالت کرتا ہے معنی ہے انہیں اٹھایا جائے گا جس روز لوگ رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔ یہ بھی جائز ہے کہ يَّوْمَ، لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ سے بدل ہو یہ مبنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ محل جر میں ہے کیونکہ اسے غیر منصرف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ظرف کی حیثیت سے منصوب ہے یہ جملہ کہا جاتا ہے: اقم الی یوم یخرج فلاں یہ یوم کو نصب دے گا اگر اسم کی طرف مضاف کریں تو اسی وقت اسے جر دیتے ہیں وہ کہتے ہیں: اقم الی یوم خروج فلان۔ ایک قول یہ کیا گیا

ہے: کلام میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یہ ہے انهم مبعوثون یوم یقوم الناس لرب العالمین لیوم عظیم۔

ناپ و تول میں کمی گناہ کبیرہ ہے

مسئلہ نمبر 2۔ عبدالملک بن مروان کے بارے میں مروی ہے کہ ایک بدو نے اسے کہا: مطففین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے تو نے اس کے بارے میں سن لیا ہے اس نے یہ ارادہ کیا تھا کہ مطففین کے بارے میں یہ سخت وعید متوجہ ہوئی جس کے بارے میں تو نے سن لیا ہے تیرا اپنے بارے میں کیا خیال ہے جبکہ تو مسلمانوں کے اموال بغیر کیل اور وزن کے لے لیتا ہے؟ اس انکار، تعجب، کلمہ ظن، یوم کی عظیم صفت ذکر کرنا یا لوگوں کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے اس دن عاجزی کے ساتھ کھڑے ہونا اور اللہ تعالیٰ کی صفت رب العالمین ذکر کرنے میں اس گناہ کی عظمت کے بیان میں بلیغ بیان ہے اور ناپ تول میں کمی کرنے کے بڑے گناہ ہونے کا بیان ہے۔ اس طرح جس میں اس قسم کا ظلم ہو، انصاف کو ترک کیا جائے، عدل و انصاف نہ کیا جائے خواہ یہ صورت لینے میں ہو یا دینے میں ہو بلکہ ہر قول و عمل کی یہی صورت ہوگی۔

ناپ و تول میں کمی کرنے والے کی سزا

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے ان تین آیات کو پڑھا تو رونے لگے یہاں تک گر پڑے اور مابعد کی قراءت کرنے سے رک گئے پھر کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اس روز لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے ایسے دن میں جس کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کا پسینہ ان کے گھٹنوں تک پہنچے گا، ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کے کولہوں تک پسینہ پہنچے گا، ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کے سینہ تک پسینہ پہنچے گا، ان میں سے کچھ ایسے ہوں گے جن کے کانوں تک پسینہ پہنچے گا یہاں تک کہ ان میں سے ایک اس میں یوں غائب ہو جائے گا جس طرح مینڈک پانی میں غائب ہو جاتا ہے''۔ کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے: وہ تین سو سال تک اس میں کھڑے رہیں گے۔ کہا: مومنوں کے لیے ایک فرض نماز کے برابر آسان ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: لوگ اس روز رب العالمین کے حضور کھڑے ہوں گے یہاں تک ان میں سے کوئی پسینہ میں کھڑا ہوگا جو اس کے کانوں کے نصف تک پہنچے گا(1)۔ ان سے ایک روایت یہ مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''وہ سو سال تک کھڑا رہے گا'' حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بشیر غفاری سے فرمایا: ''تو اس دن کیا کرے گا جس میں لوگ رب العالمین کے لیے تین سو سال تک کھڑے رہیں گے نہ ان کے پاس کوئی خبر آئے گی اور نہ ہی کوئی حکم دیا جائے گا''(2)۔ حضرت بشیر نے عرض کی: اللہ تعالیٰ کی ذات ایسی ہے جس سے مدد طلب کی جائے۔

میں کہتا ہوں: ہم نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو ایک مرفوع حدیث ذکر کی ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی کہ مومن کے معاملہ میں تخفیف کی جائے گی یہاں تک کہ وہ وقت اس فرض نماز سے بھی خفیف ہوگا جو وہ دنیا میں نماز پڑھتا

1۔ صحیح مسلم، کتاب الجنۃ و صفۃ نعیمھا، صفۃ یوم القیامۃ، جلد 2، صفحہ 384 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 226

تھا۔ یہ حدیث سأل سائل میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مومنوں کے اوپر ان کی فرض نماز سے بھی آسان ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ مقام مومن پر سورج کے ڈھلنے جیسا ہوگا، اس پر دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ (یونس) خبردار بے شک اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ پھر ان کی صفت اس طرح بیان کی: اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا یَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ (یونس) جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم اور سخاوت سے ہمیں ان میں سے شامل کر دے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَلنَّاسُ سے مراد حضرت جبریل امین ہیں جو رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے(1)۔ یہ قول حقیقت سے بہت ہی دور ہے کیونکہ ہم نے اس بارے میں روایات ذکر کی ہیں جو صحیح ہیں۔ تیرے لیے وہ احادیث کافی ہیں جو صحیح مسلم، صحیح بخاری اور ترمذی میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''لوگ رب العالمین کے لیے کھڑے ہوں گے ان میں سے کوئی ایسا ہوگا جس کا پسینہ اس کے نصف کانوں تک پہنچے گا'' (☆)۔ پھر کہا گیا: یہ قیام وہ ہے جس روز لوگ اپنی قبروں سے اٹھیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ آخرت میں کھڑے ہوں گے بندوں کے ان حقوق کو ادا کرنے کے لیے جو دنیا میں ان کے ذمہ لازم تھے(2)۔ یزید رشک نے کہا: وہ فیصلہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور کھڑے ہوں گے(3)۔

لوگوں کے کھڑا ہونے کی شرعی حیثیت

مسئلہ نمبر 4۔ رب العالمین کے لیے قیام تو اس کی عظمت اور حق کے مقابلہ میں کوئی وقعت نہیں رکھتا جہاں تک لوگوں کا ایک دوسرے کے لیے کھڑے ہونے کا تعلق ہے تو اس میں علماء کا اختلاف ہے کچھ نے تو اس کو جائز قرار دیا ہے اور کچھ نے اس سے منع کیا ہے یہ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے لیے اٹھے تھے اور ان سے معانقہ کیا تھا۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت کعب بن مالک کے لیے اس روز اٹھے تھے جس روز ان کی توبہ قبول ہوئی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار سے فرمایا تھا جب حضرت سعد بن معاذ انصار کے سامنے آئے تھے: ''اپنے سردار کے لیے اٹھو''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ''جسے یہ بات خوش کرے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوں تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے'' (4)۔

یہ آدمی کی حالت اور نیت کی طرف لوٹتا ہے اگر وہ انتظار کرے اور اپنے لیے قیام کا اعتقاد رکھے تو یہ ممنوع ہے۔ اگر یہ خوشی کے اظہار اور صلہ رحمی کے لیے ہے تو یہ جائز ہے اور اسباب کے ساتھ خاص ہے جس طرح سفر سے آنا۔

سورۂ یوسف کے آخر میں کچھ بحث گزر چکی ہے۔

كَلَّاۤ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِیْ سِجِّیْنٍ ﴿۷﴾ وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ﴿۸﴾ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ﴿۹﴾

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 227 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 226

4۔ جامع ترمذی، کتاب الادب، ما جاء فی کراھیۃ قیام الرجل للرجل، جلد 2، صفحہ 100

☆۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ ویل للمطففین، حدیث نمبر 3259، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُكَذِّبُوْنَ بِيَوْمِ الدِّيْنِ ۝ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖٓ اِلَّا كُلُّ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝

''یہ حق ہے کہ بدکاروں کا نامہ عمل سجین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ سجین کیا ہے۔ یہ ایک کتاب ہے لکھی ہوئی۔ تباہی ہوگی اس روز جھٹلانے والوں کے لیے جو جھٹلاتے ہیں روز جزا کو۔ اور نہیں جھٹلایا کرتا مگر وہی جو حد سے گزرنے والا گناہ گار ہے، جب پڑھی جاتی ہیں اس کے سامنے ہماری آیتیں تو کہتا ہے کہ یہ تو پہلے لوگوں کے افسانے ہیں''۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ لَفِيْ سِجِّيْنٍ ۝ لغت عرب کے علماء کی ایک جماعت نے کہا: كَلَّآ جھڑکنا اور تنبیہ ہے اس طرز عمل پر جو وہ کیل اور وزن میں جو وہ طرز عمل اپنائے ہوئے ہیں اور آخرت کی جو تکذیب کرتے ہیں یہ کوئی قابل قدر بات نہیں انہیں یہ عمل چھوڑ دینا چاہیے۔ كَلَّآ یہ ردع اور زجر کا کلمہ ہے پھر نئی کلام شرع کی فرمایا: اِنَّ كِتٰبَ الْفُجَّارِ۔

حضرت حسن بصری نے کہا: كَلَّآ کا معنی حق ہے (1)۔ کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ كَلَّآ کا معنی ہے کیا تم تصدیق نہیں کرتے اس صورت میں لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ پر وقف ہوگا۔ مقاتل کی تفسیر میں ہے: ان اعمال الفجار۔ کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ فجار کی روحیں اور اعمال سِجِّيْنٍ میں ہیں۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ سِجِّيْنٍ ساتویں زمین کے نیچے ایک چٹان ہے اسے الٹا جاتا ہے اور تاجروں کی کتاب اس کے نیچے رکھی جاتی ہے (2)؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس، قتادہ، سعید بن جبیر، مقاتل اور کعب سے مروی ہے۔ کعب نے کہا: اس کے نیچے کفار کی روحیں ہیں جو ابلیس کے رخسار کے نیچے ہیں (3)۔ کعب سے یہ بھی مروی ہے: سجین سیاہ چٹان ہے جو ساتویں آسمان کے نیچے ہے اس میں ہر شیطان کا نام لکھا ہوا ہے تو کفار کے نفوس وہاں پائے گا۔ سعید بن جبیر نے کہا: سجین ابلیس کے رخسار کے نیچے ہے (4)۔ یحییٰ بن سلام نے کہا: یہ زمین کے نیچے سیاہ پتھر ہے جس میں کفار کی روحوں کے نام لکھے جاتے ہیں (5)۔ عطا خراسانی نے کہا: یہ سب سے نچلی ساتویں زمین ہے اس میں ابلیس اور اس کی ذریت ہے (6)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ کافر کے پاس موت حاضر ہوتی ہے اور اللہ کے فرشتے بھی حاضر ہوتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے اس کافر سے بغض سے اور ان کے اس کافر کے بغض کی وجہ سے یہ طاقت نہیں رکھتے کہ وہ اس کی موت کو مؤخر کریں یا اس کی موت کو جلدی لائیں یہاں تک کہ اس کی گھڑی آجائے۔ جب اس کی گھڑی آجاتی ہے تو اس کی روح کو قبض کر لیتے ہیں اور اسے عذاب کے فرشتوں کی طرف بلند کرتے ہیں وہ فرشتے اسے وہ کچھ دکھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ فرشتے اسے بری جزا دکھائیں پھر اسے ساتویں زمین کی طرف نیچے لے جاتے ہیں یہی سجین ہے یہی ابلیس کی ہلاکت کی انتہا ہے وہ اس میں اس کی کتاب کو ثبت کر دیتے ہیں۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 265	2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 228	3۔ ایضاً
4۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 451	5۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 228	6۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 536

کعب الاحبار سے اس آیت کی تفسیر میں ایک روایت مروی ہے کہ جب فاجر کی روح قبض کی جاتی ہے اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے آسمان اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتے ہیں پھر اسے زمین کی طرف اتارا جاتا ہے تو زمین اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیتی ہے تو اسے ساتویں زمین میں داخل کر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ اسے سجین تک پہنچا دیا جاتا ہے یہی ابلیس کا رخسار ہے، اس کے لیے سجین سے شیطان کے رخسار کے نیچے سے ایک کاغذ نکالا جاتا ہے اس پر کوئی چیز لکھی جاتی ہے اور ابلیس کے رخسار کے نیچے رکھ دیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: سجین ساتویں زمین میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ضرب المثل ہے اور اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رد کر دیتا ہے جن کے بارے میں ان کا گمان تھا کہ وہ انہیں نفع دیں گے۔ مجاہد نے کہا: معنی یہ ہے ان کا عمل جو ساتویں زمین کے نیچے ہے اس میں سے کوئی چیز اوپر نہ آئے گی۔ کہا: سجین ساتویں زمین میں ایک چٹان ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ”سجین جہنم میں ایک گڑھا (کنواں) ہے جو کھلا ہوا ہے“ (1) سورۂ فلق میں فرمایا: یہ ایک ایسا گڑھا ہے جو اوپر سے ڈھانپ دیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: یہ سب سے نچلی زمین میں ایک گڑھا ہے (2)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”سجین ساتویں زمین کا نچلا حصہ ہے“۔ عکرمہ نے کہا: سجین نقصان اور گمراہی ہے جس طرح جس کی قدر و منزلت ختم ہو جائے (3) تو کہتے ہیں: قد زلق بالحضیض۔ ابو عبیدہ، اخفش اور زجاج نے کہا: لَفِیْ سِجِّیْنٍ کا معنی ہے قید میں اور سخت تنگی میں یہ فعیل کا وزن ہے اور سجن سے مشتق ہے جس طرح فسیق اور شریب کہتے ہیں۔

معنی یہ ہوگا ان کی کتاب قید میں ہے۔ اسے ان کی منزل کی خساست پر دلیل بنایا گیا ہے یا اس لیے کہ اسے اعراض اور دور کرنے کے محل سے زجر اور زلت کے محل پر جا اترتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اصل میں سجیل تھا اس کا لام، نون سے بدل دیا گیا ہے یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: سجین ساتویں زمین میں ہے اور سجیل ساتویں آسمان میں ہے (4)۔ قشیری نے کہا: سجین یہ سافلین میں ایک جگہ ہے جہاں ان لوگوں کی کتاب کو دفن کیا جائے گا جس طرح مسجون ہوتا ہے یہ ان کے اعمال کی جنائت پر دلیل ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی حقارت پر دلیل بنائی ہے اس وجہ سے کتاب الابرار میں فرمایا: یَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا سِجِّیْنٌ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ چیز نہیں جسے تو اور تیری امت جانتے ہیں پھر اس کی تفسیر بیان کی یہ لکھی ہوئی ہے جس طرح کپڑے میں کوئی چیز رقم ہوا سے نہ بھلایا جاتا ہے اور نہ ہی مٹایا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: مرقوم کا معنی مکتوب ہے (5)۔ اس کے لیے انسان لکھ دیئے گئے ہیں نہ ان میں کوئی اضافہ ہوگا اور نہ ان میں سے کوئی کم کیا جائے گا۔ ضحاک نے کہا: مرقوم کا معنی ہے جس پر مہر لگی ہو گی (6)۔ یہ حمیر کی لغت میں ہے رقم کا اصل معنی کتابت ہے؛ شاعر نے کہا:

سأرقم فی الماءِ القَراح إلیکمُ　　علی بُعدِکم إن کان لِلماءِ راقمُ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 228　　2۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 118　　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 227
4۔ ایضاً　　5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 228　　6۔ ایضاً

میں خالص پانی میں تمہاری طرف دوری کے ہوتے ہوئے لکھوں گا اگر پانی پر کوئی لکھنے والا ہوتا۔

وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا سِجِّيۡنٌ ۞ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس امر پر دلالت کرے کہ سجین عربی زبان کا لفظ نہیں جس طرح اَلۡقَارِعَةُ ۞ مَا الۡقَارِعَةُ ۞ وَمَاۤ اَدۡرٰىكَ مَا الۡقَارِعَةُ ۞ میں کوئی ایسی دلیل نہیں کہ یہ عربی زبان کا لفظ نہیں بلکہ یہ سجین کے امر کی تعظیم ہے کتاب کے مقدمہ میں یہ بات گزر چکی ہے۔ الحمدللہ قرآن حکیم میں کوئی غیر عربی نہیں۔

وَيۡلٌ يَّوۡمَئِذٍ لِّلۡمُكَذِّبِيۡنَ ۞ الَّذِيۡنَ يُكَذِّبُوۡنَ بِيَوۡمِ الدِّيۡنِ ۞ وَمَا يُكَذِّبُ بِهٖۤ اِلَّا كُلُّ مُعۡتَدٍ اَثِيۡمٍ ۞ یعنی قیامت کے دن جھٹلانے والوں کے لیے سختی اور عذاب ہے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے امر کو بیان فرمایا جو حساب، جزا اور لوگوں کے درمیان فیصلہ والے دن کو جھٹلاتے ہیں اس کی وہی تکذیب کرتا ہے جو فاجر ہے، حق سے انحراف کرنے والا ہے، مخلوقات کے ساتھ معاملات کرنے میں مخلوق پر ظلم کرنے والا ہے اور اپنی ذات پر بھی ظلم کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ کا امر ترک کرنے میں وہ گناہگار ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ولید بن مغیرہ، ابوجہل اور اس کے ہمنشینوں کے بارے میں نازل ہوئی۔

اِذَا تُتۡلٰى عَلَيۡهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ ۞ عام قراءت تتلی ہے۔ ابوحیوۃ، ابوسماک، اشہب عقیلی اور سلمی کی قراءت إذا یتلی ہے۔ اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ سے مراد ان کی جھوٹی باتیں ہیں جن کو انہوں نے لکھا اور مزین کیا اس کا واحد أسطورۃ اور اسطارہ ہے۔

كَلَّا بَلۡ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ كَلَّاۤ اِنَّهُمۡ عَنۡ رَّبِّهِمۡ يَوۡمَئِذٍ لَّمَحۡجُوۡبُوۡنَ ۞ ثُمَّ اِنَّهُمۡ لَصَالُوا الۡجَحِيۡمِ ۞ ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِىۡ كُنۡتُمۡ بِهٖ تُكَذِّبُوۡنَ ۞

"نہیں نہیں درحقیقت زنگ چڑھ گیا ہے ان کے دلوں پر ان کرتوتوں کے باعث جو وہ کیا کرتے تھے۔ یقیناً انہیں اپنے رب (کے دیدار) سے اس دن روک دیا جائے گا۔ پھر وہ ضرور جہنم میں داخل ہوں گے۔ پھر (ان سے) کہا جائے گا: یہی وہ (جہنم) ہے جس کو تم جھٹلایا کرتے تھے"۔

كَلَّا بَلۡ ٚ رَانَ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ مَّا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ۞ کلا یہ ردع اور جھڑکنے کے لیے ہے یعنی یہ پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں نہیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی حقا ہے یعنی یقیناً ان کے دلوں پر زنگ چڑھ چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ترمذی شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ "بندہ جب خطا کرتا ہے اس کے دل میں سیاہ نکتہ پڑ جاتا ہے جب وہ اس گناہ کو چھوڑ دے، اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اگر وہ دوبارہ ایسا کرے تو اس میں اضافہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے دل پر غالب آ جاتا ہے بس وہی زنگ ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کیا ہے" (1)۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ مفسرین نے اسی طرح کہا ہے: یہ گناہ پر گناہ ہے یہاں تک کہ اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے (2)۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ زنگ ہے گناہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے وہ پھر

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 169-168۔ ایضاً، حدیث 3257، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 221

گناہ کرتا ہے گناہ اس کے دل کو گھیر لیتا ہے یہاں تک کہ گناہ اس کے دل کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ مجاہد نے کہا: یہ اس آیت کی طرح ہے جو سورۂ بقرہ میں ہے بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً (البقرہ: 81) اس کی مثل فراء سے مروی ہے کہا: ان کی نافرمانیاں اور گناہ زیادہ ہو گئے تو اس چیز نے ان کے دلوں کو احاطہ میں لے لیا یہی ان پر زنگ ہے۔ مجاہد سے بھی یہ مروی ہے: دل ہتھیلی کی مانند ہے اور اپنی ہتھیلی کو بلند کیا جب بندہ گناہ کرتا ہے تو وہ بند ہو جاتی ہے اور اپنی انگلی کو بند کر لیا اور جب وہ ایک اور گناہ کرتا ہے تو وہ بند ہوتی ہے اور ایک اور کو بند کیا یہاں تک کہ اپنی تمام انگلیوں کو بند کیا یہاں تک کہ اس کے دل میں مہر لگا دی جاتی ہے۔ کہا: علماء کی رائے ہے یہی زنگ ہے پھر اس آیت کریمہ کی تلاوت کی۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ بکر بن عبداللہ نے کہا: بندہ جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں سوئی کے چوبھے جیسا داغ بن جاتا ہے پھر جب وہ دوبارہ گناہ کرتا ہے تو پھر اسی طرح ہو جاتا ہے پھر جب گناہ بڑھ جاتے ہیں تو دل چھنی جیسا ہو جاتا ہے وہ کسی چیز کو محفوظ نہیں رکھ سکتا اور نہ اس میں کوئی صالحیت ثبت رہتی ہے۔ اس بارے میں ہم نے سورۂ بقرہ میں گفتگو کی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ اخبار سے مزین ہے اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

عبدالغنی بن سعید نے موسیٰ بن عبدالرحمن سے وہ ابن جریج سے وہ عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح موسیٰ نے مقاتل سے وہ ضحاک سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایسی چیز روایت کرتے ہیں جس کی صحت کو اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے: اس سے مراد وہ موزہ نما جوتا ہے جو دونوں رانوں، پنڈلی اور قدم پر ہوتا ہے یہی جنگ میں پہنا جاتا ہے۔ دوسرے علماء نے کہا: وہ وسوسہ ہے جو انسان کے دل پر کھٹکتا ہے اس تعبیر کے صحیح ہونے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

جہاں تک عام اہل تفسیر کا تعلق ہے تو ان کے نزدیک اس کی مراد وہی ہے جو پہلے ذکر ہو چکی ہے یہی اہل لغت کا نقطہ نظر ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ران علی قلبه ذنبه يَرِين رَيْنًا و رُيُونًا۔ یعنی دل پر زنگ کا غالب آنا۔ ابو عبیدہ نے کہا: ران کا معنی غالب آنا ہے۔ ابو عبید نے کہا: جو چیز تجھ پر غالب آ جائے تو اس کے لیے ران بك رانك اور ران علیك کا لفظ استعمال کرنا جائز ہوتا ہے؛ شاعر نے کہا

وكَمْ رانَ من ذنبٍ على قلب فاجِرٍ(1)　　کتنے ہی گناہ ہیں جو فاجر کے دل پر غالب آئے۔

رانت الخمر علی عقله شراب اس کی عقل پر غالب آ گئی۔

ران علیه النعاس اونگھ اس پر غالب آ گئی۔

اس معنی میں اسیفع جہنیہ کے بارے میں حضرت عمر کا قول ہے: فاصبح قد رِيْنَ به۔ یعنی اس نے صبح کی کہ قرضے اس پر غالب آ گئے تھے جب کہ وہ قرض لیا کرتا؛ اس معنی میں ابو زبید کا شعر ہے وہ ایک کا وصف بیان کرتا ہے جس نے شراب پی یہاں تک کہ شراب نشہ کے ذریعے غالب آ گئی:

ثم لما راه رانت بهِ الخمرُ　　وأَنْ لا تَرِينَهْ باتقاءِ(2)

1۔ ... جلد 6، صفحہ 229　　2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 451

پھر جب اسے دیکھا کہ شراب اس پر غالب آ چکی ہے اور تقویٰ کے ذریعے غالب نہیں آئے گی۔

اس کا قول ہے: رانت به الخمر جس کا معنی ہے شراب اس کی عقل اور دل پر غالب آ گئی۔ بغوی نے کہا: قد ارأن القوم فهم مُرِينون اس سے مراد ہے اس قوم کے مویشی ہلاک ہو گئے اور وہ کمزور ہو گئے۔ یہ ایسا امر ہے جوان پر غالب آ گیا وہ اس کو برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ابو زید نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے قد رِین بالرجل رینا جب کوئی آدمی ایسی مصیبت میں جا گرے جس سے نکلنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو اور نہ ہی اسے برداشت کر سکے۔ ابو معاذ نحوی نے کہا: رین سے مراد ہے اس کا دل گناہوں سے سیاہ ہو جائے۔ طبع کا مطلب ہے کہ دل پر مہر لگا دی جائے یہ رین سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اقفال، طبع سے بھی شدید ہے۔ زجاج نے کہا: رین سے مراد وہ زنگ ہے جو دل کو ڈھانپ لیتا ہے جس طرح باریک بادل ہوتا ہے اس کی مثل غین ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: غِینَ علی قلبه یعنی اسے ڈھانپ لیا گیا۔ غین سے مراد گھنے درخت ہیں، اس کا واحد غیناء ہے یعنی سر سبز، جس کے پتے بہت زیادہ ہوں، ٹہنیاں ایک دوسرے میں پیوست ہوں۔ فراء کا قول گزر چکا ہے کہ اس سے مراد گناہوں کا دلوں کو احاطہ میں لے لینا۔ ثعلبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: رَانَ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ ان کے دلوں کو ڈھانپ لیا۔ یہی قول صحیح ہے۔ ان شاء اللہ۔

حمزہ، کسائی، اعمش، ابوبکر اور مفضل نے رَانَ کو امالہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ فعل کا فاء کلمہ راء ہے اور عین کلمہ الف ہے جو یاء سے بدلا ہوا ہے اس وجہ سے اس میں امالہ اچھا ہے۔ جس نے فتحہ دیا تو وہ اپنے اصل پر ہے کیونکہ فعل کا فاء کلمہ مفتوح ہے جس طرح کال، باع، وغیرہ۔ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے حفص نے بَلْ پر وقف کیا پھر رَانَ سے ابتدا کی وقف کرتے ہوئے وہ لام کو واضح کرتا ہے، سکتہ کے لیے نہیں۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ۝ یہ حق ہے کہ اس روز کفار کو ان کے رب سے روک دیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ **كَلَّآ** بھی جھڑکنے کے لیے ہے یعنی بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں بلکہ انہیں ان کے رب سے روک لیا جائے گا۔ زجاج نے کہا: اس آیت میں دلیل ہے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو گا اگر یہ بات اس طرح نہ ہوتی تو اس میں کچھ فائدہ نہ ہوتا اور نہ ہی کفار کے لیے اس میں خست کا بیان ہوتا (1)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وجوه یومئذ ناضرة الی ربها ناظرة (الواقعۃ: 23) اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے جو اپنے رب کا دیدار کر رہے ہوں گے۔ یہ بات ذہن نشین کر لو کہ مومن اللہ تعالیٰ کا دیدار کریں گے اور کفار اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے۔ حضرت مالک بن انس نے اس آیت کی تفسیر میں کہا: جب اللہ تعالیٰ نے کفار کو اپنے دیدار سے محروم رکھا انہوں نے دیدار نہ کیا تو اپنے اولیاء کے لیے ظاہر نہ ہوا یہاں تک کہ انہوں نے اپنے رب کا دیدار کر لیا (2)۔ امام شافعی نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے ناراضگی کی وجہ سے ایک قوم سے حجاب فرمایا تو یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ ایک قوم خوشنودگی کی صورت میں اپنے رب کا دیدار کرے گی (3)۔ پھر کہا: اللہ کی قسم! اگر محمد بن ادریس کو اس امر کا یقین نہ ہوتا کہ وہ اپنے رب کا دیدار کرے گا تو وہ دنیا میں اس کی عبادت نہ کرتا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 222 2۔ ایضاً 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 452

حسین بن فضل نے کہا: جب دنیا میں انہیں نور توحید سے حجاب میں رکھا تو آخرت میں انہیں رؤیت سے محروم رکھے گا(1)۔ مجاہد نے لَّمَحْجُوْبُوْنَ کی یہ وضاحت کی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ عزت اور رحمت سے محروم رکھے گا۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ ان کی طرف نظر رحمت نہیں فرمائے گا، انہیں پاکیزہ نہیں کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ پہلی تعبیر ہی جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ انہیں دیدار سے محروم رکھا جائے گا وہ اس کا دیدار نہ کریں گے۔

ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِيْمِ ⑯ وہ اس میں ہی رہیں گے اس سے باہر نہ نکلیں گے فرمایا: جب بھی ان کے چمڑے پک جائیں گے ہم ان کے چمڑے بدل دیں گے فرمایا: اور جب کبھی وہ آگ ٹھنڈی ہوگی ہم اس کو مزید بھڑکا دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جحیم جہنم کا چوتھا دروازہ ہے۔

ثُمَّ يُقَالُ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ⑰ پھر جہنم کے داروغے انہیں کہیں گے: یہ وہی چیز ہے جس کے بارے میں تم اللہ کے رسولوں کو دنیا میں جھٹلایا کرتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ وَ مَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ⑲ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ⑳ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ㉑

''یہ حق ہے نیکوکاروں کا صحیفہ عمل علیین میں ہوگا۔ اور تمہیں کیا خبر کہ علیون کیا ہے۔ یہ ایک لکھی ہوئی کتاب ہے (حفاظت کے لیے) دیکھتے رہتے ہیں اسے مقربین''۔

كَلَّآ اِنَّ كِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِيْ عِلِّيِّيْنَ ⑱ كَلَّآ یہ حقا کے معنی میں ہے اور وقف تُكَذِّبُوْنَ پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بات اس طرح نہیں جس طرح وہ کہتے ہیں اور نہ ہی بات اس طرح ہے جس طرح انہوں نے گمان کیا بلکہ ان کی کتاب سجین میں ہے اور مومنین کی کتاب علیین میں ہے۔ مقاتل نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اس عذاب پر ایمان نہیں لائیں گے جس میں وہ داخل ہوں گے پھر نئی کلام شروع کی اور فرمایا کہ ابرار کی کتاب اس کے مرتبہ کے مطابق علیین میں بلند کر دی گئی ہے(2)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: علیین سے مراد جنت ہے(3)۔ ان سے یہ بھی منقول ہے: ان کے اعمال کتاب اللہ میں ہیں جو آسمان میں ہے۔ ضحاک، مجاہد اور قتادہ نے کہا: یعنی ساتویں آسمان میں جس میں مومنوں کی روحیں ہیں(4)۔ ابن اجلح نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد سدرۃ المنتہیٰ ہے اللہ تعالیٰ کے امور میں سے ہر چیز یہاں آکر رک جاتی ہے اس سے آگے تجاوز نہیں کرتی(5) وہ کہتے ہیں: اے میرے رب! تیرا فلاں بندہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں ان سے زیادہ جانتا ہے اس کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے کتاب آئی ہے جس پر عذاب سے امن کی مہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مطلب ہے۔

کعب الاحبار سے مروی ہے: مومن کی روح جب قبض کی جاتی ہے اسے آسمان کی طرف لے جایا جاتا ہے اس کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں فرشتے خوشخبری دیتے ہوئے اسے وصول کرتے ہیں پھر اسے لے کر نکلتے ہیں

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 538 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 229 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً

یہاں تک کہ وہ عرش تک جا پہنچتے ہیں ان کے لیے تخت کے نیچے سے ایک ورقہ نکلتا ہے اس کے اوپر تحریر کیا جاتا ہے اور اس میں یہ مہر لگائی جاتی ہے کہ قیامت کے روز اس کے لیے نجات ہے اور مقرب اس پر گواہی دیں گے۔ قتادہ نے یہ بھی کہا: فی علیین سے مراد ساتویں آسمان کے اوپر اور عرش کے دائیں پائے کے پاس ہے۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عِلِّيُّوْنَ ساتویں آسمان میں عرش کے نیچے ہے''(1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس سے مراد وہ لوح ہے، جو سبز زبرجد کی ہے، عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہے۔ ان کے اعمال اس میں لکھے ہوئے ہیں (2)۔

فراء نے کہا: عِلِّيُّوْنَ سے مراد بلندی کے بعد بلندی ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عِلِّيُّوْنَ سے مراد بلند ترین مکان ہے (4)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایسی بلندی جو کئی گنا بلندیوں میں ہو، گویا اس کی کوئی انتہا نہیں۔ اس وجہ سے اس کی جمع واؤ نون کے ساتھ ذکر کی گئی ہے۔ طبری کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ فراء نے کہا: یہ ایسا اسم ہے جو جمع کے وزن پر بنایا گیا ہے اس کا لفظی طور پر کوئی واحد نہیں جس طرح عشرون، ثلاثون۔ عرب جب جمع بناتے ہیں اور اس کے واحد کا کوئی صیغہ نہ ہو اور نہ ہی اس کا کوئی تثنیہ ہو تو وہ مذکر و مونث دونوں میں نون لگاتے ہیں۔ طبری کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔

زجاج نے کہا: اس اسم کا اعراب جمع کے اعراب کی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے: هذه قنسرون، رأیت قنسرین۔

یونس نحوی نے کہا: اس کا واحد علی اور علیة ہے۔ ابو الفتح نے کہا: علیین، علی کی جمع ہے یہ علو سے فعیل کا وزن ہے طریقہ تو یہ تھا کہ علیة ہوتا جس طرح انہوں نے غرفہ کے لیے علیة کا لفظ ذکر کیا کیونکہ یہ علو سے مشتق ہے جب علیة سے تاء کو حذف کیا اس کے عوض میں واؤ نون جمع کے لیے ذکر کیا جس طرح وہ ارضین میں کہتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عِلِّيِّيْنَ یہ ملائکہ کی صفت ہے کیونکہ وہی ملاء اعلیٰ ہیں جس طرح کہا جاتا ہے: فلان فی بنی فلان یعنی فلاں آدمی فلاں میں سے ہے یا ان کے ہاں رہتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کہ ''اہل علیین اتنی دور سے جنتیوں کو دیکھیں گے جب اہل علیین میں سے کوئی جنتیوں پر جھانکے گا تو اس کے چہرے کے نور سے جنت روشن ہو جائے گی جنتی کہیں گے: وہ نور کیا ہے؟ تو کہا جائے گا: اہل علیین جو اہل طاعت اور صدق ہیں ان میں سے ایک آدمی نے جھانکا ہے جس طرح روشن ستارے کو آسمان کے افق میں دیکھا جاتا ہے''(5) یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے عِلِّيِّيْنَ بلند جگہ کا نام ہے کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عِلِّيِّيْنَ روایت نقل کی ہے کہ خبر دی گئی ہے کہ ان کے اعمال اور ارواح چوتھے آسمان میں ہوں گے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا عِلِّيُّوْنَ ۝ كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو کس چیز نے بتایا کہ عِلِّيُّوْنَ کیا ہے؟ یہ سوالیہ انداز اس کے مقام و مرتبہ کو ظاہر کرنے کے لیے ہے پھر اس کی تفسیر بیان کی۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 452
2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 538
3۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 222
4۔ ایضاً
5۔ سنن ابی داؤد، کتاب العتق، باب الحروف والقرأت، جلد 2، صفحہ 198

كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ ۝ یہ علیین کی تفسیر نہیں بلکہ عِلِّيُّوْنَ پر کلام مکمل ہو جاتی ہے (1) پھر ابتدا کی اور فرمایا: كِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ یعنی ابرار کی کتاب رقم شدہ کتاب ہے۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ فرشتے بندے کے عمل کو لے کر اوپر چڑھتے ہیں وہ اس کا استقبال کرتے ہیں جب وہ اسے لے کر وہاں تک پہنچتے ہیں جہاں تک اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی طرف وحی کرتا ہے: تم میرے بندے پر محافظ تھے اور میں اس کے دل پر نگاہ رکھے ہوئے تھا اس نے میرے لیے اپنے عمل کو خالص نہیں کیا اسے سجین میں رکھ لو۔ ہر آسمان کے مقرب فرشتے ابرار کے عمل پر گواہی دیں گے۔ وہب اور ابن اسحاق نے کہا: یہاں مقربون سے مراد حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں جب مومن نیکی کا عمل کرتا ہے تو فرشتے صحیفہ کو اوپر اٹھاتے ہیں اس کا نور ہوتا ہے جو آسمانوں میں چمکتا ہے جس طرح زمین میں سورج کا نور چمکتا ہے یہاں تک کہ وہ اسرافیل تک اسے پہنچا دیں گے وہ اس صحیفہ پر مہر لگا دے گا اور لکھے گا: یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے يَّشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۝ ان کی کتابت کی وہ گواہی دے گا۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ یَنْظُرُوْنَ ۝ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۝ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ ۚ وَ فِیْ ذٰلِكَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ۝ وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ ۝ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ۝

''بے شک نیکوکار راحت اور آرام میں ہوں گے، پلنگوں پر بیٹھے مناظر جنت کا نظارہ کر رہے ہوں گے، آپ پہچان لیں گے ان کے چہروں پر راحتوں کی شگفتگی۔ انہیں پلائی جائے گی سربمہر خالص شراب اس کی مہر کستوری کی ہوگی اس کے لیے سبقت لے جانے کی کوشش کریں سبقت لے جانے والے۔ اس میں تسنیم کی آمیزش ہوگی یہ وہ چشمہ ہے جس سے صرف مقربین پئیں گے''۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ ۝ عَلَى الْاَرَآىِٕكِ یَنْظُرُوْنَ ۝ ابرار سے مراد اہل صدق اور اہل طاعت ہیں۔ نَعِیْم سے مراد نعمت ہے نعمت جب نون کے فتحہ کے ساتھ ہو تو اس کا معنی تنعیم ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نَعَّمَهُ الله ناعمه الله فتنعم۔ امراة مُنَعَّمَةٌ، مناعمة۔ نیک لوگ جنتوں میں لطف اندوز ہو رہے ہوں گے۔ ارائك سے مراد خیموں میں پلنگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے عزتیں مقرر کی ہوئی ہیں انہیں دیکھ رہے ہوں گے؛ یہ عکرمہ، ابن عباس اور مجاہد کا نقطۂ نظر ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ جہنمیوں کو دیکھیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ اپنے دشمنوں کو جہنم میں دیکھیں گے (2)؛ یہ مہدوی نے ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے فضل و احسانات کے پلنگوں پر ہوں گے جو اس کے چہرے اور جلال و مرتبہ کو دیکھ رہے ہوں گے۔

تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِیْمِ ۝ نَضْرَةَ سے مراد رونق اور نور ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: نضر النبات جب وہ کلیاں نکالے۔ عام قراءت تعرف ہے اور نضرہ منصوب ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ پہچان لیں گے۔ ابو جعفر بن قعقاع، یعقوب، شیبہ اور ابن ابی اسحاق نے تُعرف پڑھا ہے۔ یہ مجہول کا صیغہ ہے، نضرہ مرفوع ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 538
2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 453

يُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ انہیں ایسی شراب سے پلایا جائے گا جس میں کوئی ملاوٹ نہیں ہوگی؛ یہ اخفش اور زجاج کا قول ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد صاف شراب ہے(2)۔ صحاح میں ہے: رَّحِيْقٍ سے مراد عمدہ شراب ہے معنی ایک ہی ہے۔ خلیل نے کہا: اس سے مراد سب سے صاف اور عمدہ شراب ہے۔ مقاتل اور دوسرے علماء نے کہا: اس سے مراد اعلیٰ، سفید اور ملاوٹ سے صاف شراب ہے۔ حضرت حسان بن ثابت نے کہا:

يَسْقون مَنْ وَرَدَ البريصَ عليهِمُ بَرَدَى يُصَفَّق بالرحيق السلسلِ(3)

جو آدمی بریص کے مقام پر ان کے پاس وارد ہوتا ہے وہ اسے بردی کا پانی پلاتے ہیں جس میں خالص شراب کی آمیزش ہوتی ہے۔

مَّخْتُوْمٍ ۝ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ مجاہد نے کہا: آخری گھونٹ جس پر وہ اسے ختم کرے گا وہ کستوری ہوگی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب وہ شراب پئیں گے تو پیالہ میں جو کچھ ہوگا وہ ختم ہو جائے گا تو اس کا اختتام کستوری کے خاتمہ کے ساتھ ہوگا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: وہ اس کے بعد کستوری کا ذائقہ پائیں گے؛ اس کی مثل سعید بن جبیر اور ابراہیم نخعی کا قول ہے دونوں نے کہا: خِتٰمُهٗ سے مراد اس کے ذائقہ کا آخر ہے۔ یہ تعبیر اچھی ہے کیونکہ مشروبات میں عام معمول یہ ہے کہ اس کے آخر میں گدلا پن ہوتا ہے۔ جنتی لوگوں کے مشروب کی خصوصیت یہ ہوگی کہ اس کے آخر میں خوشبو کستوری کی خوشبو ہوگی۔

مسروق نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مَّخْتُوْمٍ کا معنی ملا ہوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَّخْتُوْمٍ کا معنی یہ ہے اس کو اس چیز میں محفوظ کر دیا گیا ہے کہ اسے کوئی مس کرنے والا مس کرے یہاں تک کہ اس کا خاتمہ ابرار جیسا ہو۔ حضرت علی، علقمہ، شقیق، ضحاک، طاؤس اور کسائی نے اسے خاتمة پڑھا ہے یہی علقمہ کا قول ہے کیا تو نے عورت کو نہیں دیکھا جو عطار کو کہتی ہے: اجعل خاتمه مسکا یہاں بھی وہ خِتٰمُهٗ سے مراد آخر لیتے ہیں خِتٰمُهٗ اور ختام دونوں معنی میں قریب قریب ہیں مگر خاتم اسم ہے اور ختام مصدر ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ صحاح میں ہے: ختام سے مراد وہ مٹی ہے جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے؛ مجاہد اور ابن زید نے یہی کہا ہے یعنی مٹی کی جگہ اس پر کستوری کی مہر لگائی گئی ہے۔ مہدوی نے یہی حکایت بیان کی ہے۔ اعشی نے کہا: وأبرزها وعليها ختم میں اسے کھولتا ہوں تو اس پر مہر لگی مٹی ہوتی ہے جس طرح نقض، منقوض کے معنی میں ہوتا ہے اور قبض، مقبوض کے معنی میں ہوتا ہے۔ ابن مبارک اور ابن وہب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے جب کہ الفاظ ابن وہب کے ہیں: ختامه مسك کا معنی ہے اس میں کستوری کی آمیزش ہوتی ہے اس سے مراد وہ مہر نہیں جس کے ساتھ مہر لگائی جاتی ہے کیا تو اپنی عورتوں میں سے کسی کو نہیں دیکھتا اس میں فلاں فلاں خوشبو کی آمیزش ہے اس میں کستوری کی آمیزش ہوگی کہا: اس سے مراد وہ سفید شراب ہے جو چاندی کی طرح ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ آخری مشروب کو ملاتے ہیں اگر اہل دنیا سے کوئی آدمی اپنا ہاتھ اس میں داخل کرے پھر اس سے باہر نکالے تو کوئی ذی روح شئی باقی نہ رہے مگر اس کی خوشبو پائے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 223 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 230 3۔ ایضاً

حضرت ابی بن کعب نے روایت نقل کی کہ عرض کی گئی: یارسول اللہ! یہ رَحِيقٍ مَّخْتُومٍ کیا ہے؟ فرمایا: ''شراب کے تالاب''۔ ایک قول یہ کیا گیا: برتنوں میں مہر لگی ہوگی یہ اس سے مختلف ہے جو نہروں میں چلتی ہے۔

وَ فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ ﴿۲۶﴾ ہم نے جنت کی جو صفت ذکر کی ہے اس میں رغبت رکھنے والوں کو رغبت رکھنی چاہیے یوں باب چلایا جاتا ہے نَفَسْتُ علیه الشیٔ أَنْفِسه نفاسة یعنی میں نے اس کے بارے میں بخل سے کام لیا اور میں نے یہ پسند نہ کیا کہ وہ چیز اس کی طرف جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فی، الی کے معنی میں ہے یعنی عمل میں جلدی کرنے والوں کو اس کی طرف جلدی کرنی چاہیے اس کی مثل یہ ارشاد ہے: لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ (الصافات) اس کی مثل عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے۔

وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ اس خالص شراب میں تسنیم کی آمیزش ہے۔ تسنیم وہ شراب ہے جو اوپر سے ان کی طرف انڈیلی جائے گی۔ یہ جنت میں سب سے اعلیٰ شراب ہے۔ تسنیم کا لغت میں معنی بلند ہونا ہے یہ چشمے کا پانی ہے جو بلندی سے پستی کی طرف آتا ہے اس سے سنام البعیر ہے یہ بدن سے بلند ہوتی ہے اس طرح تسنیم القبور کا لفظ استعمال ہوتا ہے کہان نما قبر۔ حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ تسنیم جنت میں ایک چشمہ ہے جس کا خالص پانی مقرب لوگ پییں گے (1)۔ اور اصحاب یمین کے جاموں میں اس میں سے کچھ چیز ملائی جائے گی تو وہ مشروب عمدہ اور خوشبودار ہو جائے گا۔ حضرت ابن عباس نے وَ مِزَاجُهٗ مِنْ تَسْنِيْمٍ ﴿۲۷﴾ کے بارے میں فرمایا: یہی وہ چیز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّاۤ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ (السجدہ: 17) کوئی نفس نہیں جانتا جو ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک مخفی رکھی گئی ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تسنیم ایسا چشمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا میں چلتا ہوگا۔ وہ جنتیوں کے برتنوں میں اس قدر پڑے گا جس قدر ان میں گنجائش ہوگی جب برتن بھر جائے گا تو پانی رک جائے گا اس میں سے قطرہ بھر پانی زمین پر نہیں گرے گا۔ وہ پانی طلب کرنے کے محتاج نہ ہوں گے؛ یہ قتادہ نے کہا ہے۔ ابن زید نے کہا: ہمیں یہ خبر پہنچی ہے وہ ایک چشمہ ہے جو عرش کے نیچے سے نکلتا ہے۔ حضرت حسن بصری کی مراسیل میں اسی طرح ہے۔ ہم نے اس کا ذکر سورۃ الانسان میں کیا ہے۔

عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا الْمُقَرَّبُوْنَ ﴿۲۸﴾ اسے خالص جنت عدن کے مکین پییں گے یہ جنتیوں میں سے سب سے فضلیت والے ہیں جب کہ دوسروں کو اس کا آمیزہ ملے گا۔ عَيْنًا یہ بطور مدح منصوب ہے۔ زجاج نے کہا: یہ تسنیم ہے بطور حال منصوب ہے تسنیم معرفہ ہے اس کا کوئی اشتقاق معروف نہیں اگر تو اسے مصدر بنائے اور سنام سے مشتق مانے تو عینا اس کی وجہ سے منصوب ہوگا کیونکہ یہ اس کا مفعول بہ ہوگا جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا (البلد) میں یتیما مفعول بہ کی وجہ سے منصوب ہے؛ یہ فراء کا قول ہے کہ عینا، تسنیم کی وجہ سے منصوب ہے۔ اخفش کے نزدیک یہ یسقون کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہوگی یسقون عینا او من عین۔ مبرد کے نزدیک اعنی فعل کی وجہ سے بطور مدح منصوب ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 231 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 540

يَتَغَامَزُوْنَ ۞ وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۞ وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۞ وَ مَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۞ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۞ عَلَى الْاَرَآئِكِ ۙ يَنْظُرُوْنَ ۞ هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۞

''جو لوگ جرم کیا کرتے تھے وہ اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے۔ اور جب ان کے قریب سے گزرتے تو آپس میں آنکھیں مارا کرتے۔ اور جب اپنے اہل خانہ کی طرف لوٹتے تو دل لگیاں کرتے واپس آتے، اور جب مسلمانوں کو دیکھتے تو کہتے: یقیناً یہ لوگ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں حالانکہ وہ اہل ایمان پر محافظ بنا کر تو نہیں بھیجے گئے تھے پس آج مومنین کفار پر ہنس رہے ہیں (عروسی) پلنگوں پر بیٹھے (کفار کی خستہ حالی کو) دیکھ رہے ہیں۔ کیوں کچھ بدلہ ملا کفار کو (اپنے کرتوتوں کا) جو وہ کیا کرتے تھے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۞ وَ اِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۞ کفار دنیا میں مومنوں کے ساتھ جو مذاق کیا کرتے تھے اس کا ذکر ہے مراد قریش کے مشرک رؤساء ہیں کچھ لوگوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد ولید بن مغیرہ، عقبہ بن ابی معیط، عاص بن وائل، اسود بن عبد یغوث، عاص بن ہشام، ابو جہل اور نضر بن حارث ہے یہی لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حضرت عمار، حضرت خباب، حضرت صہیب اور حضرت بلال کا مذاق اڑایا کرتے تھے (1) جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کے لیے ان کے پاس سے گزرتے؛ وہ ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اسلام کی وجہ سے انہیں عار دلاتے اور ان پر عیب لگایا کرتے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: غمزت الشئ بیدی میں نے اس چیز کو اپنے ہاتھ سے ٹٹولا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو مجھے اپنے ہاتھ سے دباتے تو میں اپنا پاؤں سمیٹ لیتی۔ یہ سورۂ نساء میں گزر چکا ہے۔

غمزته بعینی میں نے اسے آنکھ سے اشارہ کیا، اس پر عیب لگایا۔ و مالی فلان غمزۃ اس میں کوئی عیب نہیں۔ مقاتل نے کہا: یہ آیت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حق میں نازل ہوئی جو مسلمانوں کی ایک جماعت کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو منافقوں نے ان کا مذاق اڑایا اور ان پر ٹھٹھا کیا۔

وَ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۞ جب وہ اپنے اہل اور ساتھیوں کی طرف لوٹتے تو خوش خوش لوٹتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس کفر پر وہ ہیں اس پر خوشی کا اظہار کرتے اور مومنوں کے ذکر سے لطف اندوز ہوتے (2)۔ ابن قعقاع، حفص، اعرج اور سلمی نے کہا: فکھیں الف کے بغیر ہے جب کہ باقی قراء نے اسے الف کے ساتھ پڑھا ہے۔ فراء نے کہا: یہ دونوں لغتیں ہیں جیسے طَمِع، طامِع، حذِر، حاذِر۔ سورۃ الدخان میں یہ گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الفکه کا معنی

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 224
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 232

ہے حد درجہ حریص اور تکبر کرنے والا اور الفاکہ کا معنی ہے لطف اندوز ہونے والا۔

وَ اِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْۤا اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ﴿۳۲﴾ جب یہ کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھتے تو کہتے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں گمراہ ہو گئے ہیں۔

وَ مَاۤ اُرْسِلُوْا عَلَیْهِمْ حٰفِظِیْنَ ﴿۳۳﴾ انہیں مومنوں کے اعمال کا محافظ، ان کے احوال پر نگران اور ان پر نگہبان بنا کر نہیں بھیجا گیا تھا۔

فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ یعنی قیامت کے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے کفار پر ہنسیں گے جس طرح کفار دنیا میں ان پر ہنسا کرتے تھے۔ اس کی مثل سورۃ المومنین میں گزر چکی ہے۔

ابن مبارک نے یہ ذکر کیا ہے کہ محمد بن بشار نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہا: ہمارے سامنے یہ ذکر کیا گیا ہے کہ کعب کہا کرتے تھے کہ جنت اور دوزخ کے درمیان ایک روشن دان ہے جب مومن ارادہ کرے گا(1) کہ دنیا میں جو اس کا دشمن تھا اس کو دیکھے تو وہ اس روشن دان سے جھانکے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور آیت میں ارشاد فرمایا: فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ ﴿۵۵﴾ (الصافات) اس پر جھانکا تو اسے جہنم میں دیکھا۔ کہا: یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے جھانکا تو قوم کی کھوپڑیوں کو کھولتے ہوئے دیکھا۔ ابن مبارک نے یہ بھی ذکر کیا ہے کلبی نے ابو صالح سے اللہ تعالیٰ کے فرمان اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرہ:15) اللہ تعالیٰ انہیں ان کے استہزاء کی سزا دیتا ہے، کے بارے میں روایت نقل کی کہ جہنمی جہنم میں ہوں گے تو انہیں کہا جائے گا: باہر نکلو تو ان کے لیے جہنم کے دروازے کھول دیئے جائیں گے جب وہ دیکھیں گے کہ دروازے کھول دیئے گئے ہیں تو وہ نکلنے کے لیے ان دروازوں کی طرف بڑھیں گے جب کہ مومن پلنگوں پر بیٹھے ہوں گے جب وہ دروازے تک پہنچیں گے تو ان پر دروازے بند کر دیئے جائیں گے اللہ تعالیٰ کے فرمان: اَللّٰهُ یَسْتَهْزِئُ بِهِمْ کا یہی مصداق ہے۔ جب ان کے لیے دروازے بند کر دیئے جائیں گے تو ان پر مومن ہنسیں گے۔ اللہ کے اس فرمان: فَالْیَوْمَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ یَضْحَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ کا یہی مصداق ہے۔

هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ یہ سورۂ بقرہ کے آغاز میں پہلے گزر چکا ہے هَلْ ثُوِّبَ کا معنی ہے جب کفار کے ساتھ یہ معاملہ کیا جائے گا تو دنیا میں جو وہ مومنوں کے ساتھ مذاق کیا کرتے تھے کیا اس کا انہیں بدلہ دے دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ یَنْظُرُوْنَ کے متعلق ہے وہ دیکھیں گے کیا کفار کو بدلہ دے دیا گیا ہے(2)؟ هَلْ کا معنی تقریر ہوگا اس کا محل یَنْظُرُوْنَ کے ساتھ نصب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جملہ مستانفہ ہے جس کا اعراب میں کوئی محل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں قول مضمر ہے معنی ہوگا مومن ایک دوسرے کو کہیں گے: کیا کفار کو بدلہ دے دیا گیا: یہ ثَابَ، یَثُوْبُ سے مشتق ہے جس کا معنی لوٹنا ہے ثواب اسے کہتے ہیں جو بندے کے عمل کے عوض بندے کی طرف لوٹتا ہے اس کا استعمال خیر اور شر دونوں معنوں میں ہوتا ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 541 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 232

سورۃ الانشقاق

آیاتہا ۲۵ ۸۴ سورۃ الانشقاق مکیۃ ۸۳ رکوعہا ۱

تمام کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اس کی پچیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۙ﴿۱﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الۡاَرۡضُ مُدَّتۡ ۙ﴿۳﴾ وَ اَلۡقَتۡ مَا فِیۡہَا وَ تَخَلَّتۡ ۙ﴿۴﴾ وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ؕ﴿۵﴾

"(یاد کرو) جب آسمان پھٹ جائے گا اور کان لگا کر سنے گا اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے اور جب زمین پھیلا دی جائے گی اور باہر پھینک دے گی جو کچھ اس کے اندر ہے اور خالی ہو جائے گی اور کان لگا کر سنے گی اپنے رب کا فرمان اور اس پر فرض بھی یہی ہے"۔

اِذَا السَّمَآءُ انۡشَقَّتۡ ۝ جب آسمان بادلوں کی صورت میں پھٹ جائے گا۔ غمام، سفید بادل کی مثل ہے ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کی مثل روایت نقل کی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آسمان کہکشاں سے پھٹے گا کہا: کہکشاں آسمان کا دروازہ ہے، یہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے (1)۔

وَ اَذِنَتۡ لِرَبِّہَا وَ حُقَّتۡ ۝ وہ اپنے رب کا حکم سنے گا اور سننا اس پر لازم ہے (2)؛ یہی معنی حضرت ابن عباس، مجاہد اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل کیا: مَا اَذِنَ اللّٰہُ لِشَیۡءٍ کَاَذَنِہٖ لِنَبِیٍّ یَتَغَنّٰی بِالقرآن (3)۔ اللہ تعالیٰ کسی شئی کو توجہ سے نہیں سنتا جیسے وہ اس نبی کی آواز کو سنتا ہے جو قرآن کریم کو خوبصورت لہجہ میں پڑھ رہا ہوتا ہے۔

شاعر نے کہا:

صُمٌّ إذا سمعوا خيرًا ذُكِرتُ به وإن ذُكِرتُ بسُوءٍ عندهم أَذِنُوا

وہ بہرے ہیں جب کسی اچھی بات کو سنیں گے جس کے ساتھ میرا ذکر کیا جاتا ہو اگر ان کے ہاں میرا برا ذکر کیا جائے تو وہ توجہ سے بات سنتے ہیں۔

قعنب بن ام صاحب نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 233 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 234-233

3۔ صحیح مسلم، فضائل القرآن وما یتعلق بہ استحباب تحسین الصوت بالقرآن، جلد 1، صفحہ 268

اِنْ یأذَنُوا رِیبةً طاروا بھا فرحا وما ھُمُ أذِنوا من صالِحٍ دَفَنُوا

اگر وہ شک والی بات سنیں تو خوشی سے اسے لے اڑتے ہیں اور جو وہ اچھائی کی بات سنیں تو اسے دفن کر دیتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو پھٹ جانے کا حکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ حکم سننا لازم کر دیا ہے۔ ضحاک نے کہا: حُقَّتْ کا معنی ہے اس نے اطاعت کی۔ یہ اس پر لازم ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت کرے کیونکہ یہ اس کی مخلوق ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان محقوق بکذا۔ فلاں پر یہ لازم ہے۔ آسمان کے اطاعت کرنے کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آسمان کے بارے میں جس کا ارادہ کیا وہ اس سے روکنے والا نہیں آسمان میں زندگی کا پیدا کرنا کوئی بعید نہیں یہاں تک کہ وہ اطاعت کرے اور حکم بجا لائے۔ قتادہ نے کہا: اس پر لازم تھا کہ وہ اس حکم کو بجا لاتا (1)۔ اس معنی میں کثیر کا قول ہے۔

فإن تكن العُتْبَى فأهلًا و مَرْحبًا وحُقَّتْ لها العُتْبَى لدينا وقَلَّتِ(2)

اگر رضامندی ہے تو خوش آمدید ہمارے ہاں اس کے لیے رضامندی لازم ہے اور وہ بلند ہے۔

وَ اِذَا الْاَرْضُ مُدَّتْ ۝ زمین کو بچھا دیا جائے گا اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا (3)۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تُمَدّ مَدَّ الأدیم اسے چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا کیونکہ چمڑے کو جب پھیلایا جاتا ہے تو اس میں جو سلوٹ ہوتی ہے وہ زائل ہو جاتی ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے اور ہموار ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے کہا: اس کی وسعت کو اتنا اتنا وسیع کر دیا جائے گا کیونکہ مخلوقات کے حساب کے لیے اس پر وقوف کرنا ہوتا ہے یہاں تک کہ مخلوقات کی زیادتی کی وجہ سے ایک انسان کے لیے صرف ایک قدم کی جگہ ہوتی ہے۔ سورۂ ابراہیم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ زمین کو دوسری زمین میں بدل دیا جائے گا۔ حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق وہی ساہرہ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔

وَ اَلْقَتْ مَا فِیْهَا وَ تَخَلَّتْ ۝ وہ اپنے مردوں کو نکال دے گی اور ان سے خالی ہو جائے گی۔ ابن جبیر نے کہا: اس کے بطن میں جو مردے ہوں گے انہیں باہر پھینک دے گی اور اس کے اوپر جو زندہ ہوں گے ان سے خالی ہو جائے گی (4)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے بطن میں جو خزانہ اور معدنیات ہوں گی ان کو باہر پھینک دے گی اور ان سے خالی ہو جائے گی یعنی ان کا پیٹ خالی ہو جائے گا اس کے پیٹ میں کوئی چیز نہ ہو گی (5)۔ یہ امر کے عظیم ہونے کی خبر دے رہی ہے جس طرح مصیبت کے وقت حاملہ حمل کو گرا دیتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے اوپر جو پہاڑ اور سمندر ہیں ان سے خالی ہو جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں جو چیز ودیعت رکھی گئی تھی اس کو پھینک دے گی (6) اور جو چیز اس میں محفوظ کی گئی تھی اس سے خالی ہو جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زندہ اور مردہ بندوں کو اس میں ودیعت رکھا تھا۔ اور اس کے شہروں کو مزارعت اور روزی کے لیے محفوظ رکھا تھا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 234 2۔ ایضاً

3۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، فتنۃ الدجال و خروج عیسیٰ بن مریم، جلد 2، صفحہ 309

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 235 5۔ ایضاً 6۔ ایضاً

وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝ وہ مردوں کو باہر پھینکنے میں اپنے رب کا حکم سنے گی اور اللہ تعالیٰ کا حکم سننا اس کا حق ہے۔ اذا کے جواب میں اختلاف ہے۔ فراء نے کہا: اَذِنَتْ ہے واؤ زائدہ ہے اسی طرح اَلْقَتْ ہے۔ ابن انباری نے کہا: ایک مفسر نے کہا اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ کا جواب اَذِنَتْ ہے اور گمان یہ کیا کہ واؤ زائدہ ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ سب واؤ کو زائد ذکر نہیں کرتے مگر جب وہ حتی، اذا کے ساتھ استعمال ہو جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: حَتّٰۤى اِذَا جَآءُوْهَا فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (زمر: 71) وہ جب اس کے پاس آئیں گے تو کھول دیئے جائیں گے اس کے دروازے تیزی کے ساتھ، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَ تَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ (الصافات) جب دونوں نے سر اطاعت خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو پیشانی کے بل لٹا دیا۔ اس کا معنی ہے ہم نے اسے ندا کی۔ واؤ ان دو کے علاوہ زائد نہیں ہوتی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب مضمر ہے گویا کلام یوں کی گئی ہے اذا السماء انشقت یایها الانسان انك کادح۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا جواب وہ ہے جس پر فملاقیہ دلالت کرتا ہے تقدیر کلام یوں ہوگی اذا السماء انشقت فیایها الانسان انك کادح۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر کلام یوں ہے یا ایها الانسان انك کادح الی ربك کدحا فملاقیه اذا السماء انشقت؛ یہ مبرد کا قول ہے۔ اس سے یہ قول بھی مروی ہے: اس کا جواب فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝ ہے۔ یہی کسائی کا قول ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اذا السماء انشقت فمن أوتی کتاب بیمینه فحکمه کذا۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: اس بارے میں جو گفتگو کی گئی ہے یہ ان میں سے سب سے صحیح اور حسن ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ کلام اس معنی میں ہے اذکر اذا السماء انشقت۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب محذوف ہے کیونکہ مخاطبین اسے جانتے تھے یعنی جب یہ چیزیں ہو جائیں گی تو دوبارہ اٹھانے کی تکذیب کرنے والے اپنی گمراہی اور گھاٹے کو جان جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کی جانب سے قیامت کے وقت کے بارے میں سوال گزر چکا تھا تو انہیں کہا گیا: جب اس کی علامات ظاہر ہو جائیں گی تو قیامت برپا ہو جائے گی تو تم نے اپنے جھٹلانے کے انجام کو دیکھ لیا، قرآن ایک آیت کی طرح ہے کیونکہ اس کا بعض بعض پر دلالت کرتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ قسم ہے(1)، جبکہ جمہور کا نقطہ نظر ان کے خلاف ہے کیونکہ یہ خبر ہے قسم نہیں۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ ۝ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝

''اے انسان! تو محنت سے کوشاں رہتا ہے اپنے رب کے پاس پہنچنے تک پس تیری ملاقات اس سے ہو کر رہتی ہے۔ پس جس کو دیا گیا اس کا نامہ اعمال اس کے دائیں ہاتھ میں تو اس سے حساب آسانی سے لیا جائے گا اور واپس لوٹے گا اپنے گھر والوں کی طرف شاداں و فرحاں''۔

یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا۔ انسان سے مراد جنس ہے(2) مراد یہ ہے اے بنی آدم! سعید نے قتادہ سے یہی روایت نقل کی ہے: اے ابن آدم! تیری کاوش کمزور ہے جو یہ طاقت رکھتا ہو کہ اس کی کدو کاوش اللہ تعالیٰ کی طاعت

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 270 2۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 456

میں ہوتو وہ ایسا کرے امور کو بجالانے کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے۔ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد مخصوص فرد ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد اسود بن عبد الاسد ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: ابی بن خلف ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: تمام کفار ہیں اے کافر! تو عمل کرنے والا ہے، کلام عرب میں کدح سے مراد عمل اور کسب ہے۔ ابن مقبل نے کہا(1):

وما الدهرُ إلّا تارتانِ فمِنهما　　أموت وأخرى أبتغي العيش أكدح

زمانہ نہیں ہے مگر دو ساعتیں ان میں سے ایک میں مر رہا ہوتا ہوں اور دوسرے میں تگ و دو کر رہا ہوتا ہوں۔

دوسرے شاعر نے کہا

ومَضَتْ بشاشةُ كلّ عيشٍ صالِحٍ　　وبَقِيتُ أكدح لِلحياةِ وأنْصِب

ہر اچھی زندگی کی بشاشت گزر گئی اور زندگی کے لیے تگ و دو کر رہا ہوں اور تھک رہا ہوں۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رَبِّكَ كَدْحًا کا معنی ہے تو لوٹنے والا ہے یعنی اپنے رب کی طرف ہر صورت لوٹنے والا ہے۔ یعنی اپنے رب سے ملاقات کرنے والا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے عمل سے ملنے والا ہے۔ قتبی نے کہا: تو اپنی زندگی میں اپنے رب کی ملاقات کے لیے تھکنے والا ہے۔ ملاقات سے مراد ہے تو اپنے رب کو اپنے عمل کے ساتھ ملے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تو اپنے عمل کی کتاب کو ملے گا کیونکہ عمل تو ختم ہو چکا۔ اسی وجہ سے فرمایا: فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۝۔

فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۙ وَّ یَنْقَلِبُ اِلٰۤى اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ اس میں کوئی مناقشہ نہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کی حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث میں اس طرح مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز جس کا محاسبہ کیا جائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا''(2)۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا فَاَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ ۙ فَسَوْفَ یُحَاسَبُ حِسَابًا یَّسِیْرًا ۝ فرمایا: ''وہ حساب نہیں وہ تو پیشی ہے قیامت کے روز جس کے حساب پر مناقشہ ہوا اسے عذاب دیا جائے گا''(3)۔ اسے امام بخاری، امام مسلم اور امام ترمذی نے نقل کیا ہے: کہا یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اھل سے مراد جنت میں حورعین ہیں۔ مَسْرُوْرًا سے مراد خوش ٹھنڈی آنکھ والا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ آیت ابو سلمہ بن عبد الاسد کے بارے میں نازل ہوئی(4)، یہ وہ پہلا شخص تھا جس نے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس اہل کی طرف جو دنیا میں اس کے اہل تھے تاکہ انہیں اپنی نجات اور سلامتی کے بارے میں بتائے۔ پہلا قول قتادہ کا ہے(5) یعنی ان اہل کی طرف لوٹے گا جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جنت میں تیار کیا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 227　2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنة وصفة نعيمها، اثبات الحساب، جلد 2، صفحہ 387

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 457۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اذا السماء انشقت، حدیث نمبر 3260، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 236　5۔ ایضاً

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ۝ وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ؕ۝ اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ؕ۝ اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۚ۝ بَلٰۤی ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا ؕ۝

''اور جس (بدنصیب) کو اس کا نامہ عمل پس پشت دیا گیا تو وہ چلائے گا ہائے موت، ہائے موت، اور داخل ہوگا بھڑکتی آگ میں۔ بے شک وہ (دنیا میں) اپنے اہل وعیال میں خوش وخرم رہا کرتا تھا۔ وہ خیال کرتا تھا کہ وہ (اللہ کے حضور) لوٹ کر نہیں جائے گا۔ کیوں نہیں، اس کا رب اسے خوب دیکھ رہا تھا''۔

وَ اَمَّا مَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ وَرَآءَ ظَهْرِهٖ ۙ۝ فَسَوْفَ یَدْعُوْا ثُبُوْرًا ۙ۝ وَّ یَصْلٰی سَعِیْرًا ۝ یہ آیت اسود بن عبد الاسد کے بارے میں نازل ہوئی جو ابوسلمہ کا بھائی تھا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے پھر یہ ہر مومن اور کافر کے بارے میں عام ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: وہ اپنا دایاں ہاتھ آگے بڑھائے گا تا کہ وہ اپنی کتاب لے تو فرشتہ اسے کھینچے گا اور اس کا دایاں ہاتھ الگ کردے گا تو وہ اپنی کتاب بائیں ہاتھ میں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے لے گا۔ قتادہ اور مقاتل نے کہا: اس کے سینے کی ہڈیاں اور پسلیاں پھاڑ دی جائیں گی پھر اس کا ہاتھ داخل کیا جائے گا اور اس کی پیٹھ کے پیچھے سے نکالا جائے گا تو وہ اپنی کتاب اسی طرح لے گا۔ وہ ہلاکت کو پکارے گا اور کہے گا: یا ویلاہ یا ثبوراہ۔ وہ جہنم میں داخل ہوگا یہاں تک کہ اس کی گرمی کو تاپے گا۔ حرم کے قاریوں ابن عامر اور کسائی نے اسے یصلّی پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْهُ ۝ (الحاقہ) پھر اسے جحیم میں داخل کردو۔ اور ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَّ تَصْلِیَةُ جَحِیْمٍ ۝ (الواقعہ) باقی قراء نے یَصْلی پڑھا ہے یہ فعل لازم ہے متعدی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِیْمِ ۝ (الصافات) مگر اسے جو تاپنے والا ہے بھڑکتی آگ کو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَصْلَی النَّارَ الْكُبْرٰی ۝ (الاعلیٰ) وہ بڑی آگ میں داخل ہوگا۔ فرمایا: ثُمَّ اِنَّهُمْ لَصَالُوا الْجَحِیْمِ ۝ (المطففین) پھر وہ جحیم میں داخل ہوں گے۔ اس کی تیسری قراءت بھی ہے جسے ابان نے عاصم سے، خارجہ نے نافع سے اور اسماعیل مکی نے ابن کثیر سے نقل کیا ہے وہ یُصْلی ہے جس طرح سَیُصْلون ہے اسی طرح سورۃ الغاشیہ میں ہے اسے تُصْلی نارا بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں یعنی صلی، أصلی۔ جس طرح نَزَّلَ اور أنزل ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ وہ دنیا میں خوش وخرم تھا۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کی صفت دنیا میں خوف رکھنے والے، غمگین، رونے والے اور شفقت کرنے والوں سے بیان کی جبکہ آخرت میں ان کی صفت نعیم اور سرور سے کی اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان پڑھا: اِنَّا كُنَّا قَبْلُ فِیْۤ اَهْلِنَا مُشْفِقِیْنَ ۝ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَا وَ وَقٰىنَا عَذَابَ السَّمُوْمِ ۝ (طور) ہم بھی اس سے پہلے اپنے اہل خانہ میں (اپنے انجام کے بارے میں) سہمے رہتے تھے سو بڑا احسان فرمایا ہے اللہ نے ہم پر اور بچا لیا ہے ہمیں گرم لو کے عذاب سے۔ اور جہنمیوں کی دنیا میں صفت سرور، ہنسنے اور لطف اندوزی سے کی۔ فرمایا: اِنَّهٗ كَانَ فِیْۤ اَهْلِهٖ مَسْرُوْرًا ۝ (انشقاق) وہ اپنے اہل میں خوش وخرم تھا۔

اِنَّهٗ ظَنَّ اَنْ لَّنْ یَّحُوْرَ ۝ اسے زندہ کر کے ہرگز دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا کہ اس کا محاسبہ کیا جاتا پھر اس کو ثواب دیا

جائے یا سزا دی جائے۔ یوں باب ذکر کیا جاتا ہے حَارَ یَحُوۡرُ جب وہ لوٹے۔ لبید نے کہا:

وما المرء إلا كالشهاب وضوئهِ   يحورُ رَمادا بعد إذا هو ساطِعُ(1)

انسان نہیں ہے مگر ایک شہاب جیسے اور اس کی روشنی کی مانند پہلے وہ روشن ہوتا ہے پھر خاکستر ہو جاتا ہے۔

عکرمہ اور داؤد بن ابی ہند نے کہا: یَحُوۡرَ یہ حبشی زبان کا لفظ ہے اس کا معنی لوٹنا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دو کلمے متفق ہو جائیں کیونکہ دونوں کلمہ اشتقاق ہیں اس سے الخبز الحواری ہے کیونکہ یہ روٹی سفید ہو جاتی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: میں نہیں جانتا تھا کہ حواری کیا ہے(2)؟ یہاں تک کہ میں نے بدوی عورت کو سنا جو اپنی بیٹی کو بلا رہی تھی۔ حوری یعنی میری طرف لوٹ آ۔ قوم عرب میں حور کا معنی لوٹنا ہے اس معنی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: اللّٰھم إنی أعوذبك من الحور بعد الكور(3) اے اللہ! میں زیادتی کے بعد کمی سے تیری پناہ مانگتا ہوں اسی طرح لفظ حور ہے ضرب المثل ہے: حور فی محارۃ نقصان در نقصان۔ یہ اس آدمی کے بارے میں بولا جاتا ہے جس کا معاملہ ادبار کا شکار ہو۔ شاعر نے کہا:

والذم یبقی وزاد القوم فی حُوۡرِ

مذمت باقی رہتی ہے اور قوم نقصان میں بڑھ جاتی ہے۔

حور یہ تیرے اس قول سے اسم ہے: طَحَنَتِ الطَّاحِنَۃُ فما أحارت شیئا۔ آٹا پینے والی نے دانے پیسے اور آٹے میں کچھ اضافہ نہ کیا۔ حور کا معنی ہلاکت بھی ہے راجز نے کہا:

فی بئرِ لا حُوۡرِ سَرَی ولا شَعَر

ابو عبیدہ نے کہا: یہ اصل میں بئر حور ہے اور لا زائد ہے یعنی ہلاکت والا کنواں۔

بعد الکون کے الفاظ روایت کیے گئے ہیں جس کا معنی ہے امر کے مکمل ہونے کے بعد اس کا منتشر ہونا۔ معمر سے الحور بعد الکون کے بارے میں پوچھا گیا انہوں نے کہا: اس سے مراد الکنتی ہے۔ عبد الرزاق نے ان سے پوچھا: الکُنۡتِی کیا چیز ہے؟ فرمایا: ایک آدمی پہلے صالح ہوتا ہے پھر برا ہو جاتا ہے۔ ابو عمرو نے کہا: جب ایک آدمی بوڑھا ہو جاتا ہے تو اسے کنتی کہتے ہیں گویا اسے اس کے قول کی طرف منسوب کیا گیا۔ کنتُ فی شبابی کذا۔ شاعر نے کہا:

فأصبحت كُنتيا وأصبحت عاجِنا   وشر خِصال المرءِ كُنۡتُ وعاجِنُ

میں کنتی ہو گیا ہوں اور میں عاجن ہو گیا ہوں اور انسان کی خصلتوں میں سے سب سے بری کنتی اور عاجن ہونا ہے۔

عجن الرجل کا معنی ہے جب ایک آدمی اٹھے تو تکبر کی وجہ سے زمین پر سہارا لے۔ ابن اعرابی نے کہا: کنتی سے مراد وہ آدمی ہے جو کہتا ہے: میں جوان تھا، میں بہادر تھا(4)۔ کانی اسے کہتے ہیں جو یہ کہتا ہے: میرے پاس مال تھا میں ہبہ کیا کرتا تھا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 236   2۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 727

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 458۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، باب مایدعو بہ الرجل اذا سافر، صفحہ 286

4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 236

میرے پاس گھوڑے تھے اور میں سوار ہوا کرتا تھا۔

بَلٰۤى ۚۛ اِنَّ رَبَّهٗ كَانَ بِهٖ بَصِیْرًا۟ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح اس نے گمان کیا بلکہ وہ ضرور ہماری طرف لوٹے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق سے پہلے بھی اسے دیکھتا تھا اور جانتا تھا کہ اس کا لوٹنا اس کی طرف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیوں نہیں وہ ضرور لوٹے گا پھر جملہ نئے سرے سے شروع کیا(1)۔ فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کی تخلیق سے لے کر اس کے دوبارہ اٹھائے جانے تک اسے دیکھ رہا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کے حق میں جو شقاوت اور سعادت مقدر ہو چکی ہے اس کو جانتا ہے۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۟ۙ وَ الَّیْلِ وَ مَا وَسَقَ ۟ۙ وَ الْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۟ۙ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۟ؕ فَمَا لَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۟ۙ وَ اِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ۟

"پس میں قسم کھاتا ہوں شفق کی اور رات کی اور جن کو وہ سمیٹے ہوئے ہیں اور چاند جب وہ ماہ کامل بن جائے تمہیں (بتدریج) زینہ بہ زینہ چڑھنا ہے۔ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ یہ ایمان نہیں لاتے، اور جب ان کے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو سجدہ نہیں کرتے"۔

فَلَاۤ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۟ معنی ہے میں قسم اٹھاتا ہوں لا نافیہ صلہ (زائدہ) ہے شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے کے وقت ہوتی ہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت ہوتا ہے۔ اشہب، عبداللہ بن حکم، یحییٰ بن یحییٰ اور دوسرے کثیر علماء نے امام مالک سے یہ قول نقل کیا ہے: شفق سے مراد مغرب میں سرخی ہے جب سرخی ختم ہو جاتی ہے تو مغرب کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عشاء کی نماز واجب ہو جاتی ہے(2)۔ ابن وہب سے مروی ہے کہ مجھے کئی علماء نے حضرت علی بن ابی طالب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت عبادہ بن صامت، حضرت شداد بن اوس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے یہ خبر دی کہ ان کے نزدیک شفق سے مراد سرخی ہے؛ امام مالک بن انس نے یہی کہا ہے۔ ابن وہب کے علاوہ کئی علماء نے صحابہ یعنی حضرت عمر، حضرت ابن عمر، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت انس رضی اللہ عنہم، قتادہ، ابن مسیب، طاؤس، عبداللہ بن دینار اور زہری سے یہی قول نقل کیا ہے۔ فقہاء میں سے اوزاعی، امام مالک، امام شافعی، امام ابو یوسف، ابوثور، ابوعبید، امام احمد اور اسحاق سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد سفیدی ہے؛ یہ قول حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت عمر بن عبدالعزیز، اوزاعی اور امام ابوحنیفہ سے بھی ایک روایت سے مروی ہے۔ اسد بن عمرو نے روایت کی ہے کہ انہوں نے اس سے رجوع کر لیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے یہ مروی ہے: اس سے مراد سفیدی ہے۔ پہلا قول پسندیدہ ہے کیونکہ اکثر صحابہ، تابعین اور فقہاء کی یہی رائے ہے۔ کیونکہ کلام عرب کے شواہد، اشتقاق اور سنت اس کی شہادت دیتے ہیں۔ فراء نے کہا: میں نے ایک عرب کو کہتے ہوئے سنا جو اس کپڑے کے بارے میں کہہ رہا تھا جس پر رنگ تھا: گویا وہ شفق ہے جب کہ وہ کپڑا سرخ تھا(3)۔ یہ اس کے سرخ ہونے کا شاہد ہے۔ شاعر نے کہا:

واحمر اللون کمحمر الشفق وہ سرخ رنگ والا ہے جس طرح شفق سرخ ہوتی ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 229 2۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 727 3۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 229

سرخ گیرو کو شفق کہتے ہیں۔ صحاح میں ہے: شفق سے مراد سورج کی بقیہ روشنی اور سرخی ہے جو رات کے پہلے حصہ میں ہوتی ہے اور عتمہ (عشاء) کے قریب ہوتی ہے۔ خلیل نے کہا: شفق سے مراد وہ سرخی ہے جو سورج کے غروب ہونے سے لے کر عشاء کے وقت تک رہتی ہے جب وہ چلی جائے تو کہتے ہیں: غاب الشفق۔ پھر کہا گیا ہے: اس کا اصل معنی نرمی ہے یہ لفظ بولا جاتا ہے: شئ شفق اس کی نرمی کی وجہ سے اس میں کوئی مضبوطی نہیں۔ اشفق علیہ اس کا دل اس پر نرم ہو گیا۔ شفقت، اشفاق سے ایک اسم ہے۔ اس سے مراد دل کی نرمی ہے۔ اسی طرح شفق ہے؛ شاعر نے کہا:

تھوَی حَیاتِی واُھوی موتھا شَفَقًا

وہ میری زندگی کی خواہش کرتی ہے اور میں شفقت کی وجہ سے اس کی موت کی خواہش کرتا ہوں۔

شفق سے مراد سورج کی باقی ماندہ روشنی اور سرخی ہے، گویا وہ نرمی سورج کی روشنی سے ہے (1)۔ حکماء نے کہا: سفیدی اصلاً غیب نہیں ہوتی۔ خلیل نے کہا: میں اسکندریہ کے مینارہ پر چڑھا میں نے سفیدی کو دیکھا تو میں نے اسے ایک افق سے دوسرے افق میں مضطرب دیکھا میں نے اسے غائب ہوتے ہوئے نہیں پایا۔ ابن ابی اویس نے کہا: میں نے اسے طلوع فجر تک پھیلتا ہوا پایا۔ ہمارے علماء نے کہا: جب اس کا وقت محدود نہیں تو اس کا اعتبار ساقط ہو جائے گا۔

سنن ابی داؤد میں نعمان بن بشیر سے مروی ہے کہ میں عشاء کے وقت کو تم سے زیادہ جانتا ہوں نبی کریم ﷺ عشاء کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب تیسری رات کا چاند غروب ہو جاتا تھا یہ اس وقت کی حد ہے پھر حکم اسم کے اول جز کے ساتھ متعلق ہوتا ہے (2)۔ یہ اعتراض نہ کیا جائے گا کہ آپ کا یہ دعوی فجر اول کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے کیونکہ ہم کہتے ہیں: فجر اول کے ساتھ نماز اور روزے کا حکم متعلق نہیں کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فجر کی وضاحت اپنے ارشاد اور عمل سے بیان فرمائی: ولیس الفجر أن تقول ھکذا، فرفع یدہ إلی فوق، ولکن الفجر أن تقول ھکذا وبسطھا۔ فجر یہ نہیں کہ تو کہے اس طرح اور اپنا ہاتھ اوپر کی طرف اٹھایا بلکہ اس طرح ہے اور اپنے ہاتھ کو پھیلایا۔ اس کی وضاحت سورۂ بقرہ میں روزوں والی آیت میں گزر چکی ہے۔ اس کے اعادہ کا کوئی معنی نہیں۔ مجاہد نے کہا: شفق سے مراد تمام دن ہے (3)۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ عکرمہ نے کہا: دن کا باقی ماندہ حصہ (4)۔ شفق سے مراد ردی چیز بھی ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: عطاء مشفق تھوڑا عطیہ۔ کمیت نے کہا:

ملك أغر مِن الملوك تحلّبتْ　للسائلین یداہ غیرَ مُشْفِقِ

وہ بادشاہوں میں سے روشن چہرے والا بادشاہ ہے اس کے ہاتھ سائلین کے لیے دوہتے یعنی کوئی کمی نہیں کرتے۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ جس کو جمع کرے اور لپیٹے۔ اس کا اصل معنی بادشاہ کا غضب ہے اس کا دبدبہ ہے اگر یہ رحمت کے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 237

2۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوۃ، باب وقت العشاء الاخرۃ، جلد 1، صفحہ 60۔ ایضاً، حدیث نمبر 355، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 458　4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 237

دروازے سے بندوں کی طرف نہ آتی تو بندے اس کے آنے کو برداشت نہ کر سکتے لیکن یہ رات رحمت کے دروازے سے نکلی تو اس کے ساتھ مل گئی تو مخلوق اس کی طرف سکونت پذیر ہوئی پھر لوگ متفرق ہوئے، ایک دوسرے سے لپٹے اور منقبض ہوئے اور ہر ایک اپنے ٹھکانہ کی طرف لوٹ آیا تو اس کی ہولنا کی سے خوفزدہ ہو کر اس میں سکون پا لیا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ (القصص: 73) اس کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے لیے رات اور دن کو بنایا تا کہ اس میں سکون حاصل کرو۔ اور فرمایا: وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ (الجاثیہ: 12) تا کہ تم دن کے وقت اس کا فضل تلاش کرو۔ رات اس چیز کو جمع کرتی ہے جو دن کے وقت اپنی مصروفیات میں منتشر ہوتے ہیں؛ یہی حضرت ابن عباس، مجاہد، مقاتل اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن حارث برجمی نے کہا:

فإنّي وإيّاكُمْ وشوقًا إليكُمْ كقابِضِ ماءٍ لم تَسِقْه أناملُهْ

بے شک میں، تم اور تمہارے ساتھ اشتیاق اسی طرح ہے جس طرح ایک آدمی پانی پر قبضہ کرنا چاہتا ہے جس پانی کو اس کی انگلیاں جمع نہیں کرتیں۔

وہ کہتا: اس کے ہاتھ میں اس سے کچھ بھی نہیں جس طرح اس آدمی کے پاس کچھ بھی نہیں ہوتا جو ہاتھ میں پانی روکتا ہے جب رات پہاڑوں، درختوں، سمندروں اور زمین کو ڈھانپ لیتی ہے تو ہر چیز اس کے لیے جمع ہو گئی تو تحقیق رات نے ان چیزوں کو جمع کر لیا۔ وَسَقَ کا معنی ہے تیرا ایک چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا تو کہتا ہے: وسقته أسقه وسقا اس لیے جو کھانا کثیر ہو مجتمع ہو اسے بھی وسق کہتے ہی یہ ساٹھ صاع ہوتا ہے طعام موسق، جمع شدہ کھانا۔ ابل مستوسقة، مجتمع اونٹ۔ راجز نے کہا:

إنّ لَنَا قَلائِصًا حقائِقا مُسْتَوْسِقاتٍ لو يَجِدْنَ سائِقا(1)

ہماری حقہ اونٹنیاں ہیں وہ جمع ہیں کاش! وہ کوئی ہانکنے والا پاتیں۔

عکرمہ نے کہا: وَمَا وَسَقَ سے مراد ہے جس چیز کو ہانک کر ایسی جگہ لے جاتے جہاں وہ پناہ لیتا ہے۔ وَسَقَ دھتکار نے کے معنی میں ہے اس وجہ سے اونٹوں، بھیڑ، بکریوں اور گدھوں میں سے جنہیں ہانک کر لے جایا جا رہا ہو انہیں وسیقه کہتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

كما قافَ آثارَ الوسيقةِ قائِفُ

جس طرح قیافہ شناس جانوروں کے نشانات کو دیکھ کر پیچھے چلا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وَمَا وَسَقَ کا معنی ہے جو کسی چیز کو چھپا لے۔ اور آپ سے ہی یہ بھی مروی ہے: جو چیز تو کسی پر لادے۔ جس چیز کو تو نے کسی پر لادا: فقد وسقته عرب کہتے ہیں: لا افعله ما وسقت عيني الماء۔ میں اس وقت تک ایسا نہیں کروں گا جب تک میری آنکھ آنسو اٹھائے ہوئے ہے۔

وَسَقَتِ الناقة تَسِقُ وَسْقًا وہ حاملہ ہوئی اور اپنی رحم کو پانی پر بند کر دیا۔ اس کے لیے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هي ناقة

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 229

داسق، ھی نوق داسق، جس طرح نائم کی جمع نیام آتی ہے اور صاحب کی جمع صحاب آتی ہے۔ بشر بن ابی حازم نے کہا:

أَلَظُّ بِهِنَّ يحدوهُنَّ حتى تبنيتِ الحِيالُ مِنَ الوِساقِ

شعر میں وساق اسی معنی میں ہے۔

مواسیق بھی اسی طرح ہے أوسقتُ البعیر میں نے اس پر بوجھ لادا۔ أوسقتِ النخلةُ اس کا پھل زیادہ ہو گیا۔ ضحاک اور مقاتل بن سلیمان نے کہا: وہ تاریکی کی وجہ سے بوجھل ہو گئی۔ مقاتل نے کہا: وہ ستاروں والی ہو گئی۔ قشیری نے کہا: جمل کا معنی ملانا اور جمع کرنا ہے، رات اپنی تاریکی کے ساتھ ہر شئی کو ڈھانپ لیتی ہے جب اس نے ہر چیز کو ڈھانپ لیا تو انہیں جمع کر لیا۔ یہ قسم تمام مخلوقات کی قسم ہے کیونکہ رات ان سب کو جامع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَلَآ أُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾ (الحاقہ) میں قسم اٹھاتا ہوں ان چیزوں کی جن کو تم دیکھتے ہو اور جن کو تم نہیں دیکھتے۔

ابن جبیر نے کہا: اس کا معنی ہے اس میں جو عمل کیا جائے یعنی تہجد اور سحری کے وقت استغفار (1)۔ شاعر نے کہا:

ديومًا ترانا صالحين وتارةً تقومُ بِنَا كالواسِقِ المتُلَبِّبِ

کسی دن تو ہمیں دیکھتا ہے کہ ہم صالح ہیں اور کبھی تو ہمارے ساتھ کھڑا ہوتا ہے تہجد گزار کمر کسنے والے کی طرح۔

یہاں داسق سے مراد عامل ہے یعنی عمل کرنے کی طرح۔

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ﴿۱۸﴾ یعنی چاند کی قسم جب وہ چاند مکمل ہو جائے؛ مجتمع ہو جائے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اِتَّسَقَ کا معنی ہے جب وہ بھر جائے اور مجتمع ہو جائے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس کا معنی ہے درست ہو جائے (2)۔ قتادہ نے کہا: جب وہ گھومے۔ فراء نے کہا: اتساقه کا معنی ہے اس کا بھر جانا اور چودھویں کی رات اس کا مکمل ہو جانا۔ یہ وَسَقَ سے افتعال کا وزن ہے جس کا معنی جمع کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: میں نے اسے جمع کیا تو وہ جمع ہو گئے، جس طرح یہ کہا جاتا ہے: وصلته فاتصل یہ جملہ کہا جاتا ہے: امر فلان متسق فلاں کا معاملہ درست اور منظم ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: اتسق الشئ جب وہ پے در پے آئے۔

لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ﴿۱۹﴾ ابو عمرو، حضرت ابن مسعود، حضرت ابن عباس، ابو العالیہ، مسروق، ابو وائل، مجاہد، نخعی، شعبی، ابن کثیر، حمزہ اور کسائی نے اسے لترکبن باء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہے یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایک حال کے بعد دوسرے حال پر چڑھیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے (3)۔ امام شعبی نے کہا: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایک آسمان کے بعد دوسرے آسمان، ایک درجہ کے بعد دوسرے درجہ اور ایک رتبہ کے بعد دوسرے رتبہ پر اللہ تعالیٰ کے قرب میں چڑھیں گے۔

حضرت ابن مسعود نے کہا: آپ ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں آسمان پر چڑھیں گے یعنی وہ حالات جن کی صفت اللہ تعالیٰ نے بیان کی ہے یعنی آسمان کا پھٹنا، اس کا لپیٹا جانا، اس کا کبھی مہل کی طرح ہو جانا، کبھی تیل کی طرح ہو جانا۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 237 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 238 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 459

ابراہیم نے عبدالاعلی سے طبقاعن طبق کی یہ تعبیر نقل کی ہے آسمان ایک حال کے بعد دوسرے حال میں بدل جائے گا کبھی وہ تیل کی طرح سرخ ہو جائے گا، وہ پگھلے ہوئے تانبے کی طرح ہو جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اے انسان! تو ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر چڑھے گا وہ یہ کہ تو نطفہ ہوگا، پھر جما ہوا خون ہوگا پھر گوشت کا لوتھڑا ہوگا، پھر زندہ، پھر مردہ، پھر غنی، فقیر۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: یٰۤاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ میں انسان مذکور کو خطاب ہے۔ الْاِنْسَانُ اسم جنس ہے اس کا معنی الناس (لوگ) ہے باقی قراء نے اسے لترکبن پڑھا ہے خطاب الناس کو ہے؛ ابوعبید اور ابو حاتم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ کہا: الناس مراد لینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لینے سے زیادہ موزوں ہے کیونکہ اس آیت سے قبل یہ ذکر کیا گیا ہے جس کو کتاب اس کے دائیں ہاتھ میں دی گئی اور جس کو کتاب اس کے بائیں ہاتھ میں دی گئی، یعنی تم قیامت کی سختیوں میں ایک حالت کے بعد دوسری حالت میں چڑھو گے یا تم اپنے سے ماقبل لوگوں کے طریقہ پر چلو گے جو وہ انبیاء کو جھٹلانے اور انبیاء پر اختلاف کرنے کے اعتبار سے اپنایا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: سب ہی مراد ہے اس بارے میں احادیث وارد ہیں۔ ابونعیم حافظ نے جعفر بن محمد بن علی سے وہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''اللہ تعالیٰ نے جس مقصد کے لیے انسان کو پیدا کیا ہے اس سے انسان غفلت میں ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں جب وہ کسی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو فرشتے سے فرماتا ہے: اس کا رزق، اس کا اثر (جہاں جہاں سفر کرے گا) اور اس کی موت کا وقت لکھ دے اور یہ بھی لکھ دے کہ وہ بدبخت ہے یا سعادت مند ہے پھر یہ فرشتہ چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ایک اور فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ وہ سمجھ بوجھ کے قابل ہو جاتا ہے پھر اللہ تعالیٰ دو فرشتے بھیجتا ہے جو اس کی اچھائیاں اور برائیاں لکھتے ہیں جب موت آ جاتی ہے تو وہ دونوں فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں پھر ملک الموت آتا ہے وہ اس کی روح کو قبض کرتا ہے جب اسے اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر ملک الموت چلا جاتا ہے پھر اس کے پاس قبر والے دو فرشتے آتے ہیں جو اس کا امتحان لیتے ہیں پھر یہ دونوں اوپر چلے جاتے ہیں۔ جب قیامت قائم ہوگی تو اس پر نیکیوں اور برائیوں والا فرشتہ نازل ہوگا۔ دونوں وہ کتاب کھولیں گے جو اس کے گلے میں بندھی ہوگی پھر دونوں اس کے ساتھ حاضر ہوں گے ایک اس کے پیچھے ہوگا اور دوسرا گواہ ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَقَدْ كُنْتَ فِیْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْیَوْمَ حَدِیْدٌ ۝ (ق) تو اس سے غافل تھا ہم نے تجھ سے پردے کو چاک کر دیا آج تیری نظر بڑی تیز ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر چڑھو گے''(1)۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ان قدامکم أمرا عظیما فاستعینوا باللہ العظیم تمہارے سامنے عظیم امر ہے، اللہ عظیم سے مدد طلب کرو۔ یہ حدیث کئی احوال پر مشتمل ہے جو انسان کو لاحق ہوتے ہیں۔ اس کی پیدائش سے لیکر اس کے دوبارہ اٹھائے جانے تک۔ سب ایک شدت کے بعد دوسری شدت ہے، زندگی ہے پھر موت ہے پھر دوبارہ اٹھایا جانا ہے پھر جزا ہے ان تمام

1۔ المستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 564، حدیث نمبر 1052/3914، کتاب التفسیر، اذا السماء انشقت

سے ہر ایک میں شدائد ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لترکبن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع حتی لو دخلوا جحر ضب لدخلتموہ قالوا یا رسول اللہ الیہود و النصاری؟ قال فَمَنْ، خرجہ البخاری (1)۔ تم ضرور بضرور متقدمین کے طبقہ پر قدم بقدم چلو گے یہاں تک وہ اگر گوہ کے بل میں داخل ہوئے تو تم بھی اس میں ضرور داخل ہو گے۔ صحابہ نے عرض کی: یہود و نصاری؟ فرمایا: تو پھر اور کون؟ امام بخاری نے اسے روایت کیا ہے۔ جہاں تک مفسرین کے اقوال کا تعلق ہے تو عکرمہ نے کہا: ایک حالت کے بعد دوسری حالت، دودھ پینے کی حالت کے بعد دودھ چھڑانا اور نوجوانی کے بعد بڑھاپا (2)۔ شاعر نے کہا:

كَذٰلِكَ المرءُ إن يُنْسَأَلَهُ أَجَلٌ يَرْكَبْ علی طَبَقٍ مِنْ بَعْدِہٖ طَبَقُ (3)

اسی طرح انسان اگر اسے مہلت دی گئی ہے تو ایک طبق کے بعد دوسرے طبق پر سوار ہوتا ہے۔

مکحول سے مروی ہے: ہر بیس سال میں تم ایسا امر پاتے ہو جس پر تم پہلے نہ تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: ایک امر کے بعد دوسرا امر، تنگدستی کے بعد خوشحالی، خوشحالی کے بعد تنگدستی، فقر کے بعد غنا، غنا کے بعد فقر، بیماری کے بعد صحت، صحت کے بعد بیماری (4)۔

سعید بن جبیر نے کہا: ایک منزل کے بعد دوسری منزل (5)۔ ایک قوم دنیا میں کمزور تھی وہ آخرت میں بلند ہو گئے۔ ایک قوم دنیا میں بلند تھی تو وہ آخرت میں پست ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: منزل کے بعد دوسری منزل، ایک طبق کے بعد دوسرا طبق اس کی وجہ یہ ہے جب وہ صالحیت میں ہو تو اسے یہ صالحیت اوپر والے مرتبہ کی طرف بلاتی ہے اور جو آدمی فساد پر ہو تو یہ فساد اسے اوپر والے فساد کی طرف بلاتا ہے کیونکہ یہ چیز اپنی مثل کی طرف چلتی ہے۔ ابن زید نے کہا: تم ضرور دنیا کے طبق سے آخرت کے طبق کی طرف جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد شدائد اور ہولناکیاں ہیں موت پھر دوبارہ اٹھایا جانا، پھر پیشی (6)۔

عرب اس آدمی کے بارے میں کہتے ہیں جو کسی مصیبت میں جا پڑتا ہے: وقع فی بنات طبق، وقع فی احدی بنات طبق۔ اسی سے ایک قول یہ بھی ہے: بڑی مصیبت ام طبق اور احدی بنات طبق ہے۔ اس کا اصل معنی سانپ ہے کیونکہ سانپ کو ام طبق کہتے ہیں کیونکہ وہ سمٹ جاتا ہے۔ لغت میں طبق حالت کو کہتے ہیں جس طرح ہم نے بیان کیا ہے۔ اقرع بن حابس تمیمی نے کہا:

وساقنی طَبَقٌ منه إلی طَبَقِ (7)

مجھے ایک حالت دوسری حالت کی طرف ہانک کر لے گئی۔

یہ اس عالم کے حادث ہونے اور صانع کے اثبات پر واضح دلیل ہے۔ حکماء نے کہا: جو آج ایک حالت پر ہو اور کل دوسری

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 545 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 238 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً
5۔ ایضاً 6۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 230 7۔ ایضاً

حالت پر ہو تو وہ جان لے کہ اس کا انجام کسی اور امر پر ہوگا۔ ابو بکر وراق سے پوچھا گیا: اس عالم کے صانع پر کیا دلیل ہے؟ اس نے جواب دیا: حالات کا بدلنا، قوی کا کمزور ہو جانا، ارکان کا ضعیف ہو جانا، نیت کا مغلوب ہو جانا اور عزیمت کا منسوخ ہو جانا۔ یہ جملہ بھی بولا جاتا ہے: ہمارے پاس لوگوں اور ٹڈیوں کا طبق آیا یعنی جماعت آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں حضرت عباس رضی اللہ عنہما کا ایک شعر ہے (1):

تُنْقَلُ مِن صالبٍ إلى رَحِمٍ إذا مضَى عالَمٌ بدا طَبَقُ

آپ کو پشت سے رحم کی طرف منتقل کیا جاتا رہا جب ایک عالم گزر گیا تو دوسرا طبق یعنی جماعت ظاہر ہوگئی۔

یعنی لوگوں کی ایک جماعت زمین کا طبق ہوگئی یعنی اس نے اسے بھر دیا۔ طبق کا یہ معنی بھی ہے نرم ہڈی جو دو مہروں کے درمیان ہوتی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مضى طبق من الليل، طبق من النهار۔ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ طبق کی جمع اطباق ہے یہ مشترک ہے اسے لترکبن بھی پڑھتے ہیں یہ نفس کو خطاب ہے اسے لیرکبن بھی پڑھا گیا ہے اس وقت ضمیر انسان کی طرف لوٹے گی۔ عن طبق محل نصب میں ہے کیونکہ یہ طبقا کی صفت ہے تقدیر کلام یہ ہوگی طبقا مجاوزا لطبق یا یہ لترکبن میں جو ضمیر ہے اس سے عن طبق حال ہے تقدیر کلام یہ ہوگی لترکبن طبقا مجاوزین لطبق أو مجاوزا أو مجاوزۃ۔

فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ یعنی کون سی چیز انہیں ایمان سے روکتی ہے جب کہ ان کے لیے آیات واضح ہوگئیں اور دلائل قائم ہو گئے۔ یہ استفہام انکاری ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ تعجب ہے ان پر تعجب کرو کہ وہ ان آیات کے ہوتے ہوئے ایمان ترک کر رہے ہیں۔

وَ اِذَا قُرِئَ عَلَيْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا يَسْجُدُوْنَ ۝ یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے۔ صحیح میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس سورت کو پڑھا تو اس میں سجدہ کیا جب اس سے فارغ ہوئے تو دوسرے ساتھیوں کو بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سجدہ کیا تھا۔ امام مالک نے ارشاد فرمایا: یہ لازمی سجدوں میں سے نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے وہ یقین نہیں رکھتے اور اس کے واجبات پر عمل نہیں کرتے۔ ابن عربی نے کہا: صحیح یہ ہے کہ یہ آیت لازمی سجدوں میں سے ہے (2) یہ مدنیوں کی روایت ہے اس میں قرآن و سنت کی تائید ہے۔ ابن عربی نے کہا: جب میں لوگوں کو امامت کراتا ہوں تو میں اس کی قراءت کو ترک کر دیتا ہوں (3) کیونکہ اگر میں سجدہ کروں گا تو وہ اس کا انکار کریں گے اگر میں ترک کروں گا تو یہ میری جانب سے تقصیر ہوگی اس وجہ سے میں اجتناب کرتا ہوں مگر جب میں اکیلے نماز پڑھوں۔ یہ صادق و امین کے قول کی تصدیق و تحقیق ہے کہ معروف منکر بن جائے اور منکر معروف بن جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ سے فرمایا تھا: لولا حدثان قومك بالكفر لهدمتُ البيت ولرددته على قواعد إبراهيم اگر تیری قوم کا کفر کا دور قریب نہ ہوتا تو میں بیت اللہ شریف کو گرا دیتا اور اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر تعمیر کر دیتا۔

ہمارے شیخ ابو بکر فہری رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین (ہاتھ اٹھانا) کیا کرتے تھے۔ یہ امام مالک، امام شافعی کا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 459 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1911 3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1912-1911

مذہب ہے اور شیعہ بھی اسی طرح کرتے ہیں ایک روز وہ میرے پاس سرحد پر ابن شواء کی چھاؤنی میں تشریف لائے یہی میری تدریس کی جگہ تھی ظہر کا وقت تھا، وہ مذکورہ چھاؤنی کی مسجد میں داخل ہوئے اگلی صف میں ہو گئے اور میں ان کے پیچھے سمندر پر لگائے گئے تختوں پر بیٹھا ہوا تھا [illegible] میرے [illegible] میری صف میں ابوثمنہ رئیس البحر اور اس کا کمانڈر تھا جبکہ وہ چند ساتھیوں کے ساتھ نماز کا انتظار کر رہے تھے اور بندرگاہ کے نیچے جہازوں پر نظر رکھے ہوئے تھے جب شیخ نے رکوع اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھوں کو اٹھایا تو ابوثمنہ اور اس کے ساتھیوں نے کہا: اس مشرقی کو نہیں دیکھتے یہ کیسے ہماری مسجد میں داخل ہو گیا؟ اس کی طرف اٹھو، اسے قتل کر دو اور سمندر میں پھینک دو تمہیں کوئی بھی نہ دیکھے۔ میرا دل خوف سے لرزنے لگا میں نے کہا: یہ طرطوشی موجودہ دور کا فقیہ ہے۔ انہوں نے مجھے کہا: اس نے اپنے ہاتھ کیوں اٹھائے ہیں؟ میں نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا۔ یہ امام مالک کا مذہب ہے جو اہل مدینہ نے آپ سے روایت کیا ہے۔ میں انہیں ٹھنڈا کرنے لگا اور خاموش کرانے لگا یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے میں ان کے ساتھ چھاؤنی میں اپنے مسکن کی طرف گیا تو انہوں نے میرے چہرے کی رنگت کو بدلے ہوئے دیکھا تو انہوں نے اسے عجیب جانا۔ انہوں نے مجھ سے سوال کیا میں نے انہیں تمام بات بتادی وہ مسکرائے اور فرماتے: میرے لیے اس سے بڑھ کر کیا اعزاز ہوتا کہ میں ایک سنت کے احیاء کی وجہ سے قتل کیا جاتا؟ میں نے عرض کی: یہ آپ کے لیے حلال نہیں کیونکہ آپ ایسے لوگوں کے درمیان ہیں اگر آپ اس پر قائم رہے تو یہ آپ پر حملہ کر دیں گے ممکن ہے آپ کا خون رائیگاں چلا جائے۔ انہوں نے کہا: اس بات کو چھوڑو اور کوئی دوسری بات کرو۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾

''بلکہ یہ کفار اسے (الٹا) جھٹلاتے ہیں، اور اللہ خوب جانتا ہے جو ان (کے دلوں) میں بھرا ہوا ہے پس آپ انہیں خوشخبری سنائیں دردناک عذاب کی البتہ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے ایسا اجر ہے جو منقطع نہ ہوگا''۔

بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۲﴾ بلکہ کافر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور جو وہ پیغام حق لائے ہیں اس کو جھٹلاتے ہیں۔ مقاتل نے کہا: آیت بنی عمرو بن عمیر کے بارے میں نازل ہوئی یہ چار افراد تھے ان میں سے دو مسلمان ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ سب کفار کے بارے میں نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُوْعُوْنَ ﴿۲۳﴾ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے جو وہ اپنے دلوں میں تکذیب چھپائے ہوئے ہیں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے۔ مجاہد نے کہا: وہ اپنے افعال چھپاتے ہیں (1)۔ ابن زید نے کہا: وہ اچھے اور برے اعمال جمع کرتے ہیں (2)۔ یہ وعاء سے ماخوذ ہے۔ وعاء اسے کہتے ہیں کہ اس میں جو کچھ ہوتا ہے اس کو جمع کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: أوعيت الزاد والمتاع جب تو زاد راہ اور سامان کو برتن میں رکھ لے۔ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 239 2۔ ایضاً

الخير أبقى وإن طال الزمانُ بِهِ　والشرُّ أخبث ما أوعيت مِن زادِ

اچھائی باقی رہنے والی ہے اگرچہ زمانہ طویل ہو جائے اور برائی برا ترین زاد ہے جو تو جمع کرے۔

وعاء کا معنی ہے جس کی وہ حفاظت کرے۔ تو کہتا ہے: وعيت الحديث أعيه وعيًا میں نے بات کو یاد کیا اسی سے ہے أذن واعية یاد رکھنے والے کان۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۴﴾ انہوں نے جو تکذیب کی اس پر ان کے لیے ایسا عذاب ہے جو دردناک ہے یعنی اسے بشارت کی جگہ رکھ لو۔

اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ ﴿۲۵﴾ یہ مستثنیٰ منقطع ہے گویا فرمایا: لیکن جنہیوں نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کی شہادت دے کر تصدیق کی اور نیک اعمال کیے یعنی فرائض ادا کیے۔ ان کے لیے ایسا اجر ہے جس سے نہ کوئی کمی ہوگی نہ ہی وہ ختم ہوگا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: مننت الحبل جب تو اسے کاٹ دے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ نافع بن ازرق نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ کے بارے میں پوچھا فرمایا: وہ ختم ہونے والا نہ ہوگا۔ پوچھا گیا: عرب اس معنی کو پہچانتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔ اخو یشکر اس معنی کی وضاحت کرتا ہے جب وہ کہتا ہے:

فتَرى خَلْفَهُنَّ مِنْ سُرْعَةِ الرَّجْعِ　مَنِينًا　كأَنَّهُ　أَهْباءُ(1)

تیزی سے پلٹنے کی وجہ سے تو ان کے پیچھے غبار پائے گا گویا باریک ذرات ہیں۔

مبرد نے کہا: منین کا معنی غبار ہے کیونکہ یہ غبار اپنے مابعد کو قطع کر لیتا ہے ہر کمزور منین اور منون ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: **غَيْرُ مَمْنُوْنٍ** کا معنی ہے ان پر اس کی وجہ سے کوئی احسان نہیں جتلایا جائے گا۔ اہل علم میں سے چند لوگوں نے کہا: **اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** یہ استثنا نہیں یہ واؤ کے معنی میں ہے گویا کہا: اور جو ایمان لائے۔ اس بارے میں گفتگو سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 459

سورة البروج

آیاتها ۲۲ — ۸۵ سُورَةُ البُرُوجِ مَكِّيَّةٌ ۲۷ — رکوعها ۱

بالاتفاق مکی ہے۔ اس کی بائیس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝۱

''قسم ہے آسمان کی جو برجوں والا ہے''۔

یہ قسم ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے قسم اٹھائی ہے۔ بروج میں چار قول ہیں:

(۱) ستاروں والا (1)؛ یہ حضرت حسن بصری، قتادہ، مجاہد اور ضحاک کا قول ہے۔

(۲) محلات؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور مجاہد کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: یہ آسمان میں محلات ہیں (2)۔ مجاہد نے کہا: ایسے برج جن میں نگہبان ہوتے ہیں۔

(۳) اچھی صورت والا؛ یہ منہال بن عمرو کا قول ہے۔

(۴) منازل والا (3)؛ یہ ابو عبیدہ اور یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ یہ بارہ برج ہیں یہ ستاروں، چاند اور سورج کی منازل ہیں۔ چاند ایک برج میں دو دن اور ایک تہائی دن چلتا رہتا ہے۔ یہ اٹھائیس دن ہو جاتے ہیں پھر دو راتیں وہ چھپ جاتا ہے اور سورج ہر برج میں ایک ماہ تک چلتا رہتا ہے وہ برج یہ ہیں حمل، ثور، جوزاء، سرطان، الاسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ کلام عرب میں بروج سے مراد محلات ہیں، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ (النساء: 78) اگر چہ تم مضبوط محلات میں ہو۔

وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝۲ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝۳

''اس دن کی جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور حاضر ہونے والے دن کی اور اس کی جس کے پاس حاضر ہوں گے''۔

یوم موعود سے مراد وہ دن ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہ دوسری قسم ہے یہ یوم قیامت ہے۔ علماء کی تاویل میں کوئی اختلاف نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: آسمان اور زمین والوں سے وعدہ کیا گیا ہے کہ وہ اس میں جمع ہوں۔

شاہد اور مشہود کی تعبیر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے (4)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 240 — 2۔ ایضاً — 3۔ ایضاً — 4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 241

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرفوع روایت نقل کی ہے کہ "یوم موعود سے مراد یوم قیامت (1)۔ یوم مشہود سے مراد یوم عرفہ، اور شاہد سے مراد یوم جمعہ ہے"۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے اپنی جامع میں اسے نقل کیا ہے کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے ہم اسے موسیٰ بن عبیدہ کے سوا نہیں جانتے اور موسیٰ بن عبیدہ کو حدیث میں ضعیف قرار دیا جاتا ہے اسے یحییٰ بن سعید اور دوسرے علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔ شعبہ، سفیان ثوری اور دوسرے ائمہ نے اس سے روایات نقل کی ہیں۔ قشیری نے کہا: یوم جمعہ ہر عمل کرنے والے پر گواہی دے گا جو اس نے اس دن عمل کیا۔

میں کہتا ہوں: سارے دن اس طرح ہیں۔ ہر دن شاہد ہے، ہر رات شاہد ہے اس کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو نعیم حافظ نے معاویہ بن قرہ سے نقل کی ہے وہ معقل بن یسار سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں: ليس من يوم يأتي على العبد إلا ينادي فيه: يابن آدم أنا خَلْق جديد وأنا فيما تعمل عليك شهيد، فاعمل في خيرا أشهد لك به غدا، فإني لو قد مضيتُ لم ترني أبدا ويقول الليل مثلَ ذلك (☆)۔

جو دن بھی بندے پر آتا ہے وہ اس میں ندا کرتا ہے: اے ابن آدم! میں تازہ مخلوق ہوں جو کچھ تو اس میں کرے گا میں تجھ پر گواہ ہوں مجھ میں اچھا عمل کر میں کل تیرے حق میں گواہی دوں گا اگر میں گزر گیا تو مجھے کبھی بھی نہ دیکھ سکے گا رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ معاویہ کی یہ روایت غریب ہے۔ زید عمی ان سے روایت کرنے میں متفرد ہے میں اس سند کے علاوہ اس روایت کو مرفوع نہیں دیکھتا۔

قشیری نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ شاہد سے مراد یوم اضحیٰ ہے۔ سعید بن مسیب نے کہا: شاہد سے مراد یوم ترویہ ہے اور مشہود سے مراد یوم عرفہ ہے (2)۔ اسرائیل نے ابو اسحاق سے وہ حارث سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ مشہود سے مراد یوم قیامت ہے (3) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۝ (ہود) یہ وہ دن ہے جس دن اکٹھے کیے جائیں گے سب لوگ اور یہ وہ دن ہے جب سب کو حاضر کیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں: اس وجہ سے شاہد کے بارے میں علماء میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے (4)۔ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر سے بھی یہی مروی ہے اس کی وضاحت ان آیات میں ہے۔ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا۝ (النساء) اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً (الانعام: 19) بتاؤ کون سی چیز شہادت میں اس سے بڑھ کر ہے۔ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْ (الانعام: 19) فرما دیجئے: اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ کافی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے (5)؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے، بطور دلیل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ آیت نقل کی فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 169 2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 233 3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 461
4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 241 5۔ ایضاً ☆۔ حلیۃ الاولیاء، جلد 2، صفحہ 303-304

مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ۝ (النساء) تو کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور ہم آپ کو ان سب پر گواہ لائیں گے۔ اور حضرت حسین نے یہ آیت بطور دلیل پڑھی يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا ۝ (الاحزاب) اے نبی! ہم نے آپ کو شاہد، مبشر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔

میں کہتا ہوں میں خود بطور دلیل یہ آیت پڑھتا ہوں وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (البقرہ:143)

ایک قول یہ کیا گیا ہے: انبیاء اپنی امتوں پر گواہی دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ (النساء:41) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم ہیں (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ (المائدہ:117) جب تک میں ان میں رہا میں ان پر گواہ تھا۔ مشہود سے مراد آپ کی امت ہے۔ حضرت ابن عباس اور محمد بن کعب سے مروی ہے: شاہد سے مراد انسان ہے (3) اس کی دلیل كَفَى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيبًا ۝ (الاسراء) آج تجھ پر تیرا نفس ہی محاسب کافی ہے۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد اعضاء ہیں اس کی دلیل یہ آیت ہے يَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۝ (النور) اس روز ان پر ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے اعمال پر گواہ ہوں گے۔ حسین بن فضل نے کہا: شاہد یہ امت ہے اور مشہود باقی امتیں ہیں (4)۔ اس کی وضاحت یوں ہے۔ وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ (بقرہ:143) اس لیے ہم نے آپ کو بہترین امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ۔ ایک قول یہ کیا گیا: شاہد سے مراد حفظہ فرشتے ہیں اور مشہود سے مراد انسان ہیں (5)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد راتیں اور دن ہیں اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔

میں کہتا ہوں: مال مالک کے خلاف گواہی دے گا، زمین اس کے بارے میں گواہی دے گی جو اس پر عمل کیا گیا۔ صحیح مسلم میں نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: إن هذا المال خَضِرٌ حُلْوٌ ونِعْمَ صاحبُ المسلم هو لمن أعطى منه المسكين واليتيم وابن السبيل وانه من يأخذه بغير حق كان كالذي يأكل ولا يَشْبَعُ ويكون عليه شهيدا يوم القيامة یہ مال سرسبز اور میٹھا ہے اس کا مالک مسلمان کتنا اچھا ہے جو اس مال سے مسکین، یتیم اور مسافر کو دیتا ہے یا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو آدمی اسے بغیر حق کے لیتا ہے اس کی مثال اس آدمی کی طرح ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا، یہ قیامت کے روز اس کے خلاف گواہ ہوگا۔

ترمذی شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی آیت يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ (الزلزال) اس روز وہ اپنی خبریں بیان کرے گی۔ پوچھا: کیا تم جانتے ہو اس کی خبریں کیا ہیں؟ صحابہ نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اس کی خبریں یہ ہیں کہ یہ ہر مرد اور عورت پر گواہی دے گی جو اس پر عمل کیا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 241
2۔ ایضاً
3۔ ایضاً
4۔ المحرر الوجیز، جلد 4، صفحہ 461
5۔ زاد المسیر، جلد 5، صفحہ 234

گیا وہ کہے گی: یہ یہ عمل کیا گیا"۔ فرمایا: "یہی اس کی خبریں ہیں" (☆)۔ فرمایا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا: شاہد سے مراد مخلوق ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت دی اور مشہود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مشہود سے مراد یوم جمعہ ہے جس طرح حضرت ابو درداء نے روایت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اکثروا عن من الصلوۃ یوم الجمعۃ فإنہ یوم مشہود شَہِدَ ذ الملائکۃ (1) جمعہ کے روز مجھ پر کثرت سے درود پڑھو کیونکہ یہ یوم مشہود ہے اس میں ملائکہ حاضر ہوتے ہیں۔ اسے ابن ماجہ اور دوسرے محدثین نے ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس اعتبار سے یوم عرفہ مشہود ہے کیونکہ ملائکہ اس روز حاضر ہوتے ہیں اور اللہ کی رحمت اس میں نازل ہوتی ہے اسی طرح یوم النحر بھی ہے۔ ابو بکر عطار نے کہا: شاہد سے مراد حجر اسود ہے (2) جس آدمی نے صدق، اخلاص اور یقین کے ساتھ اسے مس کیا اس کے حق میں یہ گواہی دے گا اور مشہود سے مراد حاجی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: شاہد سے مراد انبیاء اور مشہود سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں (3) اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَاۤ اٰتَیْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ... وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ۝ (آل عمران) یاد کرو اس وقت کو جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے پختہ وعدہ لیا جو میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی ... میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ ۝ اِذْ هُمْ عَلَیْهَا قُعُوْدٌ ۝ وَّ هُمْ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ شُهُوْدٌ ۝

"مارے گئے کھائی کھودنے والے (جس میں) آگ تھی بڑے ایندھن والی جب وہ اس (کے کنارہ) پر بیٹھے تھے اور وہ جو کچھ اہل ایمان کے ساتھ سلوک کر رہے تھے اسے دیکھ رہے تھے"۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ ان پر لعنت کی گئی۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: قرآن حکیم میں جہاں بھی قُتِلَ کے الفاظ ہیں اس کا معنی لُعِنَ ہے۔ فراء کے قول کے مطابق یہ جواب قسم ہے (4) اس میں لام مضمر ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ۝ (الشمس) پھر فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ (الشمس) اصل میں یہ لقد افلح تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں تقدیم و تاخیر ہے یعنی اصحاب اخدود پر لعنت ہے قسم ہے برجوں والے آسمان کی: یہ ابو حاتم سجستانی نے کہا۔ ابن انباری نے کہا: یہ غلط ہے کیونکہ کسی کہنے والے کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کہے: واللہ قام زید اس کا معنی یہ ہو قام زید واللہ۔ ایک قوم نے کہا: جواب قسم اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ۝ ہے یہ قبیح ہے کیونکہ ان دونوں کے درمیان گفتگو طویل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم اِنَّ الَّذِیْنَ فَتَنُوا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب قسم محذوف ہے تقدیر کلام یوں ہے والسماء ذات البروج لتبعثن؟ یہ ابن انباری کا اختیار ہے۔ الْاُخْدُوْدِ کا معنی زمین میں بڑا اور طویل گڑھا ہے جس طرح خندق ہوتی

1۔ سنن ابن ماجہ، ماجاء فی الجنائز، ذکر وفاتہ و دفنہ، صفحہ 119۔ ایضاً، حدیث نمبر 1626، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 234 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 241

☆ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اذا زلزلت، حدیث نمبر 3276، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے اس کی جمع اخادید آتی ہے اس سے لفظ خد ہے جہاں آنسو بہتے ہیں اسی سے مخدہ کا لفظ ہے کیونکہ رخسار اس پر رکھا جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تَخدّد وجہ الرجل۔ جب زخم کی وجہ سے اس میں گڑھے پڑ جائیں۔ طرفہ نے کہا:

ووجهٌ كأنّ الشمسَ حلتْ رداءها علیه نقيُّ اللونِ لم يَتَخَدَّدِ

وہ ایسا چہرہ ہے گویا سورج نے اپنی چادر اوڑھادی ہے اس کا رنگ صاف ہے اس پر گڑھے نہیں۔

النَّارِ ذَاتِ الْوَقُوْدِ۞ النَّارِ، الْاُخْدُوْدِ سے بدل ہے یہ بدل اشتمال ہے عام قراءت وقود میں واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے جس کا معنی ایندھن ہے۔ قتادہ، ابورجاء اور نصر بن عاصم نے واؤ کے ضمہ کے ساتھ مصدر کی صورت میں پڑھا ہے یعنی شعلوں والی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوگوں کے بدنوں کو جلانے والی۔ ابن اشہب، عقیلی، ابوسمال عدوی اور ابن سمیقع نے النَّارُ ذَاتُ دونوں کو مرفوع پڑھا ہے یعنی اسے ایسی آگ نے جلا دیا جو ایندھن والی ہے۔

اِذْ هُمْ عَلَيْهَا قُعُوْدٌ۞ یعنی وہ لوگ جنہوں نے خندقوں کو کھودا تھا اس پر بیٹھے تھے ان میں مومنوں کو پھینکتے تھے۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کا عرصہ تھا یہ نجران کے لوگ تھے ان کے بارے میں مختلف واقعات ہیں۔ معنی قریب قریب ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت صہیب سے مروی ہے (1) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم سے قبل کے دور میں ایک بادشاہ تھا اس کا ایک جادوگر تھا جب وہ بوڑھا ہو گیا اس نے بادشاہ سے کہا: میں بوڑھا ہو گیا ہوں میرے پاس ایک بچہ بھیج دو جسے میں جادو سکھا دوں۔ بادشاہ نے اس کے پاس ایک بچہ بھیج دیا تاکہ وہ اسے علم سکھائے جس راستہ سے وہ جاتا اس کے راستہ میں ایک راہب رہتا تھا۔ وہ اس کے پاس بیٹھتا، اس کی گفتگو سنتا اور خوش ہوتا جب وہ بچہ ساحر کے پاس آتا تو راہب کے پاس سے گزرتا اور اس کے پاس بیٹھ جاتا جب وہ بچہ ساحر کے پاس آتا تو وہ اسے مارتا۔ بچے نے اس کی شکایت راہب سے کی راہب نے کہا: جب تجھے ساحر سے خوف آئے تو کہہ دینا: میرے اہل نے مجھے روک لیا تھا۔ جب تجھے گھر والوں سے ڈر ہو تو کہہ دینا: مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ وہ اس طرح آتا جاتا تھا کہ اس کا گزر ایک جانور کے پاس سے ہوا جس نے لوگوں کو روک رکھا تھا اس نے کہا: آج مجھے اس کا علم ہو جائے گا کہ جادوگر افضل ہے یا راہب افضل ہے؟ اس نے ایک پتھر اٹھایا اس نے یوں دعا کی: اے اللہ! اگر راہب کا معاملہ تیری بارگاہ میں جادوگر کے امر سے زیادہ محبوب ہے تو اس جانور کو مار ڈال یہاں تک کہ لوگ گزر سکیں اس بچے نے وہ پتھر اسے مارا اور اسے قتل کر دیا اور لوگ چلے گئے وہ راہب کے پاس آیا اور اسے تمام واقعہ بتایا راہب نے اسے کہا: اے بیٹے! آج تم مجھ سے افضل ہو تیرا معاملہ وہاں تک پہنچ گیا ہے جو میں دیکھتا ہوں۔ تجھے آزمایا جائے گا اگر تجھے آزمائش میں ڈالا جائے تو میرے بارے میں کچھ نہ بتانا وہ بچہ مادر زاد اندھوں، برص کے مریضوں کو درست کر دیتا اور لوگوں سے تمام بیماریوں کو دور کر دیتا۔ بادشاہ کے درباری نے اس بارے میں سنا جو نابینا ہو چکا تھا وہ بہت سے ہدایا لایا اور کہا: اگر تو مجھے درست کر دے تو میں تیرے لیے یہ مال جمع کروں گا۔ اس بچے نے کہا: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا، شفا تو اللہ دیتا ہے۔ اگر تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا وہ تجھے شفا دے دے گا وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزهد والرقائق، قصة أصحاب الاخدود والساحر والراهب والغلام، جلد 2، صفحہ 415

لے آیا تو اللہ تعالیٰ نے اسے شفا دے دی۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھا جس طرح پہلے اس کے پاس بیٹھا کرتا تھا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کس نے تیری نظر لوٹائی؟ اس نے کہا: میرے رب نے۔ بادشاہ نے پوچھا: تیرا میرے علاوہ بھی کوئی رب ہے؟ درباری نے کہا: میرا اور تیرا رب اللہ ہے۔ بادشاہ نے اسے پکڑ لیا وہ اسے لگاتار عذاب دیتا رہا یہاں تک کہ اس نے غلام کے بارے میں راہنمائی کی۔ اس بچے کو لایا گیا بادشاہ نے اس سے پوچھا: اے بیٹے! کیا تو جادو کے ذریعے اس مقام تک پہنچ گیا ہے جس کے ذریعے تو مادر زاد اندھوں اور برص کے مریضوں کو شفا دیتا ہے اور تو یہ یہ کرتا ہے؟ اس نے کہا: میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا شفا تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔ بادشاہ نے بچے کو پکڑ لیا وہ اس کو لگاتار عذاب دیتا رہا یہاں تک کہ بچے نے اسے راہب کے بارے میں بتادیا اس راہب کو لایا گیا اسے کہا گیا: اپنے دین سے ارتداد اختیار کرلو اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا بادشاہ نے آری منگوائی اس نے آری راہب کے سر کے درمیان رکھی اسے دو ٹکڑے کیا یہاں تک کہ وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر بادشاہ کے مصاحب کو لایا گیا اسے کہا گیا: اپنے دین سے پھر جاؤ۔ اس نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے آری اس کے سر کی مانگ میں رکھوائی اسے دو ٹکڑے کیا تو وہ دو ٹکڑے ہو گیا۔ پھر بچے کو لایا گیا اسے کہا گیا: اپنے دین سے پھر جا اس نے انکار کر دیا اس نے بچہ اپنے چند ساتھیوں کے حوالے کیا اور کہا: اسے فلاں فلاں پہاڑ کی طرف لے جاؤ اسے پہاڑ پر چڑھا دو جب تم اس کی چوٹی پر پہنچ جاؤ اگر وہ اپنے دین سے پھر جائے تو بہتر ورنہ اسے اس چوٹی سے نیچے گرا دو۔ وہ اسے لے گئے اور پہاڑ کی چوٹی پر چڑھایا تو بچے نے یہ دعا مانگی: اے اللہ! میری جانب سے تو انہیں کافی ہو جا جو بھی تو چاہے۔ پہاڑ ان کے ساتھ لرزنے لگا وہ نیچے گر گئے وہ پیدل بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا: تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ بچے نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ انہیں میری طرف سے کافی ہو گیا۔ اس نے اسے اپنے ساتھیوں کے حوالے کیا اور کہا: اس لے جاؤ اور اسے کشتی میں سوار کرو کشتی کو سمندر کے درمیان لے جاؤ اگر وہ اپنے دین سے لوٹ آئے تو ٹھیک ورنہ اسے سمندر میں پھینک دو لوگ اسے لے کر گئے اس نے دعا مانگی: اے اللہ! جو تو چاہتا ہے میری طرف سے انہیں کافی ہو جا۔ کشتی ٹوٹ گئی وہ غرق ہو گئے وہ پیدل بادشاہ کے پاس آیا۔ بادشاہ نے اسے کہا: تیرے ساتھیوں نے کیا کیا؟ اس نے جواب دیا: اللہ تعالیٰ انہیں میری جانب سے کافی ہو گیا اس نے بادشاہ سے کہا: تو مجھے قتل نہیں کر سکتا یہاں تک کہ تو وہ کرے جو میں تجھے کہوں۔ بادشاہ نے پوچھا: وہ کیا ہے؟ بچے نے کہا: تو لوگوں کو کھلے میدان میں جمع کرے، مجھے سولی پر لٹکائے پھر میرے ترکش سے ایک تیر نکالے پھر تیر قوس پر چڑھائے پھر کہے: اللہ جو غلام کا رب ہے اس کے نام سے پھر تو وہ تیر مجھے مارے اگر تو ایسا کرے تو تو مجھے قتل کر دے گا۔ بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا اور بچے کو سولی پر لٹکایا پھر اس نے بچے کو ترکش سے تیر لیا پھر تیر کمان پر چڑھایا پھر کہا: اللہ جو اس بچے کا رب ہے اس کے نام سے پھر تیر پھینکا تیر اس کی کنپٹی میں لگا اس بچے نے اپنا ہاتھ تیر کی جگہ اپنی کنپٹی پر رکھا اور مر گیا لوگوں نے کہا: ہم بچے کے رب پر ایمان لے آئے، ہم بچے کے رب پر ایمان لائے ہم بچے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ کے پاس کوئی آیا اس نے کہا: بتاؤ تو کس چیز سے ڈرتا تھا؟ اللہ کی قسم! تیرا ڈر تجھے آ پہنچا۔ لوگ ایمان لا چکے ہیں اس نے گلیوں کے سروں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا خندقیں کھودی گئیں اور ان میں آگ روشن کر دی گئی بادشاہ نے کہا: جو آدمی اپنے

دین سے نہ پھرے اسے اس میں جلا دیا اسے کہا: اس میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے اسی طرح کیا یہاں تک کہ ایک عورت آئی اس کے ساتھ ایک بچہ بھی تھا وہ اس میں داخل ہونے سے ہچکچائی۔ بچے نے اسے کہا: اے ماں! صبر کر کیونکہ تو حق پر ہے"۔ امام ترمذی نے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اس میں یہ الفاظ بھی ہیں "بچے کے راستہ میں عبادت گاہ میں ایک راہب رہتا تھا" معمر نے کہا: میرا خیال ہے ان دنوں میں گرجا گھروں میں اطاعت گزار رہتے تھے اس میں یہ تصریح بھی ہے کہ جس جانور نے لوگوں کو روک رکھا تھا وہ شیر تھا اور یہ بھی ذکر ہے کہ بچے کو دفن کر دیا گیا۔ اس کے بارے میں یہ بھی ذکر کیا جاتا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اسے نکالا گیا تو اس کی کنپٹی پر ہاتھ تھا جس طرح اس نے اس وقت رکھا تھا جب اسے قتل کیا گیا۔ اور کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے (☆)۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نجران کا ایک بادشاہ تھا اس کی رعیت میں ایک آدمی تھا جس کا ایک بچہ تھا اس نے اس بچے کو ساحر کے پاس بھیجا تاکہ اسے یہ جادو سکھائے اس نوجوان کا راستہ راہب کے پاس سے ہو کر گزرتا تھا وہ انجیل پڑھا کرتا تھا۔ بچہ راہب سے جو سنتا وہ اسے خوش کرتا بچہ راہب کے دین میں داخل ہو گیا۔ ایک دن وہ آیا تو ایک بڑا سانپ تھا جس نے لوگوں کا راستہ روک رکھا تھا اس بچے نے ایک پتھر اٹھایا اور کہا: اس اللہ کے نام سے جو آسمانوں، زمین اور ان کے درمیان جو ہے اس کا رب ہے اور اس جانور کو مار ڈالا اور سابقہ واقعہ کی طرح واقعہ ذکر کیا۔ جب بادشاہ نے اسے تیر مارا اور اسے قتل کر دیا تو اس کی مملکت کے لوگوں نے کہا: کوئی معبود نہیں مگر عبداللہ بن ثامر کا معبود۔ عبداللہ بن ثامر اس بچے کا نام تھا۔ بادشاہ ناراض ہو گیا اس نے حکم دیا خندقیں کھودی گئیں ان میں لکڑیاں اور آگ جمع کی گئی اور مملکت کے لوگ ان خندقوں پر لائے گئے جس نے توحید سے رجوع کر لیا اس نے اسے چھوڑ دیا اور جو اپنے دین پر ثابت قدم رہا اسے آگ میں ڈال دیا۔ ایک دودھ پلانے والی عورت لائی گئی اسے کہا گیا: اپنے دین کی طرف لوٹ جاؤ بصورت دیگر ہم تجھے اور تیرے بچے کو آگ میں پھینک دیں گے وہ عورت ڈر گئی اور ارتداد کا ارادہ کیا دودھ پیتے بچے نے اسے کہا: اے ماں! جس دین پر تو ہے اس پر ثابت قدم رہ۔ یہ آگ بجھنے والی ہے۔ لوگوں نے اس عورت اور اس کے بیٹے کو آگ میں ڈال دیا۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ آگ خندقوں سے بلند ہوئی وہ بادشاہ اور اس کے ساتھیوں پر چالیس ہاتھ اوپر اٹھی اور انہیں جلا دیا۔ ضحاک نے کہا: یہ نصرانی لوگ تھے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے چالیس سال قبل یمن میں رہتے تھے (1) انہیں یوسف بن شراحیل بن تبع حمیری نے پکڑ لیا (2) یہ اسی سے کچھ اوپر افراد تھے ان کے لیے اس نے خندقیں کھدوائیں اور انہیں آگ میں جلا دیا: یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔

ثعلبی نے ان سے یہ بیان کیا کہ اصحاب اخدود بنی اسرائیل میں سے تھے (3) انہوں نے کچھ مرد اور عورتیں پکڑ لیں ان یہودیوں نے ان کے لیے خندقیں کھودیں اور ان میں آگ جلائی پھر مومنوں کو ان پر کھڑا کیا انہیں کہا گیا: تم اپنے نئے دین کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 242 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

☆ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ البروج، حدیث نمبر 3263، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

انکار کرو یا تمہیں آگ میں ڈال دیا جائے۔ علماء کا خیال ہے وہ حضرت دانیال اور آپ کے صحابہ تھے؛ یہ عطیہ عوفی کا قول ہے اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ایک بادشاہ نے شراب پی اور اپنی بہن سے اپنی خواہش پوری کی (1) اس نے یہ ارادہ کیا کہ وہ اپنی رعیت میں اسے قانون بنا دے۔ رعایا نے اس کی بات قبول نہ کی اس کی بہن نے اسے مشورہ دیا کہ وہ لوگوں کو خطبہ دے کہ اللہ تعالیٰ نے بہنوں کے ساتھ نکاح کو حلال کر دیا ہے پھر بھی اس کی بات نہ سنی گئی اس بہن نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ان لوگوں کے لیے خندقیں کھدوائے اور جو یہ بات ماننے سے انکار کرے اس کو ان خندقوں میں ڈال دیا جائے۔ اس بادشاہ نے ایسا ہی کیا۔ یہ بھی کہا: ان کے باقی ماندہ لوگ اپنی بہنوں سے عقد نکاح کرتے ہیں وہ مجوسی ہیں جبکہ پہلے یہ اہل کتاب تھے۔

حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ اصحاب اخدود کا سبب یہ تھا کہ ایک نبی کو اللہ تعالیٰ نے حبشہ کی طرف بھیجا کچھ لوگوں نے اس نبی کی اطاعت کی اس کی قوم نے ان لوگوں کے لیے خندقیں کھودیں جس نے اس نبی کی اتباع کی اسے خندق میں پھینک دیا گیا ایک عورت لائی گئی جس کا ایک دودھ پیتا بچہ بھی تھا وہ عورت گھبرائی اس بچے نے ماں سے کہا: اے ماں! آگے بڑھ اور نہ گھبرا۔

ایوب نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے کہ یہ تیری قوم بحستان کے لوگ تھے کلبی نے کہا: یہ نجران کے نصاریٰ تھے وہاں ان لوگوں نے مومنوں کو پکڑ لیا اور سات خندقیں کھودیں ہر خندق کی لمبائی چالیس ہاتھ تھی اور اس کی چوڑائی بارہ ہاتھ تھی پھر ان خندقوں میں مٹی کا تیل اور ایندھن پھینکا پھر لوگوں کو ان خندقوں پر کھڑا کیا جس نے بات نہ مانی اسے اس خندق میں پھینک دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نصاریٰ کی ایک قوم تھی یہ قسطنطین کے دور میں قسطنطنیہ میں رہتے تھے۔ مقاتل نے کہا: اصحاب اخدود تین گروہ ہو گزرے ہیں ایک نجران میں، دوسرے شام میں اور آخری فارس میں۔ جو شام میں تھا وہ انطیانوس رومی تھا جو فارس میں تھا وہ بخت نصر تھا جو عرب علاقہ میں تھا وہ یوسف بن ذی نواس تھا جو فارس اور شام میں تھا اس کے بارے میں قرآن نازل نہیں ہوا جس کے بارے میں قرآن نازل ہوا وہ نجران میں تھا اس کی وجہ یہ بنی کہ دو مسلمان آدمی تھے ان میں سے ایک تہامہ میں تھا اور دوسرا نجران میں تھا ان میں سے ایک نے اپنے آپ کو مزدوری پر لگایا وہ عمل کرتا اور انجیل پڑھتا مستاجر کی بیٹی نے انجیل کی قراءت میں ایک نور دیکھا اور اپنے باپ کو بتایا وہ مسلمان ہو گیا ان مسلمانوں کی تعداد ستاسی ہو گئی۔ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس دنیا سے اٹھ جانے کے بعد ہوا۔ یوسف بن ذی نواس بن تبع حمیری نے ان کے لیے خندقیں کھدوائیں انہیں کفر اختیار کرنے کو کہا جس نے کفر سے انکار کیا اسے آگ میں ڈال دیا اور کہا: جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین سے ارتداد نہ کیا اسے نہ پھینکا گیا ایک عورت تھی جس کے ساتھ ایک چھوٹا بچہ تھا (2) جو ابھی گفتگو نہیں کرتا تھا وہ عورت واپس لوٹ آئی اس کے بیٹے نے اسے کہا: اے میری ماں! میں تیرے سامنے ایسی آگ دیکھتا ہوں جو کبھی سرد نہ ہوگی ان دونوں نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا اللہ تعالیٰ نے اس عورت اور اس کے بیٹے کو جنت میں

1۔ زاد المسیر، جلد 4، صفحہ 235 2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 551

داخل کر دیا اس ایک روز میں ستر آدمیوں کو خندقوں میں ڈالا گیا۔

ابن اسحاق نے وہب بن منبہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے پیروکاروں میں سے ایک آدمی تھا جسے قیمیون کہا جاتا وہ ایک نیک، مجتہد، زاہد اور مستجاب الدعوات تھا وہ بستیوں میں گھومتا پھرتا رہتا تھا کسی بستی میں ابھی اس کی پہچان نہ ہوئی مگر وہ وہاں سے چلا جاتا وہ مستری تھا اور مٹی سے گھر بناتا۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا: اہل نجران مشرک تھے وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے نجران کے قریب ان کے دیہاتوں میں سے ایک دیہات میں ایک جادوگر رہتا تھا وہ نجران کے لوگوں کے بچوں کو جادو کی تعلیم دیتا جب وہ قیمیون فروکش ہوا اس نے نجران اور ساحر کے بستی کے درمیان اپنا خیمہ لگا لیا نجران کے لوگ اپنے بچے اس جادوگر کے پاس تعلیم کے لیے بھیجتے تھے ثامر نے عبداللہ بن ثامر کو اس جادوگر کے پاس بھیجا وہ نجران کے لوگوں کے بچوں کے ساتھ ہوتا تھا عبداللہ جب اس خیمہ والے کے پاس سے گزرتا تو اس کی نماز اور عبادت سے متعجب ہوتا وہ اس کے پاس بیٹھنے لگا اور اس کی بات سننے لگا یہاں تک کہ وہ اسلام لے آیا اس بچے نے اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کیا اور اس کی عبادت کی اور اس راہب سے اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم پوچھنے لگا راہب اسے تعلیم دیتا مگر اسم اعظم کو اس سے مخفی رکھا اور کہا: اے بھتیجے! تو اس کو برداشت نہیں کر سکتا میں تیرے بارے میں ڈرتا ہوں کہ تو اس سے کمزور ہے۔ اس بچے کا باپ یہی گمان کرتا تھا کہ اس کا بیٹا جادوگر کے پاس جاتا ہے جس طرح دوسرے بچے جاتے ہیں جب عبداللہ نے یہ دیکھا کہ اس کا راہب اللہ تعالیٰ کا اسم بتانے میں بخیل ہے تو اس نے تیر اکٹھے کیے پھر اس نے اللہ تعالیٰ کے جو بھی اسماء سیکھے تھے ان میں سے کوئی بھی نہ چھوڑا مگر ایک ایک تیر پر ایک ایک نام لکھا یہاں تک کہ جب سب کا شمار کر لیا تو اس کے لیے آگ روشن کی پھر اس آگ میں ایک ایک تیر پھینکنے لگا یہاں تک کہ جب اسم اعظم کا مرحلہ آیا اس آگ میں وہ تیر پھینکا وہ تیر اچھلا یہاں تک کہ وہ آگ سے نکل آیا اور اس تیر کو آگ نے کچھ نقصان نہیں پہنچایا تھا اس بچے نے اس تیر کو پکڑا اور اس راہب کے پاس گیا اسے بتایا کہ اس نے اسم اعظم کو جان لیا ہے جس کو راہب نے اس پر چھپایا تھا راہب نے پوچھا: وہ اسم کون سا ہے؟ بچے نے بتایا: یہ یہ۔ پوچھا: تو نے کیسے اسے جانا؟ تو بچے نے جو عمل کیا تھا اس کے بارے میں بتایا۔ راہب نے اسے کہا: اے بھتیجے! تو نے صحیح جانا ہے اسے اپنے تک محدود رکھنا میرا خیال نہیں کہ تو ایسا کرے گا۔ عبداللہ بن ثامر جب بھی نجران جاتا وہ کسی بھی آدمی کو دیکھتا جسے کوئی تکلیف ہوتی تو اسے کہتا: اے عبداللہ! کیا تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتا ہے میرے دین میں داخل ہوتا ہے تو میں تیرے حق میں دعا کروں گا تو تو جس بیماری میں مبتلا ہے اس سے تو ٹھیک ہو جائے گا۔ وہ کہتا: ہاں۔ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرتا اور اسلام قبول کر لیتا۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا تو اس بندے کو شفا ہو جاتی یہاں تک کہ نجران میں کوئی ایسا نہ رہا جس کو کوئی تکلیف ہوئی وہ اس بچے کے پاس آیا اس نے اس کے حق میں دعا کی تو اسے عافیت ہو گئی یہاں تک کہ اس کا معاملہ اس کے بادشاہ تک جا پہنچا بادشاہ نے اس بچے کو بلایا اس سے پوچھا: تو نے میری بستی کو میرے خلاف کر دیا ہے، تو نے میرے دین اور میرے آباء کے دین کی مخالفت کی ہے تو میں تجھے ضرور عبرت کی مثال بنا دوں گا۔ بچے نے کہا: تو اس پر قادر نہیں بادشاہ نے اسے اونچے پہاڑ کی طرف بھیجا اسے اس کی

چوٹی سے نیچے پھینکا جاتا وہ زمین پر گرتا جبکہ اسے کچھ تکلیف نہ ہوتی وہ اسے نجران کے پانیوں کی طرف بھیجتا اس میں کوئی چیز نہ پھینکی جاتی مگر وہ ہلاک ہو جاتی اسے ان میں پھینکا جاتا وہ باہر نکلتا جب کہ اسے کوئی ضرر نہ ہوتا جب بچہ اس پر غالب آ گیا تو عبداللہ نے بادشاہ سے کہا: اللہ کی قسم! تو میرے قتل پر قادر نہیں ہوگا یہاں تک کہ تو اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار کرے اور اس پر ایمان لائے جس پر میں ایمان لایا ہوں اگر تو نے ایسا کیا تو تجھے مجھ پر غلبہ حاصل ہو جائے گا اور تو مجھے قتل کر دے گا اس بادشاہ نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا اور اس کی گواہی دی پھر ایک چھڑی بچے کو ماری جس نے بچے کو تھوڑا سا زخمی کیا جو بڑا نہ تھا اور اس بچے کو مار ڈالا اور بادشاہ بھی اسی جگہ مر گیا نجران کے لوگ عبداللہ بن تامر کے دین اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو پیغام لائے تھے اس پر اکٹھے ہو گئے پھر انہیں بھی وہ آزمائش آئی جوان کے ہم دین لوگوں کو آزمائش آئی تھی اسی وجہ سے نجران میں عیسائیت مضبوط ہوئی۔

ذونواس یہودی جو بنوحمیر سے اپنے لشکر لے کر ان کی طرف چلا انہیں یہودیت کی طرف دعوت دی اور انہیں یہودیت اور قتل کے درمیان اختیار دیا لوگوں نے قتل کو ترجیح دی۔ ذونواس نے ان کے لیے خندقیں کھدوائیں ان میں آگ جلائی اور تلوار کے ساتھ انہیں قتل کیا اور عبرت کا نشان بنایا یہاں تک کہ ان میں سے بیس ہزار افراد کو قتل کیا۔

وہب نے کہا: جب اریاط یمن پر غالب آیا تو ذونواس بھاگ کھڑا ہوا وہ اپنے گھوڑے کے ساتھ سمندر میں داخل ہو گیا اور اس میں غرق ہو گیا۔ ابن اسحاق نے کہا: ذونواس کا نام زرعہ بن تبان اسعد حمیری تھا اس کا نام یوسف بھی تھا اس کے بالوں کی مینڈھیاں تھیں جو لہراتی رہتیں اس وجہ سے اس کا نام ذونواس ہوا اس نے اہل نجران کے ساتھ یہ سلوک کیا ان میں سے ایک آدمی جس کا نام دوس بن ثعلبان تھا بچ نکلا حبشہ والے اس کا انتقام لینے کے لیے آئے وہ یمن کے مالک بن گئے اور ذونواس سمندر میں ہلاک ہوا جس میں اس نے اپنے آپ کو ڈالا تھا اس کے بارے میں عمرو بن معدیکرب کہتا ہے:

أَتُوعِدُنِي كَأَنَّكَ ذُو رُعَيْنٍ بِأَنْعَمِ عِيشَةٍ أَوْ ذُو نُوَاسِ

کیا تو مجھے دھمکی دیتا ہے گویا تو اچھی زندگی میں ذورعین ہے یا ذونواس ہے۔

ذورعین، حمیر کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا رعین اس کا ایک قلعہ تھا یہ بادشاہ حرث بن عمرو بن حمیر بن سبا کا بیٹا تھا۔

مسئلہ: ہمارے علماء نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اس امت کے مومنوں کو بتایا جو ان سے قبل موحدین نے مصائب برداشت کیے اس کے ساتھ مومنوں کو مانوس کرنا تھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مومنوں کے سامنے بچے کا واقعہ ذکر کیا تا کہ انہیں جو دکھ اور مشکلات آتی ہیں ان پر صبر کریں اور اس بچے کی طرح صبر کریں جو اس نے صبر کیا، حق میں پختگی اپنائی، اس کے ساتھ مضبوطی سے وابستہ رہا، دعوت حق کے اظہار میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا چھوٹی عمر ہونے کے باوجود بے شمار لوگوں کو دین میں داخل کیا اور عظیم صبر کا اظہار کیا۔ اسی طرح راہب نے حق کو مضبوطی سے پکڑے رکھا یہاں تک کہ اسے آری سے چیر دیا گیا اس کے باوجود اس نے صبر کیا اس طرح بے شمار لوگ جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لائے، ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہو گیا تو انہوں نے آگ میں پھینکے جانے پر صبر کیا اور وہ دین سے مرتد نہ ہوئے۔ ابن عربی نے کہا: ہمارے نزدیک یہ حکم منسوخ

ہے (1) جس طرح پہلے سورۃ النحل میں گزر چکا ہے۔

میں کہتا ہوں: ہمارے نزدیک یہ منسوخ نہیں بے شک وہ آدمی جس کا نفس قوی ہو اس کا دین مضبوط ہو اس کا صبر کرنا اولی ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت لقمان کے بارے میں خبر دیتے ہوئے کہا: یٰبُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَ اْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَاۤ اَصَابَكَ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝ (لقمان) میرے پیارے بچے! نماز صحیح صحیح ادا کیا کرو، نیکی کا حکم دیا کرو اور برائی سے روکتے رہو اور صبر کیا کرو ہر مصیبت پر جو تمہیں پہنچے بے شک یہ بڑی ہمت کے کام ہیں۔

حضرت ابو سعید خدری نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: انّ من اعظم الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (2) سب سے بڑا جہاد ظالم حاکم کے سامنے حق کلمہ کہنا ہے۔ اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب ہے۔

محمد بن سنجر (ابن سنجر) نے حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرایا کرتی تھی کہ ایک آدمی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: مجھے وصیت کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لا تشرك بالله شيأ وان قطعت أو حرقت بالنار (3) تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا اگرچہ تجھے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جائے یا تجھے آگ میں جلا دیا جائے۔

ہمارے علماء نے کہا: بہت سے صحابہ کرام کو قتل، سولی، سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا انہوں نے صبر کیا اور وہ کسی چیز کی طرف متوجہ نہ ہوئے تیرے لیے حضرت عاصم، حضرت خبیب اور ان کے ساتھیوں کا قصہ کافی ہے اسی طرح انہوں نے جو جنگیں، امتحانات، قتل، قید، جلانا اور دوسری آزمائشیں دیکھیں سورۃ النحل میں یہ بات گزر چکی ہے جو آدمی قوت رکھتا ہے اس کے بارے میں اس پر اجماع ہے وہاں اس پر غور کر لے۔

قُتِلَ اَصْحٰبُ الْاُخْدُوْدِ ۝ ان کفار کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کی بددعا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے کہ ان مومنین کے قتل کی خبر دی جارہی ہے کہ وہ آگ کے ذریعے قتل کیے گئے پھر بھی انہوں نے صبر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ان ظالموں کے بارے میں خبر دی جارہی ہے کیونکہ یہ روایت کی گئی ہے کہ ان مومنوں کے آگ میں گرنے سے پہلے ان کی روحیں قبض کر لی گئیں تھیں اور خندقوں سے آگ نکلی تھی اور جو لوگ کناروں پر بیٹھے تھے انہیں جلا دیا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: مومن تو نجات پا گئے تھے اور آگ نے کناروں پر بیٹھے لوگوں کو جلا دیا تھا؛ یہ نحاس نے ذکر کیا ہے۔ عَلَیْهَا کا معنی عندھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عَلَیْهَا سے مراد ہے اس آگ کے قریب جو خندقوں کے کنارے تھے وہ مراد ہے؛ جس طرح شاعر نے کہا:

وبات على النار الندى والمحلّق یہاں علی النار سے مراد اس کے قریب ہے۔

1۔ احکام القرآن ابن العربی، جلد 4، صفحہ 1916

2۔ جامع ترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر، جلد 2، صفحہ 40

سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب الامر بالمعروف والنهي عن المنكر، حدیث نمبر 4000، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ مجمع الزوائد، جلد 24، صفحہ 479

اذ میں عامل قُتِلَ ہے یعنی اس وقت ان پر لعنت کی گئی۔

وَّهُمْ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ شُهُوْدٌ۞ شُهُوْدٌ سے مراد حضور ہے یعنی کفار حاضر تھے۔ وہ مومنوں پر کفر کو پیش کرتے تھے جو ارتداد سے انکار کرتا اسے آگ میں پھینک دیتے تھے۔ یہ ان کے دل کی سختی اور اس میں انتہائی تنگ دو دوکرنے کی صفت بیان کی جارہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: علی، مع کے معنی میں ہے یعنی مومنوں کے ساتھ جو سلوک کیا جارہا تھا اس پر گواہ تھے۔

وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ۞ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ۞

''اور انہیں ناپسند کیا تھا انہوں نے مسلمانوں سے بجز اس کے کہ وہ ایمان لاتے تھے الله پر جو سب پر غالب، سب خوبیوں والا ہے جس کے قبضہ میں آسمانوں اور زمین کی بادشاہی ہے اور الله ہر چیز کو دیکھنے والا ہے''۔

ابوحیوہ نے نَقِمُوْا پڑھا ہے یعنی قاف کے نیچے کسرہ ہے جبکہ فصیح فتحہ ہے سورۃ البراۃ میں اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے یعنی بادشاہ اور اس کے ساتھی ان لوگوں سے جن کو انہوں نے آگ میں جلایا تھا کسی بات پر ناراض نہ ہوتے تھے مگر یہ کہ ان لوگوں نے الله جو غالب اور ہر حال میں محمود ہے کی تصدیق کی۔ اس الله کا زمین وآسمان میں کوئی شریک اور مقابل نہیں وہ اپنی مخلوقات کے اعمال سے آگاہ ہے۔ اس پر کوئی چیز مخفی نہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ۞ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِيْرُ۞

''بے شک جن لوگوں نے ایذا دی مومن مردوں اور مومن عورتوں کو پھر توبہ بھی نہ کی تو ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور ان کے لیے جلائے جانے کی سزا ہے۔ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں یہی بڑی کامیابی ہے''۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَتَنُوا الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جنہوں نے مومنوں کو آگ میں جلایا عرب کہتے ہیں: فتن فلان الدراھم والدینار جب اسے بھٹی میں داخل کیا تاکہ اس کی عمدگی کو جانے۔ اس طرح یہ لفظ کہا جاتا ہے: دینار مفتون دراہم ودنانیر بنانے والے کو فتان کہتے ہیں اسی طرح شیطان کو فتان کہتے ہیں۔ ورق فتین ایسی چاندی جس میں کھوٹ جلادیا گیا ہو۔ حرہ کو فتین کہتے ہیں گویا اس سرزمین نے آگ کے ساتھ پتھروں کو جلادیا۔ یہ نام ان پتھروں کے سیاہ ہونے کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔

ثُمَّ لَمْ يَتُوْبُوْا فَلَهُمْ عَذَابُ جَهَنَّمَ وَلَهُمْ عَذَابُ الْحَرِيْقِ۞ انہوں نے اپنے قبیح اعمال پر توبہ نہ کی جبکہ الله تعالیٰ نے اس

بادشاہ اور اس کی قوم کے لیے اس بچے کے ہاتھ پر آیات اور بینات کو ظاہر فرمایا۔ ان کے لیے ان کے کفر پر جہنم کا عذاب ہے اور دنیا میں اس کے لیے جلانے کا عذاب ہے کیونکہ انہوں نے مومنوں کو آگ کے عذاب میں جلایا۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے جو ان کے کفر کے عذاب سے زائد ہے یہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے مومنوں کو آگ میں جلایا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ان کے لیے عذاب ہے اور ان کے لیے جہنم حریق کا عذاب ہے۔ حریق جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے جس طرح سعیر کیونکہ جہنم کے کئی گڑھے اور اس کی انواع ہیں اور ہر ایک کے الگ الگ نام ہیں گویا جہنم میں انہیں زمہریر کے ساتھ عذاب دیا جائے گا پھر انہیں عذاب حریق کے ساتھ عذاب دیا جائے گا۔ پہلا ٹھنڈک کا عذاب ہے اور دوسرا گرمی کا عذاب ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ۬ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْكَبِیْرُ ؕ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے، اس کی تصدیق کی، اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لیے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں جن کا پانی بدبودار نہیں ہوتا ایسے دودھ کی نہریں رواں ہیں جن کا ذائقہ تبدیل نہیں ہوتا، ایسی شراب کی نہریں ہیں جو پینے والوں کے لیے لذت کا باعث ہیں اور صاف و شفاف شہد کی نہریں ہیں۔ یہ ایسی کامیابی ہے جس کی مثل کامیابی کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ۚ وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۙ ذُو الْعَرْشِ الْمَجِیْدُ ۙ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ؕ

"بے شک آپ کے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ بے شک وہی پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ پیدا کرے گا۔ اور وہی بہت بخشنے والا ہے، بہت محبت کرنے والا ہے، عرش کا مالک ہے بڑی شان والا، کرتا ہے جو کچھ چاہتا ہے"۔

اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ ؕ جب وہ جابروں اور ظالموں کو پکڑتا ہے تو اس کی پکڑ بڑی سخت ہوتی ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَ هِیَ ظَالِمَةٌ ؕ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ ؕ (ہود) اور یوں ہی گرفت ہوتی ہے آپ کے رب کی جب وہ پکڑتا ہے بستیوں کو دراں حالیکہ وہ ظالم ہوتی ہیں بے شک اس کی پکڑ دردناک اور سخت ہوتی ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ مبرد نے کہا: اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ یہ جواب قسم ہے معنی یہ ہوگا قسم ہے برجوں والے آسمان کی تیرے رب کی پکڑ بڑی سخت ہے درمیان میں جو بھی کلام ہے وہ جملہ معترضہ ہے اور قسم کی تاکید کے لیے ذکر ہوا ہے حکیم ترمذی نے "نوادر الاصول" میں یہی بات ذکر کی ہے۔ پکڑ کی شدت کے ساتھ جو صفت ذکر کی گئی ہے قسم اس کے بارے میں واقع ہو رہی ہے۔

اِنَّهٗ هُوَ یُبْدِئُ وَ یُعِیْدُ ؕ اکثر علماء کی رائے ہے وہی مخلوقات کو پہلی دفعہ پیدا کرتا ہے اور وہی دوبارہ انہیں اٹھائے گا۔ عکرمہ نے کہا: کفار نے اس بات پر تعجب کا اظہار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا۔

حضرت ابن عباس نے کہا وہ دنیا میں انہیں آگ میں جلائے جانے کا عذاب دے گا پھر آخرت میں دوبارہ عذاب دے گا یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔

وَ هُوَ الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ ۝ وہ اپنے مومن بندوں کے گناہوں کو چھپانے والا ہے وہ انہیں ذلیل و رسوا نہیں کرے گا، وہ اپنے اولیاء سے محبت کرنے والا ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس بنیٹنہ سے روایت نقل کی ہے: وہ اس طرح محبت کرتا ہے جس طرح تم میں سے کوئی اپنے بھائی کے لیے خوشخبری اور محبت کو پسند کرتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ودود کا معنی ہے اپنے دوستوں سے مغفرت کے ساتھ دوستی کرتا ہے (1)۔ مجاہد نے کہا: اپنے دوستوں سے محبت کرنے والا یہ مفعول بمعنی فاعل ہے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی ہے رحم فرمانے والا۔ مبرد نے اسماعیل بن اسحاق قاضی سے روایت نقل کی ہے کہ ودود اسے کہتے ہیں جس کی اولاد نہ (2) ہو۔

اور شاعر کا یہ شعر پڑھا:

وأركبُ في الروع عُرْيانةً ذلولَ الجناح لَقاحا و ودُودَا (3)

میں جنگ میں ایسے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں جس کے بال نہیں وہ مطیع ہے اس کی اولاد نہیں۔

ودود کا معنی ہے جس کی اولاد نہ ہو کہ جس کی طرف وہ مشتاق ہو۔ آیت کا معنی یہ ہوگا وہ اپنے بندوں کی بخشش کرتا ہے اس کی کوئی اولاد نہیں کہ اس بچے کی وجہ سے انہیں بخشے یہ اس لیے ہے تا کہ وہ مغفرت کے ساتھ فضل و احسان فرمانے والا ہو اس میں کسی جز کا کوئی عمل دخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں ودود، مودود کے معنی میں ہے جس طرح رکوب اور حلوب ہے یعنی اسے اس کے صالح بندے محبت کرتے ہیں۔

ذُوالْعَرْشِ الْمَجِيْدُ ۝ عاصم کے علاوہ کوفہ کے قراء نے اسے ذی پڑھا ہے کیونکہ یہ عرش کی صفت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لربک کی صفت ہے معنی یہ ہوگا تیرے باعظمت رب کی پکڑ بڑی سخت ہے۔ یہاں موصوف صفت میں جدائی صفت بننے میں مانع نہیں کیونکہ تشدید میں یہ صفت کے قائم مقام ہے۔ باقی قراء نے اسے مرفوع پڑھا ہے کیونکہ یہ ذو کی صفت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے؛ یہ ابو عبید اور ابو حاتم کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ مجد سے مراد کرم اور فضل میں انتہا کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی اس صفت کے ساتھ موصوف ہے۔

اگرچہ سورۃ المومنون کے آخر میں عرش کی صفت بھی کرم کے ساتھ لگائی گئی ہے عرب کہتے ہیں: فی کل شجرنار واستمجد المرخُ العَفَار ہر درخت میں آگ ہے مرخ (درخت) عفار (ایک درخت) ان میں سے بڑھ کر ہیں۔ یہاں تک کہ ان دونوں سے آگ روشن کی جاتی ہے۔ ذُوالْعَرْشِ کا معنی ہے ملک اور مملکت والا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلاں علی سریر ملکہ فلاں اپنے ملک کے تخت پر ہے اگرچہ وہ تخت پر نہ بیٹھا ہو۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ثُلّ عرشہ یعنی اس کی حکومت چلی گئی۔ اس کی وضاحت سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے خصوصاً کتاب الأسنی فی شرح أسماء اللہ الحسنی میں وضاحت گزر چکی ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ وہ چیز جس کا ارادہ کرے وہ اس پر ممتنع نہیں؛ یہ زمخشری کا نقطہ نظر ہے (4) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے یہاں فَعَّالٌ کا لفظ ذکر کیا ہے کیونکہ جس کا وہ ارادہ کرتا ہے اور افعال کرتا ہے وہ کثیر ہوتے ہیں۔ فراء نے کہا: فَعَّالٌ کو تکرار اور

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 553 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 243 3۔ ایضاً 4۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 733

استیناف کی وجہ سے رفع دیا گیا ہے کیونکہ یہ نکرہ محضہ ہے۔ طبری نے کہا: فَعَّالٌ کو رفع دیا گیا ہے جبکہ وہ نکرہ محضہ ہے کیونکہ یہ اعراب میں الْغَفُوْرُ الْوَدُوْدُ کے اعراب کے تابع ہے۔ ابوسفر (سعید ہمدانی) سے مروی ہے کہا: کچھ صحابہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے حاضر ہوئے انہوں نے کہا: کیا ہم آپ کے لیے طبیب کو نہ بلائیں؟ فرمایا: اس نے مجھے دیکھا ہے۔ صحابہ نے پوچھا: اس نے آپ کو کیا کہا ہے؟ جواب دیا: اس نے فرمایا میں جس کا ارادہ کرلوں اس کو کر گزرنے والا ہوں۔

هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْجُنُوْدِ ﴿۱۷﴾ فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ ﴿۱۸﴾ بَلِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ تَكْذِيْبٍ ﴿۱۹﴾

"کیا پہنچی ہے آپ کے پاس لشکروں کی خبر (یعنی) فرعون اور ثمود (کے لشکروں) کی بلکہ یہ کفار کو جھٹلانے میں مصروف ہیں"۔

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کافر جماعتوں کی خبر پہنچی ہے جنہوں نے انبیاء کو جھٹلایا اس کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مانوس کیا جارہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جارہی ہے پھر ان جماعتوں کی وضاحت کی اور فرمایا: فِرْعَوْنَ وَثَمُوْدَ۔ یہ دونوں الْجُنُوْدِ سے بدل ہیں معنی اس کا یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پہچان لیا ہے جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء اور اس کے رسولوں کو جھٹلایا بلکہ یہ لوگ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں رکھتے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا رہے ہیں جس طرح پہلے لوگوں کا طریقہ تھا۔ فرعون اور ثمود کو خاص کیا گیا کیونکہ قوم ثمود عرب علاقوں میں سے تھی اور ان کا قصہ مشہور و معروف تھا اگرچہ یہ لوگ متقدمین میں شمار ہوتے تھے۔ فرعون کا معاملہ اہل کتاب اور دوسرے لوگوں کے ہاں بھی معروف تھا وہ ہلاک ہونے والوں میں سے متاخرین تھے ان دونوں کے ذریعے ہلاکت میں ان کی مثل پر دلالت کی۔

وَّاللّٰهُ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ مُّحِيْطٌ ﴿۲۰﴾ بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾

"حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے بلکہ وہ شرف والا قرآن ہے ایسی لوح میں لکھا ہے جو محفوظ ہے"۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ ان پر ایسا عذاب نازل فرمائے جو اس نے فرعون پر نازل کیا تھا۔ محاط بہ محصور کی طرح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں آگاہ ہے اس لیے وہ ان کو جزا عطا فرمائے گا بلکہ قرآن حکیم شرف، کرم اور برکت میں انتہا کو پہنچنے والا ہے لوگوں کو دین و دنیا کے احکام میں جو اس کی احتیاج ہے اس کا بیان ہے یہ اس طرح نہیں جس طرح مشرکین کا گمان ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مَّجِيْدٌ کا معنی ہے وہ غیر مخلوق ہے وہ لوح میں لکھا ہوا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس چیز سے محفوظ ہے کہ شیاطین اس تک پہنچ سکیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ام الکتاب ہے اس سے قرآن اور دوسری کتب لکھی گئی ہیں (1)۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ لوح سرخ یاقوت کی ہے اس کا اوپر والا حصہ عرش سے باندھا گیا ہے اور اس کا نیچے والا حصہ فرشتے کی گود میں ہے جسے ماطریون کہتے ہیں اس کی کتاب نور ہے اس کا قلم نور ہے اللہ

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 554

تعالیٰ اس میں ہر روز تین سو ساٹھ دفعہ دیکھتا ہے اس کی نظروں میں سے کوئی نظر نہیں ہوتی مگر وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

حضرت انس بن مالک اور مجاہد نے کہا: لوح محفوظ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے وہ حضرت اسرافیل کی پیشانی میں ہے (1)۔ مقاتل نے کہا: لوح محفوظ عرش کی دائیں جانب ہے (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لوح محفوظ وہ ہے جس میں خلق و خلیقہ کی مختلف اصناف ہیں، ان کے احوال کا بیان ہے، ان کی مدتوں، رزقوں اور اعمال کا ذکر ہے جو ان میں فیصلے نافذ ہوتے ہیں اور ان کے امور کے انجام کا ذکر ہے وہ ام الکتاب ہے۔ حضرت ابن عباس بنیہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں سب سے پہلے جو چیز لکھی وہ یہ تھی إني أنا الله لا إله إلا أنا محمد رسولي۔

جس نے میرے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم کیا، میری آزمائش پر صبر کیا میری نعمتوں پر شکر ادا کیا میں اسے صدیق لکھ دوں گا، اسے صدیقین کے ساتھ اٹھاؤں گا۔ جس نے میرے فیصلے کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا، میری آزمائش پر صبر نہ کیا میری نعمتوں پر شکر ادا نہ کیا تو وہ میرے سوا کوئی معبود بنا لے۔ حجاج نے حضرت محمد بن حنفیہ کی طرف دھمکی آمیز خط لکھا حضرت ابن حنفیہ نے اسے جواب دیا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر روز تین سو ساٹھ نظریں لوح محفوظ میں ہوتی ہیں وہ عزت دیتا ہے، وہ ذلیل کرتا ہے، وہ آزماتا ہے، وہ خوش کرتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے شاید ان میں سے ایک نظر نے تجھے تیرے بارے میں مشغول کر دیا ہے تو اس کے ساتھ مشغول رہتا ہے اور فارغ نہیں ہوتا۔

ایک مفسر نے کہا: لوح ایک ایسی چیز ہے جو فرشتوں کے لیے ظاہر ہوتی ہے وہ اسے پڑھتے ہیں (3)۔ ابن سمیقع اور ابو حیوہ نے اسے قُرْاٰنُ مَجِیْدٍ اضافت کی صورت میں پڑھا ہے یعنی قرآن رب مجید نافع نے اسے محفوظ پڑھا ہے کہ یہ قرآن کی صفت ہے بلکہ وہ قرآن مجید ہے جو لوح میں محفوظ ہے جبکہ باقی قراء نے اسے لوح کی صفت بناتے ہوئے مجرور پڑھا ہے قراء اس بات پر متفق ہیں کہ لوح کا لام مفتوح ہے مگر جو یحییٰ بن یعمر سے ایک روایت مروی ہے اس میں لوح کے لام پر ضمہ ہے یعنی وہ چمکتا ہے وہ نور، بلندی اور شرف والا ہے۔ زمخشری نے کہا: لوح سے مراد ہوا ہے یعنی وہ ہوا جو ساتوں آسمان سے اوپر ہے (4) جس میں لوح ہے صحاح میں ہے: لَاحَ الشَّيْءُ يَلُوحُ لَوْحًا یعنی وہ چیز چمکی۔ لاحه السفر اسے تبدیل کر دیا۔ لوحا و لواحا وہ پیاسا ہوا۔ التاح کا معنی بھی یہی ہے۔ لوح کا معنی کندھا اور ہر چوڑی ہڈی کو کہتے ہیں لوح سے مراد وہ چیز ہے جس میں لکھا جاتا ہے لوح جب ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ ہوا ہے جو آسمان اور زمین کے درمیان ہوتی ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 463

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 554

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 244

4۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 733

سورۃ الطارق

آیاتہا ۱۷ ﴿۸۶ سورۃ الطارق مکیۃ ۳۶﴾ رکوعہا ۱

یہ سورت مکی ہے۔ اس کی ستائیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۳﴾

''قسم ہے آسمان کی اور رات کو نمودار ہونے والے کی اور آپ کو کیا معلوم یہ رات کو آنے والا کیا ہے؟ ایک تارا نہایت تاباں''۔

یہاں دو قسمیں ہیں السَّمَآءِ ایک قسم ہے اور الطَّارِقِ دوسری قسم ہے الطَّارِقِ سے مراد ستارہ ہے اللہ تعالیٰ نے وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ﴿۱﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ﴿۲﴾ میں اس کی وضاحت کی۔ اس میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ زحل ستارہ ہے یہ ایسا ستارہ ہے جو ساتویں آسمان میں ہوتا ہے (1) اس کا ذکر محمد بن حسن (2) نے اپنی تفسیر میں کیا ہے اور اس کے بارے میں کئی روایات ذکر کیں اللہ تعالیٰ ہی اس کی صحت کے بارے میں زیادہ آگاہ ہے۔

ابن زید نے کہا: اس سے مراد ثریا ہے ان سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد زحل ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد جدی ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت علی شیر خدا اور فراء سے مروی ہے کہ نجم ثاقب سے مراد ساتویں آسمان میں ایک ستارہ ہے اس ساتویں آسمان میں اس ستارے کے سوا کوئی ستارہ نہیں جب ستارے آسمان میں اپنی اپنی جگہ لے لیتے ہیں تو یہ ان کے ساتھ نیچے آتا ہے اور ان کے ساتھ ہوتا ہے پھر ساتویں آسمان کی طرف لوٹ جاتا ہے یہ زحل ستارہ ہے یہ نیچے آتا ہے تو طارق ہوتا ہے جب اوپر جاتا ہے تب زحل ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: ثقب الطائر جب پرندہ بلند ہو۔ ابو طالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو ایک ستارہ نیچے آیا اس نے زمین کو نور سے بھر دیا ابو طالب گھبرا گئے تو یہ آیت نازل ہوئی وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ﴿۱﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہ بھی روایت کی ہے: قسم ہے آسمان کی اور اس کی جو اس میں داخل ہے۔ حضرت ابن عباس اور عطا سے یہ مروی ہے: الثَّاقِبُ سے مراد وہ ستارہ ہے جو شیاطین کو مارا جاتا ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ تمام ستاروں میں عام ہے کیونکہ اس کا طلوع رات کے وقت ہوتا ہے اور جو تیرے پاس رات کے وقت آئے وہ طارق ہے۔ شاعر نے کہا:

ألم تریانی کلما جئت طارقا　وجدت بها طیبا وإن لم تَطَیَّبِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 246

2۔ شاید اس سے مراد ابو بکر عطار د ہے جن کا نام محمد بن حسین بن مقسم ہے۔

کیا تم دونوں نے مجھے نہیں دیکھا میں جب بھی رات کے وقت اس کے پاس آیا تو اس کے ہاں خوشبو پائی اگرچہ اس نے خوشبو نہیں لگائی تھی۔

طارق سے مراد ستارہ ہے۔ یہ اسم جنس ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ یہ رات کے وقت ظاہر ہوتا ہے اس معنی میں حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے منع کیا کہ مسافر رات کے وقت گھر آئے تاکہ عورت اپنے بال صاف کر لے اور بالوں میں کنگھی کر لے۔ عرب ہر ایسے قاصد کو طارق کہتے ہیں جو رات کے وقت آتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: طارق فلان یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ رات کے وقت آئے۔ اس کا باب یوں چلتا ہے طرق یطرُق طُرُوقا فھو طارِق۔

ابن رومی نے کہا:

يا راقدَ الليل مسرورا بأوّلِه　　إنّ الحوادث قد يطرُقن أسحارا

اے رات کے وقت سونے والے اس کے پہلے حصہ پر خوش ہونے والے بے شک حوادثات بعض اوقات سحری کے وقت آجاتے ہیں۔

لا تفرحَنّ بليل طاب أوّله　　فرب آخرِ ليلٍ أجّج النارا

اس رات پر خوش نہ ہو جس کا پہلا حصہ اچھا ہو بعض راتوں کے آخر آگ کو بھڑکا دیتے ہیں۔

صحاح میں طارق سے مراد ایسا ستارہ ہے جسے صبح کا ستارہ کہتے ہیں؛ اسی معنی میں ہند کا شعر ہے:

نحنُ　بناتِ　طارقِ　نمشي　على　النمارقِ

ہم اس کی بیٹیاں ہیں جو شرف میں ستارے کی مانند ہے اور ہم عمدہ قالینوں پر چلتی ہیں۔

ماوردی نے کہا: طرق کا اصل معنی کھٹکھٹانا ہے(1) اس معنی میں مطرقہ ہے۔ رات کے وقت آنے والے کو طارق کہتے ہیں کیونکہ جب وہ پہنچتا ہے تو اسے کھٹکھٹانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ ایک قوم نے کہا: یہ تو کبھی دن کے وقت بھی ہوتا ہے۔ عرب کہتے ہیں: أتيتك اليوم طَرقتين میں تیرے پاس آج دو دفعہ آیا۔ اس معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: أعوذ بك من شرِّ طوارقِ الليل والنهار إلّا طارقًا يطرق بخير يا رحمٰن (2) میں رات اور دن کے وقت آنے والوں کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں مگر ایسے آنے والے سے جو بھلائی لائے اے رحمٰن۔ جریر نے طروق کے معنی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا:

طَرَقتْكَ صائدةُ القلوب وليس ذا　　حين الزيارة فارجعي بسلامِ

دلوں کو شکار کرنے والی تیرے پاس آئی جبکہ وہ زیارت کے وقت نہیں تھا پس تو سلامتی کے ساتھ لوٹ جا۔

ثاقب سے مراد روشن ہے(3)۔ اس معنی میں شھاب ثاقب ہے۔ باب یوں چلایا جاتا ہے ثَقُبَ يَثْقُبُ ثُقُبا وثَقابةً۔ جب وہ روشن ہو ثقوبه اس کی روشنی۔ عرب کہتے ہیں: أثقِب نارك اپنی آگ روشن کر کے۔ شاعر نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 245　2۔ موطا امام مالک، کتاب الشعر، باب ما يؤمر به من التعوذ عند النوم وغیرہ، صفحہ 722

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 246

أذاعَ به في النّاسِ حتىّ كأنّه بعلياءَ نارٌ أوقدتْ بثقُوبِ

وہ اس کے ذریعے لوگوں میں مشہور ہو گیا یہاں تک کہ گویا وہ بلند جگہ پر آگ ہے جسے لکڑیوں کے ساتھ روشن کیا گیا ہے۔
ثقوب سے مراد وہ باریک لکڑیاں ہیں جن کے ساتھ آگ روشن کی جاتی ہے۔ مجاہد نے کہا: ثاقب سے مراد روشن ہے۔ قشیری نے کہا: عمومی رائے یہ ہے کہ طارق اور ثاقب اسم جنس ہے اس سے عمومی معنی مراد لیا جاتا ہے جس طرح ہم نے مجاہد سے ذکر کیا ہے۔

وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۝ مقسم بہ کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے اسے ذکر کیا گیا ہے۔ سفیان نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی وَ مَاۤ اَدْرٰىكَ کے الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اس بارے میں آگاہ کر دیا اور جہاں بھی و ما یدریک فرمایا اس کے بارے میں آگاہ نہیں کیا۔

اِنْ كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ ۝

''کوئی شخص ایسا نہیں جس پر کوئی محافظ نہ ہو''۔

قتادہ نے کہا حَافِظٌ سے مراد حفظہ ہیں جو تیرے رزق، تیرے عمل اور تیری اجل کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد اس کا قرین ہے (1) جو اس کے اچھے برے عمل کی حفاظت کرتا ہے۔ یہ جواب قسم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جواب اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ہے۔ امام ترمذی کے قول کے مطابق: یہاں قائل محمد بن علی ہے۔ ان مثقلہ سے مخففہ ہے اور ما تاکید یہ ہے تقدیر کلام یہ ہوگی اِن کلّ نفسٍ لَعَلَیْھَا حَافِظ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے کوئی نفس نہیں مگر اس پر ایک نگہبان ہے جو آفات سے اسے محفوظ رکھتا ہے یہاں تک کہ اس کے حق میں جو مقدر ہوتا ہے اس کے سپرد کر دیتا ہے۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کی جانب سے محافظ ہے وہ اس نفس کی حفاظت کرتا ہے یہاں تک کہ اس نفس کو مقادیر کے سپرد کر دیتا ہے؛ یہ کلبی کا قول ہے۔ ابو امامہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وُکِّل بالمؤمن مائة وستون ملكا يُذَبُّون عنه مالم يقدر عليه۔ من ذلك البصر، سبعة أملاك يُذُبون عنه كما يذب عن قصعة العسل الذباب۔ ولو وُكِّل العبد إلى نفسه طرفة عين لا ختطفته الشياطين ہر مومن کے لیے ایک سو ساٹھ فرشتے مقرر کیے گئے ہیں جو اس سے ان چیزوں کو دور کرتے رہتے ہیں جو ان کے حق میں مقدر نہیں ہوتیں۔ لمحہ بھر میں سات فرشتے اس کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں جس طرح شہد کے پیالے سے مکھیوں کو دور کیا جاتا ہے اگر انسان کو پلک جھپکنے کے عرصہ میں اس کے سپرد کر دیا جائے تو شیاطین اس کو اچک لیں۔

ابن عامر، عاصم اور حمزہ کی قراءت میں لمّا ہے یعنی کوئی نفس نہیں مگر اس پر ایک نگہبان ہے۔ یہ ہذیل کی لغت ہے ان کا قائل کہتا ہے: نَشَدتُك لمّا قمتَ میں نے تجھے بلایا جب میں کھڑا ہوا۔ باقی قراء نے اسے لما پڑھا ہے کہ یہ زائدہ ہے اور تاکید کے لیے ہے۔ اس آیت کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 246

اللہ (رعد: 11) انسان کے لیے یکے بعد دیگرے آنے والے فرشتے ہیں اس کے آگے بھی اور اس کے پیچھے بھی وہ نگہبانی کرتے ہیں اس کی اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حَافِظٌ سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اگر نفس کو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میسر نہ ہوتی تو وہ باقی نہ رہتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: حَافِظٌ اس کا عقل ہے جو اسے اس کی مصلحتوں کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور اسے تکلیف دہ امور سے روکتا ہے(1)۔

میں کہتا ہوں: عقل اور دوسری چیزیں وسائل ہیں حقیقت میں حافظ اللہ تعالیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا (یوسف: 64) اللہ تعالیٰ بہتر نگہبان ہے اور فرمایا: قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَ النَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ (الانبیاء: 42) آپ پوچھیے: (اے منکرو!) کون ہے جو نگہبانی کرسکتا ہے تمہاری رات بھر اور دن بھر خدائے رحمٰن سے۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۝ اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝

"سو انسان کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس چیز سے پیدا کیا گیا ہے۔ اسے پیدا کیا گیا ہے اچھلتے پانی سے، جو (مرد و زن کی) پیٹھ اور سینے کی ہڈیوں کے درمیان سے نکلتا ہے۔ بے شک وہ اس کو پھر واپس لانے پر قادر ہے"۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ ۝ انسان سے مراد ابن آدم ہے اس کا ماقبل سے اتصال یہ ہے کہ انسان کو اپنے امر کی ابتدا کی طرف دیکھنے کا خصوصی حکم ہے یہاں تک کہ اسے علم ہو جائے جس ذات نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا وہ اسے دوبارہ پیدا کرنے اور اس کو بدلہ دینے پر قادر ہے پس وہ اعادہ اور جزاء کے دن کے لیے عمل کرے اور وہ اپنے محافظ پر کوئی ایسی چیز املاء نہ کرائے مگر جو اسے انجام کار خوش کرے۔ مِمَّ خُلِقَ یہ استفہام ہے معنی ہے اسے کس چیز سے پیدا کیا گیا پھر فرمایا: خُلِقَ مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ ۝ اس سے مراد مادہ منویہ ہے۔ دفق کا معنی پانی بہانا ہے۔ دفقت الماءَ أدْفُقُه دَفْقًا میں نے اسے بہایا تو وہ بہایا گیا ہو گیا۔ جس طرح سِرٌّ كاتم کا معنی ہے سِرٌّ مكتوم چھپایا گیا راز، کیونکہ یہ تیرے اس قول سے ماخوذ ہے: دُفِقَ الماءُ فعل مجہول ہے اور الماء اس کا نائب الفاعل ہے یہ نہیں کہتے: دَفَقَ الماء یہ جملہ بولتے ہیں: دفق الله روحه جب اس کے لیے موت کی دعا کی جائے۔ فراء اور اخفش نے کہا: مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ سے مراد ہے ایسا پانی جو رحم میں ٹپکایا گیا۔ زجاج نے کہا: اس کا معنی ہے من ماء ذی اندفاق جس طرح یہ کہا جاتا ہے: دارع، فارس اور نابل۔ یہ ذو فرس، ذو درع اور ذو نبل کے معنی میں ہے؛ یہ سیبویہ کا نقطہ نظر ہے یعنی اسم فاعل کا وزن نسبت کے معنی میں ہے۔ الدافق سے مراد وہ پانی ہے جو قوت کی شدت کے ساتھ ٹپکے۔ اس سے مراد وہ پانی ہے جو مرد اور عورت کے پانی کا آمیزہ ہو، کیونکہ انسان ان دونوں پانیوں سے پیدا ہوتا ہے لیکن ان کے باہم ملنے کی وجہ سے ایک پانی بنا دیا گیا ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اس کا معنی ہے چکناہٹ والا۔

يَّخْرُجُ مِنْۢ بَيْنِ الصُّلْبِ وَ التَّرَآئِبِ ۝ يَّخْرُجُ کی ہو ضمیر سے مراد پانی ہے۔ صلب سے مراد پشت ہے اس میں چار لغتیں ہیں صُلْب، صُلُب، صَلَب اور صَالِب۔ پہلی دو کے ساتھ اسے پڑھا گیا ہے۔ اس معنی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 246

قول ہے: تُنْقَلُ مِنْ صَالِبٍ اِلٰی رَحِمٍ تجھے پشت سے رحم کی طرف نقل کیا جاتا رہا۔

ترائب سے مراد سینہ ہے اس کا واحد تریبہ ہے یہ سینے کی وہ جگہ ہے جہاں ہار ہوتا ہے۔ شاعر نے کہا:

مهفهفة بيضاء غيرُ مُفاضةٍ　ترائبُها مصقولةٌ كالسَّجَنْجَلِ

وہ تھوڑے گوشت والی سفید رنگت والی، ڈھیلے پیٹ والی نہیں اس کے سینے کی ہڈیاں یوں صیقل شدہ ہیں جیسے سونے کا پانی۔

صلب مرد کی اور ترائب عورت کی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ترائب سے مراد ہار لٹکانے کی جگہ ہے (1)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد پستانوں کے درمیان کی جگہ ہے۔ عکرمہ نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ترائب المرأۃ سے مراد دونوں ہاتھ، دونوں پاؤں اور دونوں آنکھیں ہیں (2)؛ ضحاک نے بھی یہ کہا ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد گردن ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد کندھوں اور سینے کے درمیان کی جگہ ہے (3)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد سینہ ہے (4)۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ ہنسلی کی ہڈیاں۔ ابن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ترائب سے مراد اس جانب کی چار پسلیاں ہیں۔ زجاج نے کہا: ترائب سے مراد سینے کی دائیں جانب کی چار پسلیاں ہیں اور چار پسلیاں بائیں جانب کی ہیں (5)۔ معمر بن ابی حبیبہ مدنی نے کہا: ترائب سے مراد دل کا نچوڑ ہے اس سے بچہ ہوتا ہے (6) کلام عرب میں مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد سینے اور نحر کی ہڈیاں ہیں؛ درید بن صمہ نے کہا:

فإن تدبِروا نأخذُكم في ظهورِكُمْ　وإن تقبِلوا نأخذكم في الترائب (7)

اگر تم پیٹھ پھیرو تو ہم تمہاری پشتوں پر وار کریں گے اور اگر تم سامنا کرو تو ہم تمہارے سینوں کی ہڈیوں پر وار کریں گے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

والزعفرانُ　على　ترائبِهَا　شرِق به اللبات والنحرُ (8)

زعفران اس کے سینے کی ہڈیوں پر ہے جس سے قلادہ اور نحر کی جگہ بھری ہوئی ہے۔

عکرمہ نے کہا: ترائب سے مراد سینہ ہے، پھر یہ شعر پڑھا:

نظامُ درٍ على ترائبها

موتیوں کا ہار اس کے سینے پر ہے۔

ذو رمہ نے کہا:

ضَرَجْنَ البرود عن ترائب حُرّۃ

ضرجن کا معنی ہے انہوں نے پھاڑا۔ اس میں ضرحن بھی مروی ہے یعنی انہوں نے پھینکا۔ صحاح میں ہے: تریبہ، ترائب کا واحد ہے یہ سینے کی ہڈیاں ہیں جو ہنسلی اور ثندوہ کے درمیان ہوتی ہیں۔

جوہری کے علاوہ دوسرے علماء سے یہ مروی ہے کہ ثندوہ مرد کا وہی عضو ہے جو عورت کا پستان ہوتا ہے۔ اصمعی نے کہا:

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 247　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً　5۔ ایضاً　6۔ ایضاً　7۔ ایضاً　8۔ ایضاً

شند وہ یہ پستان کے گاڑھنے کی جگہ ہے۔ ابن عکین نے کہا: اس سے مراد وہ گوشت ہے جو پستان کے ارد گرد ہوتا ہے۔

تفسیر میں ہے: مرد کے پانی سے پیدا ہوتا ہے جو اس کی پشت یعنی ہڈی اور پٹھے سے نکلتا ہے اور عورت کے پانی سے پیدا ہوتا ہے جو اس کے سینے کی ہڈیوں یعنی گوشت اور خون سے نکلتا ہے؛ یہ اعمش کا قول ہے سورۂ آل عمران میں ایک مرفوع حدیث گزر چکی ہے اور سورۃ الحجرات آیت 13 میں اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مرد کا پانی دماغ سے نازل ہوتا ہے پھر خصیتین میں جمع ہوتا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ سے معارض نہیں؛ کیونکہ اگر یہ دماغ سے اترتا ہے تو ریڑھ کی ہڈی اور سینے سے گزر کر ہی آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے یہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور عورت کے سینے کی ہڈیوں میں سے نکلتا ہے۔ فراء نے کہا: اس کی مثل عربوں سے منقول ہے اس وجہ سے مِنْۢ بَیْنِ الصُّلْبِ کا معنی یہ ہوگا ریڑھ کی ہڈی سے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور مرد کے سینے کی ہڈیوں سے عورت کی ریڑھ کی ہڈی اور اس کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے۔ پھر ہم جانتے ہیں کہ نطفہ بدن کے تمام اجزاء سے جنم لیتا ہے اس وجہ سے بچہ اکثر اپنے والدین کے مشابہ ہوتا ہے۔ یہی حکمت ہے کہ مادہ منویہ کے نکلنے کی صورت میں تمام بدن کو دھویا جاتا ہے اور جو زیادہ جماع کرتا ہے اس کی پشت اور ریڑھ کی ہڈی میں درد ہوتا ہے۔ یہ صرف اس وجہ سے ہوتا ہے کہ اس کی پشت اس پانی سے خالی ہوتی ہے جس کو وہ پہلے روکے ہوئے تھی۔ اسماعیل نے اہل مکہ سے الصُّلُبِ کو لام کے ضمہ کے ساتھ نقل کیا ہے؛ عیسیٰ ثقفی سے بھی یہی مروی ہے۔ مہدوی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ جس نے یہ کہا کہ منی مرد کی پیٹھ اور اس کی سینے کی ہڈیوں سے نکلتی ہے تو اس صورت میں یَّخْرُجُ کی ضمیر پانی کے لیے ہوگی۔ جس نے یہ کہا کہ مرد کی ریڑھ کی ہڈی اور عورت کے سینے کی ہڈیوں سے نکلتا ہے تو اس صورت میں ضمیر انسان کے لیے ہوگی۔ اسے الصلب بھی پڑھا گیا ہے۔ اس میں چار لغتیں ہیں۔ صُلْب، صُلُب، صَلَب اور صَالِب۔ عجاج نے کہا: فی صَلَبٍ مثلِ العِنانِ المؤدَمِ۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے:

تُنْقَلُ من صالبٍ اِلٰی رَحِمِ

تجھے ریڑھ کی ہڈی سے رحم کی طرف منتقل کیا جاتا رہا۔ اشعار مشہور و معروف ہیں۔

اِنَّهٗ عَلٰی رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۝ مجاہد اور ضحاک نے اس طرح کہا ہے۔ ان دونوں سے یہ بھی مروی ہے: اس کا معنی ہے وہ پانی کو ریڑھ کی ہڈی میں لوٹانے پر قادر ہے؛ یہ عکرمہ کا قول ہے۔ ضحاک سے بھی اسی طرح کا قول مروی ہے کہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کو پانی کی طرف لوٹانے پر قادر ہے جس طرح وہ پہلے تھا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ معنی ہے وہ انسان کو بڑھاپے سے جوانی اور جوانی سے بڑھاپے کی طرف لوٹانے پر قادر ہے (1)۔ مہدوی سے اسی طرح مروی ہے۔ ماوردی اور ثعلبی نے کہا: بچپنے کی طرف اور بچپنے سے نطفہ کی طرف لوٹانے پر قادر ہے (2)۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حسن بصری اور عکرمہ نے یہ بھی کہا: وہ انسان کو موت کے بعد لوٹانے پر قادر ہے (3)؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ثعلبی نے کہا: یہ قول سب سے قوی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 247 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ (الطارق) جس روز راز افشاں کر دیئے جائیں گے۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ آخرت میں دوبارہ اٹھانے کے بعد وہ دنیا کی طرف لوٹانے پر قادر ہے کیونکہ کفار آخرت میں اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کریں گے کہ وہ انہیں دنیا میں بھیجے۔

یَوۡمَ تُبۡلَى السَّرَآئِرُ ۙ﴿۹﴾

''یاد کرو اس دن کو جب راز افشا کر دیئے جائیں گے''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

لغوی تشریح

مسئلہ نمبر 1۔ یوم میں عامل کون ہے؟ جس نے یہ معنی کیا ہے وہ انسان کو دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے ان کے نزدیک اس کا عامل لَقَادِرٌ ہے رَجۡعِهٖ کا لفظ اس میں عامل نہیں کیونکہ صلہ اور موصول کے درمیان ان کی خبر حائل ہے۔ اِنَّهٗ عَلٰى رَجۡعِهٖ لَقَادِرٌ میں جو دوسرے اقوال میں ان کے نزدیک یَوۡمَ میں عامل فعل مضمر ہے لَقَادِرٌ اس میں عامل نہیں کیونکہ یوم سے مراد دنیا میں ہے۔

تُبۡلَى کا معنی ہے امتحان اور آزمائش لی جائے گی؛ ابو الغول طہوی نے کہا:

ولا تَبۡلَى بَسالَتُهُمۡ وانۡ هُمۡ صَلُوا بالۡحَرۡبِ حِينًا بعدَ حِينِ

ان کی شجاعت نہ پہچانی گئی اگرچہ وہ جنگ میں لحہ بہ لحہ داخل ہوئے۔

اسے تَبلَى بسالتهم روایت کیا گیا ہے جس نے اسے تُبلَى روایت کیا ہے اس نے اس کا معنی امتحان لینا کیا ہے اس روایت کی صورت میں اس کا معنی کراہت ہوگا۔ گویا یہ کہا: اس میں ان کی ناپسندیدگی نہ پہچانی گئی۔ اور تُبلَى تُعرف کے معنی میں ہے؛ راجز نے کہا:

قد كنتَ قبلَ اليوم تَزۡدَرِينِي فاليومَ أبلُوكَ وتَبۡتَلِينِي

تو آج سے قبل میری ہتک کیا کرتا تھا آج میں تجھے پہچانوں گا اور تو مجھے پہچانے گا۔

جس نے اسے تَبلَى روایت کیا ہے معنی یہ ہوگا وہ جنگ سے کمزور نہیں پڑتے اگرچہ ان پر جنگ کئی بار واقع ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب سخت مشکلات انسان پر بار بار واقع ہوں تو اسے کمزور کر دیتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے مخفی اسرار عیاں اور ظاہر کر دیئے جائیں گے۔ اس سے مراد ہر وہ اچھائی یا برائی ہے(1) جسے انسان پوشیدہ رکھتا ہے اور ایمان و کفر میں سے جسے پوشیدہ رکھتا ہے اسے ظاہر کر دیا جائے گا، جس طرح احوص نے کہا:

سَيَبۡقَى لها فى مُضۡمَرِ القلب والحَشَا سريرةُ ودٍّ يوم تُبۡلَى السَّرائِرُ(2)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 248 2۔ ایضاً

اس کے لیے دل اور پیٹ میں اس وقت تک مخفی محبت رہے گی جس روز راز عیاں کردیئے جائیں گے۔

سرائر سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: ائتمن الله تعالى خلقه على أربع: على الصلاة والصوم والزكاة والغسل وهي السرائر التي يختبر الله عزوجل يوم القيمة۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (انسانوں) کو چار چیزوں پر امین بنایا ہے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور غسل یہی وہ راز ہے جن کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز افشا کرے گا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ثلاث من حافظ عليها فهو ولي الله حقا ومن اختانهن فهو عدو الله حقا: الصلاة والصوم والغسل من الجنابة تین چیزیں ایسی ہیں جس نے ان پر دوام اختیار کیا تو وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا ولی ہے اور جس نے ان تینوں چیزوں میں خیانت کی وہ یقیناً اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے نماز، روزہ اور جنابت کا غسل؛ ثعلبی نے یہ ذکر کیا ہے۔ ماوردی نے زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''امانتیں تین ہیں نماز، روزہ اور جنابت (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو نماز پر امین بنایا ہے اگر چاہے تو کہے میں نے نماز پڑھی ہے جب کہ اس نے نماز نہ پڑھی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو روزے پر امین بنایا ہے اگر چاہے تو کہے میں نے روزہ رکھا ہے جب کہ اس نے روزہ نہ رکھا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جنابت پر امین بنایا ہے اگر چاہے تو کہے میں نے غسل کرلیا ہے جبکہ اس نے غسل نہ کیا ہو چاہو تو یہ آیت پڑھو یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ۝ یہ ثعلبی نے عطا سے نقل کیا ہے۔ امام مالک نے اشہب سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے ان سے اللہ تعالیٰ کے فرمان یَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ۝ کے بارے میں پوچھا اور کہا: کیا آپ کو یہ بات پہنچی ہے کہ وضو بھی رازوں میں سے ایک راز ہے؟ فرمایا: لوگ جو کہتے ہیں ان میں سے یہ بات مجھے بھی پہنچی ہے جہاں تک حدیث جسے میں بیان کرتا ہوں اس میں یہ چیز نہیں۔ نماز رازوں میں سے ایک راز ہے، روزہ رازوں میں سے ایک راز ہے اگر چاہے تو کہے میں نے نماز پڑھی ہے جب کہ اس نے نماز نہ پڑھی تھی رازوں میں سے وہ چیز بھی ہے جو دلوں میں ہے جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ بندوں کو جزا دیتا ہے۔ ابن عربی نے کہا: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا شہید کے تمام گناہ بخش دیئے جاتے ہیں مگر امانت، وضو امانت میں سے ہے، نماز اور زکوٰۃ امانت میں سے ہیں، ودیعت امانت میں سے ہے۔ ان سب میں سے شدید ودیعت ہے قیامت والے دن ودیعت کو اس کے لیے ایک مثالی شکل میں ظاہر کیا جائے گا اور اس ودیعت کو جہنم کی گہرائی میں ڈال دیا جائے گا پھر اسے کہا جائے گا: اس ودیعت کو نکالو، وہ اس کے پیچھے جائے گا اور اسے اپنی گردن میں رکھ لے گا جب اسے امید ہوگی کہ وہ اس سے نکل جائے گا تو وہ ودیعت اس سے پھسل جائے گی وہ پھر اس کے پیچھے جائے گا یہ سلسلہ کئی زمانوں تک جاری رہے گا۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: امانت میں سے یہ بھی ہے کہ عورت۔ اشہب نے کہا: مجھے سفیان نے کہا حیض اور حمل میں۔ اگر وہ کہے: مجھے حیض نہیں آیا، کہا: میں حاملہ ہوں، تو اس کی تصدیق کی جائے گی جب تک وہ کوئی ایسی چیز نہ لائے جس کے بارے میں معروف ہو کہ وہ جھوٹی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے ''جنابت کا غسل امانت ہے''۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: اللہ تعالیٰ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 248

قیامت کے روز ہر مخفی راز کو ظاہر کر دے گا کچھ ان میں سے چہروں میں زینت ہوں گے اور کچھ ان میں سے چہروں میں عیب ہوں گے۔ الله تعالیٰ ہر شئی کو جاننے والا ہے لیکن فرشتوں اور مومنوں کی علامات ظاہر ہیں۔

فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ وَّ لَا نَاصِرٍ ۝

''پس نہ خود اس میں زور ہوگا اور نہ کوئی (دوسرا) مددگار ہوگا''۔

انسان میں کوئی قوت نہ ہوگی جو اس کو محفوظ رکھے اور نہ ہی مددگار ہوگا جو اس کی اس معاملہ میں مدد کرے جو اس پر مصیبت نازل ہوئی ہے۔

عکرمہ سے اس کی تفسیر میں یہ قول مروی ہے: ان سے مراد بادشاہ ہیں جن میں قیامت کے روز نہ ایسی طاقت ہوگی جس کے ذریعے وہ اپنا دفاع کر سکیں اور نہ ایسا مددگار ہوگا جو ان کی مدد کرے۔ سفیان نے کہا: قوۃ سے مراد قبیلہ ہے اور ناصر سے مراد حلیف ہے(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَمَا لَهٗ مِنْ قُوَّةٍ سے مراد ہے کہ اس کے بدن میں کوئی قوت نہیں(2) اور نَاصِرٍ سے مراد ہے کہ کوئی اور مددگار نہیں جس کے ذریعے وہ الله تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ رہ سکے۔ قتادہ کے قول کا بھی یہی مقصود ہے۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ وَ الْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۝ وَّ مَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۝ اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۝ وَّ اَكِيْدُ كَيْدًا ۝

''قسم ہے آسمان کی جس سے بارش برستی ہے اور زمین کی جو (بارش سے) پھٹ جاتی ہے بلاشبہ یہ قرآن قول فیصل ہے اور یہ ہنسی مذاق نہیں ہے۔ یہ لوگ طرح طرح کی تدبیریں کر رہے ہیں اور میں بھی تدبیر فرما رہا ہوں''۔

وَ السَّمَآءِ ذَاتِ الرَّجْعِ ۝ قسم ہے آسمان کی جو بارش والا ہے(3) ہر سال بارش کے بعد بارش لاتا ہے؛ عام مفسرین نے یہی کہا ہے۔ اہل لغت نے یہ کہا ہے: الرَّجْع کا معنی بارش ہے۔ انہوں نے عمدہ چیز چننے والے کے لیے شعر کہا وہ ایسی تلوار کی صفت بیان کرتا ہے جس کو اس نے پانی سے تشبیہ دی:

أبیضُ کالرجعِ رَسُوبٌ إذا ما ثاخ فی مُحْتَفَلٍ یَخْتَلِی

سفید رنگت والی تلوار بارش کی مانند ہے جسم میں گہرائی تک جانے والی ہے جب وہ دھنس جائے جسم کے موٹے حصے میں جبکہ وہ اسے کاٹ رہی ہو۔

ثاخت قدمہ فی الوحل تشوخ و تثیخ قدم کیچڑ میں غائب ہو گیا۔

خلیل نے کہا: رجع کا معنی بارش ہے۔ رجع کا معنی زمین کی نباتات بھی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذَاتِ الرَّجْعِ سے مراد نفع والا۔ بارش کو اوب بھی کہتے ہیں جس طرح اسے رجع کہتے ہیں۔ شاعر نے شعر میں اوب سے مراد بارش لی ہے:

رَبَاءُ شَمَّاءُ لایأوِی لِقُلّتِها إلّا السحابُ والا الأوبُ والسَّبَلُ

عبدالرحمن بن زید نے کہا: سورج، چاند اور ستارے، آسمان میں لوٹتے ہیں ایک طرف سے طلوع ہوتے ہیں اور دوسری

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 248 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

طرف میں غائب ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد فرشتوں والا ہے کیونکہ وہ بندوں کے اعمال لے کر آسمان کی طرف لوٹتے ہیں (1)۔ یہ قسم ہے۔

وَالْاَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ ۞ یہ ایک قسم ہے۔ یعنی زمین، نباتات، درختوں، پھلوں اور نہروں سے پھٹتی ہے اس کی مثل ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۞ (عبس) پھر ہم نے زمین کو پھاڑا۔ صدع کا معنی پھاڑنا ہے کیونکہ وہ زمین کو پھاڑتی ہے پس زمین اس کے ساتھ پھٹ جاتی ہے گویا کلام یوں کی گئی ہے: قسم ہے زمین کی جو نباتات والی ہے، کیونکہ نباتات زمین کو پھاڑتے والی ہے۔ مجاہد نے کہا: قسم ہے زمین کی جو راتوں والی ہے جسے پیدل چلنے والے پھاڑتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ کھیتی والی ہے کیونکہ کھیتی اسے پھاڑتی ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مردوں والی ہے کیونکہ دوبارہ اٹھانے کے لیے ان مردوں سے اسے پھاڑا جائے گا (4)۔

اِنَّهٗ لَقَوْلٌ فَصْلٌ ۞ یہ جواب قسم ہے یعنی قرآن حق اور باطل میں فرق کرتا ہے (5)۔ کتاب کے مقدمہ میں یہ گزر چکا ہے جسے حارث نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: "یہ ایسی کتاب ہے جس میں پہلوں کی خبریں ہیں اور مابعد کا حکم ہے، یہ فیصلہ کن ہے، ان میں سے کوئی بھی ہنسی مذاق نہیں۔ جبار میں سے جس نے بھی اسے ترک کیا اللہ تعالیٰ اسے توڑ کر رکھ دے گا جس نے کسی اور میں ہدایت کو چاہا اللہ تعالیٰ اسے گمراہ کر دے گا"۔ ایک قول یہ کیا گیا: لَقَوْلٌ فَصْلٌ سے مراد اس سورت میں جو وعید گزر رہی (6) وہ ہے اِنَّهٗ عَلٰى رَجْعِهٖ لَقَادِرٌ ۞ يَوْمَ تُبْلَى السَّرَآئِرُ ۞

وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ ۞ یعنی قرآن حکیم باطل اور کھیل نہیں۔ ہزل بامقصد کی ضد ہے۔ یوں اس کا باب چلتا ہے ہَزَلَ، یَهْزِلُ۔ کمیت نے کہا: یُجَدُّ بنا فی کلِّ یومٍ و نَهْزِلُ ہر روز ہمارے ساتھ بامقصد بات کی جاتی ہے جب کہ ہم ہنسی مذاق کرتے ہیں۔

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا ۞ وَّاَكِيْدُ كَيْدًا ۞ اللہ کے دشمن، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے ساتھ مکر و فریب کرتے ہیں اور میں ان کے مکر کی انہیں جزا دیتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ سزا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں غزوۂ بدر کے موقع پر قتل اور قید کی صورت میں دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کید اللہ سے مراد ان کے ساتھ استدراج ہے جسے وہ نہ جانتے تھے۔ سورۂ بقرہ میں اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ (البقرہ: 15) کے ضمن میں اس پر مفصل بحث گزر چکی ہے۔

فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا ۞

"پس آپ کفار کو (تھوڑی سی) مہلت اور دے دیں کچھ وقت انہیں کچھ نہ کہیں"۔

یعنی کفار کو مہلت دیں۔ اللہ تعالیٰ سے ان کی جلد ہلاکت کا سوال نہ کریں اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں جو تدبیر فرماتا ہے اس پر راضی ہو جائیں، پھر یہ آیت فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ (توبہ: 5) مشرکوں کو جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو؛

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 248
2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 249
3۔ ایضاً
4۔ ایضاً
5۔ ایضاً
6۔ ایضاً

سے منسوخ ہو گئی۔

اَمۡهِلۡهُمۡ یہ تاکید ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہے جس طرح نزل اور أنزل کا معنی ایک ہے أمهله یعنی اسے مہلت دیجئے۔ اس کا اسم مهلة ہے استمهال کا معنی الاستنظار ہے۔ تمهل فی أمره یعنی اس امر میں آہستگی کا رویہ اپنایا۔ اتمهل اتمهلالا۔ اعتدال کا مظاہرہ کیا۔ اس کا معنی سکون اور شگفتگی بھی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مهلا یا فلان، اے فلان! نرمی اور سکون سے کام لو۔

رُوَیۡدًا کا معنی قریب ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا نقطہ نظر ہے (1)۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی قلیل ہے (2) تقدیر کلام یہ ہوگی أمهلهم إمهالا قلیلا۔ کلام عرب میں الروید یہ رود کی تصغیر ہے؛ ابوعبید نے یہی کہا ہے؛ یہ شعر پڑھا:

کَاَنَّهَا ثَمِلٌ یَمۡشِی عَلٰی رُوَدِ گویا وہ شراب سے مخمور ہے اور نرمی سے چل رہا ہے۔

رُوَیۡدًا کی تفسیر آہستگی ہے۔

رویدك کا معنی ہے تو نرمی کر کیونکہ کاف اس وقت داخل ہوتا ہے جب یہ افعل کے معنی میں ہو، دال کو نصب اجتماع ساکنین کی وجہ سے ہے اس کو نصب مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ہے یہ اسم مصغر ہے اور مامور بہ ہے کیونکہ یہ ارواد کی ترخیم کی تصغیر ہے۔ یہ أَرۡوَدَ، یُرۡوِدُ کا مصدر ہے اس کی چار صورتیں ہیں: اسم مفعل، صفت، حال اور مصدر۔ اس کا اسم جیسے روید عمرا یعنی عمرو کو مہلت دو۔ صفت جیسے ساروا سیرا رویدا۔ وہ آہستہ چلے حال جیسے سار القوم رویدا جب یہ معرفہ کے ساتھ متصل ہو تو زید اس کا حال ہوتا ہے۔ مصدر جیسے روید عمرو، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَضَرۡبَ الرِّقَابِ (محمد: 4) یہ سب اقوال جوہری کے ہیں۔ آیت میں ان وجوہ میں سے یہ مصدر کی صفت ہو سکتا ہے یعنی امهال رویدا۔ یہ بھی جائز ہے کہ یہ حال ہو یعنی امهلهم غیر مستعجل لهم العذاب۔ انہیں مہلت دیجئے عذاب میں جلدی نہ کیجئے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 250   2۔ ایضاً

سورۂ اعلیٰ

آیاتھا ۱۹ ۔ ۸۷ سورۃ الاعلیٰ مکیۃ ۸ ۔ رکوعھا ۱

جمہور کے قول کے مطابق یہ مکی ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ مدنی ہے۔ اس کی انیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ①

''(اے حبیب!) آپ پاکی بیان کریں اپنے رب کے نام کی''

قاری کے لیے مستحب یہ ہے کہ جب وہ اس آیت کو پڑھے تو اس کے بعد وہ سبحان ربی الاعلیٰ کہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کا بھی یہی نقطہ نظر ہے جن کا ذکر بعد میں ہو رہا ہے۔ جعفر بن محمد نے اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کو حزقیائیل کہتے ہیں جس کے اٹھارہ ہزار پر ہیں ایک پر سے دوسرے پر کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے اس کے دل میں خیال آیا کیا تو طاقت رکھتا ہے کہ تو تمام عرش کو دیکھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اتنے ہی پروں کا اضافہ کیا۔ اس کے چھتیس ہزار پر ہو گئے ایک پر سے دوسرے پر کے درمیان پانچ سو سال کی مسافت ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی: اے فرشتے! تو اڑ وہ بیس ہزار سال تک اڑتا رہا تو وہ عرش کے پائیوں میں سے ایک پائے تک نہ پہنچ سکا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کے پروں اور قوت میں اضافہ کر دیا اور اسے حکم دیا کہ وہ اڑے وہ تیس ہزار سال تک مزید اڑتا رہا تو وہ بھی نہ پہنچ سکا اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی: اے فرشتے! اگر تو اپنی قوت اور پروں کے ساتھ صور پھونکنے تک اڑتا رہے تب بھی میرے عرش کے پائے تک نہ پہنچ سکے۔ فرشتے نے کہا: سبحان ربی الاعلیٰ۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اجعلوھا فی سُجُودِکم تم اسے اپنے سجدہ میں رکھ لو؛ ثعلبی نے یہ روایت اپنی کتاب العرائس میں ذکر کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی نے کہا کہ اس آیت کا معنی ہے: اپنے بلند و برتر رب کی عظمت بیان کیجئے (1)۔ اسم صلہ زائد ہے مقصود مسمی کی عظمت بیان کرنا ہے جس طرح لبید نے کہا:

إلی الحولِ ثم اسمُ السلامِ علیکما (2)

ایک سال تک روتی رہو پھر تمہیں امن و سکون آئے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اپنے رب کی، بری بات اور ملحد جو کچھ اس کے بارے میں کہتے ہیں اس سے پاکی بیان کرو۔ طبری نے یہ ذکر کیا ہے کہ معنی ہے: اپنے رب کی اس بات سے پاکی بیان کرو (3) کہ تو یہ نام کسی اور کے لیے منتخب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 251 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کے نام اور اس کے ذکر کو پاک کرو اس طرح کہ تو اس کا ذکر کرے تو خشوع کا اظہار کرنے والا اور تعظیم بجالانے والا ہو۔ اس کا ذکر محترم ہے۔ علماء نے اسم کو تسمیہ کے معنی میں لیا ہے، اولیٰ یہ ہے کہ اسم، مسمی کے معنی میں ہو۔ نافع نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: توعلی اسم اللہ نہ کہہ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ہی اعلیٰ ہے۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ معنی ہے اپنے بزرگ و برتر رب کے حکم سے نماز ادا کرو کہا: تو یہ کہے سُبحان رَبِّیَ الأعلیٰ۔ حضرت علی، حضرت ابن عباس، حضرت ابن عمر، حضرت ابن زبیر، حضرت ابو موسیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب وہ اس سورت کی قراءت کا آغاز کرتے تو وہ کہتے: سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ تا کہ اس امر کی اطاعت ہو جائے جو اس سورت کے آغاز میں ہے (1) اس لیے قراءت میں ان کی اقتدا کرنا پسندیدہ ہے اس لیے نہیں کہ سُبحان رَبِّیَ الأعلیٰ قرآن حکیم کا حصہ ہے جس طرح بعض کج رو لوگ کہتے ہیں (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابی کی قراءت میں ہے سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی یہی پڑھا کرتے تھے حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کو پڑھتے تو کہتے سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ۔ (3)

ابو بکر او انباری نے کہا: مجھے محمد بن شہریار نے انہوں نے حسین بن اسود سے انہوں نے عبدالرحمٰن بن ابی حماد سے انہوں نے عیسیٰ بن عمر سے انہوں نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی شیر خدا نے نماز میں اس سورت کو پڑھا تو کہا: سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ جب نماز ختم ہوئی تو ان سے عرض کی گئی: اے امیر المومنین! کیا آپ قرآن میں اضافہ کرتے ہیں؟ پوچھا: وہ کیا؟ لوگوں نے کہا: سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ۔ فرمایا: تمہیں ایک چیز کا حکم دیا گیا پس میں نے وہ کہا ہے۔

عقبہ بن عامر جہنی سے مروی ہے: جب سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝ نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے تم اپنے سجدہ میں رکھ لو'' (4) یہ سب دلائل اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ اسم سے مراد مسمی ہے کیونکہ انہوں نے یہ نہیں کہا: سبحان اِسم رَبِّیَ الأعلیٰ۔

ایک قول یہ کیا گیا: سب سے پہلے جس نے سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ کہا وہ حضرت میکائیل علیہ السلام ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل امین سے فرمایا: ''جس آدمی نے نماز یا غیر نماز میں سبحان رَبِّیَ الأعلیٰ کہا اس کا ثواب کیا ہے؟'' حضرت جبرئیل امین نے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جو مومن مرد یا مومن عورت سجدہ میں یا غیر سجدہ میں کہے تو یہ کلمہ اس کے میزان میں عرش، کرسی اور دنیا کے پہاڑوں سے بڑھ کر بھاری ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میرے بندے نے سچ کہا ہے میں سب چیزوں پر غالب ہوں اور مجھ پر کوئی چیز غالب نہیں اے میرے فرشتو! گواہ رہو میں نے اسے بخش دیا ہے اور اسے جنت میں داخل کر دیا ہے جب ایسا بندہ فوت ہوتا ہے تو حضرت میکائیل ہر روز اس کی زیارت کرتے ہیں اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اسے اپنے

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 252 2۔ ایضاً 3۔ کنز العمال، کتاب الأذکار، فصل فی ادب التلاوۃ، جلد 2، صفحہ 321، 4129

4۔ سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، ما یقول الرجل فی رکوعہ و سجودہ، جلد 1، صفحہ 126۔ ایضاً، حدیث نمبر 736، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن ابن ماجہ، کتاب اقامۃ الصلاۃ، باب التسبیح فی الرکوع والسجود، حدیث نمبر 876، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

پروں پر بٹھائیں گے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کریں گے۔ وہ عرض کرے گا: اے میرے رب! اس کے حق میں میری سفارش قبول کیجئے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: میں نے اس کے بارے میں تیری شفاعت قبول کی اسے جنت کی طرف لے جا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے اپنے برتر رب کے لیے نماز پڑھ (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کے اسماء کے ساتھ نماز پڑھو نہ کہ مشرکین کی طرح نماز پڑھو جو سیٹیاں اور تالیاں بجاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اپنے رب کا ذکر کرتے ہوئے اپنی آواز کو بلند کیجئے۔ جریر نے کہا:

قَبَّحَ اللہ وُجوہ تغلِبَ کلّما سَبَّحَ الحجیجُ وکَبَّروا تکبرا

اللہ تعالیٰ تغلب کے وجوہ کو رسوا کرے جب بھی حاجی اس کے ذکر کے ساتھ آواز بلند کریں اور تکبیر کہیں۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ وَالَّذِیْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی ۝ فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۝

''جس نے ہر چیز کو پیدا کیا پھر (ظاہری و باطنی قوتیں دے کر) درست کیا اور جس نے (ہر چیز کا) اندازہ مقرر کیا پھر اسے راہ دکھائی اور جس نے زمین سے چارا نکالا پھر اس کو بنا دیا کوڑا سیاہی مائل''۔

الَّذِیْ خَلَقَ فَسَوّٰی ۝ تسویہ کا معنی سورۃ الانفطار اور دوسری صورتوں میں گزر چکا ہے یعنی جو بنایا اس کو درست بنایا اس کی تخلیق میں کوئی بھدا پن نہیں ہے۔ زجاج نے کہا: اس کی قد و قامت کو مناسب بنایا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جو پیدا کیا اس کو حسین بنایا۔ ضحاک نے کہا: حضرت آدم علیہ السلام کو بنایا تو ان کی خاقت کو مناسب کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آباء کی پشتوں میں پیدا کیا اور ماؤں کے رحموں میں درست کیا (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اجسام کو بنایا اور ذہنوں کو درست کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انسان کو بنایا اور اسے مکلف بنانے کے لیے تیار کیا۔

وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَهَدٰی ۝ حضرت علی شیر خدا، سلمی اور کسائی نے اسے قَدَرَ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ دونوں کا معنی ایک ہی ہے یعنی ہر ایک شکل مقدر کی اور اس کو تیار کیا اور اس کی راہنمائی کی۔ مجاہد نے کہا: شقاوت اور سعادت کو مقدر کیا اور ہدایت اور گمراہی کی طرف راہنمائی کی (3)۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ انسان کی ہدایت اور سعادت کی طرف راہنمائی کی اور چوپاؤں کی چراگاہوں کی طرف راہنمائی کی۔ ایک قول یہ کیا: ان کے رزق کو مقدر کیا اگر وہ انسان تھے تو ان کی معاش کی طرف ان کی راہنمائی کی اور اگر چوپائے تھے تو ان کی چراگاہوں کی طرف ان کی راہنمائی کی۔ حضرت ابن عباس، سدی، مقاتل اور کلبی نے فھدی کے بارے میں یہ قول کیا ہے کہ مخلوق کو پہچان کرائی گئی کہ مذکر، مونث کے پاس کیسے آئے جس طرح سورۂ طٰہٰ میں اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی ۝ کے ضمن میں بیان فرمائی۔ یعنی مذکر کی مونث کی طرف راہنمائی کی۔ عطا نے کہا: ہر جانور کے لیے وہ بنایا جو اس کے لیے مناسب تھا اور اس کی اس چیز کی طرف راہنمائی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اشیاء میں منافع کو پیدا کیا اور انسان کی راہنمائی کی کہ وہ کس طرح ان منافع کو حاصل کریں۔ ایک

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 279 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 252 3۔ ایضاً

قول یہ کیا گیا ہے: ہر حیوان کے لیے اس چیز کو مقدر کیا جو اس کے لیے موزوں تھا اور اس کی اس طرح راہنمائی کی اور اس سے نفع اٹھانے کا طریقہ بتایا۔

حکایت بیان کی جاتی ہے کہ سانپ کی عمر جب ایک ہزار سال ہو جاتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے الہام کرتا ہے کہ وہ تر سمار کے پتوں کے ساتھ اپنی آنکھ کو ملے تو اس کی نظر اس کی طرف لوٹ آئے گی بعض اوقات وہ خشک علاقہ میں ہوتا ہے اس کے اور ریف کے درمیان کئی دنوں کی مسافت ہوتی ہے وہ اس مسافت کو طوالت اور اندھا ہونے کے باوجود طے کرتا ہے یہاں تک کہ وہ کسی باغ میں سمار کے درخت تک جا پہنچتا ہے وہ اس میں کوئی غلطی نہیں کرتا اس کے ساتھ اپنی آنکھ رگڑتا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی آنکھ نور والی ہو جاتی ہے۔

انسان کی جو اس کی مصالح کی طرف راہنمائی کی جاتی ہے اور اس کے حوائج کی طرف جو راہنمائی کی جاتی ہے وہ کسی حدوشمار میں نہیں وہ غذاؤں سے متعلق ہو، دواؤں سے متعلق ہو، دنیا کے معاملات سے ہو یا دین کے معاملات میں سے ہو۔ چوپاؤں، پرندوں اور حشرات الارض کے الہامات کا باب بہت وسیع و عریض ہے کسی بیان کرنے والا کا وصف اس کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ فسبحان رَبِّيَ الأعلى۔

سدی نے کہا: جنین کے لیے رحم میں نو ماہ کی مدت کو مقدر کیا کچھ کم اور کچھ زائد پھر رحم سے نکلنے کا طریقہ بتایا۔ فراء نے کہا: یعنی مقدر کیا پس ہدایت دی اور گمراہ کیا۔ ان دو چیزوں میں سے ایک کے ذکر پر اکتفا کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) ایسے لباس جو بچاتے ہیں تمہیں گرمی سے۔ یہ بھی احتمال موجود ہے کہ اس کا معنی ہو ایمان کی طرف دعوت دی جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّكَ لَتَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (الشوریٰ) بے شک آپ راہ مستقیم کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ اور سب کو ایمان کی طرف دعوت دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے افعال کے ذریعہ اپنی توحید پر راہنمائی کی اور اپنے عالم اور قادر ہونے کی راہنمائی کی۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ جس نے دال کو مشدد پڑھا ہے تو وہ اسے تقدیر سے مانتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان) اور ہر چیز کو پیدا کیا اور اس کا اندازہ لگایا۔ اور جس نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو احتمال موجود ہے کہ وہ تقدیر سے ہو اور دونوں کا معنی ایک ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ قدرت اور ملک کے معنی میں ہو، یعنی وہ اشیاء کا مالک ہے اور جس کے بارے میں اسے ہدایت دی۔

میں کہتا ہوں: میں نے اپنے ایک شیخ سے سنا وہ کہتے: الذی خلق فسوّی وقدّر فھدیٰ یہ علو کی تفسیر ہے جو تمام مخلوقات پر اللہ تعالیٰ کے جلال کے مناسب ہے۔

وَ الَّذِيْۤ اَخْرَجَ الْمَرْعٰى ۝ جس نے نباتات اور سبز گھاس نکالی۔ شاعر نے کہا:

وقد ينبتُ المرعىٰ علىٰ دِمَنِ الثّرىٰ (1)

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 252

بعض اوقات کھیتی کو بروالی زمین پر پیدا ہو جاتی ہے۔

فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی۝ غُثَآءً سے مراد وہ چیز ہے جسے سیلاب وادی کی اطراف پر پھینک دیتا ہے وہ گھاس ہو، نباتات ہو یا چھوٹے چھوٹے ریزے ہوں، اسی طرح جب یہ لفظ مشدد استعمال ہو۔ اس کی جمع اغثاء آتی ہے۔ قتادہ نے کہا: غُثَآءً سے مراد خشک چیز ہے سبزی اور گھاس جب ٹکڑے ٹکڑے اور خشک ہو جائے تو اسے غُثَآءً کہتے ہیں، جس طرح کہا:

كَاَنّ طَمِيَّةَ الْمُجَيْمِرِ غُدْوَةً من السَّيْلِ والْاَغْثاء فَلْكَةُ مِغْزَلِ

گویا مجیمر کا پہاڑ اس صبح سیلاب اور گھاس پھوس کی وجہ سے چرخے کا دکھڑا تھا۔

اہل لغت نے یہ حکایت بیان کی ہے: غثا الوادی وجفا اسی طرح پانی ہے جب اس پر جھاگ اور چھوٹے چھوٹے ذرات غالب آ جائیں جن سے نفع نہ اٹھایا جا سکتا ہو۔ احوی کا معنی سیاہ ہے یعنی نباتات زیادہ سبز ہونے کی وجہ سے سیاہی مائل ہوتی ہیں جس طرح ایک چیز سیاہ ہوتی ہے۔ حوۃ کا معنی سیاہ ہے۔

صحاح میں ہے: حوۃ کا معنی ہونٹ کا گندم گو ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل أحوى، إمرأة حوّاء، وقد حويت. بعير أحوى۔ جب اس کی سبزی میں سیاہی اور زردی مل جائے۔ احوی کی تصغیر اُحیوآتی ہے یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو أسیود کہتا ہے۔

پھر یہ کہا گیا ہے: یہ جائز ہے کہ اَحْوٰی، الْمَرْعٰی سے حال ہو اس کا معنی ہوگا اس کے انتہائی سرسبز ہونے کی وجہ سے اسے سیاہی مائل سمجھا جاتا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أخرج المرعى أحوى فجعله غثاء یہ جملہ بولا جاتا ہے: حوى النبت؛ یہ کسائی نے بیان کیا ہے اور کہا:

وغَيْثٍ من الوسْمِيّ حُوٍّ تِلاعُه

موسم بہار کی پہلی بارش کی وجہ سے اس کے ٹیلے سیاہ ہیں۔

یہ بھی جائز ہے کہ اَحْوٰی، غُثَآءً کی صفت ہو۔ اس کا معنی ہوگا وہ سرسبز و شاداب ہونے کے بعد اس طرح ہوگئی۔ ابو عبیدہ نے کہا: اس کے جلنے اور پرانا ہونے کی وجہ سے سیاہ بنا دیا۔ تر چیز جب خشک ہو جاتی ہے تو وہ سیاہ ہو جاتی ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: اس نے سبز چراگاہ نکالی، پھر جب خشک ہوئی تو اس کے جلنے کی وجہ سے سیاہ ہوگئی اور غُثَآءً بن گئی جسے ہوائیں اور سیلاب کا پانی بہا کر لے جاتا ہے۔ یہ ضرب المثل ہے جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لیے بیان فرمائی ہے کیونکہ دنیا ترو تازگی کے بعد ختم ہو جاتی ہے۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤی۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا یَخْفٰی۝ وَ نُیَسِّرُكَ لِلْیُسْرٰی۝

"ہم خود آپ کو پڑھائیں گے پس آپ اسے نہ بھولیں گے بجز اس کے جو اللہ چاہے، بے شک وہ جانتا ہے ظاہر کو اور جو چھپی ہوتی ہے۔ اور ہم سہل بنا دیں گے آپ کے لیے اس آسان (شریعت) پر عمل"۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤى ۝ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم ہم تجھے قرآن پڑھائیں گے اور تجھے تعلیم دیں گے اور آپ نہ بھولیں گے یعنی آپ یادرکھیں گے؛ یہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت کی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے بشارت ہے اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دی کہ اس نے اسے واضح نشانی عطا فرمائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جبرئیل امین آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو بھی پڑھتے ہیں وہ وحی ہوتی ہے جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امی ہیں نہ لکھنا سیکھا اور نہ پڑھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یاد رکھتے ہیں اور اسے بھولتے نہیں۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول جانے کے ڈر سے اسے یاد کیا کرتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا گیا: میں تجھے اس کی جانب سے کافی ہوں۔ مجاہد اور کلبی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب جبریل امین وحی لاتے ابھی جبریل امین آیت کے آخر سے فارغ نہ ہوتے یہاں تک کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آیت کا ابتدائی حصہ پڑھتے اس خوف سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھول ہی نہ جائیں تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نہ بھولیں گے میں اس کی جانب سے تجھے کافی ہوں۔ اس تعبیر کی بنا پر جو قول فراء نے کیا ہے استثناء کی صورت یہ ہوگی۔ الا ماشاء اللہ۔ جب کہ اللہ تعالیٰ نے نہیں چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ بھولیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ (ہود: 107) وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین موجود رہیں مگر جب تیرا رب چاہے۔ اور وہ ایسا نہیں چاہے گا۔

کلام عربی میں بھی یوں بات کی جاتی ہے: لأعطيتك كل ما سألت إلا ما شئت میں تجھے ضرور عطا کروں گا جو تو مجھ سے سوال کرے گا مگر جو میں چاہوں۔ یعنی جو تو سوال کرے گا میں تجھے ضرور دوں گا مگر جو میں روکنا چاہوں گا جب کہ نیت یہ ہو کہ وہ اس سے کوئی چیز نہ روکے گا۔ قسموں میں یہی طریقہ مروج ہے ان میں سے کسی چیز کی استثناء کی جاتی ہے جبکہ قسم اٹھانے والے کی نیت ہوتی ہے کہ وہ اس کو مکمل کرے گا۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول کے بعد نہ بھولے یہاں تک کہ آپ کا وصال ہوا مگر جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔

سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی چیز نہ بھولتے مگر جو اللہ تعالیٰ چاہتا۔ ان اقوال کی بنا پر یہ قول کیا گیا ہے: مگر جو اللہ چاہے کہ بھولیں۔ مگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نہ بھولے۔ ایک قول یہ کیا گیا: مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ بھولیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد میں یاد آجاتا تھا جب کبھی آپ بھولتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد آجاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلی طور پر نہ بھولا کرتے تھے۔ ایک روایت بیان کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں ایک آیت کو چھوڑ دیا حضرت ابی نے گمان کیا کہ وہ منسوخ ہوگئی ہے حضرت ابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''میں بھول گیا تھا''۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ نسیان سے مشتق ہے معنی یہ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ تجھے بھلانا چاہے۔ پھر یہ کہا گیا ہے کہ یہ نسخ کے معنی میں ہے پھر معنی یہ ہوگا مگر جو اللہ تعالیٰ منسوخ کردے۔ استثناء بھی نسخ کی ایک صورت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نسیان کا معنی ترک کرنا ہے معنی یہ ہوگا اللہ تعالیٰ تجھے محفوظ رکھے گا کہ آپ کسی عمل کو ترک کریں مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے کہ آپ اسے ترک کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کردیا۔ یہ عمل کا نسخ ہوگا اور پہلا معنی قراءت کے نسخ کے بارے میں

ہوگا۔ فرغانی نے کہا: جنید بغدادی کی مجلس میں ایک صاحب علم آتا اور ابن کیسان نحوی بھی آتا تھا وہ ایک جلیل القدر انسان تھے ایک دن ابن کیسان نے کہا: اے ابا القاسم! آپ اللہ تعالیٰ کے فرمان سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ تو انہوں نے جلدی جواب دیا گویا ان سے پہلے کئی دفعہ سوال ہو چکا تھا: اس پر عمل کرنا نہیں بھولتے۔ ابن کیسان نے کہا: اللہ تعالیٰ تیرے منہ کو سلامت رکھے تجھ جیسے آدمی کی گفتگو سے اپنی رائے سے پھرا جا سکتا ہے۔ اس آیت میں لا نفی کے لیے ہے نہی کے لیے نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لا نہی کے لیے ہے فعل کے آخر میں یاء اس لیے ثابت ہے کیونکہ آیات کے سرے اس طرح ہیں معنی یہ ہوگا اس کی قراءت اور تکرار سے غافل نہ ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھول جائیں مگر جو اللہ تعالیٰ اسے بھلا دے اس کی وجہ یہ ہو کہ کسی مصلحت کے تحت اس کی تلاوت منسوخ کر دی۔

پہلا نقطہ نظر پسندیدہ ہے کیونکہ نہی سے استثناء نہیں ہوگی مگر وہ موقت اور معلوم ہوتی ہے دوسری وجہ یہ ہے یاء تمام مصاحف میں موجود ہے اس پر قراء کا اتفاق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے مگر اللہ تعالیٰ جس کے نازل کرنے کو مؤخر کر دے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے غُثَآءً اَحْوٰى بنا دیا مگر جسے انسان اور حیوان کھالیں کیونکہ وہ چیز اس طرح نہیں ہوتی۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى جهر سے مراد اعلانیہ قول اور عمل ہے اور یَخْفٰی سے مراد رات ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سے مراد ہے جو تیرے دل اور نفس میں مخفی ہے۔ محمد بن حاتم نے کہا: اللہ تعالیٰ صدقہ کے اظہار اور اس کے اخفاء کو جانتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جهر سے مراد ہے جو تو نے اپنے سینے میں قرآن کو محفوظ کیا ہے (1) اور مَا یَخْفٰی سے مراد ہے جو تیرے سینے سے مٹا دیا گیا ہے۔

وَ نُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى اس کا عطف سَنُقْرِئُكَ پر ہے اور اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَ مَا يَخْفٰى درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔ یسریٰ کا معنی ہے آسان راستہ۔ یہ بھلائی کا عمل ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ہم تجھے اچھا عمل کرنے کی توفیق دیں گے (2)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: یسریٰ سے مراد جنت ہے (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم تجھے شریعت یسریٰ کی توفیق دیں گے اس سے مراد حَنِيفِيَّه سَمْحَة سَهْلَة ہے ایسی شریعت جس میں یہ صلاحیتیں موجود ہیں؛ یہ ضحاک نے معنی بیان کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم آپ پر وحی کو آسان کر دیں گے یہاں تک کہ آپ یاد کر لیں گے اور اس پر عمل کر لیں گے۔

فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى

"پس آپ نصیحت کرتے رہیے اگر نصیحت فائدہ مند ہو"۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی قوم کو قرآن کے ذریعے نصیحت کرتے رہیں اگر نصیحت نفع دے۔ یونس نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت نقل کی ہے: یہ مومن کے لیے نصیحت اور کافر کے خلاف دلیل ہے (4)۔ حضرت ابن عباس کہا کرتے تھے: یہ میرے دوستوں کو نفع دیتی ہے اور میرے دشمنوں کو نفع نہیں دیتی۔ جرجانی نے کہا: نصیحت کرنا واجب ہے اگرچہ وہ نفع نہ دے اس

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 253 2۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 254 3۔ ایضاً 4۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 279

کا معنی یہ ہے نصیحت کیجئے اگر نصیحت نفع دے یا نصیحت نفع نہ دے تو کلام میں حذف ہے جس طرح ارشاد ہے: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) پائجامے تمہیں گرمی سے بچاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مخصوص افراد کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان، ما کے معنی میں ہے۔ یعنی آپ نصیحت کریں جب تک نصیحت نفع دے تو ان، ما مصدریہ کے معنی میں ہوگا (1) شرط کے معنی میں نہیں کیونکہ نصیحت ہر حال میں نفع دینے والی ہے۔ ابن شجرہ نے کہا: بعض علماء عربیہ نے کہا ان، اذ کے معنی میں ہے یعنی جب وہ نفع دے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ (آل عمران) تمہیں غالب ہو جب تم مومن ہو۔ یہاں بھی اِنْ، اذ کے معنی میں ہے یعنی تم غالب ہو جب تم مومن ہو۔ ان کے غالب آنے کی خبر نہیں دی گئی مگر ایمان لانے کے بعد وہ غالب ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اِنْ، قد کے معنی میں ہے۔

سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝

''سمجھ جائے گا جس کے دل میں (خدا کا) خوف ہوگا''۔

جو اللہ تعالیٰ سے تقویٰ اختیار کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے وہ نصیحت حاصل کرے گا۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت ابن ام مکتوم کے حق میں نازل ہوئی۔ ماوردی نے کہا: جو آدمی اس سے امید رکھتا ہے وہ بھی نصیحت حاصل کرتا ہے مگر ڈرنے والے کا نصیحت حاصل کرنا امید رکھنے والے کے نصیحت حاصل کرنے سے زیادہ بلیغ ہے (2)۔ اس وجہ سے یہاں تذکرہ کو خشیت کے ساتھ معلق کیا ہے رجا کے ساتھ معلق نہیں کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے آپ وعظ و نصیحت ہر کسی کو کریں اگرچہ وعظ اسے نفع دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے لیکن تجھے دعوت کا ثواب تو مل جائے گا؛ یہ قشیری نے بیان کیا ہے۔

وَ يَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِيْ يَصْلَى النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَ لَا يَحْيٰى ۝

''اور دور رہے گا اس سے بدبخت جو (بالآخر) بڑی آگ میں داخل ہوگا، پھر نہ وہ وہاں مرے گا اور نہ جیئے گا''۔

وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں بدبخت ہے وہ نصیحت سے اجتناب کرے گا اور اس سے دور رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ولید بن مغیرہ اور عتبہ بن ربیعہ کے حق میں نازل ہوئیں۔

کبریٰ سے مراد بڑی آگ ہے، یہ جہنم کے طبقوں میں سے سب سے نچلا طبقہ ہے؛ یہ فراء نے کہا۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے (3): کبریٰ سے مراد جہنم کی آگ ہے اور صغریٰ سے مراد دنیا کی آگ ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔

وہ نہ مرے گا کہ عذاب سے آرام پائے اور نہ ایسی زندگی پائے گا جو اسے نفع دے، جس طرح شاعر نے کہا:

أَلَا مَا لِنَفْسٍ لَا تَمُوتُ فَيَنْقَضِي عَنَاهَا وَلَا تَحْيَا حَيَاةً لَهَا طَعْمُ (4)

خبردار! نفس کے لیے موت نہ ہوگی کہ اس کی مشقت ختم ہو جائے اور نہ اس کے لیے ایسی زندگی ہے جس کے لیے کھانا ہو۔ سورۃ النساء اور دوسری سورت میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث گزر چکی ہے کہ مومنوں میں سے موحد جب جہنم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 254 2۔ ایضاً 3۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 280 4۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255

میں داخل ہوں گے۔ فراء کے قول کے مطابق: یہ نار صغریٰ ہوگی وہ اس میں جل جائیں گے اور اس سے مرجائیں گے یہاں تک کہ ان کے حق میں شفاعت قبول کی جائے گی؛ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بدبخت لوگ اپنی بدبختی میں مختلف ہوتے ہیں۔ یہ وعید بدبخت ترین کے لیے ہے اگر کوئی شقی ہوگا تو اس رتبہ کو نہ پہنچے گا۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۝ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ۝

”بے شک اس نے فلاح پائی جس نے اپنے آپ کو پاک کیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا“۔

اس میں تین مسائل ہیں:

تزکّٰی سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر1۔ قَدْ اَفْلَحَ جس نے ایمان کے ذریعے شرک سے پاکیزگی حاصل کی اس نے جنت میں بقا کو پا لیا(1)؛ حضرت حضرت ابن عباس، عطا اور عکرمہ کا قول ہے، حضرت حسن بصری اور ربیع نے کہا: جس کا عمل بڑھنے والا تھا اس نے کامیابی حاصل کی (2)۔ معمر نے قتادہ سے ذکر کیا ہے: جس نے اچھے عمل سے ذریعے تزکیہ کیا۔ ان سے، عطا سے اور ابو العالیہ سے مروی ہے: یہ حکم صدقہ فطر کے بارے میں نازل ہوا۔

ابن سیرین نے کہا: وہ نکلا اور صدقہ فطر کی ادائیگی کے بعد نماز ادا کی۔ عکرمہ نے کہا: آدمی کہا کرتا تھا میں صدقہ فطر اپنی نماز سے پہلے ادا کرتا ہوں۔ سفیان نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَدْ اَفْلَحَ۔

حضرت ابوسعید اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ صدقہ فطر اور نماز عید کے متعلق ہے۔ ابوالعالیہ نے بھی اسی طرح کہا ہے اور کہا: اہل مدینہ اس سے اور پانی پلانے سے بہتر کوئی صدقہ خیال نہ کرتے تھے۔ کثیر بن عبداللہ اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرمایا: ”قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى سے مراد ہے جس نے صدقہ فطر دیا، وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى سے مراد ہے جس نے عید کی نماز پڑھی“۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک نے کہا: جس نے راستے میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور نماز عید پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس سے مراد ہے تمام اموال کی زکوۃ دی؛ یہ ابوالاحوص اور عطا کا نقطہ نظر ہے۔ ابن جریج نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے عطا سے کہا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى صدقہ فطر کے لیے ہے؟ فرمایا: یہ تمام تر صدقات کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اعمال کی زکوۃ ہے، اموال کی زکوۃ مراد نہیں یعنی اس نے اپنے اعمال کو ریاکاری اور کوتاہی سے پاک کیا کیونکہ اکثر مال کے بارے میں کہا جاتا ہے: اس نے زکوۃ دی پاکیزہ نہ ہوا۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى کا معنی ہے جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا اور انداد کا قلادہ اپنے گلے سے اتار پھینکا اور یہ گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تَزَكّٰى کا معنی ہے جس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا۔ عطا نے ان سے روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان کے حق میں نازل ہوئی کہ مدینہ طیبہ میں ایک منافق تھا اس کا مدینہ طیبہ میں ایک کھجور کا درخت تھا جو

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255 2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 280

ایک انصاری کے گھر میں جھکا ہوا تھا جب ہوا چلتی تو کچی اور پکی کھجوریں انصاری کے گھر میں گر جاتیں۔ وہ انصاری اور اس کے گھر والے ان کو کھاتے منافق نے اس انصاری سے جھگڑا کیا اس صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس منافق کو بلا بھیجا جب کہ اس کا نفاق ظاہر نہ تھا فرمایا: ''تیرے انصاری بھائی نے ذکر کیا ہے کہ تیری کچی اور پکی کھجوریں اس کے گھر میں گرتی ہیں جنہیں وہ اور اس کے گھر والے کھاتے ہیں کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ میں اس کھجور کے بدلے جنت میں تجھے کھجور کا درخت دے دوں؟'' اس منافق نے کہا: میں موجودہ مال کو موخر مال کے بدلے میں بیچ دوں میں ایسا ہرگز نہ کروں گا۔ علماء نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس ایک کھجور کے بدلے کھجوروں کا ایک باغ عطا فرمایا تو آپ کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئی اور منافق کے بارے میں وَ يَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى ﴿۱۱﴾ نازل ہوئی۔ ضحاک نے ذکر کیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق کے بارے میں نازل ہوئی (1)۔

صدقۂ فطر مراد لینے کی صورت میں تاویل

مسئلہ نمبر2۔ ہم نے سورۂ بقرہ میں صدقہ فطر کی بحث مکمل کر دی ہے یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے مکہ مکرمہ میں نہ عید تھی نہ صدقہ فطر تھا۔ قشیری نے کہا: یہ کوئی بعید نہیں کہ اس آدمی کی تعریف کی گئی ہو جو زمانہ مستقبل میں فطر اور صلاۃ عید کا امر بجالانے والا تھا۔

اللہ تعالیٰ کے نام کے ذکر اور نماز پڑھنے سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر3۔ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى ﴿۱۵﴾ اس نے اپنے رب کا ذکر کیا۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہا: ارادہ یہ کیا ہے کہ اس کے معاد اور اللہ تعالیٰ کے حضور اس کے موقف کا ذکر کرے پس اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور اس کی نماز پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: نماز کے شروع میں تکبیر کہہ کر اس کے رب کا نام ذکر کیا کیونکہ نماز اللہ تعالیٰ کے ذکر کے بغیر منعقد نہیں ہوتی۔ وہ یہ قول ہے اللہ اکبر اس وجہ سے شروع میں تکبیر کے واجب ہونے کا استدلال کیا جاتا ہے اور یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ یہ نماز کا جز نہیں کیونکہ نماز کا اس پر عطف کیا گیا ہے، اس میں اس آدمی کے لیے دلیل موجود ہے جو یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نام کے ساتھ نماز شروع کرنا جائز ہے۔ فقہاء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ سورۂ بقرہ کے شروع میں اس بارے میں گفتگو ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ عید کی تکبیرات ہیں۔ ضحاک نے کہا: عید گاہ کے راستہ میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور اس نے نماز عید پڑھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ اس کا معنی ہے کہ وہ نماز کے وقت دل سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے، اس کے عتاب سے ڈرے، اس کے ثواب کی امید رکھے تاکہ نماز کے پورے پورے حقوق ادا کرے اور اس میں خشوع و خضوع کرے جیسا اس کا خوف اور اس کی امید ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ ہر سورت کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سے کرے اور نماز پڑھے اور ذکر کرے۔ ان دونوں جملوں میں کوئی فرق نہیں اكْرَمْتَنِي فَزُرْتَنِي، زُرْتَنِي فَاكْرَمْتَنِي۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ فرض نماز کے بارے میں ہے وہ پانچ نمازیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد دعا ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے دنیا اور آخرت کی ضروریات کے بارے میں دعا کی۔ ایک قول یہ کیا: اس سے مراد عید کی نماز ہے؛ یہ حضرت ابوسعید خدری، حضرت ابن عمر اور دوسرے علماء کی رائے ہے (1)، یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد نفلی نماز پڑھے؛ یہ ابوالاحوص کا نقطہ نظر ہے، عطا کے قول کا مقتضا بھی یہی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جس نے نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا نہ کی تو اس کی کوئی نماز نہیں۔

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ﴿۱۶﴾

''البتہ تم لوگ دنیاوی زندگی کو ترجیح دیتے ہو''۔

یہ عام قراء کی قراءت ہے اس کی تصدیق حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی قراءت بھی کرتی ہے بل أنتم توثرون۔ ابوعمرو اور نصر بن عاصم نے اسے بل یؤثرون یاء کے ساتھ پڑھا ہے تقدیر کلام یہ ہے بل یوثرون الأشقون الحیاۃ الدنیا پہلی تعبیر کی صورت میں معنی یہ ہوگا بلکہ اے مسلمانو! تم دنیا کی کثرت چاہتے ہو تا کہ تم زیادہ ثواب حاصل کرسکو۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے یہ آیت پڑھی اور پوچھا: کیا تم جانتے ہو کہ ہم نے دنیاوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دی ہے؟ کیونکہ دنیا حاضر ہے اس کی پاکیزگیاں، اس کا کھانا، اس کا مشروب، اس کی لذت اور رونقیں جلدی نصیب ہوتی ہیں جب کہ آخرت ہم سے غائب ہے پس ہم نے دنیا کو لے لیا اور آخرت کو ترک کر دیا۔

ثابت نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم حضرت ابوموسیٰ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جبکہ لوگ باتیں کر رہے تھے اور دنیا کا ذکر کر رہے تھے حضرت ابوموسیٰ نے فرمایا: اے انس! ان لوگوں میں سے ہر ایک اپنی جان کے ساتھ چمڑے کو کاٹ کر رکھ دے گا آؤ ہم اپنے رب کا ذکر کریں پھر کہا: اے انس! کس چیز نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے روک لیا ہے؟ میں نے کہا: دنیا اور شہوات نے۔ فرمایا: نہیں دنیا کو پہلے لیا گیا ہے اور آخرت کو غائب کر دیا گیا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر یہ اپنی آنکھوں سے اسے دیکھتے تو نہ کسی چیز کو اس کا ہم پلہ قرار دیتے اور نہ ہی شکایت کرتے۔

وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ﴿۱۷﴾

''حالانکہ آخرت کہیں بہتر ہے اس سے اور باقی رہنے والی ہے''۔

دار آخرت یعنی جنت افضل ہے اور دنیا کے مقابلہ میں دائمی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ما الدنیا فی الآخرۃ إلا کما یضع أحدکم إصبعہ فی الیم فلینظر بما یرجع دنیا آخرت کے مقابلہ میں اس قدر ہے جس طرح تم میں سے کوئی ایک اپنی انگلی سمندر میں رکھے تو وہ دیکھے انگلی کیا چیز لے کر آتی ہے۔ یہ روایت بھی گزری ہے۔ مالک بن دینار نے کہا: اگر دنیا سونے کی ہوتی جو ختم ہو جاتا ہے اور آخرت ٹھیکری کی ہوتی جو باقی رہتی ہے تو ضروری ہے کہ باقی رہنے والی ٹھیکری کو فانی ہونے پر ترجیح دی جائے۔ فرمایا: تو پھر کیا حال ہے جب کہ آخرت سونے کی ہے جو باقی رہنے والی ہے اور دنیا ٹھیکری کی ہے جو فنا ہونے والی ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 255

اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ﴿۱۹﴾

''یقیناً یہ (سب کچھ) اگلے صحیفوں میں لکھا ہوا ہے یعنی ابراہیم اور موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں''۔

قتادہ اور ابن زید نے کہا: اسم اشارہ سے مراد وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۱۷﴾ ہے دونوں نے کہا: جس طرح تم سنتے ہو اللہ تعالیٰ کی کتب میں تواتر سے یہ بات آتی ہے کہ آخرت دنیا کے مقابلہ میں بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔

حضرت حسن بصری نے کہا کہ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ سے مراد اللہ تعالیٰ کی تمام کتب ہیں (1)۔ کلبی نے کہا: اس سے مراد قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۴﴾ سے لے کر آخر تک ہے۔ یہ تعبیر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی وجہ سے ہے جو ابھی آ رہی ہے۔ ضحاک نے کہا کہ یہ قرآن پہلی کتابوں میں ہے۔

صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ﴿۱۹﴾ سے مراد وہ کتابیں ہیں جو ان پر نازل ہوئیں ان سے یہ مراد نہیں کہ بعینہ یہی الفاظ ان صحیفوں میں تھے بلکہ مقصود معنی ہے یعنی اس کلام کا معنی ان صحیفوں میں تھا۔ آجری نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! صحف ابراہیم سے کیا مراد ہے؟ فرمایا: ''وہ سب امثال تھیں اے بادشاہ جس نے تسلط جمایا ہوا ہے آزمائش میں مبتلا ہے اور دھوکہ میں ڈالا گیا ہے میں نے تجھے اس لیے دنیا میں نہیں بھیجا کہ تو دنیا کو ایک دوسرے کے اوپر جمع کرے بلکہ میں نے تجھے اس لیے بھیجا ہے کہ تو مظلوم کی دعا کو مجھ سے لوٹائے میں اس کی دعا کو نہیں لوٹاؤں گا اگرچہ وہ کافر کے منہ سے نکلے اس سے مراد امثال تھیں عقل مند پر لازم ہے کہ اس کی تین گھڑیاں ہوں۔ ایک گھڑی میں وہ اللہ تعالیٰ سے مناجات کرے، ایک ساعت ایسی ہو جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی صنعت میں غور وفکر کرے، ایک ساعت ایسی ہو جس میں وہ اپنے کھانے پینے کا اہتمام کرے۔ دانشمند پر لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کے سوا کسی کے لیے سفر نہ کرے آخرت کے لیے زاد راہ، زندگی کو بہتر بنانے کے لیے، حلال چیز میں لذت پانے کے لیے۔ دانشمند پر یہ بھی لازم ہے وہ اپنے زمانہ پر نظر رکھتا ہو، اپنی حالت کی طرف متوجہ ہو اور اپنی زبان کی حفاظت کرنے والا ہو۔ جو آدمی زبان کو بھی اپنے اعمال میں شمار کرتا ہے تو اس کی گفتگو کم ہو جاتی ہے مگر جو اس کے لیے معاون ہو''۔

میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفے کیا ہیں؟ فرمایا: ''سب عبرت آموز باتیں تھیں۔ میں تعجب کا اظہار کرتا ہوں اس آدمی پر جو موت کا یقین رکھتا ہے کہ وہ کیسے خوش رہتا ہے، میں تعجب کا اظہار کرتا ہوں اس آدمی پر جو تقدیر پر ایمان رکھتا ہے تو وہ کیسے تھکتا ہے؟ اور میں تعجب کا اظہار کرتا ہوں کہ جو دنیا اور اس کے تغیر کو دیکھتا ہے کہ وہ کیسے اس پر مطمئن ہو جاتا ہے؟ میں متعجب ہوتا ہوں اس آدمی پر جو حساب پر یقین رکھتا ہے پھر وہ عمل نہیں کرتا''۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کے بارے میں جو کچھ تھا کیا اس میں سے ہمارے پاس بھی کچھ ہے؟ فرمایا: ''ہاں ابوذر پڑھو قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰی ﴿۱۴﴾ وَ ذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی ﴿۱۵﴾ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا ﴿۱۶﴾ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی ﴿۱۷﴾ اِنَّ هٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ﴿۱۸﴾ صُحُفِ اِبْرٰهِیْمَ وَ مُوْسٰی ﴿۱۹﴾''۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 280

سورة الغاشیہ

(آیاتہا ۲۶) (۸۸ سورۃ الغاشیۃ مکیۃ ۶۸) (رکوعہا ۱)

تمام کے قول میں مکی ہے۔ اس کی چھبیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

هَلۡ اَتٰىكَ حَدِیۡثُ الۡغَاشِیَةِ ۟

''کیا آپ کو پہنچی ہے چھا جانے والی آفت کی خبر''۔

هَلۡ، قد کے معنی میں ہے (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: هَلۡ اَتٰی عَلَی الۡاِنۡسَانِ حِیۡنٌ مِّنَ الدَّهۡرِ (الدہر: 1) یقیناً انسان پر ایک ایسا وقت گزرا ہے: یہ قطرب کا قول ہے معنی یہ ہے اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یقیناً آپ کے پاس قیامت کی خبر آ چکی ہے جو اپنی ہولناکیوں کے ساتھ مخلوقات پر چھا جائے گی؛ یہ اکثر مفسرین کا نقطہ نظر ہے۔ سعید بن جبیر اور محمد بن کعب نے کہا: الۡغَاشِیَةِ سے مراد آگ ہے جو کفار کے مونہوں تک جا پہنچے گی (2)؛ یہ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے اس کی دلیل وَّ تَغۡشٰی وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ ۟ (ابراہیم) آگ ان کے چہروں پر چھا جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوقات پر چھا جائے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد نفخہ ثانیہ ہے جو دوبارہ اٹھائے جانے کے لیے پھونکا جائے گا کیونکہ وہ تمام مخلوقات پر غالب آ جائے گا (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: غاشیہ سے مراد جہنمی ہیں جو اس پر چھا جائیں گے اور اس میں داخل ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ هَلۡ اَتٰىكَ کا معنی ہے یہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ تھا نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کو پتہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: جس طرح یہاں مذکور ہے اس تفصیل کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے معلوم نہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بطور استفہام کلام ذکر کی گئی ہے اس کا معنی ہے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک غاشیہ کی خبر نہیں پہنچی تھی تو اب وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ چکی ہے؛ یہ کلبی کے قول کا معنی ہے (4)۔

وُجُوۡهٌ یَّوۡمَئِذٍ خَاشِعَةٌ ۙ۟ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۙ۟

''کتنے ہی چہرے اس دن ذلیل و خوار ہوں گے مشقت میں مبتلا تھکے ماندے''۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک ان کی خبر نہیں پہنچی تھی تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ یَوۡمَئِذٍ سے مراد یوم قیامت ہے (5)۔ سفیان نے کہا: خاشعۃ سے مراد عذاب کے ساتھ ذلیل کرنا ہے ہر کمزور پست ہمت عاجزی کرنے والا ہوتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَضَعَ فی صلاتہ جب اس نے نماز میں سر جھکایا اور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 257 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً 4۔ ایضاً 5۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 258

عاجزی کا اظہار کیا۔ خشع الصوت آواز پست ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ (طہ:108) اللہ تعالیٰ کے حضور آوازیں پست ہیں۔ وجوہ (چہروں) سے مراد اصحاب وجوہ ہیں۔ قتادہ اور ابن زید نے کہا: آگ میں عاجز و ذلیل ہوں گی (1)۔ اس سے مراد تمام کفار کے وجوہ ہیں؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد یہود و نصاریٰ کی وجوہ ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔

وہ دنیا میں تھکے ماندے ہوں گے کیونکہ دار آخرت عمل کا مکان نہیں۔ معنی یہ ہوگا وہ دنیا میں مشقت میں مبتلا، تھکے ماندے ہوں گے وہ آخرت میں ذلیل و رسوا ہوں گے۔ علماء لغت نے کہا: جب ایک آدمی لگا تار مصروف کار رہے تو کہتے ہیں: عَمِلَ الرجلُ عَمَلًا وہ بادل جو لگا تار چمکتا رہے اسے کہتے ہیں: عَمِل السحابُ عملًا، ذاسحابٌ عمِلٌ۔ ہذلی نے کہا: حتی شَآها کلیلٌ مَوْهِنًا عمِلٌ لگا تار کمزور بجلی رات کے ایک حصہ تک اسے ہانکتی رہی۔

نَّاصِبَةٌ تھکے ماندے۔ نَصِبَ يَنْصَبُ نَصَبًا کا معنی ہے وہ تھک گیا أنصبه غیرہ۔ اسے کسی دوسرے نے تھکا دیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور کفر میں تھکایا جیسے بت پرست اور اہل کتاب میں سے راہب وغیرہ۔ اللہ تعالیٰ ان سے کسی چیز کو قبول نہیں فرماتا مگر جو اس کے لیے خالص ہوتا ہے۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس سے مراد ہے دنیا میں اس نے اللہ تعالیٰ کی طاعت سے تکبر کیا اللہ تعالیٰ نے اسے جہنم میں کام میں لگا دیا اور اسے تھکایا کہ وہ بھاری بیڑیاں کھینچتے ہیں، طوق اٹھائے ہوئے ہیں وہ میدان محشر میں ننگے پاؤں کھڑے ہیں جس میں ایک دن کی مقدار پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔ کلبی نے کہا: انہیں منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا۔ ان سے اور دوسرے علماء سے یہ بھی مروی ہے: جہنم میں انہیں لوہے کے پہاڑ پر چڑھنے کا مکلف بنایا جائے گا تو وہ بیڑیوں اور طوقوں اور آگ میں داخل ہونے کی وجہ سے جو مشقت اٹھاتے ہیں اس سے زیادہ وہ تھکیں گے وہ آگ میں یوں دھنس جائیں گے جس طرح اونٹ کیچڑ میں دھنس جاتا ہے، وہ آگ کے پہاڑ پر چڑھیں گے اور اس سے نیچے اتریں گے اس کے علاوہ انہیں عذاب کا سامنا کرنا ہوگا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا۔ ابن محیصن، عیسیٰ، حمید نے اور عبید نے شبل سے وہ ابن کثیر سے نَّاصِبَةٌ روایت کرتے ہیں کیونکہ یہ حال ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اسے بطور مذمت منصوب پڑھا گیا ہے جبکہ باقی قراء نے اسے صفت کے اعتبار سے منصوب پڑھا ہے یا مبتدا مضمر ہے تو وقف خَاشِعَةٌ پر ہوگا۔ جس نے اسے آخرت پر تعبیر کیا ہے اس کے لیے جائز ہے کہ یہ وجوہ سے خبر کے بعد خبر ہو اس صورت میں خَاشِعَةٌ پر وقف نہ کیا جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے دنیا میں مصروف کار، آخرت میں تھکے ماندے اور ذلیل ہوں گے۔ عکرمہ اور سدی نے کہا: دنیا میں وہ نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ سعید بن جبیر اور زید بن اسلم نے کہا: وہ راہب ہیں جو گرجا گھروں میں رہتے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ضحاک کی روایت بھی پہلے گزر چکی ہے۔ حضرت حسن بصری سے مروی ہے: جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ شام آئے تو ایک بوڑھا (متقهل) پراگندہ حال راہب آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جب

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 258

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا تو آپ رونے لگے اس نے پوچھا: اے امیر المومنین! کس چیز نے آپ کو رلایا ہے؟ فرمایا: اس مسکین نے ایک امر کو طلب کیا تو اسے نہ پایا، ایک امید کی تو اس میں غلطی کی اور اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی تلاوت کی وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ خَاشِعَةٌ ۝ عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ۝ ۔(1)

کسائی نے کہا: تقهل کا معنی برا حال ہے۔ رجل متقهل جس کا چمڑا خشک اور برا حال ہو جس طرح متقحل ہے۔ ابو عمرو نے کہا: تقهل کا معنی ضرورت کی شکایت کرنا ہے اور یہ شعر پڑھا:

لَعْوًا إِذَا لَاقَيْتَه تَقَهَّلَا

جب میں اسے ملا تو اس کا اخلاق برا اور حال بھی برا تھا۔

القهل کا معنی احسان کی ناشکری کرنا ہے۔ قد قَهِلَ يَقْهَلُ قَهْلًا جب اس نے بری تعریف کی۔ أقهل الرجل ایسے امر کا تکلف کیا جو اس کے نفس کو عیب دار بناتا ہے اور اس کی ذات کو آلودہ کر دیتا ہے۔ انقهل کا معنی ہے کمزور ہونا اور گر جانا؛ یہ جوہری کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: اس سے مراد اہل حروراء ہیں یعنی وہ خارجی ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں ذکر کیا ہے فرمایا: تحقرون صلاتکم مع صلاتهم و صیامکم مع صیامهم وأعمالکم مع أعمالهم یَمْرُقُون من الدین کما یَمْرُق السهمُ من الرَّمِیَّة۔ تم اپنی نمازیں ان کی نمازوں کے مقابلہ میں، اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلہ میں، اپنے اعمال ان کے اعمال کے مقابلہ میں حقیر جانو گے وہ دین سے یوں نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے نکل جاتا ہے (☆)۔

تَصْلٰى نَارًا حَامِیَةً ۝

''داخل ہوں گے دہکتی ہوئی آگ میں''۔

ان چہروں کو آگ کی تپش اور لپک پہنچے گی۔ حَامِیَةً سے مراد سخت گرم ہے یعنی اسے طویل مدت تک روشن کیا گیا اور جلایا گیا۔ اسی سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: حَمِيَ النهار حَمِي التنور حميًا یعنی اس کی گرمی شدید ہو گی۔ کسائی نے کہا: اشتد حمی الشمس و حموها کا معنی ایک ہی ہے۔ ابو عمرو، ابوبکر اور یعقوب نے ضمہ کے ساتھ تُصلی پڑھا ہے جبکہ باقی قراء نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اسے تَصلی بھی پڑھا گیا ہے اس بارے میں گفتگو اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝ میں پہلے گزر چکی ہے۔ ماوردی نے کہا: اگر یہ کہا جائے اس کی صفت حَمی سے لگانے کی کیا وجہ ہے جبکہ آگ تو گرم ہی ہوتی ہے (2) جب کہ یہ تو اس کے احوال میں سے کم حالت ہے تو اس ناقص صفت کے ساتھ مبالغہ کی کیا وجہ ہے؟ تو جواب دیا جائے گا: حامیہ سے مراد یہاں چار وجوہ سے مختلف ہے:

(۱) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ہمیشہ گرم ہو گی یہ دنیا کی آگ جیسی نہ ہو گی کہ جس کی گرمائش بجھانے کے ساتھ ختم ہو جاتی ہے۔

(۲) حَامِیَةً سے مراد یہ ہے کہ یہ ممنوعات کے ارتکاب کی محفوظ چراگاہ ہے اور محارم کی پامالی کی محفوظ جگہ ہے جس طرح نبی

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 282-281
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 258
☆ صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدین باب من ترك قتال الخوارج

کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنَّ لِکلّ ملکٍ حِمًی وإنّ حمی اللہ محارمہ ومن یرتع حول الحمی یوشك أن یقع فیہ ہر بادشاہ کی ایک چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ چیزیں ہیں جو آدمی چراگاہ کے اردگرد چرتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس میں جا واقع ہو۔

(۳) وہ اپنے آپ کو محفوظ رکھتی ہے کہ کوئی اس کو چھو سکے یا اس کو مس کرنے کا قصد کرے جس طرح شیر اپنی کچھار کی حفاظت کرتا ہے؛ اس کی مثل نابغہ کا شعر ہے۔

تعدو الذئاب على من لا كلاب له وتتقى صَولَة المستأسِدِ الحامِي

بھیڑیئے اس پر حملہ کرتے ہیں جس کے کتے نہیں ہوتے اور شیر دل حفاظت کرنے والے کے حملہ سے بچتے ہیں۔

(۴) وہ غضبناک ہے انتقام کی شدت میں مبالغہ کرنے والی ہے اس سے کسی شئی یا ذات کا گرم ہونا مراد نہیں جس طرح کہا جاتا ہے: قد حمی فلان جب وہ انتقام کے ارادہ سے غضبناک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ساتھ اس معنی کو واضح کیا۔ فرمایا: تَكَادُ تَمَيَّزُ مِنَ الْغَيْظِ (ملک: 8) قریب ہے غصہ سے پھٹ جائے۔

تُسْقٰى مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝

''انہیں پلایا جائے گا کھولتے ہوئے چشمہ سے''۔

الآنی سے مراد وہ چیز ہے جس کی گرمی انتہا کو پہنچ جائے۔ یہ ایناء سے مشتق ہے جس کا معنی تاخیر ہے، اس معنی میں ہے آنیت و آذیت تو دیر سے آیا اور تو نے اذیت دی۔ آناہ یُؤنیہ إیناءً اسے گرم کیا، اسے روکا اور اسے موخر کیا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۝ (الرحمٰن) وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور کھولتے ہوئے پانی کے درمیان۔ مِنْ عَيْنٍ اٰنِيَةٍ ۝ کا معنی تفاسیر میں یہ کیا گیا ہے: اس کی گرمی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے اگر اس کا قطرہ دنیا کے پہاڑوں پر گرے تو وہ پگھل جائیں۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اٰنِيَةٍ سے مراد ہے اس کی گرمی اپنے کمال کو آ پہنچی ہے جب سے اسے تخلیق کیا گیا ہے اس پر جہنم کو بھڑکایا گیا ہے ان جہنمیوں کو اس کی طرف پیاسا ہانکا جائے گا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ اپنی گرمی کی انتہا کو پہنچ گیا ہے اور اس کے پینے کا وقت آ چکا ہے۔

لَيْسَ لَهُمْ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ ۝

''انہیں کوئی کھانا نہ ملے گا بجز خاردار جھاڑ کے''۔

لَهُمْ کی ضمیر سے مراد جہنمی ہیں۔ جب پہلے ان کے مشروب کا ذکر کیا اب ان کے کھانے کا ذکر کیا۔ عکرمہ اور مجاہد نے کہا ضَرِيْع ایک ایسی جڑی بوٹی ہے جس کے کانٹے ہوتے ہیں جو زمین کے ساتھ لگی ہوتی ہے جب تک وہ تر ہو تو اسے شبرق کہتے ہیں جب وہ خشک ہو جائے تو اسے ضریع کہتے ہیں کوئی جانور اور چوپایہ اس کے قریب نہیں جاتا اور نہ ہی اسے کھاتا ہے، وہ قاتل زہر ہے یہ سب سے خبیث اور برا کھانا ہے؛ عام مفسرین کی یہی رائے ہے مگر ضحاک کی رائے مختلف ہے۔ اس نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ ایسی چیز ہے جسے سمندر باہر پھینکتا ہے جسے ضریع کہتے ہیں یہ انسانوں کی

بجائے حیوانوں کی خوراک ہے جب اونٹ اسے کھائیں تو سیر نہیں ہوتے اور کمزوری کی وجہ سے مر جاتے ہیں۔ صحیح وہی ہے جو جمہور کا نقطہ نظر ہے کہ یہ ایک بوٹی ہے۔ ہذلی نے کہا: اور اونٹوں اور ان کی بری چراگاہ کا ذکر کیا:

وحُبِسْنَ فی هَزْمِ الضَّرِيع فكلُّها حَدْباءُ دامِيةُ اليدين حَرُودُ

انہیں تو نے پھوٹے ضریع پر روک دیا گیا ہے سب کی پشت کی ہڈیاں ظاہر ہیں ہاتھوں سے خون بہہ رہا ہے اور دودھ دوہنے سے انکاری ہیں۔

خلیل نے کہا: ضریع سبز بوٹی ہوتی ہے بدبودار ہوتی ہے سمندر جسے پھینکتا ہے۔ والبی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: یہ آگ کا درخت ہے اگر یہ دنیا میں ہوتا تو زمین اور اس پر جو کچھ ہے سب کو جلا دیتا۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ پتھر ہے (1)؛ یہی بات عکرمہ نے کہی، زیادہ غالب یہی ہے کہ یہ کانٹے دار درخت ہے جیسے دنیا میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے: ''ضریع ایسی چیز ہے جو جہنم میں ہوگی جو کانٹے کے مشابہ ہے مصبر سے زیادہ کڑوی ہوگی، مردار سے زیادہ بدبودار ہوگی، آگ سے زیادہ گرم ہوگی اللہ تعالیٰ نے اس کا نام ضَرِيْع رکھا ہے''۔

خالد بن زیاد نے کہا: میں نے متوکل بن حمدان سے سنا جب کہ ان سے آیت کے بارے میں پوچھا جا رہا تھا انہوں نے جواب دیا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ ضریع جہنم کی آگ کا ایک درخت ہے اس کا پھل پیپ اور خون ہوگا وہ مصبر سے زیادہ کڑوا ہوگا یہ ان کا کھانا ہوگا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ عذاب میں سے ان چیزوں میں سے ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا ہے (2)۔ ابن کیسان نے کہا: یہ ایسا کھانا ہے جس کے پاس وہ گڑگڑائیں گے، ذلیل و رسوا ہوں گے اور اس سے چھٹکارا پانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں گے، اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ اس کا کھانے والا اس کو ناپسند کرنے اور اس کی سختی کے باعث آہ وزاری کرے گا کہ اس عذاب سے اسے بری کر دیا جائے۔ ابو جعفر نحاس نے کہا: یہ ضارع سے مشتق ہے جس کا معنی ذلیل ہے یعنی ذو ضراعة ذلت والا۔ حضرت حسن بصری سے یہ مروی ہے: یہی زقوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہنم میں ایک وادی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: فَلَيْسَ لَهُ الْيَوْمَ هٰهُنَا حَمِيْمٌ ۙ وَ لَا طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِيْنٍ ۙ (الحاقہ) آج اس کا یہاں کوئی دوست نہیں اس کا کوئی کھانا نہیں مگر غسلین۔ یہاں فرمایا: اِلَّا مِنْ ضَرِيْعٍ یہ غسلین کے علاوہ کھانا ہے دونوں میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ جہنم کے کئی درجے ہیں ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جن کا کھانا زقوم ہے ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا کھانا غسلین ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا کھانا ضریع ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا مشروب حمیم ہے، ان میں سے کچھ وہ ہیں جن کا مشروب پیپ ہے۔ کلبی نے کہا: ضریع ایسے درجے میں ہے جس میں کوئی اور نہیں زقوم ایک اور درجہ ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ دونوں آیتوں کو دو حالتوں پر محمول کیا جائے جس طرح ارشاد فرمایا: يَطُوْفُوْنَ بَيْنَهَا وَ بَيْنَ حَمِيْمٍ اٰنٍ ۚ (الرحمٰن) وہ گردش کرتے رہیں گے جہنم اور گرم کھولتے ہوئے پانی کے درمیان۔ قتبی نے کہا: یہ جائز ہے کہ ضریع اور زقوم جہنم کی دو جڑی بوٹیاں ہوں یا دونوں کا جوہر ایسی چیز ہو جسے آگ نہیں

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 259
2۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 282

کھاتی۔ اسی طرح آگ زنجیریں، اس کے طوق، اس کے بچھو اور اس کے سانپ ہیں اگر یہ اس طرح ہوتے جس طرح ہم جانتے ہیں تو وہ آگ پر باقی نہ رہتے۔ کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاں موجود ہم سے غائب پر ہماری راہنمائی کی اس چیز کی مدد سے جو ہمارے پاس حاضر ہے آسمان کی دلالت متفق ہے اور معانی مختلف ہیں۔ اس طرح جنت میں جو بھی درخت اور بستر ہیں زیادہ مناسب قول وہ ہے جو قتبی کا قول ہے کہ جو چیز کافروں کو جہنم میں ہمیشہ رکھتی ہے تا کہ ان پر عذاب دائمی ہو وہی چیز نباتات اور زقوم کے درخت کو آگ میں باقی رکھتی ہے تا کہ اس کے ذریعے کفار کو عذاب دے۔ بعض علماء کا خیال ہے ضریع بعینہ آگ میں نہیں اگتا اور نہ ہی وہ اسے کھاتے ہیں۔ ضریع چوپاؤں کی خوراک ہے یہ لوگوں کی خوراک نہیں جب اونٹ اسے کھائیں تو سیر نہیں ہوتے اور کمزوری کی وجہ سے مرجاتے ہیں۔ اس سے یہ ارادہ کیا ہے کہ وہ ایسی چیز سے روزی حاصل کرتے ہیں جو ان کو سیر نہیں کرتی ضریع کا ذکر بطور ضرب المثل کیا ہے کہ انہیں بھوک کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا جس طرح اسے تکلیف دی جاتی ہے جسے ضریع کھلایا جائے۔

ترمذی حکیم نے کہا: یہ قول کرنے والے کی جانب سے مریض نظر وفکر ہے اور حقیر تامل ہے گویا یہ اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں متحیر ہیں وہ ذات پاک جس نے اس مٹی میں ضریع کو اگا یا وہ اس بات پر قادر ہے کہ وہ دہکتی آگ میں اس ضریع کو اگائے۔ اللہ تعالیٰ نے سرسبز و شاداب درخت سے ہمارے لیے آگ بنائی نہ آگ اس درخت کو جلاتی ہے اور نہ درخت میں پانی کی رطوبت آگ کو بجھاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنَ الشَّجَرِ الۡاَخۡضَرِ نَارًا فَاِذَاۤ اَنۡتُمۡ مِّنۡهُ تُوۡقِدُوۡنَ ۝ (یاسین) وہ ذات پاک جس نے تمہارے لیے شاداب درخت سے آگ بنائی پس جس سے تم آگ روشن کرتے ہو، جس طرح یہ بات کی گئی جب یہ آیت وَ نَحۡشُرُهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ عَلٰی وُجُوۡهِهِمۡ (الاسراء: 97) ہم انہیں قیامت کے روز ان کے مونہوں کے بل اٹھائیں گے۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ اپنے مونہوں کے بل کیسے چلیں گے؟ فرمایا: وہ ذات جس نے انہیں ان کے پاؤں کے بل چلا یا وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ وہ انہیں منہ کے بل چلائے۔ اس جیسی مثال میں سوائے دل کے ضعیف کے کوئی متحیر نہیں یا کیا ہم نے خبر نہیں دے دی جب بھی جلدیں پک جائیں گی تو ان کی جلدیں کسی اور چیز سے بدل دیں گے، اسی طرح فرمایا: سَرَابِیۡلُهُمۡ مِّنۡ قَطِرَانٍ (ابراہیم: 50) اور فرمایا: اِنَّ لَدَیۡنَاۤ اَنۡكَالًا (المزمل: 12) یعنی ہمارے پاس بیڑیاں ہیں۔ ذاغصتہ کا معنی ہے کانٹوں والا۔ ان پر عذاب ان اشیاء کی وجہ سے مختلف ہوگا۔

لَّا یُسۡمِنُ وَ لَا یُغۡنِیۡ مِنۡ جُوۡعٍ ۝

''جو نہ فربہ کرے گا نہ بھوک دور کرے گا''۔

یعنی ضریع کو کھانے والا موٹا نہیں ہوگا۔ جو کانٹے کھاتا ہے وہ کیسے موٹا ہوگا؟ مفسرین نے کہا: یہ آیت نازل ہوئی تو مشرکوں نے کہا: ہمارے اونٹ تو ضریع کھا کر موٹے ہوجاتے ہیں تو یہ آیت نازل ہوئی: انہوں نے جھوٹ بولا کیونکہ اونٹ اسے اس وقت کھاتا ہے جب وہ تر ہو جب وہ خشک ہوجائے تو اسے نہیں کھاتا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان پر اس کا معاملہ مشتبہ ہو گیا انہوں نے اسے گمان کیا یہ بھی دوسری نفع مند جڑی بوٹیوں کی طرح ہے، کیونکہ مضارعۃ کا معنی مشابہت ہے انہوں نے

اسے پایا کہ وہ نہ اسے موٹا کرتی ہے اور نہ ہی بھوک مٹاتی ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَىِٕذٍ نَّاعِمَةٌ ۙ﴿۸﴾ لِّسَعْيِهَا رَاضِيَةٌ ۙ﴿۹﴾ فِيْ جَنَّةٍ عَالِيَةٍ ۙ﴿۱۰﴾

"کتنے ہی چہرے اس دن بارونق ہوں گے اپنی کاوشوں پر خوش ہوں گے عالیشان جنت میں"۔

یہاں نَّاعِمَةٌ نسبت کے معنی میں ہے یعنی ذات نعمة یہ مومنوں کے چہرے ہوں گے انہوں نے اپنے امر اور اپنے عمل صالح کا انجام دیکھا تو وہ خوش ہو گئے جب انہیں اپنے عمل کے بدلے جنت دی جائے گی تو وہ ناراض ہو جائیں گے، اس کا مجازی معنی یہ ہو گا: انہوں نے جو عمل کیا ہو گا اس پر وہ راضی ہو گا۔ یہاں واؤ مضمر ہے معنی ہے۔ و وجوہ یومئذ واؤ مضمر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے اور متقدم وجوہ کے درمیان فاصلہ ہے وجوہ سے مراد نفوس (ذاتیں) ہیں۔

وہ بلند جنت میں ہوں گے کیونکہ یہ آسمانوں سے بھی اوپر ہے جس طرح یہ پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قدر و منزلت میں بلند ہیں کیونکہ ان میں وہ کچھ ہے جس کی نفوس خواہش کرتے ہیں اور آنکھیں لذت حاصل کرتی ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

لَّا تَسْمَعُ فِيْهَا لَاغِيَةً ﴿۱۱﴾

"نہ سنیں گے وہاں کوئی لغوبات"۔

کوئی ایسی گفتگو نہیں سنیں گے جو ان کے مقام سے فروتر ہو اور ناپسندیدہ ہو کہا: لَاغِيَةً لغو اور لغلسب کا ایک ہی معنی ہے۔ کہا: عن اللغا و رفث التكلم لغوبات اور بےحیائی کی باتوں سے۔

فراء اور اخفش نے کہا: اس میں تو کوئی لغو کلمہ نہیں سنے گا۔ اس کی مراد میں چھ وجوہ ہیں:

(۱) اس میں جھوٹ، بہتان اور اللہ تعالیٰ کا انکار نہ سنیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے۔

(۲) نہ باطل اور نہ گناہ کی کوئی بات سنیں گے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔

(۳) اس سے مراد گالی ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔

(۴) وہ معصیت کے بارے میں نہ سنیں گے؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

(۵) کسی قسم اٹھانے والے کے بارے میں نہ سنا جائے گا کہ وہ جھوٹی قسم اٹھاتا ہے؛ یہ فراء کا قول ہے۔ کلبی نے کہا: جنت میں کسی آدمی کے بارے میں نہیں سنا جائے گا کہ وہ سچی یا جھوٹی قسم اٹھاتا ہے۔

(۶) ان کی گفتگو میں کوئی لغو کلمہ نہیں سنا جائے گا کیونکہ جنتی صرف حکمت کی بات کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے انہیں جن دائمی نعمتوں سے نوازا ہوتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے ہیں؛ یہ بھی فراء کا قول ہے۔ یہ سب سے اچھا قول ہے کیونکہ جو کچھ ذکر کیا گیا ہے سب کو عام ہے۔

ابو عمرو اور ابن کثیر نے اسے لا یسمع پڑھا ہے کہ یہ نائب الفاعل ہے اسی طرح نافع نے بھی بات کی ہے مگر یہ تاء مضموم کے ساتھ ہے، کیونکہ لاغیہ اسم مونث ہے فعل کو اس کی وجہ سے مونث ذکر کیا گیا ہے۔ جس نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے

اس کے نزدیک وجہ یہ ہے کہ فعل اور فاعل کے درمیان جار مجرور ہے، باقی قراء نے تاء کے ساتھ پڑھا ہے اور مفتوح پڑھا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ وجوہ کی طرف منسوب ہے معنی یہ بنے گا اس میں وجوہ کوئی لغوبات نہ سنیں گے۔

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ ﴿۱۲﴾ فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ ﴿۱۳﴾ وَّ اَكْوَابٌ مَّوْضُوعَةٌ ﴿۱۴﴾ وَّ نَمَارِقُ مَصْفُوفَةٌ ﴿۱۵﴾ وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوثَةٌ ﴿۱۶﴾

''اس میں چشمہ جاری ہوگا۔ اس میں اونچے اونچے تخت بچھے ہوں گے، اور ساغر قرینے سے رکھے ہوں گے، اور گاؤ تکیے قطار در قطار لگے ہوں گے، اور قیمتی قالین بچھے ہوں گے''۔

اس میں اچھلتے پانیوں والے جاری چشمے ہوں گے اور مختلف قسم کے لذیذ مشروبات ان کی زمین پر بغیر کسی کھائی کے جاری ہوں گے۔ سورۃ الانسان میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس میں چشمے ہوں گے۔ عَيْنٌ، عیون کے معنی میں ہے۔ واللہ اعلم۔

اس میں بلند پلنگ ہوں گے۔ روایت بیان کی گئی ہے: اس کی بلندی اس قدر ہوگی جتنی آسمان اور زمین کے درمیان ہے تا کہ اللہ تعالیٰ کا ولی اپنے اردگرد اپنے ملک کو دیکھ سکے۔

اس میں لوٹے اور برتن ہوں گے۔ ابریق اسے کہتے ہیں جس کا دستہ اور سنت ہوتی ہے۔ کوب ایسے برتن کو کہتے ہیں جس کا دستہ اور سنت نہیں ہوتی۔ سورۂ زخرف اور دوسری سورتوں میں یہ گزر چکا ہے۔

تکیے ہوں گے نمارق کی واحد نمرقۃ ہے وہ ایک دوسرے کے پہلو میں ہوں گے؛ شاعر نے کہا:

وانا لنُجرِی الکاس بین شُربنا وبینَ أبی قابوسَ فوقَ النَّمارقِ

بے شک ہم بھرا ہوا جام اپنی باری اور ابو قابوس کے درمیان تکیوں پر چلاتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

کُھولٌ وشبانٌ حِسانٌ وجوھُھُم علی سُرُرٍ مَصفوفۃ و نمارقِ

پکی عمر کے اور جوان جن کے چہرے حسین ہیں وہ صف در صف پلنگوں اور تکیوں پر ہیں۔

صحاح میں ہے: النمرق اور النمرقۃ دونوں سے مراد چھوٹا تکیہ ہے اسی طرح نمرقۃ بھی ایک لغت ہے یعقوب نے اس کی حکایت بیان کی ہے۔ بعض اوقات کجاوے کے اوپر جو چٹائی سی رکھی جاتی ہے اسے نُمرقۃ کہتے ہیں؛ یہ ابو عبید سے مروی ہے۔

ابو عبید نے کہا: زَرَابِيُّ سے مراد قالین ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: زرابی ان چٹائیوں کو کہتے ہیں جن کا رواں نرم ہوتا ہے۔ اس کا واحد زربیۃ ہے۔ کلبی اور فراء نے کہا مَبْثُوثَةٌ کا معنی پھیلائی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ایک دوسرے کے اوپر ہوں گی؛ یہ عکرمہ نے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہت زیادہ۔ ایک قول کیا گیا: مجالس میں متفرق؛ یہ قتبی کا قول ہے۔

میں کہتا ہوں: آخری معنی زیادہ صحیح ہے وہ قالین بہت زیادہ اور الگ الگ جگہ پر ہوں گی۔ اس معنی میں وَ بَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ (البقرہ: 164) کا لفظ ہے۔ ابو بکر انباری نے کہا: ہمیں احمد بن حسین نے انہیں حسین بن عرفہ نے انہیں عمار بن محمد نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے منصور بن معتمر کے پیچھے نماز پڑھی انہوں نے هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ ۞ پڑھی اس

میں وَّزَرَابِيُّ مَبْثُوْثَةٌ ۞ پڑھا یعنی اس میں بچھے قالین ہوں گے جن میں ٹیک لگائے ہوئے خوش وخرم ہوں گے۔

اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۞

''کیا یہ لوگ (غور سے) اونٹ کو نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے (عجیب طرح) پیدا کیا گیا ہے''۔

مفسرین نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے جنت و دوزخ کے اہل کا ذکر کیا تو کفار اس پر متعجب ہوئے انہوں نے جھٹلایا اور انکار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی صنعت اور قدرت کا ذکر کیا اور یہ ذکر کیا کہ وہ ہر چیز پر اس طرح قادر ہے جس طرح اس نے حیوانات، آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔ پھر پہلے اونٹ کا ذکر کیا کیونکہ عربوں میں یہ بہت زیادہ ہوتا ہے اور انہوں نے ہاتھیوں کو نہیں دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم مخلوق پر متنبہ کیا اللہ تعالیٰ اسے ایک چھوٹے سے بچے کے لیے مسخر کر دیا ہے جو اس کی مہار پکڑ لیتا ہے اسے بٹھاتا ہے اور اٹھاتا ہے وہ اس کے اوپر سامان لاد دیتا ہے جب کہ وہ بیٹھا ہوا ہوتا ہے وہ بھاری وزن کے ساتھ اٹھ کھڑا ہوتا ہے یہ وصف کسی اور جاندار میں نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں سے ایک عظیم چیز دکھائی جو اس کی مخلوقات میں سے ایک چھوٹی سی چیز کے لیے مسخر کر دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس کی توحید اور عظیم قدرت پر راہنمائی کرتی ہے۔

ایک حکیم کے بارے میں حکایت بیان کی گئی ہے۔ اس کے سامنے اونٹ اور اس کی عجیب وغریب تخلیق کے بارے میں ذکر کیا گیا جبکہ وہ ایسے علاقے میں پیدا ہوا تھا جہاں اونٹ نہیں ہوتے تھے۔ اس نے غور کیا اور کہا: ممکن ہے اس کی گردن لمبی ہو اور جب اللہ تعالیٰ نے اسے خشکی کی کشتیاں بنایا تو اسے پیاس برداشت کرنے پر صابر بنا دیا یہاں تک کہ وہ دس دن سے زائد پیاسا رہ سکتا ہے اور اسے اس قابل بنا دیا کہ وہ جنگلوں صحراؤں میں ہر شئی کو چر لیتا ہے جسے دوسرے جانور نہیں چرتے (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا: جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے بلند پلنگوں کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ہم اس پر کیسے چڑھیں گے؟ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا اور یہ واضح کیا کہ اونٹ بیٹھتے ہیں یہاں تک کہ ان پر بوجھ لادا جاتا ہے پھر وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اس طرح وہ پلنگ نیچے ہو جاتے ہیں پھر بلند ہو جاتے ہیں؛ اس معنی کی وضاحت قتادہ، مقاتل اور دوسرے علماء نے کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہاں ابل سے مراد بادل کے عظیم ٹکڑے ہیں؛ یہ مبرد نے کہا: ثعلبی نے کہا: ابل کا یہاں معنی بادل کیا گیا ہے ہم نے ائمہ کی کتابوں میں اس کی کوئی اصل نہیں دیکھی۔

میں کہتا ہوں: اصمعی ابو سعید عبد الملک بن قریب نے ذکر کیا ابو عمرو نے کہا: جس نے اَفَلَا يَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ ۞ میں الْاِبِلِ کو تخفیف کے ساتھ پڑھا اس نے اس سے مراد اونٹ لیا ہے کیونکہ یہ چار ٹانگوں والا ہے وہ بیٹھتا ہے تو اس پر بوجھ لادا جاتا ہے جب کہ دوسرے جانوروں پر اس وقت بوجھ لادا جاتا ہے جب وہ کھڑے ہوتے ہیں۔ جس نے الْاِبِلِ کو لام شدد کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اس سے مراد بادل لیا ہے جو پانی اور بارش اٹھاتا ہے۔

ماوردی نے کہا: ابل میں دو توجیہیں ہیں: (۱) دونوں سے زیادہ نمایاں اور مشہور ہے وہ یہ ہے کہ یہ چوپایا ہے (۲) یہ

1۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 247

بادل ہے۔ اگر اس سے مراد بادل ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت پر اور تمام مخلوقات کے منافع عام پر دال ہے۔ اگر مراد چوپاؤں میں سے اونٹ ہیں تو کیونکہ اونٹ تمام حیوانات سے زیادہ منافع کو جامع ہے کیونکہ حیوانات کی چار قسمیں ہیں (۱) دودھ دینے والے (۲) سواری والے (۳) کھائے جانے والے (۴) بار برداری کے کام آنے والے۔ اونٹ ان چاروں کو جامع ہے۔ اس میں نعمت عام ہے اور اس میں قدرت زیادہ مکمل ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس کا خصوصاً ذکر کیا ہے کیونکہ یہ گٹھلی اور رقت (صحرائی دانہ) کھاتا ہے اور دودھ دیتا ہے۔ حضرت حسن بصری سے اس کے بارے میں پوچھا گیا اور کہا: ہاتھی عجوبہ ہونے میں بڑھ کر ہے؟ فرمایا: عرب کا اس سے کوئی تعلق واسطہ نہ تھا پھر وہ خنزیر کی طرح ہے اس کا گوشت نہیں کھایا جاتا اس کی پیٹھ پر سوار نہیں ہوا جاتا اور اس کا دودھ نہیں دوہا جاتا۔ قاضی شریح کہا کرتے تھے: ہمیں کناسہ (کوفہ کی منڈی) کی طرف لے چلو تا کہ ہم اونٹ کو دیکھیں کہ وہ کیسے پیدا کیا گیا۔ الْاِبِلِ کے لفظ میں کوئی واحد نہیں یہ مونث ہے کیونکہ اسم جمع کے لفظوں میں کوئی واحد نہیں ہوتا جب اسم جمع غیر انسانوں کے لیے استعمال ہو تو اس میں تانیث لازمی ہوتی ہے جب تو اس کو مصغر بنائے تو اس پر ھا داخل کرے گا تو تو کہے گا: ابیلۃ اغنیمۃ وغیرہ بعض اوقات اِبِل کو اِبْل پڑھتے ہیں اس کی جمع آبال آتی ہے۔

وَ اِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ ﴿۱۸﴾ وَ اِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَى الْاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ ﴿۲۰﴾

''اور آسمانوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ اسے کیسے بلند کیا گیا۔ اور پہاڑوں کی طرف کہ انہیں کیسے نصب کیا گیا ہے۔ اور زمین کی طرف کہ اسے کیسے بچھایا گیا ہے''۔

یعنی آسمان کو بغیر ستونوں کے زمین سے بلند کیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے بلند کیا گیا کہ اسے کوئی چیز نہیں پہنچتی۔

پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ انہیں کیسے زمین پر نصب کر دیا گیا ہے کہ وہ زائل نہیں ہوتے اس کی وجہ یہ بنی کہ جب زمین کو پھیلایا گیا تو وہ ایک طرف جھکنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اسے پہاڑوں کے ذریعے قائم کر دیا، جس طرح فرمایا: وَ جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ (الانبیاء: 31) اور ہم نے بنا دیئے زمین میں بڑے بڑے پہاڑ تا کہ زمین لرزتی نہ رہے ان کے ساتھ۔

زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اسے پھیلا دیا گیا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: میں نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی تو انہوں نے ان تمام افعال کو واحد متکلم ماضی کا صیغہ پڑھا اور ضمیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا۔ محمد بن سمیقع اور ابوالعالیہ بھی اسی طرح پڑھتے تھے۔ مفعول بہ محذوف ہے معنی ہے میں نے اسے پیدا کیا اس طرح باقی ماندہ افعال ہیں۔

حضرت حسن بصری، ابوحیوہ اور ابورجاء نے اسے سُطِّحت پڑھا ہے۔ ایک جماعت نے اس طرح پڑھا مگر طاء میں تخفیف کی ابل کو پہلے ذکر کیا اگر کسی اور چیز کو پہلے ذکر کیا تو جائز ہے۔ قشیری نے کہا: یہ ایسی چیز نہیں جس میں کسی قسم کی حکمت کا مطالبہ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عربوں کے حق میں یہ لوگوں کے سب سے قریب ہے کیونکہ ان کے ہاں اونٹ بہت

زیادہ ہوتے ہیں اور اونٹ کے بارے میں یہ لوگوں کی بنسبت زیادہ جانتے ہیں نیز اونٹوں کے فوائد دوسرے حیوانات کی بنسبت بہت زیادہ ہیں اس کا گوشت کھایا جاتا ہے، اس کا دودھ پیا جاتا ہے، یہ بار برداری اور سواری کے قابل ہے، لمبی مسافتیں اس پر طے کی جاتی ہیں، یہ پیاس پر صبر کر سکتا ہے، چارہ کم کھاتا ہے، بہت زیادہ بوجھ اٹھاتا ہے، عربوں کا سب سے قیمتی مال ہے عرب اونٹوں پر تنہا سفر کرتے ہیں جبکہ وہ لوگوں سے وحشت محسوس کرتے تھے وہ اپنی سواری میں دیکھتا پھر اس کی نظر آسمان کی طرف چلی جاتی پھر زمین کی طرف چلی جاتی اس وجہ سے انہیں ان چیزوں میں غور وفکر کا حکم دیا گیا کیونکہ یہ مختار اور قادر صانع پر واضح ترین دلیل ہے۔

فَذَكِّرْ ۗ إِنَّمَآ أَنْتَ مُذَكِّرٌ ﴿٢١﴾ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿٢٢﴾ إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿٢٣﴾ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْأَكْبَرَ ﴿٢٤﴾ إِنَّ إِلَيْنَآ إِيَابَهُمْ ﴿٢٥﴾ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا حِسَابَهُمْ ﴿٢٦﴾

''پس آپ انہیں سمجھاتے رہا کریں آپ کا کام تو سمجھانا ہی ہے آپ ان کو جبر سے منوانے والے تو نہیں ہیں مگر جس نے روگردانی کی اور کفر کیا تو اللہ اس کو سخت عذاب دے گا۔ بے شک انہیں (آخر) ہمارے پاس ہی لوٹ کر آنا ہے پھر یقیناً ہمارے ہی ذمہ ان کا حساب لینا ہے''۔

اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نصیحت کیجئے اور انہیں خبردار کیجئے آپ تو محض نصیحت کرنے والے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مسلط نہیں کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں قتل کر دیں پھر اسے جہاد والی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔ ہارون اعور نے اسے بمسیطر پڑھا ہے اسی طرح الْمُصَيْطِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ (طور) پڑھا ہے۔ یہ بنو تمیم کی لغت ہے۔ صحاح میں ہے: مسیطر اور مصیطر کا معنی ہے جو کسی پر مسلط ہو، تا کہ اس پر نگاہ رکھے، اس کے احوال کا جائزہ لے اور اس کے عمل کو لکھے اصل میں یہ سطر سے مشتق ہے کیونکہ سطر کا معنی ہے کہ وہ تجاوز نہ کرے کیونکہ کتاب مسطر ہے جو ایسا کرتا ہے وہ مُسَطِر اور مُسَيْطِر ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: سیطرت علینا تو نے ہم پر تسلط پالیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ ﴿۲۲﴾ یعنی اس کو پچھاڑ دیا۔

إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ یہ مستثنیٰ منقطع ہے لیکن جو وعظ اور تذکیر سے روگردانی کرے عذاب اکبر سے مراد جہنم ہے جس کا عذاب دائمی ہے یہاں آخرت کے عذاب کے لیے اکبر کا لفظ ذکر کیا کیونکہ دنیا میں انہیں بھوک، قحط، قید اور قتل کی سزا دی گئی اس تاویل کی دلیل حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ فَإِنَّهُ يُعَذِّبُهُ اللهُ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مستثنیٰ متصل ہے معنی یہ ہوگا آپ مسلط نہیں ہیں مگر ان لوگوں پر جنہوں نے اعراض کیا اور کفر کا ارتکاب کیا۔ آپ ان پر جہاد کے ذریعے مسلط ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ انہیں عذاب اکبر کا عذاب دے گا۔ اس تعبیر کی بنا پر آیت میں کوئی نسخ نہیں۔

روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ارتداد اختیار کیا تھا آپ نے تین دن تک اس سے توبہ کا مطالبہ کیا تو وہ اسلام کی طرف واپس نہ لوٹا آپ نے اس کی گردن اڑا دی اور یہ آیت تلاوت کی: إِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَ كَفَرَ ﴿۲۳﴾ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے اسے الا پڑھا ہے اس سے مراد نئی کلام کا آغاز اور تنبیہ ہے۔ جس طرح امرء القیس کا قول ہے:

أَلَا رُبَّ يومٍ لَكَ مِنْهُنَّ صَالِحٍ

خبردار! تیرے لیے ان کے کئی اچھے دن ہیں۔

مَنْ اس تعبیر کی بنا پر شرط کا معنی دے گا اس کا جواب فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ ہے فاء کے بعد مبتدا مضمر ہے۔ تقدیر کلام یوں ہوگی فھو یُعَذِّبُهُ الله کیونکہ اگر جواب کا ارادہ فعل سے ہوتا جو فاء کے بعد ہے تو کلام یوں ہوگا إلّا من تولی و کفر یُعَذِّبه الله۔

موت کے بعد ان کا رجوع ہماری طرف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آب، يَئُوبُ جس کا معنی لوٹنا ہے؛ عبید نے کہا:

وكُلُّ ذي غَيْبَةٍ يَئُوبُ وغائب الموتِ لا يَئُوبُ

ہر غائب لوٹ آتا ہے موت کا غائب ہونے والا نہیں لوٹتا۔

ابوجعفر نے ایابھم پڑھا۔ ابو حاتم نے کہا: تشدید جائز نہیں اگر یہ جائز ہوتا تو پھر صیام اور قیام میں بھی جائز ہوتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں جن کا معنی ایک ہی ہے۔ زمخشری نے کہا: ابوجعفر مدنی نے ایابھم پڑھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ فیعال کا وزن ہے ایب کا مصدر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ ایاب ہے یا یہ اصل میں أوّاب ہے فَعّال کا وزن ہے جو اوب سے مشتق ہے پھر ایواب بنا جس طرح دیوان اصل میں دوّان تھا پھر اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا گیا ہے جو سید کے ساتھ کیا گیا۔

سورۃ الفجر

آیاتہا ۳۰ ۔ ۸۹ سورۃ الفجر مکیۃ ۱۰ ۔ رکوعہا ۱

یہ مکی ہے۔ اس کی تیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو نہایت مہربان اور ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾

''قسم اس صبح کی اور ان (مقدس) دس راتوں کی''۔

اللہ تعالیٰ نے فجر کی قسم اٹھائی، یہاں پانچ قسمیں ہیں فجر کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے کہ یہاں فجر سے مراد ہر روز دن سے ظلمت کا چھٹ جانا ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، ابن زبیر اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد تمام دن ہے اس کو فجر سے تعبیر کیا کیونکہ یہ دن کا پہلا جز ہوتا ہے۔ ابن محیصن نے عطیہ سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں: اس سے مراد محرم کے دن کی فجر ہے۔ قتادہ نے بھی اس کی مثل کہا ہے کہ یہ محرم کے پہلے دن کی فجر ہے۔ اس سے سال شروع ہوتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ صبح کی نماز ہے۔ ابن جریج نے عطا سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ فجر سے مراد یوم نحر کی صبح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہر دن کے لیے اس سے پہلی رات بنائی ہے مگر یوم نحر۔ اس کے لیے صرف پہلی یا بعد والی رات نہیں بنائی کیونکہ یوم عرفہ کی دو راتیں ہیں۔ اس کے قبل والی رات اور اس کے بعد والی رات۔ جس نے یوم عرفہ کے بعد والی رات میں طلوع فجر تک مقام عرفات میں وقوف کو پالیا تو اس نے حج کو پالیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ عکرمہ نے کہا: فجر سے مراد مزدلفہ کے دن فجر کا پھوٹنا ہے۔ محمد بن کعب قرظی سے مروی ہے کہ فجر سے مراد دس دنوں کے آخری دن کی فجر ہے، جب تو مزدلفہ سے روانہ ہو۔ ضحاک نے کہا: ذی الحجہ کی فجر مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے دنوں کو اس کے ساتھ ملایا ہے ارشاد فرمایا: **وَلَیَالٍ عَشۡرٍ** یعنی ذی الحجہ کی دس راتیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: مسروق نے کہا: اس سے وہ دس راتیں مراد ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا: **وَاَتۡمَمۡنٰہَا بِعَشۡرٍ** (الاعراف: 142) اور ہم نے انہیں دس کے ساتھ مکمل کر دیا۔ یہ سال کے افضل ترین دن ہیں۔

ابو زبیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾**'' کہا: اس سے مراد دسویں ذی الحجہ کی فجر ہے'' اس قول کی بنیاد پر یہ دس راتیں ہیں کیونکہ یوم نحر کی رات بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے خاص کیا کہ اسے اس آدمی کے لیے وقوف کا وقت بنا دیا جس نے یوم عرفہ کو وقوف نہ پایا تھا اسے نکرہ

ذکر کیا ہے اسے معرف ذکر نہیں کیا کیونکہ اسے غیر پر فضیلت حاصل ہے اگر اسے معرفہ ذکر کیا جاتا تو یہ اس فضیلت کی حامل نہ ہوتی جو فضیلت نکرہ میں ہوتی ہے تو جن چیزوں کی قسم اٹھائی گئی ہے ان میں سے اسے نکرہ ذکر کیا کیونکہ اس میں وہ فضیلت ہے جو غیر میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ رمضان شریف کی آخری دس راتیں ہیں؛ یہ ضحاک نے کہا: حضرت ابن عباس، یمان اور طبری نے کہا: یہ محرم کا پہلا عشرہ ہے جس کا دسواں یوم عاشوراء ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ وہ اضافت کی صورت میں یہ پڑھتے وَ لَيَالِ عَشْرٍ اس سے ان کی مراد دس دنوں کی راتیں ہیں۔

وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝

''اور قسم ہے جفت اور طاق راتوں کی''۔

شفع سے مراد دو اور وتر سے مراد فرد ہے اس میں اختلاف کیا گیا ہے۔ حضرت عمران بن حصین سے مرفوع حدیث مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''شفع اور وتر سے مراد نماز ہے نمازوں میں سے کچھ جفت ہیں اور کچھ طاق ہیں''(1)۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''وَالْفَجْرِ ۝ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝ سے مراد صبح اور ذی الحجہ کے دس دن ہیں۔ وتر سے مراد یوم عرفہ اور شفع سے مراد یوم نحر ہے''۔ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا قول ہے؛ نحاس نے اسے پسند کیا ہے۔ کہا: ابو زبیر کی حضرت جابر رضی اللہ عنہما سے مروی جو حدیث ہے یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ یہ اسناد کے اعتبار سے عمران بن حصین کی حدیث سے سند کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے۔ یوم عرفہ وتر ہے کیونکہ وہ نواں ہے اور یوم نحر شفع ہے کیونکہ وہ دسواں ہے۔ حضرت ابو ایوب سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کے فرمان وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝ کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: ''شفع سے مراد یوم عرفہ اور یوم نحر ہے اور وتر سے مراد یوم نحر کی رات ہے'' مجاہد اور حضرت ابن عباس نے بھی یہی کہا: شفع سے مراد اس کی مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے وَّ خَلَقْنٰكُمْ اَزْوَاجًا ۝ (النبا) اور ہم نے تمہیں جوڑا جوڑا بنایا۔ وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ مجاہد سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کسی سے روایت کرتے ہیں؟ کہا: ہاں۔ حضرت ابو سعید خدری سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اس کی مثل محمد بن سیرین، مسروق، ابو صالح اور قتادہ سے مروی ہے کہا: شفع سے مراد مخلوق ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَیْنِ (الذاریات: 49) ہم نے ہر شئی کے جوڑے بنائے۔ کفر و ایمان، شقاوت و سعادت، ہدایت و گمراہی، نور و ظلمت، رات و دن، گرمی و سردی، سورج و چاند، موسم گرما، موسم سرما، آسمان و زمین، جن و انسان اور وتر سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ (اخلاص) کہہ دیجئے: وہ اللہ ایک ہے وہ بے نیاز ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''شفع سے مراد صبح کی نماز اور وتر سے مراد مغرب کی نماز ہے''۔ ربیع بن انس اور ابو العالیہ نے کہا: اس سے مراد مغرب کی نماز ہے شفع سے مراد دو رکعتیں اور وتر سے مراد تیسری رکعت ہے۔ حضرت ابن زبیر نے کہا: شفع سے مراد منیٰ کے دو دن ہیں

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب و من سورۃ الفجر، حدیث نمبر 3265، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

گیارہویں اور بارہویں اور تیرہویں کا دن وتر ہے۔ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ (البقرہ:203) جو دو دنوں میں جلدی واپس چلا جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو اس سے تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ ضحاک نے کہا: شفع سے مراد ذی الحجہ کے دس دن ہیں اور وتر سے مراد منیٰ کے تین دن ہیں؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے شفع اور وتر سے مراد آدم وحوا ہیں کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام تنہا تھے تو انہیں ان کی بیوی کی وجہ سے جفت بنا دیا گیا پس وہ طاق کے بعد جفت بن گئے؛ اسے ابن ابی نجیح نے روایت کیا ہے۔ قشیری نے اسے حضرت ابن عباس سے روایت کیا ہے: ایک روایت میں ہے شفع سے مراد حضرت آدم وحوا ہیں اور وتر سے مراد الله تعالیٰ کی ذات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع اور وتر سے مراد مخلوق ہیں کیونکہ مخلوق جفت بھی ہے اور طاق بھی ہے گویا الله تعالیٰ نے مخلوق کی قسم اٹھائی۔ الله تعالیٰ اپنے اسماء اور صفات کی قسم اٹھاتا ہے کیونکہ وہ انہیں جانتا ہے وہ اپنے افعال کی قسم اٹھاتا ہے کیونکہ وہ ان پر قادر ہے جس طرح الله تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَ الْاُنْثٰۤى ۝ (اللیل) اور جو دوسرے مذکر مونث پیدا کیے۔ وہ اپنے مفعولوں کی قسم اٹھاتا ہے اس کی صنعت میں عجائب ہیں، جس طرح فرمایا: وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰىهَا ۝ (الشمس:1) وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىهَا ۝ (الشمس) وَ السَّمَآءِ وَ الطَّارِقِ ۝ (الطارق) ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد جنت کے درجات ہیں جو آٹھ ہیں وتر سے مراد جہنم کے گڑھے ہیں کیونکہ وہ سات ہیں؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے گویا جنت اور آگ کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: شفع سے مراد صفا اور مروہ ہے اور وتر سے مراد کعبہ ہے۔ مقاتل بن حیان نے کہا: شفع سے مراد دن اور راتیں ہیں اور وتر سے مراد وہ دن ہے جس کے بعد کوئی رات نہ ہو۔ یہ یوم قیامت ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: وتر سے مراد الله تعالیٰ کی ذات ہے شفع سے مراد بھی وہی ہے کیونکہ الله تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا يَكُوْنُ مِنْ نَّجْوٰى ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ (المجادلہ:7) تین افراد میں سرگوشی نہیں ہوتی مگر وہ چوتھا ہوتا ہے۔ ابوبکر وراق نے کہا: شفع سے مراد مخلوقات کے اوصاف کا تضاد ہے عزت، ذلت، قدرت، عجز، قوت، ضعف، علم، جہالت، زندگی، موت، بینائی، اندھاپن، سماعت، بہراپن، گفتگو، گونگاپن اور وتر سے مراد الله تعالیٰ کی صفات ہیں وہاں عزت تو ہے ذلت نہیں، قدرت تو ہے عجز نہیں، قوت تو ہے ضعف نہیں، علم تو ہے جہالت نہیں، زندگی تو ہے موت نہیں، بینائی تو ہے اندھاپن نہیں، گفتگو تو ہے گونگاپن نہیں، سماعت تو ہے، بہرہ پن نہیں وغیرہ۔

حضرت حسن بصری نے کہا: شفع اور وتر سے مراد تمام اعداد ہیں کیونکہ کوئی بھی عدد ان سے خالی نہیں پس یہ حساب کی قسم اٹھانا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: شفع سے مراد مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کی مسجد ہے یہ دونوں حرم ہیں وتر سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد حج اور عمرہ کو ملاتا ہے یا حج کے ساتھ عمرہ سے لطف اندوز ہونا ہے یعنی حج قران اور حج تمتع۔ وتر سے مراد حج مفرد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: شفع سے مراد حیوان ہے کیونکہ وہ مذکر و مونث ہوتا ہے وتر سے مراد جماد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ شفع سے مراد ہے جو چیز بڑھتی ہے اور وتر سے مراد ہے جو چیز نہیں بڑھتی۔ اس کے لیے بھی کئی اقوال ہیں۔ حضرت ابن مسعود، آپ کے اصحاب، کسائی، حمزہ اور خلف نے وِتر پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے وَتر پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ صحاح میں ہے: وِتر سے مراد فرد ہے اور وَتر سے مراد کینہ اور عداوت

ہے، یہ اہل عالیہ کی لغت ہے جہاں تک اہل حجاز کی لغت کا تعلق ہے وہ ان سے متضاد ہے جہاں تک بنوتمیم کا تعلق ہے دونوں میں کسرہ دیتے ہیں۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝ هَلْ فِيْ ذٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِيْ حِجْرٍ ۝

''اور رات کی جب گزرنے لگے۔ یقیناً اس میں قسم ہے عقل مند کے لیے''۔

وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ یہ پانچویں قسم ہے پہلے دس خاص راتوں کی قسم اٹھائی اب عام رات کی قسم اٹھائی۔ یسر کا معنی ہے جس میں چلا جاتا ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: لیل نائم، نہار صائم۔ شاعر نے کہا:

لَقَدْ لُمْتِنَا یا اُمَّ غَیلان فی السُّرٰی ونِمْتِ وما لیلُ المطِیِّ بنائِمِ

اے ام غیلان! تو نے رات کے چلنے میں ہماری ملامت کی تو خود سوگئی اور سواری کی رات نہ سوئی۔

اس معنی میں ہے: بل مکر اللیل و النہار (السباء: 34) یہ اکثر علماء معانی کا نقطہ نظر ہے؛ یہی قتبی اور اخفش کا قول ہے۔ اکثر مفسرین کی رائے ہے کہ یسر کا معنی ہے وہ چلا اور گیا۔ قتادہ اور ابو العالیہ نے کہا: معنی ہے آیا اور متوجہ ہوا۔ ابراہیم سے مروی ہے: جب وہ قائم ہوگئی۔ عکرمہ، کلبی، مجاہد اور محمد بن کعب نے کہا: الَّيْلِ سے مراد خاص کر مزدلفہ کی رات ہے کیونکہ اس رات میں لوگ خصوصاً اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے لیے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لیلۃ القدر ہے کیونکہ رحمت اس میں سرایت کر جاتی ہے اور یہ ثواب کی زیادتی کے ساتھ خاص ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمام راتوں کا ارادہ کیا ہے۔ میں کہتا ہوں یہی بات زیادہ نمایاں ہے جس طرح پہلے گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن کثیر، ابن محیصن اور یعقوب نے یسری پڑھا ہے دونوں حالتوں میں یاء کو ثابت رکھا جس طرح اصل قاعدہ ہے کیونکہ یہ مجزوم نہیں اس میں یاء ثابت ہے۔ نافع اور ابو عمرو نے وصل کی صورت میں اسے ثابت رکھا ہے اور وقف کی صورت میں اسے حذف کیا ہے اور کسائی سے مروی ہے ابو عبید نے کہا: کسائی ایک دفعہ مصحف کی اتباع میں وصل کی صورت میں یاء کو ثبت کرنے کا کہا کرتے اور وقف میں حذف کا کہا کرتے پھر دونوں حالتوں میں یاء کو حذف کرنے کا قول کیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے؛ یہی اہل شام اور کوفہ کے قراء کی قراءت ہے اور ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے وہ خط کی اتباع کرتے ہیں کیونکہ وہ مصحف میں بغیر یاء کے ہے۔ خلیل نے کہا: اس سے یاء ساقط ہوگی کیونکہ یہ آیات کے سرے ہیں۔ فراء نے کہا: عرب کبھی یاء کو حذف کر دیتے ہیں اور ماقبل کے کسرہ پر اکتفا کرتے ہیں۔ شاعر نے کہا:

كَفَّاكَ كَفٌّ ما تُلِيقُ دِرْهَمًا جُودا وأخرٰی تعطِ بالسَّیف الدِّما

تیرے لیے وہ ہاتھ کافی ہے جو سخاوت کے طور پر درہم دیتا ہے اور دوسری دفعہ تلوار کے ذریعے قصاص دیتا ہے۔

اس شعر میں تعط محل استدلال ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان ما یلیق درھما من جودہ فلاں آدمی اپنی سخاوت میں درہم کو نہیں روکتا اور نہ اس کے ساتھ چمٹ جاتا ہے۔ مورج نے کہا: میں نے اخفش سے یسر میں یاء کے اسقاط کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے جواب دیا:

میں تجھے کوئی جواب نہ دوں گا یہاں تک کہ تو میرے دروازے پر ایک سال رات گزارے تو میں نے اس کے دروازے پر ایک سال گزارا تو انہوں نے کہا: اللیل لا یسری وانما یسری فیه۔ رات نہیں چلتی بلکہ اس میں چلا جاتا ہے، اسے اصل سے پھیرا گیا ہے جس کو تو اس کی جہت سے پھیرے گا تو اس کو اس کے اعراب سے گھٹا دے گا۔ کیا تو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی طرف نہیں دیکھتا: وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۝ (مریم) اسے بغیة نہیں کہا کیونکہ اسے باغیة سے پھیرا گیا ہے۔ زمخشری نے کہا: یسری کی یاء درمیان کلام میں حذف ہو جاتی کیونکہ حرف کسرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے جہاں تک وقف کا تعلق ہے تو اسے کسرہ کے ساتھ حذف کر دیا جاتا ہے۔ یہ تمام اسماء قسم کے ساتھ مجرور ہیں۔ جواب محذوف ہے وہ لَيُعَذِّبَنَّ ہے اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ۝ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۝ وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ۝ الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ۝ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ۝ فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ۝ (الفجر) ابن انباری نے کہا: جواب إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ہے۔ مقاتل نے کہا: یہاں هَلْ، إِنَّ کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی ان فی ذلك قسما لذی حجر، پس یہاں هَلْ جواب قسم کے محل میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس استفہام کے باب سے ہے جس کا معنی پختہ کرنا ہوتا ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: أَلَمْ أُنْعِمْ علیك یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو نے انعام کیا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد اس کی تاکید ہوتی ہے جس کے ساتھ قسم اٹھائی جائے یا جس پر قسم اٹھائی جائے معنی یہ ہوگا بلکہ دانشمند کے لیے اس میں کفایت ہے۔ اس صورت میں جواب إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ۝ ہے یا وہ مضمر محذوف ہے اور لِّذِي حِجْرٍ کا معنی ہے دانش و عقل والا۔

وكيفَ يرجى أَنْ تتوبَ وانّما يُرجى من الفتيانِ مَنْ كان ذا حِجْر

تجھ سے توبہ کی امید کیسے کی جا سکتی ہے نوجوانوں میں سے دانشمند سے ایسی امید کی جا سکتی ہے۔

عام مفسرین نے اسی طرح کہا ہے مگر ابو مالک نے کہا: لِّذِي حِجْرٍ کا معنی ہے لوگوں میں سے پردہ والے کے لیے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: حلم والے کے لیے، پردہ والے کے لیے۔ سب عقل کے معنی میں ہیں۔ حِجْرٍ کا اصل معنی روکنا ہوتا ہے جو اپنے نفس کا مالک ہو اور اسے روکے اسے کہتے ہیں: ذوحجر۔ اس معنی میں حِجْرٍ ہے کیونکہ وہ اپنی سختی کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے اس معنی میں حجر الحاکم علی فلان حاکم نے فلاں کو تصرف سے روک دیا اس وجہ سے حَجرۃ کو حُجرۃ کہتے ہیں کیونکہ اس کے اندر جو کچھ ہوتا ہے وہ اس کمرہ کی وجہ سے محفوظ ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: عرب کہتے ہیں انہ لذو حجر جب وہ نفس پر غالب اور ضابط ہو گویا اس نے یہ حجرتُ علی الرجلِ سے اخذ کیا ہے۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝

''کیا آپ نے ملاحظہ نہ کیا کہ آپ کے رب نے کیا کیا عاد، ارم کے ساتھ جو اونچے ستونوں والے تھے''۔

أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ۝ إِرَمَ، رَبُّكَ سے مراد تیرا مالک اور تیرا خالق ہے۔ عام قراءت عادٍ ہے۔ حضرت حسن بصری اور ابو العالیہ نے بعادِ ارمَ کی صورت میں پڑھا ہے۔ جس نے مضاف، مضاف الیہ نہیں بنایا اس نے إِرَمَ کو

اس کا نام بتایا ہے اور غیر منصرف قرار دیا ہے کیونکہ اس نے عاد کو ان کے رب کا نام اور ارم کو قبیلہ کا نام قرار دیا ہے اور ارم کو اس کا بدل یا عطف بیان بنایا ہے جس نے اسے اضافت کے ساتھ پڑھا ہے اس نے اسے ان کی ماں کا لفظ یا ان کے شہر کا نام قرار دیا ہے تقدیر کلام یہ ہوگی بعاد أهل ارم۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (یوسف:82) یہ منصرف نہیں ہوگا خواہ وہ قبیلہ کا نام ہو یا علاقہ ہو کیونکہ تعریف اور تانیث کا خاصہ موجود ہے۔ عام قراءت اِرَمَ ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ حضرت حسن بصری سے بعادِ اَرَمَ ہے کہ دونوں اسم مفتوح ہیں۔ اسے بعاد ارم پڑھا گیا ہے یعنی راء کو ساکن اور تخفیف کے ساتھ پڑھا گیا ہے جس طرح بود قکم پڑھا گیا ہے اسے بعادِ اِرَمِ ذات العماد اس صورت میں اِرَمَ کو ذات العماد کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے اِرَمَ علم ہے مراد ہوگا عاد کے ساتھ جو اس علم والے ہیں اسے بعاد ارم ذات العماد بھی پڑھا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ستونوں والے کو بوسیدہ بنا دیا ہے۔ مجاہد، ضحاک اور قتادہ نے أَرَم پڑھا ہے۔ مجاہد نے کہا: جس نے اسے ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے اس نے انہیں آرام کے ساتھ تشبیہ دی ہے جس کا معنی اعلام ہے اس کا واحد أرَم ہے کلام میں تقدیم و تاخیر ہے ای والفجر و کذا و کذا ان ربك لبالمرصاد الم تر۔ یعنی قسم ہے فجر کی اس کی بے شک تیرا رب تاڑ رہا ہے کیا تو نے اسے نہیں دیکھا کیا تیرا وہ علم جو اس بارے میں ہے کہ تیرے رب نے عاد کے ساتھ کیا کیا ہے تجھے نہیں روکتا یہ دیکھنا دل کا دیکھنا ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مراد عام ہے۔ عاد اور ثمود کا امر مشہور تھا کیونکہ یہ عرب علاقوں میں تھے اور جو ثمود آج بھی موجود ہیں۔ فرعون کے معاملہ کو وہ اپنے پڑوسی اہل کتاب سے سنا کرتے تھے اس کے بارے میں اخبار مشہور ہیں اور فرعون کا ملک عرب علاقہ کے ساتھ متصل ہے۔ سورۂ بروج میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ عاد سے مراد قوم عاد ہے۔ شہر بن حوشب نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ قوم عاد کا ایک آدمی پتھر سے دروازے کا ایک پٹ بناتا۔ اگر اس امت کے پانچ سو آدمی جمع ہو جائیں تو اس کو نہ اٹھا سکیں۔ اگر ان میں سے کوئی ایک زمین میں اپنا قدم داخل کرنا چاہتا تو اس میں داخل کر دیتا۔ اِرَمَ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد سام بن نوح ہے؛ یہ حضرت ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ ابن اسحاق سے یہ بھی مروی ہے کہ عاد، ارم کا بیٹا تھا۔ اس تعبیر کی صورت میں ارم، عاد کا باپ ہوگا نسب یوں ہوگا عاد بن ارم بن عوص بن سام بن نوح۔ پہلے قول کی صورت میں یہ عاد کا دادا ہے۔ حضرت ابن اسحاق نے کہا: سام بن نوح کی اولاد میں سے عمالقہ، فراعنہ، جبابرہ اور سرکش اور نافرمان بادشاہ ہوئے۔ مجاہد نے کہا: اِرَمَ امتوں میں سے ایک امت ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اِرَمَ کا معنی قدیمی ہے؛ یہ ابن ابی نجیح نے روایت کیا ہے۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی قوی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ عاد کا قبیلہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دو عاد قومیں گزری ہیں پہلی عاد ارم تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَا الْاُوْلٰى ۝ (النجم) اس نے پہلی عاد کو ہلاک کیا۔ بعد والی کو عاد کا نام دیا گیا ہے جس کا نسب یہ تھا عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح جس طرح بنی ہاشم کو ہاشم کہتے ہیں پھر ان میں سے پہلوں کو عاد اولی اور ارم کہتے ہیں ان کو یہ نام ان کے جد اعلیٰ کی وجہ سے دیا گیا اور بعد والوں کو عاد اخیرہ کا نام دیا گیا۔ ابن رقیات نے کہا:

مَجْدًا　تلیدا　بناہٗ　أوّلُھُمْ　أدرك　عادا　وقبلَه　إرَمَا

پرانی بزرگی جسے ان کے بزرگوں نے بنایا تھا انہوں نے عاد اور ان سے قبل ارم کو پالیا۔

معمر نے کہا: ارم پر عاد اور ثمود (1) جمع ہوتے جس طرح یہ کہا جاتا: عاد ارم، ثمود ارم۔ قبائل ارم کی طرف منسوب ہوتے۔

ذَاتِ الْعِمَادِ ۙ الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝ علاء کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: ان میں سے ایک آدمی کا قد پانچ سو ہاتھ ہوتا اور ان میں سے چھوٹے قد والا تین سو ہاتھ لمبا ہوتا اس کا یہ ہاتھ اپنے ہاتھ کے برابر ہوتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ان میں سے لمبا آدمی ستر ہاتھ کا ہوتا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول باطل ہے کیونکہ صحیح میں ہے: ''اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا ان کی لمبائی ہوا میں (قد) ساٹھ ہاتھ تھی لگاتار مخلوق میں کمی آ رہی ہے''۔ قتادہ نے گمان کیا: ان کے آدمی کا قد بارہ ہاتھ ہوتا۔ ابوعبیدہ نے کہا: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے لمبے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل مُعَمَّد جب وہ لمبا ہو۔ حضرت ابن عباس اور مجاہد سے اس کی مثل مروی ہے۔ قتادہ سے یہ بھی مروی ہے: وہ قوم کے سردار تھے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان عَمِیْدُ القوم و عَمُودهم یعنی وہ ان کا سردار ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے کہ انہیں یہ نام اس لیے دیا گیا وہ گھاس کے حصول کے لیے اپنے گھر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے رہتے تھے وہ خیموں اور ستونوں والے تھے وہ بارش اور گھاس کی طلب میں رہتے پھر اپنے گھروں کو پلٹ آتے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد بلند عمارتوں والے ہیں جو ستونوں پر بنائی جاتیں وہ ستون بناتے اور ان پر محلات بناتے۔ ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے عمارتوں کو ستونوں کے ذریعے پختہ کرنا۔ صحاح میں ہے: عماد سے مراد بلند عمارت ہے، اسے مذکر اور مونث تسلیم کیا جاتا ہے۔

عمرو بن کلثوم نے کہا:

ونحن إذا عمادُ الحيّ خَرَّتْ　　على الأحْفاضِ نَمْنَعُ مَنْ يَلِينَا

اور ہم جب قبیلہ کی بلند عمارات سامان پر آ گریں تو ہم ان لوگوں کی حفاظت کرتے ہیں جو ہمارے پڑوس میں ہوتے ہیں۔

عماد کا واحد عمادۃ ہے فلان طویلُ العماد جب اس کا مکان ملاقاتی کے لیے جانا پہچانا ہو۔ احفاض یہ حفض کی جمع ہے اس سے مراد گھر کا سامان ہے جب اسے لادنے کے لیے تیار کیا جائے یعنی وہ سامان پر گر پڑیں۔ اس شعر کو عن الأحفاض بھی روایت کیا گیا ہے یعنی وہ سامان ان اونٹوں سے گر پڑا جن پر گھر کا سامان لادا گیا تھا۔ ضحاک نے کہا: ذَاتِ الْعِمَادِ سے مراد ہے قوت والا۔ یہ قوۃ الأعمدۃ سے ماخوذ ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ قَالُوْا مَنْ اَشَدُّ مِنَّا قُوَّةً (فصلت: 15) انہوں نے کہا: ہم میں سے کون قوی ہے؟ عوف نے خالد ربعی سے روایت نقل کی ہے کہ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ سے مراد ہے دمشق؛ یہ عکرمہ اور سعید مقبری کا قول ہے اسے ابن وہب اور اشہب نے امام مالک سے روایت کیا ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: اس سے مراد اسکندریہ ہے۔

الَّتِیْ لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ ۝

1۔ متن کی کتابت تو عاد ثمود ہے لیکن سیاق کلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ثمود ارم ہو۔ مترجم

''نہیں پیدا کیا گیا جن کا مثل (دنیا کے) ملکوں میں''۔

مِثۡلُهَا کی ضمیر قبیلہ کی طرف لوٹتی ہے یعنی اس قبیلہ جیسا شہروں میں کوئی پیدا نہیں کیا گیا یعنی قوت، مضبوطی، بڑے جسم اور لمبے قد میں؛ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء سے یہی مروی ہے۔ حضرت عبداللہ کی قراءت میں التی لم یخلق مثلھم فی البلاد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ضمیر مدینہ کی طرف لوٹتی ہے۔ پہلا زیادہ نمایاں اور اسی پر اکثر علماء کا اتفاق ہے جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ جس نے اِرَمَ کو شہر تسلیم کیا ہے اس نے حذف کو مقدر کیا ہے پھر معنی یہ ہوگا تیرے رب نے عاد ارم کے شہر کے ساتھ کیا کیا؟ اس تعبیر کی صورت میں ارم مونث معرفہ ہوگا۔ ابن عربی نے یہ رائے اپنائی ہے کہ اس سے مراد دمشق ہے کیونکہ شہروں میں اس جیسا شہر کوئی نہیں پھر اس کی تعریف کی کہ اس میں بہت زیادہ پانی اور اس کی اچھائیاں ہیں۔

پھر کہا: اسکندریہ میں بڑے عجائب ہیں اگر منارہ کے سوا کوئی چیز نہ ہوتی کیونکہ یہ ظاہر اور باطن میں ستونوں پر بنا ہوا ہے لیکن اس کی کئی امثلہ موجود ہیں جہاں تک دمشق کا تعلق ہے اس کی کوئی مثال نہیں۔ معن نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ اسکندریہ میں ایک مکتوب پایا گیا یہ پتہ نہ چلتا تھا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے؟ بعد میں معلوم ہوا کہ اس میں یہ تحریر ہے: میں شداد بن عاد ہوں جس نے عمارتوں کو بلند کیا میں نے انہیں اس وقت بنایا ہے جب بڑھاپا اور موت نہیں۔ امام مالک نے کہا: ان پر سو سال گزر جاتا تو وہ اس میں کوئی جنازہ نہ دیکھتے۔ ثور بن زید سے یہ مذکور ہے کہ اس نے کہا: میں شداد بن عاد ہوں، میں نے عمارات کو بلند کیا، میں وہ ہوں جس نے اپنے بازوں سے وادی کے بطن کو بند کر دیا تھا، وہ میں ہوں جس نے سات ہاتھوں پر خزانہ دبا دیا ہے اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی امت نہ نکالے گی۔ ایک روایت یہ بیان کی جاتی ہے کہ عاد کے دو بیٹے تھے شداد اور شدید۔ دونوں بادشاہ ہوئے اور بڑے جابر بادشاہ ہوئے پھر شدید مر گیا اور شداد کے لیے حکومت خالص ہوگئی وہ پوری دنیا کا بادشاہ ہوا تمام چھوٹے بادشاہ اس کے باجگزار ہوئے اس نے جنت کا ذکر سنا اس نے کہا: اس کی مثل میرے لیے بناؤ۔ عدن کے ایک صحراء میں ارم تین سو سالوں میں بنایا گیا اس کی عمر نو سو سال تھی یہ بڑا شہر تھا اس کے محلات سونے اور چاندی کے تھے اس کے ستون زبرجد و یاقوت کے تھے اس میں مختلف قسم کے درخت اور جاری نہریں تھیں۔ جب وہ باغ مکمل ہوگیا تو وہ عمائدین مملکت کے ساتھ اس کی طرف چلا۔ جب وہ ایک دن اور رات کی مسافت پر تھا تو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایک چیخ ان پر بھیجی تو وہ ہلاک ہو گئے (1)۔

عبداللہ بن قلابہ سے مروی ہے کہ وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے تو اس باغ تک جا پہنچے وہاں سے جو چیز اٹھانا ممکن تھی وہ اٹھائی اس کی خبر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تک جا پہنچی۔ حضرت امیر معاویہ نے انہیں طلب کیا اور عبداللہ نے تمام واقعہ بیان کیا حضرت امیر معاویہ نے کعب الاحبار کی طرف پیغام بھیجا اور اس سے اس بارے میں پوچھا انہوں نے جواب دیا: یہ ارم ذات العماد ہے مسلمانوں میں سے ایک آدمی آپ کے دور میں اس میں داخل ہوگا، جس کا رنگ سرخ، قد چھوٹا ہوگا اس کے آبرو پر تل ہوگا اور اس کی پشت پر ایک تل ہوگا وہ اپنے اونٹوں کی تلاش میں نکلے گا پھر متوجہ ہوا تو ابن قلابہ کو دیکھا کہا: اللہ کی

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 250

قسم! یہ وہی آدمی ہے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عاد کی عمارات جو ستونوں کی وجہ سے معروف ہیں ان کی مثل نہیں بنائی گئیں کنایہ عماد کی وجہ سے ہے اس تعبیر کی صورت میں عماد، عَمَد کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ارم کا معنی ہلاکت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أَرِمَ بنو فلاں بنو فلاں ہلاک ہو گئے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: أَرَمَ ذَاتَ الْعِمَادِ انہیں ہلاک کر دیا اور ریزہ ریزہ کر دیا۔

وَثَمُوْدَ الَّذِیْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ۙ﴿۹﴾

''اور ثمود کے ساتھ (کیا کیا) جنہوں نے کاٹا تھا چٹانوں کو وادی میں''۔

ثمود، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جَابُوا کا معنی ہے انہوں نے کاٹا اسی معنی میں فلان یُجُوبُ البلاد ہے فلاں شہروں کو طے کرتا ہے۔ قمیص کی جیب کو یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ اسے بھی کاٹا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا جب کہ وہ حضرت عبداللہ بن زبیر کی خدمت میں حاضر ہوا حضرت عبداللہ بن زبیر نے اس کے حق میں ساٹھ وسق کا پروانہ لکھ دیا جو وہ کوفہ سے لے سکتا تھا تو اس نے کہا:

راحت رَوَاحا قَلُوصِی وھی حامدۃ آلَ الزُّبَیرِ ولم تَعْدِل بھم أَحَدًا

میری اونٹنی واپس پلٹی جب کہ وہ آل زبیر کی تعریف کر رہی تھی وہ کسی کو بھی ان کا ہم پلہ قرار نہیں دے رہی تھی۔

راحتْ بِستِینَ وَسْقًا فی حَقِیبتھا ما حَمَلَتْ حَمْلَھا الأَدْنَیٰ ولا السَّدَدَا

وہ لوٹی جب کہ اس کے تھیلے میں ساٹھ وسق ہیں نہ اس نے ادنیٰ بوجھ اٹھایا اور نہ درست بوجھ اٹھایا تھا۔

ما إِنْ رأیتُ قَلُوصًا قبلھا حملت سِتِینَ وَسْقًا ولا جابت بہ بلدا

میں نے اس سے قبل کوئی اونٹنی نہیں دیکھی جس نے ساٹھ وسق اٹھائے ہوں اور نہ ہی اس کے ساتھ شہروں کو قطع کیا ہو۔

یہاں جابت کا معنی قطع کرنا ہے۔ مفسرین نے کہا: سب سے پہلے جس نے پتھروں کو کاٹا، تصویریں بنائیں اور سنگ مرمر تراشا وہ قوم ثمود ہی تھی، انہوں نے شہروں میں سے ایک ہزار سات سو شہر بنائے سب پتھر کے بنے ہوئے تھے بڑے چھوٹے گھروں میں سے انہوں نے ستائیس لاکھ گھر بنائے سب پتھر کے تھے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَانُوْا یَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا اٰمِنِیْنَ ﴿۸۲﴾ (الحجر) یعنی اور وہ کھود کر بنایا کرتے تھے پہاڑوں کو اپنے گھر (اور) وہ بے خوف و خطر رہا کرتے تھے۔ وہ اپنی قوت کے باعث چٹانے نکالتے، پہاڑوں میں نقب لگاتے اور انہیں اپنے گھر بنا لیتے۔

وادی سے مراد وادی قری ہے؛ یہ محمد بن اسحاق کا نقطہ نظر ہے۔ ابو اشہب نے ابو نضرہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے موقع پر وادی ثمود میں تشریف لائے جب کہ آپ سرخ گھوڑے پر تشریف فرما تھے فرمایا: ''تم جلدی چلو کیونکہ تم ایک ملعون وادی میں ہو'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: پہاڑوں کے بیچ میں وادی تھی وہ ان پہاڑوں میں کمرے گھر اور حوض بناتے تھے۔ پہاڑوں یا ٹیلوں کے درمیان جو کھلی جگہ پانی کی گزرگاہ ہو اسے وادی کہتے ہیں۔

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 250 2۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 269

وَ فِرْعَوْنَ ذِی الْاَوْتَادِ ⑩

''اور (کیا کیا) فرعون کے ساتھ جو میخوں والا تھا''۔

ذِی الْاَوْتَادِ سے مراد چھوٹے بڑے لشکر اور جمعیتیں جو اس کے ملک کی تقویت کا باعث ہوتی تھیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ لوگوں کو میخوں کے ساتھ عذاب دیا کرتا تھا اور انہیں ان کے ساتھ باندھے رکھتا یہاں تک کہ وہ مر جاتے، یہ سب اس کی جانب سے سرکشی اور جبر کے طور پر ہوتا تھا اس نے اپنی بیوی حضرت آسیہ اور اپنی بیٹی کی کنگی کرنے والی کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا، جیسا سورۂ تحریم کے آخر میں گزرا ہے۔ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: اس کے پاس ایک چٹان تھی جس کو چرخیوں کے ذریعے اوپر اٹھایا جاتا پھر انسان پکڑا جاتا اس میں لوہے کے کیل گاڑے جاتے پھر اس پر وہ پتھر چھوڑ دیا جاتا جو اسے کچل کے رکھ دیتا۔ سورۂ ص میں اوتاد کا ذکر گزر چکا ہے جو کافی وشافی ہے۔ الحمد للہ۔

الَّذِیْنَ طَغَوْا فِی الْبِلَادِ ⑪ فَاَكْثَرُوْا فِیْهَا الْفَسَادَ ⑫ فَصَبَّ عَلَیْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ⑬

''جنہوں نے سرکشی کی تھی (اپنے اپنے) ملکوں میں، پھر ان میں بکثرت فساد برپا کر دیا کرتے تھے، پس آپ کے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا''۔

الَّذِیْنَ سے مراد قوم عاد، قوم ثمود اور قوم فرعون ہے انہوں نے سرکشی کی اور ظلم و عدوان میں حد سے تجاوز کیا اور وہ ظلم اور اذیت میں بہت آگے بڑھ گئے۔ الَّذِیْنَ طَغَوْا کے بارے میں بہترین توجیہ یہ ہے کہ یہ مذمت کے طور پر محل نصب میں ہو۔ یہ بھی جائز کہ یہ محل رفع میں ہو تقدیر کلام یہ ہوگی هم الذین طغوا یا مذکورہ قوموں یعنی عاد، ثمود اور فرعون کی صفت کے طور پر مجرور ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب انڈیل دیا اور پھینک دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: صبّ علی فلان خلقه۔ فلاں نے مجھ پر خلقت پھینک دی۔ نابغہ نے کہا:

فَصبَّ علیه الله أحْسَنَ صُنْعِه وكان له بین البریة ناصرا

اللہ تعالیٰ نے اس پر بہترین احسان کیا مخلوقات میں وہ اس کا مددگار تھا۔

سَوْطَ عَذَابٍ ⑬ سے مراد عذاب کا حصہ ہے۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: اس سے مراد سخت عذاب ہے، کیونکہ ان کے نزدیک سوط سے مراد وہ چیز ہے کہ جن چیزوں کے ساتھ عذاب دیا جاتا ہے ان میں سے آخری حد ہے؛ شاعر نے کہا:

ألم تَرَ أنَّ الله أظهرَ دِینه وصبَّ علی الكفارِ سَوْطَ عَذَابِ

کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو غالب کیا اور کفار پر عذاب نازل کیا۔

فراء نے کہا: یہ ایسا کلمہ ہے جسے عرب ہر قسم کے عذاب کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ اصل اس کا معنی ہے کہ سوط وہ عذاب ہے جس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جاتا ہے پس ہر کسی کے لیے عذاب جاری ہو گیا، کیونکہ اس میں ان کے لیے انتہاء درجے کا عذاب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے ایسا عذاب ہوگا جو گوشت اور خون کے ساتھ خلط ملط ہو جائے گا۔ یہ عربوں کے

اس قول سے ماخوذ ہے: سَاطَهٗ يَسُوطُهٗ سَوْطًا یعنی اس کے ساتھ خلط ملط ہو گیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ سائط ہے السوط سے مراد ایک چیز کا دوسری چیز کے ساتھ مل جانا۔ اس سے مسواط ہے وہ گھوڑا جو چابک کے بغیر نہ چلے۔ ساطه یعنی اسے ملا دیا اس سے اسم فاعل کا صیغہ سائط ہے اکثر طور پر یہ جملہ بولا جاتا ہے: سَوّط فلان أمورہ۔ فلاں نے اپنے امور کو خلط ملط کر دیا ہے۔

ابو زید نے کہا: یہ جملہ بولا جاتا ہے أموالهم سَوِيطَةٌ بَينهم ان کے اموال آپس میں ملے ہوئے ہیں۔ یعقوب نے اس سے یہ حکایت بیان کی ہے۔ زجاج نے کہا: ان کے سوط جس کے ساتھ ان کو مارا اسے عذاب بنا دیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ساط دابته يسوطها۔ اسے سوط کے ساتھ مارا۔ عمرو بن عبید سے مروی ہے: حضرت حسن بصری جب اس آیت تک پہنچتے تو فرماتے: اللہ تعالیٰ کے ہاں بے شمار کوڑے ہیں ان میں سے ایک کوڑے کے ساتھ انہیں پکڑ لیا۔ قتادہ نے کہا: ہر شئی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ عذاب دے وہ عذاب کا کوڑا ہے۔

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾

''بے شک آپ کا رب (سرکشوں اور مفسدوں کی) تاک میں ہے''۔

وہ انسان کے ہر عمل کی تاک میں ہوتا ہے یہاں تک کہ اسے اس عمل کے بدلے میں بدلہ دیتا ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور عکرمہ نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ بندوں کے راستہ پر ہے کوئی اسے مفقود نہیں پاتا۔ مرصد اور مرصاد کا معنی راستہ ہے۔ سورۂ براءۃ میں یہ گزر چکا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ جہنم کے اوپر سات پل ہیں پہلے پل کے پاس انسان سے ایمان کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے مکمل لے آیا تو وہ دوسرے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ انہیں بجالایا تھا تو وہ تیسرے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بجالایا تھا تو چوتھے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے رمضان شریف کے روزوں کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بجالایا تھا تو وہ پانچویں پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے حج اور عمرہ کے بارے میں سوال کیا جائے گا اگر وہ ان دونوں کو بجالایا تھا تو چھٹے پل کی طرف چلا جائے گا پھر اس سے صلہ رحمی کے بارے میں پوچھا جائے گا اگر وہ اسے بھی بجالایا تھا تو وہ ساتویں پل کی طرف چلا جائے گا۔ پھر اس سے مظالم کے بارے میں پوچھا جائے گا ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا: اگر کسی کا کوئی حق ہو تو آئے تو اس سے لوگوں کا قصاص لیا جائے گا اور لوگوں سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾ کا یہی معنی ہے۔ ثوری نے کہا: لَبِالْمِرْصَادِ سے مراد جہنم ہے جس پر تین پل ہیں ایک پل میں رحم ہے، ایک پل میں امانت ہے اور ایک پل میں اللہ تعالیٰ جلوہ افروز ہے۔ میں کہتا ہوں: اس کی حکمت، ارادہ اور امر ہے۔ واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ لَبِالْمِرْصَادِ سے مراد ہے: وہ سنتا ہے اور دیکھتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ اچھا قول ہے وہ ان کے اقوال اور سرگوشیاں سنتا ہے اور ان کے اعمال اور اسرار کو جانتا ہے وہ ہر کسی کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔ ایک عرب کے بارے میں مروی ہے: اسے کہا گیا تیرا رب کہاں ہے؟ اس نے کہا: تاڑ میں۔

عمرو بن عبید سے مروی ہے کہ اس نے یہ سورت منصور کے پاس پڑھی یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا تو کہا: اے ابو جعفر! تیرا رب تیری تاڑ میں ہے۔ زمخشری نے کہا: اس ندا میں روئے سخن اس کی طرف پھیرا کیونکہ یہ بھی ان میں سے ایک تھا جن جابروں کو اس کے ساتھ دھمکی دی گئی تھی۔ اللہ کے قبضہ میں ہی سب بھلائیاں ہیں۔

أیّ أسدٍ فراس کان بین یدیہ؟ اس کے سامنے کون چیرنے پھاڑنے والا شیر ہے۔

یَدُقّ الظّلمۃ بإنکارہ وہ اپنے انکار کے ساتھ ظالموں کو ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔

ویقمع أھل الأھواء والبدع بإحتجاجہ وہ اپنی دلیل کے ساتھ بدعتوں کو نیست و نابود کر دیتا ہے (1)۔

فَاَمَّا الْاِنْسَانُ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ رَبُّهٗ فَاَكْرَمَهٗ وَ نَعَّمَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَكْرَمَنِ ؕ﴿۱۵﴾ وَ اَمَّاۤ اِذَا مَا ابْتَلٰىهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۙ۬ فَيَقُوْلُ رَبِّيْۤ اَهَانَنِ ۚ﴿۱۶﴾

''مگر انسان (بھی عجیب شئی ہے) کہ جب آزماتا ہے اس کا رب یعنی اس کو عزت دیتا ہے اور اس پر انعام فرماتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے عزت بخشی۔ اور جب اسے (یوں) آزماتا ہے کہ اس پر روزی تنگ کر دیتا ہے تو کہنے لگتا ہے کہ میرے رب نے مجھے ذلیل کر دیا''۔

الْاِنْسَانُ سے مراد کافر ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: اس سے مراد عتبہ بن ربیعہ اور ابو حذیفہ بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد امیہ بن خلف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد ابی بن خلف ہے۔

جب اسے نعمت دی تو آزمائش میں ڈالا اور امتحان لیا۔ اِذَا مَا میں ما زائدہ ہے مال دے کر اسے عزت دی اور وسعتیں بخش کر اسے نعمتوں سے نوازا اور وہ اس کے ساتھ خوش ہوتا ہے مگر اس کی حمد نہیں کرتا اور جب اسے فقر کے ساتھ آزماتا ہے اور اس پر رزق تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے مجھے ذلت عطا کی ہے۔ یہ کافر کی صفت ہے جو قیامت پر ایمان نہیں رکھتا اس کے نزدیک کرامت اور ذلت دنیا دی مال کی کمی اور زیادتی کے ساتھ ہوتی ہے جہاں تک مومن کا تعلق ہے اس کے نزدیک کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی طاعت اور توفیق سے نوازتا ہے اور آخرت کے حصہ کی طرف لے جاتا ہے اگر اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں وسعت عطا فرمائے تو وہ اس کی حمد کرتا ہے اور شکر بجالاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: دونوں آیتیں ہر کافر کی صفتیں ہیں مسلمانوں میں سے کثیر لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو عطا کیا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کرامت اور فضیلت کی وجہ سے ہے بعض اوقات وہ اپنی جہالت کی وجہ سے یہ کہتا ہے: اگر میں اس کا مستحق نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ مجھے یہ عطا نہ کرتا۔ اس طرح اگر اللہ تعالیٰ اس پر مال کی کمی کر دیتا ہے تو وہ گمان کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی بے قدری کی وجہ سے ہے۔ عام قراءت فقدَر ہے یعنی دال پر شد نہیں۔ ابن عامر نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ پسندیدہ تخفیف ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ مَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ (الطلاق: 7) اور جس پر اس کا رزق تنگ کیا گیا۔ ابو عمرو نے کہا: قدر کا معنی کمی کرنا۔ اور قَدَّرَ کا معنی ہے اتنا دینا جو اسے کفایت کر

1۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 251

جائے۔ اگر اس کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا تو وہ یہ نہ کہتا: رَبِّیۡۤ اَهَانَنِ۔

أهل حرمین اور ابوعمرو نے رَبِّیۡ یاء کے فتحہ کے ساتھ دونوں جگہ پڑھا ہے باقی قراء نے اسے سکون کے ساتھ پڑھا ہے۔ بزی، ابن محیصن اور یعقوب نے اَکۡرَمَنِ، اور اَهَانَنِ کی یاء کو دونوں حالتوں میں ثابت رکھا ہے کیونکہ یہ اسم ہے اسے حذف نہیں کیا جاتا۔ مدنیوں نے وصل میں ثابت رکھا ہے اور وقف میں ثابت نہیں رکھا وہ مصحف کی اتباع کرتے ہیں۔ ابوعمرو فصل میں ثابت یا حذف میں اختیار دیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے اور وقف کی صورت میں حذف کو اپنایا ہے وجہ مصحف کے خط کا لحاظ ہے۔ باقی قراء نے اسے حذف کیا ہے کیونکہ دونوں جگہ یہ یاء کے بغیر آئے ہیں سنت یہی ہے کہ مصحف کے خط کی مخالفت نہ کی جائے کیونکہ یہ صحابہ کا اجماع ہے۔

كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وَ تَاْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾

''ایسا نہیں ہے بلکہ (اس کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے اور نہ تم ترغیب دیتے ہو مسکین کو کھانا کھلانے کی اور چٹ کر جاتے ہو میراث کا سارا مال اور دولت سے حد درجہ محبت کرتے ہو''۔

كَلَّا یہ روکرنے کے لیے ہے یعنی معاملہ ایسا نہیں جیسا گمان کیا جا رہا ہے اور مال و دولت کی کثرت اس کے فضل کی علامت نہیں اور نہ ہی فقر و تنگ دستی اس کی طرف سے ذلت و رسوائی ہے بے شک فقر و غنا تو میری تقدیر ہے۔ فراء نے کہا: یہاں كَلَّا اس معنی میں ہے کہ بندہ کے لیے نہیں چاہیے کہ وہ اس طرح ہو بلکہ غنا اور فقر دونوں صورتوں میں وہ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: کلا إنی لا أکرم من أکرمت بکثرة الدنیا ولا أهین من أهنت بقلتها إنما أکرم من أکرمت بطاعتی وأهین من أهنت بمعصیتی (1) ہرگز نہیں جسے میں عزت دیتا ہوں میں اسے مال کی کثرت کے ذریعے عزت نہیں دیتا اور جسے میں ذلیل کرتا ہوں میں اسے مال کی کمی کے ساتھ ذلت نہیں دیتا میں جسے عزت دیتا ہوں اپنی طاعت کے ساتھ عزت دیتا ہوں اور جسے ذلیل کرتا ہوں اپنی معصیت کے ساتھ ذلت دیتا ہوں۔

بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ﴿۱۷﴾ جو کچھ وہ کیا کرتے تھے ان امور کی خبر دی جارہی ہے کہ یتیم کو میراث نہیں دیتے تھے اسراف کرتے اس کا مال کھا جاتے اور جلدی جلدی مال کھا جاتے کہ وہ بڑا نہ ہو جائے۔ ابوعمرو اور یعقوب نے یکرمون، یخضون، یاکلون اور یحبون کو یاء کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ انسان کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس سے مراد جنس ہے اسے جمع کے لفظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے باقی قراء نے چاروں صیغوں کو تاء کے ساتھ پڑھا ہے کہ یہ خطاب کے صیغے ہیں گویا انہیں یہ بات زجر و توبیخ کے لیے کی۔ یتیم کے اکرام کو ترک کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے حق نہ دینا اور اس کا مال کھا جانا جس طرح ہم نے ذکر کیا ہے۔ مقاتل نے کہا: یہ قدامہ بن مظعون کے حق میں آیات نازل ہوئیں جو امیہ بن خلف کی گود میں یتیم تھا۔

وَ لَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ﴿۱۸﴾ وہ اپنے گھر والوں کو حکم نہیں دیتے کہ جو یتیم ان کے پاس آئے وہ اسے کھلا دیا

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 377

کریں۔ کوفیوں نے اسے ولا تخاضون پڑھا ہے یعنی تاء مفتوحہ، حاء اور الف کے ساتھ پڑھا ہے یعنی وہ ایک دوسرے کو برانگیختہ نہیں کرتے۔ اصل میں یہ تتحاضون تھا ایک تاء کو حذف کر دیا گیا کیونکہ کلام اس پر دلالت کرتی ہے؛ یہ ابو عبید کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ ابراہیم اور شیزری نے کسائی اور سلمی سے روایت نقل کی ہے کہ تخاضون تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ یہ حض سے تفاعلون کے وزن پر ہے اس کا معنی برانگیختہ کرنا ہے۔

وَ تَأْكُلُوْنَ التُّرَاثَ اَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾ تراث سے مراد یتیموں کی میراث ہے اس کی اصل وارث ہے یہ وراثت سے مشتق ہے جس طرح تجاہ، تخمہ، تکأہ اور تؤدہ ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ لَمًّا کا معنی ہے شدیدا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَمًّا کا معنی ہے سب کا سب۔ یہ عربوں کے اس قول سے لیا گیا ہے: لَمَمْتُ الطعام لمّا جب تو سب کا سب کھا جائے؛ یہ حضرت حسن بصری اور ابو عبیدہ کا نقطہ نظر ہے۔ کلام عرب میں لم کا معنی جمع کرنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: لممت الشئ ألمه لما جب تو اسے جمع کرے اس معنی میں کہا جاتا ہے: لم الله شعثه اس کے جو امور متفرق تھے ان کو جمع کر لیا۔ نابغہ نے کہا:

وَلَسْتَ بِمُسْتَبْقٍ أَخًا لَا تَلُمُّهُ   عَلَى شَعَثٍ أَيُّ الرِّجَالِ الْمُهَذَّبِ

تو ایسے بھائی کو باقی رکھنے والا نہیں جسے تو پراگندگی کی حالت میں اپنے ساتھ جمع نہیں کرتا بتاؤ تو سہی کون سا آدمی مہذب ہے۔

مرناق طائی، علقمہ بن سیف کی مدح کرتے ہوئے کہتا ہے:

لَأَحَبَّنِي حُبَّ الصَّبِيِّ وَلَمَّنِي   لَمَّ الْهَدِيِّ إِلَى الْكَرِيمِ الْمَاجِدِ

اس نے مجھ سے بچے کی محبت جیسی محبت کی اور مجھے یوں اپنے ساتھ جمع کیا جیسے شب زفاف کو دلہن کریم آدمی کے ساتھ جمع ہوتی ہے۔

لیث نے کہا: لم کا معنی سختی سے جمع کرنا ہے، اس سے حجر ملموم ہے اور كتيبة ملمومة ہے کھانے والا ثرید کو جمع کرتا ہے، اسے لقمہ بناتا ہے پھر کھاتا ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے وہ پھانکتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: وہ اپنا اور دوسروں کا حصہ کھا جاتا ہے۔ حطیہ نے کہا:

اذا كَانَ لَمًّا يُتْبِعِ الذَمَّ رَبَّه

جب اپنا اور غیر کا حصہ جمع کرنے والا ہوگا تو یہ عمل ایسا کرنے والے کو مذمت تو لازم کرے گا۔

یعنی وہ اپنے اور دوسروں کے حصہ کو کھانے میں جمع کرتے ہیں۔ ابن زید نے کہا: یعنی جب وہ اپنا مال کھاتا ہے تو غیر کے مال کو بھی اپنے ساتھ ملا لیتا ہے اور اسے کھا جاتا ہے، وہ سوچ و بچار بھی نہیں کرتا وہ خبیث اور پاکیزہ سب کھا جاتا ہے۔ کہا: مشرک عورتوں اور بچوں کو ورثہ نہ دیا کرتے تھے بلکہ اپنی میراث ان کی میراث کے ساتھ ملا کر کھا جایا کرتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میت نے ظلم سے جو مال جمع کیا ہوتا تھا وہ اسے کھا جاتے جب کہ انہیں سب کچھ علم ہوتا وہ کھانے میں حلال وحرام کو جمع کر لیتے تھے۔ یہ بھی جائز ہے کہ وارث کی مذمت کی جارہی ہو جو آسان طریقہ سے مال لے لیتا ہے جبکہ اس میں اس کا

پسینہ بھی نہیں بہتا وہ اس کے خرچ کرنے میں اسراف سے کام لیتا ہے اور کھلا، کھا جاتا ہے جبکہ وہ ہر خواہش کو جمع کرنے والا ہوتا ہے وہ چیز کھانے سے تعلق رکھتی ہو، مشروبات ہوں یا پھل۔ جس طرح باطل وارث کرتے ہیں۔

وَّ تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا جَمًّا سے مراد ہے کثیر۔ یعنی حلال وحرام۔ جم کا معنی کثیر ہے جس طرح یہ جملہ بولتے ہیں: جَمَّ الشئ یَجِمُّ جمُومًا فھو جَمٌّ، جَامٌّ۔ اس معنی میں جَمَّ الماء فی الحوض ہے۔ جب پانی جمع ہو جائے اور کثیر ہو جائے؛ شاعر نے کہا:

إِنْ تَغْفِرِ اللَّهُمَّ تَغْفِرْ جَمَّا وأَيُّ عبدٍ لَكَ لا أَلَمَّا

اے الله! اگر بخشتا ہے تو سب کو بخش دے اور تیرا کون سا بندہ ہے جس نے غلطی نہیں کی۔

جمہ ایسی جگہ کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ جموم ایسے کنویں کو کہتے ہیں جہاں بہت زیادہ پانی جمع ہو۔ جموم مصدر ہے یوں باب ذکر کیا جاتا ہے جَمَّ الماء یَجِمّ جُمُومًا جب وہ کنویں میں بہت زیادہ ہو جاتے جبکہ اس میں جو کچھ پانی تھا نکال لیا گیا تھا۔

كَلَّاۤ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾

''یقیناً جب زمین کو کوٹ کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے گا''۔

یہ مناسب نہیں کہ معاملہ اس طرح ہو۔ یہ ان لوگوں کا رد کیا جا رہا ہے جو وہ دنیا پر منہ کے بل گرے ہوتے ہیں اور اس پر جمع ہیں، کیونکہ جس نے اس طرح کیا جس دن زمین ریزہ ریزہ ہوگی وہ اس روز شرمندہ ہوں گے جب کہ شرمندگی کچھ نفع نہ دے گی۔ دک بمعنی توڑنا اور باریک کرنا ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے یعنی زمین پر زلزلہ برپا ہوگا تو وہ ایک دوسرے کو ریزہ ریزہ کر دے گی۔

مبرد نے کہا: معنی ہے وہ پست ہو جائے گی اور اس کی بلندی ختم ہو جائے گی جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: ناقۃ دکاء جس کی کوہان نہ ہو اس کی جمع دُک آتی ہے اس بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف اور سورۃ الحاقہ میں گزر چکی ہے۔ لوگ کہتے ہیں: دُكَّ الشئ یعنی اس کو گرا دیا گیا، جس طرح کسی نے کہا:

هل غیر غارٍ دَكَّ غارا فانعدم کیا کثیر جماعت کے علاوہ کثیر جماعت کو کسی نے گرایا ہو تو وہ گر گئی ہو۔

دَكًّا دَكًّا یعنی یکے بعد دیگرے، اس میں زلزلہ برپا ہوا، اس کے بعض نے بعض کو توڑ دیا ہو پس زمین پر جو کچھ بھی ہوگا وہ ٹوٹ جائے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پہاڑوں کو گرایا جائے گا یہاں تک کہ وہ برابر ہو جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے بچھنے میں برابر ہو جائیں گے۔ دک کا معنی ہے زمین میں سے بلند جگہ کو پھسلانے کے ساتھ پست کرنا۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے قول کا بھی یہی معنی ہے کہ زمین کو چمڑے کی طرح پھیلا دیا جائے گا۔

وَّ جَآءَ رَبُّكَ وَ الْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾ وَ جِایْٓءَ یَوْمَىِٕذٍۭ بِجَهَنَّمَ ۙ۬ یَوْمَىِٕذٍ یَّتَذَكَّرُ الْاِنْسَانُ وَ اَنّٰى لَهُ الذِّكْرٰى ﴿۲۳﴾

''اور جب آپ کا رب جلوہ فرما ہوگا اور فرشتے قطار در قطار حاضر ہوں گے۔ اور (سامنے) لائی جائے گی اس دن جہنم، اس دن انسان کو سمجھ آجائے گی لیکن اسے سمجھنے کا کیا فائدہ''۔

یہاں رَبُّكَ سے مراد تیرے رب کا امر اور اس کا فیصلہ ہے؛ یہی حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ یہ کلام اس اسلوب سے تعلق رکھتی ہے جس میں مضاف حذف ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ان کے پاس ان کا رب عظیم آیات لایا وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ (البقرہ: 210) کہ آئے ان کے پاس اللہ کا عذاب چھائے ہوئے بادلوں (کی صورت) میں۔ اس آیت میں فِيْ ظُلَلٍ، بظلل کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات کے آنے کو اس کا آنا بنا دیا گیا ہے مقصود ان آیات کی عظمت شان بیان کرنا ہے۔ اس معنی میں حدیث میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یا ابن آدم مرضتُ فلم تَعُدْنِی واستسقَیْتُکَ فلم تسقنی واستطعمتك فلم تطعمنی (1) اے انسان! میں بیمار ہوا تو نے میری عیادت نہ کی، میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہ پلایا اور میں نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے مجھے نہ کھلایا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وَّجَآءَ رَبُّكَ کا مفہوم یہ ہے آج تمام شبہات زائل ہو گئے تمام معارف ضرور یہ ہو گئے جس طرح جس چیز میں شک کیا جا رہا ہو وہ آ جائے تو اس کے بارے میں جتنے شکوک و شبہات ہوتے ہیں وہ زائل ہو جاتے ہیں۔ اشارہ کی زبان میں گفتگو کرنے والے کہتے ہیں: اس کی قدرت ظاہر ہوئی اور ہر چیز پر چھا گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ذات ہے جس کی ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونے کی صفت بیان نہیں کی جاتی۔ اس ذات کے لیے یہ انتقال کیسے تصور کیا جا سکتا ہے نہ اس کے لیے کوئی مکان ہے اور نہ ہی اس کے لیے وقت ہے، نہ اس پر کوئی وقت جاری ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس پر کوئی زمان جاری ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی شئی پر وقت کا جاری ہونا اس سے اوقات کا فوت ہونا ہے اور جس سے کوئی شئی فوت ہو جائے وہ عاجز ہوتا ہے۔

اور فرشتے صف در صف ہوں گے۔ اس روز جہنم لائی جائے گی۔ حضرت ابن مسعود اور مقاتل نے کہا: جہنم کو ستر ہزار لگاموں کے ساتھ کھینچا جا رہا ہوگا ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے اس میں جوش اور چنگھاڑ ہوگی یہاں تک کہ اسے عرش کی بائیں جانب کھڑا کر دیا جائے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس روز جہنم کو لایا جائے گا جس کی ستر ہزار لگامیں ہوں گی ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے وہ اس جہنم کو کھینچ رہے ہوں گے''۔ حضرت ابو سعید خدری نے کہا: جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ بدل گیا اور آپ کے چہرہ سے یہ عیاں ہونے لگا یہاں تک کہ صحابہ کرام پر یہ بڑا شاق گزرنے لگا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''جبریل امین نے مجھے یہ آیات پڑھ کر سنائیں''۔ حضرت علی شیر خدا علیہ السلام نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیف یجاء بها؟ یا رسول اللہ! اس جہنم کو کیسے لایا جائے گا؟ فرمایا: اسے لایا جائے گا جب کہ ستر ہزار لگاموں کے ساتھ اسے کھینچا جا رہا ہوگا ہر لگام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے ہوں گے وہ ایک دفعہ بد کے گی تو اسے چھوڑ دیا جائے گا تو وہ تمام مخلوقات کو جلا دے پھر جہنم میرے سامنے آئے گی تو وہ کہے گی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے آپ سے کیا سروکار اللہ تعالیٰ نے تیرا گوشت مجھ پر حرام کر دیا ہے؟ کوئی نفس نہیں بچے گا مگر وہ کہہ

1۔ صحیح مسلم، کتاب البر، باب فضل عیادۃ المریض

رہا ہوگا: نفسی نفسی مگر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمار ہے ہوں گے: رَبِّ اُمتی رَبِّ اُمتی (1)۔

اس روز انسان نصیحت حاصل کرے گا اور وہ توبہ کرے گا۔ یہاں انسان سے مراد کافر ہے یا جس کے اکثر مقاصد دنیا سے متعلق تھے۔ اب اس کے لیے کہاں سے نصیحت اور توبہ ہے جب کہ اس نے دنیا میں کوتاہی سے کام لیا تھا۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس کے لیے کہاں سے نصیحت یا نفع ہے۔ یہاں مضاف کا مقدر ہونا ضروری ہے ورنہ یَوْمَئِذٍ یَّتَذَکَّرُ اور وَ اَنّٰى لَهُ الذِّکْرٰی میں منافات ہوگی؛ یہ زمخشری کا نقطہ نظر ہے۔

یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ ۝۲۴

''(اس دن) کہے گا: کاش! میں نے کچھ آگے بھیجا ہوتا اپنی (اس) زندگی کے لیے''۔

لِحَیَاتِیْ میں لام، فی کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: میں نے اپنی زندگی کے لیے اچھا عمل بھیجا ہوتا یعنی ایسی زندگی کے لیے جس میں موت نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اہل نار کی زندگی کوئی مبارک نہ ہوگی گویا ان کے لیے کوئی زندگی نہیں معنی اس کا یہ ہے ہائے کاش! میں نے اس آگ سے بچاؤ کے لیے کوئی بھلائی بھیجی ہوتی تو میں بھی ان لوگوں میں سے ہوتا جن کے لیے مبارک زندگی ہوتی۔

فَیَوْمَئِذٍ لَّا یُعَذِّبُ عَذَابَهٗۤ اَحَدٌ ۝۲۵ وَّ لَا یُوْثِقُ وَثَاقَهٗۤ اَحَدٌ ۝۲۶

''پس اس دن اللہ کے عذاب کی طرح نہ کوئی عذاب دے سکے گا اور نہ اس کے باندھنے کی طرح کوئی باندھ سکے گا''۔

اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کوئی عذاب نہ دے گا اور نہ اس کے باندھنے جیسا کوئی باندھے گا۔ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری کا قول ہے، کسائی نے دونوں افعال لَّا یُعَذِّبُ اور لَا یُوْثِقُ کو مجہول کا صیغہ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس روز کافر کو جیسا عذاب دے گا اس طرح کسی کو عذاب نہیں دیا جا رہا ہوگا اور جیسا کافر کو جکڑا گیا ہوگا ایسا کسی کو نہ جکڑا گیا ہوگا۔ اس سے مراد ابلیس ہے کیونکہ اس امر پر دلیل قائم ہے کہ اس کے جرموں کی وجہ سے لوگوں میں سے سب سے زیادہ عذاب اسے دیا جا رہا ہوگا پھر کلام کو مطلق رکھا گیا کیونکہ ساتھ والی آیات مطلق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مصداق امیہ بن خلف ہے؛ یہ قول فراء نے کیا ہے جیسا عذاب اس کافر کو دیا جا رہا ہے ایسا عذاب کسی کو بھی نہیں دیا جائے گا اور جیسا اسے زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا جائے گا ایسا کسی کو نہیں جکڑا جائے گا کیونکہ وہ کفر اور عناد میں انتہا کو پہنچا ہوا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی جگہ کسی کو عذاب نہ دیا جائے گا اور نہ ہی کسی سے فدیہ لیا جائے گا عذاب، تعذیب کے معنی میں ہے اور وثاق، ایثاق کے معنی میں ہے۔ اس معنی میں شاعر کا قول ہے

وبَعْدَ عَطَائِكَ المِائَةَ الرِّتَاعا

یہاں الرتاع، ارتاع کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسا آدمی جو کافر نہیں اسے کافر جیسا عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ابو عبید اور ابو

1۔ الوسیط، الواحدی، جلد 4، صفحہ 458-459

حاتم نے ذال اور تاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے ضمیر کافر کے لیے ہوگی کیونکہ یہی معروف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب جیسا کسی کو عذاب نہیں دیا جائے گا۔ ابوقلابہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاء اور ذال کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ ابوعمرو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی طرف رجوع کر لیا تھا۔ ابوعلی نے کہا: یہ جائز ہے کہ ضمیر کافر کے لیے ہو کیونکہ ایک جماعت کی قراءت یہی ہے، یعنی کوئی کسی کو ایسا عذاب نہیں دے گا جس طرح اس کافر کو عذاب دیا جا رہا ہے پس عَذَابَہٗ اور وَ ثَاقَہٗ کی ضمیر کافر کے لیے ہوگی احد سے مراد فرشتے ہوں گے جو جہنمیوں کو عذاب دینے کے ذمہ دار ہیں۔

یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ ﴿۲۹﴾ وَ ادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ﴿۳۰﴾

”اے نفس مطمئن! واپس چلو اپنے رب کی طرف اس حال میں کہ تو اس سے راضی (اور) وہ تجھ سے راضی۔ پس شامل ہو جاؤ میرے (خاص) بندوں میں اور داخل ہو جاؤ جنت میں“۔

جب اس آدمی کی حالت کا ذکر کیا جس کا مقصود دنیا تھی اس نے اللہ تعالیٰ پر غنی کرنے اور تنگی دینے پر تہمت لگائی تھی اب اس آدمی کی حالت کا ذکر کیا جس کا نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن تھا اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور اس پر بھروسہ کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے اولیاء کے لیے ایک قول ہے۔ نفس مطمئنہ سے مراد سکون پانے والا اور یقین رکھنے والا نفس ہے جس نے یقین کیا کہ اللہ تعالیٰ اس کا رب ہے اور اس کے سامنے تواضع کا اظہار کیا؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ نفس ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب پر مطمئن ہے۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے: اس سے مراد نفس مؤمنہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا اس سے مراد ایمان اور یقین رکھنے والا نفس ہے۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی نفس ہے جو یہ جانتا ہے کہ جو چیز اس کے ہاتھ سے نکل چکی ہے وہ اس کو کبھی بھی نہیں پائے گا اور جس کو اس نے پایا ہے وہ اس کو چھوڑنے والا نہیں تھا۔ مقاتل نے کہا: اس سے مراد اللہ تعالیٰ کے عذاب سے امن پانے والا۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قراءت میں ہے یا أیھا النفس الآمنة المطمئنة۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد وہ نفس ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں جو وعدہ کیا اس پر یقین رکھتے ہوئے عمل کیا۔ ابن کیسان نے کہا: یہاں مطمئنہ سے مراد مخلص نفس ہے اس سے مراد نفس عارضہ ہے جو پلک جھپکنے کے برابر صبر نہیں کر سکتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہوتا ہے اس کی وضاحت یوں ہے: **اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ** (الرعد: 28) جو ایمان لائے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کے ذکر سے مطمئن ہو گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایمان پر مطمئن اور دوبارہ اٹھائے جانے اور ثواب کی تصدیق کرنے والا۔

ابن زید نے کہا: وہ مطمئن ہیں کیونکہ موت کے وقت دوبارہ اٹھائے جانے اور محشر کے دن انہیں جنت کی بشارت دی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن بریدہ نے اپنے باپ سے روایت نقل کی کہ اس سے مراد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا نفس ہے صحیح بات یہ

ہے کہ یہ ہر مومن، مخلص اور اطاعت شعار نفس میں حکم عام ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ تعالیٰ نے جب ارادہ کیا کہ وہ اپنے مومن بندے کی روح کو قبض کرے تو وہ نفس اللہ تعالیٰ سے مطمئن ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس نفس سے مطمئن ہوتا ہے(1)۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے کہا: جب مومن فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دو فرشتے بھیجتا ہے اور ان دونوں کے ساتھ جنت سے تحفہ بھی بھیجتا ہے دونوں اسے کہتے ہیں: اے نفس مطمئنہ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً نکلو روح و ایمان کی طرف نکلو اپنے رب کی طرف، نکلو جو تم سے راضی ہے نہ کہ تم سے ناراض ہے تو وہ کستوری کی پاکیزہ ترین خوشبو کے ساتھ نکلتا ہے جو کسی کی ناک نے روح زمین پر پائی تھی۔ حدیث کا ذکر کیا۔

سعید بن زید (جبیر) نے کہا: ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں یہ آیت پڑھی یَاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ کتنا اچھا کلام ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”فرشتہ تجھے بھی کہے گا: اے ابوبکر!“ (2)۔ حضرت سعید بن جبیر نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا وصال طائف میں ہوا تو ایک ایسا پرندہ آیا جس شکل وصورت کا کبھی پرندہ نہ دیکھا گیا تھا وہ آپ کے جنازہ میں داخل ہو گیا پھر اسے باہر نکلتے ہوئے نہ دیکھا گیا جب آپ کو دفن کیا گیا تو قبر کے کنارے اسی آیت کو تلاوت کیا گیا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ کس نے اسے تلاوت کیا ہے(3)۔

ضحاک نے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب آپ نے بئر رومہ کو وقف کیا تھا(4)۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ حضرت خبیب بن عدی کے حق میں نازل ہوئی جنہیں اہل مکہ نے سولی پر لٹکایا تھا انہوں نے آپ کا چہرہ مدینہ کی طرف کیا تو اللہ تعالیٰ نے چہرہ مکہ مکرمہ کی طرف کر دیا۔ واللہ اعلم۔

اِلٰی رَبِّكِ سے مراد اپنے صاحب اور اپنے جسم کی طرف لوٹ جا؛ یہ حضرت ابن عباس، عکرمہ اور عطا کا قول ہے؛ طبری نے اسے پسند کیا۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس کی قراءت ہے فادخلی فی عبدی علی التوحید اللہ تعالیٰ قیامت کے روز حکم دے گا کہ وہ جسموں کی طرف لوٹ جائیں۔ حضرت ابن مسعود کی قراءت یہ ہے فی جسد عبدی۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اپنے رب کے ثواب اور کرامت کی طرف لوٹ جا۔ حضرت ابو صالح نے کہا: اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جا۔ موت کے وقت اسے کہا جائے گا: میرے بندوں کے جسموں میں داخل ہو جاؤ۔ اس کی دلیل حضرت ابن عباس اور حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ قیامت کے روز ہوگا؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔ جمہور کا قول ہے کہ جنت ہی دار خلود ہے، نیک لوگوں کا مسکن ہے اور صالحین، اخیار کا گھر ہے۔ فِیْ عِبٰدِیْ سے مراد ہے میرے بندوں میں سے صالحین میں شامل ہو جاؤ جس طرح فرمایا: لَنُدْخِلَنَّهُمْ فِی الصّٰلِحِیْنَ ﴿۹﴾ (العنکبوت) ہم انہیں ضرور صالحین میں داخل کریں گے۔ اخفش نے کہا: فِیْ عِبٰدِیْ کا معنی ہے میری جماعت میں۔ معنی ایک ہی ہے یعنی ان کی لڑی میں پرو جا اور ان کے ساتھ میری جنت میں داخل ہو جا۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 272　2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 396

3۔ طبرانی، الکبیر، 10581　4۔ الدر المنثور، جلد 6، صفحہ 350

سورۃ البلد

آیاتہا ۲۰ ۹۰ سورۃ البلد مکیۃ ۳۵ رکوعہا ۱

تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور اس کی بیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لَاۤ اُقۡسِمُ بِہٰذَا الۡبَلَدِ ①

''میں قسم کھاتا ہوں اس شہر (مکہ) کی''۔

یہ جائز ہے کہ لَاۤ زائدہ ہو جس طرح لَاۤ اُقۡسِمُ بِیَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ ① (القیامۃ) میں روز قیامت کی قسم اٹھاتا ہوں؛ یہ اخفش کا قول ہے یعنی میں قسم اٹھاتا ہوں، کیونکہ ارشاد فرمایا ہے: بِہٰذَا الۡبَلَدِ جبکہ پہلے شہر کی قسم اٹھائی وھذا البلد الامین یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ اس کی قسم کا انکار کرے جب کہ اس کی قسم اٹھائی ہو۔ شاعر نے کہا:

تَذَكَّرْتُ لیلی فاعترتنی صبابة وكاد صمِیم القلبِ لا یَتَقَطَّعِ

میں نے لیلیٰ کو یاد کیا تو مجھے عشق نے آلیا قریب تھا کہ صمیم قلب ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا۔

شعر میں حرف لا صلہ (زائد) ہے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ اَمَرۡتُكَ (الاعراف: 12) کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا جب کہ میں نے تجھے حکم دیا تھا۔ اس پر دلیل سورۂ ص میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا مَنَعَكَ اَنۡ تَسۡجُدَ (ص: 75)

حضرت حسن بصری، اعمش اور ابن کثیر نے لا قسم پڑھا ہے لام کے بعد الف ذکر نہیں کیا گویا لا قسم میں لام کے بعد الف اقسم کا ہے اخفش نے اس کو جائز قرار دیا ہے کہ یہ الا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قسم کی نفی نہیں بلکہ یہ تو عربوں کے قول کے مطابق ہے: لا واللہ لا فعلت کذا، لا واللہ ما کان کذا، لا واللہ لا فعلن کذا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ صحیح نفی ہے معنی یہ ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے نکل جائیں گے تو میں اس شہر کی قسم نہیں اٹھاؤں گا؛ یہ مکی نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت نقل کی ہے کہا: لَاۤ ان پر رد کرنے کے لیے ہے: یہ ابن عربی کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے کیونکہ اس نے کہا: جس نے یہ کہا ہے کہ یہ رد ہے تو وہ ایسا قول ہے جس کا رد نہیں کیونکہ اس کے ساتھ معنی صحیح ہوتا ہے اور لفظ و مراد دونوں متمکن ہیں یہ اس آدمی کا رد ہے جو موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرتا ہے پھر قسم کا آغاز کیا (1)۔

قشیری نے کہا: یہ اس چیز کا رد ہے کہ اس سورت میں مذکور انسان جو دنیا سے دھوکہ میں مبتلا ہے اس کا رد ہے، یعنی معاملہ

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1921

اس طرح نہیں جس طرح وہ گمان کرتا ہے کہ اس پر کوئی قادر نہ ہوگا پھر قسم کا آغاز ہوگا۔ الْبَلَدِ سے مراد مکہ مکرمہ ہے تمام علماء کا اس پر اجماع ہے یعنی میں اس بلد حرام کی قسم اٹھاتا ہوں جس میں آپ موجود ہیں کیونکہ تجھے عزتوں سے نوازنا میرے ذمہ کرم پر ہے اور اس سے کہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں۔ واسطی نے کہا: ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اس شہر کی قسم اٹھاتے ہیں جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ٹھہر کر شرف بخشا اور وصال کے بعد برکت عطا کر کے شرف بخشا اس سے مراد مدینہ طیبہ ہے۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ تمام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

وَ اَنْتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الْبَلَدِۙ۝

''دراں حالیکہ آپ بس رہے ہیں اس شہر میں''۔

یعنی مستقبل میں، یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّكَ مَیِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ۝ (الزمر) کلام عرب میں اس کی مثالیں عام ہیں۔ جس سے تو عزت اور عطیہ کا وعدہ کرتا ہے اسے تو کہتا ہے: أنت مکرم مجلو اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی یہ عام ہے کیونکہ اس کے نزدیک آنے والے احوال موجود احوال کی طرح ہیں تیرے لیے یہی دلیل کافی ہے کہ یہ استقبال کے لیے ہے اور حال کے ساتھ اس کی تفسیر بیان کرنا محال ہے کیونکہ یہ سورت بالاتفاق فتح مکہ سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ منصور نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: وَ اَنْتَ حِلٌّۢ یعنی تو نے اس میں جو کیا ہے وہ آپ کے لیے حلال ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس طرح کہا: جس روز آپ مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے آپ کے لیے حلال کر دیا گیا تھا کہ جس کو چاہیں قتل کر دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن خطل، مقیس بن صبابہ وغیرہ کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہاں کسی کو قتل کرے۔

سدی نے کہا: معنی ہے جو آدمی آپ سے قتال کرے اسے قتل کرنا آپ کے لیے حلال ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ دن کی کچھ گھڑیوں میں آپ کے لیے قتال کو حلال کیا گیا پھر تا قیامت اسے حرام کر دیا گیا۔ وہ فتح مکہ کے دن ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: إنّ الله حَرَّمَ مَكّةَ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰواتِ والأرض فهي حَرامٌ إلى أن تقومَ الساعةُ فلم تَحِلَّ لِأحَدٍ قبلي ولا تَحِلَّ لِأحدٍ من بعدي ولم تَحِلَّ لي إلّا ساعة من نهارٍ۔(1)

اللہ تعالیٰ نے جب سے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا مکہ مکرمہ کو حرمت والا بنایا یہ حرام ہی رہے گا یہاں تک کہ قیامت برپا ہوگی مجھ سے قبل یہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوا میرے بعد یہ کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا اور میرے لیے یہ دن کی کچھ ساعتوں میں حلال کیا گیا۔

سورۃ المائدہ میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ابن زید نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی بھی حلال نہ تھا یعنی کسی سے تعرض نہ کیا جاتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں مقیم ہیں اور وہ آپ کا محل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا آپ اس

1۔ مسند الامام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 2353

میں احسان کرنے والے ہیں میں تجھ سے اس میں راضی ہوں۔ اہل لغت نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ کہا جاتا ہے: رجلٌ حِلٌّ، حَلَالٌ و مُحِلٌّ، رجل حَرَام و حِرم۔ قتادہ نے کہا: آپ یہاں حلال کام کرنے والے ہیں آپ گناہگار نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثنا ہے یعنی آپ اس شہر میں ایسی چیز کا ارتکاب کرنے والے نہیں جس کا ارتکاب آپ کے لیے حرام ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بیت کا حق پہنچاتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشرکوں کی طرح نہیں جو اس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔ یعنی میں اس معظم گھر کی قسم اٹھاتا ہوں جس کی حرمت کو آپ پہچانتے ہیں آپ اس میں مقیم ہیں، اس کی تعظیم بجالانے والے ہیں، جو چیز آپ پر حرام ہے اس کا ارتکاب کرنے والے نہیں۔ شرحبیل بن سعد نے کہا: آپ اس شہر میں حلال ہیں۔ وہ مکہ مکرمہ کو حرام سمجھتے ہیں کہ یہاں کسی شکار کو قتل کریں یا کسی درخت کو کاٹیں اس کے باوجود تیرے یہاں سے نکالنے اور آپ کے قتل کے درپے ہونے کو حلال جانتے ہیں۔

وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ ﴿۳﴾

''اور قسم کھاتا ہوں باپ کی اور اولاد کی''۔

مجاہد، قتادہ، ضحاک، حسن بصری اور ابو صالح نے کہا: وَوَالِدٍ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور وَّمَا وَلَدَ سے مراد جوان کی اولاد ہوئی۔ ان کی قسم اٹھائی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جو کچھ پیدا کیا ہے اس میں سے سب سے عجیب ہے کیونکہ اس انسان میں بولنے، بیان کرنے اور تدبیر کی صلاحیت موجود ہے۔ ان میں انبیاء اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی صالح اولاد کی قسم ہے گویا غیر صالح لوگ چوپائے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: والد سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور مَا وَلَدَ سے مراد آپ کی ذریت ہے؛ یہ ابو عمران جولانی کا قول ہے۔ پھر یہ احتمال ہے کہ تمام اولاد مراد ہے یا اولاد میں سے مسلمان مراد ہیں۔ فراء نے کہا: مَا لوگوں کے لیے بھی درست ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَا طَابَ لَكُمْ (النساء: 3) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ مَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنْثَىٰ ﴿۳﴾ (اللیل) وہی مذکر و مونث کا خالق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ما مابعد سے مل کر مصدر کے حکم میں ہے مراد والد اور اس کی ولادت کی قسم، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰهَا ﴿۵﴾ (الشمس)

عکرمہ اور سعید بن جبیر نے کہا: وَالِدٍ سے مراد جس کی اولاد ہو اور مَا وَلَدَ سے مراد بانجھ ہے جس کی اولاد نہ ہو؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ اس صورت میں ما نافیہ ہے۔ یہ بعید ہے اسم موصول کو مضمر ماننے کے بغیر یہ صحیح نہیں تقدیر کلام یہ بنتی ہے ووالد والذی ما ولد یہ بصریوں کے نزدیک جائز نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہر والد اور مولود کو عام ہے؛ یہ عطیہ عوفی کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی مروی ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ مسلک ہے۔ ماوردی نے کہا(1): یہ احتمال موجود ہے کہ وَلَدَ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہو اور مَا وَلَدَ سے مراد آپ کی امت ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پہلے گزر چکا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے: إنما أنا لكم بمنزلة الوالد أعلمكم میری تمہارے لیے حیثیت والد

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 275

کی سی ہے میں تمہیں تعلیم دیتا ہوں۔ پہلے آپ کے شہر کی قسم اٹھائی پھر آپ کی اور آپ کی امت کی قسم اٹھائی مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت میں مبالغہ کا اظہار ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي كَبَدٍ ۝

”بے شک ہم نے انسان کو بڑی مشقت میں (زندگی بسر کرنے کے لیے) پیدا کیا“۔

یہاں پر قسم ختم ہو گئی تھی یہ آیت جواب قسم ہے! اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ اپنی مخلوقات کی تعظیم کے لیے جس کی چاہے قسم اٹھائے جس طرح پہلے گزر چکا ہے یہاں انسان سے مراد ابن آدم ہے کَبَد کا معنی شدت اور تھکاوٹ ہے یہ مُكَابَدَةُ الدُّنْيَا سے مشتق ہے کَبَد کا اصل معنی شدت ہے اسی سے ایک جملہ بولا جاتا ہے: تكبد اللبن دودھ گاڑھا ہو گیا، سخت ہو گیا؛ اسی سے کبد (جگر) ہے کیونکہ یہ بھی خون ہوتا ہے جو گاڑھا اور سخت ہو جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: كابدت هذا الأمر میں نے اس امر کی سختی کو برداشت کیا؛ لبید نے کہا:

یا عینُ هَلَّا بکیتِ أربدَ إذ قُمْنا وقام الخصومُ فی كَبَدِ

اے آنکھ! تو اربد کے مقام پر کیوں نہ روئی جب ہم اور جھگڑا کرنے والے مشقت میں کھڑے ہوئے۔

حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری نے کہا: فِي كَبَدٍ کا معنی ہے سختی اور تھکاوٹ میں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: شدت میں، یعنی حمل، ولادت، دودھ پلانا، دانتوں کا نکلنا وغیرہ۔ عکرمہ نے آپ سے ہی یہ قول نقل کیا ہے کہ وہ اپنی ماں کے پیٹ میں سیدھا ہوتا ہے۔ کَبَد کا معنی استواء اور استقامت ہے۔ یہ خلقت میں انسان پر اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اللہ تعالیٰ نے ماں کے پیٹ میں کسی جاندار کو پیدا نہیں کیا مگر وہ اپنے منہ کے بل اوندھا ہوتا ہے صرف انسان کا معاملہ مختلف ہے، کیونکہ وہ سیدھا ہوتا ہے؛ یہ مجاہد، نخعی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ابن کیسان نے کہا: ماں کے پیٹ میں اس کا سر سیدھا کھڑا ہوتا ہے جب اللہ تعالیٰ اسے باہر نکلنے کی اجازت دیتا ہے تو اس کے سر کو اس کی ماں کی ٹانگوں کی طرف کر دیتا ہے۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: وہ دنیا اور آخرت کے مصائب اور تکالیف برداشت کرتا ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: وہ خوشحالی کے دور میں شکر کو کام میں لاتا ہے اور تنگدستی کے دور میں صبر کو کام میں لاتا ہے کیونکہ وہ ان دونوں سے خالی نہیں ہوتا؛ اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ یمان نے کہا: اللہ تعالیٰ نے کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کی جو اتنی مشقت برداشت کرتی ہو جیسی مشقت انسان برداشت کرتا ہے جب کہ یہ مخلوقات میں سے کمزور ترین ہے (1)۔ ہمارے علماء کہتے ہیں: سب سے پہلے جس مشقت کو وہ برداشت کرتا ہے وہ اس کی ناف کا کٹنا ہے پھر گہوارہ میں ڈالنے کے لیے اس پر جو کپڑے لپیٹ دیئے جاتے ہیں وہ تنگی اور تھکاوٹ کو برداشت کرتا ہے وہ دودھ پینے کی مشقت کو برداشت کرتا ہے اگر یہ چیز اسے نہ ملے تو فوت ہو جائے پھر دانتوں کے اگنے اور زبان کو حرکت دینے کی تکلیف برداشت کرتا ہے پھر وہ دودھ چھڑانے کی تکلیف کا سامنا کرتا ہے جو اس کے لیے طمانچے سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے پھر وہ ختنہ کرانے دردوں اور غموں کا سامنا کرتا

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 488

ہے پھر وہ معلم اور اس کی سختی، مودب اور اس کے رویہ اور استاد اور اس کی ہیبت کا سامنا کرتا ہے پھر وہ شادی کی مصروفیت اور اس میں جلدی کا سامنا کرتا ہے پھر وہ اولاد، خادموں اور لشکروں کے معاملات میں جا پڑتا ہے پھر وہ گھروں اور محلات کے بنانے میں لگ جاتا ہے پھر بڑھاپے، گھٹنوں اور قوموں کے ضعف کا سامنا کرتا ہے ایسے ایسے مصائب دیکھتا ہے جن کی تعداد بہت زیادہ ہوتی ہے اور ایسے دکھ دیکھتا ہے جن کا عرصہ بڑا طویل ہوتا ہے جیسے سر درد، داڑھوں کا درد، آشوب چشم، قرض کا غم، دانت اور کان کا درد، اسی طرح وہ مال اور نفس میں امتحانات کا سامنا کرتا ہے جس طرح مار پیٹ اور قید۔ کوئی دن اس پر نہیں گزرتا مگر وہ اس میں شدت کو برداشت کرتا ہے پھر اس کے بعد موت کا مرحلہ ہوتا ہے، پھر فرشتہ کے سوالات ہوتے ہیں، قبر کا دیکھنا اور اس کی تاریکی، دوبارہ اٹھانا اور اللہ تعالیٰ پر پیشی، یہاں تک وہ قرار پذیر ہو جاتا ہے یا تو یہ جنت میں جا کر ٹھہرتا ہے یا دوزخ میں ٹھکانہ بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ كَبَدٍ اگر یہ انسان کے بس میں ہوتا تو وہ ان مصائب کو کبھی برداشت نہ کرتا۔ یہ سب چیزیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ اس کا کوئی خالق ہے اس نے ان احوال کا اس پر فیصلہ کیا ہے پس انسان کو چاہیے کہ اس ذات کے حکم کی پیروی کرے۔

ابن زید نے کہا: یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں فِیْ كَبَدٍ سے مراد آسمان کا درمیان ہے(1)۔ کلبی نے کہا: یہ حکم بنی جمح کے بارے میں نازل ہوا جسے ابو الاشدین کہتے ہیں، وہ عکاظی چمڑا لیتا اسے اپنے قدموں کے نیچے بچھاتا وہ کہتا: جس نے مجھے اس سے گرا دیا اس کے لیے یہ انعام ہے۔ اس چمڑے کو دس آدمی کھینچتے یہاں تک کہ وہ چمڑا پھٹ جاتا اور اس کے قدم اپنی جگہ سے نہ ہلتے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں میں سے تھا اس کے بارے میں یہ نازل ہوا: اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یعنی وہ اپنی قوت کی بنا پر یہ گمان کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: فِیْ كَبَدٍ کا معنی ہے قوی، وہ قریش میں سب سے طاقتور اور مضبوط جسم کا مالک تھا۔ رکانہ بن ہاشم بن مطلب اسی طرح تھا وہ طاقت اور قوت میں مثال تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: فِیْ كَبَدٍ کا معنی ہے وہ دل کا جری اور سخت ہے جب کہ اس کی خلقت کمزور اور مادہ حقیر ہے۔ ابن عطا نے کہا: وہ ظلمت و جہالت میں ہے۔ ترمذی نے کہا: جو با مقصد کام ہیں ان کو ضائع کرنے والا ہے اور جو بے مقصد امور ہیں ان میں مصروف رہنے والا ہے۔

اَیَحْسَبُ اَنْ لَّنْ یَّقْدِرَ عَلَیْهِ اَحَدٌ ۝ یَقُوْلُ اَهْلَكْتُ مَالًا لُّبَدًا ۝ اَیَحْسَبُ اَنْ لَّمْ یَرَهٗۤ اَحَدٌ ۝ اَلَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ عَیْنَیْنِ ۝ وَ لِسَانًا وَّ شَفَتَیْنِ ۝

"کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اس پر کسی کا بس نہیں چلے گا، کہتا ہے: میں نے ڈھیروں مال فنا کر دیا۔ کیا وہ خیال کرتا ہے کہ اسے کسی نے نہیں دیکھا۔ کیا ہم نے نہیں بنائیں اس کے لیے دو آنکھیں اور ایک کان اور دو ہونٹ"۔

کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سزا نہیں دے گا وہ کہتا ہے: میں نے کثیر مال خرچ کر دیا۔ کیا وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اسے کوئی نہیں دیکھ رہا بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے سب اعمال کو جانتا ہے وہ اس بات میں جھوٹا ہے کہ وہ کہتا ہے: میں نے مال خرچ کیا

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 276

ہے جب کہ اس نے مال خرچ نہیں کیا ہوتا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بندے کو کھڑا کیا جائے گا اسے کہا جائے گا: میں نے تجھے جو رزق دیا تھا اس کا تو نے کیا کیا۔ وہ کہے گا: میں نے اس کو خرچ کیا اور اس کی زکوٰۃ ادا کی۔ اسے کہا جائے گا: گویا تو نے یہ کیا تا کہ کہا جائے کہ وہ بڑا سخی ہے تو وہ تو کہا جا چکا۔ پھر اسے آگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا جائے گا (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو الاشدین کہا کرتا تھا: میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں بہت زیادہ مال خرچ کیا ہے جب کہ وہ جھوٹا تھا۔ مقاتل نے کہا: یہ حارث بن عامر بن نوفل کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے گناہ کیا اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ طلب کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے حکم دیا کہ وہ کفارہ ادا کرے۔ اس نے کہا: میں جب سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں داخل ہوا ہوں میرا مال تو کفارات اور نقصانات میں خرچ ہو گیا ہے۔ اس کا یہ قول اس چیز کا بھی احتمال رکھتا ہے کہ اس نے جو مال خرچ کیا تھا وہ اس کو کثیر جانتا تھا تو یہ اس کی جانب سے سرکشی ہو گی یا بطور افسوس کیا ہو تو اس کی جانب سے شرمندگی ہو گی۔

ابو جعفر نے لُبَّدا پڑھا ہے کیونکہ یہ لابد کی جمع ہے جس طرح راکع کی جمع رُکَّع، ساجد کی جمع سجَّد اور شاهد کی جمع شُهَّد آتی ہے۔ مجاہد اور حمید نے باء کو مضموم اور لام کو بغیر شد کے پڑھا ہے۔ اس وقت یہ لبود کی جمع ہو گی۔ باقی قراء نے لام کے ضمہ اور اس کے کسرہ اور باء کو فتحہ غیر مشدد پڑھا ہے اس وقت یہ لُبدۃ اور لِبدۃ کی جمع ہو گی اس سے مراد وہ چیز ہے جو تہہ در تہہ ہے مراد کثرت کا اظہار ہے۔ سورۃ الجن میں اس بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مروی ہے کہ آپ دونوں جگہ اَیَحْسُبُ پڑھا کرتے تھے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: معنی یہ بنتا ہے وہ کہتا ہے میں نے بہت زیادہ مال خرچ کیا ہے جو اس کے متعلق میرا محاسبہ کرے گا مجھے چھوڑ دو کہ میں بھی اس کا محاسبہ کروں کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے محاسبہ پر قادر ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کو دیکھ رہا ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس پر نعمتوں کو شمار کیا۔

کیا ہم نے اس کے لیے آنکھیں نہیں بنائیں جن کے ساتھ وہ دیکھتا ہے، زبان نہیں بنائی جس کے ساتھ وہ بولتا ہے، ہونٹ نہیں بنائے جن کے ساتھ وہ دانتوں کو چھپاتا ہے اس کا معنی یہ ہے ہم نے یہ کہا اور ہم اس پر قدرت رکھتے ہیں کہ ہم اسے دوبارہ اٹھائیں اور اس نے جو عمل کیا ہم اس کو شمار کریں۔ ابو حازم نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے انسان! اگر زبان ان معاملات میں تجھ سے نزاع کرے جو میں نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو میں نے تیری دو طبق (دو ہونٹ) سے مدد کی ہے ان کو بند کر دے، اگر تیری آنکھ تجھ سے ایسے امور میں جھگڑا کرے جو میں نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو میں نے تیری دو طبق (یعنی دو چھپر وہ) سے تیری مدد کی ہے ان کو بند کر لے، اگر تیری شرمگاہ تیرے ساتھ ان معاملات میں جھگڑا کرے جو اللہ تعالیٰ نے تجھ پر حرام کیے ہیں تو اس کے خلاف میں نے دو طبق سے تیری مدد کی ہے تو انہیں بند کر دے'' (2)۔ الشفة اصل میں شفهة تھا اس سے ہاء کو حذف کر دیا گیا اس کی تصغیر شفیهة آتی ہے اس کی جمع شفاہ ہے یہ جملہ

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 8277
2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 489

بولا جاتا ہے: شفهات، شفوات، هاء زیادہ موزوں ہے اور واؤ عام ہے جس طرح سنوات میں واؤ عام آتی ہے۔ ازہری نے کہا: وصل کی صورت میں هذه شفة کہتے ہیں اور شفہ بھی کہتے ہیں یعنی یہ لفظ تاء اور هاء دونوں کے ساتھ آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمتیں تجھے متوجہ کرتی ہیں کہ تو ان کا شکر بجالائے۔

وَهَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ﴿۱۰﴾

''اور ہم نے دکھادیں اسے دونوں نمایاں راہیں''۔

النَّجْدَيْنِ سے مراد دو راستے ہیں بھلائی اور برائی کا راستہ یعنی ہم نے ان دونوں کو اس کے لیے بیان کر دیا ہے جو ہم نے اس کی طرف رسول بھیجے ہیں۔ نجد اس راستہ کو کہتے ہیں جو بلندی کی طرف جاتا ہے؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ قتادہ نے کہا: ہمارے لیے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا کرتے تھے: يأيها الناس هما النجدان، نجدُ الخير و نجدُ الشرِّ فلم نجعل نجدَ الشرِّ أحبَّ إليك من نجدِ الخير (1)۔ اے لوگو! وہ دونوں راستے ہیں بھلائی کا راستہ اور برائی کا راستہ ہم نے شر کے راستہ کو خیر کے راستہ سے تیرے لیے زیادہ محبوب نہیں بنایا۔ عکرمہ سے یہ مروی ہے: نجدان سے مراد دو پستان ہیں؛ یہ سعید بن مسیب اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: یہ دونوں بچے کی زندگی اور رزق کے لیے دو راستوں کی طرح ہیں۔ نجد کا معنی بلندی ہے اس کی جمع نجود آتی ہے اس وجہ سے نجد کے علاقہ کو نجد کہتے ہیں کیونکہ وہ تہامہ کے زیریں ہونے کی بنسبت بلند ہے۔ پس نجدان دو بلند راستے ہیں۔

فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾

''پھر وہ داخل نہیں ہوا عمل خیر کی (دشوار) گھاٹی میں''۔

وہ مال جس کے بارے میں وہ گمان رکھتا ہے کہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عداوت میں خرچ کیا ہے اس نے وہ مال اقتحام عقبہ میں کیوں خرچ نہ کیا کہ وہ امن پاتا۔ اقتحام کا معنی اپنے کو بغیر سوچے سمجھے کسی چیز میں پھینک دینا اس سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: قحم في الأمر قحوما یعنی اس نے بغیر سوچے سمجھے اپنے آپ کو اس میں پھینک دیا۔ قَحَمَ الفرسُ فارسَه تَقْحِيمًا على وجهه۔ یعنی گھوڑے نے اسے منہ کے بل گرادیا۔ تقحيم النفس في الشيء کا معنی ہے اس کا بغیر سوچے سمجھے اپنے آپ کو کسی چیز میں داخل کرنا۔ القحمة سے مراد ہلاکت اور سخت سال ہے۔ أصابت الأعراب القحمة۔ جب انہیں قحط نے آ لیا تو وہ اس میں داخل ہو گئے۔ قحم سے مراد مشکل راستہ ہے۔ فراء اور زجاج نے کہا: ایک دفعہ حرف لا داخل کیا گیا ہے جب کہ عرب ایسے موقع پر کم ہی لا اکیلا داخل کرتے ہیں یہاں تک کہ وہ دوسری کلام میں اس کا اعادہ کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **فَلَا صَدَّقَ وَ لَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾** (القیامہ) نہ اس نے تصدیق کی اور نہ نماز پڑھی۔ **وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾** (البقرہ) نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہاں اسے مفرد ذکر کیا ہے کیونکہ کلام کا آخر اس کے معنی پر

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 418

دلالت کرتا ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تکریر کے قائم مقام ہو گویا یوں فرمایا: فلا اقتحم العقبة ولا آمن۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دعا کے قائم مقام ہے جس طرح کسی کا قول ہے: لَا نَجَا وَلَا سَلِمَ۔

سفیان بن عیینہ نے کہا: ہر وہ شئی جس کے بارے میں فرمایا وَمَاۤ اَدْرٰىكَ (القدر:2) اس کے بارے میں آپ کو آگاہ کر دیا اور ہر وہ شے جس کے بارے میں فرمایا: وَمَا یُدْرِیْكَ (الاحزاب:63) اس کے بارے میں آپ کو خبر نہ دی۔ فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۝ کا معنی ہے وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوا۔

جس طرح زہیر کا قول ہے:

فلاهُوَ أبداها ولم يَتَقَدَّمِ یہ فلم يبدها ولم يتقدم کے معنی میں ہے۔ مبرد اور ابو علی نے اسی طرح کہا: لا، لم کے معنی میں ہے۔ امام بخاری نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے: فلم يقتحم العقبة في الدنيا یعنی دنیا میں وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوا تو اسے تکرار کی ضرورت نہیں۔ ہر عقبہ اور اس پر سوار ہونے کی وضاحت کی اور فرمایا: غلام کو آزاد کرنا اور یہ کرنا اور یہ کرنا۔ اور مالی عبادتوں کی وضاحت کی۔ ابن زید اور مفسرین کی ایک جماعت نے کہا: کلام کا معنی وہ استفہام ہے جو انکار کے معنی میں ہے تقدیر کلام یہ ہوگی أفلا إقتحم العقبة أو هلا إقتحم العقبة اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس نے غلام آزاد کرنے میں بھوکوں کو کھانا کھلانے میں اپنا مال کیوں خرچ نہ کیا تا کہ اس کے ذریعے عقبہ سے گزر جاتا تو یہ صورت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں مال خرچ کرنے سے بہتر ہوتی۔ پھر ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اقتحام عقبہ یہاں ضرب المثل ہے معنی یہ ہوگا کیا اس نے بڑے بڑے امور کو برداشت کیا ہے جو اس نے اپنے رب کی اطاعت میں مال خرچ کرنے کی صورت میں تھے اور اس پر ایمان لانے کی صورت میں تھے۔ یہ تعبیر اس آدمی کے قول کے مناسب ہوگی جو فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ۝ کو دعا پر محمول کرتا ہے یعنی جس نے اپنا مال اس صورت میں خرچ نہ کیا اس نے نہ نجات پائی اور نہ ہی وہ سلامت رہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بڑے گناہوں، ان کے بوجھ اور شدت کو عقبہ سے تشبیہ دی گئی ہے جب وہ غلام آزاد کرے اور اچھے عمل کرے تو اس کی مثال اس آدمی جیسی ہے جو عقبہ میں داخل ہو۔ اس سے مراد وہ گناہ ہیں جو اسے نقصان پہنچاتے ہیں، اسے اذیت دیتے ہیں اور مشقت میں ڈالتے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: یہ عقبہ جہنم میں ایک پہاڑ ہے۔ ابو رجاء سے مروی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے کہ عقبہ اس پر سات ہزار سال تک انسان چڑھتا رہے گا اور اس سے اترنے میں بھی اسے سات ہزار سال لگیں گے۔ حضرت حسن اور قتادہ نے کہا: یہ آگ میں سخت مشکل راستہ ہے جو پل سے پہلے ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔ مجاہد، ضحاک اور کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ پل ہے جو جہنم پر ڈالا گیا ہے جو تلوار سے تیز ہے اس کی مسافت تین ہزار سال ہے اس میں نرم جگہ، بلند اور پست جگہیں ہیں۔ مومن پر یہ اتنے وقت کے لیے ہے جتنا عصر سے عشاء کا وقت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مومن اتنے وقت کے لیے اس میں داخل ہوگا جتنا وقت فرض نماز کا ہوتا ہے۔

حضرت ابو درداء سے مروی ہے انہوں نے کہا: ہمارے سامنے عقبہ ہے اس میں سے سب سے نجات پانے والا ہوگا وہ جس کا سامان سب سے کم ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جہنم بذات خود عقبہ ہے۔ ابو رجاء نے حضرت حسن بصری سے روایت

نقل کی ہے کہ ہمیں یہ خبر پہنچی ہے جس مسلمان نے کسی غلام کو آزاد کیا تو یہ جہنم سے آزادی کا فدیہ بن جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جس نے ایک غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ ہر عضو کے بدلے میں اس کے عضو کو آزادی دے دے گا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من أعتق رقبة أعتق اللہ بکلِّ عضوٍ منها عضوًا من أعضائه من النّار حتّٰی فَرجهٔ بفرجه(1) جس نے کوئی غلام آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے میں اس کا عضو جہنم سے آزاد کر دے گا یہاں تک کہ شرمگاہ کے بدلے شرمگاہ۔

ترمذی شریف میں حضرت ابوامامہ اور دوسرے صحابہ سے یہ روایت مروی ہے کہ جس مسلمان نے کسی مسلمان مرد کو آزاد کیا یہ وہ غلام جہنم سے اس کی رستگاری کا باعث ہو جائے گا۔ غلام کا ہر جز مالک کے ہر جز کے بدلے میں ہو جائے گا اور جس مسلمان عورت نے مسلمان لونڈی کو آزاد کیا تو وہ لونڈی جہنم سے اس کی آزادی کا باعث ہو گی، ہر عضو دوسرے کے عضو کا بدلہ ہو جائے گا۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے(2)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عقبہ سے مراد پیشی کی ہولناکی سے اسے چھٹکارا دینا ہے۔ قتادہ اور کعب نے کہا: یہ پل سے پہلے آگ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! یہ شدید گھاٹی ہے انسان کا اپنے نفس، اپنی خواہش اوا اپنے دشمن شیطان کے ساتھ جہاد کرنا ہے۔ کسی نے یہ شعر کہے:

إنّی بُلِیتُ بأربعٍ یَرمِیننی بالنَّبل قد نَصَبوا علیّ شِراکا

مجھے چار چیزوں کے ساتھ آزمایا گیا ہے جو مجھ پر تیر مار رہی ہیں اور انہوں نے مجھ پر اپنے تسمے باندھ رکھے ہیں۔

إبلیسُ و الدّنیا ونفسی والھوی من أین أرجو بینھن فَکاکا

ابلیس، دنیا، میرا نفس اور خواہش میں ان کے درمیان سے کیسے چھٹکارے کی امید رکھوں۔

یا ربِّ ساعدنی بعفوٍ إنّنی أصبحت لا أرجو لھن سِوا کا

اے میرے رب! میری مدد فرما مجھے معاف کر کے میں، تیرے سوا ان کے بارے میں کوئی امید نہیں رکھتا۔

وَمَآ اَدۡرٰىكَ مَا الۡعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾

''اور آپ کیا سمجھیں کہ وہ گھاٹی کیا ہے''۔

اس کلام میں حذف ہے تقدیر کلام یہ ہوگی و ما ادراک ما اقتحام العقبة یہ دین کے امر کو لازم پکڑنے کی عظمت بیان کرنا ہے۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عقبہ سے آگاہ ہو جائیں۔ قشیری نے کہا: عقبہ کو عقبہ جہنم پر محمول کرنا بہت ہی بعید ہے کیونکہ دنیا میں کوئی آدمی بھی عقبہ جہنم میں داخل نہیں ہوا مگر اس صورت میں کہ اسے اس امر پر محمول کیا جائے کہ مراد یہ ہے کہ اس نے اپنے آپ کو کیوں تیار نہیں کیا کہ اس کے لیے قیامت کے روز عقبہ جہنم میں داخل ہونا ممکن ہوتا۔ امام

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 9441

2۔ جامع ترمذی، کتاب النذور والایمان، باب ماجاء فی فضل من اعتق، حدیث نمبر 1467، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

بخاری نے مجاہد کا قول پسند کیا ہے کہ وہ دنیا میں عقبہ میں داخل نہیں ہوا۔ ابن عربی نے کہا: یہ قول اس لیے اختیار کیا کیونکہ دوسری آیت میں یہ فرمایا: وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ تیسری آیت میں فرمایا: فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ چوتھی آیت میں فرمایا: اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ۝ پھر پانچویں آیت میں فرمایا: یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ۝ چھٹی آیت میں فرمایا: اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ۝ یہ اعمال تو دنیا میں ہوں گے معنی یہ ہوگا دنیا میں وہ ایسے امور نہیں لایا جو آخرت میں عقبہ میں داخل ہونے کو اس کے لیے آسان بنا دیتا۔

فَكُّ رَقَبَةٍ ۝

''وہ (غلامی سے) گردن چھڑانا ہے''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

فَكُّ رَقَبَةٍ کی تشریح

مسئلہ نمبر 1۔ فَكُّ رَقَبَةٍ ۝ کا معنی ہے اسے قید سے آزاد کرنا۔ ایک قول ہے: اسے غلامی سے آزاد کرنا۔ حدیث میں ہے: ''فک رقبة کا معنی ہے تو اس کی قیمت میں اس کی مدد کرے'' پھر حضرت براء کی حدیث ہے سورۂ براء میں پہلے گزر چکا ہے فَكُّ سے مراد قید کو کھول دینا ہے اور غلامی بھی ایک قید ہے غلام کو رقبہ کہتے ہیں کیونکہ وہ غلامی کے ساتھ اس قیدی کی طرح ہے جس کی گردن میں رسی بندھی ہوئی ہو۔ اس کی آزادی کو فَكُّ کا نام دیا جس طرح تو قیدی کو قید سے آزاد کرے تو اسے فک سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت حسان نے کہا:

كَمْ مِنْ أَسِيرٍ فَكَكْنَاهُ بِلَا ثَمَنٍ

کتنے ہی قیدی ہیں جن کو ہم نے قیمت کے بغیر آزاد کیا۔

عقبہ بن عامر جہنی نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک مومن غلام کو آزاد کیا تو یہ اس کے جہنم سے آزاد ہونے کا فدیہ ہو جائے گا''(1)۔ ماوردی نے کہا: دوسرا احتمال یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ نے یہ ارادہ کیا ہو کہ یہ اس نے گناہوں سے اجتناب کر کے اور اچھے اعمال کر کے اپنی گردن کو آزاد کر دیا اور نفس کو خلاصی عطا کر دی۔ حدیث اس تاویل کے مانع نہیں یہ زیادہ صحیح ہے۔

کافر کے بجائے مسلمان غلام کو آزاد کرنا

مسئلہ نمبر 2۔ اصبغ نے کہا: کافر غلام جو زیادہ قیمت والا ہو وہ آزادی میں اس غلام سے افضل ہے جو مومن ہو اور کم قیمت والا ہو، کیونکہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جب کہ آپ سے پوچھا گیا تھا: کون سا غلام آزاد کرنا افضل ہے؟ فرمایا: ''جس کی قیمت زیادہ ہو اور مالکوں کے نزدیک اچھا ہو''۔ ابن عربی نے کہا: اس حدیث میں مراد مسلمان غلام ہے کیونکہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے: ''جس نے مسلمان کو آزاد کیا، جس نے مومن غلام کو آزاد کیا''۔

اصبغ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ غلط ہے اس نے صرف مال کی کمی کی طرف دیکھا ہے جب کہ غلام کو عبادت کے لیے آزاد

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 17357، 17326 النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 279

کرنا اور توحید کے لیے فارغ کرنا زیادہ مناسب ہے۔

غلام آزاد کرنا صدقہ کرنے سے افضل ہے

مسئلہ نمبر 3۔ آزاد کرنا اور صدقہ کرنا بہترین عمل ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ سے مروی ہے: آزادی صدقہ سے افضل ہے جب کہ صاحبین کے نزدیک صدقہ افضل ہے۔ آیت کریمہ امام ابوحنیفہ کے قول پر زیادہ دلالت کرتی ہے کیونکہ آزادی کو صدقہ پر مقدم کیا ہے۔ امام شعبی سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا کہ وہ کہاں مال خرچ کرے وہ قریبی رشتہ داروں کو دے یا غلام آزاد کرے؟ فرمایا: غلام آزاد کرنا افضل ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے اس کا عضو جہنم سے آزاد کر دے گا'' (1)۔

اَوْ اِطْعٰمٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾

''یا کھانا کھلانا ہے بھوک کے دن (قحط سالی) میں یتیم کو جو رشتہ دار ہے یا خاک نشین مسکین کو''۔

مَسْغَبَةٍ کا معنی ہے بھوک۔ سغب کا معنی بھوک ہے اور ساغب بھوکے کو کہتے ہیں۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یوں قراءت کی فی یوم ذا مسغبۃ ابوعبید نے یہ شعر پڑھا:

فَلَوْكُنْتُ جارا یا بن قَیْسِ بن عاصِمٍ　　　لَمَا بِتَّ شَبْعَانًا و جارُكَ ساغِبًا

اے ابن قیس بن عاصم! اگر تو جوار کا حق ادا کرتا تو تو سیر ہو کر اور تیرا پڑوسی بھوکا رات نہ گزارتا۔

کھانا کھلانا فضیلت ہے جب بھوک ہو تو یہ بہت ہی افضل ہے۔ امام نخعی نے اس ارشاد کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ایسے دن میں کھانا کھلانا جس میں کھانا نادر و نایاب ہو۔ نبی کریم ﷺ سے مروی ہے: مِنْ مُوجِباتِ الرَّحمةِ اِطعامُ المسلِمِ السغبان (2) رحمت کے موجبات میں سے یہ بھی ہے کہ بھوکے مسلمان کو کھانا کھلایا جائے۔ مقربۃ کا معنی قرابت ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان ذو قرابة و ذو مقربتی اللہ تعالیٰ تجھے تعلیم ارشاد فرماتا ہے کہ قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرنا غیر قریبی رشتہ دار پر صدقہ کرنے سے افضل ہے، جس طرح ایسے یتیم پر صدقہ کرنا جس کا کوئی کفیل نہ ہو اس یتیم پر صدقہ کرنے سے افضل ہے جس کا کوئی نہ کوئی کفیل ہو۔ اہل لغت کہتے ہیں: اس کے ضعف کی وجہ سے یتیم کہا گیا یہ جملہ بولا جاتا ہے: یَتِمَ الرجلُ یُتْمًا جب وہ کمزور ہو۔ علماء نے یہ ذکر کیا ہے: لوگوں میں یتیم تو باپ کی جانب سے ہوتا ہے اور چوپاؤں میں ماں کی جانب سے ہوتا ہے سورۂ بقرہ میں مکمل بحث گزر چکی ہے۔ بعض علماء لغت نے کہا: یتیم اسے کہتے ہیں جس کے والدین فوت ہو جائیں؛ قیس بن ملوح نے کہا:

اِلَى اللهِ أشكو فقدَ لَيْلَى كما شَكا　　　إلى الله فقدَ الوالِدَيْنِ يَتِيمُ

لیلیٰ کے گم ہونے پر اللہ کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہوں جس طرح یتیم والدین کے فوت ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کرتا ہے۔

1۔ الکشاف، جلد 4، صفحہ 256　　2۔ بیہقی، الشعب، حدیث نمبر 3383

ذَا مَتْرَبَةٍ سے مراد ہے جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ گویا وہ فقر کی وجہ سے مٹی سے مل گیا ہے جس کی جائے پناہ مٹی کے سوا کچھ نہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد وہ آدمی ہے جو راستہ میں پڑا ہو جس کا کوئی گھر نہ ہو۔ مجاہد نے کہا: اس سے مراد وہ شخص ہے جسے نہ لباس اور نہ ہی کوئی اور چیز مٹی سے بچاتی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس سے مراد عیالدار ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد مقروض ہے۔ ابو سنان نے کہا: اپاہج مراد ہے۔ ابن جبیر نے کہا: اس سے مراد ہے جس کا کوئی بھی نہ ہو۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد ایسا فساد ہے جو وطن سے بہت ہی دور ہو۔ ابو حامد خارزنجی نے کہا: یہاں مَتْرَبَةٍ سے مراد ہے برا حال۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ترب، جب وہ محتاج ہو؛ ہذلی نے کہا:

وكُنّا إذا ما الضَّيْفُ حَلَّ بأرْضِنا سَفَكْنَا دِماءَ البُدْنِ فی تُرْبَة الحالِ

جب کوئی مہمان ہمارے علاقے میں اترتا ہے تو ہم تنگدستی کے عالم میں بھی اونٹوں کو ذبح کر دیتے ہیں۔

ابن کثیر، ابو عمرو اور کسائی نے اسے فكّ پڑھا ہے کہ یہ فعل ماضی کا صیغہ ہے رقبة کو نصب دی کیونکہ یہ مفعول بہ ہے اور اطعم اسے بھی فعل ماضی کا صیغہ پڑھا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ کلام فَكَّ اور اِطْعَمٌ کے زیادہ مناسب ہے باقی قراء نے اسے فكُّ پڑھا ہے کیونکہ یہ فککت کا مصدر ہے۔ رقبة یہ مضاف الیہ ہونے کی وجہ سے مجرور ہے اور اطعام باب افعال کا مصدر اور مرفوع پڑھا گیا ہے؛ ابو عبید اور ابو حاتم نے اسے ہی پسند کیا ہے کیونکہ یہ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ۝ کی تفسیر ہے پھر اس کی وضاحت کی اور فرمایا: فك رقبة أو اطعام، اقتحام العقبة کا معنی بھی ہے غلام آزاد کرنا اور کھانا کھلانا۔ جس نے اسے منصوب پڑھا ہے تو اس نے معنی پر محمول کیا ہے۔

ولافكَّ رقبةٍ ولا إطعم فی يوم ذا مسغبة تو اس کے لیے عقبہ سے گزرنا کیسے ممکن ہوگا۔ ابو الحسن اور رجاء نے کہا: ذا مسغبة منصوب ہے کیونکہ یہ اطعام کا مفعول ہے یعنی وہ بھوکے کو کھانا کھلاتے ہیں اور یتیما اس سے بدل ہے جب کہ باقی قراء نے ذِیْ مَسْغَبَةٍ پڑھا ہے جو یَوْمٍ کی صفت ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ نصب کی قراءت جار مجرور کے محل کی صفت کے طور پر ہو، کیونکہ فِیْ یَوْمٍ کا قول ظرف ہے جس کا محل نصب ہے تو یہ معنی کے اعتبار سے اس کی صفت ہے لفظ کے اعتبار سے صفت نہیں۔

ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ۝ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ ۝ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا هُمْ اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ ۝ عَلَيْهِمْ نَارٌ مُّؤْصَدَةٌ ۝

”پھر وہ جو ایمان والوں سے ہو ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں صبر کی اور ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں رحمت کی۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں۔ اور جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا وہ لوگ بائیں ہاتھ والے ہیں۔ ان پر آگ چھائی ہوئی ہوگی“۔

یعنی جس نے غلام کو آزاد کیا یا بھوک والے دن کھانا کھلایا تو وہ عقبہ میں داخل نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ ان لوگوں میں سے ہو جائے گا جنہوں نے تصدیق کی، کیونکہ طاعات کے قبول ہونے کی شرط اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا ہے انفاق کے بعد ایمان کچھ

نفع نہ دے گا بلکہ ضروری ہے کہ طاعت ایمان کے ساتھ ملی ہوئی ہو، اللہ تعالیٰ نے منافقین کے بارے میں فرمایا: وَ مَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّاۤ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ بِرَسُوْلِهٖ (التوبہ: 54) اور نہیں منع کیا ہے انہیں کہ قبول کیے جائیں ان سے ان کے اخراجات سوائے اس کے کہ انہوں نے کفر کیا اللہ کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی: یا رسول اللہ! ابن جدعان دور جاہلیت میں صلہ رحمی کیا کرتا تھا، کھانا کھلایا کرتا تھا، قیدیوں کو چھڑاتا تھا، غلاموں کو آزاد کیا کرتا تھا، اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اونٹ پر کسی کو سوار کرتا تھا کیا یہ امور اسے نفع دیں گے؟ فرمایا: نہیں اس نے کسی دن بھی یہ نہیں کہا: اے میرے رب! اور جزا میری خطا کو معاف کر دے (1)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کا مطلب و معنی یہ ہے کہ اس نے یہ اعمال کیے ہوں جب کہ وہ مومن ہو پھر وہ وفات تک ایمان پر قائم رہا ہو، اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ اِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾ (طٰہٰ) اور میں بخشنے والا ہوں اسے جو تائب ہوا، ایمان لایا اور نیک عمل کیے پھر ہدایت یافتہ ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی یہ ہے پھر وہ ان لوگوں میں سے ہیں جو یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ان کے لیے نافع ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے یہ عبادات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے کیں پھر وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا۔ حضرت حکیم بن حزام نے اسلام لانے کے بعد عرض کی: یا رسول اللہ! ہم دور جاہلیت میں کچھ اعمال کرتے اللہ تعالیٰ کا قرب چاہتے کیا وہ ہمارے لیے نفع مند ہوں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سابقہ دور میں تو نے جو بھلائی کی اس وجہ سے تو مسلمان ہوا'' (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ثُمَّ، واؤ کے معنی میں ہے معنی یہ ہوگا غلام کو آزاد کرنے والا، بھوک میں کھانا کھلانے والا ایمان لانے والوں میں سے ہے۔

انہوں نے ایک دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طاعت، معاصی سے صبر اور انہیں جو مصیبت اور آزمائش پہنچی اس پر ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے ہیں اور مخلوقات پر رحم کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ جب انہوں نے ایسا کیا تو انہوں نے یتیم اور مسکین پر رحم کیا۔ یہی لوگ دائیں ہاتھ والے ہیں یعنی جن کو ان کی کتاب ان کے دائیں ہاتھ میں دی جائے گی۔ محمد بن کعب قرظی اور دوسرے علماء نے کہا: یحییٰ بن سلام نے کہا کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کے لیے یمن و برکت ہیں۔ ابن زید نے کہا: کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں پہلو سے لیے گئے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کیونکہ ان کا مقام دائیں جانب ہوگا؛ یہ میمون بن مہران نے کہا۔

جنہوں نے قرآن کا انکار کیا وہ اصحاب مشأمہ ہیں وہ اپنی کتابیں اپنے بائیں ہاتھ میں پکڑنے والے ہوں گے؛ یہ محمد بن کعب اور یحییٰ بن سلام نے کہا، کیونکہ وہ اپنی ذاتوں کے لیے بد بخت ہیں۔ ابن زید نے کہا: کیونکہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کے بائیں پہلو سے لیے گئے ہیں۔ میمون نے کہا: ان کا مقام بائیں جانب ہوگا۔

میں کہتا ہوں: ان تمام اقوال کا جامع یہ قول ہے کہ اصحاب میمنہ اصحاب جنت ہیں اور اصحاب مشأمہ اصحاب نار ہیں اللہ

1۔ مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر 24621　2۔ ایضاً، حدیث نمبر 15318

تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الْيَمِيْنِ ؕ فِيْ سِدْرٍ مَّخْضُوْدٍ ۙ (الواقعہ)
وَ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ۙ۬ مَاۤ اَصْحٰبُ الشِّمَالِ ؕ فِيْ سَمُوْمٍ وَّ حَمِيْمٍ ۙ (واقعہ) اور اس کی مثل جو آیات ہیں۔ مُّؤْصَدَةٌ کا معنی ہے بند؛ شاعر نے کہا:

تَحِنُّ إلى أجبال مَكَّةَ ناقَتِي ومِنْ دُونِهَا أبوابُ صنعاءَ مُؤصَدَة

میری اونٹنی مکہ کے پہاڑوں کی مشتاق ہے اور اس کے پیچھے صنعاء کے دروازے اس کے لیے بند ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُّؤْصَدَةٌ کا معنی مبہم ہے یہ معلوم نہیں کہ اس میں کیا داخل ہے اہل لغت کہتے ہیں: أوصدتُ الباب وآصدته یعنی میں نے دروازے کو بند کر دیا۔ جس نے أوصَدتُ کہا تو اس کے نزدیک اس کا اسم وصاد آتا ہے جس نے آصدته کہا تو پھر اسم اصاد آتا ہے۔ ابو عمرو، حفص، حمزہ، یعقوب اور شیزری نے کسائی سے مُّؤْصَدَةٌ یہاں بھی اور سورۃ الہمزہ میں بھی ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے۔ باقی قراء نے بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں۔ ابو بکر بن عیاش سے مروی ہے کہ ہمارے امام تھے وہ مُّؤْصَدَةٌ میں ہمزہ پڑھا کرتے تھے تو میں خواہش کرتا کہ جب میں سنوں تو اپنے کانوں کو بند کر لوں۔

سورۃ الشمس

آیاتہا ۱۵ ۹۱ سورۃ الشمس مکیۃ ۲۶ رکوعہا ۱

اس کے مکی ہونے میں اتفاق ہے۔ یہ پندرہ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ الشَّمۡسِ وَ ضُحٰىہَا ۪ۙ﴿۱﴾

''قسم ہے آفتاب کی اور دھوپ کی''۔

مجاہد نے کہا: وَ ضُحٰىہَا سے مراد اس کی روشنی اور اس کا چمکنا ہے۔ یہ دوسری قسم ہے۔ ضحی کو شمس کی طرف مضاف کیا کیونکہ یہ سورج کے بلند ہونے کے ساتھ ہی واقع ہوتی ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کی رونق۔ سدی نے کہا: اس کی گرمی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وَ ضُحٰىہَا کا معنی ہے اس میں روشنی روک دی اسے گرم بنا دیا۔ یزیدی نے کہا: اس سے مراد اس کا پھیلنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مخلوقات میں سے جو چیزیں ظاہر وعیاں ہوتی ہیں تو قسم سورج اور زمین کی تمام مخلوقات کی ہو گی؛ یہ ماوردی نے کہا(1): ضحا مونث ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ارتفعت الضُحی، ضَحَا، ضحوۃ سے اوپر ہوتا ہے کبھی اسے مذکر ذکر کیا جاتا ہے۔ جس نے اسے مونث قرار دیا ہے وہ اسے ضحوۃ کی جمع قرار دیتا ہے جس نے اسے مذکر گردانا ہے وہ اسے فعل کے وزن پر اسم قرار دیتا ہے جس طرح صُرَد اور نُغَر ہے یہ ظرف ہے جس طرح سَحَر، تو کہتا ہے: لقیتہٗ ضُحًا وضَحَا جب تو اس کے ساتھ اپنے دن کی ضحا مراد لے گا تو تو اسے تنوین نہیں دے گا۔ فراء نے کہا: ضحا سے مراد دن ہے جس طرح قتادہ کا قول ہے عربوں کے ہاں جو چیز معروف ہے کہ ضحا اس وقت کو کہتے ہیں جب سورج طلوع ہوا اور اس سے تھوڑا بعد کا وقت۔ جب دن اس سے زیادہ بلند ہو جائے تو اسے ضحاء کہتے ہیں جس نے الضحا کو پورا دن قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سورج کی روشنی سارا دن رہتی ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد سورج کی روشنی اور اس کی گرمی ہے تو سورج کا نور، سورج کی گرمی کے ساتھ ہی ہوتا ہے جس نے ضحی سے مراد سورج کی گرمی لی ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کیا ہے وَ لَا تَضۡحٰی ﴿۱۱۹﴾ (طٰہٰ) یعنی گرمی تجھے تکلیف نہ دے۔ مبرد نے کہا: ضحا اصل میں ضح ہے اس سے مراد سورج کا نور ہے الف دوسری حاء سے بدلا ہوا ہے، تو کہتا ہے: ضحوۃ، ضحوات علماء نے کہا: ضحوۃ میں واؤ حاء سے بدلی ہوئی ہے ضحا میں الف واؤ سے بدلا ہوا ہے۔ ابوہیثم نے کہا: ضح سایہ کی نقیض ہے یہ روئے زمین پر سورج کا نور ہے اس کی اصل ضحا ہے عربوں نے حاء کے سکون کے ساتھ یاء کو ثقیل جانا اور اسے الف سے بدل دیا۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 281

وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا ۝

''اور قسم ہے ماہتاب کی جب وہ (غروب) آفتاب کے بعد آوے''۔

یعنی وہ سورج کے پیچھے آئے یہ اس وجہ سے ہوتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو چاند دکھائی دیتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: تلوت فلانا جب تو اس کی پیروی کرے۔ قتادہ نے کہا: یہ ہلال کی رات منظر ہوتا ہے جب سورج غروب ہوتا ہے تو چاند دکھائی دیتا ہے۔ ابن زید نے کہا: جب مہینے کے نصف میں سورج غروب ہوتا ہے تو چاند طلوع کر کے اس کا پیچھا کرتا ہے اور مہینے کے آخر میں اس کے غروب کے پیچھے ہوتا ہے۔ فراء نے کہا: تَلٰىهَا کا معنی ہے اس سے حصہ لیتا ہے یہ رائے قائم کی گئی ہے کہ چاند سورج کی روشنی اخذ کرتا ہے۔ ایک قوم نے کہا: وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰىهَا کا معنی ہے جب وہ پورا ہو جائے تو چاند روشنی اور نور میں سورج کی مثل ہو جاتا ہے؛ یہ زجاج کا قول ہے۔

وَالنَّهَارِ اِذَا جَلّٰىهَا ۝

''اور قسم ہے دن کی جب وہ آفتاب کو روشن کردے''۔

یعنی اس سے پردہ ہٹا دے۔ ایک قوم کی یہ رائے ہے: جب وہ تاریکی کو دور کر دے اگرچہ ظلمت کا پہلے ذکر نہیں ہوا جس طرح تو کہتا ہے: أضحت غدا اتنا باردۃ اس سے تو یہ ارادہ کرتا ہے کہ ہمارا کھانا ٹھنڈا ہو گیا؛ یہ فراء، کلبی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قوم کا یہ نقطہ نظر ہے کہ جَلّٰىهَا میں ضمیر سورج کے لیے ہے معنی اس کا یہ ہوگا اس کی روشنی سے اس کا جسم عیاں ہو جاتا ہے؛ اس معنی میں قیس بن خطیم کا قول ہے:

تَجَلَّتْ لَنَا كَالشَّمسِ تحتَ غَمامةٍ ۔۔۔ بدا حاجبٌ منها و ضَنَّت بحاجِبِ

وہ ہمارے لیے یوں ظاہر ہوئی جس طرح سورج بادل سے ظاہر ہوتا ہے اس کا ایک آبرو ظاہر ہوا اور ایک چھپا ہوا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین میں جتنے بھی حیوانات تھے سب کو ظاہر کر دیا یہاں تک کہ وہ ظاہر ہو گئے کیونکہ رات کے وقت وہ چیزیں چھپ جاتی ہیں اور دن کے وقت وہ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ دنیا کو روشن کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمین کو روشن کر دے اگرچہ ان کا پہلے ذکر نہیں ہوا اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: حَتّٰى تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ۝ (ص)

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰىهَا ۝

''اور رات کی جب وہ اسے چھپا لے''۔

یعنی سورج کو ڈھانپ لے یعنی جب سورج غروب ہوتا ہے تو اس کی روشنی کو رات ختم کر دیتی ہے؛ یہ مجاہد اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ تاریکیوں کے ساتھ دنیا کو ڈھانپ لیتی ہے تو آفاق تاریک ہو جاتے ہیں، ضمیر ایسے اسم کی طرف لوٹ رہی ہے جو پہلے مذکور نہیں۔

وَالسَّمَآءِ وَمَا بَنٰىهَا ۝

''اور قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی''۔

قسم ہے آسمان کی اور اس کے بنانے والے کی جس طرح فرمایا: بِمَا غَفَرَ لِیْ رَبِّیْ (یاسین: 27) میرے رب کے بخشنے کے ساتھ؛ یہ قتادہ کا قول ہے؛ مبرد نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے قسم ہے اس کی جس نے اس کو بنایا؛ یہ حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے یہی طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے یعنی جس نے اسے پیدا کیا اور اسے بلند کیا وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اہل حجاز سے یہ منقول ہے کہ سبحان ما سبحتك لهكا معنی ہے پاک ہے وہ ذات جس کی تسبیح بیان کرتی ہے ہر چیز۔

وَالْاَرْضِ وَمَا طَحٰىهَا ۪ۙ﴿۶﴾

''اور زمین کی اور اس کو بچھانے والے کی''۔

قسم ہے زمین کی اور اس کے ہموار کرنے کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مَا، من کے معنی میں ہے جس کا ہم نے ابھی ابھی ذکر کیا ہے یعنی جس نے اس کو پھیلایا۔ عام مفسرین کی یہی رائے ہے کہ اس کا معنی وہی ہے جو دحاھا کا ہے۔ حضرت حسن بصری، مجاہد اور دوسرے علماء کی رائے یہ ہے: طَحٰىهَا اور دحاھا کا معنی ایک ہی ہے یعنی ہر جانب اسے پھیلا دیا۔ طحو کا معنی پھیلانا ہے طَحَا، طَحْوًا اور طَحَی، یَطْحِی، طَحْیًا دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ طَحَیْتُ میں پہلو کے بل لیٹا؛ یہ ابو عمرو سے مروی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طحاھا کا معنی ہے اسے تقسیم کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے اسے پیدا کیا؛ شاعر نے کہا:

وما تَدْرِی جَذِیمة من طَحَاها ولا مَنْ ساكِنُ العرش الرَّفِیعِ

جذیمہ نہیں جانتی کہ اسے کس نے پیدا کیا اور نہ اسے یہ پتہ ہے کہ عرش رفیع کا رہنے والا کون ہے۔

ماوردی نے کہا: اس بارے میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ اس سے مراد نباتات، چشمے اور خزانے ہوں کیونکہ جو زمین پر پیدا کیے گئے ہیں یہ ان کی حیات کا سبب ہیں (1)۔ بعض عربوں کی قسموں میں یوں کہا جاتا ہے: لا والقمر الطاحی یعنی وہ چاند جو چھا نکنے والا روشن اور بلند ہے۔ ابو عمرو نے کہا: طحا الرجلُ جب وہ زمین میں دور چلا جائے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما ادری أین طحا؟ میں نہیں جانتا وہ کہاں چلا گیا؟ یہ جملہ بولا جاتا ہے: طَحَابِهٖ قَلْبُہ یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب ہر چیز اسے بہا لے جائے۔ علقمہ نے کہا:

طَحَابِكَ قَلْبٌ فی الحِسانِ طَرُوبٌ بُعَیْدُ الشَّبابِ عَصْرَ حانَ مَشِیبُ

شعر میں یہ لفظ اسی معنی میں ہے۔

وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۪ۙ﴿۷﴾

''اور قسم ہے نفس کی اور اس کو درست کرنے والے کی''۔

اس میں مَا مصدریہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مَا، من کے معنی میں ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ نفس کے بارے

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 273

میں دو قول ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر نفس مراد ہے۔ سوی کا معنی تیار کرنا ہے۔ مجاہد نے کہا: سَوّٰىهَا کا معنی ہے اس کی خلقت کو درست کیا اور اسے معتدل بنایا۔ یہ تمام اسماء قسم کے طور پر مجرور ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات کی قسم اٹھائی کیونکہ اس میں اس کی صنعت کے عجائب ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۝۸

''پھر اس کے دل میں ڈال دیا اس کی نافرمانی اور اس کی پارسائی کو''۔

یعنی اسے پہچان کرادی، ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے یعنی اسے فجور اور تقوی کے راستہ کی پہچان کرادی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ مجاہد نے یہ بھی کہا: اسے طاعت اور معصیت کی پہچان کرادی۔ محمد بن کعب سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے میں سے کسی کے ساتھ بھلائی کی امید کرتا ہے تو اس کے دل میں بھلائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے اور جب اس کے بارے میں برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو برائی کا الہام کرتا ہے تو وہ اس پر عمل کرتا ہے۔ فراء نے کہا: فَاَلْهَمَهَا کا معنی ہے اسے خیر اور شر کے راستہ کی پہچان کرادی جس طرح فرمایا: وَ هَدَيْنٰهُ النَّجْدَيْنِ ۝ (البلد) ہم نے اسے دونوں راستوں کی پہچان کرادی۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ مومن متقی کو تقویٰ کا الہام کیا اور فاجر کو فجور کا الہام کیا۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے کہ اس کے لیے فجور اور تقوی کو واضح کر دیا۔ تمام معانی قریب قریب ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی تو یوں دعا کی اللّٰهم آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا وزَكِّهَا أنت خيرُ من زَكَّاها أنت وليُّها و مولاها اے اللہ! میرے نفس کو اس کا تقویٰ عطا فرما اسے پاک کر دے تو بہترین پاک کرنے والا ہے تو ہی اس کا ولی اور آقا ہے۔

جویبر نے ضحاک سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت کرتے تو اپنی آواز کو بلند کرتے پھر دعا کرتے: اللّٰهم آتِ نَفْسِي تَقْوَاهَا أنت وليُّها و مولاها و أنتَ خيرُ مَنْ زَكَّاها(1) اے اللہ! میرے نفس کو تقویٰ عطا فرما تو اس کا ولی اور اس کا آقا ہے اور تو اسے بہترین پاک کرنے والا ہے۔

صحیح مسلم میں ابو الاسود دؤلی سے مروی ہے کہ مجھے عمران بن حصین نے کہا: مجھے بتایئے جو لوگ آج عمل کر رہے ہیں اور تگ و دو کر رہے ہیں کیا یہ ایسی شئی ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور اس پر تقدیر کا فیصلہ ہو چکا ہے یا جو ان کا نبی ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہوئی ہے اس پر زمانہ آئندہ میں عمل کرنے والے ہیں؟ میں نے کہا: بلکہ یہ ایسی شئی ہے جس کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ اس نے کہا: کیا یہ ظلم نہیں۔ کہا: میں اس بات سے سخت خوفزدہ ہوا اور میں نے کہا: ہر شئی اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور مملوک ہے وہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں کی جاسکتی بلکہ لوگوں سے باز پرس کی جائے گی۔ انہوں نے مجھے کہا: اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم کرے جو میں نے تجھ سے سوال کیا ہے اس سے میں نے کسی چیز کا سوال نہیں کیا تھا مگر اس چیز کا کہ تیرا امتحان لوں۔ مزینہ کے دو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے انہوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! بتایئے لوگ جو

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 284

آج عمل کرتے ہیں اور جس کے بارے میں تگ ودو کرتے ہیں کیا یہ ایسی چیز ہے جس کا ان کے بارے میں فیصلہ ہو چکا ہے تقدیر ان پر سبقت لے جا چکی ہے یا ان کا نبی جو ان کے پاس لایا ہے اور ان پر حجت قائم ہو چکی ہے اس بارے میں وہ زمانہ آئندہ میں جمع کرنے والے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نہیں بلکہ یہ ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ان میں نافذ ہو چکا ہے اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ نَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰىهَا ۙ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۙ''(1) فجور اور تقویٰ دونوں مصدر ہیں مفعول بہ کے قائم مقام ہیں۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ

''یقیناً فلاح پا گیا جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا اور یقیناً نامراد ہوا جس نے اس کو خاک میں دبا دیا''۔

یہ جواب قسم ہے اور لقد افلح کے معنی میں ہے۔ زجاج نے کہا: لام اس لیے حذف ہوا کیونکہ کلام طویل ہو چکی تھی پس اس کا طویل ہونا ہی اس کا عوض بن گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جواب محذوف ہے سورج کی قسم، اس کی قسم اور اس کی قسم تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا۔ زمخشری نے کہا: اللہ تعالیٰ اہل مکہ پر ایسا عذاب مسلط کرے گا کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا جس طرح اس نے قوم ثمود پر عذاب کو مسلط کیا کیونکہ انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کو جھٹلایا تھا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۙ ایسی کلام ہے جو پہلی کلام کے تابع ہے کیونکہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَ تَقْوٰىهَا ۙ بطور استطراد مذکور ہے۔ یہ جواب قسم نہیں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بغیر حذف کے کلام میں تقدیم وتاخیر ہے اس کا معنی یہ ہے تحقیق جس نے نفس کا تزکیہ کر لیا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اس کو دبا دیا وہ خائب وخاسر ہو گیا قسم ہے سورج اور اس کی روشنی کی۔

اَفْلَحَ کا معنی کامیاب ہونا مَنْ زَكّٰىهَا اللہ تعالیٰ نے طاعت کے ساتھ جس کے نفس کو پاک کیا۔ وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا ؕ یعنی وہ نفس خسارہ میں ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ نے نافرمانی کی وجہ سے دبا دیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ نفس خائب وخاسر ہوا جس کو اس نے گمراہ کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جس نے اپنے نفس کو اللہ تعالیٰ کی طاعت اور اچھے اعمال کے ساتھ پاکیزہ کیا وہ کامیاب ہو گیا جس نے اپنے نفس کو معاصی میں دبایا وہ خائب وخاسر ہو گیا؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء کی رائے ہے: زکاۃ کا اصل معنی بڑھنا اور زیادتی ہے اس معنی میں زکا الزرع ہے جس سے اس کی پیداوار بڑھ جائے اس معنی میں قاضی کا گواہ کا تزکیہ کرنا ہے کیونکہ قاضی اسے عادل قرار دے کر اور اچھے ذکر کے ساتھ اس کا مرتبہ بلند کر دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ کے آغاز میں یہ معنی مکمل گزر چکا ہے۔ نیکی کرنے والا اور نیکی کے اعمال کی طرف جلدی کرنے والا اپنے نفس کو بلند کیا کرتا تھا عربوں میں سے سخی لوگ ٹیلوں اور بلند مقامات پر فروکش ہوتے تھے تاکہ ضرورت مندوں کے لیے ان کا مکان مشتہر ہو اور وہ مسافروں کے لیے آگ روشن کیا کرتے تھے اور کمینے لوگ غاروں، اطراف اور زیریں علاقوں میں پڑاؤ ڈالتے تاکہ ضرورت مندوں سے ان کا مکان مخفی رہے کم مروت رکھنے والا شخصیت کو چھپانے والا، معاصی کے زیادہ ہونے کی وجہ سے سر جھکائے ہوئے ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: دَسّٰىهَا کا معنی ہے اس کو گمراہ کرنا۔ شاعر نے کہا:

1۔ مسند امام احمد بن حنبل حدیث 19936

وأنتَ الذِی دَسَّیتَ عَمرا فأصبحتْ حلائلُه من أرامِلَ ضُیَّعا

تو وہ ہے جس نے عمر قبیلہ کو برباد کیا تو اس کی عورتیں بیوہ اور ضائع ہو گئیں۔

اہل لغت نے کہا: اصل دسس ہے جو تدسیس سے مشتق ہے اس کا معنی کسی شئی کو دوسری شئی میں چھپانا ہے اس کی سین یاء میں بدل دی گئی، جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: قصیت أظفاری اصل میں قصصت اظفاری تھا۔ اس کی مثل تقضض ہے اب تقضی پڑھتے ہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: وَ قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا کا معنی ہے اس نے اپنے نفس کو صالحین کی جماعت میں چھپایا جب کہ وہ ان میں سے نہ تھا تو وہ خائب و خاسر ہو گیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِطَغْوٰىهَاۤ ﴿۱۱﴾ اِذِ انْۢبَعَثَ اَشْقٰىهَا ﴿۱۲﴾ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَ سُقْیٰهَا ﴿۱۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا ۙ۬ فَدَمْدَمَ عَلَیْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا ﴿۱۴﴾

"جھٹلایا قوم ثمود نے (اپنے پیغمبروں کو) اپنی سرکشی کے باعث، جب اٹھ کھڑا ہوا ان میں سے ایک بڑا بدبخت تو کہا انہیں اللہ کے رسول نے کہ (خبردار رہنا) اللہ کی اونٹنی اور اس کے پانی کے باری سے۔ پھر بھی انہوں نے جھٹلایا رسول کو اور اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں، پس ہلاک کر دیا انہیں ان کے رب نے ان کے گناہ (عظیم) کے باعث اور سب کو پیوند خاک کر دیا"۔

طغوی سے مراد طغیانی ہے اس کا معنی نافرمانی میں حد سے نکل جانا ہے؛ یہ مجاہد، قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: طغوی سے مراد وہ عذاب ہے جس کی انہیں دھمکی دی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو عذاب ان پر آیا تھا اس کا نام طغوی تھا، کیونکہ عذاب ان پر سرکش ہو گیا تھا۔ محمد بن کعب نے کہا: طغواھا کا معنی ہے سب کے سب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے اس طریقہ پر اسے اس لیے لایا گیا ہے کیونکہ آیات کے سروں کے اعتبار سے یہ زیادہ موافق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کی اصل طَغیاھا ہے مگر جب فعلی اسمی ہو تو اس کی یاء کو واؤ سے بدل دیتے ہیں تاکہ اسم اور وصف کے درمیان فرق کیا جائے۔ عام قراءت طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

حضرت حسن بصری، جحدری اور حماد بن سلمہ نے اسے طاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے کیونکہ یہ مصدر ہے جس طرح رُجعٰی، حُسنٰی ہے یہ مصادر میں ان دونوں کے مشابہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں لغتیں ہیں۔

جب اونٹنی کی کونچیں کاٹنے کے لیے ان میں سے بدبخت ترین اٹھا اس کا نام قدار بن سالف تھا اس کے بارے میں گفتگو سورۃ الاعراف میں گزر چکی ہے کیا وہ ایک فرد تھا یا جماعت تھی؟ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا اور اونٹنی اور اس کی کونچیں کاٹنے کا ذکر کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب اس کی کونچیں کاٹنے کے لیے ایک ایسا آدمی اٹھا جو عزیز، جابر اپنے خاندان میں طاقتور تھا جس طرح ابو زمعہ ہے" (1) اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 16222

ضحاک نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے بدبخت کون تھا؟'' میں نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا'' پوچھا: ''کیا تو جانتا ہے کہ بعد والوں میں کون بدبخت ترین ہے؟'' میں نے عرض کی: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں: فرمایا: ''تجھے شہید کرنے والا'' (1)۔

رسول اللہ سے مراد حضرت صالح علیہ السلام ہیں لفظ ناقۃ، تحذیر کے قاعدہ کے مطابق منصوب ہے جس طرح تو کہتا ہے: الاسد الاسد، الصبی الصبی، الحذار الحذار۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے سے بچو۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ تعالیٰ کی اونٹنی سے بچو، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ وَ لَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (الاعراف) یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے جس میں تمہارے لیے نشانی ہے اسے چھوڑے رکھو اللہ تعالیٰ کی زمین میں چرتی پھرے اسے کوئی نقصان نہ پہنچاؤ کہ تمہیں عذاب الیم اپنی گرفت میں لے لے۔

اس کی باری سے بھی بچو۔ سورۃ الشعراء میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ سورۃ اقتربت الساعۃ میں یہ بحث گزر چکی ہے جب انہوں نے اونٹنی کا مطالبہ کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اسے چٹان سے نکالا اور ان کے کنویں سے ایک دن کی باری ان کے لیے مختص فرما دی اور ایک دن کی باری اس اونٹنی کے لیے معین کر دی۔ یہ انداز ان کے لیے بڑا شاق گزرا۔

انہوں نے حضرت صالح علیہ السلام کی اس بات میں تکذیب کی اگر تم نے اس کو زخمی کیا تو تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ بدبخت ترین انسان نے اس کی کونچیں کاٹ دیں اس عمل کو ان سب کی طرف منسوب کیا کیونکہ تمام اس کے عمل سے راضی تھے۔ قتادہ نے کہا: ہمارے سامنے یہ بات ذکر کی گئی ہے کہ اس نے اس کی کونچیں نہ کاٹیں یہاں تک کہ ان کے چھوٹے، بڑے، مذکر اور مونث نے اس کی موافقت نہ کی۔ فراء نے کہا: دو آدمیوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹی تھیں۔ عرب کہتے ہیں: هذان افضل الناس، هذان خيرُ الناس، هذه المرأة أشقى الناس یعنی اسم تفضیل مذکر کا صیغہ ہی استعمال ہوتا ہے اسی وجہ سے تثنیہ کا ذکر نہیں کیا۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے گناہ یعنی کفر، تکذیب اور کونچیں کاٹنے کے باعث ان پر عذاب کو برابر کر دیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ کا معنی ہے ان کے رب نے ان کے گناہ کے باعث انہیں تباہ و برباد کر دیا (2)۔ فراء نے کہا: دمدم کا معنی ہے زلزلہ برپا کرنا۔ دمدمہ کی حقیقت یہ ہے عذاب کو کئی گنا کرنا اور اس کو بار بار لانا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: دممت على الشئ میں نے اس پر بند کر دیا۔ دَمَّمَ عليه القبرَ اس پر قبر کو بند کر دیا۔ ناقة مدمومة ایسی اونٹنی جس پر چربی چڑھی ہوئی ہو جب تو نے بار بار بند کیا تو تو نے کہا: دمدمت۔ دمدمہ کا معنی ہے جڑ ختم کرتے ہوئے ہلاک کرنا، یہ مورج کا قول ہے۔ صحاح میں ہے: دمدمت الشی جب تو اسے زمین کے ساتھ لٹکا دے۔ دمدم الله عليهم اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر دیا: یہ قشیری کا نقطہ نظر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: دمدمتُ على

1۔ مسند امام احمد، فضائل صحابہ، حدیث نمبر 953 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 494

المیتَ التراب میں نے میت پر مٹی ڈال دی۔ دمدم علیھم انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں مٹی کے نیچے کر دیا۔ ان پر زمین کو برابر کر دیا۔ پہلی تعبیر کی صورت میں معنی ہوگا: ان پر دمدمہ اور ہلاکت کو برابر کر دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ صیحہ نے انہیں ہلاک کر دیا تھا وہ ان میں سے چھوٹے اور بڑے تک جا پہنچی۔ ابن انباری نے کہا: دمدم کا معنی ہے غضبنا ک ہوا۔ دمدمہ ایسی گفتگو کو کہتے ہیں جو انسان کو پریشان کرتی ہے۔ ایک لغوی نے کہا: دمدمہ کا معنی ادامہ ہے عرب کہتے ہیں: ناقۃ مدمومۃ یعنی موٹی اونٹنی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فسواھا میں ھاء ضمیر سے مراد عذاب کے نازل کرنے میں امت کو برابر کر دیا، ان کے چھوٹے، بڑے، پست، معزز، مذکر اور مونث سب اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ حضرت ابن زبیر نے اسے فَدَ فدَمَ پڑھا ہے۔ یہ دونوں لغتیں ہیں جس طرح ان دونوں لفظوں کا معنی ایک ہی ہے اُمْتُقِعَ لونہٗ، اُنْتُقِعَ لونہٗ۔

وَلَا يَخَافُ عُقْبٰهَا ۝

"اور کوئی نہیں ڈر اللہ کو ان کے (تباہ کن) انجام کا"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ معاملہ کیا جب کہ اسے یہ کوئی خوف نہیں تھا کہ کس کی جانب سے عذاب کا ردعمل پہنچے گا۔ حضرت ابن عباس، قتادہ، حضرت حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے: عُقْبٰهَا میں جو ضمیر ہے فعلۃ (عمل) کی طرف لوٹ رہی ہے جس طرح اس جملہ میں ہے: من اغتَسَلَ یومَ الجمعۃ فَبِهَا ونِعمَتْ (1) جس نے جمعہ کے روز غسل کیا اس نے بہت اچھا عمل کیا یہاں بھی ھاء ضمیر سے مراد فعلۃ اور خصلۃ ہے۔ ضحاک، سدی اور کلبی نے کہا: یہ ضمیر عاقر کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی وہ آدمی جس نے کونچیں کاٹ دی تھیں وہ اپنے کیے کے انجام سے نہ ڈرا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی قول ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اس کی تقدیر یہ بنے گی اذ انبعثَ اشقاھا ولا یخاف عقباھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: اللہ کے رسول حضرت صالح علیہ السلام کو اپنی قوم کی ہلاکت کا کوئی خوف نہ تھا اور نہ ہی یہ ڈر تھا کہ ان کے عذاب کا ضرر ان کی طرف عود کر آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خبردار کیا تھا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کو ہلاک کیا تھا، اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات عطا فرمائی تھی۔

نافع اور ابن عامر نے فلا پڑھا ہے یہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس صورت میں کلام پہلے معنی کی طرف لوٹتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہلاکت سے نہیں ڈرتا جب کہ باقی قراء نے اسے واؤ کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ دوسرے معنی سے زیادہ مناسب ہے یعنی کافر اپنے کیے کے انجام سے نہیں ڈرتا۔ ابن وہب اور ابن قاسم نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے دونوں نے کہا: امام مالک نے اپنے دادا کا مصحف نکالا ان کا خیال تھا یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں انہوں نے لکھا تھا جب مصاحف لکھے گئے تھے ان میں وَلَا يَخَافُ تھا اہل مکہ اور عراقیوں کے مصاحف میں بھی واؤ کے ساتھ ولا یخاف ہے، ابو عبید اور ابو حاتم نے ان کے مصاحف کی بنا پر اس کو اختیار کیا۔

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، حدیث نمبر 300، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ اللیل

آیاتہا ۲۱ — ۹۲ سورۃ اللیل مکیۃ ۹ — رکوعہا ۱

یہ مکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ مدنی ہے۔ اس کی اکیس آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الله کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ۙ﴿۱﴾ وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۙ﴿۲﴾ وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ۙ﴿۳﴾ اِنَّ سَعۡیَکُمۡ لَشَتّٰی ؕ﴿۴﴾

”قسم ہے رات کی جب وہ ہر چیز پر چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر اور مادہ کو بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں“۔

وَ الَّیۡلِ اِذَا یَغۡشٰی ﴿۱﴾ قسم ہے رات کی جب وہ چھا جائے۔ فعل کا مفعول ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کا مفعول معلوم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ النَّھَار (دن) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ الارض (زمین) ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا مفعول بہ الخلائق ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس نے ہر شئی کو اپنی تاریکی سے ڈھانپ لیا۔ سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ الله تعالیٰ نے سب سے پہلے نور اور ظلمت کو پیدا کیا پھر ان دونوں کو ایک دوسرے سے ممتاز کیا۔ اس نے تاریکی کو سخت سیاہ اور نور کو انتہائی روشن بنا دیا۔

وَ النَّہَارِ اِذَا تَجَلّٰی ﴿۲﴾ قسم ہے دن کی جب وہ منکشف وظاہر ہو جائے اور اپنی روشنی کے ساتھ رات کی تاریکی سے جدا ہو جائے۔

وَ مَا خَلَقَ الذَّکَرَ وَ الۡاُنۡثٰۤی ﴿۳﴾ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کا معنی ہے جس نے مذکر اور مونث کو پیدا کیا(1)۔ الله تعالیٰ نے خود اپنی ذات کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا: مذکر اور مونث پیدا کرنے کی قسم۔ یہاں مَا مصدریہ ہے جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ اہل مکہ رعد (کڑک) کے بارے میں کہتے ہیں: سبحان ما سبحت لہ تو ما، من کے معنی میں ہے؛ یہ ابو عبید اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے وما خلق من الذکر والانثی تو من مضمر ہوگا تو قسم اہل طاعت یعنی انبیاء و اولیاء کی ہوگی۔ تو یہ قسم ان کی تکریم اور تعظیم کے لیے ہوگی۔ ابو عبید نے کہا: مَا، من کے معنی میں ہے اسی طرح ان آیات میں بھی مَا، من کے معنی میں ہے: وَ السَّمَآءِ وَ مَا بَنٰىہَا ۪ۙ﴿۵﴾ وَ الۡاَرۡضِ وَ مَا طَحٰىہَا ۪ۙ﴿۶﴾ وَ نَفۡسٍ وَّ مَا سَوّٰىہَا ۪ۙ﴿۷﴾ (الشمس)

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 458

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: وہ یوں قراءت کرتے والنھار إذا تجلی والذکر والأنثی اور ما خلق کو گرا دیتے۔ صحیح مسلم میں علقمہ سے مروی ہے: ہم شام آئے اور ہمارے پاس حضرت ابو درداء آئے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو مجھ پر حضرت عبداللہ کی قراءت پڑھے؟ میں نے کہا: ہاں۔ انہوں نے پوچھا: تو نے حضرت عبداللہ کو یہ آیت وَ الَّيْلِ إِذَا يَغْشٰى ۞ کیسے پڑھتے ہوئے سنا ہے؟ کہا: میں نے انہیں واللیل إذا یغشی والذکر والأنثی پڑھتے ہوئے سنا ہے، کہا: اللہ کی قسم! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے ہوئے سنا ہے لیکن یہ لوگ ارادہ رکھتے ہیں کہ میں پڑھوں وَ مَا خَلَقَ میں ان کی موافقت نہیں کروں گا۔ ابوبکر انباری نے کہا: محمد بن یحییٰ مروزی، محمد سے وہ ابو احمد زبیری سے وہ اسرائیل سے وہ ابو اسحاق سے وہ عبدالرحمن بن یزید سے وہ حضرت عبداللہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اِنِّي أَنَا الرزاق ذُو القوۃ المتین (1) پڑھ کر سنایا ہے ابوبکر نے کہا: ان دونوں حدیثوں میں سے ہر ایک مردود ہے کیونکہ اجماع ان کے خلاف ہے حمزہ اور عاصم حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے وہ روایت نقل کرتے ہیں جس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے ایسی دو سندوں پر انحصار کرنا جو اجماع کے موافق ہوں، اس سے بہتر ہے کہ کسی ایک ایسی سند کو اپنایا جائے اجماع امت جس کی مخالفت کرے۔ جو حکم ایک روایت پر مبنی ہو جب وہ جماعت کی ایسی روایت کے مقابل آ جائے جو اس کی مخالفت کر رہی ہو تو جماعت کی روایت کو لینا یہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ایک روایت میں نسیان اور غفلت کا امکان موجود ہے۔

اگر حضرت ابو درداء کی حدیث صحیح ہو اور اس کی سند مقبول و معروف ہو پھر حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی شیر خدا اور دوسرے صحابہ اس کی مخالفت کرتے ہوں تو اس پر عمل کرنا مناسب ہے جسے جماعت نے روایت کیا ہے جو ایک تنہا روایت کرتا ہے اس کو چھوڑنا مناسب ہے جسے جلدی نسیان ہو سکتا ہے جب کہ جماعت اور تمام ملت کے لیے ایسا نہیں ہوتا۔

مذکر اور مونث میں دو قول ہیں:

(۱) اس سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری اور کلبی کا قول ہے۔

(۲) انسانوں اور مخلوقات میں سے جو مذکر اور مونث ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سب کو مذکر و مونث کی صورت میں پیدا کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مذکر و مونث انسانوں میں سے ہیں چوپاؤں میں سے نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طاعت و ولدیت میں یہی خاص ہیں۔

إِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۞ یہ جواب قسم ہے معنی ہے تمہارا عمل مختلف ہے۔ عکرمہ اور دوسرے مفسرین نے کہا: سعی کا معنی عمل ہے کوئی اپنے نفس کو بچانے میں لگا ہوا ہے اور کوئی اسے ہلاک کرنے میں مصروف ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان دلالت کرتا ہے: النَّاسُ غادِيَانِ فمبتاع نفسہ فمعتقھا وبائع نفسہ فموبقھا (2) لوگ دو طرح صبح کرتے ہیں اپنے نفس کو خریدنے والا اور اسے آزاد کرنے والا ہوتا ہے، اپنے نفس کو بیچنے والا اسے ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔ شتی، شتیت کی جمع

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب الحروف القراءۃ، حدیث نمبر 3479، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 22902

ہے جس طرح مریض کی جمع مرضی آتی ہے۔ مختلف کو بھی شتی کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس کا بعض بعض سے دور ہوتا ہے یعنی تیرا عمل ایک دوسرے سے دور ہے کیونکہ اس کا بعض گمراہی ہے اور بعض ہدایت ہے یعنی تم میں سے کچھ مومن و نیک ہیں، کافرو فاجر ہیں، مطیع و عاصی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ لَشَتّٰی سے مراد ہے جس کے اجزاء مختلف ہوں۔ ان میں سے بعض کو جنت کا ثواب ملے گا اور کچھ کو جہنم کا عقاب ملے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اخلاق مختلف ہیں تم میں سے کچھ رحم دل اور کچھ سخت دل ہیں، کچھ بردبار اور کچھ طیش والے ہیں، کچھ سخی اور کچھ بخیل ہیں اور اس کی مثل دوسرے ہیں۔

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰى ﴿۷﴾ وَ اَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَ اسْتَغْنٰى ﴿۸﴾ وَ كَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ﴿۱۰﴾

"پھر جس نے (راہ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا اور (جس نے) اچھی بات کی تصدیق کی تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ۔ اور جس نے بخل کیا اور بے پرواہ بنا رہا اور اچھی بات کو جھٹلایا تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے مشکل راہ"۔

اس میں چار مسائل ہیں۔

اس آیت کا مصداق اور عطا کی فضیلت

مسئلہ نمبر 1۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس آیت کا مصداق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں؛ عام مفسرین نے بھی یہی کہا ہے۔ عامر بن عبداللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق مسلمان بوڑھے مرد اور عورتوں کو آزاد کیا کرتے تھے تو ان کے والد حضرت ابوقحافہ نے ان سے کہا: اے بیٹے! کاش تم قوی و طاقتور غلام آزاد کرتے جو تیرا دفاع کرتے اور تیرے ساتھ کھڑے ہوتے؟ حضرت ابوبکر صدیق نے کہا: اے میرے ابا جان! میں ارادہ کرتا ہوں جو ارادہ کرتا ہوں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اَعْطٰى کا معنی ہے خرچ کیا اور اتَّقٰى کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا سے بچا۔

وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿۶﴾ حسنیٰ سے مراد ہے کہ بندہ جو عطا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر بدلہ عطا کرتا ہے اس کی تصدیق کی۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے: "ما من یوم یصبح العباد فیه إلا و ملكان ینزلان فیقول أحدهما: اللّٰهم أعط منفقا خلفا ویقول الآخر اللّٰهم أعط ممسكا تلفا (2) کوئی دن نہیں ہوتا جس میں لوگ صبح کرتے ہیں مگر دو فرشتے اترتے ہیں ان میں سے ایک کہتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدل عطا فرما اور دوسرا کہتا ہے: اے اللہ! روکنے والے کو بربادی دے"۔

حضرت ابو درداء سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کسی دن کا سورج غروب نہیں ہوتا مگر اس کے پہلو میں دو فرشتے اعلان کرتے ہیں جس اعلان کو اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق سنتی ہے مگر جن وانس: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 466
2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8054

بدلہ عطا فرما اور روکنے والے کو بربادی دے''۔ اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم نازل فرمایا۔

علماء تفسیر نے فرمایا: مَنْ اَعْطٰی سے مراد ہے تنگ دستوں کو مال عطا کیا۔ قتادہ نے کہا: اس بندے پر اللہ تعالیٰ کا جو حق تھا وہ عطا کیا۔ حضرت حسن بصری نے کہا: دل سے سچی بات کہی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی سے مراد ہے اس نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تصدیق کی؛ یہ ضحاک، سلمی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: مجاہد نے کہا: حسنیٰ سے مراد جنت ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰی وَ زِیَادَةٌ (یونس: 26) قتادہ نے کہا: حسنیٰ سے مراد اللہ تعالیٰ کا وعدہ جو اس نے بندے سے بدلہ دینے کا کیا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: اس سے مراد نماز، زکوٰۃ اور روزہ ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس سے مراد عطا کا بدلہ ہے؛ یہی طبری کا پسندیدہ مسلک ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول پہلے گزر چکا ہے۔ سب کے معانی قریب قریب ہیں، کیونکہ سب معانی اسی ثواب کی طرف لوٹتے ہیں جو جنت ہے۔

تنگی کو آسانی میں بدلنے کی وضاحت

مسئلہ نمبر 2۔ فَسَنُیَسِّرُهٗ لِلْیُسْرٰی ؁ ہم اسے خیر اور صلاح کے اسباب کی طرف ہدایت دیتے ہیں یہاں تک کہ اس کے لیے ان اسباب کو بجا لانا آسان ہو جاتا ہے۔ زید بن اسلم نے کہا: یسریٰ سے مراد جنت ہے۔ صحیحین اور ترمذی میں حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے: ہم بقیع میں جنازہ میں تھے نبی کریم ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ بیٹھے اور ہم بھی آپ ﷺ کے ساتھ بیٹھ گئے آپ ﷺ کے پاس ایک لکڑی تھی جس کے ساتھ آپ ﷺ زمین کو کرید رہے تھے رسول اللہ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا۔ فرمایا: ''ہر نفس کے داخل ہونے کی جگہ کو لکھ دیا گیا ہے''۔ لوگوں نے عرض کی: یا رسول اللہ! ﷺ کیا ہم اپنے کیے پر بھروسہ نہ کریں؟ جو سعادت مند ہوگا تو وہ سعادت کا کام کرے گا اور جو بدبخت ہوگا تو وہ بدبختوں والا کام کرے گا۔ فرمایا: ''بلکہ تم عمل کرو ہر ایک کو توفیق دی گئی ہے جو سعادت مند ہوتا ہے تو اسے سعادت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور جو بدبخت ہوتا ہے تو اسے بدبختی کے عمل کا موقع دیا جاتا ہے پھر پڑھا: جس نے مال عطا کیا، تقویٰ اختیار کیا اور حسنیٰ کی تصدیق کی تو ہم اسے آسان عمل کی توفیق دیں گے اور جس نے بخل کیا، غنی بنا اور حسنیٰ کی تکذیب کی تو ہم اسے عسریٰ کا موقع دیں گے''(1)۔ الفاظ ترمذی کے ہیں: اس حدیث کے بارے میں ارشاد فرمایا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ دو نوجوانوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا: کیا عمل ایسی چیز ہے جس کے بارے میں قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے؟ یا عمل ایسی چیز ہے جس کا فیصلہ بعد میں ہونا ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلکہ یہ ایسا عمل ہے جس کے بارے میں قلم خشک ہو چکے ہیں اور تقدیر جاری ہو چکی ہے'' دونوں نے عرض کی: ''پھر عمل کس لیے؟ فرمایا: عمل کرو ہر ایک کو ایسے عمل کی توفیق دی جاتی ہے جس کے لیے اسے پیدا کیا گیا ہے'' دونوں نے کہا: اب ہم کوشش کریں گے اور ہم عمل کریں گے (2)۔

1۔ جامع ترمذی کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اللیل اذا یغشیٰ، حدیث نمبر 3267، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 473

عسریٰ کو آسان کرنے کا مفہوم اور صورتیں

مسئلہ نمبر 3۔ وَ اَمَّا مَنۡۢ بَخِلَ وَ اسۡتَغۡنٰی ۙ﴿۸﴾ وَ کَذَّبَ بِالۡحُسۡنٰی ۙ﴿۹﴾ فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی ﴿ؕ۱۰﴾ یعنی جس نے اپنے پاس موجود مال میں بخل کیا اور مال خرچ نہ کیا۔ اس کی وضاحت اور دنیا میں اس کے پھل کے میں بارے میں گفتگو سورۂ آل عمران میں گزر چکی ہے اور آخرت میں اس کا ٹھکانا آگ ہوگا جس طرح اس آیت میں ہے۔ ضحاک نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے میں اس کے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے درمیان حائل ہو جاؤں گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ امیہ بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے جس نے مال میں بخل کیا اور سب سے غنی بنا اور بدلہ کو جھٹلایا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حسنیٰ سے مراد جنت ہے۔ ایک دوسری سند سے یہ قول بھی مروی ہے کہ حسنیٰ سے مراد لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے۔ ہم اس کا راستہ شر کے لیے آسان کر دیتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ عسریٰ سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم اس پر خیر اور صلاح کے اسباب مشکل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ ان کو بجالانا اس کے لیے مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے کہ فرشتہ صبح و شام ندا کرتا ہے: اے اللہ! خرچ کرنے والے کو بدلہ عطا کرنا اور روکنے والے کو بربادی دینا۔ اسے حضرت ابو درداء نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: علماء نے کہا: اس آیت نیز اس ارشاد وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ (البقرہ) اور اس ارشاد: اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمۡ بِالَّیۡلِ وَ النَّہَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَۃً (البقرہ: 274) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سخاوت مکارم اخلاق میں سے ہے اور بخل رذیل اخلاق میں سے ہے سخی وہ نہیں جو ایسی جگہ مال دے جو مال دینے کا محل نہ ہو اور بخیل وہ نہیں جو روکنے کی جگہ سے مال روک لے بلکہ سخی وہ ہے جو عطا کی جگہ مال عطا کرے اور بخیل وہ ہے جو عطیہ کی جگہ روک لے ہر وہ آدمی جو عطا کرنے کے ساتھ اجر اور حمد کا مستحق بنتا ہے وہ جواد ہے اور ہر وہ آدمی جو مال روکنے کے ساتھ مذمت اور عتاب کا مستحق بنتا ہے تو وہ بخیل ہے اور جو عطا کے ساتھ اجر اور حمد کا مستحق نہیں بنتا بلکہ وہ مذمت کا مستحق بنتا ہے تو وہ سخی نہیں بلکہ اسراف کرنے والا اور مذموم ہے یہ ان اسراف کرنے والوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے شیاطین کے بھائی قرار دیا ہے اور ان پر محرومی کو لازم کیا ہے۔ جو آدمی مال روکنے کی وجہ سے عقاب اور مذمت کا مستحق نہیں بنتا وہ حمد کا مستحق ہوتا ہے تو وہ ہدایت یافتہ ہے یہ وہی لوگ ہیں جو حسن تدبیر اور اچھی رائے کے ساتھ دوسروں کے اموال برقرار رہنے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔

مسئلہ نمبر 4۔ فراء نے کہا: ایک معترض کہتا ہے یہ کیسے ارشاد فرمایا: فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلۡعُسۡرٰی کیا تنگی میں کوئی آسانی ہے؟ تو جواب میں کہا جاتا ہے: یہ ارشاد بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے قائم مقام ہے: فَبَشِّرۡہُمۡ بِعَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۱﴾ (آل عمران) بشارت اصل میں خوشی عطا کرنے والے امر پر ہوتی ہے جب ان دو کلاموں میں یہ جمع کر دیا گیا کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے تو دونوں میں آسانی آ گئی۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ کے فرمان فَسَنُیَسِّرُہٗ کا معنی ہے ہم اسے تیار کریں گے۔ عرب کہتے ہیں: قد سیرت الغنم یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ بچہ جن دے یا جننے کے لیے تیار ہو جائے۔ شاعر نے کہا:

هما سيدان يزعمان وانما يَسُوادانِنا أن يَّنمتْ غَنماهما(1)

وہ دونوں سردار ہیں وہ گمان کرتے ہیں کہ ان کے ریوڑ بچے جننے کے لیے تیار ہیں جب کہ وہ دونوں ہماری سرداری کرتے ہیں۔

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰىؕ۝۱۱ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۝ۖ۱۲ وَ اِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى۝۱۳

''اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ (کرم پر) ہے راہنمائی کرنا۔ یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں''۔

وَ مَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗۤ اِذَا تَرَدّٰى۝ تَرَدّٰى کا معنی ہے ہلاک ہونا یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَدِيَ الرجلُ يَرْدَى رَدىً جب وہ ہلاک ہو جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

صرفت الهوى عنهن من خشية الردى

میں نے ہلاکت کے خوف سے ان سے محبت کو پھیر لیا۔

ابو صالح اور زید بن اسلم نے کہا: اِذَا تَرَدّٰى کا معنی ہے جب جہنم میں گرے، اس معنی میں متردیہ ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رَدِيَ في البئر وتردى جب وہ کنویں میں گر گیا یا وہ پہاڑ سے نیچے گر گیا۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ما أدري أين رَدِيَ؟ میں نہیں جانتا کہ وہ کہاں گیا۔ مَا کے بارے میں احتمال ہے کہ وہ نافیہ ہے۔ یعنی مال اسے کچھ نفع نہ دے گا۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ استفہامیہ ہو اس کا معنی توبیخ ہے یعنی جب وہ ہلاک ہوگا اور جہنم میں گر جائے گا تو اسے کون سی چیز نفع دے گی؟

اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى۝ یعنی ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ ہم گمراہی کے راستہ سے ہدایت کے راستہ کو جدا کر دیں پس ہدایت سے مراد احکام کا بیان ہوگا؛ یہ زجاج کا نقطہ نظر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے حلال و حرام اور طاعت و معصیت کا بیان؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: جو ہدایت کی راہ پر چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے اس کو راستہ دکھانا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ (النحل: 9) وہ کہتا ہے: جس نے اللہ تعالیٰ کا ارادہ کیا وہ سیدھے راستے پر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے ہمارے قبضہ قدرت میں ہے ہدایت دینا اور گمراہ کرنا۔ اور اضلال کو ترک کر دیا گیا ذکر نہیں کیا گیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں صرف خیر کا ذکر کیا گیا: بِيَدِكَ الْخَيْرُ (آل عمران: 26) بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ (یاسین: 83) جس طرح فرمایا: سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ (النحل: 81) جب کہ وہ سردی سے بھی بچاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہمارے ذمہ کرم پر ہے اسے ہدایت کا بدلہ دینا جسے ہم نے ہدایت سے نوازا۔

آخرۃ سے مراد جنت ہے اور اولیٰ سے مراد دنیا ہے۔ عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے یعنی دنیا و آخرت اللہ تعالیٰ کے لیے ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد دنیا و آخرت کا

1۔ معانی القرآن للفراء، جلد 3، صفحہ 271

ثواب ہے، یہ اسی طرح جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (النساء: 134) جس نے ان دونوں چیزوں کو ان کے مالکوں کے علاوہ غیر سے طلب کیا تو اس نے غلط راستہ کا انتخاب کیا۔

فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾

"پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔ اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے (نبی کریم کو) جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی"۔

میں نے تمہیں ڈرایا ایک ایسی آگ سے جو شعلہ زن ہے اور روشن ہے تَلَظّٰى اصل میں تتلظی تھا؛ یہ عبید بن عمیر، یحییٰ بن یعمر اور طلحہ بن مصرف کی قراءت ہے اس کی گرمی کو نہیں پائے گا مگر ایسا بدبخت جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اور ایمان سے اعراض کیا۔ مکحول نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہر کوئی جنت میں داخل ہوگا مگر جس نے اس کا انکار کیا۔ مکحول نے پوچھا: اے ابوہریرہ وہ کون ہے جو جنت میں داخل ہونے سے انکار کرتا ہے؟ فرمایا: جس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ امام مالک نے کہا: ہمیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے مغرب کی نماز پڑھائی تو وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ کی قراءت کی جب وہ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿۱۴﴾ تک پہنچے تو رونے لگے تو رونے کی وجہ سے اسے آگے نہ پڑھ سکے، اسے چھوڑ دیا اور دوسری سورت پڑھی۔ فراء نے کہا: اِلَّا الْاَشْقَى سے مراد ہے مگر وہ آدمی جو اللہ تعالیٰ کے علم میں شقی ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ لا یصلاھا إلا الأشقی سے مراد امیہ بن خلف اور اس جیسے دوسرے لوگ ہیں جنہوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا۔ قتادہ نے کہا: جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلایا اور اللہ تعالیٰ کی طاعت سے روگردانی کی۔ فراء نے کہا: اس سے مراد جس نے ظاہری رد سے نہیں جھٹلایا تھا بلکہ جو انہیں حکم دیا گیا تھا اس کو بجا لانے میں کوتاہی کی اسے تکذیب قرار دیا گیا، جس طرح تو کہتا ہے: لقی فلان العدّو فکذب جب وہ انکار کرے اور اس کی اتباع سے پھر جائے۔ کہا: میں نے ابوثروان کو یہ کہتے ہوئے سنا: اِنّ بَنِی نُمَیْرٍ لیس لِجِدّھم مکذوبۃ۔ مراد ہے جب وہ دشمنوں سے ملتے ہیں تو قتال کو سچ کر دکھاتے ہیں اور رجوع نہیں کرتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ﴿۲﴾ (الواقعہ) یعنی وہ حق ہے۔ میں نے سلم بن حسن کو کہتے ہوئے سنا کہا میں نے ابواسحاق زجاج کو کہتے ہوئے سنا: یہ آیت مرجئہ (1) کی بڑی دلیل ہے ان کا گمان ہے کہ جہنم میں کافر کے سوا کوئی داخل نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَصْلٰىهَاۤ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿۱۵﴾ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۶﴾ معاملہ اس طرح نہیں جس طرح انہوں نے گمان کیا۔ یہ آگ ہے جس کی یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ اس میں کوئی داخل نہیں ہوگا مگر وہ جو جھٹلائے اور اعراض کرے جہنمیوں کی کئی منازل ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ منافقین آگ کے سب سے نچلے گڑھے میں ہوتے تھے اللہ تعالیٰ نے جس کو عذاب کی جنس کی دھمکی دی ہے تو اس

1۔ مرجئہ مسلمانوں میں سے ایک فرقہ رہا ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ایمان کے ہوتے ہوئے نافرمانی کوئی نقصان نہیں دیتی جس طرح کفر کے ہوتے ہوئے طاعت نفع نہیں دیتی۔ انہیں نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے معاصی پر عذاب کو مؤخر کر دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ مرجئہ سے مراد ایسی جماعت ہے جو یہ کہتے ہیں ایمان عمل کے بغیر صرف قول ہے گویا انہوں نے قول کو اولیت دی عمل کو مؤخر کر دیا۔

کے بارے میں جائز ہے کہ اسے عذاب دیا جائے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النساء: 48) اگر ایسے فرد کو عذاب نہ دیا جاتا ہوتا جس نے شرک نہ کیا ہوتا تو اس کلام وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ کا کوئی فائدہ نہ ہوتا اور یہ ایسی کلام ہوتی جس کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

زمخشری نے کہا: آیت مشرکوں میں سے عظیم اور مومنوں میں سے عظیم کی حالتوں میں موازنہ کے لیے وارد ہوئی ہے اور یہ ارادہ کیا گیا ہے کہ ان دونوں کی متناقص صفات میں مبالغہ سے کام لیا جائے، تو یہ فرمایا گیا: الْاَشْقَى اسے صَلی کے ساتھ مختص کیا گیا گویا جہنم پیدا اس کے لیے کی گئی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اتقی کو جنت کے ساتھ خاص کیا گیا ہے گویا جنت اس کے لیے پیدا کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اشقی سے مراد ابوجہل اور امیہ بن خلف ہے اور اتقی سے مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔

وَ سَیُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ﴿۱۷﴾ الَّذِیْ یُؤْتِیْ مَالَهٗ یَتَزَكّٰى ﴿۱۸﴾

''اور دور رکھا جائے گا وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے''۔

یعنی اس جہنم سے وہ آدمی دور ہوگا جو متقی اور ڈرنے والا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: الْاَتْقَى سے مراد حضرت ابوبکر صدیق ہیں جنہیں جہنم میں داخل ہونے سے دور رکھا جائے گا۔ پھر الْاَتْقَى کی صفت ذکر کی جو مال اس لیے دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پاکیزہ ہو جائے وہ اس سے ریاکاری اور شہرت کا طالب نہیں بلکہ وہ صدقہ کرتا ہے تاکہ اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب ہو۔ بعض علماء معانی نے کہا کہ الْاَتْقَى اور الْاَشْقَى سے مراد متقی اور شقی ہے جس طرح طرفہ کا قول ہے:

تمنّى رجال أن أموت وان أمت فتلك سبيل لست فيها بأوحدِ

کچھ لوگوں نے تمنا کی کہ میں مرجاؤں اگر میں مر گیا تو وہ ایسا راستہ ہے جس میں میں اکیلا نہیں۔

یہاں أوحد، واحد اور وحید کے معنی میں ہے افعل کا صیغہ فعیل کی جگہ رکھا جاتا ہے جس طرح ان کے قول: اللہ اکبر میں اکبر، کبیر کے معنی میں ہے اسی طرح وَ هُوَ اَهْوَنُ عَلَیْهِ (الروم: 27) میں اهون، هین کے معنی میں ہے۔

وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰۤى ﴿۱۹﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿۲۰﴾ وَ لَسَوْفَ یَرْضٰى ﴿۲۱﴾

''اور اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودگی کا طلب گار ہے اور وہ ضرور (اس سے) خوش ہوگا''۔

وہ اس لیے صدقہ نہیں کرتا کہ وہ کسی احسان کا بدلہ چکائے وہ تو اپنے عظیم رب کی رضا چاہتا ہے۔ وہ جزا پر ضرور راضی ہو گا۔ عطا اور ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکوں نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اذیتیں دیں اور حضرت بلال احد احد کہتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے گزرے تو ارشاد فرمایا: ''احد تجھے نجات دے گا''۔ پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اے ابا بکر! حضرت بلال کو اللہ تعالیٰ کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول

اللہ ﷺ کا ارادہ بھانپ گئے اور اپنے گھر چلے گئے سونے کا ایک رطل لیا اور اسے امیہ بن خلف کے پاس لے گئے۔ اس سے پوچھا: کیا تو بلال کو میرے ہاتھ بیچتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید لیا اور اسے آزاد کر دیا۔ مشرکوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق نے بلال کو آزاد نہیں کیا مگر اس لیے کہ حضرت بلال کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان ہوگا۔ تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی کسی کا حضرت ابوبکر صدیق پر کوئی احسان نہیں کہ اس کا بدلہ دیا جاتا بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے بزرگ و برتر رب کی رضا کے لیے کیا ہے (1)۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف اور ابی بن خلف سے حضرت بلال کو ایک غلام اور دس اوقیہ میں خریدا اور اسے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد کر دیا تو یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ۝ (اللیل) تمہاری کاوشیں مختلف ہیں۔

سعید بن مسیب نے کہا: مجھے یہ خبر پہنچی ہے جب حضرت ابوبکر صدیق نے امیہ بن خلف سے کہا: کیا تو بلال کو میرے ہاتھ میں بیچتا ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ میں اسے نسطاس کے بدلے میں بیچتا ہوں۔ نسطاس حضرت ابوبکر صدیق کا غلام تھا جس کے پاس دس ہزار دینار، غلام، لونڈیاں اور مویشی تھے وہ مشرک تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اسے مسلمان ہونے پر برانگیختہ کیا کہ وہ اسلام قبول کرے تو جتنا مال اس کے قبضہ میں ہے سب اس کا ہوگا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے نسطاس حضرت بلال کے بدلے میں بیچ دیا۔ مشرکوں نے کہا: حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کے ساتھ یہ معاملہ کسی احسان کی وجہ سے کیا ہے، جو حضرت بلال نے ان پر کیا ہوگا تو اس موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ اِلَّا ابْتِغَآءَ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اس وجہ سے اسے نصب دی گئی ہے جس طرح تیرا یہ قول ہے: مافی الدار أحد إلا حمارا رفع بھی جائز ہے یحییٰ بن وثاب نے اسے رفع کے ساتھ پڑھا ہے اِلَّا ابْتِغَآءُ وَجْهِ رَبِّهٖ یہ اس کی لغت کے مطابق ہے جو مستثنیٰ میں رفع جائز سمجھتا ہے، جس طرح شاعر کا ایک شعر ہے:

وبلدۃٍ لیس بها أنیسُ إلا الیعافیرُ وإلا العِیسُ

یہ ایسا شہر ہے جہاں کوئی انس کرنے والا نہیں مگر ہرن کے بچے اور اونٹ۔

قرآن حکیم میں ہے: مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ (النساء: 66) یہاں بھی مستثنیٰ مرفوع ہے۔ الْاَعْلٰى اس رب کی صفات ہیں جو علو کی صفات کا مستحق ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهٖ معنی کے اعتبار سے مفعول لہ ہو، کیونکہ کلام کا معنی یہ ہے وہ اپنا مال نہیں دیتا مگر اپنے رب کی رضا چاہنے کے لیے نہ کہ کسی انعام کا بدلہ چکانے کے لیے۔

اللہ تعالیٰ اسے جنت میں وہ بدلہ عطا کرے گا جو اسے راضی کر دے گا، یعنی اللہ تعالیٰ اسے خرچ سے کئی گناہ عطا کرے گا۔

ابو حیان تیمی اپنے باپ سے وہ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رَحِمَ اللہ أبابکر زَوَّجَنِی ابنتَهُ وحَمَلَنِی إلی دارِ الهجرة وأعتق بلالاً من ماله (2) اللہ تعالیٰ حضرت ابوبکر صدیق پر رحم کرے اس نے اپنی بیٹی میرے عقد نکاح میں دی، مجھے دار ہجرت کی طرف لے گئے اور اپنے مال سے حضرت بلال کو آزاد کیا۔ جب

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 488	2۔ جامع ترمذی، باب مناقب علی بن ابی طالب، حدیث نمبر 3647، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت بلال کو خرید اتو حضرت بلال نے آپ سے کہا: کیا آپ نے مجھے اپنے کام کے لیے خریدا ہے یا اللہ تعالیٰ کے لیے خریدا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ حضرت بلال نے کہا: مجھے اللہ تعالیٰ کے لیے چھوڑ دو تو حضرت ابوبکر صدیق نے اسے آزاد کر دیا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے: حضرت ابوبکر صدیق ہمارے سردار ہیں انہوں نے ہمارے سردار حضرت بلال کو آزاد کیا۔

عطا نے کہا: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ سورت حضرت ابو دحداح کے حق میں نازل ہوئی۔ وجہ وہ کھجور بنی جو انہوں نے اپنے باغ کے بدلے میں خریدی تھی۔ ثعلبی نے عطا سے یہ ذکر کیا ہے۔

قشیری نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ ایک کھجور دس کھجوروں کے بدلے میں خریدی گئی تھی اور اس آدمی کا ذکر نہ کیا۔ عطا نے کہا: ایک انصاری کا کھجور کا ایک درخت تھا اس کی پکی کھجوریں اس کے پڑوس کے گھر میں گرتی تھیں اس کے بچے انہیں کھا لیتے تھے کھجور کے مالک نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شکایت کی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو اس درخت کو جنت کے ایک درخت کے بدلے بیچتا ہے؟'' مالک نے انکار کر دیا وہ آدمی باہر نکلا تو اسے حضرت ابو دحداح نے کہا: کیا تیری یہ رائے ہے کہ تو وہ کھجور حسنیٰ کے بدلے بیچ یہ آپ کا ایک باغ تھا اس آدمی نے کہا وہ کھجور آپ کی ہے حضرت ابو دحداح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: یارسول اللہ! وہ کھجور مجھ سے جنت کی کھجور کے عوض خرید لیجئے۔ فرمایا: ''ہاں۔ اس کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے!'' فرمایا: یارسول اللہ! وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصاری کے پڑوسی کو بلایا اور فرمایا: وہ کھجور کا درخت لے لو''۔ تو یہ سورت حضرت ابو دحداح کے باغ اور اس کھجور والے کے حق میں نازل ہوئی۔ یعنی مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ سے مراد حضرت ابو الدحداح، الحسنیٰ سے مراد ثواب، یسریٰ سے مراد جنت ہے مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى سے مراد انصاری، حسنیٰ سے مراد ثواب اور عسریٰ سے مراد جہنم ہے۔ تردی سے مراد ہلاک ہونا ہے الْاَشْقَى سے مراد وہ خزرجی ہے وہ منافق تھا وہ نفاق پر ہی مرا الْاَتْقَى سے مراد ابو دحداح ہے مَالَهٗ سے مراد اس کے کھجور کے ثمن میں جو مال خرچ کیا۔ کسی کا حضرت ابو دحداح پر کوئی احسان نہیں تھا جس کا وہ بدلہ چکانا چاہتے جب اللہ تعالیٰ انہیں جنت میں داخل کرے گا تو ضرور راضی ہوگا (1)۔ اکثر علماء کی یہ رائے ہے کہ یہ سورت حضرت ابوبکر صدیق کے حق میں نازل ہوئی، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت ابن عباس، حضرت عبد اللہ بن زبیر اور دوسرے علماء کی یہی رائے ہے۔ ہم نے حضرت ابو دحداح کا واقعہ سورۂ بقرہ میں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (البقرہ:245) کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 495

سورۃ الضحیٰ

(آیاتہا ۱۱) (۹۳ سورۃ الضحیٰ مکیۃ ۱۱) (رکوعہا ۱)

یہ سورت مکی ہے سب کا اس پر اتفاق ہے۔ اس کی گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ۙ﴿۲﴾ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى ؕ﴿۳﴾

''قسم ہے روز روشن کی اور رات کی جب وہ سکون کے ساتھ چھا جائے، نہ آپ کے رب نے اس کو چھوڑا اور نہ ہی وہ ناراض ہوا''۔

وَالضُّحٰى ۙ﴿۱﴾ وَالَّيْلِ اِذَا سَجٰى ﴿۲﴾ الضُّحٰى کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے اس سے مراد دن ہے کیونکہ اس کے مقابل اللیل ہے اور سورت اعراف میں ہے اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّ هُمْ نَآىٕمُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰۤى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّ هُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۸﴾ (اعراف) کیا بستیوں والے اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب انہیں رات کو پہنچے جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب دن کو پہنچے جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں یا بستیوں والے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ہمارا عذاب دن کو پہنچے جب کہ وہ کھیل کود میں مصروف ہوں۔ قتادہ، مقاتل اور امام جعفر صادق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس چاشت کے وقت کی قسم اٹھائی جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی اور معراج کی رات کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد وہ گھڑی ہے جس میں جادوگر سجدہ میں گر گئے تھے اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: وَ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ﴿۵۹﴾ (طٰہٰ) اور یہ خیال رہے کہ سارے لوگ چاشت کے وقت جمع ہو جائیں۔ علماء معانی نے اس سے اور اس کی مثل آیات میں یہ کہا: اس میں اضمار ہے تقدیر کلام یہ ہے ورب الضحی۔ سَجٰى کا معنی ہے پرسکون ہو جانا؛ یہ قول قتادہ، مجاہد، ابن زید اور عکرمہ نے کیا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: لیلة ساجیة یعنی پرسکون رات۔ آنکھ کو بھی ساجیة کہتے ہیں جب اس کی ایک جانب پرسکون ہو جائے۔ جب رات پرسکون ہو جائے تو کہتے ہیں: سَجَا اللَّيْلُ يَسْجُو سَجْوًا جب سمندر پرسکون ہو جائے تو کہتے ہیں: سَجَا الْبَحْرُ۔ اعشی نے کہا:

فما ذنبنا أن جاش بحر ابن عمكم وبحرك ساج مايوارى الدعامصا

ہمارا کیا گناہ ہے کہ تمہارے چچا زاد کا سمندر موجزن ہے اور تمہارا سمندر پرسکون ہے وہ چھوٹے سیاہ کیڑوں کو بھی چھپائے ہوئے نہیں۔

ضحاک نے کہا: سَجٰی کا معنی ہے اس نے ہر چیز کو ڈھانپ لیا۔ اصمعی نے کہا: سجو اللیل کا معنی ہے رات کا دن کو ڈھانپ لینا۔ ان دونوں کی مثل ہے آدمی کو کپڑے سے ڈھانپ دیا جاتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس نے تاریکی کے ساتھ ڈھانپ لیا؛ یہ حضرت ابن عباس نے کہا: ان سے یہ بھی مروی ہے: جب وہ چلی جائے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: جب وہ تاریک ہو جائے۔ سعید بن جبیر سے مروی ہے: جب وہ متوجہ ہو۔ قتادہ سے بھی یہ مروی ہے ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا کہ سَجٰی کا معنی ہے جب وہ قرار پکڑ لے۔ لغت میں پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔ سَجٰی کا معنی پرسکون ہونا یعنی لوگ اس میں پرسکون ہو گئے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نہار صائم، لیل قائم۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کے ساکن ہونے کا معنی ہے اس کی تاریکی قرار پذیر ہو گئی۔ ایک قول یہ بھی کیا جاتا ہے: وَالضُّحٰى ۙ وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۙ یعنی الله کے وہ بندے جو چاشت کے وقت میں اس کی عبادت کرتے ہیں اور الله تعالیٰ کے وہ بندے جب رات تاریک ہو جاتی ہے تو اس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ قول بھی کیا جاتا ہے کہ ضحی سے مراد وہ نور ہے جو عارفین کے دلوں میں دن کی طرح ہے اور وَالَّيۡلِ اِذَا سَجٰى ۙ سے مراد وہ تاریکی ہے جو کافروں کے دلوں میں رات کی طرح ہے۔ الله تعالیٰ نے ان اشیاء کی قسم اٹھائی۔

مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ یہ جواب قسم ہے۔ جبریل امین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے میں کچھ دیر لگا دی تو مشرکین نے کہا: الله تعالیٰ اس سے ناراض ہو گیا ہے اور اسے چھوڑ دیا ہے۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن جریج نے کہا: بارہ دن تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی رکی رہی۔ حضرت ابن عباس نے کہا: پندرہ دن تک وحی رکی رہی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: پچیس دن تک وحی رکی رہی۔ مقاتل نے کہا: چالیس دن تک وحی رکی رہی تو مشرکوں نے کہا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے رب نے چھوڑ دیا ہے اور ان سے ناراض ہو گیا ہے، اگر یہ الله تعالیٰ کی جانب سے امر ہوتا تو پے در پے اس پر اترتا رہتا جس طرح ان سے قبل جو انبیاء تھے ان کے ساتھ یہ سلسلہ جاری رہا۔

بخاری میں حضرت جندب بن سفیان سے روایت مروی ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز ہوئی تو آپ نے دو یا تین راتیں قیام نہ کیا تو ایک عورت آئی اس نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں امید کرتی ہوں کہ تیرا شیطان تجھے چھوڑ گیا ہے میں نے دو یا تین راتوں سے اسے تیرے قریب نہیں دیکھا تو الله تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔

ترمذی شریف میں جندب بجلی سے روایت مروی ہے کہ میں ایک غار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا تو آپ کی انگلی زخمی ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نہیں مگر ایک انگلی ہے زخمی ہو گئی ہے اور الله کی راہ میں تو نے ملاقات نہ کی''۔ کہا: جبریل امین نے آپ کی خدمت میں آنے میں دیر کی تو مشرکوں نے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دیا گیا تو الله تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے(1)۔ امام ترمذی نے فلم یقُم لیلتین أو ثلاثا کا ذکر نہیں۔ امام ترمذی نے اسے ساقط کر دیا اور امام بخاری نے اسے ذکر کیا اس بارے میں جو کچھ کہا گیا ہے یہ ان میں سے صحیح ترین ہے۔ الله تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ثعلبی نے حضرت جندب بن سفیان بجلی سے اس طرح کی روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک انگلی پر کوئی پتھر لگا

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ والضحیٰ، حدیث نمبر 3268، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

تو وہ زخمی ہوگئی تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''تو محض ایک انگلی ہے جو زخمی ہوگئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں تو نے ملاقات نہیں کی''۔ آپ نے دو یا تین دن رات کو قیام نہ کیا تو ابولہب کی بیوی ام جمیل نے آپ ﷺ سے کہا: میرا خیال ہے تیرے شیطان نے تجھے چھوڑ دیا ہے، میں نے اسے دو یا تین دن تیرے قریب نہیں دیکھا تو یہ سورت نازل ہوئی۔

ابی عمران جونی سے مروی ہے کہ حضرت جبریل امین نے نبی کریم ﷺ کے پاس آنے میں دیر کی یہاں تک کہ آپ پر یہ معاملہ بڑا شاق گزرا جبریل امین حاضر ہوئے جب کہ نبی کریم ﷺ کعبہ پر اپنی پیشانی رکھے دعا مانگ رہے تھے۔ حضرت جبریل امین نے رسول اللہ ﷺ کے کندھوں کے درمیان کریدا اور یہ آیات نازل کیں مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ۝۔

حضرت خولہ جو نبی کریم ﷺ کی خادمہ تھیں نے کہا کہ کتے کا ایک بچہ گھر میں داخل ہوا وہ چارپائی کے نیچے داخل ہوا اور مر گیا نبی کریم ﷺ چند دن رکے رہے کہ آپ پر وحی نازل نہیں ہوتی تھیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا: ''اے خولہ! میرے گھر میں کیا ہوا ہے؟ کیا وجہ ہے جبریل امین میرے پاس نہیں آتے'' حضرت خولہ نے کہا: میں نے کہا میں نے عرض کی کاش! میں گھر کو تیار کرتی اور اسے صاف کرتی۔ میں جھاڑو کے ساتھ چارپائی کے نیچے جھکی تو کیا دیکھتی ہوں وہاں ایک مردہ پلا پڑا ہوا ہے۔ میں نے اسے اٹھایا اور گھر کے پیچھے پھینک دیا۔ اللہ کے نبی تشریف لائے جب کہ ان کے جبڑے کانپ رہے تھے جب آپ پر وحی نازل ہوتی تھی تو آپ پر ایک کپکپی طاری ہوجاتی تھی آپ ﷺ نے فرمایا: ''اے خولہ! مجھے چادر اوڑھادو'' تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمادیا۔ جب جبریل امین آئے تو نبی کریم ﷺ نے ان سے لیٹ آنے کی وجہ پوچھی تو جبریل امین نے عرض کی: کیا آپ ﷺ نہیں جانتے کہ ہم ایسے گھر میں داخل نہیں ہوتے جس میں کتا یا تصویر ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب یہودیوں نے آپ ﷺ سے روح، ذوالقرنین اور اصحاب کہف کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں کل تجھے اس بارے میں بتاؤں گا'' اور ان شاء اللہ کے الفاظ نہ کہے: وحی کچھ عرصہ کے لیے رک گئی یہاں تک کہ جبریل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ۝ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ (کہف) آپ کسی چیز کے بارے میں یہ نہ کہیں کہ میں کل یہ کام کرنے والا ہوں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے۔ پھر آپ نے اس چیز کے بارے میں خبر دی جو آپ سے پوچھا گیا۔ اسی قصہ کے متعلق مَاوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَاقَلٰى ۝ نازل ہوئی۔

ایک قول یہ کیا گیا: مسلمانوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ﷺ کیا وجہ ہے آپ پر وحی نازل نہیں ہوئی؟ فرمایا: ''مجھ پر وحی کیسے نازل ہو جب کہ تم انگلیوں کے درمیان جمع ہونے والی میل کی جگہ کو صاف نہیں کرتے، تم اپنے ناخن نہیں کاٹتے اور اپنی مونچھیں نہیں کاٹتے''۔ تو جبریل امین یہ سورت لے کر نازل ہوئے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تو نہیں آیا یہاں تک کہ میں تیرا مشتاق ہوگیا''۔ حضرت جبریل امین نے کہا: میں آپ کا بہت زیادہ مشتاق تھا لیکن میں ایک حکم کیا گیا غلام ہوں۔ پھر آپ ﷺ پر یہ آیت نازل ہوئی وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ (مریم: 64)(1) ہم تیرے رب کے حکم کے بغیر نازل نہیں ہوتے وَدَّعَكَ تشدید کے ساتھ ہے یہ عام لوگوں کی قراءت ہے یہ تودیع سے مشتق ہے یہ اس طرح تھی جس طرح جدا ہونے

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 2181

والا الوداع کہتا ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ ان دونوں نے ودعك پڑھا ہے اس کا معنی تجھے چھوڑ دیا ہے۔ شاعر نے کہا:

وثم وَدَعْنا آلَ عمرو و عامر فرائسَ أطراف المثقفة السُمْرِ

اور پھر ہم نے آل عمرو اور عامر کو گندم گوں نیزوں کے اطراف کا شکار بنا کر چھوڑ دیا۔

اس کا استعمال قلیل ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھو یدع کذا وہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ مبرد محمد بن یزید نے کہا: وہ بہت ہی کم کہتے ہیں وَدَعَ، وَذَرَ کیونکہ واؤ جب مقدم ہو تو وہ ضعیف ہوتی ہے اور ترک کی وجہ سے وہ اس سے مستغنی ہوتے ہیں۔

وَ مَا قَلٰى جب سے تیرے رب نے تجھے محبوب بنایا ہے تجھ سے ناراض نہیں ہوا۔ کاف ضمیر کو یہاں ترک کر دیا کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے۔ القلی کا معنی بغض ہے اگر تو مصدر میں قاف کو زبر دے گا تو اس کے آخر میں الف ممدودہ پڑھے گا۔ تو کہے گا: قلاہ یَقلِیه قَلیٰ وقَلاءً جس طرح تو کہتا ہے: قَرَیْتُ الضَیفَ أقرِیه قَریٰ و قَراءً۔ مضارع میں اس کا صیغہ یَقْلاہ یہ بنوطی کی لغت ہے۔ ثعلب نے یہ شعر پڑھا: أیام أمِّ الغمر لا نَقْلاھا ہم ام غمر کے دنوں سے بغض نہیں رکھتے۔ نقلی کا معنی ہے ہم بغض رکھتے ہیں:

امرء القیس نے کہا:

ولستُ بمقلیّ الخِلال ولا قالٍ

میں دوستوں کے ہاں مبغوض نہیں اور نہ ہی میں ناراض ہونے والا ہوں۔

آیت کا معنی ہے تیرے رب نے نہ تجھے چھوڑا اور نہ ہی تجھ سے ناراض ہوا۔ یہاں قلی میں کاف ضمیر کو ترک کر دیا گیا ہے کیونکہ یہ آیت کا سرا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ (الاحزاب: 35) یہاں بھی مفعول حذف ہے اصل کلام یوں ہے والذاکرات اللہ۔

وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝

"اور یقیناً ہر آنے والی گھڑی آپ کے لیے پہلی سے (بدرجہا) بہتر ہے۔ اور عنقریب آپ کا رب آپ کو اتنا عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے"۔

سلمہ نے ابو اسحاق سے روایت نقل کی ہے کہ آیت کا معنی ہے: اے محمد! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میری طرف لوٹنے پر جو میرے پاس موجود ہے وہ اس سے بہتر ہے جو میں نے تجھے دنیا میں کرامت سے نوازا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کی امت پر جن ممالک کو فتح کرنے والا تھا خواب میں وہ ممالک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دکھائے گئے تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خوش ہوئے تو جبریل امین یہ دونوں آیات لے کر نازل ہوئے۔

ابن اسحاق نے کہا: دنیا میں فتح و کامرانی اور آخرت میں ثواب۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد حوض اور شفاعت ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے: سفید موتی کے ایک ہزار محل جس کی مٹی کستوری کی ہوگی۔ امام اوزاعی نے اسے

مرفوع نقل کیا ہے۔ کہا: مجھے اسماعیل بن عبیداللہ نے انہوں نے علی بن عبداللہ بن عباس سے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ ممالک خواب میں دکھائے گئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت پر فتح کیے جانے والے تھے تو اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے آیات کو نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنت میں ایک ہزار محل عطا فرمائے جن کی مٹی خوشبو کی ہوگی۔ ہر محل میں اتنی بیویاں اور خدام ہوں گے جن کی آپ خواہش کریں گے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر راضی ہوں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت میں سے کوئی جہنم میں داخل نہ ہو۔ سدی نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا ہے یہ تمام مومنوں میں شفاعت ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ میری امت میں میری شفاعت قبول فرماتا جائے گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ مجھے ارشاد فرمائے گا: اے محمد! تو راضی ہے، تو میں عرض کروں گا: اے میرے رب! میں راضی ہوں''۔

صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ کے ارشاد کی تلاوت کی: فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۞ (ابراہیم) جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے اور جس نے میری نافرمانی کی تو تو غفور رحیم ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قول کی تلاوت کی: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ (المائدہ: 118) اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ اٹھائے اور یوں التجا کی: اللّٰھمّ أمّتی أمّتی اے اللہ! میری امت کو بخش دے اور رو دیئے اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو حکم دیا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جبکہ تیرا رب خوب جانتا ہے اس سے سوال کرو کون سی چیز تجھے رلاتی ہے؟ حضرت جبریل امین آئے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں آگاہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین سے فرمایا: حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ ان سے کہو اللہ تعالیٰ تمہیں ارشاد فرماتا ہے: ہم تجھے تیری امت کے بارے میں راضی کریں گے اور تجھے ناراض نہیں کریں گے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے اہل عراق سے فرمایا: تم یہ کہتے ہو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سے سب سے امید والی آیت قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (الزمر: 53) کہہ دیجئے: اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا! اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ انہوں نے کہا: ہم تو یہی کہتے ہیں فرمایا: لیکن ہم اہل بیت یہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے امید والی آیت وَ لَسَوْفَ یُعْطِیْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۞ ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پھر تو اللہ کی قسم! میں راضی نہیں ہوں گا جب کہ میری امت میں سے ایک بھی جہنم میں ہوگا''(1)۔

اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰى ۞

''کیا اس نے نہیں پایا آپ کو یتیم پھر (اپنی آغوش رحمت میں) جگہ دی''۔

اللہ تعالیٰ نے ان احسانات کا شمار کیا ہے جو اس نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کیے فرمایا: کیا تجھے یتیم نہیں پایا یعنی تیرا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 494

باپ نہیں تھا تیرا باپ فوت ہو چکا تھا تو تیرے لیے ٹھکانہ بنا دیا تو اس کے ہاں یعنی اپنے چچا ابو طالب کے ہاں پناہ لیتا اس نے تیری کفالت کی۔ امام جعفر بن محمد صادق سے پوچھا گیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے والدین سے کیوں یتیم کیا گیا؟ انہوں نے فرمایا: تاکہ مخلوق کا ان پر کوئی حق نہ ہو۔ مجاہد سے یہ بھی مروی ہے: یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے درۃ یتیمۃ یہ لفظ اس وقت بولتے ہیں جب وہ بے مثال ہو۔ تو آیت کا معنی یہ ہوگا: کیا تجھے شرف میں یکتا نہیں پایا کہ تیری کوئی مثال نہیں پس اللہ تعالیٰ نے تجھے اصحاب کی پناہ میں دے دیا جو تیری حفاظت کرتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کیے رہتے ہیں۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝

''اور آپ کو اپنی محبت میں خود رفتہ پایا تو منزل مقصود تک پہنچا دیا''۔

یعنی تیرے بارے میں نبوت کا جو ارادہ کیا گیا اس سے تجھے غافل پایا پس تیری راہنمائی کی۔ یہاں ضلال غفلت کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى ۝ (طٰہٰ) یعنی میرا رب غافل نہیں اور نہ ہی وہ بھولتا ہے۔ اور اپنے نبی کے حق میں ارشاد فرمایا: وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ (یوسف) اور آپ اس سے قبل غافلوں میں سے تھے۔ ایک قوم نے کہا: ضَآلًّا سے مراد آپ قرآن اور شرائع کو نہ جانتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو قرآن اور اسلام کے احکام کی طرف ہدایت دی، یہ ضحاک، شہر بن حوشب اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (شوریٰ: 52) کا یہی معنی و مفہوم ہے۔ ایک قوم کا یہ کہنا ہے: تجھے گمراہ قوم میں پایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کے وسیلہ سے انہیں ہدایت سے نوازا؛ یہ فراء اور کلبی کا قول ہے۔ سدی سے بھی اس کی مثل مروی ہے کہ تیری قوم کو گمراہی میں پایا پس ان کی راہنمائی کرنے کے ساتھ تجھے ہدایت سے نوازا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو ہجرت سے ناواقف پایا تو آپ کی ہجرت کی طرف راہنمائی کی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب آپ سے اصحاب کہف ذی القرنین اور روح کے بارے میں سوال کیا گیا تو تجھے استثناء کرنے سے بھولنے والا پایا تو اللہ تعالیٰ نے تجھے یاد دلا دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا (البقرہ: 282) ان دونوں میں سے ایک بھول جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجھے قبلہ کا طالب پایا گیا تو تیری اس طرف راہنمائی کر دی، اس کی وضاحت اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ (البقرہ: 144) میں ہے۔ ضلال، طلب کرنے کے معنی میں ہوگا کیونکہ بھٹکنے والا طالب ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو آپ کی طرف نازل کیا گیا اس سے تجھے حیران پایا پس تیری اس طرف راہنمائی کی۔ تو ضلال، متحیر ہونے کے معنی میں ہوگا کیونکہ گمراہ متحیر ہوتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجھے تیری قوم میں ضائع ہونے والا پایا پس اس نے تیری اس طرف راہنمائی کی۔ تو اس صورت میں ضلال، ضیاع کے معنی میں ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: تجھے ہدایت سے محبت کرنے والا پایا تو تیری اس طرف راہنمائی کی۔ تو ضلال محبت کے معنی میں ہوگا۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ۝ (یوسف) انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! بے شک آپ تو قدیمی محبت میں مبتلا ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: آپ کو مکہ کی گھاٹیوں میں گم پایا اور تجھے ہدایت دی اور تیرے دادا عبدالمطلب کی طرف لوٹا دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چھوٹے تھے کہ مکہ کی گھاٹیوں میں گم ہو گئے ابو جہل نے انہیں دیکھا کہ وہ اپنے ریوڑوں سے واپس آ رہا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دادا عبد المطلب کی طرف واپس لوٹا دیا(1)۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر احسان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن کے ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو دادا کی طرف لوٹا دیا۔

سعید بن جبیر نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے چچا کے ساتھ ایک سفر میں نکلے ابلیس نے تاریک رات میں اونٹنی کی مہار پکڑ لی اور راستہ سے دور کر دیا حضرت جبریل امین آئے اور ابلیس کو ایک پھونک ماری جس سے ابلیس ہند کے علاقہ میں جا پڑا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو قافلہ کی طرف لوٹا دیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ پر احسان کیا(2)۔

کعب نے کہا: جب حضرت حلیمہ دودھ پلانے کا حق ادا کر چکیں تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لائیں تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت عبد المطلب کی طرف واپس کریں تو حضرت حلیمہ نے کعبہ کے دروازہ کے پاس سنا: اے مکہ کی وادی! تجھے مبارک ہو آج تیری طرف نور دین، رونق اور جمال واپس کیا جا رہا ہے۔ اس نے کہا: میں نے بچے کو رکھ دیا تا کہ میں اپنے کپڑے درست کروں تو میں نے شدید دھا کہ سنا میں متوجہ ہوئی تو میں نے بچے کو نہ پایا۔ میں نے کہا: اے لوگو! بچہ کہاں ہے؟ انہوں نے کہا: ہم نے کوئی چیز نہیں دیکھی۔ میں بلند آواز سے چیخی: وا محمداہ۔ کیا دیکھتی ہوں ایک بوڑھا شیخ ہے اپنے عصا پر ٹیک لگائے ہوئے ہے اس نے کہا: بڑے بت کے پاس جاؤ اگر اس نے یہ چاہا کہ بچہ تیری طرف لوٹا دے تو ایسا کر گزرے گا۔ پھر شیخ نے بت کے گرد چکر لگایا اس کے سر کو بوسہ دیا اور کہا: اے میرے رب! تیرے احسانات ہمیشہ قریش پر رہے ہیں یہ سعدیہ گمان کرتی ہے کہ اس کا بیٹا گم ہو گیا ہے۔ اگر تو چاہتا ہے تو بچہ اسے لوٹا دے تو ہبل بت منہ کے بل گر گیا دوسرے بت بھی گر گئے۔ انہوں نے کہا: اے شیخ! ہم سے دور ہو جا ہماری ہلاکت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاتھ پر ہوگی۔ بوڑھے نے اپنا عصا پھینک دیا اور کانپنے لگا اور کہا: تیرے بیٹے کا ایک رب ہے وہ اسے ضائع نہیں کرے گا۔ تو اسے تھوڑی دور تک تلاش کر قریش حضرت عبد المطلب کے پاس جمع ہو گئے اور تمام مقامات سے اسے تلاش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نہ پایا۔ حضرت عبد المطلب نے کعبہ کے گرد سات چکر لگائے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آرزو کی کہ اسے واپس کر دے اور کہا:

یا ربِّ رُدَّ ولدی محمدًا أُرْدُدْہ ربی واتخذ عندی یدا

یا ربِّ إن محمدٌ لم یُوجَدا فشمل قومی کلھم تبددا

اے میرے رب! میرے بیٹے محمد کو واپس کر دو میرے رب اسے واپس کر دو اور مجھ پر احسان کر اے میرے رب! اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نہ پایا گیا تو میری قوم کی جمعیت بکھر جائے گی۔

انہوں نے ایک ندا کرنے والے کو سنا جو آسمان سے ندا کر رہا تھا: اے لوگو! شور وغل نہ کرو بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ایک رب ہے نہ اسے بے یار و مددگار چھوڑے گا اور نہ ہی اسے ضائع کرے گا۔ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تہامہ کی وادی میں سمر کے درخت کے پاس ہیں۔ حضرت عبد المطلب اور ورقہ بن نوفل چلے کیا دیکھتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم درخت کے نیچے کھڑے

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 499 2۔ ایضاً

ہیں اور ٹہنیوں اور پتوں سے کھیل رہے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کو معراج کی رات کو بھولا ہوا پایا جب حضرت جبریل امین آپ سے الگ ہوئے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم راستہ نہ جانتے تھے تو الله تعالیٰ نے ساق عرش کی طرف تیری راہنمائی کی۔

ابوبکر وراق اور دوسرے علماء نے فرمایا: اس کا معنی ہے آپ اپنے چچا سے محبت کرتے تھے تو تیری اپنے رب کی محبت کی طرف راہنمائی کی۔ بسام بن عبدالله نے کہا: آپ اپنی ذات سے نا آشنا تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانتے تھے کہ آپ کیا ہیں تو الله تعالیٰ نے آپ کو اپنی ذات اور حال سے آگاہ کر دیا۔ جنیدی نے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو الله تعالیٰ کی کتاب کے بیان میں متحیر پایا تو آپ کو بیان کی تعلیم دی۔ اس کی وضاحت اس ارشاد میں ہے: لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ (النحل: 44) تا کہ آپ لوگوں کے لیے بیان کریں جو ان کی طرف نازل کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (النحل: 64) جس میں انہوں نے اختلاف کیا ان کے لیے اس کی وضاحت کریں۔

علماء متکلمین میں سے ایک نے کہا: جب عرب صحرا میں کوئی درخت تنہا دیکھتے جس کے ساتھ کوئی درخت نہ ہوتا تو اسے ضالہ کا نام دیتے۔ اس کے ذریعے راستہ کی طرف راہنمائی حاصل کی جاتی۔ الله تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا: وَوَجَدَكَ ضَآلًّا یعنی کوئی آپ کے دین پر نہیں تو یکتا ہے تیرے ساتھ کوئی بھی نہیں میں نے تیرے ذریعے مخلوق کو اپنی طرف ہدایت دی۔

میں کہتا ہوں: یہ تمام اقوال اچھے ہیں ان میں سے کچھ معنوی ہیں اور کچھ حسی ہیں آخری قول مجھے سب سے پسند ہے، کیونکہ یہ تمام اقوال معنویہ کو جامع ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: قوم جس حال پر تھی آپ بھی اسی طرح تھے ظاہر حال میں آپ ان سے کوئی اختلاف نہیں کرتے تھے جہاں تک شرک کا تعلق ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس کا گمان بھی نہیں کیا جا سکتا بلکہ آپ چالیس سال تک قوم کے عام معمول کی زندگی پر رہے۔ کلبی اور سدی نے کہا: یہ آیت اپنے ظاہر پر ہے یعنی آپ ہدایت پر نہ تھے اور آپ کی قوم بھی ہدایت پر نہ تھی تو الله تعالیٰ نے آپ کو ہدایت دی (1)۔ یہ قول اور اس کا رد سورۂ شوریٰ میں گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے آپ کو مشرکوں میں گم پایا تو آپ کو ان سے ممتاز کر دیا جس طرح یہ جملہ ہے: ضل الماء فی اللبن پانی دودھ میں گم ہو گیا۔ اس معنی میں ہے اِذَا ضَلَلْنَا فِي الْاَرْضِ (السجدہ: 10) یعنی دفن کرنے کے وقت جب ہم مٹی سے مل جائیں گے یہاں تک کہ ہم اس سے الگ نہ ہوں گے۔ حضرت حسن بصری کی قراءت میں ہے وَوَجَدَكَ ضَآلٌّ فَهَدٰى تجھے ایک گمراہ نے پالیا تو وہ تیری وجہ سے ہدایت پا گیا۔ یہ قراءت تفسیر کے انداز میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے تیری قوم تیری طرف نہیں آتی تھی وہ تیری قدر کو نہیں پہچانتے تھے تو اس نے مسلمانوں کی تیری طرف راہنمائی کی یہاں تک کہ وہ تجھ پر ایمان لے آئے۔

1۔ سدی اور کلبی کا قول کسی طرح بھی درست نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو کجا کسی بھی نبی کی طرف کفر کی نسبت کرنا صحیح نہیں کیونکہ انبیاء کے لیے اعلان نبوت سے قبل کبائر اور صغائر سے عصمت ثابت ہے۔

وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝

''اور اس نے آپ کو حاجت مند پایا تو غنی کر دیا''۔

یعنی فقیر، آپ ﷺ کے پاس کوئی مال نہ تھا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ذریعے آپ ﷺ کو غنی کر دیا۔ یہ کہا جاتا ہے: عَالَ الرجلُ یَعِیلُ عَیْلَةً جب وہ محتاج ہو۔ احیحہ بن جلاح نے کہا:

فما یَدْرِی الفقیرُ متی غِنَاہ　　وما یدْرِی الغنِی متی یَعِیل

فقیر نہیں جانتا کہ اس کی غنا کب ہوگی اور غنی نہیں جانتا کہ کب وہ محتاج ہو جائے گا۔

مقاتل نے کہا: فرضّاك بما أعطاك من الرزق جو تجھے رزق دیا اس کے ساتھ تجھے راضی کر دیا۔ کلبی نے کہا: رزق کے ساتھ تجھے قانع بنا دیا۔ ابن عساکر نے کہا: تجھے نفس کا فقیر پایا تو تیرے دل کو غنی کر دیا۔ اخفش نے کہا: تجھے عیال دار پایا اس کی دلیل فاغنی ہے اس معنی میں جریر کا قول ہے:

اللهُ أنزلَ فی الکتاب فریضةً　　لابن السبیل وللِفقیر العائل

اللہ تعالیٰ نے کتاب میں مسافر اور عیال دار فقیر کے لیے حصہ نازل کیا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تجھے دلائل اور براہین سے فقیر پایا تو تجھے ان کے ساتھ غنی کر دیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے تجھے فتوحات کے ساتھ غنی کر دیا اور کفار کے مال تجھے بطور فئی عطا کر دیئے۔ قشیری نے کہا: اس قول میں سوال کی گنجائش ہے کیونکہ سورت مکی ہے اور جہاد مدینہ طیبہ میں فرض ہوا۔

عام قراءت عَآئِلًا ہے۔ ابن سمیقع نے اسے عیّلا پڑھا ہے جس طرح طیّب اور ھیّن کا لفظ ہے۔

فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝

''پس کسی یتیم پر سختی نہ کیجئے اور جو مانگنے آئے اس کو مت جھڑکیے اور اپنے رب (کریم) کی نعمتوں کا ذکر فرمایا کیجئے''۔

اس میں چار مسائل ہیں:

تَقْهَرْ کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 1 ۔ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ اس پر ظلم کے ساتھ تسلط نہ جمائیں اس کا حق اس کو دے دیں اور اپنے یتیمی کے دور کو یاد کریں، یہ اخفش کا قول ہے۔ یہ دونوں لغتیں ایک ہی معنی میں ہیں۔ مجاہد سے یہ مروی ہے کہ معنی ہے آپ ﷺ اسے حقیر نہ جانیں۔

نخعی، اشہب اور عقیلی نے کہا: تکہر کاف کے ساتھ ہے۔ حضرت ابن مسعود کے مصحف میں اسی طرح ہے اس بنا پر یہ احتمال موجود ہے کہ اس پر ظلم کرنے اور مال لینے کے ذریعے تسلط جمانے سے نہی ہے۔ یتیم کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی

ذات کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ اس کے معاملہ میں سختی کی کیونکہ ظالم پر سخت سزا مرتب کی جاتی ہے۔ عرب کاف کی جگہ قاف اکثر استعمال کرتے ہیں۔

نحاس نے کہا: یہ غلط ہے کھرہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ اس پر سختی کرے۔ معاویہ بن حکم سلمی کی حدیث صحیح مسلم میں ہے جب انہوں نے سلام کا جواب دینے کے ساتھ نماز میں گفتگو کی تو اس وقت انہوں نے کہا تھا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان! میں نے رسول اللہ ﷺ سے بہتر نہ اس سے قبل کوئی معلم دیکھا اور نہ اس کے بعد کوئی معلم دیکھا جو آپ سے بہتر تعلیم دینے والا ہو۔ اللہ کی قسم! نہ آپ نے مجھ پر سختی کی، نہ مجھے مارا اور نہ ہی مجھے گالیاں دیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: قہر کا معنی غلبہ ہے کھر کا معنی جھڑکنا ہے۔

یتیم پر مہربانی کرنے کی فضیلت

مسئلہ نمبر2۔ یہ آیت یتیم پر مہربانی کرنے، اس کے ساتھ نیکی کرنے اور اس پر احسان کرنے پر دلالت کرتی ہے یہاں تک کہ قتادہ نے کہا: یتیم کے لیے رحیم باپ کی طرح ہو جا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں دل کی سختی کی شکایت کی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر تو نرمی کا ارادہ رکھتا ہے تو یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر''۔ صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا ان دو کی طرح ہیں'' اور سبابہ اور وسطی کے ساتھ اشارہ کیا(1)۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''یتیم جب روتا ہے تو اس کے رونے کی وجہ سے رحمن کا عرش لرز جاتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے کہتا ہے: اے میرے فرشتو! کس نے اس یتیم کو رلایا ہے جس کے باپ کو میں نے مٹی میں دبا دیا تھا؟ فرشتے عرض کرتے ہیں: اے ہمارے رب! تو خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے فرماتا ہے: اے میرے فرشتو! جس نے اسے خاموش کر دیا اور اسے راضی کیا اس پر گواہ ہو جاؤ میں اسے قیامت کے روز راضی کروں گا''۔ حضرت ابن عمر جب کسی یتیم کو دیکھتے تو اس کے سر پر ہاتھ پھیرا کرتے اور اسے کوئی نہ کوئی چیز دیا کرتے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مَنْ ضَمَّ یتیمًا فکان فی نفقته و کفاہ مؤنته کان له حجابًا من النَّارِ یومَ القیٰمةِ و من مَسَحَ برأس یتیمٍ کان له بِکُلِّ شعرةٍ حسنة (2)۔ جس نے یتیم کو اپنے ساتھ ملایا وہ یتیم اس کے خرچہ میں شامل تھا اور وہ آدمی اس کی ضروریات پوری کرتا ہو تو وہ یتیم قیامت کے روز آگ سے حجاب ہوگا۔ جس نے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کے لیے ہر بال کے بدلے نیکی ہوگی۔ اکثم بن صیفی نے کہا: بے وقعت چار ہیں چغل خور، جھوٹ بولنے والا، مقروض، یتیم۔

سائل اور اس کے ساتھ پیش آنے کا طریقہ

مسئلہ نمبر3۔ وَ اَمَّا السَّآىِٕلَ فَلَا تَنْهَرْ۝ سائل کو نہ جھڑکیں یہ مسائل کے بارے میں سخت بات کرنے سے نہی

1۔ سنن ابن ماجہ　2۔ اخرجہ ابن عدی، جلد 3، صفحہ 1097، ان کی سند میں سلیمان بن عمر نخعی ہے جس پر وضع کی تہمت ہے۔

ہے بلکہ اسے تھوڑا مال دے کر یا اچھا جواب دے کہ واپس کر دو؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء نے قول کیا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”جب سائل سوال کرے تو تم میں سے کسی کو اسے عطا کرنے سے کوئی چیز نہ روکے اگرچہ وہ عطا کرنے والا سائل کے ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن دیکھے“ حضرت ابراہیم بن ادہم نے کہا: سائلین کتنے اچھے لوگ ہیں جو ہمارا زادِ راہ آخرت کے لیے اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ ابراہیم نخعی نے کہا: سائل آخرت کا ڈاکیا ہے وہ تمہارے دروازے پر آتا ہے وہ کہتا ہے: کیا تم اپنے اہل کے لیے کوئی چیز بھیجنا چاہتے ہو؟

روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے سائل کو تھوڑا مال دے کر یا اچھا جواب دے کر واپس کرو بے شک وہ تمہارے پاس آتا ہے جو نہ انسانوں میں سے ہوتا ہے اور نہ جنوں میں سے۔ وہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جو عطا کیا ہے اس میں تمہارا کیا رویہ ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سائل سے مراد وہ ہے جو دین کے بارے میں سوال کرتا ہے یعنی اسے آپ سختی سے نہ جھڑکیں، اسے نرمی سے جواب دیں؛ یہ سفیان کا قول ہے۔ ابن عربی نے کہا: جو آدمی دین کے بارے میں سوال کرے تو اس کا جواب عالم پر فرض کفایہ ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح نیکی کا سوال کرنے والے کو عطا کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ حدیث کا علم رکھنے والوں کو دیکھتے تو ان کے لیے اپنی چادر بچھا دیتے اور کہتے: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبو! خوش آمدید۔ ابو ہارون عبدی نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ جب ہم حضرت ابوسعید خدری کے پاس آئے تو وہ کہتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت کے مستحق افراد کو خوش آمدید۔ بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لوگ تمہاری اتباع کرنے والے ہیں، لوگ تمہارے پاس زمین کی اطراف سے آئیں گے وہ دین سیکھنا چاہتے ہوں گے جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں بھلائی کی وصیت کرو“ (1)۔ ایک روایت میں ہے: ”مشرق کی جانب سے تمہارے پاس لوگ آئیں گے“ (2)۔

الْيَتِيْمَ اور السَّآىِٕلَ اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے جو اس کے بعد ہے منصوب کا حق تو یہ ہے کہ وہ فاء کے بعد ہوتا تقدیر کلام یوں ہے مهما یکن من شئ فلا تقهر الیتیم ولا تنهر السائل۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”میں نے اپنے رب سے سوال کیا میں پسند کرتا ہوں کہ میں نے وہ سوال نہ کیا ہوتا میں نے عرض کی: اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا، تو نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کی، تو نے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں کو مسخر کیا وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں، تو نے فلاں فلاں کو یہ چیز دی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: کیا میں نے تجھے یتیم نہیں پایا تو تجھے پناہ دی، کیا میں نے تجھے غافل نہیں پایا تو تجھے ہدایت دی، کیا میں نے تجھے عیالدار نہیں پایا تو تجھے غنی کر دیا، کیا میں نے تیرے سینے کو کھلا نہیں کر دیا، کیا میں نے تجھے وہ چیز عطا نہ کی جو اس سے قبل کسی کو نہ دی تھی (سورۂ بقرہ کی آخری آیات) کیا میں نے تجھے خلیل نہیں بنایا جس طرح میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا؟ میں نے

1۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الاستیصاء، حدیث نمبر 2574، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ جامع ترمذی، کتاب العلم، باب ما جاء فی الاستیصاء، حدیث نمبر 2575، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عرض کی: کیوں نہیں اے میرے رب!"(1)۔

اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرنا اور اس کے طریقے

مسئلہ نمبر 4۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ اللہ تعالیٰ نے تم پر جو نعمتیں کی ہیں شکر اور ثنا کے ذریعے انہیں عام کر۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر اور ان کا اعتراف یہ بھی شکر ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ سے مراد ہے قرآن۔ ان سے یہ قول بھی مروی ہے کہ اس سے مراد نبوت ہے یعنی جس کے ساتھ تمہیں بھیجا گیا ہے اس کی تبلیغ کرو۔ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور دوسرے لوگوں کے لیے ہے۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جب تو بھلائی پائے تو اچھا عمل کرے تو اپنے قابل اعتماد بھائیوں میں اس کا ذکر کر۔ عمرو ابن میمون سے مروی ہے: جب کوئی آدمی اپنے ان بھائیوں سے ملے جو اس پر اعتماد کرتے ہوں تو وہ اسے کہے: اللہ تعالیٰ نے اسے گزشتہ رات اتنی اتنی نماز پڑھنے کی توفیق دی۔ ابوفراس عبداللہ بن غالب جب صبح کرتے تو یہ کہتے: اللہ تعالیٰ نے گزشتہ رات میرے حصہ میں یہ یہ مقدر کیا میں نے اتنا قرآن حکیم پڑھا، میں نے اتنی نماز پڑھی، میں نے اتنا اللہ کا ذکر کیا اور میں نے یہ عمل کیا۔ ہم نے ان سے کہا: اے ابوفراس! آپ جیسے آدمی تو یہ بات نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ جب کہ تم یہ کہتے ہو: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر نہ کر۔ اس کی مثل ایوب سختیانی اور ابو رجاء عطاردی سے مروی ہے حضرت بکر بن عبداللہ مزنی نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: من أُعطِيَ خيرًا فلم يُرَعليه سمي بغيض الله معاديا لنعم الله"(2) جس کو خیر سے نوازا گیا اور اس پر وہ خیر نہ دیکھی گئی تو اسے اللہ تعالیٰ کا مبغوض اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے دشمنی رکھنے والا کہا جائے گا۔

شعبی نے حضرت نعمان بن بشیر سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے قلیل کا شکر یہ ادا نہ کیا اس نے کثیر کا شکر یہ ادا نہیں کیا۔ جس نے لوگوں کا شکر یہ ادا نہ کیا اس نے اللہ کا شکر یہ ادا نہ کیا، نعمتوں کا اظہار شکر ہے، ذکر کو ترک کرنا کفر ہے، جماعت رحمت ہے اور فرقت عذاب ہے"(3)۔ نسائی نے حضرت مالک بن نضلہ جشمی سے روایت نقل کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بوسیدہ، کپڑوں میں دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "کیا تیرے پاس مال ہے"؟ میں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! ہر قسم کا مال ہے فرمایا: "جب اللہ تعالیٰ تجھے مال عطا کرے تو اس کا اثر تجھ پر دکھائی دیا جانا چاہیے"۔ حضرت ابوسعید خدری نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ فرمایا: إنّ الله جَمِيلٌ يُحِبُّ الجمالَ ويحب أن يرى أثر نعمتِه علَى عبدِه"(4) اللہ تعالیٰ جمیل ہے جمال کو پسند کرتا ہے اور وہ پسند کرتا ہے کہ اس کے احسان کا اثر اس کے بندے پر دکھائی دے۔

فصل: بزی کی ابن کثیر سے روایت ہے کہ قاری اللہ اکبر کہے۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس سے انہوں نے حضرت ابی بن

1۔ طبرانی فی الکبیر، حدیث نمبر 12289
2۔ ابن ابی الدنیا فی العیال، صفحہ 384
3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی شکر المعروف، حدیث نمبر 4177، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
4۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 3789

کعب سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب سورۃ الضحیٰ کے آخر تک پہنچتے تو دو سورتوں کے درمیان تکبیر کہتے یہاں تک کہ قرآن حکیم ختم کرتے سورت کے اختتام کو اپنی تکبیر کے ساتھ نہ ملاتے بلکہ دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ کرتے گویا اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ روز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نہ آئی تو مشرکوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا: اس کے صاحب نے اسے چھوڑ دیا اور اس سے ناراض ہو گیا ہے تو یہ سورت نازل ہوئی۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ اکبر کے الفاظ کہے۔

مجاہد نے کہا: میں نے حضرت ابن عباس پر پڑھا تو آپ نے مجھے تکبیر کا حکم دیا اور مجھے حضرت ابی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت نقل کی۔ باقی کی قراءت میں تکبیر نہ کہتے کیونکہ یہ قرآن میں زیادتی کا ذریعہ ہے۔

میں کہتا ہوں: قرآن نقل متواتر سے ثابت ہے اس کی سورتیں، آیات اور حروف سب نقل متواتر سے ثابت ہیں نہ اس میں زیادتی ہے اور نہ کمی ہے تکبیر اس بنا پر قرآن نہیں جب بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ جو مصحف کے خط میں مصحف میں لکھے ہوئے ہونے کے باوجود قرآن نہیں تو تکبیر کیسے قرآن ہو گی جب کہ وہ لکھی ہوئی بھی نہیں؟ یہ اخبار احاد کی وجہ سے سنت ہے ابن کثیر نے اسے مستحب قرار دیا ہے اسے واجب قرار نہیں دیا جس نے اسے ترک کیا اس نے غلطی کی۔

حاکم ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ حافظ نے بخاری اور مسلم کی شرائط پر مستدرک میں حدیث ذکر کی ہے، ہمیں ابو یحییٰ محمد بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن یزید سے جو قاری تھے مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے امام تھے وہ ابو عبداللہ محمد بن علی بن زید صائغ سے وہ احمد بن محمد بن قاسم بن ابی بزہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے عکرمہ بن سلیمان کو یہ کہتے ہوئے سنا میں نے اسماعیل بن عبداللہ بن قسطنطین پر قرآن حکیم سنایا جب وہ وَالضُّحٰى ۝ تک پہنچا تو انہوں نے مجھے کہا: تو ہر سورت کے اختتام پر اللہ اکبر کہہ۔ میں نے عبداللہ بن کثیر کو قرآن حکیم سنایا جب میں وَالضُّحٰى ۝ تک پہنچا تو انہوں نے کہا: ختم کرنے تک تکبیر کہہ انہیں عبداللہ بن کثیر نے خبر دی کہ انہوں نے مجاہد کو پڑھ کر سنایا اور مجاہد نے انہیں خبر دی کہ حضرت ابن عباس نے انہیں اس امر کا حکم دیا۔ حضرت ابن عباس نے انہیں خبر دی کہ حضرت ابی بن کعب نے انہیں اس امر کا حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس چیز کا حکم دیا۔ یہ حدیث صحیح ہے شیخین نے اسے نقل نہیں کیا (1)۔

1۔ مستدرک للحاکم، جلد 3، صفحہ 307

سورۃ الم نشرح

﴿ ایاتھا ۸ ﴾ ﴿ ۹۴ سورۃ الانشراح مکیۃ ۱۲ ﴾ ﴿ رکوعھا ۱ ﴾

تمام کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اس کی آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾

''کیا ہم نے آپ کی خاطر آپ کا سینہ کشادہ نہیں کر دیا''۔

شرح صدر سے مراد اس کا کھولنا ہے یعنی کیا ہم نے آپ کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول نہیں دیا۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ کیا ہم نے آپ کے لیے آپ کے دل کو نرم نہیں کر دیا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم کیا سینہ کو کھولا جاتا ہے؟ فرمایا: ''ہاں اسے کھولا جاتا ہے''۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا اس کی کوئی نشانی ہے؟ فرمایا: ''ہاں دنیا (دھوکہ کے گھر) سے پہلو تہی اور آخرت (دار خلود) کی طرف رجوع اور موت کے آنے سے پہلے موت کی تیاری'' یہ معنی سورۃ الزمر میں آیت اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ (زمر: 22) میں گزر چکا ہے۔

حضرت حسن بصری سے مروی ہے کہ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۙ﴿۱﴾ کا معنی ہے حکمتوں اور علم سے اسے بھر دیا گیا۔ صحیح (1) میں حضرت انس بن مالک سے وہ اپنی قوم کے ایک فرد حضرت مالک بن صعصعہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس اثناء میں کہ میں نیند اور بیداری کی حالت میں بیت اللہ شریف کے پاس تھا کہ میں نے ایک کہنے والے کو سنا: میں تین میں سے ایک تھا میرے پاس سونے کا ایک ٹب لایا گیا جس میں زمزم کا پانی تھا میرا سینہ فلاں سے فلاں جگہ تک کھولا گیا۔ قتادہ نے کہا: میں نے کہا اس سے کیا مراد ہے؟ کہا: میرے بطن کے نیچے سے، کہا: میرا دل نکالا گیا میرے دل کو زمزم کے پانی سے دھویا گیا پھر اسے اس جگہ رکھ دیا گیا پھر اسے ایمان اور حکمت کے ساتھ بھر دیا گیا'' (2)۔ حدیث میں قصہ موجود ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ میرے پاس دو فرشتے ایک پرندے کی صورت میں آئے جن کے ساتھ پانی اور برف تھی ان میں سے ایک نے میرے سینے کو چیرا اور دوسرے نے اپنی چونچ کے ساتھ اسے کھولا اور اسے دھویا۔ ایک اور حدیث میں ہے ''جاءنی ملك فشق عن قلبی فاستخرج منه عذرة وقال: قلبك وكيع وعيناك بصيرتان وأذناك سميعتان

1۔ یہ ترمذی کی روایت کتاب التفسیر میں ہے۔ مترجم

2۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الم نشرح، حدیث 3269، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

أنت محمد رسول الله لسانك صادق ونفسك مطمئنة وخلقك قُثَم وأنت قيم (1)۔ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اس نے میرے دل کو چیرا اس سے دل نکالا اور کہا: تیرا دل مضبوط ہے تیری آنکھیں روشن ہیں، تیرے کان سننے والے ہیں تو محمد رسول اللہ ہے تیری زبان سچ بولنے والی ہے، تیرا نفس مطمئن ہے، تیرے اخلاق جامع ہیں اور تو امور کا نگران ہے"۔ اہل لغت نے کہا: وکیع کا معنی ہے جو چیز اس میں رکھی جائے اس کی حفاظت کرنے والا، یہ لفظ بولا جاتا ہے: سقاء وکیع یعنی ایسا مشکیزہ جو مضبوط ہو جو کچھ اس میں رکھا جائے اس کی حفاظت کرنے والا ہو اسی طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: واستوكعت معدته۔ اس کا معدہ مضبوط ہے قثم کا معنی جامع ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: رجل قثوم للخير۔ ایسا آدمی جو بھلائی کا جامع ہو۔

اَلَمْ نَشْرَحْ کا معنی ہے یقیناً ہم نے اسے کھول دیا ہے اس پر دلیل اس کا معطوف وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ یہ تاویل پر عطف ہے تنزیل پر نہیں کیونکہ اگر یہ تنزیل پر عطف ہوتا تو کلام یوں ہوتی ونضع عنك وزرك یعنی عطف معنی کے اعتبار سے ہے لفظ وصیغہ کے اعتبار سے نہیں۔ یہ چیز اس معنی پر دال ہے اَلَمْ نَشْرَحْ کا معنی قد شرحنا ہے حرف لم نافیہ ہے اور استفہام میں بھی نفی کا تصور موجود ہوتا ہے جب دونوں اکٹھے ہو گئے تو تحقیق کی طرف لوٹ گئے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ (التین) اس کا معنی ہے اللہ احکم الحاکمین ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر: 36) کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کافی نہیں۔ اس کی مثل جریر کا شعر ہے جس میں وہ عبدالملک بن مروان کی مدح کرتا ہے:

ألستم خير من ركب المطايا

یقیناً تم سواریوں پر سوار ہونے والوں میں سے بہترین ہو۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝

"اور ہم نے اتار دیا ہے آپ سے آپ کا بوجھ جس نے بوجھل کر دیا تھا آپ کی پیٹھ کو"۔

وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝ ہم نے آپ سے گناہ کو اتار دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے وحللنا وحططنا بھی پڑھا ہے حضرت ابن مسعود نے اسے وحللنا عنك وقرك پڑھا ہے یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ (الفتح: 2) ایک قول یہ کیا گیا ہے: نبوت سے قبل جو کچھ تھا اس کو آپ سے دور کر دیا۔ وزر کا معنی گناہ ہے معنی یہ ہو گا دور جاہلیت کے جن معمولات میں آپ عمل پیرا تھے ان کو آپ سے دور کر دیا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر معمولات زندگی اپنی قوم جیسے تھے اگرچہ آپ نے کسی بت کی کبھی بھی عبادت نہ کی۔ قتادہ، حسن بصری اور ضحاک نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ اعمال تھے جنہوں نے آپ کو بوجھل کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آپ کے لیے بخش دیا (2)۔

الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝ اس نے اتنا بوجھل کر دیا یہاں تک اس کی آواز سنائی دی گئی۔ اہل لغت کہتے ہیں: انقض الحمل ظهر الناقة یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب تو بوجھ کی زیادتی کی وجہ سے اس کی آواز سنے اسی طرح تو کجاوے کی

1۔ دارمی، صفحہ 53　2۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 493

آواز سنے۔ جمیل نے کہا:

وحتی تداعث بالنقیض حِبالُه وهَمّتْ بَوانِي زَوْرِهِ أن تَحَطَّمَا

یہاں تک کہ اس کی رسیوں نے آواز نکالنے کی دعوت دی اور اس کے سینے کی ہڈیوں نے ٹوٹنے کا ارادہ کیا۔

بَوانِي زورہ کا معنی ہے اس کے سینے کی ہڈیاں۔ وزر سے مراد بھاری بوجھ ہے۔ محاسبی نے کہا: اعمال کا وہ بوجھ جسے اللہ تعالیٰ اگر معاف نہ کرتا جس نے آپ کی کمر کو بوجھل کر رکھا تھا اور کمزور کر دیا تھا۔

انبیاء کے خلاف اولی اعمال کو اس بوجھ سے بیان کیا ہے جب کہ وہ سب بخش دیئے گئے ہیں کیونکہ انبیاء ان کو بہت اہمیت دیتے ہیں ان پر شرمندگی کا اظہار کرتے ہیں اور ان پر حسرت کرتے ہیں۔

سدی نے کہا: ہم نے آپ سے بوجھ کو اتار دیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قراءت میں وحططنا عنك وقرك ہے جس کا معنی یہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ سے دور جاہلیت کے اعمال کا بوجھ اتار دیا ہے۔ حسین بن فضل نے کہا: یعنی جو اعمال خطا یا نسیان کی وجہ سے صادر ہوئے ان کا بوجھ اتار دیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آپ کی امت کے گناہ بخش دیئے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ان میں مشغول رہتا۔

عبدالعزیز بن یحییٰ اور ابو عبیدہ نے کہا: ہم نے نبوت اور اس کی بجا آوری کی ذمہ داریاں آپ کے لیے ہلکی کر دیں یہاں تک کہ وہ آپ پر کچھ بوجھ کا باعث نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابتدا میں وحی آپ پر ثقیل ہوتی یہاں تک کہ آپ نے ارادہ کر لیا تھا کہ آپ اپنے آپ کو پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گرا دیں کہ جبریل امین حاضر ہوئے اور اپنا دیدار کرایا اور عقل کی تبدیلی کا جو اندیشہ تھا اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زائل کر دیا گیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوجھ اٹھانے سے محفوظ رکھا اور نبوت سے قبل آپ کو چالیس سال تک آلودگیوں سے محفوظ رکھا یہاں تک کہ آپ پر وحی نازل ہوئی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آلودگیوں سے پاک تھے (1)۔

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝

''اور ہم نے بلند کر دیا آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو''۔

مجاہد نے کہا: یعنی آذان میں آپ کا نام بلند کیا۔ اس بارے میں حضرت حسان بن ثابت کے اشعار ہیں:

وضمّ الإله اِسم النبیّ إلی إسمه إذا قال فی الخمس المؤذن أشهدُ

اللہ تعالیٰ نے نبی کا نام اپنے نام سے ملا دیا ہے جب پانچ آذانوں میں موذن اشہد کہتا ہے۔

ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے اللہ تعالیٰ آپ کو ارشاد فرماتا ہے: میرا ذکر نہیں کیا گیا مگر تیرا میرے ساتھ ذکر کیا گیا آذان میں، اقامت میں، تشہد میں، جمعہ کے روز منبر پر، عیدالفطر کے دن، عیدالاضحیٰ کے دن، ایام تشریق میں، عرفہ کے دن، جمروں کے قریب، صفا اور مروہ پر، نکاح کے خطبہ میں اور مشرق و مغرب میں۔ اگر ایک بندہ اللہ

1۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 502

تعالیٰ کی عبادت کرے، جنت، دوزخ اور ہر شئی کی تصدیق کرے اور اس بات کی گواہی نہ دے کہ حضرت محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں تو وہ کسی چیز سے نفع نہیں اٹھائے گا اور وہ کافر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آپ کے ذکر کو بلند کر دیا ہے، ہم نے آپ سے پہلے انبیاء پر نازل ہونے والی کتابوں میں آپ کا ذکر کیا، ہم نے انہیں آپ کے بارے بشارت دینے کا حکم دیا کوئی دین نہیں مگر آپ کا دین اس پر غالب آ کر رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم نے آسمانوں میں فرشتوں کے ہاں آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور زمین میں مومنوں کے ہاں آپ کے ذکر کو بلند کر دیا اور ہم آخرت میں آپ کا ذکر بلند کریں گے کہ ہم آپ کو مقام محمود اور باعزت درجات عطا کریں گے۔

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ۙ﴿۵﴾ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا ؕ﴿۶﴾

''یقیناً ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے بے شک ہر مشکل کے ساتھ آسانی ہے''۔

بے شک تنگی اور سختی کے ساتھ آسانی یعنی وسعت اور غنا ہے پھر اسی ارشاد کو مکرر ذکر کیا۔ ایک قوم نے کہا: یہ تکرار کلام کی تاکید ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: ارم ارم، پھینکو پھینکو۔ إعجل إعجل جلدی کرو، جلدی کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ﴿﴾ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ (التکاثر) ہرگز نہیں عنقریب تم جان لو گے پھر ہرگز نہیں عنقریب تم جان لو گے۔ اس کی مثال جواب کے تکرار میں ہے بلی، بلی، لا، لا یہ اطناب اور مبالغہ کے لیے ہے؛ یہ فراء کا قول ہے اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

هَممتُ بِنفسِيَ بعضَ الهموم　فأولَى لنفسيَ أولَى لها

میں نے اپنے بارے میں ایسے امور کا ارادہ کیا جو میرے لیے ہلاکت کا باعث تھے جو ہلاکت کا باعث تھے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر ہے کہ عربوں کی عادت ہے جب وہ کسی معرف بلام اسم کو ذکر کریں پھر اسے دوبارہ لائیں تو اس سے مراد پہلے والی ذات ہوتی ہے اگر وہ نکرہ ذکر کریں پھر اسے دوبارہ ذکر کریں تو دوسرا پہلے کا غیر ہوتا ہے یہاں آسانیاں دو ہیں تاکہ امید کے لیے زیادہ قوی ہو اور صبر پر زیادہ برانگیختہ کرنے والا ہو؛ یہ ثعلب کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں نے ایک تنگی پیدا کی ہے اور دو آسانیاں پیدا کی ہیں ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں ہوگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس صورت کی فضیلت میں ایک حدیث ہے لن يغلب عسر يسرين(1) ایک تنگی دو آسانیوں پر غالب نہیں آئے گی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تنگی پتھر میں ہو تو آسانی اسے تلاش کرلے گی یہاں تک کہ اس پر داخل ہو جائے گی ایک تنگی دو آسانیوں پر کبھی غالب نہیں آئے گی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح نے حضرت عمر بن خطاب کی طرف خط لکھا جس میں رومیوں کے لشکروں کا ذکر کیا اور ان سے جو خوف محسوس ہو رہا تھا اس کا ذکر کیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف خط لکھا: اما بعد جب بھی بندہ مومن پر کسی جگہ سختی آتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے بعد آسانی پیدا فرما دیتا ہے، بے شک ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آسکتی۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 495

ارشاد فرماتا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا ۟ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۠ (آل عمران) اے ایمان والو! تم صبر کرو اور ثابت قدم رہو (دشمن کے مقابلہ میں) اور کمر بستہ رہو (خدمت دین کے لیے) اور (ہمیشہ) اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو جاؤ۔

ایک قوم نے کہا ان میں سے جرجانی بھی ہے: یہ ایسا قول ہے جس میں اعتراض کی گنجائش ہے اگر اس استدلال کو تسلیم کیا جائے تو ضروری ہوگا کہ جب ایک آدمی کہے: اِنّ مع الفارس سیف، اِنّ مع الفارس سیفٌ کہ سوار ایک ہو اور تلواریں دو ہوں۔ جو بات صحیح ہے وہ یہ ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مبعوث کیا جب کہ آپ کم مال رکھنے والے تھے مشرکوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فقر و تنگدستی کی عار دلائی یہاں تک کہ انہوں نے کہا: ہم آپ کے لیے مال جمع کرتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمگین ہوئے اور خیال یہ کیا کہ ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر کی وجہ سے آپ کی تکذیب کی ہے پس اللہ تعالیٰ نے آپ کو عزت دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر جو نعمتیں کی تھیں ان کا شمار کیا۔ اور اپنے اس ارشاد کے ساتھ غنا کا وعدہ کیا: فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۝ یعنی انہوں نے فقر کی وجہ سے جو عار دلائی ہے وہ آپ کو غمگین نہ کرے بے شک اس تنگی کے ساتھ جلدی یعنی دنیا میں آسانی ملنے والی ہے تو جو وعدہ آپ سے کیا تھا اسے پورا کر دیا آپ کا وصال نہ ہوا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر حجاز اور یمن کے علاقہ کو فتح کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مال میں وسعت عطا فرمائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کو دو سو اونٹ عطا فرماتے تھے اور عمدہ عطیات دیا کرتے تھے اور اپنے اہل کے لیے سال بھر کے نفقہ کا انتظار فرماتے تھے یہ سب فضل و احسان دنیا سے متعلق تھا اگرچہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے اس میں آپ کی امت کے بعض افراد بھی داخل ہوں گے۔ ان شاء اللہ۔

پھر آخرت کے دوسرے فضل کا آغاز فرمایا اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دلاسا دینا ہے اس کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا: اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا۝ یہ ایک اور چیز ہے اس کے ابتدا پر دلیل حروف عطف فاء، واؤ وغیرہ سے خالی ہونا ہے جو عطف پر دلالت کرتے ہیں یہ تمام مومنین کے لیے عام وعدہ ہے کوئی بھی اس سے خارج نہیں یعنی دنیا میں مومنوں کے لیے تنگی کے ساتھ آخرت میں لامحالہ آسانی ہوگی۔ بعض اوقات دنیا اور آخرت کی آسانی جمع ہو جائے گی۔ حدیث طیبہ میں جو ہے لن یغلب عسر یسرین سے مراد ہے ایک تنگی دو آسانیوں پر ہرگز غالب نہیں آئے گی۔ اگر غالب آئے بھی تو ایک پر غالب آئے گی وہ دنیا کی آسانی ہے جہاں تک آخرت کی آسانی کا تعلق ہے وہ ہر صورت ہو کر رہے گی، اس پر کوئی چیز غالب نہیں آ سکتی یا یہ کہا جائے گا کہ عسر سے مراد اہل مکہ کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مکرمہ سے نکالنا ہے اور یسر سے مراد فتح مکہ کے روز دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مکہ مکرمہ میں عزت و شرف کے ساتھ داخل ہونا ہے۔

فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ۝ وَ اِلٰى رَبِّكَ فَارْغَبْ۝

"پس جب آپ (فرائض نبوت سے) فارغ ہوں تو (حسب معمول) ریاضت میں لگ جائیں اور اپنے رب

کی طرف راغب ہو جائیں"۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

فَرَغْتَ اور فَانْصَبْ کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر 1۔ فَاِذَا فَرَغْتَ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: جب آپ نماز سے فارغ ہو جائیں تو دعا میں مبالغہ کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنی حاجت کا سوال کریں (1)۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب آپ فرائض سے فارغ ہوں تو رات کے قیام میں مصروف ہو جائیں (2)۔ کلبی نے کہا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسالت کی تبلیغ سے فارغ ہوں تو اپنے لیے مومنین اور مومنات کے لیے استغفار کریں۔ حسن اور قتادہ نے کہا: جب اپنے دشمن کے ساتھ جہاد سے فارغ ہوں تو اپنے رب کی عبادت میں مصروف ہو جائیں۔ مجاہد سے مروی ہے: جب دنیا سے فارغ ہوں تو اپنی نماز میں شروع ہو جائیں اس کی مثل حضرت حسن بصری سے مروی ہے۔ حضرت جنید نے کہا: جب مخلوق کے معاملہ سے فارغ ہوں تو حق کی عبادت میں کوشش کیجئے۔ ابن عربی نے کہا: جس نے اس آیت فَانْصَبْ کو صاد کے کسرہ اور ابتدا میں ہمزہ قطعی کے ساتھ پڑھا تو وہ بدعتی ہے انہوں نے کہا: اس کا معنی ہے امام کو معین کیجئے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نائب ہو۔ یہ قراءت میں باطل ہے، معنی میں باطل ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اپنا خلیفہ نہیں بنایا۔ بعض جہلاء نے اسے فانصبّ پڑھا ہے معنی ہے جب تو جہاد سے فارغ ہو تو اپنے شہر کی طرف لوٹنے میں جلدی کیجئے، یہ بھی قراءت کے اعتبار سے باطل ہے کیونکہ اجماع کے خلاف ہے لیکن اس کا معنی صحیح ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: السفرُ قطعةٌ من العذاب يمنع أحدكم نومه، طعامه وشرابه فإذا قضى أحدكم نهمته فليعجل الرجوع الى أهله (3) سفر عذاب کا ایک ٹکڑا ہے وہ تمہیں نیند، کھانے اور مشروب سے روک دیتا ہے جب تم میں سے کوئی اپنی حاجت سے فارغ ہو تو وہ اپنے گھر کی طرف لوٹنے میں جلدی کرے۔ لوگوں میں از روئے عذاب کے سب سے سخت اور از روئے ٹھکانہ کے سب سے برا وہ ہوگا جو صحیح معنی لے اور اپنی جانب سے اس پر قراءت یا حدیث سوار کر دے وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے والا ہے، اس کے رسول پر جھوٹ بولنے والا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولے اس سے بڑھ کر کون ظالم ہے۔

مہدوی نے کہا: ابوجعفر منصور سے مروی ہے کہ اس نے اَلَمْ نَشْرَحْ حاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا۔ یہ بعید ہے۔ کبھی اس کی تاویل نون خفیفہ کے ساتھ کی جاتی ہے پھر وقف میں نون کو الف سے بدل دیا پھر فصل کو وقف پر محمول کیا۔ پھر الف کو حذف کر دیا گیا۔ اس پر بطور دلیل یہ شعر پڑھا:

اِضْرِبَ عنك الهمومَ طارِقَها ضربك بالسوط قَوْنَس الفَرَسِ

یہاں اضرب کو اِضْرِبَنْ مراد لیا ہے۔ ابو سمال سے مروی ہے: فاذا فرِغت یعنی راء کے نیچے کسرہ ہے یہ بھی اس میں لغت ہے اسے فَرَغِبْ بھی پڑھا گیا ہے یعنی لوگوں کو اس امر کی طرف رغبت دلایئے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

1۔ النکت والعیون، جلد 6، صفحہ 297 2۔ تفسیر بغوی، جلد 4، صفحہ 503 3۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7225

مسجد میں کھیلنا اور اس کے احکام

مسئلہ نمبر2۔ ابن عربی نے کہا: شریح سے یہ بات مروی ہے کہ وہ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے جو عید کے روز کھیل رہے تھے شریح نے کہا: شارع نے اس کا تو حکم نہیں دیا۔ اس میں (ان کے قول میں) اعتراض کی گنجائش ہے کیونکہ حبشی عید کے روز مسجد نبوی میں ڈھال اور برچھا کے ساتھ کھیلا کرتے تھے جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں دیکھ رہے ہوتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں داخل ہوئے جب کہ ان کے ہاں انصار کی بچیوں میں سے دو بچیاں گا رہی تھیں حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں شیطان کی مزمور (گیت) ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''اے ابوبکر! ان دونوں کو چھوڑ دو کیونکہ یہ یوم عید ہے''۔ اس میں اعمال کو کوشش سے برا کہنا لازم نہیں آتا بلکہ یہ مخلوق کے لیے مکروہ ہے۔

سورة التين

﴿ اٰیاتھا ۸ ﴾ ﴿ ۹۵ سورۃ التین مکیۃ ۲۸ ﴾ ﴿ رکوعھا ۱ ﴾

اکثر علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس اور قتادہ نے کہا: یہ مدنی ہے۔ اس کی آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ①

''قسم ہے انجیر اور زیتون کی''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

تین اور زیتون سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ ① حضرت ابن عباس، حضرت حسن بصری، مجاہد، ابراہیم نخعی، عطا بن ابی رباح، جابر بن زید، مقاتل اور کلبی نے کہا: اس سے مراد وہ انجیر ہے جسے تم کھاتے ہو اور تمہارا وہ زیتون ہے جس سے تم تیل نچوڑتے ہو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ⊙ (المومن) نیز پیدا کیا ایک درخت طور سینا میں وہ اگتا ہے تیل لیے ہوئے اور سالن لیے ہوئے کھانے والوں کے لیے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں انجیر کی ٹوکری پیش کی گئی فرمایا: ''کھاؤ'' اور خود بھی اس سے کھایا پھر فرمایا: ''اگر میں کہتا کوئی پھل جنت سے اترا ہے تو میں اسے ہی کہتا کیونکہ جنت کے پھل بغیر گٹھلی کے ہوں گے، اسے کھاؤ یہ بواسیر کو ختم کرتا ہے اور جوڑوں کے درد کے لیے نفع مند ہے''(1)۔

حضرت معاذ سے مروی ہے کہ انہوں نے زیتون کی تر شاخ سے مسواک کیا اور کہا: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''زیتون کا مسواک کتنا اچھا مسواک ہے، یہ مبارک درخت ہے، یہ منہ کو پاکیزہ بناتا ہے، یہ دانتوں کے میل کو دور کر دیتا ہے، یہ میرا اور مجھ سے قبل انبیاء کا مسواک ہے''(2)۔

حضرت ابن عباس سے مروی ہے: تین سے مراد حضرت نوح علیہ السلام کی مسجد ہے جو جودی پہاڑ پر بنائی گئی اور زیتون سے مراد بیت المقدس کی مسجد ہے۔ ضحاک نے کہا: تین مسجد حرام ہے اور زیتون مسجد اقصی ہے۔ ابن زید نے کہا: تین دمشق کی مسجد ہے اور زیتون بیت المقدس کی مسجد ہے۔ قتادہ نے کہا: تین وہ پہاڑ ہے جس پر دمشق کا شہر ہے اور زیتون وہ پہاڑ ہے جس پر بیت المقدس ہے۔ محمد بن کعب نے کہا: تین اصحاب کہف کی مسجد ہے اور زیتون ایلیاء کی مسجد ہے۔ کعب الاحبار، قتادہ،

1۔ الاتحاف، جلد 4، صفحہ 268
2۔ ایضاً

عکرمہ اور ابن زید نے کہا: تین دمشق کی مسجد ہے اور زیتون بیت المقدس کی مسجد ہے؛ یہ طبری کا پسندیدہ نقطہ نظر ہے۔ فراء نے کہا: میں نے ایک شامی کو کہتے ہوئے سنا: تین سے مراد وہ پہاڑ ہے جو حلوان سے ہمدان کے درمیان ہے۔ زیتون سے مراد شام کے پہاڑ ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں شام کے پہاڑ ہیں۔ جن کو طور زیتینا اور طور تینا کہتے ہیں ان دونوں کو یہ نام دیا گیا کیونکہ یہ دونوں پہاڑ ان دونوں کو اگاتے ہیں؛ ابومکین نے عکرمہ سے یہی روایت نقل کی ہے کہا: تین اور زیتون شام کے دو پہاڑ ہیں۔ نابغہ نے کہا: اتین التین عن عرض وہ تین میں ایک جانب سے آئیں۔ تین ایک جگہ کا نام ہے۔ یہ بھی جائز ہے کہ مضاف حذف ہو تقدیر کلام یہ ہے منابت التین والزیتون۔ لیکن قرآن حکیم کے الفاظ سے اس پر کوئی دلیل نہیں اور نہ اس کے قول میں کوئی دلیل ہے جو اس کے خلاف کو جائز نہیں گردانتا؛ یہ نحاس کا قول ہے۔

تین کے ساتھ قسم اٹھانے کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ ان اقوال میں سے صحیح پہلا قول ہے کیونکہ یہی حقیقت ہے حقیقت سے مجاز کی طرف بغیر دلیل کے نہیں پھرا جاتا۔ اللہ تعالیٰ نے تین کی قسم اٹھائی کیونکہ وہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا پردہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ (الاعراف:22) چھپانے لگ گئے اپنے (بدن) پر جنت کے پتے۔

وہ انجیر کا پتہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے اس کی قسم اٹھائی تا کہ اس میں موجود بڑے احسان کی وضاحت کرے کیونکہ اس کا منظر بڑا خوبصورت ہے، عمدہ خوشبو والا، اس کا توڑنا آسان اور چبانے کے قابل ہے۔ اس کے بارے میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

انظر الی التین فی الغصون ضُحًی   ممزق الجِلد مائل العُنُقِ

کانه ربّ نِعمةٍ سُلِبت   فعاد بعد الجدید فی الخَلَقِ

أصغر مافی النهود آکبره   لَکِنْ یُنَادٰی علیه فی الطُّرُقِ

چاشت کے وقت ٹہنیوں میں انجیر کی طرف دیکھو اس کی جلد پھٹی ہوئی ہے اور گردن جھکی ہوئی ہے گویا وہ ایسی نعمت والا ہے جس کو سلب کر لیا گیا ہے پس وہ مخلوق میں جدت کے ساتھ لوٹ آیا، جسامت میں جو سب سے چھوٹا ہے وہ قدر و منزلت میں سب سے بڑا ہے لیکن راستے میں اس پر ندا دی جاتی ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

التین یعتدِل عندی کل فاکهة   إذا أنثنی مائلا فی غصنه الزاهی

مُغَنَّش الوجه قد سالت حلاوته   کأنه راکع مِن خشیة اللهِ

میرے نزدیک انجیر ہر پھل کے ہم پلہ ہے جب وہ چمکدار ٹہنی میں جھکتے ہوئے دہرا ہو جاتا ہے اس کے چہرے پر نشانات ہیں میں نے اس کی حلاوت کا پوچھا گویا وہ اللہ کے ڈر سے رکوع میں ہے۔

زیتون کی قسم اٹھائی کیونکہ اس کے ساتھ حضرت ابراہیم کی مثال بیان کی گئی ہے۔

یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ (النور:35) اسے زیتون کے مبارک درخت سے جلایا جاتا ہے۔ یہ شام اور

مغرب کے اکثر لوگوں کا سالن ہے۔ اس کو بطور سالن استعمال کرتے ہیں اور سالن میں اسے استعمال کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ وہ چراغ جلاتے ہیں پیٹ کی بیماریوں اور زخموں کا اس کے ساتھ علاج کرتے ہیں۔ اس میں بہت زیادہ منافع ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کلوا الزیت وادھنوا بہ فانہ من شجرۃ مبارکۃ اس کا تیل کھاؤ اس سے تیل لگاؤ بے شک یہ مبارک درخت سے ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو سورۃ المومنون میں گزر چکی ہے۔

انجیر میں زکوٰۃ کے لازم ہونے کے بارے میں اختلاف

مسئلہ نمبر 3۔ ابن عربی نے کہا: ہم نے اس (انجیر) میں زکوٰۃ (عشر) کو واجب کیا ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ نے احسان جتلایا ہے اور اس احسان کو عظیم قرار دیا ہے، ساتھ ہی یہ خوراک ہے جو ذخیرہ کی جاسکتی ہے۔ بہت سے علماء نے اس میں عشر لازم کرنے سے انحراف کیا ہے وہ اصل میں والیوں کے ظلم سے بچنا چاہتے تھے کیونکہ وہ زکوٰۃ کے اموال میں ظلم کرتے ہیں وہ اسے چٹی کے طور پر وصول کرتے ہیں جس کے بارے میں صادق امین صلی اللہ علیہ وسلم نے خبردار کیا ہے۔ علماء نے اسے ناپسند کیا کہ وہ ایک اور مال تک ان کے لیے راہ بنا دیں جس میں وہ ظلم وستم کریں لیکن بندے کے لیے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنے رب کے انعام پر حق ادا کر کے گناہ سے بچے۔ امام شافعی نے اس علت یا کسی اور وجہ سے یہ ارشاد فرمایا: زیتون میں کوئی زکوٰۃ (عشر) نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ دونوں میں زکوٰۃ (عشر) ہے۔

وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝۲

''اور قسم ہے طور سینا کی''۔

ابن ابی نجیح نے مجاہد سے طُوْر کے بارے میں یہ قول نقل کیا ہے کہ طور ایک پہاڑ ہے۔ اور سِيْنِيْنَ سریانی زبان میں مبارک کو کہتے ہیں۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ قول نقل کیا ہے کہ طور پہاڑ ہے اور سِيْنِيْنَ کا معنی ہے خوبصورت۔ قتادہ نے کہا: سِيْنِيْنَ سے مراد مبارک خوبصورت ہے۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد وہ پہاڑ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا کی تھی۔ مقاتل اور کلبی نے کہا: سِيْنِيْنَ ہر اس پہاڑ کو کہتے ہیں جس میں پھل دار درخت ہو۔ یہ نبط کی لغت میں سِيْنِيْنَ اور سیناء ہے۔ عمرو بن میمون نے کہا: میں نے مکہ مکرمہ میں حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ آپ نے اس سورت کی تلاوت کی اور طور سیناء پڑھا کہا: حضرت عبداللہ کی قراءت میں یہ اسی طرح ہے بیت اللہ شریف کی تعظیم کے لیے اپنی آواز کو بلند کیا۔ دوسری رکعت میں سورۃ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ اور لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝ پڑھیں دونوں کو جمع کیا؛ اسے ابن انباری نے ذکر کیا۔ نحاس نے کہا: عبداللہ کی قراءت میں سیناء ہے۔ اور عمرو بن میمون کی حدیث میں سَيناء ہے۔ ابوعلی نے کہا: سِيْنِيْنَ فعليل کا وزن ہے لام مکرر ہے جو اس کلمہ میں نون ہے جس طرح زحلیل میں حرف مکرر ہے ایسی جگہ کو کہتے ہیں جہاں قدم جمانا ممکن نہ ہو۔ کردیدۃ کھجور کا ایک ڈھیر خندید طویل کو کہتے ہیں سِيْنِيْنَ بھی منصرف نہیں جس طرح سیناء منصرف نہیں کیونکہ یہ بقعہ یا ارض کا نام ہے اگر اسے مکان، منزل کا نام مانا جائے یا یہ مذکر کا اسم ہو تو یہ منصرف ہوتا ہے، کیونکہ مذکر اسم کو مذکر کا نام دیا گیا ہے۔ اس پہاڑ کی قسم اٹھائی گئی ہے کیونکہ یہ شام اور ارض مقدسہ میں

ہے اللہ تعالیٰ نے دونوں میں برکت رکھ دی ہے جس طرح فرمایا: اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ (الاسراء:1) مسجد اقصیٰ تک جس کے ماحول کو ہم نے بابرکت بنا دیا ہے۔

وَ هٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ ۝

''اور اس امن والے شہر (مکہ مکرمہ) کی''۔

اس سے مراد مکہ ہے اسے امین نام دیا کیونکہ وہ امن دینے والا ہے جس طرح ارشاد فرمایا: اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (العنکبوت:67) ہم نے حرم کو امن والا بنا دیا، امین، اٰمِن کے معنی میں ہے؛ یہ فراء کا قول ہے شاعر نے کہا:

أَلَمْ تَعْلَمِي يا أَسْمُ وَيْحَكِ أَنَّنِي حَلَفْتُ يَمِينًا لا أَخُون أَمِينِي

اے اسماء! تو نہیں جانتی تجھ پر افسوس میں نے قسم اٹھائی ہے میں اپنی قسم میں خیانت نہیں کرتا۔

یہاں امین، آمن کے معنی میں ہے اس سے اس نے استدلال کیا ہے جو یہ قول کرتا ہے کہ تین سے مراد دمشق ہے، زیتون سے مراد بیت المقدس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دمشق کے پہاڑ کی قسم اٹھائی کیونکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اترنے کی جگہ ہے اور بیت المقدس کی قسم اٹھائی کیونکہ وہ انبیاء کا مقام ہے اور مکہ مکرمہ کی قسم اٹھائی کیونکہ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آثار ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۝ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۝

''بے شک ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے (عقل و شکل کے اعتبار سے) بہترین اعتدال پر پھر ہم نے لوٹا دیا اس کو پست ترین حالت کی طرف''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

انسان سے مراد اور انسان کا حسن و جمال

مسئلہ نمبر 1۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ جواب قسم ہے۔ انسان سے مراد کافر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ولید بن مغیرہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد کلدہ بن اسید ہے۔ اس تعبیر کی صورت میں یہ موت کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کے انکار کرنے والوں کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد ہے۔ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ سے مراد اس کا اعتدال اور سیدھی قامت ہے؛ عام مفسرین کی یہی رائے ہے۔ اس کی تعبیر میں جتنے بھی قول کیے گئے ہیں سب سے اچھا یہی ہے کیونکہ ہر چیز کو اس حالت میں پیدا کیا گیا ہے کہ وہ منہ کے بل جھکا ہوا ہے جب کہ یہ سیدھا ہے اس کی فصیح و بلیغ زبان، ہاتھ اور انگلیاں ہیں جن کے ساتھ وہ پکڑتا ہے۔ ابوبکر بن طاہر نے کہا: معنی ہے عقل سے مزین، امر کو بجالانے والا تمیز کے ساتھ ہدایت یافتہ، سیدھے قد والا اور اپنے کھانے کی چیز اپنے ہاتھ میں پکڑ لیتا ہے۔ ابن عربی کا قول ہے: انسان سے زیادہ حسین اللہ تعالیٰ کی کوئی مخلوق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ، عالم،

قادر، ارادہ رکھنے والا، گفتگو کرنے والا، سننے والا، دیکھنے والا، تدبیر کرنے والا اور حکیم بنایا ہے۔ یہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی صفات ہیں۔ بعض علماء نے یہی تعبیر کی ہے اس کی وضاحت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان میں ہے: ان اللہ خلق آدم علی صورتہ (1) یعنی انسان کو ان صفات پر پیدا کیا جن کا ذکر ہم نے پہلے کیا ہے ایک روایت میں علی صورۃ الرحمن کے الفاظ ہیں اللہ تعالیٰ کی معین صورت کیسے ہوسکتی ہے پس صرف صفات ہی باقی رہ گئیں۔

ہمیں مبارک بن عبدالجبار ازدی نے خبر دی کہ ہمیں قاضی ابوالقاسم علی بن ابی علی قاضی محسن نے اپنے باپ سے خبر دی کہ عیسیٰ بن موسیٰ ہاشمی اپنی بیوی سے بہت زیادہ محبت کیا کرتا تھا ایک دن اس نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو چاند سے زیادہ حسین نہیں تو تجھے طلاقیں۔ اس کی بیوی اٹھی اور اس سے پردہ میں چلی گئی اور کہا: تو نے مجھے طلاق دے دی ہے۔ عیسیٰ نے بڑی مشکل سے رات گزاری جب صبح ہوئی تو وہ منصور خلیفہ کے گھر گیا اور تمام واقعہ بتایا اور منصور کے ساتھ بڑی آہ وزاری کی۔ منصور نے فقہاء کو بلایا اور ان سے فتویٰ طلب کیا جو بھی فقہاء موجود تھے سب نے کہا: اسے طلاق ہو چکی ہے مگر امام اعظم ابو حنیفہ کا ایک شاگرد خاموش تھا منصور خلیفہ نے اس سے پوچھا: تو کیوں خاموش ہے؟ اس نے اس سورت کی تلاوت کی اور کہا: اے امیر المومنین! انسان سب چیزوں سے زیادہ خوبصورت ہے کوئی چیز اس سے زیادہ خوبصورت نہیں۔ منصور نے عیسیٰ بن موسیٰ سے کہا: بات وہی ہے جو اس نے کہی اپنی بیوی کے پاس جا اور ابوجعفر نے اس کی بیوی کی طرف پیغام بھیجا اپنے خاوند کی اطاعت کر، اس کی نافرمانی نہ کر اس نے تجھے طلاق نہیں دی (2)۔

یہ واقعہ تیری راہنمائی کرتا ہے کہ انسان ظاہر و باطن کے اعتبار سے تمام مخلوقات سے زیادہ حسین ہے شکل وصورت میں جمال ہے، عمدہ بناوٹ ہے، سر میں جو کچھ ہے، سینہ جن چیزوں کو جمع کیے ہوئے ہے، پیٹ جن چیزوں پر مشتمل ہے، شرمگاہ جن چیزوں کو لپیٹے ہوئے ہے، ہاتھ اور جن کو وہ پکڑے ہیں، پاؤں اور جن کو وہ اٹھائے ہوئے ہیں اسی وجہ سے فلاسفہ کا قول ہے کہ انسان عالم اصغر ہے کیونکہ مخلوقات میں جو کچھ ہے وہ سب ایک انسان میں جمع کر دیا گیا ہے۔

انسان کے اتنا حسین و جمال ہونے کے باوجود اس کو اسفل السافلین کی طرف لوٹانے کا سبب

مسئلہ نمبر 2۔ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ ۝ پھر ہم نے انسان کو حقیر ترین عمر کی طرف لوٹا دیا وہ جوانی کے بعد بڑھاپا، قوت کے بعد ضعف ہے یہاں تک کہ آدمی بچے کی طرح پہلی حالت میں چلا جاتا ہے؛ یہ ضحاک، کلبی اور دوسرے علماء نے کہا۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے روایت نقل کی ہے: اس کا معنی ہے پھر ہم نے کافر کو آگ کی طرف لوٹا دیا؛ یہ ابو العالیہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب اللہ تعالیٰ نے اسے ان جلیل القدر صفات سے متصف کیا جن سے انسان مرکب ہے تو اس نے سرکشی کی یہاں تک کہ اس نے کہا: اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ۝ (النازعات) میں تمہارا بڑا رب ہوں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے سے ان چیزوں کو جانا اور جب کہ بندہ اپنی جانب سے فیصلہ کر رہا ہے اسے اسفل سافلین کی طرف پھیر دیا اس طرح کہ اسے گندگی سے بھرا ہوا نجاست سے لتھڑا ہوا بنا دیا یہاں تک کہ جب وہ اپنے امر کو دیکھے گا تو وہ اپنی حیثیت کی طرف لوٹ

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8171
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1940

آئے گا۔ عبداللہ نے اسے اسفل السافلین پڑھا ہے کہا: اسفل سافلین جمع ہے کیونکہ انسان جمع کے معنی میں ہے اگر اسفل سافل ہوتا تو بھی جائز تھا کیونکہ انسان کا لفظ واحد ہے تو کہتا ہے: ھذا افضل قائم تو یہ نہیں کہتا: افضل قائمین کیونکہ تو ایک کے لیے ضمیر مضمر کر رہا ہے اگر ایک مضمر نہ ہو تو اس کا اسم واحد اور جمع دونوں کے ساتھ لوٹ سکتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۝ (الزمر) جو سچ لایا اور جس نے تصدیق کی وہی متقین ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِنَّاۤ اِذَاۤ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً فَرِحَ بِهَا ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌۢ (الشوریٰ: 48) بے شک ہم جب انسان کو اپنی جانب سے رحمت کا مزا چکھاتے ہیں تو وہ اس کے ساتھ خوش ہوتا ہے اور اگر اسے مصیبت پہنچے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ کا معنی ہے ہم نے اسے گمراہی کی طرف لوٹا دیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر) انسان خسارے میں ہے مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔

مگر وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کیے تو انہیں گمراہی کی طرف نہیں لوٹایا جائے گا۔ جس نے یہ کہا کہ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ سے مراد آگ ہے اس کے نزدیک یہ مستثنیٰ متصل ہے اور جس نے کہا: اس سے مراد بڑھاپا ہے تو اس نے کہا: اس سے مراد مستثنیٰ منقطع ہے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَهُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ ۝

''بجز ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے تو ان کے لیے نہ ختم ہونے والا اجر ہے''۔

ان کے لیے نیکیاں لکھی جائیں گی اور ان کی برائیاں مٹا دی جائے گی؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہا: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں بڑھاپے نے آلیا تو بڑھاپے میں انہوں نے جو عمل کیے ان پر ان کا کوئی مواخذہ نہیں ہوگا۔

ضحاک نے ان سے یہ قول نقل کیا ہے: بندہ جب جوانی میں بہت زیادہ نمازیں پڑھتا ہے زیادہ روزے رکھتا ہے اور صدقات دیتا ہے پھر جوانی میں جو اعمال کیا کرتا تھا ان سے کمزور ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے ان اعمال کا اجر دیتا رہتا ہے جو وہ جوانی میں کیا کرتا تھا(1) حدیث طیبہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا سافر العبدُ أو مَرِضَ کتب الله له مثل ما کان یعمل مقیما صحیحا(2) بندہ جب سفر کرتا ہے یا مریض ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے حق میں وہی اعمال لکھتا رہتا ہے جو حالت اقامت اور حالت صحت میں عمل کیا کرتا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے نہ ان کی عقل خراب ہوتی ہے اور نہ وہ بوڑھے عاجز ہوتے ہیں جو عالم و عامل تھا اس کی عقل نہیں جاتی۔ عاصم احول نے عکرمہ سے روایت نقل کی ہے: جو آدمی قرآن حکیم پڑھتا ہے اسے ارذل عمر کی طرف نہیں لوٹایا جاتا حضرت ابن عمر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے فرمایا: طُوبیٰ لِمَنْ طَالَ عمرُہ و حَسُنَ عملُه(3) اس آدمی کے لیے مبارک ہو جس کی عمر طویل ہوئی اور عمل اچھا ہوا۔ یہ روایت کی گئی ہے: بندہ مومن جب فوت

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 518 2۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 19679 3۔ ایضاً، حدیث نمبر 17680

ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے دو فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قیامت کے دن تک اس کی قبر کے پاس اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس مومن کے حق میں اجر لکھا جاتا رہے گا۔

ان خوش نصیبوں کے لیے عمل کے بغیر اجر ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ایسا اجر ہوگا جو ختم نہ ہوگا۔

فَمَا يُكَذِّبُكَ بَعْدُ بِالدِّيْنِ ۞

''پس کون جھٹلا سکتا ہے آپ کو اس کے بعد جزا و سزا کے معاملہ میں''۔

خطاب کافر کو ہے مقصود اسے شرمندہ کرنا اور الزام حجت ہے اے انسان! جب تو نے پہچان لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے احسن تقویم میں پیدا کیا، وہ تجھے ارذل عمر کی طرف لوٹائے گا اور تجھے ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کرے گا تو وہ کون سی چیز ہے جو تجھے دوبارہ اٹھانے اور جزا کو جھٹلانے پر برانگیختہ کرتی ہے جب کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تجھے اس بارے میں آگاہ کیا؟ ایک قول یہ کیا گیا تھا کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یعنی یقین رکھیے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو کچھ آیا ہے اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ احکم الحاکمین ہے؛ یہی معنی قتادہ سے بھی منقول ہے۔ قتادہ اور فراء نے کہا: معنی ہے اے رسول! اس بیان کے بعد کون جزا کے بارے میں تجھے جھٹلاتا ہے؛ یہ طبری کا نقطہ نظر ہے۔ گویا فرمایا: کون اس پر قادر ہے یعنی انسان کو پیدا کرنے کی ہماری قوت کے ظاہر ہونے کے باوجود کون ثواب، عقاب، دین اور جزا کے بارے میں تجھے جھٹلائے۔ شاعر نے کہا:

دِنَّا تميما كما كانتْ أوائلُنا ... دانَتْ أوائلَهمْ فی سالف الزمنِ

ہم نے تمیم کو بدلہ دیا جس طرح ہمارے آباؤ اجداد نے گزشتہ زمانہ میں ان کے آباء کو بدلہ دیا۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞

''کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ سب حاکموں سے بڑا حاکم''۔

اس نے جو بھی چیز پیدا کی اس کی صنعت میں کیا وہ سب سے محکم حاکم نہیں؟ ایک قول یہ کیا گیا: حق کا فیصلہ کرنے اور مخلوق میں عدل کرنے کے اعتبار سے احکم الحاکمین نہیں؟ اس میں کلام مقدر ہے کہ کفار میں سے جو صانع قدیم کا اعتراف کرتے ہیں ان کی طرف روئے سخن ہے استفہام کا ہمزہ جب حرف نفی پر داخل ہو جب کہ کلام میں آگاہی کا معنی موجود ہو تو وہ کلام مثبت ہو جاتی ہے جس طرح کہا: اَلستُمْ خیرَ مَنْ رکِبَ المطایا جو لوگ سواریوں پر سوار ہوئے ان میں سے تم یقیناً بہترین ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ دونوں آیات آیت سیف سے منسوخ ہو گئی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ثابت ہیں کیونکہ دونوں کے درمیان منافات نہیں۔ حضرت ابن عباس اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم جب یہ آیت اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۞ پڑھتے تو کہتے: بلی کیوں نہیں میں اس پر گواہ ہوں۔ تو یہ کہنا مستحب ہے: اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

امام ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: جو یہ سورت پڑھے تو کہے: بلی وأنا علی ذلك من الشاهدین (1)۔

1۔ سنن ابی داؤد، باب مقدار الرکوع والسجود، حدیث نمبر 753، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ العلق

(آیاتہا ۱۹) (۹۶ سورۃ العلق مکیۃ ۱) (رکوعہا ۱)

یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے قول کے مطابق قرآن حکیم کی سورتوں میں سے سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس کی انیس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝

"آپ پڑھیے اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا فرمایا"۔

اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے: سب سے پہلے یہی سورت نازل ہوئی جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے جب کہ آپ غار حرا پر قیام فرماتے تھے انہوں نے اس سورت کی پانچ آیات کی تعلیم دی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے سورۃ المدثر نازل ہوئی؛ یہ حضرت جابر بن عبد اللہ کا قول ہے۔ اس کے بارے میں گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی، یہ ابو میسرہ ہمدانی کا قول ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ نے کہا: سب سے پہلے یہ آیت نازل ہوئی قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ (الانعام: 151) فرما دیجئے: آؤ میں تم پر تلاوت کروں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا ہے (1)۔ صحیح پہلا قول ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: آغاز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سچی خوابیں آتیں پھر ایک فرشتہ آیا اس نے کہا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے صحیحین میں یہ روایت منقول ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آغاز میں حالت نیند میں آپ پر سچے خواب آتے آپ خواب نہ دیکھتے مگر وہ اس طرح واضح ہوتے جیسے صبح ہوتی ہے پھر آپ کو خلوت محبوب ہونے لگی تو آپ غار حرا میں خلوت گزین ہونے لگے آپ گھر لوٹنے سے پہلے کئی دن عبادت کرتے رہتے تھے اور ان کے لیے زادراہ بھی لے جایا کرتے تھے پھر آپ خدیجۃ الکبریٰ کی طرف لوٹتے تو اس کی مثل زادراہ لے جاتے یہاں تک کہ حق ان پر اچانک عیاں ہوا جب کہ آپ غار حرا میں تھے ایک فرشتہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: اِقْرَاْ (پڑھو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ما انا بقاری (میں پڑھنے والا نہیں) فرمایا: "اس فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے مشقت ہوئی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اس نے کہا: اِقْرَاْ میں نے کہا: ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑا اور مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے تکلیف ہوئی پھر مجھے چھوڑ دیا پھر کہا: اِقْرَاْ میں نے کہا: ما انا بقاری اس نے مجھے پکڑا اور تیسری دفعہ مجھے بھینچا یہاں تک کہ مجھے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1942

تکلیف پہنچی پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا پھر اس فرشتے نے کہا: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ اِقۡرَاۡ وَرَبُّكَ الۡاَكۡرَمُ ۙ الَّذِيۡ عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۝ مکمل حدیث ذکر کی (1)۔

ابورجاء عطاردی نے کہا: حضرت ابوموسیٰ اشعری ہماری اس مسجد (مسجد نمرہ) میں ہمارے پاس تشریف لاتے ہمیں حلقہ میں بٹھاتے اور ہمیں قرآن پڑھاتے گویا میں انہیں دو سفید کپڑوں میں دیکھ رہا ہوں۔ ان سے ہی میں نے یہ سورت لی ہے اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ الَّذِيۡ خَلَقَ ۝ یہ وہ پہلی سورت ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یہ وہ پہلی سورت ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کی گئی اس کے بعد نٓ وَالۡقَلَمِ اس کے بعد يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۝ اور اس کے بعد وَالضُّحٰى ۝ نازل ہوئی؛ یہ ماوردی نے ذکر کیا۔

زہری سے مروی ہے کہ پہلی سورت اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ سے مَا لَمۡ يَعۡلَمۡ ۝ تک نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غمگین ہوئے آپ پہاڑوں کی چوٹیوں پر چڑھ جاتے حضرت جبریل امین ان کے پاس آتے تو آپ سے کہا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت خدیجہ کی طرف واپس لوٹے اور کہا: دثرونی وصبوا علیّ ماءً باردًا مجھے چادر اوڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی انڈیلو۔ تو یہ آیت نازل ہوئی يٰۤاَيُّهَا الۡمُدَّثِّرُ ۝ (2)۔

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ کا معنی ہے قرآن حکیم میں سے جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل کیا گیا ہے اپنے رب کے نام سے شروع کرتے ہوئے پڑھیے وہ یہ کہ ہر سورت کے آغاز میں بسم اللہ شریف پڑھیے بِاسۡمِ رَبِّكَ میں باء کا محل حال ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: باء، علی کے معنی میں ہے، تقدیر کلام یہ ہوگی اقرأ علی أسم ربك یوں جملہ بولا جاتا ہے: فعل کذا باسم اللہ، فعل کذا علی إسم اللہ۔ اس نے اللہ کے نام سے شروع کرتے ہوئے یہ کام کیا۔ اس تعبیر کی صورت میں مقروء محذوف ہے یعنی قرآن پڑھو اور اللہ کے نام سے شروع کرو۔ ایک قوم کا کہنا ہے: اسم ربك سے مراد قرآن ہے پس وہ کہتا ہے: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ مراد ہے إقرأ إسم ربك باء زائدہ ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ (المومنون: 20) یہاں بھی باء زائدہ ہے جس طرح شاعر نے کہا:

سُودُ المحاجِرِ لا يَقْرَأنَ بالسُّوَرِ

یہاں بھی شاعر نے لایقرأن السور مراد لیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّكَ کا معنی ہے اس کے نام کا ذکر کیجئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حکم دیا کہ قراءت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کریں۔

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ

''پیدا کیا انسان کو جمے ہوئے خون سے''۔

الۡاِنۡسَانَ سے مراد ابن آدم ہے عَلَقٍ سے مراد خون ہے یہ علقۃ کی جمع ہے علقہ سے مراد جامد خون ہے جب وہ چلے تو اسے مسفوح کہتے ہیں یہاں عَلَقٍ فرمایا اور جمع کا صیغہ ذکر کیا کیونکہ الۡاِنۡسَانَ سے مراد بھی جمع ہے سب کے سب نطفہ کے بعد

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 25959
2۔ تفسیر الکشاف، جلد 4، صفحہ 180

عَلَقٍ سے پیدا کیے گئے العلقہ تر خون کا ایک حصہ ہے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ یہ اپنی رطوبت کی وجہ سے ہر اس چیز کے ساتھ چمٹ جاتا ہے جو اس پر گزرتی ہے جب وہ خشک ہو جائے تو وہ علقہ نہیں ہوتا۔ شاعر نے کہا:

ترکناہ یخر علی یدیہ یمج علیھما عَلَقَ الوَتِینِ

ہم نے اسے یوں چھوڑا وہ اس کے سامنے منہ کے بل گرتا ہے شہ رگ اس پر خون کی کلی کرتی ہے۔

انسان کا خصوصاً ذکر کیا مقصود اس کی عظمت بیان کرنا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ارادہ کیا کہ اس پر جو احسان کیا ہے اس کی قدر و منزلت کو بیان کرے اس طرح کہ اسے حقیر جمے ہوئے خون سے پیدا کیا یہاں تک کہ وہ مکمل انسان، عقل مند اور امتیاز کرنے والا ہو گیا۔

اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ

"پڑھیے آپ کا رب بڑا کریم ہے"۔

اِقْرَاْ یہ تاکید کے لیے ہے کلام مکمل ہوئی پھر نئے سرے سے کلام کو شروع کیا اور فرمایا: وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ یہاں الْاَكْرَمُ کریم کے معنی میں ہے۔ کلبی نے کہا: معنی ہے بندوں کے جاہلانہ طرز عمل پر حلم کرتا ہے انہیں جلدی سزا نہیں دیتا۔ پہلا معنی معنوی طور پر زیادہ مناسب ہے کیونکہ جب جو نعمتیں پہلے ہوئیں ان کا ذکر کیا تو ان کے وسیلہ سے اپنے کرم پر دلالت کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ کا معنی ہے اے محمد! پڑھیے جب کہ آپ کا رب تیری مدد کرے گا اور تجھے سمجھا دے گا اگرچہ آپ پڑھے ہوئے نہیں اور الْاَكْرَمُ کا معنی ہے وہ بندوں کی جہالتوں سے درگزر فرمانے والا ہے۔

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ

"جس نے علم سکھایا قلم کے واسطہ سے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

قلم علم اور دین کو محفوظ رکھنے اور منتقل کرنے کا ذریعہ

مسئلہ نمبر 1 ۔ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ خط و کتاب کی تعلیم دی یعنی انسان کو قلم کے ساتھ خط کی تعلیم دی۔ سعید نے قتادہ سے روایت نقل کی ہے: قلم اللہ تعالیٰ کی جانب سے عظیم نعمت ہے اگر یہ نہ ہوتا تو دین قائم نہ ہوتا اور زندگی درست نہ ہوتی (1) یہ اللہ تعالیٰ کے کمال کرم پر دال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس چیز کی تعلیم دی جسے وہ نہیں جانتا تھا اور انہیں جہالت کی ظلمت سے علم کے نور کی طرف نکالا اور علم کتابت کی فضیلت پر آگاہ کیا کیونکہ اس میں ایسے عظیم منافع ہیں جس کا احاطہ اس ذات کے سوا کوئی نہیں کر سکتا نہ علوم مدون ہوئے، نہ حکمتیں مقید ہوئیں، نہ پہلے لوگوں کی خبریں اور مقالات ضبط ہوئے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتابیں محفوظ ہوئیں مگر کتابت کے ذریعے ہی یہ سب کچھ ہوا۔ اگر یہ ایسا نہ ہوتا تو دین و دنیا کے امور

1۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 527

درست نہ ہوتے۔ اسے قلم اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اسے کاٹا جاتا ہے اس معنی میں تقلیم الظفر ہے جس کا معنی ناخن کاٹنا ہے۔
ایک شاعر نے قلم کی تعریف کرتے ہوئے کہا:

فكأنه والحِبْرُ يخضِبُ رأسَهٗ　　شيخٌ لوصل خَرِيدۃٍ يتَصَنَّعُ

لِمَ لا أُلاَحظه بعين جَلالة　　وبه إلى الله الصحائفُ ترفعُ

گویا وہ قلم جب کہ روشنائی اس کے سر کو رنگین کرتی ہے ایک بوڑھا شخص ہے جو دوشیزہ کو پانے کے لیے تصنع کرتا ہے میں اس قلم کو شرف کی آنکھ سے کیوں نہ دیکھوں، جب کہ اس کے ذریعے صحائف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بلند کیے جاتے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم جو بات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنوں کیا میں اسے لکھ لیا کروں؟ فرمایا: ''ہاں لکھو بے شک اللہ تعالیٰ نے قلم کے ذریعے تعلیم دی''۔ مجاہد نے ابو عمر سے یہ روایت نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چار چیزیں اپنے دست قدرت سے پیدا کیں پھر باقی تمام چیزوں کے لیے فرمایا: کن ہو جا تو وہ ہر چیز ہو گئی (۱) قلم (۲) عرش (۳) جنت عدن (۴) اور حضرت آدم علیہ السلام۔

جس کو قلم کے ساتھ تعلیم دی اس کے بارے میں تین قول ہیں: (۱) حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ وہ سب سے پہلے فرد ہیں جس نے لکھا؛ یہ کعب اور الاحبار کا قول ہے۔

(۲) وہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں یہ سب سے پہلے کاتب ہیں؛ یہ ضحاک کا قول ہے۔

(۳) جس نے بھی قلم کے ساتھ لکھا وہ اس میں داخل ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے ہی یہ فن جانا ہے اس طرح اللہ تعالیٰ نے اس کی تخلیق کر کے جو نعمت کی اور اس کو تعلیم دے کر جو نعمت کی سب کو جمع کر دیا تا کہ اس پر اپنی نعمت کو مکمل کرے۔

قلم نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کو لکھا

مسئلہ نمبر 2۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث سے ثابت ہے: جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب میں لکھا جب وہ کتاب عرش کے اوپر اس کے پاس تھی: میری رحمت میرے غضب پر غالب ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا اسے فرمایا: لکھو تو قیامت تک جو کچھ ہونے والا تھا اس نے لکھ دیا(1) جب کہ وہ عرش کے اوپر ذکر میں اس کے پاس تھا''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح میں حدیث مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب نطفہ پر بیالیس دن گزر جاتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کی طرف ایک فرشتہ بھیجتا ہے وہ اس کی تصویر بناتا ہے، اس کے کان، آنکھ، جلد، گوشت اور ہڈیاں بناتا ہے پھر وہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! کیا یہ مذکر ہے یا مونث؟ تو تیرا رب جو چاہتا ہے فیصلہ کرتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اے میرے رب! اس کی اجل؟ تو تیرا رب جو چاہتا ہے فرماتا ہے، فرشتہ وہ لکھ لیتا ہے، پھر فرشتہ عرض کرتا ہے: اس کا رزق؟ تیرا رب جو چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے اور فرشتہ لکھ لیتا ہے، پھر فرشتہ اپنے ہاتھ میں صحیفہ لے کر نکل جاتا ہے

1۔ سنن ابی داؤد، کتاب السنة، باب فی القدر، حدیث نمبر 4078، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

اسے جو حکم دیا گیا ہوتا ہے اس میں نہ اضافہ کرتا ہے اور نہ کمی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۙ﴿۱۰﴾ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ﴿۱۱﴾ (الانفطار)''۔

ہمارے علماء نے فرمایا اصل میں تین قلم ہیں:۔

(۱) قلم اول، جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔

(۲) فرشتوں کی قلمیں، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں دے دیں جن کے ساتھ وہ تصادیر، کوائن اور اعمال لکھتے ہیں۔

(۳) لوگوں کی قلمیں، اللہ تعالیٰ نے یہ لوگوں کے ہاتھوں میں دے دیں جن کے ساتھ وہ اپنی کلام لکھتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرتے ہیں کتابت میں بہت زیادہ فضائل ہیں کتابت، بیان کا حصہ ہے بیان ان چیزوں میں سے ہے جس کے ساتھ آدمی کو خاص کیا گیا ہے۔

عربوں کا سب سے کم لکھنا اور بالخصوص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ لکھنے، پڑھنے میں حکمت

مسئلہ نمبر 3۔ ہمارے علماء نے کہا: عرب لوگوں میں سے سب سے کم لکھنا جانتے تھے عربوں میں سے سب سے کم اس کی پہچان رکھنے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے اس لیے دور کر دیا گیا تھا تاکہ یہ امر آپ کے معجزہ کو سب سے زیادہ ثابت کرنے والا اور آپ کی حجت میں سب سے قوی ہو (1)۔ سورۂ عنکبوت میں یہ بحث مفصل گزر چکی ہے۔

حماد بن سلمہ، زبیر بن عبد السلام سے انہوں نے ایوب بن عبد اللہ فہری سے انہوں نے حضرت عبد اللہ بن مسعود سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنی عورتوں کو بالا خانوں میں نہ رکھو اور نہ ہی انہیں لکھنا سکھاؤ''۔

ہمارے علماء نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چیز سے لوگوں کو خبردار کیا کیونکہ جب بالا خانوں میں رکھا جائے گا تو وہ مردوں کی طرف جھانکیں گی نہ اس میں ان کے لیے پاکدامنی رہے گی اور نہ ہی پردہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے وہ اپنے آپ پر قابو نہیں رکھتیں یہاں تک وہ مردوں کی طرف جھانکتی ہیں تو فتنہ و آزمائش جنم لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں خبردار کیا کہ وہ ان کے لیے بالا خانے نہ بنائیں جو ان کے فتنہ کا ذریعہ ہیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے لیے اس سے بہتر کوئی چیز نہیں کہ مرد انہیں نہ دیکھیں'' اور وہ مردوں کو نہ دیکھیں اس کی وجہ یہ ہے کہ عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے تو اس کا اشتیاق مرد میں ہے مرد میں شہوت پیدا کی گئی ہے اور عورت کو اس کے لیے سکون بنا دیا گیا ہے ان میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے بارے میں امن میں نہیں، اسی طرح لکھنے کی تعلیم ہے بعض اوقات یہ فتنہ کا سبب ہوتا ہے اس کی صورت یہ ہے جب اسے لکھنے کی تعلیم دی جاتی ہے تو وہ اسے خط لکھتی ہے جس سے وہ محبت کرتی ہے کتابت بھی آنکھوں میں سے ایک آنکھ ہے اس کے ذریعے حاضر، غائب کو دیکھتا ہے خط ہاتھ کے آثار میں سے ہے۔ اس لکھائی میں مافی الضمیر کی تعبیر ہوتی ہے جب کہ زبان کے ساتھ نہیں بولا جاتا۔ یہ زبان سے بھی زیادہ بلیغ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند کیا کہ ان سے فتنہ کے اسباب منقطع ہو جائیں تاکہ ان کی عصمت باقی رہے اور ان کے دل پاک رہیں۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1944

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝

''اسی نے سکھایا انسان کو جو وہ نہیں جانتا تھا''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی ذات ہے اسے ہر شئی کے ناموں کا علم سکھایا جس طرح قرآن حکیم میں آیا ہے وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (البقرہ: 31) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء کا علم سکھایا۔ کوئی چیز باقی نہ بچی مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ہر لغت میں اس کا نام سکھا دیا حضرت آدم علیہ السلام نے وہ نام فرشتوں کو بتا دیئے جس طرح آپ کو بتائے گئے تھے۔ اس طرح ان کی فضیلت ظاہر ہوگئی، ان کی قدر واضح ہوگئی اور ان کی نبوت ثابت ہوئی، ملائکہ پر اللہ تعالیٰ کی حجت اور حضرت آدم علیہ السلام کا غلبہ قائم ہو گیا فرشتوں نے حکم کی اطاعت کی کیونکہ انہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے شرف کو دیکھ لیا تھا، اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جلالت کا نظارہ کر لیا تھا اور عظیم امر کو سن لیا تھا پھر یہی چیز ان کی اولاد میں اگلوں سے پچھلوں میں اور ایک قوم سے دوسری قوم میں منتقل ہوتی رہی۔ یہ بحث سورۃ البقرہ میں مکمل گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں الْاِنْسَانَ سے مراد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء: 113) آپ کو وہ کچھ سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے۔ اس تعبیر کی بنا پر علمك سے مراد آنے والے وقت کا علم ہے کیونکہ یہ تو ان آیات میں سے ہے جو ابتدائی دور میں نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انسان عام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا (النحل: 78) اللہ نے ہی تمہیں تمہاری ماں کے پیٹوں سے نکالا جب کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰٓى ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى ۝

''ہاں ہاں بے شک انسان سرکشی کرنے لگتا ہے اس بناء پر کہ وہ اپنے آپ کو مستغنی دیکھتا ہے''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں سے لے کر سورت کے آخر تک آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: تمام سورت ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے منع کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ مسجد میں نماز پڑھیں اور یہ سورت پڑھی۔ اس تاویل کی بنا پر یہ سورت ان سورتوں میں سے نہ ہوئی جو ابتدا میں نازل ہوئیں۔ یہ بھی جائز ہے اس کی پہلی پانچ آیات سب سے پہلے نازل ہوئی ہوں پھر باقی آیات ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہو کہ انہیں سورت کے پہلے حصہ کے ساتھ ملا لیں، کیونکہ سورتوں کی ترکیب و تالیف اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوئی کیا آپ نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (البقرہ: 281) اس دن سے بچو جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جائے گا، آخر میں نازل ہوا، پھر اسے ان آیات کے ساتھ ملا دیا گیا جو طویل عرصہ پہلے نازل ہو چکی تھیں۔

یہاں كَلَّآ، حقا کے معنی میں ہے کیونکہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں۔ یہاں الْاِنْسَانَ سے مراد ابوجہل ہے۔ طغیان سے مراد

نافرمانی میں حد سے آگے بڑھنا ہے اَنْ رَّاٰهُ کی تقدیر کلام یہ ہے لان رای نفسه استغنی یعنی وہ صاحب مال اور صاحب ثروت ہو گیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا: جو قول ابو صالح نے ان سے نقل کیا ہے جب یہ آیت نازل ہوئی اور مشرکوں نے اسے سنا تو ابو جہل نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو اس نے کہا: اے محمد! تو گمان کرتا ہے جو آدمی غنی ہو جاتا ہے وہ سرکش ہو جاتا ہے تو ہمارے لیے مکہ کے پہاڑ سونا بنا اور ممکن ہے ہم اسے لیں پھر ہم سرکش ہو جائیں، ہم اپنے دین کو چھوڑ دیں اور آپ کے دین کی پیروی کریں۔ حضرت جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے عرض کی: اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اس معاملہ میں انہیں اختیار دیں اگر وہ چاہیں تو ہم ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو وہ چاہتے ہیں اگر انہوں نے اطاعت اختیار نہ کی تو ہم ان کے ساتھ وہ معاملہ کریں گے جو ہم نے مائدہ والوں کے ساتھ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہو گیا کہ وہ قبول نہ کریں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے رک گئے تاکہ معاملہ ان پر باقی رہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ اپنے قبیلہ، انصار و اعوان کی وجہ سے اپنے آپ کو مستغنی خیال کرتا ہے تو اَنْ رَّاٰهُ میں لام محذوف ہو گیا جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: انکم لتطغون ان رأیتم غنا کہ تم سرکشی کرتے ہو کیونکہ تم اپنے آپ کو غنی خیال کرتے ہو۔ فراء نے کہا: یہاں رأی نفسه نہیں کہا جس طرح قتل نفسه کہا کیونکہ رای ان افعال میں سے ہے جو اسم وخبر کا ارادہ رکھتے ہے جس طرح ظن اور حسبان ہے اس میں ایک مفعول پر اقتصار نہیں ہوتا۔ عرب نفس کے لفظ کو گرا دیتے ہیں۔ اسی جنس سے تو یہ قول کرتا ہے: رأیتُنی، حسبتُنی۔

مجاہد، حمید اور حنبل نے ابن کثیر سے أن رأہ استغنی کو ہمزہ کے قصر کے ساتھ پڑھا ہے جب کہ باقی قراء نے رآہ کو مد کے ساتھ پڑھا ہے یہی پسندیدہ ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى ۝

''یقیناً تجھے اپنے رب کی طرف پلٹنا ہے''۔

یعنی جس کے مذکور اوصاف ہیں اس کا لوٹنا تیرے رب کی طرف ہے تو ہم اسے بدلہ دیں گے۔ رجعی، مرجع اور رجوع سب مصادر ہیں یوں باب چلایا جاتا ہے رَجَعَ الیه رجوعا، مَرْجعا رُجْعٰى یہ فُعْلٰى کے وزن پر ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۝

''(اے حبیب!) آپ نے دیکھا اسے جو منع کرتا ہے ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے''۔

الَّذِيْ يَنْهٰى ۝ سے مراد ابو جہل ہے عَبْدًا سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے کیونکہ ابو جہل نے کہا: اگر میں نے (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند دوں گا؛ یہ حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو اس پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے نازل کیا(1)۔ ایک قول یہ کیا گیا: کلام میں حذف ہے معنی یہ ہے کیا

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 8831

نماز سے روکنے والا سزا سے امن میں ہے؟

اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰۤى ﴿۱۱﴾ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ﴿۱۲﴾

''بھلا دیکھیے تو اگر وہ ہدایت پر ہوتا یا پرہیز گاری کا حکم دیتا تو (اس کے لیے کتنا بہتر ہوتا)''۔

اے ابوجہل! بتاؤ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس صفت (ہدایت) پر ہوں تو کیا تقوی اور نماز سے روکنے والا ہلاک ہونے والا نہ ہوگا۔

اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۱۳﴾ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ﴿۱۴﴾

''آپ نے دیکھ لیا اگر اس نے جھٹلایا اور روگردانی کی۔ کیا نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ (اسے) دیکھ رہا ہے''۔

یعنی ابوجہل نے اللہ تعالیٰ کی کتاب کو جھٹلایا اور ایمان سے اعراض کیا۔ فراء نے کہا: معنی ہے جو نماز پڑھتا ہے وہ ہدایت پر ہوتا ہے تقویٰ کا حکم دینے والا ہو جب کہ منع کرنے والا جھٹلانے والا اور ذکر سے اعراض کرنے والا ہو تو یہ کتنا ہی عجیب ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: اس پر ہلاکت ہو کیا ابوجہل نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے اور اس کے فعل کو جانتا ہے تو یہ تقریر و توبیخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اَرَءَيْتَ، پہلے کا بدل ہے اور اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى خبر ہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ﴿۱۵﴾ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ﴿۱۶﴾

''خبردار! اگر وہ (اپنی روش سے) باز نہ آیا تو ہم ضرور (اسے) گھسیٹیں گے اس کی پیشانی کے بالوں سے وہ پیشانی جو جھوٹی (اور) خطاکار ہے''۔

یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم اگر ابوجہل اس سے نہ رکا تو ہم اس کی پیشانی کے بال پکڑیں گے اور اسے ذلیل و رسوا کریں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہم قیامت کے روز اس کی پیشانی پکڑیں گے، اسے اس کے قدموں کے ساتھ لپیٹ دیا جائے گا اور جہنم میں پھینک دیا جائے گا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ ﴿۴۱﴾ (الرحمن) اسے پیشانی کے بالوں اور قدموں سے پکڑا جائے گا۔ آیت اگر ابوجہل کے حق میں ہو تو یہ لوگوں کے لیے نصیحت ہوگی اور جو طاعت سے خود رکتا ہے اور لوگوں کو روکتا ہے اس کے لیے دھمکی ہے۔ اہل لغت کہتے ہیں: سفعت بالشیٔ جب تو اس پر قبضہ کرلے اور سختی سے اپنی طرف کھینچے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: سَفَعَ بناصیةِ فَرَسِہ جب اس نے اپنے گھوڑے کو سختی سے کھینچا۔ شاعر کا شعر ہے:

قومٌ إذا كَثُرَ الصياحُ رأيتهمْ مِنْ بَيْنِ مُلْجِمِ مُهْرِهِ أو سافِعِ

وہ ایسی قوم ہیں جب چیخ و پکار زیادہ ہو جائے تو تو انہیں دیکھے گا ان میں سے کوئی اپنے گھوڑے کو لگام دے رہا ہے اور کوئی اسے سختی کے ساتھ کھینچ رہا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سَفَعَتہ النارُ والشَّمس سے ماخوذ ہے جب سورج کی تمازت اس کے چہرے کو سیاہی مائل کردے۔

نَاصِيَةٍ سے مراد سر کے اگلے حصے کے بال ہیں۔ بعض اوقات اس سے پوری ذات مراد لی جاتی ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھذہ ناصیة مبارکة اس سے مراد پورا انسان ہے۔ یہاں ناصیہ کا خصوصاً ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عربوں کی عادت ہے جب

وہ کسی کو ذلیل و رسوا کرنا چاہیں تو اس کے سر کے اگلے بالوں کو پکڑ لیتے۔ مبرد نے کہا: سفع کا معنی سختی کے ساتھ کھینچنا ہے یعنی ہم اسے پیشانی کے بالوں کو پکڑ کر آگ کی طرف گھسیٹ کر لے جائیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سفع کا معنی مارنا ہے یعنی ہم اس کے منہ پر طمانچہ ماریں گے۔ سب کا معنی قریب قریب ہے، یعنی پکڑنے کے ساتھ اسے مارا جائے گا پھر اسے جہنم کی طرف گھسیٹ کر لے جایا جائے گا پھر بدل کے طور پر نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ فرمایا یعنی ابوجہل کی نَاصِيَةٍ قول میں جھوٹی اور عمل میں گناہ کرنے والی ہے۔ اور گناہ کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی ہے اور اسے پکڑا جاتا ہے جب کہ خطا کرنے والے کا مواخذہ نہیں ہوتا نَاصِيَةٍ کی صفت كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ سے لگانا اس طرح ہے جس طرح وجوہ کی صفت ناظرہ سے لگائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اِلٰی رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۝ (قیامہ) وہ اپنے رب کو دیکھنے والے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نَاصِيَةٍ والا جھوٹا اور گناہ گار ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: نہارُہ صائمٌ، لیلُہ قائمٌ یعنی وہ دن کو روزہ رکھنے والا اور رات کو قیام کرنے والا ہے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝

''پس وہ بلا لے اپنے ہم نشینوں کو (اپنی مدد کے لیے) ہم بھی جہنم کے فرشتوں کو بلائیں گے''۔

یعنی وہ اپنے ہم مجلس اور قبیلہ والوں کو بلا کر ان سے مدد لے ہم بھی سخت مضبوط فرشتوں کو بلالیں گے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ کسائی نے کہا: اس کا واحد زبنیۃ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اصل میں یہ زبانی تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ اسم جمع ہے جس طرح ابابیل اور عبادید اسم جمع ہے۔ قتادہ نے کہا: کلام عرب میں اس کا معنی سپاہی ہے یہ زبن سے ماخوذ ہے جس کا معنی دھکیلنا ہے۔ اسی سے خرید و فروخت میں ایک قسم مزابنہ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انہیں زبانیہ کا نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اپنے پاؤں سے اسی طرح عمل کریں گے جس طرح وہ اپنے ہاتھوں سے عمل کرتے ہیں۔ ابولیث ثمر قندی نے یہ حکایت بیان کی ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تلاوت کی اور لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ تک پہنچے تو ابوجہل نے کہا: میں اپنی قوم کو بلاؤں گا جو تیرے رب سے میرا دفاع کرے گی۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۝ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝ جس نے اس سے زبانیہ کا ذکر سنا تو ڈر کر واپس لوٹ گیا اسے کہا تھا: تو اس سے ڈر گیا، اس نے کہا: نہیں بلکہ میں نے اس کے پاس شہسوار دیکھا جو زبانیہ کے ساتھ مجھے دھمکا رہا تھا۔ میں نہیں جانتا زبانیہ کیا ہے وہ شہسوار میری طرف جھکا تو مجھے ڈر ہوا کہ وہ مجھے کھا ہی نہ جائے۔ احادیث میں ہے: زبانیہ کے سر آسمان میں اور ان کے پاؤں زمین میں ہوں گے وہ کفار کو جہنم میں دھکیل دیں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ از روئے جسامت کے فرشتوں سے بڑے ہوں گے اور از روئے پکڑ کے ان سے زیادہ سخت ہوں گے عرب یہ نام اسے دیا کرتے تھے جو از روئے پکڑ کے شدید ہوتا تھا۔ شاعر نے کہا:

زَبَانِيَةٌ غُلْبٌ عِظَامٌ حُلُومُهَا

وہ موٹی گردنوں والے ہیں عظیم عقل والے ہیں۔

عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابوجہل نے کہا: اگر میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا تو میں اس کی گردن روند دوں گا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر وہ ایسا کرتا تو فرشتے اسے

آنکھوں کے سامنے پکڑ لیتے'' (1)۔ ابو عیسیٰ نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ابو جہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے گزرا جب کہ آپ مقام ابراہیم کے پاس نماز پڑھ رہے تھے ابو جہل نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے تجھے ایسا کرنے سے منع نہیں کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سخت رویہ اپنایا۔ ابو جہل نے کہا: اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھے کس چیز کی دھمکی دیتا ہے اللہ کی قسم میں اس وادی میں سب سے زیادہ حمایتیوں والا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا: فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ﴿۱۷﴾ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ﴿۱۸﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ کی قسم! اگر وہ اپنے حمایتیوں کو بلاتا تو عذاب کے داروغے اسے اسی وقت پکڑ لیتے (2)۔ امام ترمذی نے اس کی ہم معنی روایات نقل کی ہیں۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔ کلام عرب میں نادی اس مجلس کو کہتے ہیں جس میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں یعنی جمع ہوتے ہیں مراد مجلس والے ہیں۔

جس طرح جریر نے کہا: لَهُمْ مَجلسٌ صُهْبُ السِّبالِ أَذِلَّةٌ یہاں مجلس سے مراد اہل مجلس ہیں۔ زہیر نے کہا: وفیھم مقاماتٌ حِسان وُجُوھھم۔ اس میں مقامات سے مراد اس جگہ میں کھڑے ہونے والے ہیں۔ ایک اور نے کہا: واستَبَّ بعدك یا كُلَیْبُ المجلسُ یہاں بھی مجلس سے مراد اہل مجلس ہے۔ اس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے جب تو اس کے پاس بیٹھے: نادیتُ الرجل أنادیه۔

زہیر نے کہا: وجارُ البیتِ والرجلُ المنادِي یہاں بھی المنادی سے مراد مجلس میں بیٹھنے والا ہے۔

كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ﴿۱۹﴾

''ہاں ہاں اس کی ایک نہ سنیے (اے حبیب!) سجدہ کیجئے اور (ہم سے اور) قریب ہو جائیے''۔

یعنی معاملہ اس طرح نہیں جس طرح ابو جہل گمان کرتا ہے ابو جہل تمہیں جو نماز ترک کرنے کے بارے میں کہتا ہے اس میں اس کی اطاعت نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ کے لیے نماز پڑھیے اور طاعت و عبادت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ معنی ہے جب تو سجدہ کرے تو دعا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کیجئے۔ عطا نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أقرب ما یکون العبدُ من ربه وأحبه إلیه جبهته في الأرض ساجدًا لله (3) بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے اور اس کی بارگاہ میں سب سے محبوب ہوتا ہے جب اس کی پیشانی زمین میں ہو جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ کر رہا ہو۔

ہمارے علماء نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ کیونکہ سجدہ کی حالت عبودیت اور ذلت کی انتہا ہے اللہ تعالیٰ کے لیے انتہا اور جے کی عزت ہے اس کے لیے اتنی عزت ہے جس کی کوئی مقدار نہیں۔ اے انسان! جب بھی تو اس کی اس صفت (اپنے آپ کو عزیز سمجھنا) سے دور ہوگا تو اس کی جنت کے قریب ہوگا اور اس کے گھر میں اس کے جوار رحمت کے قریب ہوگا۔ حدیث صحیح میں ہے

1۔ جامع ترمذی، کتاب فضائل القرآن، باب ومن سورۃ اقرا، حدیث نمبر 3271، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ ایضاً، حدیث نمبر 3272

3۔ مستدرک للحاکم، جلد 2، صفحہ 690

کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جہاں تک رکوع کا تعلق ہے اس میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو جہاں تک سجدے کا تعلق ہے تو دعا میں کوشش کرو کیونکہ وہ اس لائق ہے کہ وہ تمہارے حق میں قبول کی جائے''۔ جس نے یہ شعر کہا بہت اچھا کہا:

وإذا تذللتِ الرقاب تواضُعا　　منا إليك فعزُها في ذُلِها

جب ہماری گردنیں تیری بارگاہ میں تواضع کرتے ہوئے جھک جائیں تو ان کی عزت ان کی عاجزی میں ہے۔

زید بن اسلم نے کہا: اے محمد! ﷺ نماز پڑھتے ہوئے سجدہ کیجئے۔ اے ابو جہل! تو آگ کے قریب ہو جا۔

وَاسْجُدْ یہ سجود سے مشتق ہے۔ یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد نماز میں سجدہ ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سورت میں تلاوت کا سجدہ ہو۔ ابن عربی نے کہا: ظاہر یہ ہے اس سے مراد نماز کا سجدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ۙ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ۭ اَرَءَيْتَ اِنْ كَانَ عَلَى الْهُدٰٓى ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰى ۭ اَرَءَيْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۭ اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى ۭ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ يَنْتَهِ ڏ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ ۙ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۚ فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۙ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞ ۔(1)

اگر ایسا نہ ہوتا تو امام مسلم اور دوسرے ائمہ حدیث سے صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت نہ ہوتا انہوں نے کہا: میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۞ اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۞ کے ساتھ دو سجدے کیے۔ یہ اس امر پر نص ہے کہ مراد سجدہ تلاوت ہے۔

ابن وہب، حماد بن زید سے وہ عاصم بن بہدلہ سے وہ زر بن حبیش سے وہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ لازمی سجدہ تلاوت چار ہیں۔ الم، حم تنزيل من الرحمن الرحيم، النجم اور اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ۔ ابن عربی نے کہا: یہ اگر صحیح ہے تو اس پر سورۃ الحج کا دوسرا سجدہ بھی لازم ہوگا اگر چہ وہ رکوع کے ساتھ ملا ہوا ہے، کیونکہ اس کا معنی یہ ہوگا رکوع کے موقع پر رکوع کرو اور سجدہ کے موقع پر سجدہ کرو۔

ابن نافع اور مطرف نے کہا: امام مالک اس سورت کے اختتام پر خاص طور پر خود سجدہ کیا کرتے تھے۔ ابن وہب اس سجدہ کو بھی لازمی سجدہ خیال کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں: ہم حضرت مالک بن انس کی روایت نقل کر چکے ہیں جو ربیع بن ابی عبد الرحمن سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں: جب اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل کیا تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ سے کہا: ''اے معاذ! اسے لکھو'' حضرت معاذ نے لوح، قلم اور دوات لی تو حضرت معاذ نے اسے لکھا جب وہ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۞ پر پہنچے تو لوح نے سجدہ کیا، قلم نے سجدہ کیا اور دوات نے سجدہ کیا وہ کہہ رہے تھے: اے اللہ! اس کے ساتھ ذکر د بلند کر، اے اللہ! اس کے ساتھ بوجھ اتار دے، اے اللہ! اس کے ذریعے گناہ بخش دے۔ حضرت معاذ نے کہا: میں نے سجدہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو حضور نے بھی سجدہ کیا۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1948

سورۃ القدر

آیاتہا ۵ ﴿۹۷ سورۃ القدر مکیۃ ۲۵﴾ رکوعہا ۱

یہ اکثر مفسرین کے نزدیک مدنی ہے، یہ ثعلبی نے ذکر کیا۔ ماوردی نے اس کے برعکس ذکر کیا ہے۔ میں نے کہا: یہ ضحاک کے قول کے مطابق مدنی ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو قولوں میں سے ایک یہی ہے۔ واقدی نے کہا: یہ وہ پہلی سورت ہے جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۝۱

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو اتارا ہے شب قدر میں''۔

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ میں ضمیر غائب سے مراد قرآن حکیم ہے اگرچہ اس صورت میں اس کا ذکر نہیں ہوا کیونکہ معنی معلوم ہے پورے کا پورا قرآن حکیم ایک سورت کی طرح ہے ارشاد فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ (البقرہ:185) رمضان شریف کا مہینہ وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا۔ ارشاد فرمایا: حٰمٓ ۝ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ (دخان) حاء، میم کتاب مبین کی قسم! ہم نے اسے مبارک رات میں نازل کیا ہے۔ اس سے مراد لیلۃ القدر ہے۔

شعبی نے کہا: اس کا معنی ہے ہم نے اس کے نازل کرنے کو لیلۃ القدر میں شروع کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بلکہ جبریل امین نے لیلۃ القدر میں ایک ہی بار اسے نازل کیا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر بیت العزت کی طرف۔ حضرت جبریل امین نے اسے سفرہ پر املاء کرایا پھر جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر اسے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کرتے رہے۔ اس کے آغاز اور اختتام کے درمیان تئیس سال کا عرصہ تھا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: سورۂ بقرہ میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ ماوردی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ قرآن حکیم رمضان شریف کے مہینہ میں، لیلۃ القدر میں، لیلۃ مبارکہ میں ایک ہی بار اللہ تعالیٰ کے پاس سے لوح محفوظ سے آسمان دنیا میں سفرہ کراما کاتبین پر نازل ہوا۔ سفرہ کراما کاتبین نے حضرت جبریل امین پر بیس سالوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا۔ جبریل امین بیس سالوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے لاتے رہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ سب باطل ہے، حضرت جبریل امین اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی واسطہ نہیں اور نہ ہی جبریل امین اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے درمیان کوئی واسطہ ہے۔

مجاہد نے کہا: لَيْلَةِ الْقَدْرِ سے مراد حکم کی رات ہے، اس کا معنی تقدیر کی رات بھی ہے۔ اس رات کو لیلۃ القدر اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس رات میں جو امر چاہتا ہے مقدر فرماتا ہے یعنی اگلے سال تک معاملات کی تقدیر فرماتا ہے، یعنی

موت، رزق وغیرہ۔ پھر اسے مدبرات امر کے سپرد کر دیتا ہے وہ چار فرشتے ہیں حضرت اسرافیل، حضرت میکائیل، حضرت عزرائیل اور حضرت جبریل علیہم السلام۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: سال میں جو کچھ ہوتا ہے اسے ام الکتاب سے لکھ لیا جاتا ہے رزق، بارش، زندگی اور موت یہاں تک کہ جو لوگ حج کریں گے۔ عکرمہ نے کہا: لیلۃ القدر میں بیت اللہ شریف کا حج کرنے والے کا نام اور ان کے آباء کے نام لکھے جاتے ہیں ان میں سے کوئی رہتا نہیں اور نہ ہی اس میں کوئی زائل ہوتا ہے؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ سورۃ الدخان کے آغاز میں یہ بحث گزر چکی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی رات کو فیصلہ فرماتا ہے اور لیلۃ القدر کو ان کے متعلقہ افراد کے سپرد کر دیتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ رات بڑی عظمت، شان اور شرف والی ہے جس طرح ان کا قول ہے: لفلان قدر یعنی اس کا بڑا مقام و مرتبہ ہے؛ یہ زہری اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس رات میں طاعات کی عظیم قدر و منزلت ہوتی ہے اور عظیم ثواب ہوتا ہے۔

ابو بکر وراق نے کہا: اس رات کو یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ جس کی کوئی قدر و منزلت نہیں ہوتی جب وہ اس رات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو وہ قدر و منزلت والا ہو جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں قدر و شان والی کتاب، عظمت و رفعت والے رسول اور شان والی امت پر نازل کی گئی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں قدر و منزلت والے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اس میں خیر، برکت اور مغفرت نازل ہوتی ہے۔ سہیل نے کہا: اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس رات میں مومنین کے حق میں رحمت کو مقدر کیا۔ خلیل نے کہا: کیونکہ اس رات زمین فرشتوں کی وجہ سے تنگ پڑ جاتی ہے (1) جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهُ (الطلاق: 7) جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۝ لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۙ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ۝

''اور آپ کچھ جانتے ہیں کہ شب قدر کیا ہے۔ شب قدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے''۔

فراء نے کہا: قرآن حکیم میں جہاں بھی وَمَآ اَدْرٰىكَ کے الفاظ ہیں (2) اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کر دیا گیا ہے اور جہاں کہیں وما یدریك کے الفاظ ہیں اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ نہیں کیا گیا؛ یہی سفیان کا قول ہے۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت کو بیان کیا، زمانہ کی فضیلت ان فضائل کی کثرت کی وجہ سے ہوتی ہے جو اس میں واقع ہوتے ہیں اس رات میں اس خیر کثیر کی تقسیم کی جاتی ہے جس کی مثل ہزار مہینوں میں بھی نہیں پائی جاتی۔ واللہ اعلم

اکثر مفسرین نے کہا: اس ایک رات میں عمل ان ہزار مہینوں کے اعمال سے بہتر ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو (3)۔ ابو

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 296-295 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 313 3۔ ایضاً

العالیہ نے کہا: لیلۃ القدر ان ہزار مہینوں سے بہتر ہے جن میں لیلۃ القدر نہ ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہزار مہینوں سے مراد سارا زمانہ ہے کیونکہ عرب ہزار کا لفظ اشیاء کی انتہا کو بیان کرنے کے لیے ذکر کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ (بقرہ:96) یعنی وہ ہمیشہ زندہ رہنا چاہتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زمانہ گزشتہ میں کوئی آدمی اس وقت تک عابد نہ کہلاتا جب تک وہ ہزار ماہ اللہ تعالیٰ کی عبادت نہ کرتا۔ یہ تراسی سال اور چار ماہ کا عرصہ بنتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لیے ایک رات کی عبادت ہزار مہینوں سے بہتر بنادی جس میں وہ لوگ عبادت کیا کرتے تھے۔

ابوبکر وراق نے کہا: حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت پانچ سو ماہ تھی اور ذوالقرنین کی حکومت پانچ سو مہینے تھی دونوں کی حکومت ایک ہزار مہینے ہوگئی اللہ تعالیٰ نے اس ایک رات کے عمل کو جو اس رات کو پائے ان دونوں کی حکومتوں سے بہتر بنادیا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے ایک آدمی کا ذکر کیا جس نے ایک ہزار ماہ تک جہاد کیا تھا مسلمان اس پر متعجب ہوئے تو یہ آیات نازل ہوئیں (1) یعنی ایک رات ان ہزار مہینوں سے افضل ہے جن میں اس آدمی نے جہاد کیا تھا؛ اس کی مثل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

وہب بن منبہ نے کہا: وہ آدمی مسلمان تھا اس کی ماں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر یہ نذر مانی تھی وہ ایسی بستی میں رہتا تھا جو بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ ان کے قریب ہی رہتا اس نے اکیلے ہی جہاد کرنا شروع کر دیا وہ قتل کرتا، گرفتار کرتا اور جہاد کرتا وہ ان کے ساتھ اونٹ کے جبڑے سے جہاد کیا کرتا تھا جب وہ ان سے جنگ کرتا اور وہ اس کے ساتھ جنگ کرتے اور اسے پیاس لگتی تو دونوں جبڑوں کے درمیان سے میٹھا پانی نکلتا جسے وہ پی لیتا، اسے بطش کی قوت دی گئی تھی، اسے لوہا وغیرہ کوئی درد نہیں دے سکتا تھا۔ اس کا نام شمسون تھا۔

کعب الاحبار نے کہا: وہ آدمی بنی اسرائیل کا ایک بادشاہ تھا اس نے کوئی اچھا کام کیا اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ کے نبی کی طرف وحی کی: فلاں کو کہو وہ کوئی آرزو کرے۔ اس نے یہ عرض کی: اے میرے رب! میں آرزو کرتا ہوں کہ میں اپنے مال، اولاد اور جان کے ساتھ جہاد کروں، اللہ تعالیٰ نے اسے ایک ہزار بچے دیئے وہ اپنے مال کے ساتھ لشکر میں بچے کو تیار کرتا اور اسے مجاہد کے طور پر اللہ کی راہ میں بھیج دیتا وہ ایک ماہ تک اسی طرح رہتا وہ بچہ شہید ہو جاتا پھر وہ دوسرے کو لشکر میں تیار کرتا اس کا ہر بچہ ایک ماہ میں قتل ہو جاتا وہ بادشاہ اس کے ساتھ ساتھ رات کو عبادت کرتا اور دن کو روزے رکھا کرتا اس کے ہزار بچے ہزار ماہ میں شہید ہو گئے پھر وہ خود آگے بڑھا اس نے جہاد کیا اور شہید کر دیا گیا۔ لوگوں نے کہا: کوئی آدمی بھی اس بادشاہ کے مقام و مرتبہ تک نہیں پہنچ سکتا، تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔ یعنی یہ ایک رات اس بادشاہ کے ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو اس نے عبادت کرتے ہوئے، روزے رکھتے ہوئے نفس، مال اور اولاد کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے گزارے۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت عروہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے چار آدمیوں کا ذکر کیا فرمایا: ''انہوں نے اسی سال تک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور آنکھ جھپکنے کے برابر اس کی نافرمانی نہ کی'' (2)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ایوب،

1۔ اسباب النزول للواحدی، صفحہ 237　2۔ تفسیر درمنثور، جلد 6، صفحہ 629

حضرت زکریا، حضرت حزقیل بن عجوز اور حضرت یوشع بن نون کا ذکر کیا نبی کریم ﷺ کے صحابہ اس سے متعجب ہوئے۔ حضرت جبرئیل امین تشریف لائے عرض کی: اے محمد! ﷺ آپ ﷺ کی امت ان لوگوں کی اسی سال تک عبادت سے متعجب ہوئی جنہوں نے آنکھ جھپکنے کے برابر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اس سے بہتر چیز نازل فرمائی ہے پھر اس سورت کو پڑھا۔ رسول اللہ ﷺ اس سے بہت خوش ہوئے۔

امام مالک نے موطا میں ابن قاسم اور دوسرے علماء سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اسے کہتے ہوئے سنا جس پر مجھے اعتماد ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سابقہ امتوں کی عمریں دکھائی گئیں گویا آپ نے اپنی امت کی عمروں کو قلیل جانا اور یہ خیال کیا کہ یہ لوگ عمل کی اس سطح تک نہ پہنچ پائیں گے جہاں دوسری امتوں کے لوگ اپنی لمبی عمروں کی وجہ سے پہنچے تھے (1)۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں لیلۃ القدر سے نوازا اور اسے ہزار مہینوں سے بہتر بنایا۔

ترمذی میں حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنی امیہ کو آپ ﷺ کے منبر پر خواب میں دکھایا گیا تو یہ چیز آپ ﷺ کو بری لگی تو اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ (کوثر) کوثر سے مراد جنت میں نہر ہے اور یہ سورت نازل ہوئی (2) یعنی بنو امیہ آپ کے بعد ایک ہزار ماہ تک حاکم رہیں گے۔ قاسم بن فضل حدانی نے کہا: ہم نے ان کے دور حکومت کو شمار کیا تو وہ ایک ہزار مہینے تھا نہ ایک دن زائد اور نہ ایک دن کم۔ کہا یہ حدیث غریب ہے۔

تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۝

''اترتے ہیں فرشتے اور روح (القدس) اس میں اپنے رب کے حکم سے ہر امر (خیر) کے لیے''۔

یعنی فرشتے ہر آسمان سے، سدرۃ المنتہیٰ سے اور جبریل امین کے مسکن سے اس کے وسط پر اترتے ہیں پھر وہ زمین کی طرف اترتے ہیں اور فجر کے طلوع ہونے تک لوگوں کی دعاؤں پر آمین کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان: تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ سے یہی مراد ہے۔ روح سے مراد جبریل امین ہے۔ قشیری نے بیان کیا ہے کہ روح ملائکہ کی ایک صنف ہے جنہیں باقی پر نگہبان بنایا گیا ہے ملائکہ انہیں نہیں دیکھ سکتے جس طرح ہم فرشتوں کو نہیں دیکھ سکتے۔ مقاتل نے کہا: یہ ملائکہ میں سے معزز ترین اور اللہ تعالیٰ کے سب سے مقرب ہیں (3)۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ملائکہ کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے لشکر ہیں۔ مجاہد نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مرفوع روایت کی ہے۔ یہ ماوردی نے ذکر کیا اور قشیری نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ قول کیا گیا ہے: یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے ایک صنف ہے جو کھانا کھاتے ہیں، ان کے ہاتھ اور پاؤں ہوتے ہیں وہ ملائکہ نہیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: روح ایک عظیم مخلوق ہے وہ ایک صف میں کھڑے ہوں گے اور ملائکہ تمام ایک صف میں کھڑے ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے روح سے مراد رحمت ہے جبریل امین اس رات فرشتوں کے ساتھ اس کے مستحق افراد پر اترتے ہیں (4) اس کی دلیل یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ (النحل: 2) یہاں روح سے مراد رحمت ہے۔

1۔ موطا امام مالک، کتاب الصیام، لیلۃ القدر، صفحہ 260
2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، لیلۃ القدر، جلد 2، صفحہ 171
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 313
4۔ ایضاً، جلد 6، صفحہ 314

فِيْهَا میں ضمیر سے مراد لیلۃ القدر ہے اذن سے مراد امر ہے مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سے مراد بکل امر ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے اگلے سال تک کے لیے جو امر مقدر کیا اور فیصلہ کیا؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (الرعد:11) یہاں بھی مِنْ باء کے معنی میں ہے۔ عام قراءت تتنزل ہے مگر بزی نے تاء کو مشدد قرار دیا ہے۔ طلحہ بن مصرف اور ابن سمیقع نے فعل مجہول کی بنا پر تاء پر ضمہ پڑھا ہے۔ حضرت علی شیر خدا، عکرمہ اور کلبی نے اسے من کل امرئ پڑھا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: اس کا معنی ہے ہر فرشتہ (1)۔ کلبی نے یہ تاویل کی ہے کہ حضرت جبریل امین فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتے ہیں اور ہر مسلمان کو سلام پیش کرتے ہیں۔ یہاں من، علی کے معنی میں ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إذا كان ليلةُ القدرِ نَزَلَ جبريلُ في كبكبةٍ من الملائكةِ يُصلّون و يسلِّمون على كلِّ عبدٍ قائمٍ أو قاعدٍ يذكرُ الله تعالىٰ (2) جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو جبریل امین ملائکہ کی ایک جماعت میں اترتے ہیں وہ ہر اس بندے پر درود و سلام پیش کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہوتا ہے۔

سَلٰمٌ ۛ هِيَ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۝

''یہ سراسر (امن و) سلامتی ہے یہ رہتی ہے طلوع فجر تک''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کلام کی تکمیل سلام پر ہوتی ہے؛ یہ نافع اور دوسرے علماء سے مروی ہے یعنی لیلۃ القدر سراپا سلامت اور خیر ہے اس میں کوئی شر نہیں۔ مَطْلَعِ الْفَجْرِ سے مراد طلوع فجر ہے۔ ضحاک نے کہا: اللہ تعالیٰ اس رات میں سلامتی ہی مقدر فرماتا ہے باقی راتوں میں آزمائش اور سلامتی دونوں کا فیصلہ کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ اس سے سلامت ہے کہ اس رات میں کوئی شیطان مومن مرد یا مومن عورت میں موثر ہو سکے؛ مجاہد نے بھی اس طرح کہا ہے: یہ سلامتی والی رات ہے شیطان اس میں طاقت نہیں رکھتا کہ اس میں کوئی برا عمل کرے (3)۔ ایک مرفوع روایت بھی اس بارے میں ہے۔ امام شعبی نے کہا: اس سے مراد ہے کہ فرشتے اہل مساجد کو سلام پیش کرتے ہیں یہ سلسلہ سورج کے غروب ہونے سے لے کر فجر صادق کے طلوع ہونے تک رہتا ہے وہ جس مومن کے پاس سے گزرتے ہیں وہ کہتے ہیں: السلام علیك اے مومن! ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہے فرشتے ایک دوسرے کو سلام کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: سلام هي کا معنی خیر ہی خیر ہے (4)۔ حَتّٰى مَطْلَعِ الْفَجْرِ کسائی اور ابن محیصن نے اسے مطلع پڑھا ہے مصدر میں لام کا فتحہ اور کسرہ دونوں لغتیں ہیں۔ فعل، یفعل میں فتحہ اصل ہے جس طرح مقتل، مخرج۔ ایسے ابواب میں کسرہ شاذ ہے، جس طرح مشرق، مغرب، جنت، منسک، محشر، مسقط اور مجزر۔ ان سب میں فتحہ اور کسرہ دونوں حکایت کیے گئے ہیں اور شرط یہ ہے کہ اس سے مراد مصدر ہو نہ کہ اسم۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 314
2۔ مشکوٰۃ المصابیح، لیلۃ القدر، صفحہ 182
3۔ [ت]فسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 314
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 300

یہاں تین مسائل ہیں:

لیلۃ القدر کون سی رات ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ لیلۃ القدر کی تعیین میں اختلاف ہے، جس کے بارے میں اکثر علماء کی رائے ہے: وہ ستائیسویں کی رات ہے کیونکہ حضرت ذر بن حبیش کا نقطہ نظر ہے کہ میں نے حضرت ابی بن کعب سے کہا: آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود کہتے ہیں جو پورا سال قیام کرتا ہے وہ لیلۃ القدر کو پالیتا ہے (1)۔ تو حضرت ابی بن کعب نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن کو بخشے تحقیق وہ جانتا ہے کہ یہ رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے اور وہ ستائیسویں رات ہوتی ہے لیکن انہوں نے ارادہ کیا کہ لوگ بھروسہ ہی نہ کرلیں۔ پھر انہوں نے بغیر استثناء کے قسم اٹھائی وہ ستائیسویں کی رات ہے میں نے پوچھا: اے ابامنذر! آپ کس وجہ سے یہ بات کرتے ہیں؟ جواب دیا: اس نشانی کی وجہ سے جس کی خبر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی یا اس علامت کی وجہ سے کہ اس روز سورج بغیر شعاع کے طلوع ہوگا۔ یہ رات سارے سال کی بجائے رمضان شریف کے مہینے میں ہوتی ہے: یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور دوسرے علماء کی رائے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ سال کی تمام راتوں میں ہوتی ہے۔ جس نے اپنی بیوی کی طلاق یا اپنے غلام کی آزادی کو لیلۃ القدر کے ساتھ مشروط کیا تو اسے طلاق یا آزادی واقع نہ ہوگی مگر جب اس دن سے ایک سال گزر جائے گا کیونکہ شک کی بنا پر طلاق واقع نہیں کی جائے گی۔ اور اس کا اختصاص کسی وقت کے ساتھ خاص نہیں اور طلاق سال کے گزرے بغیر واقع ہونا مناسب نہیں، اس طرح آزادی قسم وغیرہ ہیں۔

حضرت ابن مسعود نے کہا: جو سارا سال قیام کرے تو وہ اسے پالے گا یہ چیز حضرت ابن عمر کو پہنچی تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ ابوعبدالرحمن پر رحم فرمائے خبردار! وہ خوب جانتا ہے کہ یہ رات رمضان شریف کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے لیکن انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ لوگ اس ایک رات پر بھروسہ نہ کریں۔ امام ابوحنیفہ اس قول کی طرف گئے ہیں: یہ سال بھر میں ایک رات ہوتی ہے۔ ان سے ایک قول یہ بھی مروی ہے کہ لیلۃ القدر اٹھالی گئی یہ صرف ایک موقع ہے جب کہ صحیح یہ ہے کہ یہ باقی ہے۔

حضرت ابن مسعود سے یہ قول بھی مروی ہے کہ جب وہ سال کے ایک دن میں ہوتی ہے تو اگلے سال وہ کسی اور دن میں ہوگی۔ جمہور علماء کا نقطہ نظر ہے کہ وہ ہر سال رمضان میں ہوتی ہے۔ پھر یہ قول کیا گیا کہ ہر مہینے کی پہلی رات ہوتی ہے؛ یہ ابو رزین عقیلی کا قول ہے۔ حسن بصری، ابن اسحاق اور حضرت عبداللہ بن زبیر نے کہا: یہ رمضان شریف کی سترہویں رات ہوتی ہے یہ وہی رات ہے جس کے اگلے روز غزوۂ بدر ہوا تھا گویا انہوں نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے: وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (الانفال: 41) یہ سترہویں رات تھی۔ ایک قول یہ کہا گیا: یہ انیسویں کی رات ہے صحیح ومشہور یہ ہے کہ رمضان شریف کے آخری عشرہ کی رات تھی؛ یہ امام مالک، امام شافعی، اوزاعی، ابوذر اور امام احمد کا نقطہ نظر ہے۔

ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: یہ اکیسویں کی رات ہے۔ امام شافعی کا جھکاؤ اسی طرف ہے اس کی دلیل مٹی اور پانی والی روایت

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، لیلۃ القدر، جلد 2، صفحہ 171۔ ایضاً، حدیث نمبر 3274، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے یہ روایت حضرت ابو سعید خدری نے روایت کی؛ اسے امام مالک اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ تیسویں کی رات ہے جب حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسے روایت کیا کہ ایک آدمی نے کہا: یارسول اللہ! میں نے لیلۃ القدر دیکھی جب کہ رمضان کے سات دن باقی تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں دیکھتا ہوں تمہاری خوابیں تیئسویں پر متفق ہو گئی ہیں جو آدمی مہینے کے کسی رات قیام کرنا چاہے تو وہ تیئسویں کی رات قیام کرے''۔ معمر نے کہا: حضرت ایوب تیئسویں کی رات غسل کیا کرتے تھے اور خوشبو لگاتے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''میں نے دیکھا کہ اس کی صبح پانی اور مٹی میں سجدہ کر رہا ہوں'' (1)۔ عبد اللہ بن انیس نے کہا: میں نے آپ کو تیئسویں کی رات کی صبح میں پانی اور مٹی میں دیکھا جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پچیسویں کی رات ہے کیونکہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے آخری راتوں میں تلاش کرو جب نو دن باقی ہوں، سات دن باقی ہوں اور پانچ دن باقی ہوں'' (2)۔ اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ امام مالک نے کہا: نو سے مراد اکیسویں کی رات ہے، سات سے مراد تیئسویں کی رات ہے اور پانچ سے مراد پچیسویں کی رات ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ستائیسویں کی رات ہے اس کی دلیل گزر چکی ہے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت معاویہ اور حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو آدمی لیلۃ القدر کی تلاش میں ہے تو وہ اسے ستائیسویں کی رات میں تلاش کرے'' (3)۔ ابو بکر وراق نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اس مہینے کی راتوں کو اس سورت کے کلمات پر تقسیم کر دیا ہے جب ستائیسویں کلمہ تک پہنچا تو فرمایا: ھی۔ دوسری دلیل یہ ہے لیلۃ القدر کے لفظ کو مکرر ذکر کیا اسے تین دفعہ ذکر کیا ہے یہ نو حرف ہیں تو مجموعی ستائیس ہو جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ انتیسویں کی رات ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''لیلۃ القدر انتیسویں یا ستائیسویں کی رات ہے اس رات میں فرشتے کنکریوں کی مقدار میں ہوتے ہیں''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جفت راتوں میں ہوتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: میں بیس سال تک چوبیسویں رات کے سورج کو تاڑتا رہا تو میں نے اسے دیکھا کہ وہ سفید طلوع ہوتا ہے، اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی کیونکہ اس رات بہت زیادہ انوار ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پورے سال میں مستور ہوتی ہے تاکہ انسان تمام سال راتوں کو زندہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اسے رمضان شریف کے تمام مہینے میں مخفی رکھا تاکہ وہ رمضان شریف کی راتوں میں عمل اور عبادت میں کوشاں رہیں تاکہ اسے پا لیں جس طرح نمازوں میں سے درمیانی نماز کو، اسماء حسنیٰ میں سے اسم اعظم کو، جمعہ کی ساعتوں میں سے قبولیت کی گھڑی کو، نافرمانیوں میں غضب کو، طاعات میں رضا کو، اوقات میں قیام قیامت کو، بندوں میں سے صالح

1۔ صحیح مسلم، کتاب الصیام، لیلۃ القدر والحث علی طلبھا، جلد 1، صفحہ 370

2۔ صحیح بخاری، کتاب الصیام، لیلۃ القدر، جلد 1، صفحہ 271۔

سنن ابی داؤد، کتاب الدعوات، باب فی من قال لیلۃ احدی وعشرین، حدیث نمبر 1175، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

3۔ مسند احمد بن حنبل، مسند عبد اللہ بن عمر، جلد 2، صفحہ 27

بندوں کو اور اپنی رحمت وحکمت کو مخفی رکھا۔

لیلۃ القدر کی علامات

مسئلہ نمبر 2۔ اس کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے سورج اس کی صبح سفید طلوع ہوتا ہے اس کی کوئی شعاع نہیں ہوتی۔ حضرت حسن بصری نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ القدر کے بارے میں فرمایا: إن من أماراتها أنها ليلةٌ سمحةٌ بلجة لا حارة ولا باردة تطلع الشمس صبيحتها ليس لها شعاع اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ رات نہ گرم اور نہ ٹھنڈی اس کی صبح سورج طلوع ہوتا ہے جس کی شعاع نہیں ہوتی۔ عبید بن عمیر نے کہا: میں ستائیسویں رات کو سمندر میں تھا میں نے اس کا پانی لیا تو میں نے اسے میٹھا خوشگوار پایا۔

شب قدر کے فضائل

مسئلہ نمبر 3۔ اس کے فضائل۔ تیرے لیے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ۞ لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ۞ تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا کافی ہے۔

صحیحین میں ہے: من قامَ ليلةَ القدرِ إيمانًا واحتسابًا غَفَرَ الله له ما تَقَدَّمَ من ذَنْبِه (1) جس نے لیلۃ القدر کو ایمان کی حالت اور ثواب کے ارادہ سے عبادت کی اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ گناہ بخش دیتا ہے؛ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب لیلۃ القدر ہوتی ہے تو وہ فرشتے نازل ہوتے ہیں جو سدرۃ المنتہیٰ کے مکین ہوتے ہیں ان میں حضرت جبریل امین ہوتے ہیں ان کے ساتھ جھنڈے ہوتے ہیں ان میں سے ایک جھنڈا میری قبر پر، ایک جھنڈا بیت المقدس پر، ایک جھنڈا مسجد حرام پر، ایک جھنڈا طور سینا پر لگا دیا جاتا ہے وہ کسی مومن مرد اور عورت کو نہیں چھوڑتے مگر وہ اسے سلام کرتے ہیں مگر جو ہمیشہ شراب نوشی کرتا ہے، خنزیر کھاتا ہے اور زعفران میں لتھڑا رہتا ہے''۔

حدیث طیبہ میں ہے: ''شیطان اس رات میں نہیں نکلتا یہاں تک کہ اس کی فجر روشن ہو جاتی ہے، وہ طاقت نہیں رکھتا کہ کسی کو فتنہ میں اور فساد میں ڈالے اور اس میں کسی جادوگر کا جادو اثر نہیں کرتا''۔

امام شعبی نے کہا: اس کی رات اس کے دن کی طرح ہے اس کا دن اس کی رات کی طرح ہے۔ فراء نے کہا: اللہ تعالیٰ لیلۃ القدر میں سعادت اور نعمتوں کو مقدر کرتا ہے اور باقی راتوں میں آزمائشوں اور مصائب کو مقدر کرتا ہے۔ ضحاک کا اس بارے میں قول پہلے گزر چکا ہے۔ اس قسم کی بات اپنی جانب سے نہیں کہی جاتی یہ مرفوع ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سعید بن مسیب سے موطا میں قول منقول ہے: جس نے لیلۃ القدر کو عشاء کی نماز پڑھی تو اس نے اس رات میں حصہ لے

1۔ صحیح بخاری، کتاب الصیام، لیلۃ القدر، جلد 1، صفحہ 270

لیا۔ اس قسم کی چیز رائے سے حاصل نہیں کی جا سکتی۔

عبید اللہ بن عامر بن ربیعہ نے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من صلّی صلاۃَ المغربِ والعشاءِ الآخرِ من لیلۃ القدرِ فی جماعۃٍ فقد أخذ بحظِہِ من لیلۃِ القدر جس نے لیلۃ القدر کو مغرب اور عشاء کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھی تو اس نے لیلۃ القدر کا بڑا حصہ لے لیا۔ ثعلبی نے اسے اپنی تفسیر میں ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر میں لیلۃ القدر کو پالوں تو میں کیا دعا کروں۔ فرمایا: تو کہہ اللّٰھمّ إنّک عفوٌ تُحِبُّ العفوَ فاعفُ عَنّی (1) اے اللہ! تو معاف کرنے والا ہے معاف کرنے کو پسند کرتا ہے مجھے معاف کر دے۔

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الدعاء، الدعاء بالعفو والعافیۃ، صفحہ 282

جامع ترمذی، باب ماجاء فی عقد التسبیح، حدیث نمبر 3435، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۂ لم یکن

آیاتہا ۸ ﴿۹۸ سُوْرَۃُ الْبَیِّنَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۰۰﴾ رکوعہا ۱

یحییٰ بن سلام کے قول کے مطابق یہ سورت مکی ہے (1)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کی رائے کے مطابق یہ سورت مدنی ہے۔ اس کی نو آیات ہیں (2)۔ اس کی فضیلت میں ایک ایسی روایت ملی ہے جو صحیح نہیں ہم نے اسے محمد بن عبداللہ حضرمی سے روایت کیا ہے کہ مجھے ابوعبدالرحمن بن نمیر نے کہا: ابی الہیثم خشاب کی طرف جاؤ اس سے وہ روایت لکھو کیونکہ اس نے روایت لکھی ہوئی ہے وہ اس کی طرف گئے تو انہوں نے کہا ہمیں مالک بن انس نے یحییٰ بن سعید سے وہ سعید بن مسیب سے وہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر لوگ جانتے ہوتے کہ لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ میں کیا ہے تو وہ اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دیتے اور اس کی تعلیم حاصل کرتے بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وسلم اس میں کیا وجہ ہے؟ فرمایا: اسے کبھی بھی منافق نہیں پڑھے گا اور نہ ہی کوئی ایسا بندہ پڑھے گا جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک ہو۔ اللہ کی قسم! ملائکہ مقربین اسے لگاتار پڑھ رہے ہیں جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا وہ اس کی قراءت میں وقفہ نہیں کرتے اور کوئی بندہ اسے نہیں پڑھتا مگر اللہ تعالیٰ اس کی طرف فرشتے بھیج دیتا ہے جو اس کے دین و دنیا کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کرتے ہیں"۔ حضرمی نے کہا: میں ابوعبدالرحمن بن نمیر کے پاس آیا میں نے یہ روایت اس پر پیش کی تو انہوں نے کہا: اس کی مشقت ہمارے لیے کافی ہے دوبارہ اس کی طرف نہ لوٹنا۔

اسحاق بن بشرہ کاہلی نے مالک بن انس سے وہ یحییٰ بن سعید سے وہ ابن مسیب سے وہ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: اگر لوگ اسے جانتے جو لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا میں ہے تو وہ اپنے اہل اور مال کو چھوڑ دیتے اور اسے سیکھتے۔ روایت باطل ہے صحیح روایت وہ ہے (3) جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب سے فرمایا: "اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا سورت پڑھ کر سناؤں" حضرت ابی بن کعب نے عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے میرا نام لیا؟ فرمایا: ہاں، تو حضرت ابی رونے لگے۔

میں کہتا ہوں: اسے امام بخاری اور امام مسلم نے نقل کیا ہے اس میں یہ تعبیر ہے من الفقہ قراءۃ العالم علی المتعلم۔ بعض نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب کو سورت سنائی تاکہ لوگوں کو تواضع کی تعلیم دیں تاکہ کوئی بھی اپنے سے کم مرتبہ سے سیکھنے اور اس پر پڑھنے کو ناپسند نہ کرے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 301 2۔ ہمارے صحیفے میں آٹھ آیات ہیں۔

3۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ المنفکون، جلد 2، صفحہ 741

ایک قول یہ کیا گیا: حضرت ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت جلد اخذ کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے سنانے کا ارادہ اس لیے کیا تھا کہ حضرت ابی آپ کے الفاظ لے اور جیسے سنا اسے پڑھے اور دوسروں کو سکھائے، اس میں حضرت ابی کے لیے بہت بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو حکم دیا کہ وہ حضرت ابی کو قرآن سنائے۔

ابو بکر انباری نے کہا ہمیں احمد بن ہیثم بن خالد نے علی بن جعد سے وہ عکرمہ سے وہ عاصم سے وہ زر بن حبیش سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ابن ابی کی قراءت میں یہ چیز بھی موجود ہے: انسان کو اگر ایک مال کی ایک وادی دی جائے تو وہ دوسری وادی کی تلاش کرتا ہے اگر اسے مال کی دو وادیاں دی جائیں تو وہ تیسری کی تلاش کرتا ہے انسان کے پیٹ کو مٹی ہی بھر سکتی ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے کرم فرماتا ہے۔ عکرمہ نے کہا: عاصم نے مجھے اس سورت کی تیس آیات سنائیں یہ بھی ان میں سے تھیں۔

ابو بکر نے کہا: یہ اہل علم کے نزدیک باطل ہے، کیونکہ ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءتیں حضرت ابی بن کعب کے ساتھ متصل ہیں دونوں کی قراءت میں یہ چیز سورۂ لَمْ یَكُنِ میں موجود نہیں، حدیث طیبہ میں یہ معروف ہے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے رب العالمین کی جانب سے قرآن میں اس کی حکایت نہیں بیان کرتے تھے۔ یہ دونوں اکٹھے جب اسے بیان کریں تو یہ اجماع ہے۔ یہ قراءت اس سے زیادہ مضبوط ہے جسے ایک آدمی بیان کرتا ہے جو جماعت کے مذہب کے خلاف ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لَمْ یَكُنِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ مُنْفَكِّیْنَ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ ۝۱ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝۲ فِیْهَا كُتُبٌ قَیِّمَةٌ ۝۳

''جن لوگوں نے اہل کتاب میں سے کفر کیا (وہ) اور مشرکین (کفر سے) الگ ہونے والے نہ تھے جب تک کہ نہ آئے ان کے پاس ایک روشن دلیل (یعنی) ایک رسول کی طرف سے جو انہیں پڑھ کر سنائے پاک صحیفے جن میں لکھی ہوں سچی اور درست باتیں''۔

عام قراءت یہی ہے اور مصحف کا خط بھی ایسا ہی ہے۔ حضرت ابن مسعود اسے لم یکن المشرکون واھل الکتاب پڑھتے یہ قراءت تفسیر کے طریقہ پر ہے۔ ابن عربی نے کہا: یہ بیان وضاحت کے انداز میں تو جائز ہے لیکن تلاوت میں جائز نہیں (1)۔ صحیح روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فطلقوھن لقبل عدتھن قراءت ثابت ہے مگر یہ بھی تفسیر کے طور پر ہے کیونکہ تلاوت وہ ہے جو مصحف کے خط میں ہے۔

اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اَلْمُشْرِكِیْنَ محل جر میں ہے کیونکہ اس کا عطف اہل کتاب پر ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اَهْلِ الْكِتٰبِ سے مراد وہ یہودی ہیں جو یثرب میں تھے وہ بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قینقاع تھے۔ مشرکین سے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1969

مراد جو مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد رہتے تھے اور مدینہ طیبہ اور اس کے ارد گرد رہتے تھے یہ مشرکین مکہ تھے۔

وہ کفر کو چھوڑنے والے اور اس سے اعراض کرنے والے نہ تھے یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے آئیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: انتہا سے مراد انتہا تک پہنچنا ہے یعنی وہ اپنی عمروں کی انتہا تک پہنچنے والے نہیں اور مرنے والے نہیں یہاں تک کہ ان کے پاس بینہ پہنچ جائے۔ اس تعبیر کی بنا پر انفکاک، انتہا کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُنْفَكِّيْنَ سے مراد زائل ہونے والے ہیں یعنی ان کی مدت ختم ہونے والی نہیں یہاں تک کہ رسول ان کے پاس آ جائیں۔ عرب کہتے ہیں: ما انفككتُ أفعل كذا یعنی میں لگاتار ایسا کرتا رہا۔ وما انفك فلان قائما وہ لگاتار کھڑا رہا۔ فك کا اصل معنی کھولنا ہے اس معنی میں فك الكتاب (کتاب کھولنا) فك الخلخال (پازیب کھولنا) اور فك السالم ہے طرفہ نے کہا:

فآليتُ لا ينفكُّ كَشْحِي بِطَانَةً لِعَضْبٍ رقيق الشَّفْرَتَيْنِ مُهَنَّدِ

میں نے قسم اٹھائی میرا پہلو اس کاٹ دار تلوار کا بطانہ رہے گا جس کی دھار بڑی باریک ہے اسے ہند میں بنایا گیا۔

ذو رمہ نے کہا:

حَرَاجِيجُ مَا تَنفَكُّ إِلَّا مُنَاخَةً على الخَسْفِ أو نَرْمِي بِها بَلَدًا قفرا

وہ لمبی پتلی کمر والی اونٹنیاں ہیں انہیں ہمیشہ بغیر چارہ کے بٹھایا جاتا ہے یا ہم انہیں چٹیل شہروں میں لے جاتے ہیں۔

اس سے اس نے یہ ارادہ کیا ہے وہ ہمیشہ بٹھائی جاتی ہیں الا کا لفظ شعر میں زائد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مُنْفَكِّيْنَ بارحین کے معنی میں ہے یعنی وہ اس طرح رہیں گے کہ وہ دنیا نہیں چھوڑیں گے یہاں تک کہ ان پر بینہ آ جائے۔ ابن کیسان نے کہا: اہل کتاب اپنی کتابوں میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت کو چھوڑنے والے نہیں تھے یہاں تک کہ آپ کو مبعوث کیا گیا۔ جب آپ کو مبعوث کیا گیا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد کیا اور اس سے انکار کیا یہ بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ (البقرہ:89) جب آپ ان کے پاس تشریف لے آئے تو انہوں نے پہچانا، آپ کا انکار کر دیا۔ اسی وجہ سے ارشاد فرمایا: وَ مَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ (البینۃ:4) اہل کتاب نے تفرقہ نہ کیا۔ اس تاویل پر یہ ارشاد بھی ہے: وَالْمُشْرِكِيْنَ یعنی یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نازیبا باتیں نہیں کرتے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کر دیا گیا ہے کیونکہ پہلے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امین کہتے تھے یہاں تک کہ آپ کی زبان پر بینہ آ گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی طرف مبعوث کیا گیا تو اس وقت انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی۔

ایک لغوی نے کہا: مُنْفَكِّيْنَ کا معنی ہلاک ہونے والے ہیں۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: انفك صلا المرأة عند الولادة یعنی وہ جدا ہو جائے اور آپس میں نہ ملے تو وہ ہلاک ہو جائے۔ معنی یہ ہے انہیں عذاب نہ دیا گیا اور وہ ہلاک نہ ہوئے مگر اس وقت جب رسولوں کو بھیجا گیا اور کتابیں نازل کر کے حجت تمام کر دی گئی تو وہ اس وقت ہلاک ہوئے۔

کچھ لوگوں نے مشرکین کے بارے میں یہ کہا: اس سے مراد اہل کتاب ہیں کیونکہ یہودیوں میں سے کچھ لوگوں نے کہا عزیر بن اللہ اور نصاریٰ میں سے کچھ نے کہا: عیسیٰ ھو اللہ کچھ نے کہا: ھو ابن اللہ ان میں سے کچھ نے کہا: ثالث ثلاثة، نعوذ باللہ۔

ایک قول یہ کیا گیا: اہل کتاب مومن تھے پھر انہوں نے اپنے انبیاء کا انکار کیا مشرک فطرت سلیمہ پر پیدا کیے گئے جب بالغ ہوئے تو انہوں نے انکار کیا؛ اسی وجہ سے فرمایا: وَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشرکون یہ اہل کتاب کی بھی صفت ہے کیونکہ انہوں نے بھی اپنی کتاب سے فائدہ نہیں اٹھایا اور توحید کو ترک کیا نصاریٰ تثلیث کے قائل ہیں، عام یہودی تشبیہ کے قائل ہیں جب کہ یہ سب شرک ہے یہ تیرے اس قول کی طرح ہے: جاعنی العقلاء و الظرفاء جب کہ تو ان اقوام کی ذاتوں کا ارادہ کرتا ہے اور تو ان کی صفت دو امور سے لگاتا ہے۔ معنی یہ ہوگا اہل کتاب مشرکوں میں سے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں کفر سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر ہے معنی یہ بنے گا یہود و نصاریٰ (جو اہل کتاب تھے) میں سے جنہوں نے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا وہ چھوڑنے والے نہیں اور مشرک جو عربوں اور غیر عربوں (جو اہل کتاب میں سے نہیں) وہ چھوڑنے والے نہیں۔ قشیری نے کہا: اس میں بعد ہے کیونکہ اس کا ظاہر معنی یہ بنتا ہے حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ کیونکہ یہی رسول یہی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو یہ کہنا بہت ہی بعید بات ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کفر کیا وہ چھوڑنے والے نہیں یہاں تک کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آگئے۔ مگر اس صورت میں کہ یہ کہا جائے اس کلام سے یہ ارادہ کیا جنہوں نے اب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا اگرچہ وہ اس سے قبل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم بجالانے والے تھے اس کفر سے رکنے والے تھے یہاں تک اللہ تعالیٰ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی طرف مبعوث کرے، ان کے لیے آیات کو بیان کرے تو اس وقت وہ ایمان لائیں گے۔

اعمش اور ابراہیم نے المشرکون کو مرفوع پڑھا ہے اس کا عطف الذین پر ہے جب کہ پہلی قراءت واضح ہے کیونکہ رفع پڑھا جائے تو اس میں دو قسمیں بنتی ہیں گویا وہ دونوں اہل کتاب کے علاوہ ہیں۔ حضرت ابی کی قراءت اور حضرت عبداللہ بن مسعود کے مصحف میں اختلاف پہلے گزر چکا ہے۔

حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ کا معنی ہے حتی اتتہم یعنی ان کے پاس آ گئی الْبَيِّنَةُ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے۔ رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کو بھیجا گیا، زجاج نے کہا: رَسُوْلٌ یہ الْبَيِّنَةُ سے بدل ہے۔ فراء نے کہا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے رسول ہیں کیونکہ الْبَيِّنَةُ کا لفظ کبھی مذکر کی حیثیت سے استعمال ہوتا ہے تو یہ جملہ کہا جاتا ہے: بَيِّنَتِى فلان حضرت ابی اور حضرت ابن مسعود کی قراءت میں رسولا منصوب ہے۔ یتلو یعنی وہ پڑھتا ہے اس کا باب یوں چلتا ہے تَلَا يَتْلُوْ تِلَاوَةً، صحفا یہ صحیفہ کی جمع ہے صحیفہ اسے کہتے ہیں جس میں لکھا جاتا ہے۔

مُّطَهَّرَةً حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: وہ صحیفے جھوٹ، شک، نفاق اور گمراہی سے پاک ہیں۔ قتادہ نے کہا: باطل سے پاک ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جھوٹ، شبہات اور کفر سے پاک ہیں۔ سب کا معنی ایک ہی ہے۔ صحیفے مکتوب میں سے جسے اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہیں اسے وہ پڑھتے ہیں اس معنی پر یہ چیز بھی دلالت کرتی ہے وہ اسے زبانی پڑھا کرتے تھے کتاب سے نہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم امی تھے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے تھے اور نہ پڑھا کرتے تھے۔ مُّطَهَّرَةً یہ صحف کی صفت ہے یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝

(العبس) معزز صحیفوں میں جو ذیشان ہیں پاکیزہ ہیں۔ مُّطَهَّرَةً یہ ظاہراً صحف کی صفت ہے اور یہ قرآن کی بھی صفت ہے ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ مناسب یہی ہے کہ اسے پاک لوگ ہی مس کریں، جس طرح سورۃ الواقعہ میں فرمایا جس کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: صُحُفًا مُّطَهَّرَةً سے مراد وہ صحیفے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ام الکتاب میں ہیں۔ اسی میں سے ان چیزوں کو لکھا گیا جو انبیاء پر کتابیں وحی کی گئیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ﴿۲۱﴾ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ ﴿۲۲﴾ (البروج) بلکہ وہ قرآن مجید ہے لوح محفوظ میں ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: پاکیزہ صحیفے آسمان میں ہیں (1)۔ قَيِّمَةٌ کا معنی سیدھی، درست اور محکم ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قَامَ يَقُوْمُ جب وہ سیدھا اور صحیح ہو جائے۔ بعض علماء نے کہا: صحیفے ہی کتابیں ہیں تو پھر یہ کس طرح فرمایا: صحیفوں میں جن میں کتابیں ہیں؟ جواب اس کا یہ ہے: یہاں کتب سے مراد احکام ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ (المجادلہ: 21) اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ میں ضرور غالب آؤں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی قسم! میں تمہارے درمیان کتاب اللہ سے فیصلہ کروں گا''۔ پھر رجم کا فیصلہ کیا جب کہ رجم کا ذکر کتاب اللہ میں موجود نہیں۔ اس کا معنی ہے میں تمہارے درمیان اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ شاعر نے کہا:

وما ذاكَ قالَ اللهُ إذهو يَكْتُبُ

یہاں بھی یکتب فیصلہ کرنے کے معنی میں ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: كُتُبٌ قَيِّمَةٌ سے مراد قرآن حکیم ہے۔ اسے کُتُب کا نام دیا گیا ہے کیونکہ یہ بیان کی بہت سی انواع پر مشتمل ہے۔

وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنَةُ ﴿۴﴾

''اور نہیں بٹے فرقوں میں اہل کتاب مگر اس کے بعد کہ آ گئی ان کے پاس روشن دلیل''۔

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ سے مراد یہودی و نصاریٰ ہیں اہل کتاب کے لیے تفریق کا خصوصاً ذکر کیا دوسرے لوگوں کا ذکر نہیں کیا اگرچہ وہ بھی کافروں کے ساتھ جمع ہیں الگ اس لیے ذکر کیا کیونکہ انہیں اپنے بارے میں گمان ہے کہ انہیں علم حاصل ہے۔ جب انہوں نے افتراق کیا ہے تو ان کا غیر جس کے پاس کتاب ہی نہیں وہ اس وصف میں زیادہ داخل ہوگا۔

الْبَيِّنَةُ سے مراد واضح دلیل ہے، اس سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے یعنی قرآن حکیم نعت ہونے کے وصف میں ان کتابوں کے موافق ہے جو کتابیں ان کے پاس ہیں اس کی وجہ یہ ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر متفق تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا تو انہوں نے انکار کر دیا اور فرقوں میں بٹ گئے۔ ان میں سے کچھ سرکشی و حسد کی وجہ سے کافر ہو گئے اور کچھ ایمان لے آئے، جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَ مَا تَفَرَّقُوْٓا اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ (الشوریٰ: 14) وہ فرقوں میں نہ بٹے مگر اس کے بعد کہ ان کے پاس علم آ چکا تھا انہوں نے یہ باہم حسد کی وجہ سے کیا۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 308

ایک قول یہ کیا گیا: اَلْبَیِّنَۃُ سے مراد وہ بیان ہے جو ان کی کتابوں میں مذکور ہے کہ آپ ﷺ نبی مرسل ہیں۔ علماء نے کہا: سورت کے آغاز سے قَیِّمَۃٌ تک ان لوگوں کے بارے میں حکم ہے جو اہل کتاب اور مشرکین میں سے ایمان لائے اور مَا تَفَرَّقَ اس میں ان اہل کتاب کے بارے میں حکم ہے جو دلائل کے قائم ہونے کے بعد بھی ایمان نہ لائے۔

وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۙ۬ حُنَفَآءَ وَ یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ یُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَ ذٰلِكَ دِیْنُ الْقَیِّمَةِ ؕ۝۵

"حالانکہ نہیں حکم دیا گیا تھا انہیں مگر یہ کہ عبادت کریں اللہ تعالیٰ کی، دین کو اس کے لیے خالص کرتے ہوئے بالکل یکسو ہو کر اور قائم کرتے رہیں نماز اور ادا کرتے رہیں زکوٰۃ اور یہی نہایت سچا دین ہے"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

تورات وانجیل میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا بیان

مسئلہ نمبر 1۔ ان کفار کو تورات اور انجیل میں حکم نہیں دیا گیا مگر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار کریں۔ لِیَعْبُدُ میں لام، اَنْ کے معنی میں ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ (النساء:26) یہاں بھی لام، اَنْ کے معنی میں ہے۔ اس طرح ان آیات میں بھی لام، اَنْ کے معنی میں ہے: یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ (الصف:8) اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ (الانعام) حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں اِلّا أن یعبدوا اللہ ہے۔

الدِّیْنَ سے مراد عبادت ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: قُلْ اِنِّیْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ (الزمر) اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ عبادات میں نیت ضروری ہے کیونکہ اخلاص دل کا عمل ہے اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کیا جاتا ہے۔

حنیف کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ حُنَفَآءَ سے مراد ہے تمام دوسرے دینوں کو چھوڑ کر اسلام کی طرف مائل ہونے والے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: حُنَفَآءَ سے مراد ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حنیف سے مراد ہے جو ختنہ کرائے اور حج کرے؛ یہی سعید بن جبیر کا قول ہے اہل لغت کہتے ہیں: تحنف إلی الإسلامِ کا معنی ہے وہ اسلام کی طرف مائل ہو گیا۔

الْقَیِّمَةِ کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 3۔ وہ نماز کو اس کے اوقات میں، اس کی حدود کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ کو اس کے محل میں دیتے ہیں۔ یہ دین جس کا انہیں حکم دیا گیا ہے یہی دین مستقیم ہے۔ زجاج نے کہا: یہ ملت مستقیمہ کا دین ہے(1) الْقَیِّمَةِ موصوف

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 302

محذوف کی نعت ہے۔ ایک قول یہ کیا جاتا ہے: یہ اس امت کا دین ہے جو حق کو قائم کرنے والی ہے۔ حضرت عبد اللہ کی قراءت میں ذلك الدین القیّم ہے۔ خلیل نے کہا: الْقَیِّمَةِ، القیم کی جمع ہے۔ القیّم اور القائم دونوں ایک ہیں۔ فراء نے کہا: دین کو الْقَیِّمَةِ کی طرف مضاف کیا جب کہ یہ اس کی صفت ہے کیونکہ الفاظ مختلف ہیں۔ ان سے ایک قول یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہ شئ کی اپنی ذات کی طرف اضافت سے متعلق ہے اس میں ھاء مدح اور مبالغہ کے لیے داخل ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھاء ضمیر الملۃ اور الشریعۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ محمد بن اشعث طالقانی نے کہا: یہاں الْقَیِّمَةِ سے مراد وہ کتابیں ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے اور دین اس کی طرف مضاف ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ الْمُشْرِكِیْنَ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ ؕ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ ؕ۝

”بے شک کفر کیا جنہوں نے اہل کتاب سے (وہ) اور مشرکین آتش جہنم میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے، یہی لوگ بدترین مخلوق ہیں۔ (اور) یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے وہی ساری مخلوق سے بہتر ہیں“۔

الْمُشْرِكِیْنَ کا عطف الَّذِیْنَ اسم موصول پر ہے یا یہ مجرور ہے اور اس کا عطف اَهْلِ پر ہے۔

نافع اور ابن ذکوان نے دونوں مواقع پر البریئۃ کو ہمزہ کے ساتھ اپنے اصل پر پڑھا ہے(1) یہ عربوں کے اس قول سے ہے: برأ اللہ الخلقَ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کیا، اللہ تعالیٰ کے لیے باری کا لفظ استعمال ہوتا ہے جس کا معنی خالق ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے: مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا (الحدید:22) اسے پیدا کرنے سے قبل۔ جب کہ باقی نے ہمزہ کے بغیر اور یاء کو مشدد پڑھا ہے یہ یاء ہمزہ کے عوض میں ہے۔ فراء نے کہا: اگر بریہ کا لفظ بَرَیٰ سے مشتق ہو جس کا معنی مٹی ہے تو اس کی اصل ہمزہ کے بغیر ہوگی۔ تو کہے گا: براهُ اللہ یَبْرُوهُ بَرْوًا یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا۔

قشیری نے کہا: جس نے کہا بریہ، بری سے مشتق ہے جس کا معنی مٹی ہے تو وہ یہ بھی کہے گا: ملائکہ اس لفظ کے تحت داخل نہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: الْبَرِیَّةِ یہ بریتُ القلمَ سے ماخوذ ہے یعنی میں نے اسے مقدر کیا تو اس میں ملائکہ داخل ہوں گے لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس سے یہ واجب ہوگا کہ جو اسے ہمزہ کے ساتھ پڑھے وہ غلطی پر ہے۔

شَرُّ الْبَرِیَّةِ کا معنی ہے مخلوقات میں سے سب سے برا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ عموم پر دلالت کر رہا ہے۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے: اس سے مراد ہے وہ ان لوگوں میں سے سب سے برے تھے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝ (البقرہ) میں نے تمہیں تمام عالموں پر فضیلت دی۔ یعنی تمہارے زمانے کے عالمین پر فضیلت دی۔ یہ کوئی بعید نہیں کہ کافر قوموں میں ایسے لوگ بھی ہوں جو ان سے بھی برے ہوں، جس طرح

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 303

فرعون، حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی کونچیں کاٹنے والا۔ اسی طرح خیر البریۃ بھی یا تو عموم کے معنی میں ہوگا یا اس دور کے لوگوں سے سب سے بہتر ہوں گے۔ جنہوں نے اس لفظ کو ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے انہوں نے اس سے انسانوں کو فرشتوں پر فضیلت کا استدلال کیا ہے اس بارے میں گفتگو سورۃ البقرہ میں گزر چکی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: مومن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بعض ان ملائکہ سے فضیلت رکھتا ہے جو اس کی بارگاہ میں حاضر ہیں (1)۔

جَزَآؤُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَ رَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّهٗ ۠﴿۸﴾

''ان کی جزا ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشگی کی جنتیں ہیں رواں ہوں گی جن کے نیچے نہریں وہ ان میں تا ابد رہیں گے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی اور وہ اس سے راضی، یہ (سعادت) اس کو ملتی ہے جو اپنے رب سے ڈرتا ہے''۔

جزا سے مراد ثواب ہے، رب سے مراد خالق و مالک ہے، جَنّٰتُ سے مراد باغات ہیں، عَدْنٍ کا معنی ٹھہرنا ہے۔ مفسرین کہتے ہیں: جَنّٰتُ عَدْنٍ سے مراد درمیانی باغات ہیں تو کہتا ہے: عدَنَ بالمکانِ وہ مقیم ہوا۔ معدنُ الشیٔ سے مراد اس کا مرکز و مستقر ہے۔ اعشی نے یہی معنی لیا۔

وإن يُسْتَضَافُوا إلى حُكْمِه يُضَافُوا إلى رَاجِحٍ قَدْ عَدَنْ

اگر انہیں اس کے فیصلہ کی طرف مائل کیا جائے تو انہیں اپنے راجح امر کی طرف مائل کیا گیا ہے جو مرکز و محور ہے۔

وہ نہ وہاں سے کوچ کریں گے اور نہ ہی مریں گے اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر راضی ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے: وہ اللہ تعالیٰ کے بدلہ سے راضی۔ یہ جنت اس شخص کے لیے ہے جو اپنے رب سے ڈرا اور معاصی سے رکا۔

1۔ سنن ابن ماجہ، باب المسلمون فی ذمۃ اللہ، حدیث نمبر 3936، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سورۃ الزلزلۃ

آیاتہا ۸ ۹۹ سورۃ الزلزال مدنیۃ ۹۳ رکوعہا ۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور قتادہ کے قول میں یہ سورت مدنی ہے۔ حضرت ابن مسعود، عطا اور جابر کے قول میں مکی ہے(1)۔ اس کی آٹھ آیات ہیں۔

علماء نے کہا: اس سورت کے فضائل بہت زیادہ ہیں اور یہ عظیم چیزوں پر مشتمل ہے۔ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے سورۃ الزلزلہ پڑھی تو اس کے لیے نصف قرآن کے مساوی ہوگی، جس نے قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ پڑھی تو یہ اس کے لیے ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہو جائے گی، جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ پڑھی، یہ سورت اس کے لیے ایک تہائی قرآن کے برابر ہو جائے گی''۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے۔ اس بارے میں حضرت ابن عباس سے روایت مروی ہے(2)، حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے چار مرتبہ سورۂ زلزلۃ پڑھی تو وہ اس آدمی کی طرح ہے جس نے پورا قرآن حکیم پڑھا''۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت مروی ہے: جب سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لولا أنکم تخطئون وتذنبون و یغفر اللہ لکم لَخَلَق أمۃً یخطئون ویذنبونَ ویغفر لھم أنہ ھو الغفورُ الرحیم(3) اگر تم خطا اور گناہ نہ کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں نہ بخشے تو اللہ تعالیٰ ایسی امت پیدا فرمائے گا جو خطا اور گناہ کریں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں بخشے گا بے شک وہ غفور و رحیم ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝

''جب تھرتھرانے لگے گی زمین پوری شدت سے''۔

یعنی زمین اپنی جڑ سے حرکت کرنے لگے گی۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت نقل کی ہے وہ کہا کرتے تھے: نفخہ اولی کے موقع پر اللہ تعالیٰ اسے حرکت دے گا؛ یہ مجاہد کا قول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے: یَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ ۝ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ ۝ (النازعات) پھر اس میں دوبارہ زلزلہ برپا ہوگا تو وہ اپنے مردوں کو باہر نکال دے گی۔ یہ مردے ہی اس کے اثقال ہیں۔ مصدر کا ذکر تاکید کے لیے ہے۔ پھر فعل کو زمین کی طرف منسوب کیا گیا ہے جس طرح تیرا قول

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 304
2۔ جامع ترمذی، باب ما جاء فی اذا زلزلت، حدیث نمبر 2818-2819، ضیاء القرآن پبلی کیشنز
3۔ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 568

ہے: لأعطینك عطیتك اس میں یہ عطیتی لك ہے اس طرح کرنا بہت اچھا ہے تا کہ بعد والی آیات کے سروں کے موافق ہو جائے۔ عام قراءت زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے یہ زلزل سے مشتق ہے۔ جحدری اور عیسیٰ بن عمر نے اسے زاء کے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے (1) یہ بھی مصدر ہے جس طرح وسواس، قلقال، جرجار۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: زاء کے کسرہ کے ساتھ مصدر ہے اور فتحہ کے ساتھ اسم ہے۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝

''اور باہر پھینک دے گی زمین اپنے بوجھوں (یعنی دفینوں) کو''۔

ابوعبیدہ اور اخفش نے کہا: جب مردہ زمین میں ہو تو اس کے لیے ثقل لہا کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور جب مردہ اس کے اوپر ہو تو اس کے لیے ثقل علیہا کا لفظ بولتے ہیں۔ جب کہ حضرت ابن عباس اور مجاہد نے اَثْقَالَهَا کا معنی اپنے مردے کیا ہے (2)۔ زمین دوسرے نفخہ کے موقع پر اسے نکال دے گی۔ انہیں سے یہ بھی مروی ہے: جن اور انس کو ثقلان کہتے ہیں۔ خنساء نے کہا:

أبعد ابنِ عمرٍو من آل الشَّرِ　　ید حلَّتْ به الأرضُ أثقالَها

وہ کہتی ہے جب عمرو کو دفن کر دیا گیا تو وہ اپنے شرف اور سرداری کی وجہ سے اہل قبور کے لیے زیور بن گیا۔ اس کے بعد وہ اپنے مردے باہر نکال دے گی۔

ایک عالم نے کہا: عرب کہا کرتے تھے جب کوئی آدمی خون بہانے والا ہوتا ہے تو وہ روئے زمین پر بوجھ ہوتا ہے جب وہ مر جاتا ہے تو روئے زمین سے اس کا بوجھ اتر جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَثْقَالَهَا سے مراد اس کے خزانے ہیں، اس معنی میں حدیث طیبہ ہے: تقئ الأرض أفلاذ کبدِها أمثال الأسطوان من الذهب والفضة (3) زمین اپنے جگر کے ٹکڑے قے کر دے گی جو سونے اور چاندی کے ستونوں جیسے ہوں گے۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝

''اور انسان (حیران ہو کر) کہے گا: اسے کیا ہو گیا ہے''۔

الْاِنْسَانُ سے مراد کافر ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: اس سے مراد اسود بن عبد الاسد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ہر وہ انسان ہے جو قیامت کے واقع ہونے پر نفخہ اولیٰ کے وقت اس کا مشاہدہ کرے گا، وہ مومن ہو یا کافر ہو۔ یہ اس کا قول ہے جس نے اسے دنیا میں قیامت کی علامات شمار کیا ہے، کیونکہ سب لوگ قیامت کی ابتداء کے بارے میں اسے علامت نہیں جانتے یہاں تک وہ اس کے عموم کو پہچانیں اسی وجہ سے وہ ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔ جس نے کہا کہ انسان سے مراد کافر ہے اس نے اس سے قیامت کا زلزلہ مراد لیا ہے کیونکہ مومن اس کا اعتراف کرتا ہے مومن اس کے بارے میں سوال نہیں کریں گے جب کہ کافر اس کا انکار کرتا ہے اس وجہ سے وہ اس بارے میں سوال

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 304　　2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 305　　3۔ تفسیر در منثور، جلد 6، صفحہ 645

کرتا ہے۔ مَالَهَا کا معنی ہے کس وجہ سے اس میں زلزلہ برپا ہوا؟ ایک قول یہ کیا گیا: کس وجہ سے اس نے اپنے بوجھ نکال دیئے، یہ کلمہ تعجب ہے یعنی کس وجہ سے اس میں زلزلہ برپا ہوا۔ یہ بھی جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نفخہ اولی کے بعد مردوں کو زندہ کرے پھر زمین حرکت کرے اور مردوں کو باہر نکال دے جب کہ انہوں نے زلزلہ، مردوں سے زمین کے پھٹنے کو دیکھا ہو تو وہ ہولنا کی کی وجہ سے کہہ اٹھیں: مَالَهَا۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝

''اس روز وہ بیان کر دے گی اپنے سارے حالات کیونکہ آپ کے رب نے اسے (یونہی) حکم بھیجا۔ اس روز پلٹ کر آئیں گے لوگ گروہ در گروہ تا کہ انہیں دکھا دیئے جائیں ان کے اعمال''۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝، يَوْمَئِذٍ، إِذَا زُلْزِلَتِ کی ظرف ہے اور منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تُحَدِّثُ کی وجہ سے منصوب ہے اس کا معنی ہے زمین پر جو کچھ اچھا یا برا عمل کیا گیا اس روز اس کی خبر دے گی۔ پھر کہا گیا: یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قول ہے اور قول یہ کیا گیا: یہ انسان کے قول کی حکایت ہے، یعنی متعجب ہو کر کہے گا: اس زمین کو کیا ہو گیا ہے کہ یہ اپنی خبریں بیان کر رہی ہے۔ ترمذی شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کو پڑھا پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو اس کی اخبار کیا ہیں؟'' صحابہ نے عرض کی: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''اس کی اخبار سے مراد یہ ہے کہ وہ ہر مرد اور عورت کے بارے میں اس عمل پر گواہی دے گی جو اس پر کیا گیا۔ وہ کہے گی: ''فلاں فلاں دن یہ عمل کیا گیا''۔ فرمایا: ''یہ یہ اس کی خبریں ہیں''۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے (1)۔

ماوردی نے کہا: اس میں تین قول ہیں:

(۱) بندے اس پر جو عمل کرتے رہے اس کے بارے میں وہ خبر دے گی؛ یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے اسے مرفوع نقل کیا ہے۔ یہ اس کا قول ہے جس نے یہ گمان کیا کہ یہ قیامت کا زلزلہ ہے۔

(۲) وہ جو بوجھ نکالے گی وہ اس کا خبر دینا ہے؛ یہ یحییٰ بن سلام کا قول ہے یہ اس کا قول ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ یہ قیامت کی علامات کا زلزلہ ہے۔

میں کہتا ہوں: اس معنی میں وہ حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے اذا کان أجل العبد بأرض أوثبته الحاجة إليها حتى إذا بلغ أقصى أثره قبضه الله فتقول الأرض يوم القيامة رب هذا ما استودعتني (2) جب کسی بندے کی موت کسی زمین میں مقدر ہوتی ہے تو کوئی حاجت اسے وہاں تیزی سے لے جاتی ہے جب وہ اس کی آخری حد تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی روح کو قبض کر لیتا ہے قیامت کے دن زمین کہے گی: اے میرے رب!

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 171۔ ایضاً، حدیث نمبر 3276، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الزهد، ذکر الموت والاستعداد له، صفحہ 325۔ ایضاً، حدیث نمبر 4252، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

یہ وہ ہے جو تو نے میرے پاس ودیعت کے طور پر رکھا تھا۔ ابن ماجہ نے اسے اپنی سنن میں نقل کیا ہے۔

(۳) جب انسان پوچھے گا کہ اسے کیا ہوا ہے تو وہ قیامت کے برپا ہونے کی خبر دے گی؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے زمین خبر دے گی کہ دنیا کا معاملہ ختم ہو چکا ہے اور آخرت کا امر آ چکا ہے یہ ان کے سوال کے موقع پر زمین کی جانب سے جواب ہوگا اور کافر کے لیے وعید اور مومن کے لیے تنبیہ ہوگی۔ اس کے خبر دینے کے متعلق تین قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ اسے حیوان ناطق بنا دے گا تو وہ گفتگو کرے گی۔

(۲) اللہ تعالیٰ اس میں کلام کو پیدا فرمائے گا (1)۔

(۳) اس کی جانب سے ایسا بیان ہوگا جو کلام کے قائم مقام ہوگا۔ طبری نے کہا: وہ اپنی خبریں تھرتھراہٹ، زلزلہ اور مردوں کو باہر نکالنے کے ساتھ واضح کرے گی کہ وہ یہ خبریں اس الہام کی وجہ سے دے رہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسے کیا ہے۔ عرب لام کو الی کی جگہ رکھتے ہیں۔ عجاج زمین کی صفت کرتے ہوئے کہتا ہے:

اوْحَی لها القَرار فاستَقَرّتْ وشَدَّها بالرّاسيات الثُّبَّتِ (2)

اس کی طرف قرار کا الہام کیا تو وہ قرار پکڑ گئی اور اسے مضبوط رسیوں کے ساتھ باندھ دیا، اس میں لها، الیها کی جگہ استعمال ہوا ہے۔ یہ ابوعبیدہ کا قول ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اَوْحٰى لَهَا کا معنی ہے اسے حکم دیا؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ سدی نے کہا: اَوْحٰى لَهَا کا معنی ہے اسے کہا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اسے مسخر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے جس روز زلزلہ برپا ہوگا اور زمین اپنے بوجھ باہر نکال دے گی، زمین اپنی خبریں دے گی کہ اس پر جو کچھ طاعات اور معاصی کی گئیں اور اس پر جو خیر و شر کیا گیا؛ یہ ثوری اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔

يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۙ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ⑥ اَشْتَاتًا کا معنی جماعتیں ہیں یہ شت کی جمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: حساب کے میدان سے لوگ اٹھیں گے ایک فریق دائیں جانب کو اپنائے گی جو جنت کی طرف راستہ جائے گا۔ ایک جماعت بائیں جانب کو اپنائے گی جو جہنم کی طرف راستہ جاتا ہوگا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: **يَوْمَئِذٍ يَّتَفَرَّقُوْنَ ⑭** (الروم) **يَوْمَئِذٍ يَّصَّدَّعُوْنَ ⑬** (الروم) ایک قول یہ کیا گیا ہے: حساب سے فارغ ہونے کے بعد حساب سے لوٹیں گے۔

اَشْتَاتًا کا معنی ہے جماعتیں، جماعتیں۔ اَعْمَالَهُمْ سے پہلے ثواب کا لفظ محذوف ہے یہ اس طرح ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی گئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **ما من أحد يوم القيامة إلا ويلوم نفسه فإن كان محسنًا فيقول لم لا أزددت إحسانًا وإن كان غير ذلك يقول لم لا نزعت عن المعاصي** (3) قیامت کے روز ہر کوئی اپنے آپ کو ملامت کر رہا ہوگا اگر وہ اچھائی کرنے والا ہوگا تو وہ کہے گا: میں نے اچھائی زیادہ کیوں نہ کی، اگر معاملہ کوئی اور ہوا تو وہ کہے گا: تو میں معاصی سے کیوں نہ بچا۔ یہ صورتحال ثواب اور عقاب کے معاینہ کے وقت ہوگی۔

1۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 322 2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 305 3۔ تفسیر ابی اللیث، جلد 3، صفحہ 500

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: لوگ اپنے اعمال کے اعتبار سے مختلف ہوں گے اہل ایمان علیحدہ ہوں گے اور ہر دین کے پیروکار علیحدہ ہوں گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ لوٹنا دوبارا اٹھنے کے وقت ہوگا وہ قبروں سے گروہ در گروہ لوٹیں گے اور انہیں حساب کے میدان کی طرف لے جایا جائے گا تا کہ وہ اپنے اعمال اپنی کتابوں میں دیکھ سکیں یا اپنے اعمال کی جزا دیکھ سکیں، گویا وہ قبروں پر وارد ہوئے ان میں انہیں دفن کیا گیا پھر وہ ان سے لوٹے۔ وارد کا معنی آنے والا اور صادر کا معنی لوٹنے والا ہے۔ وہ زمین کے مختلف اطراف سے اٹھائے جائیں گے۔ پہلے قول کے مطابق اس میں تقدیم و تاخیر ہے۔ اس کی صورت یہ ہوگی، وہ اپنی خبریں بیان کرے گی کہ اس کے رب نے اس کی طرف الہام کیا تا کہ وہ اپنے اعمال دیکھیں درمیان میں یہ جملہ یَوْمَئِذٍ یَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا معترضہ ہے۔ یعنی وہ حساب کے میدان سے جدا جدا لوٹیں گے۔ عام قرأت لیُرَوْا ہے معنی ہوگا اللہ تعالیٰ ان کے اعمال دکھائے۔ حسن بصری، زہری، قتادہ، اعرج، نصر بن عاصم اور طلحہ نے فتحہ کے ساتھ پڑھا ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے۔

فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۞ وَ مَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ ۞

"پس جس نے ذرہ برابر بھی نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ (بھی) اسے دیکھ لے گا"۔

اس میں تین مسائل ہیں:

قیامت کے دن خیر و شر کو دیکھنے کے اعتبار سے مومن و کافر کا فرق

مسئلہ نمبر 1۔ فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ ۞ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہا کرتے تھے: کافروں میں سے جو رائی کے دانہ کے برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کی جزا دنیا میں دیکھ لے گا، آخرت میں اسے کوئی ثواب نہیں دیا جائے گا اور جس نے رائی کے دانہ برابر برائی کی اسے آخرت میں سزا دی جائے گی ساتھ ساتھ اسے شرک کی سزا بھی دی جائے گی۔ مومنین میں سے جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اس کی سزا دنیا میں دیکھ لے گا جب وہ مرے گا تو آخرت میں اسے سزا نہیں دی جائے گی اور اس سے درگزر کر لیا جائے گا۔ اگر اس نے رائی کے دانہ برابر بھلائی کا عمل کیا ہوگا تو وہ اس سے قبول کیا جائے گا اور آخرت میں اسے کئی گنا ثواب دیا جائے گا۔ ایک حدیث میں ہے "ذرہ کا کوئی وزن نہیں ہوتا"۔ یہ ایک مثال ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے عمل سے غافل نہیں وہ چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ (النساء: 40) اللہ تعالیٰ ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ وہاں ذرہ کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے اور اس کا کوئی وزن نہیں ہوتا۔

اہل لغت میں سے بعض علماء نے یہ کہا ہے: ذر یہ ہے آدمی اپنا ہاتھ زمین پر مارے تو اس کے ساتھ جو مٹی لگ جائے اسے ذر کہتے ہیں؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے یہی کہا ہے: جب تو اپنا ہاتھ زمین پر رکھے اور اسے اٹھائے تو مٹی میں سے جو اس کے ساتھ لگ جاتی ہے وہ ذرہ ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: کافروں میں سے جو آدمی ذرہ برابر نیکی کرتا ہے وہ اس کا ثواب

دنیا میں دیکھ لیتا ہے (1) یعنی اپنی ذات میں، اپنے اہل میں اور اپنی اولاد میں یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ مومنوں میں سے جو کوئی برا عمل کرتا ہے وہ دنیا میں اس کی سزا دیکھ لیتا ہے اپنی ذات میں، اپنے مال میں، اپنی اولاد میں اور اپنے اہل میں یہاں تک کہ وہ دنیا سے نکلتا ہے جب کہ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی برائی نہیں ہوتی اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو ثقہ علماء نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے: یہ آیت نبی کریم پر نازل ہوئی جب کہ حضرت ابوبکر صدیق کھانا کھا رہے تھے (2) تو انہوں نے کھانا چھوڑ دیا عرض کی: یارسول اللہ! ہم اچھا یا برا جو عمل کرتے ہیں وہ ہمیں دکھایا جائے گا؟ فرمایا: ما رأیت مما تکرہ فھو مثاقیل ذر الشر ویدخر لکم مثاقیل ذر الخیر حتی تعطوہ یوم القیمۃ جو تو ناپسندیدہ چیزیں دیکھتا ہے یہ وہی ذرہ برابر برائیاں ہیں اور ذرہ برابر اچھائیاں تمہارے حق میں ذخیرہ کرلی جائیں گی یہاں تک کہ قیامت کے روز وہ تمہیں دے دی جائیں گی۔

ابوادریس نے کہا: اس کا مصداق اللہ تعالیٰ کی کتاب میں ہے وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝ (الشوریٰ) جو تمہیں مصیبت پہنچی ہے وہ ان اعمال کا بدلہ ہے جو تم نے کیے اور اللہ تعالیٰ بہت سے گناہ بخش دیتا ہے۔

مقاتل نے کہا: یہ آیات دو آدمیوں کے بارے میں نازل ہوئیں کیونکہ یہ آیت نازل ہوئی وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ (الدہر: 8) کھانا کھلاتے ہیں اسے پسند کرتے ہوئے۔ ان میں سے ایک کے پاس سائل آتا تو وہ ایک کھجور، کھانے کا ٹکڑا اور اخروٹ وغیرہ دینا ناپسند کرتا اور دوسرا چھوٹے سے گناہ کے بارے میں سستی کرتا جس طرح جھوٹ بولنا، غیبت کرنا اور نظر کرنا۔ میں کہتا ہوں: اللہ تعالیٰ نے کبائر پر جہنم کا وعدہ کیا ہے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ انہیں تھوڑی سی نیکی میں رغبت دلائی جائے کہ اسے بدلہ دیا جائے گا کیونکہ ممکن ہے کہ وہ زیادہ ہو جائیں اور انہیں تھوڑے سے گناہ پر خبردار کرے کیونکہ ان کے بارے میں بھی امکان ہے کہ وہ زیادہ ہو جائیں؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ چھوٹا سا گناہ قیامت کے روز گناہگار کی آنکھ میں پہاڑوں سے بڑا ہوگا اور اس کی تمام اچھائیاں اس کی آنکھ میں ہر شئی سے چھوٹی ہوں گی۔

اچھائی کا بدلہ اچھائی اور برائی کا بدلہ برائی

مسئلہ نمبر 2۔ عام قراءت یَرَہٗ ہے۔ جحدری، سلمی، عیسیٰ بن عمر اور ابان نے اسے یُرَہٗ پڑھا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اسے دکھائے گا۔ پہلا پسندیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا (آل عمران: 30) اس روز ہر نفس اسے حاضر پائے گا جو اس نے اچھا عمل کیا ہوگا۔ ہشام نے دونوں مواقع پر ھاء کو ساکن پڑھا ہے۔ کسائی نے اسے ابوبکر، ابوحیوہ اور مغیرہ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ یعقوب، زہری، جحدری اور شیبہ نے اس میں اختلاس (3) کیا ہے۔ باقی قراء نے اسے اشباع کی صورت میں پڑھا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ وہ اس کی جزا دیکھے گا۔ کیونکہ اس کا عمل گزر چکا اور معدوم ہو چکا تو وہ دکھائی نہیں دے گا۔ علماء نے اس بارے میں اشعار ذکر کیے:

1۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 324
2۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 324

3۔ یہ تجوید کی اصطلاح ہے اس سے مراد ہے قاری جب حرکت کو پر نہ پڑھے۔

إنْ من يَعْتَدِی ويَكْسِبْ إثْماً		وَزْنَ مثقالِ ذَرَّةٍ سَيَرَاهُ

جو آدمی ذرہ برابر حد سے تجاوز کرتا ہے اور گناہ کرتا ہے تو وہ اس کو دیکھے گا۔

ويُجَازَى بفعله الشَّرَّ شَرًّا		وبفعل الجميلِ أيضا جَزَاهُ

اسے برائی کا بدلہ برائی سے اور اچھائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے گا۔

هكذا قوله تبارك رَبِّي		فی إذا زُلزلت وجَل ثَنَاهُ

میرے رب کا ارشاد ہے سورۂ اذا زلزلت میں اسی طرح ہے۔

قرآن حکیم کی جامع ترین آیات

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: قرآن حکیم میں یہ محکم ترین آیت ہے اور انہوں نے سچ کہا۔ علماء اس آیت کے عموم پر متفق ہیں خواہ انہوں نے اس کے عموم کا قول کیا ہو یا نہ کیا ہو، کعب الاحبار نے کہا: اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دو آیتیں نازل فرمائیں جنہوں نے تورات، انجیل، زبور اور صحائف میں جو کچھ تعلیمات ہیں سب کو جمع کر لیا ہے وہ یہ ہیں **فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَ مَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝** شیخ ابو مدین نے اس آیت کے بارے میں کہا: وہ مآل سے پہلے حال میں اچھائی کا بدلہ دیکھ لے گا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کو جامعہ فاذہ کہا کرتے تھے جس طرح صحیح میں ہے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گدھوں کے بارے میں پوچھا گیا اور آپ نے خچروں کے بارے میں خاموشی اختیار کی دونوں میں جواب ایک ہی ہے(1)، کیونکہ خچر اور گدھوں پر سوار ہو کر نہ حملہ کیا جا سکتا ہے اور نہ ہی بھاگا جا سکتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھوڑوں میں دائمی اجر اور جاری ثواب کا ذکر کیا تو سائل نے گدھوں کے بارے میں پوچھا کیونکہ ان دنوں ان کے پاس خچر نہیں ہوتے تھے حجاز کے علاقہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خچر دلدل کے سوا کوئی خچر داخل نہیں ہوا تھا جو خچر مقوقس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تھا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے عموم آیت سے فتوی دیا تھا۔ ''بے شک حمار میں کثیر ذرات کا وزن ہے'' یہ ابن عربی کا قول ہے۔

موطا میں ایک روایت ہے: ایک مسکین نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کھانا طلب کیا جب کہ ان کے سامنے انگور موجود تھا آپ نے ایک انسان سے کہا: اس سے ایک دانا لوا سے دے دو۔ وہ آدمی اس دانے کو دیکھنے لگا اور متعجب ہونے لگا۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے پوچھا: کیا تو تعجب کا اظہار کرتا ہے تو اس دانے میں کتنے مثقال ذرہ دیکھتا ہے؟

حضرت سعد بن وقاص سے مروی ہے کہ آپ نے دو کھجوریں صدقہ کیں تو سائل نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ حضرت سعد نے سائل سے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہم سے ذرہ برابر قبول فرما لیتا ہے جب کہ دو کھجوروں میں بہت سے ذرات کے وزن ہوتے ہیں۔

مطلب بن حنطب نے روایت نقل کی ہے کہ ایک بدو نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا اس نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ذرہ کے وزن برابر۔ فرمایا: ''ہاں''۔ بدو نے کہا: واسوأتاہ اس نے یہ کلمہ بار بار کہا پھر وہ یہ کہتے ہوئے اٹھ کر

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1972

چلا گیا نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا: لقد دخل قلب الأعرابی الإیمان بدو کے دل میں ایمان داخل ہو گیا۔

حضرت حسن بصری نے کہا: فرزدق کا چچا حضرت صعصعہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس نے فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ آیت سنی تو اس نے کہا: اب مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ میں اس کے علاوہ قرآن نہ سنوں (1)۔ یہ میرے لیے کافی ہے، نصیحت ختم ہو چکی؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا۔ ماوردی کے الفاظ یہ ہیں کہ حضرت صعصعہ بن ناجیہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (2) تا کہ قرآن سنے تو نبی کریم ﷺ نے اسے یہ آیت پڑھ کر سنائی تو صعصعہ نے کہا: میرے لیے کافی ہے میرے لیے کافی ہے اگر میں ذرہ برابر برائی کروں گا تو اسے دیکھ لوں گا۔

معمر نے زید بن اسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے عرض کی: مجھے وہ کچھ سکھایئے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو سکھایا ہے۔ حضور ﷺ نے اسے ایک آدمی کے پاس بھیجا جو اسے تعلیم دے تو اس نے اسے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتِ کی تعلیم دی یہاں تک کہ وہ اس آیت تک پہنچا تو اس نے کہا: میرے لیے کافی ہے تو نبی کریم ﷺ کو خبر دی گئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا: دَعُوہ فإنہ قد فَقِہَ اسے چھوڑ دو وہ فقیہ ہو چکا ہے۔ یہ حکایت بیان کی جاتی ہے کہ خَيْرًا يَّرَهٗ کو موخر کیا تو اسے کہا گیا تو نے تقدیم و تاخیر کر دی ہے۔ تو اس نے کہا:

خذا بطن ھرشی (3) أو قفاھا فإنہ کلا جانبی ھرشی لھنّ طریق

تم دونوں ہرشی کے بطن سے یا اس کے قفا کو اپناؤ ہرشی کے دونوں جانب اس تک پہنچنے کا راستہ ہے۔

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 309 2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 321

3۔ جحفہ کے قریب مکہ کے راستہ میں ایک ثنیہ ہے جہاں سے سمندر دکھائی دیتا ہے اس کے دو راستے ہیں جس راستہ سے بھی چلو انسان وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔

سورۃ العادیات

آیاتھا ۱۱ ۱۰۰ سورۃ العدیت مکیۃ ۱۴ رکوعھا ۱

حضرت ابن مسعود، حضرت جابر، حضرت حسن بصری، عکرمہ اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ حضرت ابن عباس، حضرت انس، امام مالک اور قتادہ کے نزدیک یہ سورت مدنی ہے (2)۔ اس کی گیارہ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾

"قسم ہے تیز دوڑنے والے گھوڑوں کی جب وہ سینہ سے آواز نکالتے ہیں پھر پتھروں سے آگ نکالتے ہیں سم مار کر"۔

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾ ان گھوڑوں کی قسم جو دوڑتے ہیں؛ عام مفسرین اور اہل لغت نے یہی کہا ہے وہ اللہ کی راہ میں دوڑتے ہیں اور آواز نکالتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: جب وہ دوڑتے ہیں تو وہ آواز نکالتے ہیں۔ فراء نے کہا: ضبح گھوڑوں کے سانسوں کی آواز ہے جب وہ دوڑ رہے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جانوروں میں سے گھوڑے، کتے اور لومڑی کے علاوہ کوئی بھی چیز دوڑتے وقت آواز نہیں نکالتی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ ان کے منہ پر کوئی چیز چڑھا دی جاتی ہے تا کہ وہ ہنہنا نہ سکے کہ دشمن اس کے بارے میں آگاہ ہو جائے اس حالت میں قوت کے ساتھ سانس لیتے ہیں۔

ابن عربی نے کہا اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم اٹھائی (3) يٰسٓ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾ (یاسین) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی قسم اٹھائی لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (الحجر) اللہ تعالیٰ نے آپ کے گھوڑوں، ان کے ہنہنانے، ان کے غبار اور پتھروں سے ان کے سموں سے چنگاری نکالنے کی قسم اٹھائی اور ارشاد فرمایا: وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ﴿۱﴾۔

عنترہ نے کہا:

والخیل تعلم حین تضبحُ فی حیاضِ المَوْتِ ضَبْحًا

گھوڑے جانتے ہیں جب وہ موت کے حوضوں میں آواز نکالتے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

لستُ بالتُّبعِ الیمانِیِّ إنْ لَمْ تَضْبَحِ الخیلُ فی سَوادِ العِرَاقِ

میں تبع یمانی نہیں اگر گھوڑے سواد عراق میں آوازیں نہ نکالیں۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 307 2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 308 3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1973

اہل لغت نے کہا: ضبح اور ضباح یہ لومڑیوں کے لیے وضع کیے گئے ہیں مجازاً گھوڑوں کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہ عربوں کے قول سے ماخوذ ہے: ضَبَحَتْهُ النَّارُ جب آگ اس کے رنگ کو تبدیل کر دے اور اس میں مبالغہ نہ کرے۔ شاعر نے کہا:

فَلَمَّا أَنْ تَلَهْوَجْنَا شِوَاءً　　بِهِ اللَّهَبَانُ مَقْهُورًا ضَبِيحًا

انضبح لونه: جب وہ تھوڑا سا سیاہی مائل ہو جائے اس نے کہا۔

عُلِّقْتُهَا قَبْلَ انْضِبَاحِ لَوْنِي میں نے اسے اپنا رنگ بدلنے سے پہلے ہی چاٹ لیا۔ یہ حیوانات آواز نکالتے ہیں جب ان کا حال گھبراہٹ، تھکاوٹ اور لالچ کی وجہ سے بدل جاتا ہے۔ ضَبْحًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ تقدیر کلام یوں ہے: والعادیات تضبحُ ضَبْحًا، الضبح کا معنی راکھ بھی ہے۔ بصریوں نے کہا: ضَبْحًا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ مصدر ہے جو حال کی جگہ واقع ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الضبح اور الضبع دونوں ایک جیسے ہیں جس کا معنی دوڑنا ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: الضبح والضبع کا معنی دوڑنا اور چلنا ہے۔ مبرد نے اسی طرح کہا ہے ضبح سے مراد دوڑنے میں بازوؤں کو لمبا کرنا ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی کنانہ کے لوگوں کی طرف ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تو اس کے خبر آنے میں دیر ہو گئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت منذر بن عمرو انصاری کو عامل بنایا تھا وہ ایک نقیب تھے منافقوں نے کہا: وہ شہید ہو گئے ہیں یہ سورت اس لیے نازل ہوئی تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی سلامتی کی خبر دی جائے اور یہ بشارت دی جائے کہ انہوں نے اس قوم پر حملہ کیا تھا جس کی طرف انہیں بھیجا گیا تھا۔

جن علماء نے یہ کہا کہ عادیات سے مراد گھوڑے ہیں ان میں حضرت ابن عباس، حضرت انس، حضرت حسن بصری اور مجاہد ہیں۔ خیل سے مراد وہ گھوڑے ہیں جن پر سوار ہو کر مومن حملہ کرتے ہیں۔ حدیث میں ہے: مَنْ لم يعرِفْ حُرْمَةَ فَرَسِ الغازِي فَفِيه شعبةٌ من النفاقِ جس نے غازی کے گھوڑے کی حرمت کو نہ پہچانا تو اس میں نفاق کا کچھ حصہ ہے۔

ایک دوسرا قول ہے کہ الْعٰدِيٰتِ سے مراد اونٹ ہیں۔ مسلم نے کہا: میں نے عکرمہ سے اس بارے میں جھگڑا کیا۔ عکرمہ نے کہا حضرت ابن عباس نے کہا اس سے مراد گھوڑے ہیں (1)۔ میں نے کہا: حضرت علی شیر خدا نے کہا اس سے مراد حج میں دوڑنے والے اونٹ ہیں (2)، میرے آقا تیرے آقا سے زیادہ جانتا ہے۔ امام شعبی نے کہا: حضرت علی شیر خدا اور حضرت ابن عباس نے الْعٰدِيٰتِ کی تعبیر میں جھگڑا کیا۔ حضرت علی شیر خدا نے کہا: اس سے مراد وہ اونٹ ہیں جو حج کے موقع پر دوڑتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا: اس سے مراد گھوڑے ہیں کیا آپ نہیں دیکھتے ان کی یہ صفت ذکر کی گئی ہے فَاَثَرْنَ بِهٖ نَقْعًا۝ اپنے کھروں کے ساتھ غبار اڑاتے ہیں۔ کیا اونٹ آواز نکالتے ہیں۔ حضرت علی شیر خدا نے فرمایا: بات اس طرح نہیں جس طرح تو نے کہی تو نے غزوۂ بدر کے موقع پر ہمیں دیکھا ہمارے پاس کوئی گھوڑا نہ تھا مگر مقداد کا گھوڑا تھا جسے ابلق کہتے اور مرثد بن ابی مرثد کا گھوڑا تھا پھر حضرت علی شیر خدا نے حضرت ابن عباس سے کہا: کیا تو لوگوں کو ایسی بات کا فتویٰ دیتا ہے جس کا

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 307　　2۔ ایضاً

تجھے علم ہی نہیں اللہ کی قسم! یہ اسلام کا پہلا غزوہ تھا اور ہمارے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا حضرت مقداد کا تھا اور ایک گھوڑا حضرت زبیر کا تھا تو جمع کا صیغہ وَالْعٰدِیٰتِ ضَبْحًا ۙ کیسے ہو سکتا ہے؟ اس سے مراد اونٹ ہیں جو عرفہ سے مزدلفہ اور مزدلفہ سے عرفہ آتے ہیں۔ حضرت ابن عباس نے کہا میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا؛ یہی قول حضرت ابن مسعود، عبید بن عمیر، محمد بن کعب اور سدی کا ہے۔ اس معنی میں حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کا قول ہے:

فلا والعادیاتِ غداة جَمْعٍ بأیدیها إذا سَطَعَ الغُبار

قسم ہے ان اونٹوں کی جو مزدلفہ کی صبح جس کے پاؤں سے غبار اڑتا ہے۔

یہاں اس سے مراد اونٹ ہیں ان کو الْعٰدِیٰتِ اس لیے کہا گیا ہے کیونکہ یہ لفظ عدو سے مشتق ہے یہ تیز چلتے وقت قدموں کا دور دور رکھنا ہے۔ ایک اور شاعر نے کہا:

رأی صاحبی فی العادیاتِ نَجِیبةً وأمثالَها فی الواضعاتِ القوامِسِ

میرے ساتھی نے دوڑنے والی اونٹنیوں میں عمدہ اونٹنی کو دیکھا اس کی مثل مضبوط اونٹنی میں ہوتی ہے۔

جس نے کہا: الْعٰدِیٰتِ سے مراد اونٹ ہیں تو اس کے نزدیک ضَبْحًا، ضبعا کے معنی میں ہے اس میں حاء، عین سے بدلی ہوئی ہے، کیونکہ یہ جملہ بولا جاتا ہے: ضبعت الابل یہ جملہ اس وقت بولتے ہیں جب وہ چلتے وقت اپنی گردنوں کو لمبا کریں۔ مبرد نے کہا: ضبع سے مراد چلتے وقت بازوں کو لمبا کرتا ہے۔ ضبح یہ گھوڑوں کے بارے میں زیادہ استعمال ہوتا ہے اور ضبع اونٹوں میں استعمال ہوتا ہے بعض اوقات حاء کو عین سے بدل دیا جاتا ہے۔ ابو صالح نے کہا: گھوڑوں میں جب آواز نکالنے کا مفہوم ہو تو اسے حمحمہ کہتے ہیں اونٹوں میں ہو تو اسے تنفس کہتے ہیں۔ عطا نے کہا: چوپاؤں میں کوئی چیز ایسی نہیں جو دوڑتے وقت آواز نکالتی ہو مگر گھوڑا، لومڑی اور کتاب؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اہل لغت کا یہ قول پہلے گزر چکا ہے کہ عرب کہتے ہیں: ضبح الثعلب۔ تو بہ نے کہا:

تَسَلَّمْتُ تسلیمَ البشاشةِ أو زَقَا إلیها صَدًی من جانب القبرِ ضابحُ

میں بشاشت کا سلام پیش کرتا یا قبر کی جانب سے ایک چیخنے والا اس کو صدا لگاتا۔

زَقَا الصَّدٰی یَزْقُوزَقَاءً کا معنی ہے وہ چیخا۔ کلِّ زاقٍ صائحٌ ہر زاقی چیخنے والا ہے زقیۃ کا معنی چیخ ہے۔

فَالْمُوْرِیٰتِ قَدْحًا ۙ عکرمہ، عطا اور ضحاک نے کہا: اس سے مراد گھوڑے ہیں جو اپنے کھروں کے ساتھ آگ نکالتے ہیں؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: انہوں نے اپنے کھروں کے ساتھ غبار اڑایا۔ یہ قول ان اقوال کے خلاف ہے جن میں یہ ذکر ہے کہ وہ آگ نکالتے ہیں اور جو یہ کہا گیا ہے کہ وہ اونٹوں کے بارے میں ہے۔ ابن ابی نجیح نے مجاہد سے یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ جہاد اور حج میں ہوتا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو سنگریزوں کو روندتے ہیں اور اس سے آگ نکلتی ہے۔ قدح کا اصل معنی نکالنا ہے۔ اس معنی میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: قدحتُ العین جب تو اس سے فاسد پانی نکالے۔ واقتدحتُ بالزند جب تو زند سے آگ

نکالے۔ اِقتدحتُ المرق۔ جب تو شوربہ نکالے۔ رَکِیّ قدوح ایسا کنواں جس سے ہاتھوں کے ساتھ پانی نکالا جائے۔ قدیح اسے کہتے ہیں جو ہنڈیا کے نیچے رہ جاتا ہے اور اسے مشقت کے ساتھ نکالا جاتا ہے۔ مِقدحہ جس کے ساتھ آگ نکالی جاتی ہے۔ القداحہ، القداح وہ پتھر جو آگ کو روشن کرتا ہے۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَرَی الزند یَرِی وَرْیًا۔ جب اس کی آگ نکلے۔ اس میں ایک اور لغت بھی ہے: وَرِی مضارع کا صیغہ دونوں میں یَرِیْ ہے سورۂ واقعہ میں یہ بات گزر چکی ہے قَدْحًا اسی وجہ سے منصوب ہے جس وجہ سے ضَبْحًا منصوب ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیات گھوڑوں کے متعلق ہیں لیکن ایراء کا معنی پھر یہ ہوگا کہ وہ اپنے مالکوں اور ان کے دشمنوں کے درمیان جنگ کو بھڑکاتے ہیں اسی وجہ سے جب جنگ زوروں پر ہوتی ہے تو کہتے ہیں: حَمِیَ الوَطِیسُ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ (المائدہ: 64) جب کبھی وہ جنگ کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے؛ یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے یہ بھی مروی ہے کہ اس کا معنی ہے مردوں کا جنگ میں خفیہ تدبیر کرنا (1)؛ یہ مجاہد اور زید بن اسلم کا قول ہے، عرب کہتے ہیں جب وہ اپنے ساتھی کے ساتھ خفیہ تدبیر کرنا چاہے: واللہ لأمکرنّ بك ثم لأورینّ لك۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو غزوہ میں شریک ہوتے ہیں اور اپنی ضرورت اور کھانے کے لیے آگ کو روشن کرتے ہیں۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد مجاہدین کی آگ ہے جب ان کی آگ زیادہ ہوتی ہے مقصود لوگوں کو خبردار کرنا ہے جو بھی دشمن کے قریب جا کر پڑاؤ ڈالتا تو بہت زیادہ آگ جلاتے تاکہ دشمن ان کی تعداد زیادہ سمجھے یہ ان کی قسم اٹھانا ہے۔

محمد بن کعب نے کہا: اس سے مراد وہ آگ ہے جس کے پاس جمع ہوا جاتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد لوگوں کے افکار ہیں جو مکر و دھوکہ کی آگ کو روشن کرتے ہیں۔ عکرمہ نے کہا: اس سے مراد لوگوں کی زبانیں ہیں جو گفتگو کے ذریعے آگ روشن کر دیتی ہیں یعنی دلائل قائم کرنا، حق واضح کرنا اور باطل کو باطل کر دینا۔ ابن جریج نے بعض لوگوں سے یہ روایت نقل کی ہے کہ امر اور عمل میں کامیابی عطا کرنے والی چیزیں اسی طرح ہیں جس طرح جب زند آگ روشنی کرے تو اس کے لیے نجاح الزند کا لفظ استعمال کیا جائے۔

میں کہتا ہوں: یہ اقوال مجاز ہیں۔ اس معنی میں ان کا قول ہے: فلان یُورِی زِناد الضلالۃ پہلی تعبیر حقیقت ہے گھوڑے جب سختی سے دوڑتے ہیں تو وہ اپنے کھروں کے ساتھ آگ نکالتے ہیں۔ مقاتل نے کہا: عرب اس آگ کو نار ابی حباحب کہتے ہیں۔ ابو حباحب دور جاہلیت میں مصر کا ایک شیخ تھا بہت ہی بخیل تھا وہ روٹی پکانے اور دوسرے کاموں کے لیے آگ روشن نہیں کرتا تھا یہاں تک کہ لوگ سو جاتے تھے وہ تھوڑی سی آگ روشن کرتا جو کبھی روشن ہوتی اور کبھی بجھ جاتی۔ اگر کوئی آدمی بیدار ہو جاتا تو وہ اس آگ کو بجھا دیتا یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ کوئی اس سے فائدہ نہ اٹھائے تو عربوں نے اس آگ کو اس کی

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 308

آگ کے ساتھ تشبیہ دی کیونکہ اس سے بھی کوئی نفع حاصل نہیں کیا جا سکتا؛ اس طرح جب تلوار خود پر پڑے تو آگ نکالتی ہے تو اسے بھی وہی نام دیتے ہیں۔ نابغہ نے کہا:

ولا عیبَ فیھم غیرَ أنَّ سُیوفَھم　　بھِنّ فلولٌ من قِراعِ الکتائبِ

ان میں کوئی عیب نہیں سوائے اس کے کہ ان کی تلواریں لشکروں کے باہم ملنے سے کند ہو جاتی ہیں۔

تَقُدُّ السَّلُوقِیَّ المضاعَفَ نَسْجُہُ　　وتُوقِدُ بالصُّفَّاحِ نارَ الحُباحِبِ

وہ سلوقی زرہ کو کاٹ دیتی ہیں جس کی بنائی دہری ہوتی ہے اور چوڑے پتھر پر پڑیں تو حباحب کی آگ روشن کرتی ہیں۔

فَالْمُغِیْرٰتِ صُبْحًا ۙ

''پھر اچانک حملہ کرتے ہیں صبح کے وقت''۔

گھوڑے صبح کے وقت دشمن پر حملہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن عباس اور اکثر مفسرین کی رائے یہ ہے: جب وہ حملہ کا ارادہ کرتے تو رات کو چلتے اور صبح تک دشمن کے پاس پہنچ جاتے کیونکہ وہ وقت لوگوں کی غفلت کا ہوتا ہے اس معنی میں فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِیْنَ ﴿۱۷۷﴾ (الصافات) جن کو ڈرایا جاتا ہے ان کی صبح بہت ہی بری ہوتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: غالب ہونے کی وجہ سے انہوں نے دن کے وقت حملہ کیا، اس صورت میں صُبْحًا کا معنی علانیہ ہوگا۔ اسے صبح کے ظہور کے ساتھ تشبیہ دی۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما نے کہا: اس سے مراد اونٹ ہیں جو اپنے سواروں کو یوم نحر کے دن مزدلفہ سے منیٰ لے جاتے ہیں، سنت یہ ہے کہ صبح ہونے پر ہی روانہ ہوا جائے؛ یہ قرطبی کا قول ہے۔ اغارہ کا معنی تیز چلنا ہوگا اس میں ان کا قول ہے: أشْرِقْ ثَبِیْرُ کَیْمَا نُغِیْرُ اے ثبیر! (پہاڑ) روشن ہو کہ ہم چلیں۔

فَاَثَرْنَ بِہٖ نَقْعًا ۙ

''پھر اس سے گرد و غبار اڑاتے ہیں''۔

نَقْعًا کا معنی غبار ہے یعنی گھوڑے جہاں حملہ کرتے ہیں اس جگہ تیز دوڑنے کی وجہ سے غبار اڑاتے ہیں۔ حضرت ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

عدِمتُ بُنَیَّتِی إن لم تَرَوْھا　　تُثِیرُ النَّقْعَ من کَنَفَیْ کَداءِ

میں اپنی بیٹی کو نہ پاؤں اگر تم گھوڑے کو نہ دیکھو کہ وہ کداء پہاڑ کے اطراف میں غبار اڑا رہا ہے۔

بِہٖ میں جو ضمیر ہے مکان یا موضع کی طرف لوٹ رہی ہے جہاں وہ حملہ واقع ہوا جب حقیقت حال معلوم ہو تو ضمیر ذکر کرنا جائز ہے اگرچہ اس کا پہلے صراحۃً ذکر نہ بھی ہوا ہو، جس طرح ارشاد فرمایا: حَتّٰی تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ ﴿۳۲﴾ (ص) ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ضمیر سے مراد، دوڑنا ہے جب کہ دوڑنے کا ذکر پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ نقع سے مراد مزدلفہ اور منیٰ کے درمیان کا علاقہ ہے؛ یہ محمد بن کعب قرظی کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وادی کا راستہ ہے شاید یہ ضمیر اس غبار کی طرف لوٹ رہی ہے جو غبار اس جگہ سے اڑتا ہے۔ صحاح میں ہے: نقع سے مراد غبار ہے اس کی جمع نقاع ہے نقع سے

مراد پانی روکنے کی جگہ ہے اس طرح اس پانی کو بھی کہتے ہیں جو کنویں میں جمع ہو جاتا ہے۔ حدیث طیبہ میں ہے کہ حضور نے کنویں کے پانی کو روکنے سے منع کیا ہے۔ نقع اس زمین کو کہتے ہیں جس میں پانی جمع کیا جاتا ہے اس کی جمع نقاع اور انقع آتی ہے جس طرح بحر کی جمع بحار اور ابحر آتی ہے۔

میں کہتا ہوں: بعض اوقات نقع کا معنی آواز بلند کرنا ہے، اس معنی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے جب ان سے کہا گیا کہ عورتیں جمع ہیں وہ حضرت خالد بن ولید پر رو رہی ہیں تو آپ نے پوچھا: بنی مغیرہ کی عورتوں کو کیا ہو گیا ہے کہ وہ اپنے آنسو بہا رہی ہیں جب کہ وہ ابو سلیمان کے پاس بیٹھی ہوئی ہیں نہ کوئی آواز ہے اور نہ شور ہے۔ ابو عبید نے کہا: نقع کا معنی آواز بلند کرنا ہے۔ اس معنی پر میں نے اہل علم میں سے اکثر علماء کو دیکھا ہے۔ اس معنی میں لبید کا قول ہے:

فمتی ینقعْ صُراخٌ صادِقٌ یُحْلِبوها ذاتَ جَرْسٍ وزَجَل

جب سچی آواز بلند ہوتی ہے تو وہ اس جنگ کے لیے جرس و زجل والی چیزوں کو جمع کرتے ہیں۔

ینقعْ صراخٌ کا معنی ہے آواز کا بلند ہونا۔ کسائی نے کہا: حضرت عمر کا ارشاد نقع ولا لقلقة۔ نقع کا معنی کھانا یعنی ماتم میں۔ اس معنی میں یہ جملہ بولا جاتا ہے: نقعتُ أنقعُ نَقْعا۔ ابو عبید نے کہا: ذهب بالنقع إلى النَّقِيعة۔ کسائی کے علاوہ دوسرے علماء کے نزدیک نقیعہ سے مراد سفر سے واپسی پر کھانا پکانا ہے ماتم میں کھانا پکانا نہیں۔ بعض علماء نے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے النقع سے یہ مراد لیا تھا سر پر مٹی ڈالنا۔ یہ معنی اس طرف جاتا ہے کہ نقع سے مراد غبار ہے۔ میرا گمان نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس طرف گئے ہوں اور نہ آپ کو ان سے یہ خوف تھا۔ آپ کو یہ خوف کیسے ہو سکتا تھا جب کہ ان کے لیے یہ عمل ناپسند کر رہے تھے۔ فرمایا: یَسْفِکْنَ من دموعهن وهُنّ جلوس بعض نے کہا: نقع سے مراد گریبان پھاڑنا ہے۔ یہ ایسا معنی ہے جسے میں نہیں جانتا۔ اس حدیث میں میرے نزدیک نقع سے مراد شدید آواز ہے جہاں تک لقلقہ کا تعلق ہے تو اس کا معنی سخت آواز ہے میں نے اس میں کوئی اختلاف نہیں سنا۔ ابو حیوہ نے فاثرن پڑھا ہے یعنی اس کے آثار دکھائے جس نے اسے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے تو وہ اثار سے مشتق ہے جب وہ حرکت دے اس معنی میں وَّ اَثَارُوا الْاَرْضَ ہے (الروم: 9) انہوں نے زمین کو حرکت دی۔

فَوَسَطْنَ بِهٖ جَمْعًا ۝

''پھر اسی وقت (دشمن کے) لشکر میں گھس جاتے ہیں''۔

جَمْعًا یہ وسطن کا مفعول بہ ہے وہ اپنے سواروں کے ساتھ دشمنوں کے وسط میں جا پہنچتے ہیں یعنی اس جمعیت میں جا پہنچتے ہیں جس پر وہ حملہ کرتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے کہا: یعنی وہ مزدلفہ میں جا پہنچتے ہیں (1)۔ اسے جَمْعًا کا نام دیا کیونکہ لوگ اس میں جمع ہوتے ہیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: وَسَطْتُ القومَ أَسِطُهم وَسْطًا وسِطَةً یعنی میں ان کے درمیان جا پہنچا۔ حضرت علی شیر خدا نے اسے مشدد پڑھا ہے۔ فوسطن یہ قتادہ، حضرت ابن مسعود اور ابو رجاء کی لغت ہے۔ دونوں لغتوں کا ایک ہی معنی ہے یہ جملہ

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 308

بولا جاتا ہے: وَسَطْتُ القومَ توَسَّطتُهُمْ دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: مشدد پڑھیں تو معنی ہے دشمن کے لشکر کو دو حصوں میں کر دیتے ہیں۔ تخفیف کے ساتھ پڑھیں تو معنی ہے ان کے وسط میں جا پہنچتے ہیں۔ دونوں کا معنی ایک ہی بنتا ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ ﴿6﴾

''بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر گزار ہے''۔

یہ جواب قسم ہے، یعنی انسان کو ناشکری پر پیدا کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: لَكَنُوْدٌ کا معنی ہے الله تعالیٰ کی نعمتوں کا انکار کرنے والا؛ حضرت حسن بصری نے بھی یہی کہا، کہا: وہ مصائب کو یاد کرتا ہے اور نعمتوں کو بھول جاتا ہے؛ شاعر نے اس چیز کو لیا اور نظم میں پرو دیا:

یا أیها الظالمُ فی فِعْلِهِ والظُّلْم مردود علی مَنْ ظَلَمْ

إلی متی أَنْتَ وحَتّٰی متی تشکو المُصِیباتِ وتنسی النعم

اے اپنے عمل میں ظلم کرنے والے جب کہ ظلم ظالم پر لوٹا دیا جاتا ہے، کب تک تو مصائب کی شکایت کرتا رہے گا اور نعمتوں کو بھول جائے گا۔

حضرت ابو امامہ باہلی نے روایت کی ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: الکنودُ هو الذِی یأکلُ وحدَهُ ویمنَعُ رِفْدَهُ ویضرِبُ عَبْدَهُ، کنود اسے کہتے ہیں جو تنہا کھانا کھاتا ہے، عطیہ نہیں دیتا اور اپنے غلام کو مارتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَلا أُنَبِّئُکُمْ بشرارِکُم؟ قالوا بَلٰی یا رسولَ الله! قَالَ مَن نَزَلَ وحدَهُ ومنعَ رِفْدَهُ وَجَلَدَ عَبْدَهُ کیا میں تمہیں سب سے برے آدمی کے بارے میں آگاہ نہ کروں؟ صحابہ نے عرض کی: کیوں نہیں یا رسول الله! فرمایا: جو تنہا پڑاؤ ڈالے، عطیہ نہ دے اور اپنے غلام کو مارے۔ دونوں روایات حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں نقل کی ہیں (1)۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: کنود کا لفظ کندہ اور حضر موت کی زبان میں نافرمانی کو کہتے ہیں ربیعہ اور مضر کی زبان میں ناشکرے کو کہتے ہیں، کنانہ کی زبان میں بخیل بری خصلت والے کو کہتے ہیں؛ یہ مقاتل کا نقطہ نظر ہے۔ شاعر نے کہا:

کَنُود لِنَعماء الرجالِ ومَنْ یکن کَنُودًا لنعماء الرجل یُبَعَّدِ

وہ لوگوں کے احسانات کی ناشکری کرنے والا ہے اور جو لوگوں کے احسانات کی ناشکری کرنے والا ہو اسے دور کر دیا جاتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ جو تھوڑے احسان پر ناشکری کرے اور زیادہ پر ناشکری نہ کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو حق کا انکار کرے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: کندہ کو کندہ اس لیے کہتے ہیں کیونکہ اس نے اپنے باپ کا انکار کیا تھا۔ ابراہیم بن ہرمہ شاعر نے کہا:

1۔ نوادر الاصول، صفحہ 267

دعِ البخلاءَ إن شمخُوا وصَدُّوا وذِكرَى بُخْلِ غانيةٍ كنودِ

بخیلوں کو چھوڑو اگر وہ بخل کریں اور مال روک لیں اور شادی شدہ ناشکری عورت کے بخل کے ذکر کو چھوڑو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: کنود، کند سے مشتق ہے جس کا معنی کاٹنا ہے گویا وہ اسے کاٹتا ہے جسے ملنا چاہیے یعنی شکر۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: کند الحبل جب وہ رسی کو کاٹ دے۔ اعشیٰ نے کہا:

أمِيطِي تُمِيطِي بصُلْبِ الفؤادِ وَصُولِ حِبالٍ وكَنّادِها

تو چلی جا تو مضبوط دل والے سے دور ہو گی جو رشتوں کو جوڑنا بھی جانتا ہے اور انہیں توڑنا بھی جانتا ہے۔

یہ کاٹنے پر دلالت کرتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: كَنَدَ يَكْنِدُ كُنودا یعنی اس نے نعمت کا انکار کیا۔ ناشکری کرنے والے کو کنود کہتے ہیں اسی طرح ناشکری عورت کو کنود کہتے ہیں اور کند بھی اس کی مثل ہے۔ اعشیٰ نے کہا:

أحدِث لها تُحدِث لوصلك إنها كُنُدٌ لوصلِ الزائر المعتادِ

اس کے لیے نیا تعلق قائم کر وہ تیرے لیے نیا تعلق قائم کرے گی وہ پرانے ملاقاتی کے تعلق سے انکاری ہے۔

حضرت ابن عباس نے کہا: یہاں انسان سے مراد کافر ہے(1) یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وہ بہت زیادہ کفر کرنے والا ہے۔ اس معنی میں ارض کنود ہے ایسی زمین کو کہتے ہیں جو کوئی شئی نہ اگائے۔ ضحاک نے کہا: یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی (2)۔ مبرد نے کہا: کنودا سے کہتے ہیں جو حق دینے سے انکار کرے اور سابقہ شعر ہی ذکر کیا۔

ابو بکر واسطی نے کہا: کنود اسے کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اس کی نافرمانیوں میں خرچ کرے۔ ابو بکر وراق نے کہا: کنود اسے کہتے ہیں جو نعمت کو اپنی جانب سے اور اپنے دوستوں کی جانب سے خیال کرتا ہے۔ ترمذی نے کہا: جو نعمت کو دیکھتا ہے منعم کو نہیں دیکھتا۔ ذوالنون مصری نے کہا: هلوع أو کنود اسے کہتے ہیں جب اسے تکلیف پہنچے تو بہت زیادہ جزع و فزع کرتا ہے جب بھلائی پہنچے تو احسان نہیں کرتا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: بہت زیادہ کینہ رکھنے والا اور حسد کرنے والا۔ ایک قول یہ کیا گیا: جو اس کی قدرو منزلت سے ناواقف ہو، حکمت کی باتوں میں سے یہ ہے جو اس کی قدرو منزلت سے ناواقف ہے وہ اس کے پردے کو چاک کر دیتا ہے۔

میں نے کہا: یہ تمام اقوال ناشکری اور انکار کی طرف لوٹتے ہیں نبی کریم ﷺ نے کنود کے معنی کی وضاحت مذموم خصائل اور ناپسندیدہ احوال سے کی ہے، اگر یہ درست ہے تو اس بارے میں جتنے بھی اقوال کیے گئے ہیں ان سب سے یہ اعلیٰ ہے اور کسی کے لیے بھی گفتگو کی کوئی گنجائش نہیں۔

وَاِنَّهٗ عَلٰى ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ ۝

''اور وہ اس پر (خود) گواہ ہے''۔

اللہ تعالیٰ انسان کے اس عمل پر گواہ ہے؛ منصور نے مجاہد سے یہی روایت کیا ہے؛ یہی اکثر مفسرین کا قول ہے(3)؛ یہ

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 309 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت حسن بصری، قتادہ اور محمد بن کعب نے کہا: انسان اپنے اعمال پر خود گواہ ہے؛ مجاہد سے بھی یہی مروی ہے۔

وَ اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ ۝

''اور بلاشبہ وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے''۔

اِنَّهٗ کی ضمیر سے مراد انسان ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ خیر سے مراد مال ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان: اِنْ تَرَكَ خَيْرًا (البقرہ: 180) ہے۔ اگر وہ مال چھوڑے۔ عدی نے کہا:

ماذَا تُرَجِّي النفوسُ من طلبِ الخَيْرِ وحُبُّ الحياةِ كارِبُها

نفوس مال کی طلب سے کس چیز کی امید رکھتے ہیں جب کہ زندگی کی محبت ان پر بہت شدید ہے۔

وہ مال کی محبت میں بہت ہی قوی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَشَدِيْدٌ سے مراد بخیل ہے بخیل کو شدید اور متشدد کہتے ہیں (1)۔ طرفہ نے کہا:

أَرَى الموتَ يعتامُ الكِرامَ ويَصْطَفِي عَقِيلَةَ مالِ الفاحِشِ المُتَشَدِّدِ(2)

میں موت کو دیکھتا ہوں وہ معزز ترین کو پسند کرتی ہے اور بخیل کے عمدہ مال کو منتخب کرتی ہے۔

یہ جملہ بولا جاتا ہے: اعتامہ واعتماہ یعنی اسے پسند کر لیا، چن لیا۔ فاحش کا معنی بخیل ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ يَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ (البقرہ: 268) وہ تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے۔ ابن زید نے کہا: اللہ تعالیٰ نے مال کو خیر کہا ہے ممکن ہے وہ شر اور حرام ہو لیکن لوگ اسے خیر کہتے ہیں اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے خیر کہا ہے اور جہاد کو سوء قرار دیا ہے فرمایا: فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ (آل عمران: 174) وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے پلٹے۔ انہیں جہاد کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جہاد کو سوء کہنا یہ عام لوگوں کے نام رکھنے کے اعتبار سے ہے۔ فراء نے کہا: نظم آیت کا تقاضا تھا کہ یوں کلام ہوتی وانہ لشدید الحب للخیر جب حب کا ذکر پہلے ہو چکا تو فرمایا: شدید آخر سے حب کا ذکر حذف کر دیا کیونکہ اس کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اور آیات کے سروں کی رعایت کی وجہ سے بھی ایسا کیا، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ (ابراہیم: 18)

اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِي الْقُبُوْرِ ۝ وَ حُصِّلَ مَا فِي الصُّدُوْرِ ۝ اِنَّ رَبَّهُمْ بِهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّخَبِيْرٌ ۝

''کیا وہ اس وقت کو نہیں جانتا جب نکال لیا جائے گا جو کچھ قبروں میں ہے اور ظاہر کر دیا جائے گا جو سینوں میں (پوشیدہ) ہے یقیناً ان کا رب ان سے اس روز خوب باخبر ہوگا''۔

کیا انسان نہیں جانتا جب قبروں میں جو کچھ ہے اسے الٹ دیا جائے گا اور ان میں جو کچھ ہے اسے نکال لیا جائے گا۔ ابو عبیدہ نے کہا: بعثرت المتاع یہ جملہ اس وقت بولا جاتا ہے جب تو سامان کے نیچے والے حصہ کو اوپر کر دے۔ محمد بن کعب سے

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 309 2۔ ایضاً

مروی ہے کہا: یہ اس وقت ہوگا جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا۔ فراء نے کہا: میں نے بنی اسد کے بعض بدوؤں کو پڑھتے ہوئے سنا بحثر یعنی عین کی جگہ حاء کو پڑھا؛ ماوردی نے حضرت ابن مسعود سے یہی روایت کیا ہے (1)۔ دونوں کا معنی ایک ہے۔

سینوں میں جو کچھ بھلائی اور شر میں سے ہوگا اسے الگ الگ کر دیا جائے گا۔ مفسرین نے یہی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: حُصِّلَ کا معنی ہے ظاہر کر دیا جائے گا (2)۔ عبید بن عمیر، سعید بن جبیر، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم نے وَحَصَلَ پڑھا ہے جس کا معنی ظاہر ہونا ہے۔

ان کا رب ان کے بارے میں اس روز خوب باخبر ہوگا اس پر کوئی چیز مخفی نہ ہوگی۔ وہ ان کے بارے میں اس روز اور اس کے علاوہ بھی جاننے والا ہے، بلکہ اس کا معنی ہے وہ اس دن ان کو جزا دے گا۔ اِذَا میں عامل بُعْثِرَ ہے اس میں یعلم عامل نہیں کیونکہ انسان سے اس وقت علم کا ارادہ نہیں کیا گیا بے شک دنیا میں اس سے علم کا ارادہ کیا گیا ہے اس میں خبیر عامل نہیں کیونکہ ان کا مابعد ماقبل میں عمل نہیں کرتا یَوْمَىِٕذٍ میں عامل خبیر ہے اگرچہ درمیان میں لام فاصلہ ہے کیونکہ لام کا محل ابتدا ہے یہاں لام کو خبر پر داخل کیا گیا ہے کیونکہ مبتدا پر ان داخل ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ حجاج اس سورت کو منبر پر پڑھتا تاکہ لوگوں کو جہاد پر ابھارے تو اس کی زبان پر غلطی سے ان آ گیا تو اس نے اس کا ازالہ خبیر پڑھ کر کیا اگر لام نہ ہوتا تو یہ مفتوح ہوتا۔ کیونکہ یہ علم کا فعل اس پر واقع ہو رہا ہے یعنی یہ اس کا مفعول بن رہا ہے۔ ابو اسحاق نے اسے اَنَّ اور خبیر پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 326　　2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 310

سورۃ القارعۃ

آیاتہا ۱۱ ۱۰۱ سورۃ القارعۃ مکیۃ ۳۰ رکوعہا ۱

تمام قراء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ اس کی دس آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْقَارِعَةُ ۝۱ مَا الْقَارِعَةُ ۝۲ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝۳

''(دل ہلا دینے والی) کڑک، یہ (زہرہ گداز) کڑک کیا ہے؟ اور آپ کو کیا معلوم کہ یہ کڑک کیا ہے''۔

قارعہ سے مراد قیامت ہے؛ عام مفسرین نے یہی کہا ہے۔ اس نام کی وجہ یہ ہے کیونکہ یہ مخلوقات کو اپنی ہولناکیوں کے ساتھ کھٹکھٹائے گی۔ اہل لغت کہتے ہیں: عرب کہتے ہیں قرعتهُمُ القارعةُ وفقرتهم الفاقرةُ یہ جملے اس وقت کہے جاتے ہیں جب ان پر کوئی عظیم مصیبت آپڑے؛ ابن احمر اور دوسرے شاعر نے یہی معنی لیا ہے:

وقارعةٍ مِنَ الأيام لولا سبيلهم لزاحت عنك حِينا

مَتَى تَقْرَعْ بمَروتِكم (2) نَسُؤكُمْ ولم تُوقَدْ لَنَا فِى القِدْرِ نَارُ (3)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ (الرعد: 31)

مَا الْقَارِعَةُ یہ جملہ استفہامیہ ہے یعنی قارعۃ کیا چیز ہے اسی طرح وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۝ جملہ استفہامیہ ہے یہ تعظیم اور عظمت شان بیان کرنے کے لیے ہے، جس طرح ارشاد فرمایا: اَلْحَآقَّةُ ۝ مَا الْحَآقَّةُ ۝ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَآقَّةُ ۝ (سورۃ الحاقہ)

يَوْمَ يَكُوْنُ النَّاسُ كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ ۝۴

''جس دن لوگ بکھرے ہوئے پروانوں کی طرح ہوں گے''۔

يَوْمَ یہ ظرف ہونے کی وجہ سے منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہوگی: تکون القارعةُ یومَ یکون النّاس کالفراش المبثوث قتادہ نے کہا: فراش سے مراد وہ پتنگ ہے جو آگ اور دیئے میں گرتا ہے اس کا واحد فراشہ ہے؛ یہ ابوعبیدہ کا قول ہے۔ فراء نے کہا: اس سے مراد مچھر وغیرہ ہے اسی معنی میں مکڑی ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هواُ طيشُ من فراشة وہ پتنگ سے بھی زیادہ بے عقل ہے۔ ایک شاعر نے کہا:

1۔ ہمارے صحیفے میں گیارہ آیات ہیں۔

2۔ مروۃ سے مراد وہ پتھر ہے جس سے آگ جلائی جاتی ہے۔

3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 327

وقد كانَ أقوامٌ رددتَ قُلُوبَهُمْ　إليهم وكانوا كالفَرَاشِ من الجَهْلِ

وہ ایسے لوگ تھے تو نے جن کے دلوں کو ان کی طرف پھیر دیا جب کہ وہ جہالت کی وجہ سے پتنگوں کی مانند تھے۔

صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مثلی و مَثَلُكُم كمثل رجل أوقد نارا فجعل الجنادبُ والفَرَاشُ يَقَعْنَ فيها وهو يَذُبُّهُنَّ وأنا آخذ بِحُجَزِكُم عن النارِ وأنتم تَفَلَّتُونَ مِنْ يَدِي۔ ''میری اور تمہاری مثال اس آدمی جیسی ہے جو آگ روشن کرے تو ٹڈیاں اور پتنگ اس میں گرنے لگیں جب کہ وہ انہیں روک رہا ہو میں تمہیں کمروں سے پکڑ کر جہنم میں گرنے سے روک رہا ہو جب کہ تم میرے ہاتھ سے نکلے جا رہے ہو''(1)۔

اس باب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مبثوث کا معنی متفرق ہے ایک اور جگہ فرمایا كَاَنَّهُمْ جَرَادٌ مُّنْتَشِرٌ ۝ (القمر) گویا وہ منتشر مکڑیاں ہیں۔ پہلے ان کی حالت کو فراش سے تشبیہ دی جن کی کوئی سمت نہیں ہوتی جو ہر سمت سرگرداں ہوتے ہیں پھر وہ ٹڈی دل کی طرح ہو جاتے ہیں کیونکہ ان کی کوئی سمت ہوتی ہے جس کا وہ قصد کر رہا ہوتا ہے۔ مبثوث کا معنی متفرق اور منتشر ہے۔ یہاں لفظ کا اعتبار کرتے ہوئے لمبثوث مذکر کا صیغہ ذکر کیا جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَعْجَازُ نَخْلٍ مُّنْقَعِرٍ ۝ (القمر) اگر المبثوثہ کا لفظ ہوتا تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہوتا: اَعْجَازُ نَخْلٍ خَاوِيَةٍ ۝ (الحاقہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور فراء نے (2) کہا: كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوْثِ اسی طرح ہے غوغا الجراد (3) ہوتا ہے وہ ایک دوسرے پر سوار ہوتے ہیں یہی حال لوگوں کا ہوگا جب انہیں دوبارہ اٹھایا جائے گا وہ ایک دوسرے میں گردش کر رہے ہوں گے۔

وَتَكُوْنُ الْجِبَالُ كَالْعِهْنِ الْمَنْفُوْشِ ۝

''اور پہاڑ رنگ برنگی دھنکی ہوئی اون کی مانند ہوں گے''۔

ایسی اون جسے ہاتھ سے دھنکا جائے، یعنی پہاڑ باریک ذرات ہو جائیں گے اور اپنی جگہ چھوڑ دیں گے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے ایک اور موقع پر فرمایا: هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا ۝ (الواقعہ) اہل لغت کہتے ہیں: العهن سے مراد رنگ دار اون ہے۔ سورۂ سأل سائل میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔

فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَهُوَ فِيْ عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۝ وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ۝ فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا هِيَهْ ۝ نَارٌ حَامِيَةٌ ۝

''پھر جس کے (نیکیوں کے) پلڑے بھاری ہوں گے تو وہ دل پسند عیش (و مسرت) میں ہوگا اور جس کے (نیکیوں کے) پلڑے ہلکے ہوں گے تو اس کا ٹھکانہ ہاویہ ہوگا اور آپ کو کیا معلوم کہ وہ ہاویہ کیا ہے۔ ایک دہکتی ہوئی آگ''۔

میزان کے بارے میں گفتگو سورۂ اعراف، کہف اور انبیاء میں گزر چکی ہے اس کا پلڑا اور لسان (4) ہوگی جس میں ان

1۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، شفقتہ علی امتہ، جلد 2، صفحہ 248
2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 311
3۔ ایسے کیڑے اور ٹڈی جن کے پر نکل آئے ہوں۔
4۔ ترازو کا وہ حصہ جو تولنے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

صحیفوں کا وزن کیا جائے گا جن میں نیکیاں اور برائیاں لکھی ہوں گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ایک ترازو ہے جو حضرت جبریل علیہ السلام کے ہاتھ میں ہوگا وہ انسانوں کے اعمال کا وزن کریں گے۔ اس ایک ترازو کو جمع کے صیغہ کے ساتھ تعبیر کیا اور موازین کہا جس طرح یہ کہا: لکل حادثة لها میزان ہر حادثہ کے لیے ایک ترازو ہے۔ ہم اس سے قبل بحث میں اس کا ذکر کر چکے ہیں ہم نے اس کا ذکر کتاب ''تذکرہ'' میں کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: موازین سے مراد حجج اور دلائل ہیں؛ یہ قول عبدالعزیز بن یحییٰ کا ہے (1) اس نے شاعر کے قول سے استدلال کیا ہے۔

قد كُنتُ قبلَ لقائكم ذا مِرَّةٍ　　عِندِي لكُلِّ مخاصِمٍ ميزانُهُ

میں تمہاری ملاقات سے قبل طاقتور تھا میرے پاس ہر جھگڑا کرنے والے کے لیے دلائل موجود تھے۔

عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ ۞ کا معنی ہے ایسی زندگی جو پسندیدہ ہو جس پر زندگی گزارنے والا راضی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: عِيْشَةٍ رَّاضِيَةٍ سے مراد یہ ہے ایسی زندگی جو راضی کرنے والی ہو۔ اس سے مراد نرم اور اطاعت شعار ہے۔ فعل عِيْشَةٍ کی طرف منسوب ہے کیونکہ اس زندگی نے ہی رضا عطا کی ہے، جس کا معنی نرمی اور اطاعت ہے۔ عِيْشَةٍ ایسا کلمہ جو جنت میں موجود تمام نعمتوں کو جامع ہے جو خوش اور راضی کرنے والی ہیں، جس طرح الفرش المرفوعة ہے ان کی اونچائی ایک سو سال کی مسافت جتنی ہے جب الله کا ولی اس کے قریب ہوتا ہے تو وہ پلنگ پست ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جنتی اس پر بیٹھ جاتا ہے پھر وہ اپنی اصلی حالت میں بلند ہو جاتا ہے جس طرح درخت کی شاخیں ہیں، اسی طرح ان کی بلندی ہوتی ہے جب الله تعالیٰ کا ولی اس کا پھل چاہتا ہے تو وہ شاخیں جھک جاتی ہیں یہاں تک کہ الله کا ولی بیٹھے یا کھڑے اس پھل کو لے لیتا ہے الله تعالیٰ کے فرمان: قُطُوْفُهَا دَانِيَةٌ ۞ (الحاقہ) کا یہی معنی ہے۔ جہاں کہیں وہ چلے گا یا وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگا تو نہر اس کے ساتھ چلے گی جہاں وہ چاہے گا بلندی کی جانب یا پستی کی جانب۔ اس بارے میں الله تعالیٰ کا فرمان: يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا ۞ (الانسان) حدیث طیبہ میں ہے ''وہ اپنی چھڑی کے ساتھ اشارہ کرے گا تو وہ پانی بغیر کسی نالی کے چلا آئے گا جہاں وہ چاہے گا محلات اور مجالس میں'' (2)۔ یہ سب اشیا ایسی زندگی ہیں جو اپنی جانب سے خوشنودگی عطا کریں گی۔ یہ رضا کا عمل کرنے والی ہیں۔ یہ خوشدلی سے اطاعت کریں گی۔

هَاوِيَةٌ ۞ سے مراد جہنم ہے اس کو ام کا نام دیا کیونکہ وہ اس کی اسی طرح پناہ لے گا جس طرح وہ اپنی ماں کی پناہ لے گا؛ یہ ابن زید کا قول ہے (3)۔ اسی معنی میں امیہ بن ابی صلت کا قول ہے:

فالأرضُ مَعْقِلنا وكانتْ أُمَّنا　　فيها مَقابِرُنا وفيها نُولَدُ

زمین میں ہمارے پڑاؤ کی جگہ اور جائے پناہ ہے اس میں ہماری قبریں ہیں اسی میں ہماری پیدائش ہوئی۔

جہنم کو ہاویہ کا نام دیا کیونکہ وہ اس میں گرتا جائے گا جب کہ اس میں بہت زیادہ گہرائی ہے۔ یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ہاویہ جہنم کے سب سے نچلے دروازے کا نام ہے۔ قتادہ نے کہا: فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ ۞ کا معنی ہے اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ عکرمہ

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 328　2۔ نوادر الاصول، صفحہ 339　3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 329

نے کہا: اس کو یہ نام اس لیے دیا کیونکہ وہ اس میں اپنے سر کے بل گرے گا۔ اخفش نے کہا: امہ سے مراد ہے اس کی قرار گاہ۔ معنی قریب قریب ہے۔ شاعر نے کہا:

يا عمرُو لو نالتك أرماحُنا كنتَ لمن تهوِی به الهاوِيَة

اے عمرو! اگر ہمارے نیزے تجھ تک جا پہنچیں تو تو اس آدمی کی طرح ہو جائے گا جسے ہاویہ پناہ دیتی ہے۔

یہاں ہاویہ کا معنی مھواۃ ہے۔ تو کہتا ہے: هَوَتْ أمه فهي هاوية یعنی اس پر رو رہی ہے۔ کعب بن اسد غنوی نے کہا:

هَوَتْ أمّه ما يبعثُ الصبحُ غاديا وماذا يؤدِّي الليلُ حين يَئُوبُ

مَهْوَی اور مَهْوَاۃ دو پہاڑوں کے درمیان کا راستہ ہے اس کی مثل تمہاری القومُ في المَهْوَاة، جب وہ ایک دوسرے کے پیچھے گر پڑے۔

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَاهِيَهْ ۝ اصل میں ماھی تھا آخری ھا سکتہ کے لیے داخل ہوئی۔ حمزہ، کسائی، یعقوب اور ابن محیصن نے وصل میں ھاء سکتہ کے بغیر پڑھی ہے (2) ماھی اور اس پر وقف کیا ہے اس کی وضاحت سورۃ الحاقہ میں گزر چکی ہے۔

نَارٌ حَامِيَةٌ ۝ سخت گرم۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: نارُكم هذِهِ يُوْقِد ابن آدم جزء من سبعين جزأ من حرِّ جَهَنَّم تمہاری یہ آگ جسے انسان جلاتا ہے یہ جہنم کی آگ کا سترھواں حصہ ہے (3)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو کافی ہے۔ فرمایا: ''جہنم کی آگ کو اس دنیا کی آگ پر بہتر گنا فضیلت دی گئی ہے ہر ایک اس کی مثل گرم ہوگی'' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا: بے شک پلڑا بھاری ہوگا جس کا پلڑا بھاری ہوگا کیونکہ اس میں حق رکھا گیا ہے جس پلڑے میں حق ہو اس کے لیے موزوں ہے کہ وہ بھاری ہو۔ بے شک پلڑا ہلکا ہوگا جس کا پلڑا ہلکا ہوگا کیونکہ اس میں باطل رکھا گیا ہے اور جس پلڑے میں باطل ہو اس کے لیے موزوں ہے کہ وہ ہلکا ہو۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ''مردے اپنے پاس آنے والے ایک آدمی سے اس آدمی کے بارے میں سوال کریں گے جو اس سے قبل فوت ہو چکا ہوگا وہ بتائے گا وہ تو مجھ سے پہلے مر گیا تھا کیا وہ تمہارے پاس نہیں آیا؟ وہ مردے کہیں گے: اللہ کی قسم! نہیں۔ تو وہ کہے گا: اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ اسے امہ ھاویہ کی طرف لے جایا گیا وہ کتنی ہی بری الام ہے وہ کتنی ہی بری المربیہ ہے'' ہم نے اس کا مکمل ذکر کتاب ''التذکرہ'' میں کیا ہے۔ الحمد للہ۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 329 2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 312

3۔ صحیح مسلم، کتاب الجہنم، الجنة وصفة نعيمها، جلد 2، صفحہ 381

سورۃ التکاثر

آیاتہا ۸ ۱۰۲ سورۃ التکاثر مکیۃ ۱۶ رکوعہا ۱

تمام مفسرین کے قول میں یہ سورت مکی ہے۔ امام بخاری نے اسے مدنی کہا ہے۔ اس کی آٹھ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۝

''غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

لغوی تشریح اور شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ ۝ تمہیں غافل کر دیا۔ فَاَلْهَيْتُهَا عن ذِي تَمَائِمَ مُغْيَلٍ میں نے اسے مکمل سال کے بچے جو دودھ پیتا تھا سے غافل کر دیا۔ آیت کا معنی یہ ہے مال اور تعداد کی کثرت پر فخر و مباہات نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی طاعت سے غافل کر دیا ہے یہاں تک کہ تم مر گئے اور قبروں میں دفن کر دیئے گئے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اَلْهٰىكُمُ کا معنی ہے تمہیں بھلا دیا۔ التَّكَاثُرُ یعنی اموال اور اولاد کی کثرت پر فخر کرنا(1)؛ یہ حضرت ابن عباس اور حضرت حسن بصری کا قول ہے۔ قتادہ نے کہا: قبائل پر فخر کرنا(2)۔ ضحاک نے کہا: معاش اور تجارت پر فخر نے تمہیں غافل کر دیا(3)۔ یہ جملہ کہا جاتا ہے: لَهِيْتُ عن كذا، اَلْهِي لَهْيًا ولُهِيًّانًا جب تو اسے بھول جائے، اسے ترک کر دے اور اس سے اعراض کرے۔ اَلْهَاه اسے غافل کر دے۔ لَهَّاهُ بہ تَلْهِيَةً اسے مشغول کر دیا۔ تکاثر کا معنی کثرت میں مقابلہ کرنا۔ مقاتل، قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: یہ یہودیوں کے حق میں بات نازل ہوئی۔ جب انہوں نے کہا: ہم بنی فلاں سے زیادہ ہیں۔ بنی فلاں، بنی فلاں سے زیادہ نہیں انہیں اس چیز نے غافل کر دیا یہاں تک کہ وہ گمراہی میں مر گئے۔ ابن زید نے کہا: یہ انصار کے ایک خاندان کے بارے میں نازل ہوئی۔ حضرت ابن عباس، مقاتل اور کلبی نے کہا: یہ قریش کے دو قبیلوں کے بارے میں نازل ہوئی جو بنو عبد مناف اور بنو سہم تھے۔ انہوں نے دور اسلام میں سرداروں اور اشراف کے اعتبار سے باہم گنتی کی اور فخر و مباہات کیا۔ ہر ایک خاندان نے کہا: ہم سے ایک زیادہ سردار رکھتا ہے، غلبہ رکھتا ہے، تعداد زیادہ رکھتا ہے اور پناہ دینے والا زیادہ رکھتا ہے تو بنو عبد مناف، بنو سہم پر غالب آ گئے پھر انہوں نے مردوں کا شمار کیا تو بنو سہم ان پر غالب رہے۔ تو یہ آیات نازل ہوئیں کہ تم نے زندوں کے ساتھ باہم کثرت کا مقابلہ کیا تو تم راضی نہ ہوئے یہاں تک کہ تم مردوں کے ساتھ فخر کرنے تک جا پہنچے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 313 2۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 314 3۔ ایضاً

سعید نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے وہ کہا کرتے تھے: ہم بنی فلاں سے زیادہ ہیں، ہم بنی فلاں سے زیادہ تعداد والے ہیں۔ ان میں سے ہر روز کوئی نہ کوئی کم ہوتا رہا اللہ کی قسم! وہ اسی طرح رہے، یہاں تک کہ وہ سارے کے سارے اہل قبور میں سے ہو گئے۔ عمرو بن دینار سے مروی ہے: انہوں نے قسم اٹھائی کہ یہ تاجروں کے بارے میں نازل ہوئی۔ شیبان نے قتادہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ یہ اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں: جو اقوال ذکر کیے گئے ہیں آیت انہیں اور غیر کو بھی عام ہے۔ صحیح مسلم میں مطرف سے مروی ہے وہ اپنے باپ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ پڑھ رہے تھے فرمایا انسان کہتا ہے مالِی مالِی وهل لكَ یا ابنَ آدم من مالِكَ إلا ما أكلتَ فأفنيتَ أو لبِستَ فأبليتَ أو تصدَّقتَ فأمضيتَ وما سوى ذلكَ فذاهبٌ وتاركُهُ لِلنَّاس (1) میرا مال، میرا مال اے انسان! تیرا مال نہیں مگر جو تو نے کھالیا تو نے اسے فنا کر دیا یا پہن لیا تو نے اسے بوسیدہ کر دیا یا صدقہ کر دیا تو آگے بھیج دیا اس کے سوا سب جانے والا ہے اور اسے لوگوں کے لیے چھوڑنے والا ہے۔

بخاری نے ابن شہاب سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے مجھے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لو أن لِابنِ آدم وادیًا من ذهبٍ لَأحَبَّ أن يكون له واديانِ ولن يملأ فاهُ إلا التُّراب ويتوب الله على من تاب (2) اگر انسان کی سونے کی ایک وادی ہو تو وہ یہ پسند کرتا ہے کہ اس کی دو وادیاں ہوں مٹی کے سوا کوئی چیز اس کا منہ نہیں بھر سکتی اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے نظر رحمت فرماتا ہے۔

ثابت نے انس سے انہوں نے حضرت ابی سے یہ قول نقل کیا ہے: ہم اسے قرآن کا حصہ خیال کرتے ہیں یہاں تک کہ اَلْهٰىكُمُ التَّكَاثُرُ سورت نازل ہوئی۔ ابن عربی نے کہا: یہ صحیح اور عمدہ نص ہے اہل تفسیر سے غائب رہی وہ خود بھی جاہل رہے اور دوسروں کو بھی جہالت میں رکھا اللہ تعالیٰ کے لیے حمد ہے جس نے اس کی مجھے معرفت نصیب فرمائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سورت پڑھی فرمایا: ''تکاثر اموال کا مطلب ہے ناحق اسے جمع کرنا، اس کے حق کو روک لینا اور برتنوں میں اسے باندھ کر رکھنا''۔

زیارت مقابر کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ۝ یہاں تک کہ تمہیں موت آ پہنچی تو تم قبروں میں زائر کی طرح ہو گئے تم ان سے لوٹو گے جس طرح زائر اپنے گھر کی طرف لوٹتا ہے وہ گھر جنت ہو یا جہنم ہو۔ جو آدمی فوت ہو جاتا ہے اس کے لیے یہ جملہ بولتے ہیں: قد زَارَ قبرَهُ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے تعداد کی کثرت پر باہم فخر نے تمہیں غافل کر دیا یہاں تک کہ تم نے مردوں کو شمار

1۔ صحیح مسلم، کتاب الزہد، جلد 2، صفحہ 407

2۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، من یتقی من فتنۃ المال، جلد 2، صفحہ 953

کیا۔ جس طرح پہلے گزر چکا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ وعید ہے یعنی تم دنیا کے مفاخر میں مشغول ہو گئے یہاں تک کہ تم قبروں کی زیارت کرنے لگے تو اللہ کا عذاب تم پر نازل ہوگا وہ تم ضرور دیکھو گے۔

مقابر کی لغوی تشریح

مسئلہ نمبر 3۔ مقابر، مقبَرۃ اور مقبُرۃ کی جمع ہے جس کا معنی قبریں ہیں۔ شاعر نے کہا:

أَرَى أهلَ القُصُور إذا أُمِيتُوا　　بَنَوْا فوق المقابر بالصُّخورِ

أَبَوْا إلا مُباهاةً و فَخْرًا　　على الفقراءِ حتّى في القُبورِ

میں محلات والوں کو دیکھتا ہوں جب وہ مرتے ہیں تو وہ قبروں پر بڑے بڑے پتھر لگاتے ہیں۔ انہوں نے یہ عمل فقراء پر فخر و مباہات کے لیے کیا یہاں قبروں میں بھی یہی طرز عمل اپنایا۔

ایک شاعر نے کہا:

لكلّ أناسٍ مَقْبَرٌ بِفِناءهم　　فَهُمْ يَنْقُصُونَ والقُبورُ تَزِيدُ

تمام انسانوں کے لیے ان کے اپنے اپنے میدانوں میں قبرستان ہیں لوگ کم ہو رہے ہیں اور قبریں زیادہ ہو رہی ہیں۔

ابو سعید مقبری کے لیے دونوں طرح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے مَقْبَرِی اور مَقْبُرِی۔ وہ قبرستان میں رہا کرتے تھے۔

قَبَرتَ الميتَ أَقْبِرُه، أقبُرُهُ قبرا یعنی میں نے اسے دفن کیا۔ أقبرته یعنی میں نے اسے دفن کرنے کا حکم دیا۔ اس بارے میں گفتگو سورۃ عبس میں گزر چکی ہے۔

زیارت قبور کی شرعی حیثیت اور اس کے فوائد

مسئلہ نمبر 4۔ قرآن حکیم میں مقابر کا ذکر صرف اس سورت میں ہوا ہے قبروں کی زیارت سخت دل والے کے لیے زبردست دوا ہے کیونکہ یہ عمل موت اور آخرت کی یاد دلاتا ہے یہ چیز انسان کی امیدیں کم رکھنے، دنیا میں زہد اختیار کرنے اور اس میں رغبت کی کمی پر برانگیختہ کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: کنتُ نَهيتُكم عن زيارةِ القبورِ فزُوروا القبورَ فانها تزهد في الدنيا وتُذَكِّر الآخرةَ (1) میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کیا کرتا تھا اب قبروں کی زیارت کیا کرو کیونکہ یہ چیز دنیا میں زہد پیدا کرتی ہے اور موت کی یاد دلاتی ہے؛ اسے حضرت ابن مسعود نے روایت کیا ابن ماجہ نے اسے نقل کیا ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے۔ ''یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے'' (2)۔ ترمذی میں حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ''یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے'' (3)۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے، اس میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں میں لعنت کی ہے کہا: اس باب میں حضرت ابن عباس اور حضرت حسان بن ثابت سے روایت مروی ہے۔ ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، زیارۃ القبور، صفحہ 114　　2۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، جلد 1، صفحہ 314

3۔ جامع ترمذی، کتاب الجنائز، ماجاء في الرخصة في زيارة القبور، جلد 2، صفحہ 329۔ ایضاً، حدیث نمبر 974، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

عورتوں پر لعنت والا حکم اس سے قبل کا ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کی رخصت دی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رخصت دی تو اس رخصت میں مرد اور عورتیں شامل ہو گئیں۔ بعض علماء نے کہا: عورتوں کے لیے قبروں کی زیارت اس لیے مکروہ ہے کیونکہ وہ کم صبر والی اور زیادہ جزع فزع کرنے والی ہوتی ہیں۔

عورتوں کے لیے زیارت قبور کا حکم

میں کہتا ہوں: مردوں کے لیے قبروں پر جانا جائز ہے، یہ متفق علیہ حکم ہے۔ عورتوں کے بارے میں مختلف فیہ ہے۔ جہاں تک نوجوان بچیوں کا تعلق ہے ان کے لیے باہر نکلنا حرام ہے جہاں تک گھروں میں بیٹھ رہنے والی عورتوں یعنی جن کی عمر ڈھل چکی ہو ان کے لیے مباح اور جائز سب کے لیے ہے یہ اس وقت ہوگا جب وہ مردوں سے الگ ہو کر نکلیں اس میں ان شاء اللہ کوئی اختلاف نہیں اس تاویل کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد زوروا القبور عام ہوگا جہاں تک ایسی جگہ یا وقت کا تعلق ہے جس جگہ مردوں اور عورتوں کے جمع ہونے سے فتنہ کا خوف ہو تو پھر حلال اور جائز نہیں۔ اس اثنا میں کہ ایک آدمی نکلتا ہے اس کا مقصود عبرت ہوتا ہے تو اس کی نظر کسی عورت پر جا پڑتی ہے تو وہ فتنہ میں جا پڑتا ہے اور اس کے برعکس بھی صورتحال ہو سکتی ہے کہ مرد اور عورت میں سے ایک گناہ گار ہوگا ماجور نہیں ہوگا۔

دل کے علاج کا نسخہ اور زیارت قبول کے وقت کیا نیت اور ارادہ ہو تو یہ عمل نفع بخش بنتا ہے

مسئلہ نمبر 5۔ علماء نے کہا: جو آدمی اپنے دل کا علاج کرنا چاہتا ہے اور ظلم و قہر کی زنجیروں سے آزاد ہو کر اپنے رب کی طاعت کی طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ لذات کو ختم کرنے والی، جماعتوں کو جدا کرنے والی، بیٹوں اور بیٹیوں کو یتیم کرنے والی کا ذکر کثرت سے کرے جو لوگ موت و حیات کی کشمکش میں ہیں ان کی ملاقات پر مواظبت اختیار کرے اور مسلمانوں کی قبروں کی زیارت میں ہمیشگی اختیار کرے۔ یہ تین امور ہیں جس آدمی کا دل سخت ہو، گناہ اس کو اپنی گرفت میں لے چکا ہو تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ اپنی مرضی کے خلاف اس سے مدد لے اور شیطان اور اس کے دوستوں کے فتنوں کے خلاف ان سے مدد لے اگر موت کا ذکر کثرت سے کرنے سے اس نے فائدہ اٹھالیا اور اس کے دل کی سختی چھٹ گئی تو یہی اس کا مقصود ہے اگر اس پر دل کا میل بڑھ گیا اور گناہ کے اسباب مستحکم ہو گئے تو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا لوگوں کے پاس جانا اور مسلمانوں کی قبروں کی زیارت کرنا ان گناہوں کو دور کرنے میں وہاں تک پہنچ سکتا ہے جہاں تک پہلی صورت نہ پہنچ پائی تھی۔ کیونکہ موت کا ذکر دل کے لیے ایک خبر ہے جس کی طرف اس کا ٹھکانہ ہے اور یہ اسے خبردار کرنے کے قائم مقام ہے۔ جو آدمی موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہے اس کے پاس جانا اور مسلمانوں میں سے جو کوئی مر چکا ہے اس کی قبر کی زیارت کرنا یہ آنکھوں سے مشاہدہ ہے اس وجہ سے دوسری صورت پہلی سے زیادہ موثر ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: لیس الخبر کالمعاینۃ خبر آنکھوں دیکھی چیز جیسی نہیں ہوتی۔ اسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ جو لوگ موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا ہوتے ہیں ان کے حال سے عبرت حاصل کرنا ہر وقت ممکن نہیں ہوتا جو آدمی اپنے دل کا علاج کرنا چاہتا ہے اس کا علاج بعض اوقات ایک لحہ میں نہیں ہو پاتا، جہاں تک زیارت قبور کا تعلق ہے تو اس کا وجود یعنی اثر بہت

تیز ہوتا ہے اوران سے نفع حاصل کرنا زیادہ مناسب اور موزوں ہوتا ہے۔ جو آدمی قبروں کی زیارت کا ارادہ کرتا ہے اس کے لیے مناسب یہ ہے وہ اس کے آداب اپنائے، آتے وقت اس کا دل حاضر ہو اس کے پیش نظر صرف قبر کی زیارت نہ ہو کیونکہ یہ تو صرف اس کی ایسی حالت ہے جس میں حیوان بھی اس کے ساتھ شریک ہیں ہم اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں، بلکہ اس کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے فاسد دل کی اصلاح ہونی چاہیے۔ یا میت کو نفع پہنچانے کا ارادہ ہونا چاہیے جو زیارت کرنے والا اس کے پاس قرآن پڑھے گا، دعا کرے گا، قبروں کے اوپر چلنے اور ان پر بیٹھنے سے اجتناب کرے جب قبرستان میں داخل ہو تو وہ انہیں سلام کرے جب وہ اپنے میت کی قبر تک پہنچے جسے وہ پہچانتا ہے تو اسے بھی سلام کرے اور اس کے چہرے کی جانب سے آئے کیونکہ وہ اس کی زیارت میں اس طرح ہے جس طرح وہ زندہ حالت میں اس سے مخاطب تھا اگر زندہ حالت میں اس سے خطاب کرتا تو آداب یہی ہوتے کہ اس کے چہرے کے بالمقابل ہوتا یہاں بھی اسی طرح ہے پھر جو مٹی کے نیچے جا چکا ہے اپنے گھر والوں اور احباب سے الگ ہو چکا ہے اس سے عبرت حاصل کرنے کے بعد کہ اس میت نے چھوٹے بڑے لشکروں کی قیادت کی ہوگی، ساتھیوں اور قبائل سے مقابلہ کیا ہوگا اموال اور ذخائر کو جمع کیا ہوگا تو اسے موت ایسے وقت میں آپہنچی کہ اسے گمان تک نہ تھا ایسی ہولناکی میں موت آئی جس کا اسے کوئی انتظار نہ تھا تو زیارت کرنے والے کو اس بھائی کی حالت میں غور کرنا چاہیے جو گزر چکا ہے اور ان ساتھیوں میں شامل ہو چکا ہے جنہوں نے امیدوں کو پایا اور اموال کو جمع کیا کہ ان کی آرزوئیں کیسے ختم ہو گئیں، ان کے اموال نے انہیں کوئی نفع نہ دیا، مٹی نے ان کے چہروں کے محاسن کو مٹا دیا اور قبروں میں ان کے اجزاء بکھر گئے، ان کے بعد ان کی بیویاں بیوہ ہو گئیں، ان کی اولادیں یتیم ہو گئیں، دوسروں نے ان کے عمدہ اموال کو تقسیم کر لیا تا کہ اسے ان کا مقاصد میں گھومنا پھرنا، حصول مطالب میں ان کا حرص، اسباب کے حصول میں ان کا دھوکہ اور جوانی اور صحت کی طرف ان کا میلان سب کو یاد کر سکے اور یہ بھی جان سکے کہ اس کا لہو و لعب کی طرف میلان ان کے میلان اور غفلت کی طرح ہے جس کے سامنے خوفناک موت اور تیز ہلاکت ہے یقیناً وہ اس طرف جا رہا ہے جس طرف وہ گئے تھے اسے اپنے دل میں اس آدمی کے ذکر کو یاد کرنا چاہیے جو اپنی اغراض میں متردد تھا کہ اس کے پاؤں کیسے ٹوٹ گئے، وہ اپنے دوستوں کو دیکھ کر لذت حاصل کرتا تھا جب کہ اب اس کی آنکھیں بہہ چکی ہیں، وہ اپنی قوت گویائی کی بلاغت سے حملہ کیا کرتا تھا جب کہ کیڑے اس کی زبان کو کھا گئے ہیں، وہ لوگوں کی موت پر ہنسا کرتا تھا جب کہ مٹی نے اس کے دانتوں کو بوسیدہ کر دیا ہے، وہ یقین کر لے کہ اس کا حال اس کے حال جیسا ہوگا اور اس کا انجام اس کے انجام جیسا ہوگا۔ اس یاد اور عبرت کی وجہ سے اس سے تمام دنیوی غیرتیں زائل ہو جائیں گی اور وہ اخروی اعمال پر متوجہ ہوگا۔ وہ دنیا میں زہد اختیار کرے گا اپنے رب کی اطاعت کی طرف متوجہ ہوگا اس کا دل نرم ہو جائے گا اور اعضاء میں خشوع واقع ہو جائے گا۔

كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

''ہاں ہاں تم جلد جان لو گے پھر ہاں ہاں تمہیں (اپنی کوششوں کا انجام) جلد معلوم ہو جائے گا''۔

فراء نے کہا: كَلَّا سے مراد یہ ہے معاملہ اس طرح نہیں جس باہم فخر اور کثرت پر تم ہو تم عنقریب اس کا انجام جان لو گے،

یہاں وعید پر وعید ہے؛ یہ مجاہد کا قول ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ یہاں کلام میں جو تکرار ہے وہ تاکید اور تغلیظ کے طریقہ پر ہو؛ یہ فراء کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: قبر میں جو تم پر عذاب آئے گا اس کو تم جان لو گے پھر آخرت میں تم پر جو عذاب آئے گا اس کو تم جان لو گے۔ پہلی کلام قبر کے عذاب کے بارے میں ہے اور دوسری کلام آخرت کے عذاب کے بارے میں ہے۔ تو یہ تکرار دو حالتوں کے بارے میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ آنکھ سے دیکھنے کے بارے میں ہے کہ جس کی طرف تمہیں دعوت دی گئی وہ حق ہے ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ دوبارہ اٹھائے جانے کے وقت ہوگا کہ جس کا تم سے وعدہ کیا گیا وہ سچ ہے۔ زر بن حبیش نے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ہم عذاب قبر میں شک کرتے تھے یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی (1)، تو اللہ تعالیٰ کے فرمان: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ سے مراد ہے تم قبروں میں دیکھ لو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ سے مراد ہے جب موت تم پر واقع ہوگی اور فرشتے تمہاری روحیں نکالنے کے لیے تمہارے پاس آئیں گے۔ ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝ جب تم قبروں میں داخل ہو گے اور تمہارے پاس منکر و نکیر آئیں گے۔ سوال کی ہولناکی تمہیں اپنی گرفت میں لے لے گی اور جواب تم سے ختم ہو جائے گا۔

میں کہتا ہوں: یہ سورت عذاب قبر کے بارے میں قول کو اپنے ضمن میں لیے ہوئے ہے، ہم نے اپنی کتاب ''التذکرہ'' میں ذکر کیا ہے کہ اس پر ایمان واجب ہے، اس کی تصدیق لازم ہے جیسے نبی صادق و امین نے خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر میں مکلف بندے کی طرف زندگی لوٹا کر زندہ کر دیتا ہے، عقل کی جس صفت پر اس نے زندگی بسر کی تھی اتنا عقل اسے عطا فرماتا ہے تاکہ جو اس سے سوال کیا جا رہا ہے اس کی اسے سمجھ ہو، اس کا وہ جواب دے سکے، اس کے رب کی جانب سے جو اسے چیز مل رہی ہے اس کا ادراک کر سکے اور قبر میں اس کے لیے جو کرامت اور ذلت مقدر کی گئی ہے اس کو جان سکے؛ یہ اہل سنت کا مذہب ہے جس پر اہل اسلام کی جماعت قائم ہے ہم نے ''التذکرہ'' میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یہ دوبارہ اٹھانے کا وقت ہوگا کہ تم جان لو گے کہ جو تمہیں کہا جاتا تھا کہ تم کو اٹھایا جائے گا ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ یہ قیامت میں ہوگا کہ تم جان لو گے کہ تمہیں جو کچھ کہا جاتا تھا کہ تمہیں عذاب دیا جائے گا۔ یہ سورت قیامت کے احوال یعنی دوبارہ اٹھانا، میدان محشر میں جمع کرنا، سوال کرنا، پیشی ہونا وغیرہ دوسرے اموال اور نزاع سب کو شامل ہے جس طرح ہم نے کتاب ''التذکرہ'' میں مردوں کے احوال اور آخرت کے امور پر گفتگو کی ہے۔ ضحاک نے کہا: كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کا مصداق کفار ہیں ثُمَّ كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ کا مصداق مومن ہیں، اس طرح وہ اسے پڑھا کرتے تھے پہلی آیت تاء کے ساتھ اور دوسری آیت یاء کے ساتھ۔

كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝

''ہاں ہاں اگر تم (اس انجام کو) یقینی طور سے جانتے (تو ایسا ہرگز نہ کرتے)''۔

كَلَّا کے لفظ کو مکرر ذکر کیا یہ زجر اور تنبیہ ہے کیونکہ ہر ایک کے بعد ایک اور چیز کا ذکر کیا گویا فرمایا: تم ایسا نہ کرو بے شک تم شرمندہ ہو گے، تم ایسا نہ کرو بے شک تم عقاب کے مستحق ہو گے۔ علم کی یقین کی طرف جو نسبت ہے وہ اس طرح ہے جس طرح

1۔ جامع ترمذی، باب و من سورۃ الھاکم التکاثر، حدیث نمبر 3278، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

فرمایا: اِنَّ هٰذَا لَهُوَ حَقُّ الْيَقِيْنِ ۝ (الواقعہ) ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہاں یقین کا معنی موت ہے؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد دوبارہ اٹھانا ہے کیونکہ جب وہ متحقق ہو جائے گا تو شک زائل ہو جائے گا۔ یعنی اگر دوبارہ اٹھائے جانے کو جان لیتے۔ لو کا جواب محذوف ہے یعنی اگر تم آج بعث کو جان لیتے جسے تم اس وقت جانو گے جب صور پھونکا جائے گا اور تمہارے جسموں سے لحدیں شق ہو جائیں گی تو تمہارا حشر کیسا ہوگا؟ تو یہ چیز دنیا میں کثرت پر فخر کرنے سے تمہیں غافل کر دے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے صحائف اڑیں گے تو تم یقینی طور پر جان لو گے کہ کون شقی ہے اور کون سعید ہے؟۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان تینوں مواقع پر كَلَّا، الا کے معنی میں ہے؛ یہ ابن ابی حاتم کا قول ہے۔ فراء نے کہا: یہ حقا کے معنی میں ہے۔ اس بارے میں گفتگو مفصل گزر چکی ہے۔

لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ۝ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ۝

"تم دیکھ کر رہو گے دوزخ کو پھر آخرت میں تم دوزخ کو یقین کی آنکھ سے دیکھ لو گے"۔

یہ ایک اور وعید ہے۔ یہ کلام اس بنا پر ہے کہ قسم محذوف ہے یعنی تم آخرت میں ضرور دیکھو گے۔ یہ خطاب ان کفار کو ہے جن کے لیے جہنم لازم ہو چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم عام ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا (سورۂ مریم: 71) یہ کفار کے لیے گھر ہے اور مومن کے لیے گزرگاہ ہے۔ صحیح میں ہے: "ان میں سے پہلا بجلی کی سی تیزی سے پھر ہوا کی سی تیزی سے پھر پرندے کی سی تیزی سے گزرے گا" (1)۔ سورۂ مریم میں یہ بحث گزر چکی ہے۔ کسائی اور ابن عامر نے اسے لَتُرَوُنَّ پڑھا ہے یہ أریتہ الشیٔ سے مشتق ہے یعنی تمہیں اس کی طرف اٹھایا جائے گا اور تمہیں وہ دکھائی جائے گی تاء کے فتحہ کے ساتھ یہ عام قراء کی قراءت ہے۔ یعنی تم دور ہونے کے باوجود اپنی آنکھوں سے جہنم کو دیکھو گے پھر تم اپنی آنکھ سے مشاہدہ کرو گے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ہمیشہ جہنم میں رہنے کی خبر ہے یعنی یہ دائمی اور متصل روایت ہے اس بنا پر خطاب کفار کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ۝ کا معنی ہے تم دنیا میں آج اس امر کو علم یقین سے جان لیتے جو آگے ہونے والا ہے جس کی تمہارے سامنے صفت بیان کی گئی ہے کہ تم ضرور اپنے دل کی آنکھوں سے اسے دیکھو گے، کیونکہ علم یقین تجھے جہنم کو تیرے دل کی آنکھوں سے دکھائے گا وہ یہ ہے تیرے لیے قیامت کے مراحل اور اس کی قطع مسافت تیرے لیے عیاں ہو گی۔ پھر معاینہ کے وقت سر کی آنکھوں سے دیکھے گا تو تو اسے یقیناً دیکھ لے گا وہ تیری آنکھ سے غائب نہیں ہو گی پھر سوال اور پیشی کے وقت تم سے نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ۝

"پھر ضرور پوچھا جائے گا تم سے اس دن جملہ نعمتوں کے بارے میں"۔

امام مسلم نے اپنی صحیح (2) میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن یا ایک رات باہر نکلے تو کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما موجود ہیں پوچھا: "تمہیں اس وقت کس چیز نے گھروں

1۔ صحیح بخاری، باب وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ، جلد 2، صفحہ 1107 2۔ صحیح مسلم، کتاب الاشربۃ، جلد 2، صفحہ 177-176

سے نکالا؟'' دونوں نے عرض کی: یارسول اللہ! بھوک نے۔ فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! مجھے بھی اس چیز نے گھر سے نکالا ہے جس نے تمہیں نکالا ہے دونوں اٹھو، دونوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری کے گھر آئے تو وہ گھر پر نہیں تھا جب اس کی بیوی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس نے خوش آمدید کہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا: ''فلاں کہاں ہے؟'' اس نے عرض کی: وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گیا ہوا ہے، اسی اثنا میں وہ انصاری بھی پہنچ جاتا ہے اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں صحابہ کو دیکھا پھر گویا ہوا: الحمدللہ آج مجھ سے بڑھ کر کوئی عزت والے مہمانوں والا نہیں۔ وہ گیا تو کھجور کا ایک خوشہ ان کے پاس لے آیا۔ عرض کی: اسے کھاؤ اور چھری لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دودھ دینے والے جانور کو ذبح نہ کرنا''۔ اس انصاری نے جانور ذبح کیا تو انہوں نے اس بکری اور اس خوشے سے کھانا کھایا اور پانی پیا۔ جب یہ حضرات خوب سیر ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر سے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! تم سے اس دن کی نعمت کے بارے میں پوچھا جائے گا، تمہیں تمہارے گھروں سے بھوک نے نکالا پھر تم نہ لوٹے یہاں تک کہ تمہیں اس نعمت نے آلیا''۔

اسے امام ترمذی نے نقل کیا ہے اس میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں: ھذا والذی نفسی بیدہ من النعیم الذی تسألون عنه یوم القیامة ظلٌ باردٌ ورطبٌ طیبٌ وماءٌ باردٌ(1) اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے بارے میں قیامت کے روز تم سے پوچھا جائے گا۔ ٹھنڈا سایہ، عمدہ تر کھجوریں اور ٹھنڈا پانی اور اس انصاری کی کنیت ذکر کی اور کہا: ابوہیثم بن تیہان اور اس واقعہ کا ذکر کیا۔

میں کہتا ہوں: اس انصاری کا نام مالک بن تیہان تھا اس کی کنیت ابوہیثم تھی اس واقعہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اشعار کہتے ہیں اور ابوہیثم بن تیہان کی مدح کرتے ہیں:

فَلَمْ أَرَ کالاسلامِ عِزًا لِأُمَّةٍ ولا مِثْلَ أضیافِ الإراشی مَعْشَرَا

میں نے کسی قوم کے لیے اسلام جیسی کوئی عزت نہیں دیکھی اور نہ میں نے اراشی کے مہمانوں جیسی کوئی جماعت دیکھی ہے۔

نبیٌ و صِدِّیقٌ و فاروق أُمَّةٍ وخیر بنی حوّاء فرعا و عُنْصُرا

نبی، صدیق اور امت کا فاروق، بنی حواء میں سے عنصر کے اعتبار سے سب سے بہتر۔

فوافَوا لِمِیقاتٍ وقَدْرِ قَضیةٍ وکان قضاء اللہ قَدْرا مُقَدَّرَا

انہوں نے وعدہ و پیمان کا حق ادا کیا۔ اللہ کا فیصلہ ہو کر رہنے والا ہے۔

إلی رجلٍ نَجْدٍ یُباری بِجودِہٖ شُموسَ الضُّحَی جودا و مجدا و مَفخَرَا

نجد کے ایک معزز آدمی کی طرف جو اپنی سخاوت، بزرگی اور فخر میں چاشت کے سورجوں کا مقابلہ کرتا ہے۔

وفارِسِ خلق اللہ فی کل غارۃٍ إذا لبِس القومُ الحدیدَ المُسَمَّرَا

1۔ جامع ترمذی، کتاب الزھد، ما جاء فی معیشة أصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، جلد 2، صفحہ 512

یہ غزوہ میں اللہ کی مخلوق کا شاہسوار ہے جب قوم گندمگوں نیزے زیب تن کر لیں۔

فَقَدَّیٰ وَ حیّا ثم أدْنَیٰ قِراهُمُ　　فلَمْ یَقْرِهِمْ إلَّا سَمِیناً مُتَمَرَا

اس نے جانور ذبح کیا اسے تیار کیا پھر ضیافت ان کی خدمت میں پیش کی اس نے ان کی خدمت میں کھانا پیش نہیں کیا مگر موٹے موٹے ٹکڑے۔

ابو نعیم حافظ نے ابو عسیب سے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلام تھے سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم رات کے وقت ہمارے پاس تشریف لائے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف نکلا پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابو بکر صدیق کے ہاں تشریف لے گئے انہیں بلایا تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمر کے ہاں تشریف لے گئے انہیں بلایا وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں آ گئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چلے یہاں تک کہ ایک انصاری کے باغ میں داخل ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے باغ کے مالک سے فرمایا: ''ہمیں بسر (کھجور) کھلاؤ'' وہ ایک خوشہ لے آیا اور اسے رکھ دیا سب نے کھایا پھر آپ نے پانی طلب کیا اور اسے پیا۔ پھر فرمایا: ''تم سے قیامت کے روز اس بارے میں پوچھا جائے گا'' کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ خوشہ لیا اسے زمین پر مارا یہاں تک کہ وہ بسر کھجوریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے بکھر گئیں عرض کی: یا رسول اللہ! صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم سے قیامت کے روز اس کے بارے میں پوچھا جائے گا؟ فرمایا: ''ہاں مگر تین۔ وہ ٹکڑا جس کے ساتھ وہ اپنی بھوک مٹاتا ہے یا کپڑا جس کے ساتھ اپنی شرمگاہ ڈھانپتا ہے یا ایسی بل (گھر) جس میں وہ سردی اور گرمی میں پناہ لیتا ہے''۔

وہ نعمت جس کے بارے میں سوال ہو گا علماء نے اس میں اختلاف کیا ہے اس کے بارے میں دس قول ہیں:

(۱) امن و صحت؛ یہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے(1) (۲) صحت و فراغت؛ یہ سعید بن جبیر کا قول ہے۔ بخاری شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے مروی ہے: نعمتان مغبونٌ فیهما کثیر من الناس الصحة والفراغ دو ایسی نعمتیں ہیں جن میں اکثر لوگ خسارے میں رہتے ہیں صحت اور فراغت (۳) قوت سماعت اور قوت بصارت کے حواس کے ساتھ ادراک (2)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ قرآن حکیم میں ہے: اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ (اسراء) کان، آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں باز پرس ہو گی۔

صحیح میں حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابو سعید سے مروی ہے دونوں نے روایت کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے روز ایک بندے کو لایا جائے گا تو اسے کہا جائے گا: کیا میں نے تجھے کان، آنکھ، مال اور اولاد نہیں دی تھی؟

اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اس بارے میں کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

(۴) کھانے اور پینے والی چیزیں جن سے لذت حاصل کی جاتی ہے(3)؛ یہ حضرت جابر بن عبد اللہ کا قول ہے اور حضرت ابو ہریرہ کی حدیث اسی پر دلالت کرتی ہے۔

(۵) اس سے مراد دوپہر اور شام کا کھانا ہے(4)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 314　2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 332　3۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 315　4۔ ایضاً

(٦) یہ مکحول شامی کا قول ہے، اس سے مراد پیٹ بھر کر کھانا، ٹھنڈا پانی، گھروں کے سائے، اچھا اخلاق اور نیند کی لذت ہے۔ زید بن اسلم نے اپنے باپ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس سے مراد پیٹ بھر کر کھانا ہے'' (1)۔ ماوردی نے کہا: یہ سوال کافر اور مومن کو عام ہے مگر مومن کا سوال یہ بشارت ہے کہ اس کے لیے دنیا اور آخرت کی نعمتیں جمع کر دی گئی ہیں اور کافر سے سوال سے اس امر کے ساتھ جھنجھوڑنا ہے کہ اس نے دنیا کی نعمتوں کے مقابل کفر اور معصیت کو اپنایا۔ ایک قوم کا خیال ہے: یہ سوال ہر نعمت کے بارے میں ہوگا اور کفار کے حق میں ہوگا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! بتائیے وہ کھانا جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوہیثم بن تیہان کے گھر میں کھایا تھا جو کی روٹی، گوشت، آدھ کچی کھجور اور میٹھے پانی پر مشتمل تھا کیا اس بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے متعلق خوف کھاتے ہیں کہ یہ ان نعمتوں میں سے ہے جن کے متعلق ہم سے باز پرس ہوگی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ کفار کے لیے ہے'' پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی هَلْ نُجٰزِیْۤ اِلَّا الْكَفُوْرَ ۝ (سبا) یہ قشیری ابونصر نے ذکر کیا ہے دونوں روایات میں تطبیق یوں ہے کہ ہر کسی سے سوال کیا جائے گا تاہم کفار سے سوال انہیں شرمندہ کرنا ہے کیونکہ اس نے شکر کو ترک کیا اور مومن سے سوال اسے عزت بخشنا ہے کیونکہ وہ شکر بجالایا تھا یہ ہر نعمت کے بارے میں ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ بہت اچھا قول ہے کیونکہ لفظ عام ہے؛ فریابی نے یہ ذکر کیا۔ ورقاء، ابن ابی نجیح سے وہ مجاہد سے اس آیت کی تفسیر میں یہ قول نقل کرتے ہیں یعنی ہر وہ چیز جو لذت دنیا سے تعلق رکھتی ہو۔ ابواحوص، عبداللہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندے پر اپنی نعمتوں کو شمار کرے گا یہاں تک کہ اس پر یہ بھی شمار کرے گا تو نے مجھ سے سوال کیا تھا کہ میں تیرا فلاں عورت سے نکاح کر دوں اللہ تعالیٰ اس عورت کا نام ذکر کرے گا تو میں نے تیری اس سے شادی کر دی'' (☆)۔

ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں نے عرض کی: یارسول اللہ! ہم سے کس نعمت کے بارے میں سوال کیا جائے گا ہمیں تو پانی اور کھجور میسر ہے، دشمن سامنے حاضر ہے اور ہماری تلواریں ہمارے کندھوں پر ہیں؟ فرمایا: ''ایسا ضرور ہوگا'' (2)۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ أوّل ما یسأل عنه یوم القیمة إنه یقال له أَلَمْ نُصِحَّ لك جسمك ونُرْوِيكَ من الماء البارد (☆) قیامت کے روز سب سے پہلے انسان سے جس چیز کے بارے میں سوال کیا جائے گا وہ یہ ہوگا: کیا ہم نے تیرے جسم کو صحت مند نہیں رکھا تھا اور تجھے ٹھنڈا پانی نہیں پلایا تھا۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث، کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جب قیامت کا دن ہوگا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو بلائے گا اسے اپنے سامنے کھڑا کرے گا اس سے اس جاہ وحشمت کے بارے میں سوال

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 332　2۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 172-171۔ ایضاً، حدیث 3280-3279، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

☆۔ شعب بیہقی حدیث نمبر 4610-4611

☆۔ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الھاکم التکاثر، حدیث نمبر 3281، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

کرے گا جس طرح اس سے اس کے مال کے بارے میں سوال کرے گا"۔ جاہ وحشمت یقیناً دنیاوی نعمتوں میں سے ایک ہے۔
امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: اس نعمت سے مراد بدن کی صحت اور عمدہ طبیعت ہے۔ یہ ساتواں قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ امن و عافیت کے ساتھ نیند ہے۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: جو چیز بھوک مٹائے اور ستر عورت کا اہتمام کرے جب کہ وہ کھانا ایسا ہو جو حلق سے مشکل سے اترے اور لباس کھردرا ہو قیامت کے روز اس کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی بلکہ اس سے ایسی چیزوں کے بارے میں باز پرس ہوگی جو لذت کا باعث ہوں۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت عطا کی اور فرمایا: تیرے لیے یہاں یہ انعام ہے کہ تجھے نہ بھوک لگے اور نہ ہی تو بے پردہ ہوگا تو اس میں پیاسا نہ ہوگا اور نہ تجھے گرمی لگے گی (سورہ طٰہٰ: 119-118) یہ چار چیزیں ہیں (۱) جس کے ساتھ بھوک مٹائی جاتی ہے (۲) جس کے ساتھ پیاس ختم کی جاتی ہے (۳) جس کی مدد سے گرمی سے بچا جاتا ہے اور جس کے ساتھ پردہ کیا جاتا ہے۔ یہ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے مطلق تھیں ان کے بارے میں حضرت آدم علیہ السلام کے لیے کوئی حساب و کتاب نہ تھا کیونکہ اس کے بغیر آپ کے لیے کوئی چارہ کار نہیں تھا۔

میں کہتا ہوں: اس کی مثل قشیری ابو نصر نے ذکر کیا انہوں نے کہا: بندے سے ایسے لباس کے بارے میں باز پرس نہ ہوگی جس کے ساتھ وہ اپنی شرمگاہ چھپاتا ہے، ایسا کھانا جس کے ساتھ وہ اپنی کمر سیدھی کرتا ہے، ایسا مکان جو اسے سردی اور گرمی سے بچاتا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ قول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ارشاد سے ماخوذ ہے لیس لابن آدم حقٌّ فی سوی ھذہ الخصال بیتٌ یسکنُہٗ و ثوبٌ یُوارِی عورتہ وجلف الخبزِ والماء (1) ابن آدم کا ان چیزوں کے علاوہ میں کوئی حق نہیں ایسا گھر جس میں وہ رہتا ہے، ایسا کپڑا جو اس کی شرمگاہ کو ڈھانپتا ہے، خشک روٹی کا ٹکڑا اور پانی۔ اسے ترمذی نے نقل کیا ہے۔ نضر بن شمیل نے کہا: خشک روٹی کا ٹکڑا جس کے ساتھ سالن نہ ہو۔ محمد بن کعب نے کہا: نعیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ہم پر انعام فرمایا ہے (2) قرآن حکیم میں ہے لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ (آل عمران: 164) تحقیق اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر بڑا احسان کیا کہ ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا۔

حضرت حسن بصری اور مفضل نے کہا: اس سے مراد ہے شرعی احکام میں نرمی اور قرآن حکیم کو آسان بنا دینا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ (الحج: 78) اور نہیں روا رکھی اس نے تم پر دین کے معاملہ میں کوئی تنگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر) اور بے شک ہم نے آسان کر دیا ہے قرآن کو نصیحت پذیری کے لیے پس ہے کوئی نصیحت قبول کرنے والا۔

میں کہتا ہوں: یہ سب نعمتیں ہیں بندے سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا کیا اس نے شکر کیا یا ناشکری کی، پہلے اقوال ظاہر و باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، ما جاء فی الزھد فی الدنیا، جلد 2، صفحہ 509۔ ایضاً، حدیث نمبر 2263، ضیاء القرآن پبلی کیشنز 2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 315

سورۃ العصر

(آیاتہا ۳) (۱۰۳ سورۃ العصر مکیۃ ۱۳) (رکوعہا ۱)

یہ سورت مکی ہے۔ قتادہ نے کہا: یہ مدنی ہے (1)؛ حضرت ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے۔ اس کی تین آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَالْعَصْرِ ۙ﴿۱﴾

''قسم ہے زمانہ کی''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

عصر کا معنی اور مراد

مسئلہ نمبر 1۔ عصر سے مراد دھر (زمانہ) ہے؛ یہ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے (2)۔ عصر دہر کی طرح ہے۔ شاعر نے کہا:

سبیلُ الهوَیٰ وَعْرٌ وبحرُ الهوی غَمْرُ ویَوْمُ الهوَیٰ شَهْر وشَهْرُ الهوَیٰ دَهْرُ

محبت کا راستہ پر پیچ ہے محبت کا سمندر گہرا ہے محبت کا دن مہینہ برابر ہوتا ہے اور محبت کا مہینہ زمانہ برابر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زمانہ کی قسم اٹھائی کیونکہ اس میں احوال کے تصرف اور تبدل پر تنبیہ ہے اور اس میں صانع پر دلالت ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: عصر سے مراد رات اور دن ہے؛ حمید بن ثور نے کہا:

ولَنْ یَلْبَثَ العَصْرَانِ یَومٌ ولَیْلَةٌ إذا طَلَبا أَنْ یُدْرِکا ما تَیَمَّمَا

عصران یعنی دن اور رات نہیں رکیں گے جب وہ اپنے مقصود کو پانے کا مطالبہ کر دیں۔

عصران سے مراد صبح اور شام ہے۔ شاعر نے کہا:

وأَمْطُلُه العَصْرین حتی یَمَلَّنِی ویرضی بِنِصْفِ الدَّیْنِ والأَنْفُ رَاغِمُ

میں اس کے ساتھ صبح و شام ٹال مٹول سے کام لیتا ہوں یہاں تک کہ مجھ سے اکتا جاتا ہے وہ مجبور ہو کر نصف قرض لینے پر راضی ہو جاتا ہے۔

وہ کہتا ہے: جب وہ دن کے پہلے پہر میرے پاس آتا ہے تو اس کے ساتھ پچھلے پہر کا وعدہ کرتا ہوں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد عشی ہے وہ سورج کے زوال سے لے کر اس کے غروب ہونے کا وقت ہے؛ یہ حضرت حسن بصری اور قتادہ کا

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 316 2۔ ایضاً

نقطہ نظر ہے: اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

تَرَوَّحْ بِنَا یا عمرُو قد قَصُرَ العَصْرُ وفی الرَّوْحَةِ الأُولَى الغنیمة والأجْرُ(1)

اے عمرو ہمیں لے چلو وقت تھوڑا رہ گیا ہے پہلی روانگی میں غنیمت اور اجر ہے۔

قتادہ سے یہ بھی مروی ہے: عصر سے مراد دن کی ساعتوں میں سے آخری ساعت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز کی قسم اٹھائی یہی درمیانی نماز ہے کیونکہ یہ نمازوں میں سے افضل نماز ہے(2)؛ یہ مقاتل کا قول ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: اذّن للعصر یعنی نماز عصر کے لیے آذان دی گئی۔ صُلِّیَتْ للعصر عصر کی نماز پڑھی گئی۔ حدیث صحیح میں ہے الصلاۃ الوسطی سے مراد عصر کی نماز ہے۔ سورۂ بقرہ میں اس کی وضاحت گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی قسم اٹھائی کیونکہ اس میں نبوت کی تجدید ہوئی اس وجہ سے یہ زمانہ فضیلت رکھتا ہے اس کی قسم اٹھائی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے زمانہ کے رب کی قسم!۔

اگر کوئی عصر کے لفظ کو قسم میں ذکر کرے تو کتنا وقت مراد ہوگا؟

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک نے فرمایا: جس نے یہ قسم اٹھائی لو یُکَلِّمه عصرًا تو وہ اس سے ایک سال تک بات نہ کرے۔ ابن عربی نے کہا: امام مالک نے قسم اٹھانے والے کی قسم کو سال پر محمول کیا جب کہ اس نے لفظ عصر کا ذکر کیا تھا کیونکہ اس کی تعبیر میں جو قول کیے جاتے ہیں یہ ان میں سے لمبے عرصے پر محیط ہے۔ یہ تعبیر ان کے اس اصول پر مبنی ہے کہ قسموں میں سختی کی جائے۔

امام شافعی نے کہا: وہ ایک ساعت نہ بولا تو قسم پوری کرنے والا ہوگا مگر جب اس کی کوئی نیت ہو۔ میں بھی یہی کہتا ہوں مگر جب وہ عربی ہو تو اس سے کہا جائے گا: تو نے کیا ارادہ کیا تھا؟ جب اس نے ایسی تعبیر کی کلام جس کا احتمال رکھتی تھی تو اسے قبول کر لیا جائے گا مگر اس صورت میں کہ وہ بہت ہی قلیل ہو۔ یہ تعبیر کہ قسم کو اس پر محمول کیا جائے گا جو اس نے تفسیر کی یہ بھی امام مالک کے مذہب کے موافق ہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝۲

''یقیناً ہر انسان خسارے میں ہے''۔

یہ جواب قسم ہے اور انسان سے مراد کافر ہے؛ یہ حضرت ابن عباس کا قول ہے جو حضرت ابو صالح سے مروی ہے۔ ضحاک نے ان سے روایت نقل کی کہ اس سے مراد مشرکین کی ایک جماعت ہے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور اسود بن عبد یغوث۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ انسان سے مراد جنس انسان ہے، خسر سے مراد خسارہ ہے۔ اخفش نے کہا: اس سے مراد ہلاکت ہے۔ فراء نے کہا: اس سے مراد سزا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۝ (الطلاق) ان کے امر کا انجام عذاب ہے۔ ابن زید نے کہا: اس کا معنی شر ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی نقص ہے۔ معنی

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 333
2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 316

سب کا قریب قریب ہے۔ سلام سے مروی ہے کہ عصر یہ صاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اعرج، طلحہ اور عیسیٰ نے خُسُر پڑھا ہے یہی ہارون نے ابو بکر سے وہ عاصم سے روایت نقل کرتے ہیں دونوں کی دلیل حرکات میں دوسرے حرف کی اتباع ہے یوں لفظ ذکر کیا جاتا ہے عُسُر اور عُسْر جس طرح عُسُر اور عُسْر۔ حضرت علی شیر خدا یوں پڑھا کرتے تھے: والعصرِ و نوائبَ الدَّھرِ اِنَّ الانسان لفی خسر اس روایت میں الی آخر الدھر کے الفاظ بھی ہیں۔

ابراہیم نے کہا: انسان جب اپنی زندگی میں بوڑھا ہو جاتا ہے (1) تو وہ نقصان، کمزوری اور پہلی حالت میں پلٹنے والا ہو جاتا ہے مگر مومنوں کا معاملہ مختلف ہے ان کے حق میں ان اعمال کا اجر لکھا جاتا رہتا ہے جو وہ جوانی کے عالم میں کیا کرتے تھے اس کی مثل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ۞ ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ ۞ (التین) اور کہا: ہماری قراءت میں وانّہ لفی آخرِ الدَّھرِ ہے جب کہ صحیح وہ ہے جس پر ائمہ اور مصاحف ہیں جس نے مصحف عثمانی کی مخالفت کی اس کا رد کتاب کے مقدمہ میں ہو چکا ہے۔ یہ کوئی ایسی چیز نہیں جس کو قرآن میں تلاوت کیا جا سکے۔ اسے وہاں غور سے پڑھ لیجئے۔

اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ۙ۬ وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۞

''بجز ان (خوش نصیبوں) کے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے نیز ایک دوسرے کو حق کی تلقین کرتے رہے اور ایک دوسرے کو صبر کی تاکید کرتے رہے''۔

اِلَّا الَّذِیْنَ یہ الْاِنْسَانَ سے مستثنیٰ ہے کیونکہ صحیح قول کے مطابق وہ الناس کے معنی میں ہے۔ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد انہوں نے فرائض ادا کیے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عصر کی نماز پڑھی پھر میں نے عرض کی: اے اللہ کے نبی! اس کی تفسیر کیا ہے؟ فرمایا: ''وَ الْعَصْرِ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسم ہے تمہارے رب نے دن کے آخر کی قسم اٹھائی، انسان سے مراد ابو جہل ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت ابو بکر ہیں''۔

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے مراد حضرت عمر ہیں وَ تَوَاصَوْا سے مراد حضرت عثمان ہیں اور وَ تَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ سے مراد حضرت علی شیر خدا ہیں۔ حضرت ابن عباس نے منبر پر بیٹھ کر اس طرح خطبہ دیا تھا۔

تَوَاصَوْا کا معنی ہے انہوں نے باہم محبت کی، انہوں نے ایک دوسرے کو وصیت کی اور ایک دوسرے کو برانگیختہ کیا۔ الحق سے مراد توحید ہے؛ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ قتادہ نے کہا: حق سے مراد قرآن ہے۔ سدی نے کہا: یہاں حق سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔

وہ باہم اللہ تعالیٰ کی طاعت اور معاصی پر صبر کی وصیت کرتے ہیں۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 317

سورۃ الھمزۃ

آیاتہا ۹ ۔ ۱۰۴ سورۃ الھمزۃ مکیۃ ۳۲ ۔ رکوعہا ۱

یہ سورت مکی ہے سب کا اتفاق ہے۔ اس کی نو آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

وَیۡلٌ لِّکُلِّ ہُمَزَۃٍ لُّمَزَۃِۣ ۙ﴿۱﴾

''ہلاکت ہے ہر اس شخص کے لیے جو (روبرو) طعنے دیتا ہے پیٹھ پیچھے عیب جوئی کرتا ہے''۔

وَیۡلٌ کے بارے میں وضاحت کئی مواقع پر گزر چکی ہے اس کا معنی رسوائی، عذاب اور ہلاکت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہنم میں ایک وادی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: اس سے مراد چغل خور، دوستوں کے درمیان فساد برپا کرنے والے، پاکباز لوگوں پر عیب لگانے والے ہیں۔ اس تاویل کی بنا پر دونوں کا معنی ایک ہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: شِرَارُ عباد اللہِ تَعَالَی المَشَّاءُون بالنَّمِیمَۃ المُفسِدونُ بین الأحِبَّۃ الباغُونَ لِلبراء العیب (☆) اللہ کے بندوں میں سے سب سے برے چغل خور، دوستوں میں فساد برپا کرنے والے اور پاک باز لوگوں پر عیب لگانے والے ہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ الھمزۃ سے مراد چغل خور اللمزۃ سے مراد عیب لگانے والے ہیں (1)۔ ابو العالیہ، حضرت حسن بصری، مجاہد اور عطا بن ابی رباح نے کہا: الھمزۃ سے مراد ہے جو غیبت کرتا ہے (2) اور لوگوں کے سامنے ان پر طعن و تشنیع کرتا ہے اور اللمزۃ سے مراد ہے جب آدمی موجود نہ ہو تو پیٹھ کے پیچھے اس کی غیبت کرتا ہے؛ اس معنی میں حضرت حسان بن ثابت کا شعر ہے:

ھَمَزتُکَ فاختَضَعتَ بذُلِّ نفسٍ ۔ بِقافِیۃٍ تَأَجَّجُ کالشُّوَاظِ (3)

میں نے تیری ایسے اشعار کے ساتھ غیبت کی جو شعلہ کی طرح بھڑک رہا تھا تو تو اپنے نفس کی ذلت کے ساتھ پست ہو گیا۔

نحاس نے اس قول کو پسند کیا ہے اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّلۡمِزُکَ فِی الصَّدَقٰتِ (التوبہ: 58) ان میں سے کچھ وہ ہیں جو صدقات کے بارے میں آپ پر طعن کرتے ہیں۔ مقاتل نے اس کلام کے مخالف گفتگو کی ہے کہ ہُمَزَۃٍ اسے کہتے ہیں جو عدم موجودگی میں غیبت کرتا ہے اور لُّمَزَۃٍ اسے کہتے ہیں جو سامنے عیب جوئی کرتا ہے۔ قتادہ اور مجاہد نے کہا: ہُمَزَۃٍ اسے کہتے ہیں جو لوگوں کے اخلاق کے بارے میں طعن کرتا ہے (4) اور لُّمَزَۃٍ اسے کہتے ہیں جو ان کے نسب

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 319
2۔ ایضاً
3۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 2336
4۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 319
☆ تفسیر طبری، جلد 24، صفحہ 217

میں طعن کرتا ہے۔

ابن زید نے کہا: ھامزا سے کہتے ہیں جو ہاتھ سے لوگوں کو اذیت دیتا ہے اور انہیں مارتا ہے (1) اور لُمَزَۃ اسے کہتے ہیں جو زبان سے انہیں اذیت دیتا ہے اور انہیں عیب لگاتا ہے۔ سفیان ثوری نے کہا: جو زبان سے اذیت دیتا ہے (2) اسے ھُمَزَۃ کہتے ہیں اور جو آنکھ سے اذیت دیتا ہے اسے لُمَزَۃ کہتے ہیں۔ ابن کیسان نے کہا: ھُمَزَۃ اسے کہتے ہیں جو اپنے ہم مجلس افراد کو برے الفاظ کے ساتھ اذیت دیتا ہے اور لُمَزَۃ اسے کہتے ہیں جو اپنی نظریں اپنے ساتھی پر گاڑھ دیتا ہے اور اپنے سر، اپنی آنکھوں اور اپنے آبروؤں سے اشارہ کرتا ہے۔ ایک دفعہ کہا: دونوں برابر ہیں۔ وہ چغل خور اور انسان پر طعن کرنے والا ہے جب وہ غائب ہو جائے۔ زیاد اعاجم نے کہا۔

تُدْلِی بِوُدِّی إذا لا قَیتِنی کَذِبًا　　وإنْ أُغَیَّبْ فأنْتَ الھامزُ اللُّمَزَۃْ

جب تو مجھ سے ملاقات کرتا ہے تو جھوٹ کے عالم میں میری محبت کا وسیلہ پکڑتا ہے اور اگر میں غائب ہوں تو تو چغل خور اور طعن کرنے والا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

إذا لَقِیتُکَ عن سُخْطٍ تُکَاشِرُنِی　　وإن تَغَیَّبتُ کنتَ الھامِزَ اللُّمَزَۃْ(3)

جب میں تجھے ملتا ہوں تو تو ناراضگی کی وجہ سے دانت نکالتا ہے اور جب میں غائب ہوتا ہوں تو تو چغل خور اور طعن کرنے والا ہوتا ہے۔

الشحط کا معنی بعد ہے اور ھُمَزَۃ ایسا اسم ہے جو مبالغہ کے لیے وضع کیا گیا ہے جس طرح کہا جاتا ہے: سُخَرَۃ، ضُحَکَۃ جو مذاق کرتا ہے اور لوگوں کو ہنساتا ہے۔ ابو جعفر محمد بن علی اور اعرج نے ھُمْزَۃ اور لُمْزَۃ میم کے سکون کے ساتھ پڑھا ہے اگر یہ دونوں سے قراءت ثابت ہو تو یہ اسم مفعول کے معنی میں ہوگا۔ یہ وہ آدمی ہوتا ہے جو لوگوں کے سامنے آتا ہے تو لوگ اس کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، اس پر ہنستے ہیں اور وہ انہیں غیبت پر برانگیختہ کرتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت ابو وائل، نخعی اور اعمش نے اسے ویل للھمزۃ اللمزۃ پڑھا ہے ھمز کا اصل معنی توڑنا، کسی شئی کو سختی سے کاٹنا ہے۔ اس معنی میں ھمز الحرف ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: ھمزتُ راسہ میں نے اس کے سر کو توڑ دیا۔ ھمزتُ الجوز بکَفِّی میں نے ہتھیلی سے اخروٹ توڑا، ایک بدو نے کہا: أتَھمزُ الفارۃ؟ کیا بلی ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔ تو اس نے کہا: اسے بلی ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔ صحاح میں جو جملہ مذکور ہے وہ یہ ہے ایک بدو سے کہا گیا: اتھمز الفارۃ؟ تو اس نے کہا: اسے بلی ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے۔ پہلا قول ثعلبی کا ہے یہ اس امر پر دال ہے کہ بلی کو ھمزۃ کہتے ہیں۔ عجاج نے کہا:

ومَنْ ھَمَزْنَا رَاسَہٗ تَھَشَّمَا

جس کے سر کو ہم توڑیں تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 319　　2۔ ایضاً　　3۔ ایضاً

ایک قول یہ کیا گیا ہے: ھمز اور لمز کا اصل معنی دھکیلنا اور مارنا ہے: لَمَزَہٗ یَلْمِزُہٗ لَمْزًا جب وہ اسے مارے اور دھکے دے اس طرح ھَمَزَہٗ ہے جب وہ اسے دھکے دے اور اسے مارے۔ راجز نے کہا:

وَمَنْ هَمَزْنَاهُ عِزَّهُ تَبَرْكَعَا علی اسْتِهِ زَوْبَعَةً أَوْ زَوْبَعَا

جس کی عزت کو ہم پھاڑ دیں تو وہ اپنی سرین کے بل بگولہ کی صورت میں یا حقیر ہو کر جا گرتا ہے۔

برکعۃ کا معنی ہے چار اعضاء پر کھڑا ہونا برکعہ فتبرکع میں نے اسے گرایا تو وہ اپنی سرین کے بل گر گیا۔ یہ صحاح میں کہا: آیت کریمہ اخنس بن شریق کے حق میں نازل ہوئی جو ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔ وہ لوگوں کی غیبت کرتا تھا اور ان کی عیب جوئی کرتا تھا وہ موجود ہوتے یا غائب ہوتے۔ ابن جریج نے کہا: یہ آیت ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدم موجودگی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیبت کرتا اور سامنے بدگوئی کیا کرتا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ آیت ابی بن خلف کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ جمیل بن عامر ثقفی کے حق میں نازل ہوئی۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ بغیر تخصیص کے عموم کے لیے ہے؛ یہ اکثر علماء کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: یہ کسی کے ساتھ بھی خاص نہیں بلکہ یہ ہر کسی کے لیے ہے جس کی یہ صفت ہے۔ فراء نے کہا: یہ جائز ہے کہ عام ذکر کیا جائے اور خاص کا قصد کیا جائے ایک کا قصد کیا جب کوئی یہ کہے: لا أزورك أبدا تو تو کہتا ہے: من لم یَزُرْنِي فلستُ بزَائِرِہ یعنی وہ صرف قائل کا ارادہ کرتا ہے یعنی من عموم پر دلالت کرتا ہے ہر کوئی مراد ہونا چاہیے مگر وہ صرف اس فرد کا ارادہ کرتا ہے جس نے یہ بات کہی تھی۔

الَّذِیْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ۙ﴿۲﴾

''جس نے مال جمع کیا اور گن گن کر رکھا''۔

اس نے حادثات زمانہ کے لیے تیار کر کے رکھا۔ جس طرح کَرُمَ (1) اور أکرم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے اس کی مقدار کو شمار کیا؛ یہ سدی کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس نے اپنے وارث کے لیے اپنا مال تیار کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس نے عدد اور کثرت پر فخر کیا۔ مقصود طاعت میں مال خرچ کرنے سے روکنے پر مذمت کرنا ہے جس طرح فرمایا: مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ (ق:25) اور فرمایا وَ جَمَعَ فَاَوْعٰى ﴿۱۸﴾ (المعارج) عام قراءت جمع ہے۔

ابن عامر، حمزہ اور کسائی نے اسے میم کی تشدید کے ساتھ پڑھا ہے ابو عبید نے وعدّدہ کی وجہ سے اسے ہی اختیار کیا ہے۔ حضرت حسن بصری، نصر بن عاصم اور ابو العالیہ نے جمع اور عددہ پڑھا ہے (2) اور تضعیف کا اظہار کیا یعنی اس میں ادغام نہیں کیا، کیونکہ اس کی اصول عدّہ ہے۔ یہ بعید ہے کیونکہ مصحف میں دو دالوں کے ساتھ واقع ہے شعر میں بھی اس کی مثل واقع ہے جب انہوں نے ہم جنس حروف میں اظہار کیا تو اس میں تخفیف کا کہا:

مَهْلًا أُمامةُ قد جَرَّبْتِ من خُلُقِي إِنِّي أَجودُ لِأَقوامٍ وإنْ ضَنِنُوا

اے امامہ! ٹھہر جا تو نے میرے اخلاق کا تجربہ کر لیا ہے میں لوگوں کے لیے سخاوت کرتا ہوں اگر وہ بخل کریں۔

1۔ گویا حضرت مفسر کے نزدیک عذدہ یہ غدق سے ماخوذ ہے اور عددہ کا معنی اعدہ کیا ہے۔

2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 320

محل استدلال ضَنِنُوا ہے۔

یہاں شاعر نے ارادہ کیا انہوں نے بخل کیا تو ہم جنس حروف کو الگ الگ ذکر کیا لیکن شعر ضرورت کی جگہ ہے۔ مہدوی نے کہا: جس نے وعدّدہ میں تخفیف کی ہے تو یہ المال پر معطوف ہوگا پھر ترجمہ ہوگا وجمع عددہ اس نے سامان کو جمع کیا ہم جنس کو ظاہر کرنے کی صورت میں یہ عدد کلمہ فعل نہیں ہوگا کیونکہ یہ صرف شعر میں استعمال ہوگا۔

يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗٓ اَخْلَدَهٗ ۝ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِي الْحُطَمَةِ ۝ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ۝ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ۝ الَّتِيْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ۝

''وہ یہ خیال کرتا ہے کہ اس کے مال نے اسے لافانی بنا دیا ہے۔ ہرگز نہیں وہ یقیناً حطمہ میں پھینک دیا جائے گا۔ اور تم کیا جانو کہ حطمہ کیا ہے؟۔ وہ اللہ کی آگ ہے خوب بھڑکائی ہوئی جو دلوں تک جا پہنچے گی''۔

وہ یہ گمان کرتا ہے کہ اس کا مال اسے زندہ رکھے گا وہ مرے گا نہیں؛ یہ سدی نے کہا: عکرمہ نے کہا: معنی ہے مال اس کی عمر میں اضافہ کر دے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جو وقت گزر چکا ہے اسے زندہ کر دے گا۔ یہ ماضی کا صیغہ ہے جو مستقبل کے معنی میں ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: هَلَكَ واللہ فلان ودخل النار اللہ کی قسم! فلاں ہلاک ہو گیا اور آگ میں داخل ہو گیا۔

كَلَّا کا لفظ اس لیے ذکر کیا گیا کہ کافر نے جو وہم کیا اس کا رد کرنا مقصود ہے یعنی وہ ہمیشہ نہیں رہے گا اور اس کا مال باقی نہیں رہے گا۔ كَلَّا کے بارے میں گفتگو مکمل گزر چکی ہے۔ عمر بن عبد اللہ جو غفرہ کے غلام تھے نے کہا: جب تو اللہ تعالیٰ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنے كَلَّا تو وہ یہ ارشاد فرماتا ہے تو نے جھوٹ بولا۔

لَيُنْۢبَذَنَّ یعنی انہیں پھینک دیا جائے گا۔ حضرت حسن بصری، محمد بن کعب، نصر بن عاصم، مجاہد، حمید اور ابن محصین نے پڑھا(1) لینبذان یعنی تثنیہ کا صیغہ پڑھا تو اس سے مراد وہ اور اس کا مال ہے۔ حضرت حسن بصری سے یہ بھی مروی ہے: لَيُنْبذنه یعنی اس کا مال پھینکا جائے گا۔ ان سے نون کے ساتھ جمع کا صیغہ بھی منقول ہے لننبذنه یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بارے میں خبر دیتا ہے کہ وہ مال دار کو پھینکے گا۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: لَيُنْبذُنَّ یعنی همزة، لمزة، مال اور اس کے جمع کرنے والے سب کو جہنم میں پھینکا جائے گا۔ حطمہ سے مراد اللہ تعالیٰ کی آگ ہے۔ اسے یہ نام دیا گیا ہے کیونکہ جو چیز بھی اس میں پھینکی جاتی ہے اسے وہ توڑ دیتی ہے اور ریزہ ریزہ کر دیتی ہے۔ راجز نے کہا:

إِنَّا حَطَمْنَا بِالْقَضِيبِ مُصْعَبَا يَوْمَ كَسَرْنَا أَنْفَهُ لِيَغْضَبَا(2)

ہم نے کھجور کی شاخ کے ساتھ مصعب کو مارا جس روز ہم نے اس کی ناک توڑی تا کہ وہ غضبناک ہو۔

حطمہ جہنم کے طبقات میں سے چھٹا طبقہ ہے؛ ماوردی نے اسے کلبی سے حکایت بیان کی ہے۔ قشیری نے ان سے یہ روایت نقل کی: حطمہ سے مراد آگ کے گڑھوں میں سے دوسرا گڑھا ہے۔ ضحاک نے کہا: یہ چوتھا گڑھا ہے۔ ابن زید نے کہا: یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 320
2۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 337

وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ۝ حطمہ کی عظمت شان کو بیان کرنے کے لیے استفہامیہ انداز میں کلام ذکر کی۔ پھر اس کی تفسیر بیان کی کہ یہ کیا ہے۔ فرمایا: نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ۝ جس کو ہزار سال، ہزار سال اور ہزار سال بھڑکایا گیا۔ یہ ٹھنڈی ہونے والی نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے نافرمانوں کے لیے تیار کیا۔

الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۝ محمد بن کعب نے کہا: ان کے جسموں میں جو کچھ ہوگا آگ اسے کھا جائے گی یہاں تک کہ جب ان کے دلوں تک پہنچے گی تو انہیں پھر پیدا کر دیا جائے گا وہ انہیں پھر کھانے لگے گی۔ خالد بن ابی عمران نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے: إنّ النار تأكل أهلها حتى إذا طلعت على أفئدتهم إنتهت ثم إذا صَدَرُوا تعود آگ جہنمیوں کو کھائے گی یہاں تک کہ جب وہ آگ ان کے دلوں تک پہنچے گی تو وہ رک جائے گی پھر جب انہیں پیدا کیا جائے گا تو آگ لوٹ آئے گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان کا یہی معنی ہے: نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ۝ الَّتِیْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۝ یہاں دلوں کو خاص کر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ دکھ جب دل تک جا پہنچتا ہے تو وہ مریض مر جاتا ہے یعنی وہ میت کی حالت والوں میں سے ہے جب کہ وہ مرتے نہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَ لَا یَحْیٰى۝ (طٰہٰ) اس میں نہ وہ مرے گا اور نہ زندہ ہوگا۔ یعنی وہ زندہ ہیں مگر مردوں کے حکم میں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ۝ کا معنی ہے وہ آگ جانتی ہے کہ عذاب کی جس مقدار کے وہ مستحق ہیں یہ جملہ بولا جاتا ہے: اطّلعَ فلانٌ علی کَذَا یعنی فلاں اس پر مطلع ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تَدْعُوْا مَنْ اَدْبَرَ وَ تَوَلّٰى۝ (المعارج) وہ اسے کھینچ لیتی ہے جو پیٹھ پھیرتا ہے اور روگردانی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِیْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَیُّظًا وَّ زَفِیْرًا۝ (الفرقان) جب وہ آگ انہیں دور سے دیکھے گی تو وہ سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا۔

اس آگ کی ان چیزوں سے صفت بیان کی گئی ہے تو یہ کوئی بعید نہیں کہ اس کی علم سے صفت بیان کی جائے۔

اِنَّهَا عَلَیْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ۝ فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۝

"بے شک وہ (آگ) ان پر بند کر دی جائے گی (اس کے شعلے) لمبے لمبے ستونوں کی صورت میں ہوں گے"۔

مُّؤْصَدَةٌ کا معنی ہے مطبقہ یعنی تہ در تہ ہوگی (1)؛ یہ حضرت حسن بصری اور ضحاک کا نقطہ نظر ہے سورۃ البلد میں اس کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قریش کی لغت کے مطابق اس کا معنی مغلقہ ہے یعنی بند کر دی جائے گی وہ کہتے ہیں: آصدتُ الباب جب تو دروازے کو بند کر دے؛ یہ مجاہد کا قول ہے؛ اس معنی میں عبید اللہ بن قیس رقیات کا قول ہے:

إنّ فی القَصرِ لو دَخَلنا غزَالًا مُصْفَقًا مُوصَدًا علیهِ الحِجابُ

کاش! ہم داخل ہوتے بے شک محل میں ایک ہرن ہے جس پر حجاب ڈال دیا گیا ہے۔

فِیْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ۝ میں فِیْ، باء کے معنی میں ہے یعنی اسے لمبے لمبے ستونوں کے ساتھ جکڑ دیا گیا ہے؛ یہ حضرت ابن مسعود کا قول ہے آپ کی قراءت میں بِعَمَدٍ مُمَدَّدَةٍ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی

1۔ تفسیر حسن بصری، جلد 5، صفحہ 320

ہے ''پھر اللہ تعالیٰ ان پر فرشتے بھیجے گا جن کے ساتھ آگ کے کواڑ، آگ کے کیل اور آگ کے ہی ستون ہوں گے وہ ان پر ان کواڑوں کو بند کر دیں گے، ان پر کیل لگا دیں گے اور ان ستونوں کے ساتھ انہیں باندھ دیا جائے گا کوئی سوراخ باقی نہیں رہے گا جس میں سے راحت داخل ہو سکے اور غم خارج ہو سکے اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر انہیں بھول جائے گا جنتی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہوں گے جہنمی اس کے بعد کبھی بھی مدد طلب نہ کر سکیں گے، گفتگو ختم ہو جائے گی ان کی گفتگو چیخ و پکار ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِنَّهَا عَلَيْهِمْ مُّؤْصَدَةٌ ۙ فِيْ عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ ۝ کا یہی مفہوم ہے''۔ قتادہ نے کہا: عَمَدٍ کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا: طبری نے اسے اختیار کیا ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: عَمَدٍ مُّمَدَّدَةٍ سے مراد ان کے گردنوں میں طوق ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: ان کے پاؤں میں بیڑیاں ہیں (1)؛ یہ ابو صالح نے کہا۔ قشیری نے کہا کہ عمد سے مراد کواڑوں کے کیل ہیں جو جہنمیوں پر بند کر دیئے جائیں گے اور ان پر کیل لگا دیئے جائیں گے یہاں تک ان کا غم اور گرمی جہنمیوں پر ہی لوٹے گی۔ تو ان پر کسی قسم کی راحت داخل نہیں ہو گی۔

ایک قول یہ کیا گیا: جہنم کے دروازے ان پر بند کر دیئے جائیں گے جب کہ وہ بیڑیوں اور لمبے طوقوں میں جکڑے ہوں گے یہ چھوٹوں سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے اس کے عذاب اور آلام میں انہیں اس کے ساتھ مارا جائے گا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: معنی ہے لمبا زمانہ جو ختم نہ ہو۔ فراء نے کہا: عَمَد اور عُمُد دونوں عمود کی جمع ہیں جس طرح اَدِیم کی جمع اَدَم اور اُدُم اور افیق کی جمع اَفَق اور اُفُق آتی ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: عَمَد عماد کی جمع ہے، جس طرح اھاب کی جمع اُھُب اور اَھَب ہے۔ ابو عبیدہ نے عَمَد کو پسند کیا ہے اسی طرح ابو حاتم کی رائے ہے وہ اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے ہیں رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (الرعد: 2) اس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ستونوں کے جن کو تم دیکھو۔

اس آیت میں علماء نے عَمَد پر اتفاق کیا ہے۔ جوہری نے کہا: العمود سے مراد گھر کے ستون ہوتے ہیں اس کی جمع قلت اعمدۃ ہے جمع کثرت عُمُد اور عَمَد ہے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں اس لفظ عمد کو دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا: عمود ہر ایسی چیز کو کہتے ہیں جو لمبی ہو خواہ وہ لکڑی کی ہو یا لوہے کی ہو یہ تعمیر کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح عماد کی حیثیت ہوتی ہے جس طرح جملہ بولتے ہیں: عمدتُ الشئ فانعَمَدَ میں نے اسے عماد کے ذریعے سیدھا کیا جس پر اس کا انحصار تھا۔ اعمدتہ یعنی میں نے اس کے نیچے ستون (سہارا والی چیز) بنائی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 320

سورة الفيل

(آیاتھا ۵) (۱۰۵ سُوْرَةُ الْفِيْلِ مَكِّيَّةٌ ۱۹) (رکوعھا ۱)

علماء کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکی ہے۔اس کی پانچ آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ ۝

''کیا آپ نے ملاحظہ نہیں کیا کہ آپ کے رب نے ہاتھیوں والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا؟''۔

اس میں پانچ مسائل ہیں:

استفہام سے مراد تقریر ہے

مسئلہ نمبر 1۔ اَلَمْ تَرَ یعنی کیا آپ کو خبر نہیں دی گئی؟ ایک قول یہ کیا گیا: کیا آپ علم نہیں رکھتے (1)؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سنا؟ لفظ (ہمزہ) تو استفہام کا ہے معنی تقریر کا دے رہا ہے خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے لیکن حکم عام ہے یعنی کیا آپ کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھی والوں کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا یعنی یقینا تمہیں علم ہے اور جہاں میں نے تم پر احسان کیا تھا اس جگہ کو تم جانتے ہو۔ تو تمہیں کیا ہو گیا ہے تم ایمان نہیں رکھتے۔ كَيْفَ محل نصب میں ہے اس کا عامل فعل ہے اَلَمْ تَرَ نہیں کیونکہ اس میں استفہام کا معنی موجود ہے۔

فیل کی لغوی تشریح

مسئلہ نمبر 2۔ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ فیل (ہاتھی) ایک معروف جانور ہے اس کی جمع أفیال، فُیول اور فِیلہ آتی ہے۔ ابن سکیت نے کہا: تو افیلة نہ کہہ اس کی مونث فیلة ہے اس کے مالک سوار کو فَیّال کہتے ہیں۔ سیبویہ نے کہا: یہ جائز ہے کہ فیل کا اصل وزن فُعل ہو تو یاء کی وجہ سے اسے کسرہ دیا جائے گا، جس طرح کہا جاتا ہے: اَبْیَض، بِیْض۔ اخفش نے کہا کہ فُعل کو فِعل بنانا یہ واحد کے صیغہ میں نہیں ہوتا یہ صرف جمع کے صیغہ میں ہوتا ہے۔ ایک جملہ بولا جاتا ہے: رجل فیل الرأی ایسا آدمی جس کی رائے کمزور ہو اس کی جمع افیال ہے اسی طرح رجل فال ایسے آدمی کو کہتے ہیں جس کی رائے کمزور ہو اور فہم و فراست میں خطا کرنے والا ہو۔ اس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فال الرأی یَفِیلُ فَیُولَةً اسی طرح فیل رأیة تفییلا اس نے اپنی رائے کو کمزور کیا فھو فَیّل الرأی۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 321

اصحاب فیل کا واقعہ

مسئلہ نمبر 3۔ اصحاب فیل کا واقعہ۔ اس کی وجہ یہ بنی کہ ابرہہ نے صنعا میں قلیس بنایا یہ ایک گرجا تھا روئے زمین پر اس زمانہ میں اس کی مثل کوئی چیز نہ دیکھی گئی اور وہ نصرانی تھا پھر اس نے نجاشی کو خط لکھا: اے بادشاہ! میں نے تیرے لیے گرجا بنایا ہے جو بادشاہ آپ سے پہلے گزرے ہیں ان کے لیے ایسا گرجا نہیں بنایا گیا تھا میں اس سلسلہ کو اس وقت تک ختم نہ کروں گا یہاں تک کہ میں عربوں کے حج کو اس طرف پھیر دوں۔ جب عربوں کو ابرہہ کے خط کا پتہ چلا جو اس نے نجاشی کی طرف لکھا تھا تو نسأة (1) کا ایک آدمی اس پر غضبناک ہو گیا وہ اپنے گھر سے چلا اور گرجا میں آیا وہاں قضائے حاجت کی پھر وہاں سے نکلا اور اپنے علاقہ میں چلا گیا۔ اس کے بارے میں ابرہہ کو آگاہ کیا گیا۔ اس نے پوچھا: یہ کس نے کیا ہے؟ اسے بتایا گیا: یہ کام بیت اللہ شریف سے عقیدت رکھنے والوں میں سے ایک نے کیا ہے وہ بیت اللہ جو مکہ مکرمہ میں ہے جس کی طرف حج کرتے ہیں جب اس نے تیرے قول کو سنا کہ میں عربوں کے حج کو اس کی طرف پھیر دوں گا وہ آدمی غضبناک ہو گیا وہ آیا اور اس نے پاخانہ کر دیا یعنی یہ جگہ اس کے اہل نہیں۔ یہ بات سن کر ابرہہ غضبناک ہوا اور قسم اٹھائی وہ بیت اللہ کی طرف جائے گا اور اس کو گرا دے گا۔ اس نے ایک آدمی بنو کنانہ کی طرف بھیجا تاکہ وہ بنو کنانہ کو اس گرجا کے حج کی دعوت دے، بنو کنانہ نے اس آدمی کو قتل کر دیا اس قتل نے ابرہہ کے غصہ میں اور اضافہ کیا پھر اس نے حبشیوں کو حکم دیا تو انہوں نے حملہ کی تیاری کی پھر وہ چلا اور ہاتھیوں کو بھی ساتھ لیا عربوں نے اس بارے میں سنا تو انہوں نے اس امر کو عظیم جانا اور اس وجہ سے گھبرائے اور یہ خیال کیا کہ اس کے خلاف جنگ کرنا ہم پر فرض ہے جب انہوں نے یہ سنا تھا کہ یہ بیت اللہ شریف کو گرانے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اہل یمن کے معززین اور اس کے بادشاہوں میں سے ایک آدمی ذونفر اس کام کے لیے نکل کھڑا ہوا اس نے اپنی قوم کو دعوت دی اور عربوں میں سے جو بھی ابرہہ سے جنگ کرنے کے لیے تیار تھا اور بیت اللہ شریف کے دفاع کے لیے تیار تھا سب کو دعوت دی کیونکہ ابرہہ بیت اللہ شریف کو گرانا چاہتا تھا اور اسے برباد کرنا چاہتا تھا تو اس کی آواز پر لبیک کہا جس نے بھی کہا۔ پھر وہ ذونفر ابرہہ کے بالمقابل آیا اس سے جنگ کی ذونفر اور اس کے ساتھیوں کو شکست ہوئی۔ ذونفر پکڑا گیا تو اسے ابرہہ کے سامنے پیش کیا گیا جب ابرہہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو ذونفر نے اسے کہا: اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر ممکن ہے میرا تیرے ساتھ باقی رہنا تیرے حق میں میرے قتل سے بہتر ہو۔ ابرہہ نے اسے قتل کرنے کا ارادہ ترک کیا اور اپنے ہاں قید کر دیا ابرہہ ایک بردبار آدمی تھا۔ پھر ابرہہ اپنے راستہ پر چلتا رہا جس مقصد کے لیے وہ نکلا تھا اس کا ارادہ کرتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ خثعم کے علاقہ میں تھا تو نفیل بن حبیب خثعمی اپنے دو قبیلوں شہران اور ناہس اور اپنے پیروکار عرب قبائل کے ساتھ سامنے آ گیا۔ ابرہہ سے جنگ کی اور ابرہہ نے اسے شکست دے دی نفیل کو پکڑ لیا گیا۔ اسے ابرہہ کے پاس لایا گیا جب ابرہہ نے نفیل کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تو نفیل نے کہا: اے بادشاہ! مجھے قتل نہ کر میں عرب علاقے میں تیرا رہنما بنتا ہوں یہ میرے دونوں ہاتھ

1۔ النساۃ ان لوگوں کو کہتے جو دور جاہلیت میں عربوں پر مہینوں کو آگے پیچھے کرنے کا فیصلہ کیا کرتے تھے جس کے بارے میں قرآن میں بھی یہ حکم ہے بے شک مہینے کو آگے پیچھے کرنا کفر میں زیادتی ہے۔

میرے دونوں قبیلوں شہران اور ناہس کی جانب سے حکم سننے اور طاعت کرنے پر تیری بیعت کرتے ہیں۔اس نے نفیل کو چھوڑ دیا اور اسے ساتھ لے لیا تا کہ وہ راہنمائی کرے یہاں تک کہ ابرہہ جب طائف پہنچا تو مسعود بن معتب بنو ثقیف کے چند لوگوں کے ساتھ نکلا انہوں نے ابرہہ سے کہا: اے بادشاہ! ہم تیرے غلام ہیں، تیرے حکم سننے والے اور تیرے حکم کی اطاعت کرنے والے ہیں ہمارا تیرے ساتھ کوئی جھگڑا نہیں ہمارا یہ گھر یعنی لات وہ گھر نہیں جس کا تو ارادہ کرتا ہے جس گھر کا تو ارادہ رکھتا ہے وہ مکہ مکرمہ میں ہے، ہم تیرے ساتھ وہ آدمی بھیج دیتے ہیں جو تیری راہنمائی کرے گا۔ابرہہ نے ان سے درگزر کیا اور ابرہہ کے ساتھ ابورغال کو بھیج دیا یہاں تک کہ اسے مغمس کے ہاں ٹھہرایا جب اسے وہاں پڑاؤ کروایا تو ابورغال مرگیا عرب اس کی قبر پر پتھر مارتے ہیں مغمس میں یہ وہی قبر ہے جس پر لوگ پتھر مارتے ہیں۔اس بارے میں شاعر کہتا ہے:

وأرجم قبرہ فی کل عام   کرجم الناس قبر أبی رغال

میں ہر سال اس کی قبر پر پتھر مارتا ہوں جس طرح لوگ ابورغال کی قبر پر پتھر مارتے ہیں۔

جب ابرہہ مغمس میں ٹھہرا تو اس نے ایک حبشی کو ایک گھڑسوار دستے کے ساتھ بھیجا جس کو اسود بن مقصود کہتے وہ مکہ مکرمہ پہنچا تو اس نے اہل تہامہ یعنی قریش اور دوسرے لوگوں کے اموال ہانک لیے اور اس مال میں حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے دوسو اونٹ بھی پائے۔ان دنوں وہ قریش کے بزرگ اور سردار تھے۔قریش، کنانہ، ہذیل اور جو لوگ حرم میں تھے انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ ابرہہ کا مقابلہ کریں پھر انہیں علم ہوگیا وہ ابرہہ کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تو انہوں نے اس کا ارادہ ترک کر دیا۔ابرہہ نے حناطہ حمیری کو مکہ مکرمہ بھیجا اسے کہا: اس شہر کے سردار اور معزز آدمی کے بارے میں سوال کر پھر اسے کہہ: بادشاہ کہتا ہے میں تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے نہیں آیا میں تو اس گھر کو گرانے آیا ہوں اگر تم جنگ کرنے کے لیے میرے سامنے نہیں آؤ گے تو تمہارے خونوں سے ہولی کھیلنے میں مجھے کوئی غرض نہیں اگر وہ مجھ سے جنگ نہ کرنا چاہتا ہو تو اسے میرے پاس لے آنا۔جب حناطہ مکہ مکرمہ میں داخل ہوا تو اس نے قریش کے سردار اور معزز آدمی کے بارے میں پوچھا تو اسے بتایا گیا وہ عبدالمطلب بن ہاشم ہے وہ حضرت عبدالمطلب بن ہاشم کے پاس آیا اور ابرہہ نے اسے جو پیغام دیا تھا وہ پیغام آپ کو دے دیا۔عبدالمطلب نے اسے کہا: اللہ کی قسم! ہم جنگ کا ارادہ نہیں رکھتے اور نہ ہمارے اندر اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت ہے یہ بیت اللہ الحرام ہے اور اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم کا گھر ہے اگر اللہ تعالیٰ ابرہہ سے اس کا دفاع کرے تو یہ اس کا حرم اور اس کا گھر ہے اگر وہ اس کے لیے حلال کر دے تو اللہ کی قسم! ہمارے پاس تو اس کا دفاع کرنے کی کوئی طاقت نہیں۔حناطہ نے اسے کہا: اس کے پاس چلیے بادشاہ نے مجھے حکم دیا کہ میں تجھے اس کے پاس لے چلوں۔حضرت عبدالمطلب اس کے ساتھ گئے جب کہ کچھ بیٹے بھی آپ کے ساتھ تھے یہاں تک کہ لشکر میں پہنچے انہوں نے ذی نفر کے بارے میں پوچھا جو حضرت عبدالمطلب کا دوست تھا حضرت عبدالمطلب اس کے پاس گئے جب کہ وہ ابرہہ کی قید میں تھا اسے فرمایا: اے ذونفر! جو مصیبت ہم پر آئی ہے کیا اس سے بچاؤ کی صورت بھی ہے تو ذونفر نے کہا: ایک آدمی جو بادشاہ کی قید میں ہے وہ کیا فائدہ دے سکتا ہے جو اس انتظار میں ہے کہ بادشاہ اسے صبح قتل کر دے یا شام قتل کر دے، جو مصیبت تم پر پہنچی ہے اس بارے میں تو تمہیں

کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتا مگر انیس جو ہاتھی کا سائس ہے وہ میرا دوست ہے میں اس کی طرف پیغام بھیجتا ہوں میں اسے تیرے بارے میں تاکیدی بات کرتا ہوں اور تیرے حق کو اس پر عظیم گردانتا ہوں اور میں اس سے سوال کرتا ہوں کہ وہ بادشاہ سے تیری ملاقات کی اجازت مانگے تو جو مناسب سمجھے اس سے بات کر لینا اگر اسے کچھ اختیار ہوا تو وہ تیرے بارے میں سفارش کرے گا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا: یہ میرے لیے کافی ہے۔ ذونفر نے انیس کی طرف پیغام بھیجا ذونفر نے انیس سے کہا: عبدالمطلب قریش کے سردار ہیں، مکہ مکرمہ کے چشمہ کے مالک ہیں، میدانی علاقہ میں لوگوں کو کھانا کھلاتے ہیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں کو کھانا کھلاتے ہیں، بادشاہ نے ان کے دو سو اونٹ پکڑ لیے ہیں انہیں ملاقات کی اجازت لے دیں اور جتنی طاقت رکھتے ہو اتنا انہیں نفع پہنچائیں۔ انیس نے کہا: میں ایسا کروں گا۔ انیس نے ابرہہ سے گفتگو کی انیس نے کہا: اے بادشاہ! قریش کا سردار تیرے دروازے پر موجود ہے جو تجھ سے ملاقات کی اجازت چاہتا ہے وہ مکہ مکرمہ کے چشمہ کا مالک ہے، وہ میدانی علاقوں میں لوگوں کو کھانا کھلاتا ہے اور پہاڑوں کی چوٹیوں پر وحشی جانوروں کو کھانا کھلاتا ہے اسے اندر آنے کی اجازت دیجئے تا کہ وہ آپ سے اپنی حاجت بیان کر سکے۔ ابرہہ نے آپ کو اجازت دے دی۔

حضرت عبدالمطلب بڑے وجیہ، عظیم اور خوبصورت آدمی تھے جب ابرہہ نے آپ کو دیکھا تو انہیں بڑا ذیشان جانا اور انہیں نیچے بٹھانے سے ماورا سمجھا ابرہہ اپنے تخت سے نیچے اتر آیا اور اپنے قالین پر بیٹھ گیا اور حضرت عبدالمطلب کو اپنے پہلو میں بٹھایا۔ پھر اس نے اپنے ترجمان سے کہا: انہیں کہو یہ اپنی حاجت کا ذکر کرے تو ترجمان نے حضرت عبدالمطلب سے یہ بات کہی حضرت عبدالمطلب نے کہا میری حاجت یہ ہے کہ بادشاہ میرے وہ دو سو اونٹ واپس کر دے جو اس نے پکڑ رکھے ہیں۔ جب ترجمان نے ابرہہ کو یہ بات بتائی تو ابرہہ نے اپنے ترجمان سے کہا: اسے کہو جب میں نے تجھے دیکھا تھا تو نے مجھے حیرت میں ڈال دیا تھا، جب تو نے گفتگو کی تو میرے ہاں تیرا وہ وقار باقی نہ رہا۔ کیا تو مجھ سے ان دو سو اونٹوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جو میں نے پکڑ لیے ہیں جب کہ تو اس گھر کو چھوڑ رہا ہے جو تیرا اور تیرے آباء کا دین ہے اور میں اس گھر کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ تو اس کے بارے میں گفتگو نہیں کرتا۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا: میں تو صرف اونٹوں کا مالک ہوں بے شک اس گھر کا بھی ایک رب ہے جو اس کی حفاظت کرے گا۔ ابرہہ نے ان کے اونٹ واپس کر دیئے۔ حضرت عبدالمطلب قریش کی طرف واپس چلے گئے۔ انہیں تمام واقعہ بتایا اور انہیں حکم دیا کہ وہ مکہ مکرمہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں کی چوٹیوں میں چھپ جائیں کیونکہ انہیں دشمن کے لشکر کی جانب سے اذیت کا خوف تھا۔ پھر حضرت عبدالمطلب اٹھے بیت اللہ شریف کے دروازہ کا حلقہ پکڑا اور ان کے ساتھ قریش کی ایک جماعت بھی کھڑی ہوئی وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے اور ابرہہ اور اس کے لشکر کے خلاف مدد کے طالب تھے۔ حضرت عبدالمطلب نے کہا: جب کہ وہ بیت اللہ شریف کے دروازے کا حلقہ پکڑے ہوئے تھے:

لاهُمَّ إِنَّ الْعَبْدَ يَمْ نَعُ رَحْلَهُ فَامْنَعْ حِلَالَكْ
لَا يَغْلِبَنَّ صَلِيبُهُمْ وَمِحَالُهُمْ عَدْوًا مِحَالَكْ

إنْ يَدْخلوا البلد الحرا م فأمْرٌ ما بَدَا لَكْ

"اے اللہ! بندہ اپنے کجاوے کی حفاظت کرتا ہے تو اپنے حرم کے باسیوں کی حفاظت فرما۔ ان کی صلیب اور ان کا مکر زمانہ قریب میں تیری تدبیر پر غالب نہ آجائے۔ اگر وہ بلد حرام میں داخل ہوں تو جو مناسب سمجھے ان کے ساتھ معاملہ کر۔"

فأمرٌ ما بَدَا لَكْ سے مراد ہے ایسی چیز جو تجھے مناسب لگے اور وہ ایسی چیز ہے جو ہمارے بارے میں نہیں کیا کرتا تھا۔ حلال، حل کی جمع ہے اور محال کا معنی قوت ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب حضرت عبدالمطلب نے بیت اللہ شریف کے دروازے کا حلقہ پکڑا تو کہا:

يا ربِّ لا أرْجو لَهُمْ سِواكا يا ربِّ فامنعَ منهم حِماك

إنّ عدوّ البيت مَنْ عاداك إنهُمْ لم يقهروا قُواكا

اے میرے رب! میں تیرے سوا ان کے بارے میں کسی سے کوئی امید نہیں کرتا اے میرے رب! ان سے اپنی چراگاہ کی حفاظت فرما، بے شک تیرے گھر کا دشمن تجھ سے دشمنی کرنے والا ہے وہ تیری طاقت پر غالب نہیں آسکتے۔

عکرمہ بن عامر بن ہاشم بن عبد مناف بن عبدالدار بن قصی نے کہا:

لاهُمَّ أخزِ الأسودَ بن مقصود الآخِذَ الهَجْمَةَ فيها التَّقْلِيدْ

بين حِراءِ وثَبِيرٍ فالبِيدْ يحبسها وهى أولات التطريدْ

فضمها الى طماطِمٍ سُودْ قَدْ أجْمَعُوا ألَّا يكون مَعْبُودْ

ويهدموا البيتَ الحرامَ المَعْمُودْ والمرْوَتَينِ والمَشَاعِرَ السُّودْ

أخفِره يا ربِّ وأنت محمود

اے اللہ! اسود بن مقصود کو ذلیل و رسوا کر جس نے سو کے قریب اونٹوں کو پکڑ لیا جن کے گلوں میں قلادے تھے، وہ حرا، ثبیر کے درمیان تھے کھلے میدان نے انہیں محبوس کر رکھا تھا وہ پے در پے آنے والے ہیں۔ اس نے ان اونٹوں کو کالے عجمی کافر کے سپرد کر دیا انہوں نے اس پر اتفاق کر لیا ہے کہ کوئی معبود نہ ہو اور یہ ارادہ کر لیا ہے کہ وہ بیت حرام کو گرا دیں جس کا قصد کیا جاتا ہے وہ صفا و مروہ کے آثار مٹا دیں اور حجر اسود کو مٹا دیں اے میرے رب! اس کے عزم کو خاک میں ملا دے بے شک تو محمود ہے۔

ابن اسحاق نے کہا: پھر حضرت عبدالمطلب نے بیت اللہ شریف کے دروازے کا حلقہ چھوڑ دیا پھر وہ اور آپ کے ساتھی قریشی پہاڑوں کی چوٹیوں کی طرف چلے گئے وہاں انہوں نے پناہ لی اور انتظار کرنے لگے کہ ابرہہ مکہ مکرمہ میں داخل ہو کر کیا کرتا ہے؟ جب ابرہہ نے صبح کی تو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کی تیاری کی اور اپنے ہاتھی کو تیار کیا اپنے لشکر کو صف آرا کیا ہاتھی کا نام محمود تھا اور ابرہہ بیت اللہ شریف کو گرانے کا قصد کرنے والا تھا پھر یمن جانے کا ارادہ کر رہا تھا۔ جب انہوں نے مکہ مکرمہ کی طرف ہاتھی کو لے جانا چاہا تو نفیل بن حبیب آگے بڑھا یہاں تک کہ وہ ہاتھی کے پہلو میں جا کھڑا ہوا پھر اس کا کان پکڑا اسے کہا: اے محمود! بیٹھ جا جہاں سے آیا تھا اس کی طرف لوٹ جا کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کے حرمت والے شہر میں ہے پھر اس کا کان چھوڑ

دیا ہاتھی بیٹھ گیا نفیل بن حبیب دوڑتا ہوا نکل گیا یہاں تک کہ وہ پہاڑ پر چڑھ گیا انہوں نے ہاتھی کو اٹھانے کے لیے مارا تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا انہوں نے اس کے سر میں کلہاڑا مارا تا کہ وہ اٹھے تو اس نے اٹھنے سے انکار کر دیا انہوں نے اس کے پیٹ میں ایسے عصا مارے جس کے سرے مڑے ہوئے تھے انہوں نے اسے لہولہان کر دیا تا کہ وہ اٹھے تو اس نے پھر بھی انکار کر دیا انہوں نے اس کا منہ یمن کی طرف کیا تو وہ دوڑ پڑا انہوں نے اس کا منہ شام کی طرف کیا تو پھر بھی اس نے اسی طرح کیا تو وہ دوڑ پڑا انہوں نے اس کا منہ مشرق کی طرف کیا تو اس نے اس طرح کیا انہوں نے اس کا منہ مکہ مکرمہ کی طرف کیا تو وہ بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے ان پر پرندے بھیجے جو خطاطیف (1) اور بلسان (2) جیسے تھے ہر پرندے کے ساتھ تین پتھر تھے ایک پتھر اس کی چونچ میں تھا دو پتھر اس کے پاؤں میں تھے جو چنے اور مسور کی دال کے درمیان تھے لشکر والوں میں سے جسے بھی وہ پہنچتا وہ ہلاک ہو جاتا وہ سب کو نہ لگے وہ بھاگتے ہوئے نکلے وہ اس راستہ پر جلدی جلدی جا رہے تھے جس سے وہ آئے تھے وہ نفیل بن حبیب کے بارے میں پوچھ رہے تھے تا کہ یمن کے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کرے اللہ تعالیٰ نے جو عذاب ان پر نازل کیا تھا جب نفیل نے وہ دیکھا تو کہا:

أَيْنَ المَفَرُّ والإلَهُ الطَّالِبُ والأشْرَمُ المغلوبُ لَيْس الغالبُ

اب بھاگنے کے لیے کہاں جگہ ہے جب کہ اللہ تعالیٰ تلاش میں ہوا شرم مغلوب ہے وہ غالب نہیں۔

اس نے یہ بھی کہا:

حَمِدْتُ الله إذا أبصرتُ طَيْرًا وخِفت حِجَارة تُلْقَى علينا
فكلُّ القومِ يسأل عن نُفَيلٍ كأنَّ عَلَيَّ لِلْحُبْشَانِ دَيْنًا

جب میں نے پرندوں کو دیکھا تو میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی وہ ان پتھروں سے ڈر رہا تھا جو ہم پر پھینکے جا رہے تھے تمام نفیل کے بارے میں پوچھ رہے تھے گویا حبشیوں کا مجھ پر کوئی قرض تھا۔

وہ ہر راستہ پر گرتے پڑتے نکل پڑے، وہ ہر میدانی جگہ میں مرتے جا رہے تھے ابرہہ کے جسم میں بیماری لگ گئی وہ اسے لے کر نکل پڑے اس سے پورا پورا گر رہا تھا جب بھی اس سے پورا بھر حصہ گرتا اس سے پیپ نمودار ہوتی اور خون اور پیپ پھوٹ پڑتی یہاں تک کہ وہ اسے صنعاء لے آئے وہ پرندے کے ایک چوزے کی طرح تھا اسے اس وقت موت واقع نہ ہوئی یہاں تک کہ اس کے دل کی جگہ سے اس کا سینہ پھٹ گیا۔ اسی طرح علماء نے گمان کیا ہے۔

کلبی اور مقاتل بن سلیمان (ہر ایک دوسرے سے کچھ کم و بیش نقل کرتا ہے) نے کہا: ابرہہ کے حملہ کا سبب یہ تھا کہ قریش کے کچھ لوگ نجاشی کے ملک کی طرف تاجر کی حیثیت سے نکلے تو وہ سمندر کے کنارے عیسائیوں کے ایک کلیسا کے پاس اترے جسے نصاریٰ ہیکل کہتے انہوں نے کھانا پکانے کے لیے آگ جلائی اس آگ کو اسی طرح چھوڑ دیا اور کوچ کیا آگ پر تیز ہوا چلی تو اس کلیسا پر آگ بھڑکا دی جس سے وہ جل گیا۔ خبر دینے والا نجاشی کے پاس آیا اور اسے واقعہ سنایا وہ غصہ سے بھڑک اٹھا اس

1۔ لمبے بازوؤں والا اور چھوٹے پاؤں والا سیاہ رنگ کا پرندہ۔
2۔ چڑیا سے بڑا پرندہ بعض مکمل کالے اور بعض چتکبرے ہوتے ہیں۔

کے پاس ابرہہ بن صباح، حجر بن شرحبیل اور ابو یکسوم کندیون آئے اور ضمانت اٹھائی کہ وہ کعبہ کو جلائیں گے اور اہل مکہ کو قیدی بنا کر لائیں گے۔ نجاشی بادشاہ تھا اور ابرہہ امیر لشکر تھا ابو یکسوم بادشاہ کا ہم پیالہ تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ اس کا وزیر تھا اور حجر بن شرحبیل اس کے قائدین میں سے ایک تھا(1)۔ مجاہد نے کہا: ابو یکسوم ہی ابرہہ تھا۔ وہ سب چلے ان کے ساتھ ہاتھی تھا۔ اکثر علماء کی رائے ہے کہ ہاتھی ایک ہی تھا۔ ضحاک نے کہا: آٹھ ہاتھی تھے۔ وہ ذی مجاز کے مقام پر اترے اور مکہ کے جانور ہانک لیے جن میں حضرت عبدالمطلب کے اونٹ بھی تھے چرواہا خبردار کرنے کے لیے آیا وہ صفا پر چڑھا اور بلند آواز سے اعلان کیا واصباحاہ۔ پھر لوگوں کو لشکر اور ہاتھیوں کے آنے کی خبر دی۔ حضرت عبدالمطلب نکلے اور ابرہہ کے پاس گئے اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا۔ نجاشی کے بارے میں اختلاف ہے کیا وہ ان لوگوں کے ساتھ تھا؟ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ نجاشی بھی ان کے ساتھ تھا، اکثر علماء کی رائے ہے کہ وہ ان کے ساتھ نہیں تھا اہل مکہ نے پرندے دیکھے جو سمندر کی جانب سے آئے تھے حضرت عبدالمطلب نے کہا: یہ پرندے ہمارے علاقہ میں اجنبی ہیں نہ یہ نجد، نہ یہ حجاز اور نہ ہی تہامہ کے علاقہ کے ہیں یہ تو شہد کی مکھیوں کے امیر کی طرح ہیں۔ ان کی چونچوں اور پاؤں میں پتھر تھے جب وہ ابرہہ کے لشکر کے پاس آئے تو ان پتھروں کو ان پر پھینکا تو وہ ہلاک ہو گئے۔

عطا بن رباح نے کہا: پرندے پچھلے پہر آئے انہوں نے رات گزاری پھر اگلے دن ان پر صبح کی اور ان پر پتھر پھینکے۔ کلبی نے کہا: ان کی چونچوں میں ایسی ٹھیکری تھی جو ناخن پر رکھ کر پھینکی جا سکتی ہے یہ جھنڈ کے جھنڈ آئے ایک پرندہ تھا جو ان کی قیادت کر رہا تھا جس کی چونچ سرخ اور سیاہ، گردن لمبی تھی جب وہ لشکر کے پاس پہنچے تو اپنی چونچوں میں موجود چیز کو نیچے والے افراد پر پھینکا ہر پتھر پر مقتول کا نام لکھا ہوا تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا: ہر پتھر پر لکھا ہوا تھا جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی وہ نجات پا گیا اور جس نے اس کی نافرمانی کی وہ گمراہ ہو گیا پھر جہاں سے وہ پرندے آئے تھے اس کی طرف لوٹ گئے۔ عوفی نے کہا: میں نے حضرت ابو سعید خدری سے اس بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: مکہ مکرمہ کے کبوتر انہیں میں سے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: پتھر ان میں سے کسی کے خود پر پڑتا تو اسے پھاڑ دیتا پھر وہ اس کے دماغ میں لگتا وہ ہاتھی اور جانوروں کو پھاڑ دیتا اور سختی سے گرنے کی وجہ سے زمین میں غائب ہو جاتا۔ ابرہہ کا لشکر ساٹھ ہزار افراد کا تھا ان کے امیر کے سوا کوئی واپس نہ لوٹا۔ وہ لوٹا اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی جماعت تھی جب انہوں نے اپنے مشاہدہ کو لوگوں پر بیان کیا تو وہ بھی ہلاک ہو گئے۔

واقدی نے کہا: ابرہہ اس نجاشی کا دادا تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ہوا ابرہہ ہی اشرم ہے اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس کی ارباط کے ساتھ جنگ ہوئی تھی یہاں تک کہ دونوں ایک دوسرے کی طرف چلے پھر ان دونوں کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ وہ دونوں باہم مقابلہ کریں گے جو بھی غالب آ گیا حکومت اس کی ہو گی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دعوت مبارزت دی ارباط بڑا موٹا تازہ بھاری بھرکم انسان تھا اس کے ہاتھ میں نیزہ تھا جب کہ ابرہہ چھوٹے قد اور گٹھے جسم والا تھا بردبار اور نصرانیت میں بڑا پختہ تھا اس نے ابرہہ کے سر پر وار کیا جو اس کی پیشانی پر لگا جس نے اس کی آنکھ، ناک، پیشانی اور

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 322

ہونٹ کو زخمی کر دیا اسی وجہ سے اسے اشرم کہتے ہیں عتودہ نے ارياط پر حملہ کر دیا اور اسے قتل کر دیا حبشہ کی حکومت ابرہہ کے ہاتھ آ گئی نجاشی غضبناک ہو گیا اس نے قسم اٹھائی کہ وہ ابرہہ کی پیشانی کے بالوں کو کاٹے گا اور اس کے ممالک کو روند ڈالے گا ابرہہ نے اپنے بال کاٹے اور اپنے علاقہ کی مٹی سے ایک توشہ دن بھرا اور دونوں چیزیں نجاشی کی طرف بھیج دیں اور کہا: وہ بھی تیرا غلام تھا اور میں بھی تیرا غلام ہوں میں حبشہ کے معاملات چلا رہا ہوں میں نے اپنی پیشانی کے بالوں کو کاٹا ہے اور اپنے ملک کی مٹی بھی تیری طرف بھیجی ہے تا کہ تو اسے روندے اور اپنی قسم پور کرے۔ اس طرح نجاشی اس پر راضی ہو گیا پھر ابرہہ نے صنعاء میں ایک کنیسہ بنایا تا کہ عرب کے حاجیوں کو اس کی طرف پھیر دے۔

عام الفیل اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت

مسئلہ نمبر 4۔ مقاتل نے کہا: عام الفیل نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے چالیس سال پہلے کا واقعہ ہے (1)۔ کلبی اور عبید بن عمیر نے کہا: یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے تیئس سال پہلے کا واقعہ ہے۔ صحیح روایت وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ فرمایا: ''میں عام الفیل کو پیدا ہوا''۔ ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ یوم الفیل فرمایا۔ ماوردی نے اپنی تفسیر میں یہ کہا۔ اور کتاب ''اعلام النبوۃ'' میں کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیر کے روز بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ اصحاب الفیل کے واقعہ کے پچاس دن بعد آپ کی ولادت ہوئی تھی یہ رومیوں کے مہینوں کے فروری کے مہینے کے موافق بنتا ہے اور ہرمز بن انوشیروان کے بارہویں سال کے موافق بنتا ہے۔

ابو جعفر طبری نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت نوشیروان بادشاہ کو بیالیس سال گزر جانے پر ہوئی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ حضرت آمنہ نے محرم کے عاشوراء کے روز سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رحم میں لیا اور رمضان شریف کے بارہ دن گزر چکے تھے کہ پیر کے روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی آپ کے حمل کی مدت آٹھ ماہ اور دو دن تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت محرم کے مہینے کے یوم عاشوراء کے دن ہوئی تھی، اسے ابن شاہین ابوحفص نے یوم عاشوراء کے فضائل میں بیان کیا۔ ابن عربی نے کہا: ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عام الفیل کو پیدا ہوئے (2)۔ حضرت قیس بن مخرمہ نے کہا: میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھی والے سال میں پیدا ہوئے (3)۔ لوگوں نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے فرمایا: آدمی کی مروت میں سے ہے کہ وہ اپنی عمر کے بارے میں نہ بتائے کیونکہ اگر وہ چھوٹا ہوگا تو لوگ اس کو حقیر جانیں گے اگر وہ بڑا ہوگا تو اسے بوڑھا خیال کریں گے۔ یہ ضعیف قول ہے کیونکہ امام مالک سے یہ توقع نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر بتائیں اور اپنی عمر کو پوشیدہ کریں جب کہ جن علماء کی اقتدا کی جاتی ہے ان میں سے یہ عظیم ہیں۔

عبد الملک بن مروان نے حضرت عتاب بن اسید سے کہا: تو بڑا ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم؟ تو اس نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 338 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1980

3۔ جامع ترمذی، کتاب المناقب، باب ما جاء فی میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حدیث نمبر 3552، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

مجھ سے ابتدا میں بڑے ہیں اور میں عمر میں ان سے زیادہ ہوں۔ نبی کریم ﷺ عام الفیل کو پیدا ہوئے جب کہ میں نے ہاتھی کے سائس اور اس کے قائد کو اندھا اور اپاہج دیکھا ہے وہ دونوں لوگوں سے کھانا طلب کرتے تھے۔ ایک قاضی سے کہا گیا: تیری عمر کتنی ہے؟ اس نے جواب دیا: جب نبی کریم ﷺ نے حضرت عتاب بن اسید کو مکہ مکرمہ کا والی بنایا تو اس وقت اس کی عمر بیس سال سے کم تھی۔

اصحاف فیل کا واقعہ معجزہ نبی ﷺ

مسئلہ نمبر 5۔ ہمارے علماء نے کہا: ہاتھی والا قصہ معجزات نبوی میں سے ہے اگرچہ یہ آپ ﷺ کی پیدائش اور چیلنج سے قبل ہوا کیونکہ یہ واقعہ آپ کے امر کی تاکید اور آپ کی شان کی تمہید تھا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے اس سورت کی تلاوت کی تو اس وقت مکہ مکرمہ میں بے شمار لوگ ایسے تھے جنہوں نے اس واقعہ کا مشاہدہ کیا تھا اسی وجہ سے فرمایا: اَلَمْ تَرَ مکہ مکرمہ میں کوئی ایسا آدمی نہ تھا مگر اس نے ہاتھی کی قیادت کرنے والے اور اس کے ہانکنے والے کو اندھا دیکھا جو لوگوں سے سوال کرتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے چھوٹی عمر کے باوجود یہ کہا: میں نے ہاتھی کے قائد اور اس کے سائس (ہانکنے والے) کو اندھا دیکھا جو لوگوں سے کھانا مانگتے تھے۔ ابو صالح نے کہا: میں نے حضرت ام ہانی جو ابو طالب کی بیٹی تھیں کے گھر میں ان پتھروں کے تقریباً دو قفیز دیکھے جو سیاہ تھے اور سرخ لکیریں ان پر موجود تھیں۔

اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ۝

''کیا اللہ تعالیٰ نے ان کے مکر وفریب کو ناکام نہیں بنا دیا۔

تضلیل کا معنی باطل کرنا اور ضائع کرنا ہے کیونکہ ہاتھی والوں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ وہ قریش کو قتل کریں گے اور انہیں گرفتار کریں گے اور بیت اللہ شریف کے بارے میں انہوں نے ارادہ کیا تھا کہ وہ اسے برباد کر دیں گے۔ حضرت عبد المطلب سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے حضرت عبد اللہ کو بھیجا کہ وہ دیکھے کہ انہوں نے پرندوں سے کیا پایا ہے تو حضرت عبد اللہ کیا دیکھتے ہیں کہ سب لوگ ٹکڑے ٹکڑے پڑے ہیں وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے آئے ان کی ران سے کپڑا ہٹا ہوا تھا جب انہیں ان کے والد نے دیکھا تو فرمایا: میرا یہ بیٹا عربوں میں سے شاہسوار ہے اس نے ران سے کپڑا نہیں ہٹایا مگر بشارت دینے کی وجہ سے یا ڈرانے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔ جب وہ مجلس کے قریب ہوئے کہ وہ اپنی آواز لوگوں کو سنا سکتے تھے لوگوں نے پوچھا: پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو؟ تو فرمایا: سب لوگ ہلاک ہو گئے۔ حضرت عبد المطلب اور ان کے ساتھی نکلے انہوں نے ابرہہ کے لشکر میں مرنے والے لوگوں کا سامان لے لیا بنی عبد المطلب کے اموال اسی وجہ سے بنے اور اسی مال کی وجہ سے حضرت عبد المطلب کی سرداری (1) مکمل ہوئی کیونکہ سونے اور چاندی میں سے جو چاہا اٹھا لیا پھر اہل مکہ نکلے اور ان لشکریوں کا سامان لوٹا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ حضرت عبد المطلب نے دو گڑھے کھود کر ان کو سونے اور جواہرات سے بھر دیا پھر ابو مسعود ثقفی سے کہا جو حضرت

1۔ یہ تعبیر پڑھ کر حیرانی ہوتی ہے ایک طرف تو یہ ذکر کیا جاتا ہے کہ آپ پہلے قریش کے سردار تھے جو چشمہ کے مالک تھے لوگوں اور جانوروں کو کھانا اور خوراک دیتے اور دوسری طرف ابرہہ کے لشکر کے اموال کی وجہ سے سرداری مکمل ہوئی۔ مترجم

عبد المطلب کا دوست تھا۔ ان دونوں میں سے جو چاہو لے لے پھر لوگوں نے حبشیوں کے اموال کو لیا یہاں تک کہ ان کے ہاں جگہیں کم پڑ گئیں حضرت عبد المطلب نے اس موقع پر کہا۔

أَنْتَ مَنَعْتَ الحُبُش والأفيالا　　وقد رَعَوْا بمكّة الأجبالا

وقد خشِينا منهُم القتالا　　وكلّ أمرلهم مِعْضَالا

شكرا وحمدا لك ذا الجلالا

اے اللہ! تو نے حبشیوں اور ہاتھیوں کو روکا جب کہ انہوں نے تو مکہ مکرمہ میں پہاڑوں کو بھی خوفزدہ کر دیا تھا ہم تو ان کے ساتھ جنگ کرنے سے ڈرے اور ان کی جانب سے ہر مشکل امر سے ڈرے۔ اے رب ذوالجلال! تیرا شکر ہے اور تیرے لیے حمد ہے۔

ابن اسحاق نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو مکہ مکرمہ سے واپس کر دیا تو عربوں نے قریش کو بڑی عظمت دی انہوں نے کہا: یہ اللہ والے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے قتال کیا اور ان کے دشمن کی مؤنت سے انہیں کافی ہو گئے۔ عبد اللہ بن عمر ابن مخزوم نے اصحاب فیل کے قصہ میں کہا:

أَنْتَ الجليلُ ربَّنَا لم تُدنِس　　أَنْتَ حبستَ الفِيل بالمُغَمِّس

من بعد ماهَمّ بشيّ مُبْلِس　　حبسته فى هيئة المُكَرْكَس

ومالهم من فرج ومنفس

اے ہمارے رب! تو جلیل الشان ہے تو کمزوری سے آلودہ نہیں تو نے مغمس کے مقام پر ہاتھیوں کو روک لیا کہ بعد اس کے کہ اس نے تکلیف دہ شر کا ارادہ کیا تھا تو نے اسے اوندھے منہ روک لیا۔ ان کے لیے کوئی آسانی اور راحت والی چیز نہ تھی۔

وَّ اَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ۙ③

''اور (وہ یوں کہ) بھیج دیئے ان پر ہر سمت سے پرندے ڈاروں کے ڈار''۔

سعید بن جبیر نے کہا: ہر آسمان کے پرندے تھے اس سے قبل اور نہ اس کے بعد اس قسم کے کوئی پرندے دیکھے گئے۔ جو یبر نے ضحاک سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''وہ ایسے پرندے تھے جو آسمان اور زمین کے درمیان گھونسلے بناتے اور بچے دیتے تھے'' (1) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: ان کی سونڈیں تھیں جس طرح ہاتھی کی سونڈ ہوتی ہے اور ان کے پنجے کتے کے پنجوں جیسے تھے (2)۔ عکرمہ نے کہا: وہ سبز پرندے تھے جو سمندر سے نکلے تھے ان کے سر درندوں کے سر جیسے تھے اس جیسے پرندے نہ اس سے قبل دیکھے گئے اور نہ اس کے بعد دیکھے گئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: وہ پرندے خطاطیف (3) کے زیادہ مشابہ تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ وطاویط کے زیادہ مشابہ تھے وہ سرخ و سفید تھے۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 323　　2۔ ایضاً　　3۔ آنکس کی طرح ایک قسم کا لیڑ ھا لوہا جس کے ساتھ کسی چیز کو اچک لیا جاتا ہے۔

سعید بن جبیر سے یہ بھی قول مروی ہے: یہ سبز پرندے تھے جن کی زرد چونچیں تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ سفید تھے۔ محمد بن کعب نے کہا: یہ سیاہ سمندری پرندے تھے ان کی چونچوں اور ناخنوں میں پتھر تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ نادر و نایاب عنقاء تھے جن کی ضرب الامثال ذکر کی جاتی ہیں۔ عکرمہ نے کہا: ابابیل کا معنی مجتمع ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی پے در پے ہے وہ ایک دوسرے کے پیچھے تھے؛ یہ حضرت ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ مجاہد نے کہا: اس کا معنی ہے مختلف جدا جدا۔ کچھ ادھر سے آتے یہاں سے وہاں تک؛ یہ حضرت ابن مسعود، ابن زید اور اخفش کا نقطہ نظر ہے۔ نحاس نے کہا: یہ سب اقوال متفق ہیں اس کا حقیقی معنی تو یہ ہے وہ بڑی بڑی جماعتیں تھیں۔ یہ جملہ بولا جاتا ہے: فلان یؤبل علی فلانٍ۔ فلاں اس پر عظیم ہوتا ہے اور کثیر ہوتا ہے یہ ابل سے مشتق ہے أبابیل کے واحد میں اختلاف ہے۔ جوہری نے کہا: اخفش کہتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: جاءت إبلك أبابيل تیرے اونٹ تھوڑے تھوڑے آئے اور طَيْرًا أَبَابِيلَ ٹولیوں کی صورت میں پرندے آئے۔ کہا: یہ کثرت کے معنی میں آتا ہے یہ ایسی جمع ہے جس کا کوئی واحد نہیں۔ بعض نے کہا: اس کا واحد ابول ہے جس طرح عجول۔ بعض یعنی مبرد نے کہا: اس کا واحد ابیل ہے جسے سکین ہوتا ہے۔ کہا: میں نے عربوں کو نہیں پایا کہ وہ اس کا واحد جانتے ہوں مگر صحاح میں ہے کہ وہ اس کا واحد جانتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا واحد ابال ہے رؤبہ بن عجاج نے اس کی جمع کے بارے میں کہا:

ولعبتْ طيرٌ بِهِمْ أبابيلْ   فصُيِّروا مِثْلَ كَعَصْفٍ مَأْكُولْ

پرندوں کے جھنڈ ان کے ساتھ کھیلے تو انہیں کھاتے ہوئے بھوسے کی طرح کر دیا گیا۔

اعشی نے کہا:

طَرِيقٌ و جَبَّارٌ رِوَاءٌ أُصولُهُ   عَلَيهِ أبابيلٌ من الطَّيرِ تَنْعَبُ

راستہ اور کھجور کا لمبا درخت جس کی جڑوں کو سیراب کیا گیا ہے جس پر پرندوں کے جھنڈ آوازیں لگا رہے ہیں۔

ایک اور شاعر نے کہا:

تَراهُمُ إلى الداعي سِرَاعا كأنَّهُمْ   أبابيلُ طَيْرٍ تَحْتَ دَجْنٍ مُسَخَّنِ

تو انہیں دیکھے گا کہ وہ داعی کی جانب تیزی سے جا رہے ہیں گویا وہ پرندوں کے جھنڈ ہیں جو تکلیف دہ تاریکی کے نیچے ہیں۔

فراء نے کہا: اس کا لفظوں میں واحد نہیں (1) رؤاسی جو ثقہ ہے نے گمان کیا کہ انہوں نے اس کے واحد کے بارے میں سنا کہ اس کا واحد اباله ہے۔ فراء نے اباله بیان کیا ہے کہا: میں نے ایک عرب سے سنا وہ کہتا ہے ضغث علی ابالة اس سے وہ شادابی پر مراد لیتے ہیں۔ کہا: اگر کوئی کہنے والا یہ کہے ابیال تو یہ درست ہوتا جس طرح دینار کی جمع دنانیر آتی ہے۔ اسحاق بن عبد اللہ بن حارث بن نوفل نے کہا: اباہیل یہ ابل مؤبلہ سے ماخوذ ہے یعنی ٹکڑیاں ٹکڑیاں، ریوڑ۔

تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ ۝

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 324

''جو برساتے تھے ان پر کنکر کی پتھریاں''۔

صحاح میں یہ وضاحت ہے: حجارۃ بن سجیل علماء نے کہا: مٹی سے بنے پتھر جن کو جہنم کی آگ سے پکایا گیا تھا ان میں لوگوں کے نام لکھے ہوئے تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ ۝ مُّسَوَّمَةً (الذاریات) تا کہ ہم برسائیں ان پر گارے کے بنے ہوئے پتھر (کھنگر)۔

عبدالرحمن بن ابزی نے کہا: مِّنْ سِجِّيْلٍ کا معنی ہے آسمان سے نازل ہوئے یہ وہ پتھر تھے جو حضرت لوط علیہ السلام کی قوم پر نازل ہوتے تھے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہنم سے آتے تھے یہی سجین ہے پھر لام کو نون سے بدل دیا، جس طرح اصیلان اصل میں اصیلال تھا۔ ابن مقبل نے کہا:

ضَرْبًا تَوَاصَتْ بِهِ الْأَبْطَالُ سِجِّيْنَا

اس مصرعہ میں سجین، سجیل تھا۔

زجاج نے کہا: مِّنْ سِجِّيْلٍ کا معنی ہے جو ان کے بارے میں لکھا ہوا تھا کہ اس کے ساتھ انہیں عذاب دیا جائے گا یہ سجل سے مشتق ہے۔ سورۂ ہود میں سجیل کے متعلق گفتگو گزر چکی ہے۔ عکرمہ نے کہا: وہ پرندے ان پتھروں کو پھینکتے جو ان کے پاس ہوتے تھے ان میں سے جسے وہ پتھر لگتا تو اس کی وجہ سے اس کے جسم میں ایسا چیچک کا دانہ نکلتا جیسا پہلے نہیں دیکھا گیا ہوتا تھا وہ پتھر چنے کے برابر اور مسور سے بڑا ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: پتھر جب ان میں سے کسی کو لگتا تو اس کے چمڑے میں آبلہ سا بنتا یہ چیچک کا آغاز ہوتا۔ عام قراءت ترمیھم ہے کیونکہ پرندوں کی جماعت مونث ہے۔ اعرج اور طلحہ نے اسے یاء کے ساتھ پڑھا ہے معنی ہوگا اللہ تعالیٰ ان کی طرف پھینکتا ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال: 17) بلکہ اللہ تعالیٰ نے پھینکیں۔ یہ بھی جائز ہے کہ مذکر کی صورت میں ضمیر طیر کی طرف لوٹ رہی ہو کیونکہ لفظ طیر تانیث کی علامت سے خالی ہے کیونکہ یہ مونث غیر حقیقی ہے۔

فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّأْكُوْلٍ ۝

''پس بناڈالا ان کو جیسے کھایا ہوا بھوسہ''۔

اللہ تعالیٰ نے اصحاب فیل کو کھیتی کے ان پتوں کی طرح بنا دیا جن کو چوپاؤں نے کھالیا اور انہیں نیچے کی جانب سے پھینک دیا ان کے جوڑوں کے ٹوٹ جانے کو ان کے اجزاء کے بکھر جانے سے تشبیہ دی، یہی معنی ابن زید اور دوسرے علماء سے مروی ہے۔ سورۂ رحمٰن میں عصف کے بارے میں قول گزر چکا ہے۔ جو چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ اس سے مراد کھیتی کے پتے ہیں وہ علقمہ کا قول ہے:

تَسْقِي مَذَانِبَ قَدْ مَالَتْ عَصِيفَتُهَا حَدُوْرُهَا مِنْ أَتِيِّ الْمَاءِ مَطْمُوْمُ

رؤبہ بن عجاج نے کہا:

وَمَسَّهُمْ مَا مَسَّ أَصْحَابَ الْفِيلْ تَرْمِيهِمْ حِجَارَةٌ مِنْ سِجِيلْ

ولقیت طیرٌ بھم ابابیلُ فصیّروا مثلَ کعصفٍ مأکولٍ

انہیں وہ مصیبت پہنچی جو اصحاب فیل کو پہنچی تھی ان پر مٹی سے بنے پتھر گر رہے تھے ان سے پرندوں کے جھنڈ کھیلے تو انہیں کھائے ہوئے بھوسے کی طرح بنا دیا گیا۔

عصف جمع ہے اس کا واحد عصفہ، عصافہ اور عصیفہ ہے کَعَصْفٍ میں جو کاف لایا گیا ہے یہ تشبیہ کے لیے ہے یہ اسی طرح ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:11) ماکول کا معنی ہے جس کا دانہ کھایا گیا ہو۔ جس طرح یہ جملہ کیا جاتا ہے: فلان حَسَنٌ ای فلانٌ حَسَنٌ وجھہ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ سے مراد گندم کا چھلکا ہے یعنی وہ غلاف جس میں گندم کا دانہ ہوتا ہے۔ روایت بیان کی جاتی ہے: پتھر ان میں سے ایک پر گرتا تو اس کے پیٹ میں جو کچھ ہوتا وہ نکل جاتا تو وہ اسی طرح باقی رہ جاتا جس طرح گندم کا چھلکا ہو جب اس سے گندم نکل جائے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جب پرندوں نے پتھر پھینکے تو اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیج دیا جس نے پتھروں کو مارا اور ان کی سختی میں اضافہ کر دیا۔ وہ پتھر کسی پر نہ گرتا مگر وہ ہلاک ہو جاتا۔ بنو کندہ کے ایک فرد کے سوا ان میں سے کوئی بھی نہ بچا اس نے کہا:

فانّکِ لو رأیتِ ولم تریہ لدی جنب المغمّس ما لقینا

اگر تو دیکھتی اور تو اسے نہ دیکھے مغمس کے پہلو میں جو ہمیں مصیبت پہنچی۔

خشیتُ اللہ إذ قد بثّ طیرًا وظِلّ سحابۃٍ مرّت علینا

میں اللہ تعالیٰ سے ڈرا جب اس نے پرندوں کو پھیلا دیا اور بادل کا سایہ جب ہمارے اوپر سے گزرا۔

وباتت کلّھا تدعو بحقٍّ کأنّ لھا علی الحبشانِ دینا

سب نے صدق دل سے دعا کرتے ہوئے رات گزاری گویا پرندوں میں سے ہر ایک کا حبشیوں پر قرض تھا۔

ایک روایت یہ کی گئی ہے کہ وہ پتھر تمام کو نہیں لگے تھے بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے جس کو چاہا تھا اسے لگے تھے۔ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ ان کا امیر اور اس کے ساتھ ایک چھوٹی سی جماعت واپس لوٹی تھی جب انہوں نے اس امر کی خبر دی جو انہوں نے حالات و واقعات دیکھے تھے تو سب ہلاک ہو گئے تھے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ابن اسحاق نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے حبشیوں کو مکہ مکرمہ سے لوٹایا تھا تو عربوں نے قریش کو بڑی عزت دینا شروع کی اور کہا: یہ اللہ والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی جانب سے قتال کیا اور ان کے دشمن کی مصیبت کے لیے کافی ہو گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کے لیے انعام تھا۔

سورۃ القریش

آیاتہا ۴ ۔ ۱۰۶ سورۃ قریش مکیۃ ۲۹ ۔ رکوعہا ۱

جمہور علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے (1)۔ اور ضحاک وکلبی کے نزدیک مدنی ہے۔ اس کی چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

لِاِيْلٰفِ قُرَيْشٍ ۝

''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے قریش کے دلوں میں الفت پیدا کر دی''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ سورت معنی میں ماقبل سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے یعنی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے اصحاب فیل کو ہلاک کیا تا کہ قریش باہم الفت کرنے لگیں یا باہم متفق ہو جائیں یا قریش امن میں ہو جائیں اور اپنے دونوں سفروں سے مانوس ہو جائیں۔ جنہوں نے دونوں سورتوں کو ایک سورت شمار کیا ہے وہ حضرت ابی بن کعب ہیں، ان کے مصحف میں دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ سفیان بن عیینہ نے کہا: ہمارا ایک امام تھا جو دونوں میں کوئی فرق نہیں کرتا تھا وہ ان دونوں کو اکٹھا پڑھا کرتا تھا۔ عمرو بن میمون اودی نے کہا: ہم نے مغرب کی نماز حضرت عمر بن خطاب کے پیچھے پڑھی تو انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ التین کی تلاوت کی اور دوسری میں اَلَمْ تَرَ كَيْفَ اور لِاِيْلٰفِ قریش پڑھی۔ فراء نے کہا: یہ سورت پہلی سورت کے ساتھ ملی ہوئی ہے (2) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کے سامنے اپنی اس عظیم نعمت کا ذکر کیا جو اس نے حبشہ کے ساتھ وہ سلوک کر کے کی تھی پھر فرمایا: ہم نے یہ اصحاب فیل کے ساتھ اس لیے کیا تا کہ قریش پر احسان ہو۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش اپنی تجارت کے لیے نکلتے دور جاہلیت میں نہ ان پر کوئی حملہ کیا جاتا اور نہ بری نیت سے ان کے قریب ہوا جاتا۔ لوگ کہتے: وہ اللہ تعالیٰ کے گھر کے خادم ہیں یہاں تک کہ ہاتھی والا آیا تا کہ کعبہ کو گرائے، اس کے پتھر اٹھا لے جائے اور ان کے ساتھ یمن میں گھر بنائے لوگ جس کا حج کیا کریں اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ہلاک کر دیا اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کو یاد دلایا یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ یہ اس لیے کیا تا کہ قریش اس سفر سے مانوس ہوں اور ان پر حملہ کرنے کی کوئی جرأت نہ کرے؛ مجاہد کا یہی قول ہے۔ اور سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جو روایت نقل کی ہے اس کا یہی معنی ہے (3)؛ اسے نحاس نے ذکر کیا ہے۔ احمد بن شعیب، عمرو بن علی سے وہ عامر بن ابراہیم سے۔ جو لوگوں میں سے اچھا اور قابل اعتماد تھا۔ وہ خطاب بن جعفر بن ابی مغیرہ سے وہ اپنے باپ جعفر سے وہ سعید بن جبیر سے وہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اس کا معنی ہے قریش پر میرا احسان یہ ہے کہ انہیں موسم سرما اور موسم گرما میں سفر میں مانوس کر دیا۔ کہا: وہ مکہ مکرمہ میں موسم سرما

1۔ زادالمسیر، جلد 8، صفحہ 325 2۔ ایضاً 3۔ ایضاً، جلد 8، صفحہ 327

گزارتے اور طائف میں موسم گرما گزارا کرتے تھے۔ اس تاویل کی بنا پر آیات کے سروں پر وقف کرنا جائز ہے اگرچہ کلام مکمل نہیں جس طرح سورت کے درمیان اس کی وضاحت کریں گے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ ماقبل کے ساتھ متصل نہیں کیونکہ دونوں سورتوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ ہے یہ اس امر کی دلیل ہے کہ پہلی سورت ختم ہو چکی ہے اور دوسری شروع ہو چکی ہے اور لام فَلْيَعْبُدُوْا کے متعلق ہے یعنی ان لوگوں کو اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے کیونکہ انہیں خوراک کے حصول کے لیے موسم سرما اور موسم گرما کے سفر سے مانوس کر دیا۔ خلیل نے اس طرح کہا کہ یہ متصل نہیں گویا فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قریش کو مانوس کیا پس انہیں اس گھر کے رب کی عبادت کرنی چاہیے؛ یہ کسائی اور اخفش نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا کہ لام، الی کے معنی میں ہے ابن عامر نے اسے لالاف قریش پڑھا ہے (1) یعنی یہ کلمہ ہمزہ کے ساتھ اس میں یاء کے بغیر اختلاس کا قاعدہ جاری ہوا ہے۔ ابو جعفر اور اعرج نے اسے لیلاف پڑھا ہے یعنی ہمزہ کے بغیر مقصود تخفیف تھا۔ باقی قراء نے لایلاف پڑھا ہے یاء کے ساتھ جبکہ اس سے پہلے ہمزہ ہے اس میں اشباع کا قاعدہ جاری کیا ہے۔ یہ آلفت، اُولف، ایلاف ہے۔ شاعر نے کہا:

المُنْعِمِين إذا النجوم تغيرتْ　　والظاعنينَ لرحلةِ الإيلافِ

جب ستارے متغیر ہو جاتے ہیں تو وہ انعام کرنے والے ہیں اور ایلاف کے سفر کا ارادہ کرنے والے ہیں۔

یوں باب چلایا جاتا ہے: أَلِفْتُهُ إِلْفًا وإلافًا۔ ابو جعفر نے اسے لِإلْفِ بھی پڑھا ہے۔ شاعر نے دونوں لفظوں کو جمع کر دیا ہے:

زَعَمْتُمْ انَّ إِخْوَتَكُمْ قُرَيْشٌ　　لهم إلف وليس لكم إلاف

تم گمان کرتے ہو کہ تمہارے بھائی قریش ہیں ان کے لیے الف اور تمہارے لیے ایلاف ہے''۔

جوہری نے کہا: یوں جملہ ذکر کیا جاتا ہے فلانٌ قد ألف هذا الموضع يألفه ألفا، آلفه إياه غیرہ۔ یوں بھی کہا جاتا ہے: ألفتِ الموضع أولفه إيلافا، اسی طرح ہے آلف الموضع أولفه مَوالفة وإلافا۔ پس باب افعال اور باب مفاعلہ کی ماضی کی صورت ایک ہی طرح کی ہے۔ عکرمہ نے اسے لیالف پڑھا ہے۔ مصحف ابن مسعود میں اسی طرح ہے۔ لام امر کو فتحہ دینا یہ بھی ایک لغت ہے جسے ابن مجاہد اور دوسرے علماء نے بیان کیا ہے۔ عکرمہ اس آدمی پر عیب لگاتے جو لِإیلاف پڑھتا بعض اہل مکہ نے ألاف قریش پڑھا اور ابو طالب کے قول سے استشہاد کیا جو ابولہب کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاکیدی وصیت کرتے ہیں:

فلَا تَتْرُكَنْه ماحييتَ لِمُعْظِمٍ　　وكنْ رجلا ذا نَجْدَةٍ وعفافِ

تذود العِدا عن عُصْبة هاشمية　　إلافُهم في النّاس خيرُ إلَافِ

جب تک تو زندہ ہے تو عظمت شان کی خاطر تو اسے نہ چھوڑ اور شرف و پاکدامنی والا آدمی بن جا، ہاشمی جماعت سے دشمنی کو دور کر ان کی محبت لوگوں میں بہترین محبت ہے۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 629

جہاں تک قریش کا تعلق ہے وہ بنونضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر ہیں۔ نضر کی اولاد میں سے جو بھی شخص ہے وہ قریشی ہے، بنو کنانہ اور اس سے اوپر کے افراد کو قریش نہیں کہتے۔ بعض اوقات وہ قریشی کہتے ہیں یہی قیاس ہے۔ شاعر نے کہا:

بکلّ قُرَیشیّ علیه مَهابة

ہر قریشی پر ہیبت وجلال ہے۔

اگر تو قریش سے حی مراد لے تو تو اسے منصرف قرار دے گا اور اگر اس سے قبیلہ مراد لے تو اسے غیر منصرف قرار دے گا۔ شاعر نے کہا:

وکَفَی قُرَیشَ المُعْضِلاتِ وسادَها

اس مصرعہ میں قریش میں قاعدہ جاری ہو رہا ہے۔

قُرَیْش کا معنی اکتساب ہے تقرشوا کا معنی ہے وہ جمع ہوئے جب کہ وہ حرم کے علاوہ جگہوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ قصی بن کلاب نے انہیں حرم میں جمع کر دیا یہاں تک کہ قریش نے اسے اپنا مسکن بنا لیا۔ شاعر نے کہا:

أبونا قُصَیّ کان یُدْعَی مُجَمِّعًا به جمع الله القبائلَ من فِهرِ

ہمارا باپ قصی تھا جسے مجمع کہا جاتا اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فہر قبائل کو جمع کر دیا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ قریش، بنو فہر بن مالک بن نضر ہیں جو فہر کی اولاد نہیں وہ قریشی نہیں جب کہ پہلا قول زیادہ صحیح ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک روایت مروی ہے: إنا ولد النضر بن کنانه لا نقفو أُمنا ولا ننتفی من أبینا(1) ہم نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں ہم اپنی ماؤں پر تہمت نہیں لگاتے اور ہم اپنے آباء سے نسب کی نفی نہیں کرتے۔ حضرت واثلہ بن اسقع نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّ الله اصطفی کِنانة من ولد إسماعیل واصطفی من بنی کِنانة قریشا واصطفی من قریش بنی هاشم واصطفانی من بنی هاشم(2) اللہ تعالیٰ نے اولاد اسماعیل علیہ السلام میں سے بنو کنانہ کو چنا، بنو کنانہ میں سے قریش کو چنا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو چنا اور بنی ہاشم میں سے مجھے چنا۔ یہ حدیث صحیح اور ثابت ہے اسے امام بخاری، امام مسلم اور دوسرے علماء نے نقل کیا ہے۔ انہیں قریش نام دینے میں کئی اقوال ہیں:

(۱) وہ جدا جدا ہونے کے بعد جمع ہوئے تھے اور تقرش کا معنی جمع ہونا اور ملنا ہے۔ ابو جلدہ یشکری نے کہا:

إخوة قَرَّشُوا الذنوبَ علینا فی حدیثٍ من دهرهم وقدیم

وہ ایسے بھائی ہیں جنہوں نے قریب زمانہ اور قدیم زمانہ میں بھی ہمارے خلاف گناہوں کو جمع کیا۔

(۲) وہ تاجر لوگ تھے وہ اپنی کمائی سے کھاتے تھے۔ اور تقرش کا معنی کمانا ہے اس کا باب یوں چلاتے ہیں قَرَشَ، یَقْرُشُ،

1۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الحدود، باب من نفی رجلا من قبیلته، حدیث نمبر 2601، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، فضل نسب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، جلد 2، صفحہ 245

قرشا یہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ مال کمائے اور جمع کرے۔ فراء نے کہا: اسی وجہ سے انہیں قریش کہا گیا۔

(۳) وہ حاجیوں کی ضروریات کی جستجو کرتے اور ان کی ضرورت کو پورا کرتے۔ قریش کا معنی تفتیش کرنا ہے۔ شاعر نے کہا:

أيها الشامتُ المقرش عنا عند عمرو فهلْ له إبقاء

اے ہماری تکلیف پر خوش ہونے والے اور ہمارے بارے میں عمرو کے ہاں تفتیش کرنے والے کیا اس نے ہمیشہ رہنا ہے۔

(۴) روایت بیان کی گئی ہے کہ حضرت امیر معاویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ قریش کو قریش کیوں کہا گیا؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب دیا: سمندر میں ایک طاقتور جانور ہے جس کو قرش کہتے ہیں جو خود تو دوسروں کو کھا جاتا ہے مگر اسے نہیں کھایا جاتا، وہ خود غالب آجاتا ہے کوئی اس پر غالب نہیں آتا اور تبع کے اشعار پڑھے:

و قریش هی التی تسکن البحر بها سمیت قریش قریشا

تاکل الرث والسمین ولا تترك فیها لذی جنا حین ریشا

هکذا فی البلاد حیّ قُریش یأکلون البلاد أکلا کمیشا

ولهم آخرَ الزمانِ نبیٌّ یکثر القتل فیهم والخُموشا

قریش وہ جانور ہے جو سمندر میں رہتا ہے اسی کی مناسبت سے قریش کو قریش کا نام دیا گیا وہ کمزور اور موٹے کو کھا جاتا ہے اور وہ اس سمندر میں دو پروں والے کو بھی نہیں چھوڑتا ملکوں میں اسی طرح قریش قبیلہ ہے وہ ملکوں کو اس طرح تیزی سے کھا جاتا ہے ان میں آخر زمانہ میں نبی ہوگا، ان میں بہت زیادہ قتل اور زخم ہوں گے۔

اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّيْفِ ۝

''الفت تجارتی سفر کی جاڑے اور گرمی (کے موسم) میں''۔

مجاہد اور حمید نے اسے اِلْفِهِم پڑھا ہے یعنی لام ساکن ہے اور یاء کے بغیر ہے ابن کثیر سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت اسماء نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو الفهم پڑھتے ہوئے سنا۔ حضرت ابن عباس اور دوسرے علماء سے بھی یہ قراءت مروی ہے۔ ابو جعفر اور ولید جو اہل شام سے تعلق رکھتے ہیں اور ابوحیوۃ نے الافهم پڑھا ہے یعنی ہمزہ میں اختلاس کا قاعدہ جاری کیا اور یا نہیں ہے۔ ابو بکر نے عاصم سے ائلافهم دو ہمزوں کے ساتھ پڑھا ہے پہلا ہمزہ مکسور ہے اور دوسرا ساکن ہے۔ دو کلموں میں دو ہمزوں کو جمع کرنا شاذ ہے باقی قراء نے ایلافهم مد اور ہمزہ کے ساتھ پڑھا ہے اور یہی پسندیدہ ہے یہ پہلے ایلاف سے بدل ہے مقصود وضاحت ہے یہ آلف کا مصدر ہے جب تو اسے الفت کرنے والا بنا دے۔ آلف، اِلفا۔ جس طرح اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے یعنی وہ موسم سرما اور موسم گرما کے سفر سے مانوس ہوئے۔ فرمایا: ان پر موسم سرما اور موسم گرما کا سفر شاق نہیں یہ قریش پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے احسان ہے۔ ہروی اور دوسرے علماء نے کہا: اصحاب ایلاف چار تھے ہاشم، عبد شمس، مطلب اور نوفل یہ سب بنو عبد مناف تھے۔ جہاں تک حضرت ہاشم کا تعلق ہے اس نے شام کے

بادشاہ سے معاہدہ کیا تھا جس کی وجہ سے اس کی شام کی طرف تجارت امن میں ہوئی تھی ان کے بھائی عبدشمس تھے انہوں نے حبشہ والوں سے معاہدہ کیا تھا۔ مطلب نے یمن والوں سے معاہدہ کیا تھا اور نوفل نے فارس والوں سے معاہدہ کیا تھا۔ یؤلف کا معنی پناہ دینا بھی ہے انہیں بھائیوں کو پناہ دینے والے بھی کہتے۔ قریش کے تاجران بھائیوں کے معاہدہ کی وجہ سے مختلف شہروں کی طرف آیا جایا کرتے تو ان سے کسی قسم کا تعرض نہ کیا جاتا۔ ازہری نے کہا: ایلاف اجارہ کو خفارہ سے تشبیہ دینا۔ اجارہ کا معنی مدد کرنا اور حمایت کرنا ہے اور خفارہ کا معنی امان ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: آلف یؤلف یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس نے بوجھ اٹھانے والے اونٹوں کو امان دے کر مدد کی۔ حمائل، حمولہ کی جمع ہے کہا: اس کا معنی ہے کہ قریش حرم کے رہائشی تھے ان کے لیے کوئی کھیتی اور جانور نہ تھے وہ موسم سرما اور موسم گرما میں امن سے تجارت کو جاتے تھے جب کہ ان کے اردگرد لوگوں سے مال چھین لیا جاتا تھا۔ جب کوئی آدمی ان کے سامنے رکاوٹ بنتا تو یہ کہتے: ہم الله کے حرم والے ہیں تو لوگ ان کا راستہ چھوڑ دیتے۔

ابوالحسین احمد بن فارس بن ذکریا نے اپنی تفسیر میں کہا سعید بن محمد، بکر بن سہیل دمیاطی سے اپنی سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ اس کا معنی ہے کہ موسم سرما اور موسم گرما میں انہیں سفر سے مانوس کر دیا۔ اس کی صورت یہ بنی کہ قریش میں سے جب کسی کو بھوک ستاتی تو وہ اور اس کے گھر والے ایک معروف جگہ کی طرف جاتے اپنے اوپر ایک خیمہ لگاتے تو وہ مر جاتے یہاں تک کہ عمرو بن عبد مناف کا زمانہ آیا وہ اپنے زمانے کا سردار تھا اس کا ایک بیٹا تھا جس کو اسد کہتے اس کا بنی مخزوم میں ایک ہم عمر تھا جس سے اسد محبت کرتا اور اسی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اس ساتھی نے اسد سے کہا: ہم کل اعتفاد کریں گے۔ ابن فارس نے کہا: اس روایت میں یہ ایسا لفظ ہے جس کے بارے میں میں نہیں جانتا کہ یہ دال کے ساتھ ہے یا راء کے ساتھ ہے اگر یہ راء کے ساتھ ہے تو شاید عفر سے ہو جس کا معنی مٹی ہے اگر وہ دال کے ساتھ ہو تو میں اس کا معنی نہیں جانتا جو میں گمان کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ وہ اس خیمہ کی طرف جائیں گے اور ایک ایک کر کے مر جائیں گے اسد اپنی ماں کے پاس روتے ہوئے گیا اور اس کے ہم عمر ساتھی نے جو کچھ کہا تھا اس کا ذکر کیا تو اسد کی والدہ نے ان لوگوں کی طرف آٹا اور چربی بھیجی جس کی مدد سے انہوں نے چند دن گزارے پھر اس کا ساتھی آیا کہا: ہم کل اعتفاد کریں گے تو اسد اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے گیا اور اپنے ساتھی کی بات بتائی یہ بات عمرو بن عبد مناف پر شاق گزری۔ وہ قریش کی مجلس میں خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے سارے قریش ان کی اطاعت کرتے تھے عمرو نے کہا: تم نے ایک ایسا کام شروع کر رکھا ہے جس کے ذریعے تم کم ہوتے جا رہے ہو اور عرب بڑھتے جا رہے ہیں تم بے یار و مددگار ہو رہے ہو جب کہ عرب غالب ہو رہے ہیں تم الله کے حرم والے اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے سب سے معزز ہو لوگ تمہارے تابع ہیں ممکن ہے یہ اعتفاد تم پر غالب آ جائے۔ انہوں نے کہا: ہم تیری اتباع کریں گے۔ عمرو نے کہا: اس آدمی سے آغاز کرو یعنی اسد کے ہم عمر کے والد سے۔ اسے اعتفاد سے غنی کر دو۔ تو انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر انہوں نے اونٹ ذبح کیا بھیڑ بکریاں ذبح کیں پھر ثرید بنایا اور لوگوں کو کھلایا تو اس کا نام ہاشم پڑ گیا۔ اس کے بارے میں شاعر نے کہا:

عمرو الذی ھشم الثرید لقومہ

عمرو وہی ہے جس نے اپنی قوم کے لیے ثرید تیار کیا۔

پھر اس نے تمام خاندانوں کو دو تجارتی سفروں پر جمع کیا موسم سرما میں یمن کی طرف اور موسم گرما میں شام کی طرف۔ غنی نے جو نفع کمایا اسے اپنے اور فقیر کے درمیان تقسیم کیا یہاں تک کہ ان کا فقیر غنی ہو گیا۔ اسلام آیا تو وہ اس معاشرتی ادب پر تھے عربوں میں سے کوئی قبیلہ ایسا نہ تھا جو مال اور عزت میں قریش سے بڑھ کر ہو اس معنی میں شاعر کا قول ہے:

والخالطون فقیرھم بغنیھم حتی یصیر فقیرھم کالکافی

وہ اپنے فقیر کو اپنے غنی کے ساتھ ملانے والے ہیں یہاں تک کہ ان کا فقیر کفایت کرنے والے کی طرح ہو جاتا ہے۔

عرب اس طرح تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنا کر بھیج دیا تو ارشاد فرمایا پس چاہیے کہ وہ اس گھر کے رب کی عبادت کریں جس نے ہاشم کے عمل کے واسطے سے بھوک میں کھانا کھلایا اور عربوں کے بڑھنے اور قریش کے کم ہونے کے خوف سے نجات عطا فرمائی۔

رِحۡلَةَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ۞ میں رِحۡلَةَ کا لفظ مفعول مطلق کی حیثیت سے منصوب ہے تقدیر کلام یوں ہو گی اِرتحالھم رحلة، یا ایلافھم اس میں عامل ہے یا ظرف ہونے کی حیثیت سے منصوب ہے اگر تو اسے محل رفع میں رکھے جب کہ معنی یہ ہو ھما رحلة الشتاء والصیف تو یہ بھی جائز ہے۔ جب کہ پہلی تعبیر زیادہ مناسب ہے رِحۡلَةَ سے مراد سفر کرنا ہے۔ دو سفروں میں سے ایک سفر موسم سرما میں یمن کی طرف ہوتا کیونکہ یمن کا علاقہ گرم ہے اور دوسرا سفر موسم سرما میں شام کی طرف ہوتا کیونکہ وہ سرد علاقہ تھا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے: وہ موسم سرما مکہ مکرمہ میں گزارتے تھے کیونکہ یہ علاقہ گرم تھا اور موسم سرما طائف میں گزارتے تھے کیونکہ اس کی آب و ہوا بہت اچھی تھی (1)۔ یہ بہت بڑی نعمت ہے کہ ایک قوم کے لیے گرم علاقہ ہو جس کے ذریعے وہ موسم سرما کی سردی کو دور کر سکے اور ایک سرد علاقہ ہو جس کے ذریعے وہ موسم گرما کی گرمی دور کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس نعمت کا ذکر کیا۔ شاعر نے کہا:

تَشۡتِی بمکة نَعۡمَةً ومَصِیفُھا بالطائفِ

وہ آسودگی سے مکہ مکرمہ میں موسم سرما گزارتی ہے اور اس کا موسم گرما طائف میں گزرتا ہے۔

یہاں چار مسائل ہیں:

قرأت وقف اور عدم وقف کی صورت میں

مسئلہ نمبر 1۔ قاضی ابو بکر بن عربی اور دوسرے علماء نے یہ پسند کیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان لِاِیۡلٰفِ یہ ماقبل فعل کے متعلق ہے (2) اسے مابعد کے متعلق کرنا جائز نہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ هٰذَا الۡبَیۡتِ۞ کہا: جب یہ امر ثابت ہے کہ یہ دوسری سورت کے ساتھ متعلق ہے جب کہ نئی کلام کے ساتھ، بیان کے نئے شروع کرنے اور بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے لکھنے سے اس سے تعلق ختم کر دیا گیا ہے تو اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ کلام کے مکمل ہونے سے قبل بھی

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 327
2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1981

قراء کے لیے وقف کرنا جائز ہے وہ مقامات جہاں قراء وقف کرتے ہیں یہ ایسی چیز نہیں جس کو انہوں نے شرعی طریقہ سے اخذ کیا ہے بلکہ اصل میں وہ طلباء کو معانی کی تعلیم دینا چاہتے ہیں جب وہ اسے جان لیتے تو جہاں چاہیں وقف کرلیں جہاں تک سانس کے ٹوٹنے پر وقف کرنے کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی اختلاف نہیں جب تجھے اس قسم کا عارضہ لاحق ہو تو ماقبل حصہ کا اعادہ نہ کر بلکہ وہاں سے ہی شروع کرلے جہاں تیری سانس ٹوٹی تھی اس بارے میں یہ میری رائے ہے انہوں نے جو کچھ کہا ہے اس پر کسی حال میں کوئی دلیل نہیں لیکن میں کلام کے مکمل ہونے پر وقف پر اعتماد کرتا ہوں کیونکہ ان کے نقطہ نظر سے باہر جانا بھی مجھے ناپسند ہے۔

میں کہتا ہوں: اس کے صحیح ہونے پر دلیل نبی کریم ﷺ کی قراءت ہے کہ آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ پر وقف کرتے پھر الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۝ پر وقف کرتے یہ کتاب کے مقدمہ میں بات گزر چکی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۝ پر وقف کوئی قبیح نہیں۔ تو اسے کیسے قبیح کہا جاسکتا ہے جب کہ اسے پہلی رکعت میں پڑھا جاتا ہے اور بعد والی سورت کو بعد والی رکعت میں پڑھا جاتا ہے تو قراءت کے قطع ہونے کے ساتھ ساتھ درمیان میں کئی ارکان بھی آجاتے ہیں کسی عالم نے اسے مکروہ نہیں جانا۔ اس میں کوئی علت نہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان: فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ۝ آیت کی انتہا ہے اس پر قیاس یہ ہے کہ آیات کے اختتام پر وقف کرنا کوئی ممتنع نہیں خواہ کلام مکمل ہو اور غرض ختم ہو یا کلام مکمل نہ ہو اور غرض ختم نہ ہو۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی ہے آیات کے سرے منظوم کلام کی زینت اور زیور ہیں۔ اگر یہ نہ ہو تو منظوم، منثور سے واضح نہ ہو اس میں کوئی خفا نہیں کہ منظوم کلام بہت ہی حسین ہوتی ہے تو اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ فواصل، منظوم کلام کے محاسن میں سے ہوتے ہیں جس نے فواصل (آیات کے سرے) پر وقف کر کے ان کا اظہار کیا تو اس نے کلام کے محاسن کو ظاہر کیا اور وقف کو ترک کرنا ان محاسن کو مخفی کرتا ہے اور منثور کلام کو منظوم کلام کے مشابہ کرتا ہے یہ پڑھی جانے والی کلام کے حق میں خلل ڈالنا ہے۔

شتاء کا معنی ومفہوم

مسئلہ نمبر 2۔ امام مالک نے کہا: شتاء سے مراد نصف سال اور صیف سے مراد نصف سال ہے میں ربیعہ بن ابی عبد الرحمن اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ دیکھتا رہا کہ وہ اپنی پگڑیوں کو نہیں اتارتے تھے مگر جب ثریا طلوع ہوتی یہ بشنس کا انیسواں دن ہے یہ رومیوں یا ایرانیوں کے مہینوں کی تعداد کے مطابق پچیسواں دن ہے ثریا کے طلوع ہونے سے میری مراد ہے کہ جب ٹیکس وصول کرنے والے نکل پڑتے ہیں اور لوگ اپنے مویشیوں کو اپنے اپنے چشموں کی طرف لے کر چل پڑتے ہیں اور ثریا کے طلوع ہونے سے مراد موسم گرما کا آغاز اور موسم سرما کا اختتام ہے یہ ایسا نقطہ نظر ہے جس میں ان کے ساتھیوں میں کوئی اختلاف نہیں صرف اشہب نے ان سے ایک قول یہ نقل کیا ہے: جب ھقعہ (1) گر پڑے تو رات کم ہو جاتی ہے ثریا کے طلوع کو موسم گرما کا آغاز بنایا گیا ہے تو ضروری ہے کہ پورے سال میں اس کا حصہ چھ ماہ ہوں۔ پھر موسم گرما کے چلے جانے کے بعد موسم سرما کے چھ ماہ آجاتے ہیں۔ محمد بن حکم سے ایسے آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جو یہ قسم اٹھاتا ہے کہ وہ فلاں آدمی سے گفتگو نہیں کرے گا

1۔ وہ تین روشن ستارے جو ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں۔

یہاں تک کہ موسم سرما آجائے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ وہ اس سے گفتگو نہ کرے یہاں تک کہ ہاتور (1) کے سترہ دن گزر جائیں اگر اس نے کہا کہ وہ اس سے بات نہیں کرے گا یہاں تک کہ موسم گرما داخل ہو جائے تو وہ اس سے بات نہ کرے یہاں تک کہ بشنس کے انیس دن گزر جائیں، کیونکہ اگر تو منازل کا حساب لگائے جیسے کہ وہ ہیں یعنی تیرہ راتیں ایک منزل کی ہیں تو تو جان لے گا کہ ہاتور کے انیس دن گزر جانے پر اس کی منازل ختم نہیں ہوتیں مگر جب کہ بشنس کے انیس دن داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

زمانہ کی اقسام

مسئلہ نمبر 3۔ ایک قوم نے کہا زمانہ کی چار قسمیں ہیں (۱) موسم سرما (۲) موسم بہار (۳) موسم گرما (۴) موسم خزاں۔ ایک قوم کا نقطہ نظر ہے وہ موسم سرما، موسم گرما، موسم قیظ اور موسم خریف (خزاں) ہے۔ امام مالک نے جو کہا وہ زیادہ صحیح ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمانہ کو دو قسموں میں تقسیم کیا ہے ان کا تیسرا نہیں بنایا۔

دو زمانوں میں دو مقامات پر وقت گزارنا

مسئلہ نمبر 4۔ جب اللہ تعالیٰ نے قریش پر دو سفروں یعنی موسم سرما اور موسم گرما کے سفروں کے ساتھ احسان فرمایا جس طرح یہ پہلے گزرا ہے تو اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ ایک آدمی کا دو زمانوں میں دو مقامات پر وقت گزارنا جائز ہے۔ یہ زمانہ میں ان کا حال دوسرے کی بنسبت زیادہ نعمت کا باعث ہوگا، جس طرح موسم سرما میں مجلس بحری (سمندر کی طرف سے آنے والی ہوا کی جگہ) میں بیٹھنا اور موسم سرما میں مجلس قبلی (شمال کی جانب سے چلنے والی ہوا کی گزرگاہ) میں بیٹھنا اور ٹھنڈک حاصل کرنے کے لیے روشن دان وغیرہ بنانا اور گرمی حاصل کرنے کے لیے گدے وغیرہ استعمال کرنا۔

فَلْيَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ ۝

''پس چاہیے کہ وہ عبادت کیا کریں اس خانہ (کعبہ) کے رب کی''۔

اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی عبادت کرنے اور وحدانیت کا پرچار کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس نے انہیں دو سفر کرنے کی محبت سے نوازا۔ فعل کے اوپر فاء اس لیے داخل ہوئی ہے کیونکہ کلام میں شرط کا معنی پایا جاتا ہے معنی یہ بنے گا اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں اگر تم باقی نعمتوں کی وجہ سے اس کی عبادت نہیں کرتے تو اس ایک نعمت کی وجہ سے اس کی عبادت کرو جو ظاہر نعمت ہے۔ یہاں بیت سے مراد کعبہ ہے ان کے سامنے اپنا یہ تعارف کرواتا کہ وہ اس بیت کا رب ہے اس کی دو وجہیں ہیں:

(۱) ان کے بت تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے اپنے آپ کو ممتاز کیا۔

(۲) کیونکہ بیت اللہ شریف کی وجہ سے انہیں تمام عربوں پر فضیلت عطا کی گئی تھی تو انہیں اپنا احسان جتلانے کے لیے ان کے سامنے اس کا ذکر کیا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کا معنی ہے رب کعبہ کی عبادت سے مانوس ہو جائیں جس طرح وہ دونوں سفروں سے مانوس ہیں۔ عکرمہ نے کہا: قریش بصری کی طرف سفر کرنے سے مانوس تھے اور یمن کی طرف سفر کرنے سے

1۔ مغربی علاقہ کی زبان کا لفظ ہے جس طرح مارچ ہے۔

مانوس تھے تو انہیں کہا گیا کہ وہ مکہ مکرمہ میں ٹھہریں اور اس گھر کے رب کی عبادت کریں۔ موسم سرما کا سفر یمن کی طرف اور موسم گرما کا سفر شام کی طرف ہوتا تھا۔

الَّذِيْٓ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ وَّاٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ۝

''جس نے انہیں رزق دے کر فاقہ سے نجات بخشی اور امن عطا فرمایا انہیں (فتنہ و) خوف سے''۔

مِّنْ جُوْعٍ سے مراد ہے بھوک کے بعد۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ نعمت قریش کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کی وجہ سے نصیب ہوئی آپ نے یہ دعا کی تھی: رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ (البقرہ:126) اے میرے رب! اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس کے مکینوں کو پھلوں سے رزق عطا فرما۔

ابن زید نے کہا: عرب ایک دوسرے پر غارت گری مچاتے بعض بعض کو قید کر لیتے حرم کی وجہ سے قریش اس آفت سے محفوظ تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَيْءٍ (القصص:57) ایک قول یہ کیا گیا ہے: موسم سرما اور موسم گرما میں ان پر سفر بڑا شاق گزرا تو اللہ تعالیٰ نے اہل حبشہ کے دلوں میں یہ ڈال دیا کہ وہ کھانا کشتیوں کے ذریعے ان تک پہنچائیں تو انہوں نے اس طرح کھانا ان تک پہنچایا۔ قریش ان سے خوفزدہ ہوئے کہ وہ ان سے جنگ کرنے کے لیے آئے ہیں تو قریش اپنا دفاع کرنے کے لیے ان کی طرف نکلے تو کیا دیکھا کہ وہ ان کے لیے کھانا لائے ہیں اور ان کی خوراک کے ذریعے ان کی مدد کی۔ اہل مکہ جدہ اونٹوں اور گدھوں کو لے جاتے اور کھانا خرید لیتے یہ دو راتوں کی مسافت پر تھا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس اطعام سے مراد یہ ہے جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بددعا کی اور یوں عرض کی: اللّٰھم اجعلھا علیھم سنین کسنی یوسف (1) تو قحط شدید ہو گیا انہوں نے کہا: اے محمد! ہمارے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے بے شک ہم ایمان رکھنے والے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو یمن کے علاقے تبالہ اور جرش سرسبز و شاداب ہو گئے اور انہوں نے کھانا مکہ مکرمہ تک پہنچایا تو مکہ مکرمہ کے لوگ بھی آسودہ ہو گئے۔

ضحاک، ربیع، شریک اور سفیان نے کہا کہ خوف سے مراد کوڑھ کا مرض ہے ان کے شہر میں کوڑھ کا مرض کسی کو لاحق نہیں ہوتا۔ اعمش نے کہا: اس کا معنی ہے کہ انہیں حبشیوں سے امن دیا جب کہ ان کے ساتھ ہاتھی بھی تھا۔ حضرت علی شیر خدا کی طرف ایک قول یہ منسوب ہے کہ اس کا معنی ہے خلافت ان میں رہے گی۔ ایک قول یہ کیا گیا: سفر کی محبت نے انہیں بادشاہوں سے غنی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ لفظ عام ہے۔

1۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 7260

سورۃ الماعون

آیاتہا ۷ ۔ ۱۰۷ سورۃ الماعون مکیۃ ۱۷ ۔ رکوعہا ۱

یہ سورت مکی ہے (1)؛ یہ عطا، حضرت جابر اور حضرت ابن عباس کے دو قولوں میں سے ایک قول ہے اور حضرت ابن عباس کے دوسرے قول کے مطابق یہ مدنی ہے؛ یہ قتادہ اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس کی سات آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ فَذٰلِكَ الَّذِيْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۝ وَ لَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وَ يَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ۝

"کیا آپ نے دیکھا اس کو جو جھٹلاتا ہے (روز) جزا کو۔ پس یہی وہ (بدبخت) ہے جو دھکے دے کر نکالتا ہے یتیم کو اور نہ ہی برانگیختہ کرتا ہے (دوسروں کو) کہ غریب کو کھانا کھلائیں۔ پس خرابی ہے ایسے نمازیوں کے لیے جو اپنی نماز (کی ادائیگی) سے غافل ہیں وہ جو ریاکاری کرتے ہیں اور (مانگے بھی) نہیں دیتے روزمرہ استعمال کی چیز"۔

اس میں چھ مسائل ہیں:

شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ۝ یہاں دین سے مراد آخرت میں جزا اور حساب ہے سورۂ فاتحہ میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے۔ اَرَءَيْتَ میں دوسرے ہمزہ کو ثابت رکھا گیا ہے کیونکہ اَرَءَيْتَ، رَيْتَ نہیں پڑھا جاتا۔ لیکن ہمزہ استفہام نے دوسرے ہمزہ کو الف سے بدل کر تسہیل پیدا کی ہے۔ زجاج نے ذکر کیا ہے: اس کلام میں حذف ہے معنی ہے بتاؤ تو جو آدمی روز جزا کو جھٹلاتا ہے کیا وہ درست ہے یا غلطی پر ہے؟ یہ آیت کس کے حق میں نازل ہوئی اس میں اختلاف ہے۔ ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت عاص بن وائل سہمی کے حق میں نازل ہوئی؛ یہ کلبی اور مقاتل نے کہا۔ ضحاک نے ان سے یہی روایت نقل کی ہے کہ یہ سورت دو منافقوں کے حق میں نازل ہوئی۔ سدی نے کہا: یہ ولید بن مغیرہ کے حق میں نازل ہوئی (2)۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ ابوجہل کے حق میں نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا: یہ عمرو بن عائذ کے حق میں نازل ہوئی (3)۔ ابن جریج نے کہا: یہ حضرت ابوسفیان کے حق میں نازل ہوئی (4) وہ ہر ہفتہ اونٹ ذبح کیا کرتا تھا ایک یتیم نے اس سے کوئی چیز طلب کی تو ابوسفیان نے اسے اپنے ڈنڈے سے مارا تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 328　2۔ ایضاً　3۔ ایضاً　4۔ ایضاً

یَدُعُّ کا معنی دھکے دیتا ہے جس طرح ارشاد فرمایا: یُدَعُّوْنَ اِلٰی نَارِ جَهَنَّمَ دَعًّا (الطور) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے ضحاک نے حضرت ابن عباس سے روایت نقل کی ہے کہ معنی ہے وہ یتیم کو حق دینے کی بجائے اسے دھکے دیتا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی ہے وہ اس پر ظلم و زیادتی کرتا ہے معنی قریب قریب ہے۔ سورۃ النساء میں پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ وہ عورتوں اور چھوٹے بچوں کو وراثت میں سے کچھ بھی نہیں دیا کرتے تھے وہ کہتے تھے: مال اس کے لیے جائز ہے جو نیزے چلاتا ہے اور تلوار سے وار کرتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: من ضم یتیما من المسلمین حتّٰی یستغنی فقد وجب له الجنة (1) جس نے کسی یتیم کو اپنے ساتھ ملایا یہاں تک کہ وہ غنی ہو گیا تو اس کے لیے جنت واجب ہو گئی۔ یہ معنی کئی مواقع پر گزر چکا ہے۔

بخل کی وجہ سے مسکین کو نہ دینا قابل مذمت ہے

مسئلہ نمبر 2۔ وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ۝ وہ بخل اور جزا کو جھٹلانے کی وجہ سے مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم نہیں دیتا یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے: وَ لَا یَحُضُّ عَلٰی طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ (الحاقہ) یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ یہ مذمت عام نہیں کہ یہ اسے بھی شامل ہو جس نے عاجز ہوتے ہوئے اسے ترک کیا ہو بلکہ وہ تو بخل کرتے ہیں اور اپنے بارے میں عذر خواہی کرتے ہیں اور کہتے ہیں: اَنُطْعِمُ مَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ اَطْعَمَهٗۤ (یٰس: 47) کیا ہم اسے کھلائیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں کھلاتا۔ ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اور مذمت بھی انہیں کی طرف متوجہ ہوئی۔ کلام کا معنی یہ بنے گا اگر قادر ہوں تو ایسا نہیں کرتے اگر تنگ دست ہوں تو برانگیختہ نہیں کرتے۔

کن نمازیوں کی ہلاکت ہے؟

مسئلہ نمبر 3۔ فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۝ ان کے لیے عذاب ہے۔ پہلے بھی کئی مواقع پر یہ بحث گزر چکی ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے: نہ اس سے مراد وہ نمازی ہے اگر وہ نماز پڑھے تو وہ ثواب کی امید نہ رکھے اگر اسے چھوڑ دے تو اس پر عقاب کا خوف نہ ہو۔ ان سے یہ بھی مروی ہے: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو نمازوں کو ان کے اوقات سے موخر کرتے ہیں۔ مغیرہ نے ابراہیم سے یہ قول نقل کیا ہے: وہ وقت ضائع کرنے کے ساتھ لاپرواہی کرتے ہیں۔ ابو العالیہ سے مروی ہے: وہ نمازوں کو ان کے اوقات میں نہیں پڑھتے اور ان کے رکوع و سجود کو مکمل نہیں کرتے۔

میں کہتا ہوں: اس پر اللہ تعالیٰ کا فرمان فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (مریم: 59) ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو نماز کو ضائع کریں گے۔ جیسے اس کا بیان پہلے گزر چکا ہے۔ ابراہیم سے مروی ہے: اس سے مراد وہ ہے جو سجدہ کرتا ہے تو اپنے سر کو اس طرح کھڑا کر لیتا ہے متوجہ ہوتے ہوئے۔ قطرب نے کہا: وہ نہ قراءت کرتا ہے اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی قراءت میں سَاهُوْنَ کی جگہ لاھون کا لفظ ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: سستی کرتے ہوئے جو نماز میں اس کے وقت سے تاخیر

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 19025

کرتے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے اس سے مراد منافق ہیں جو مخفی حالت میں نماز ترک کرتے ہیں اور علانیہ اس کو پڑھتے ہیں جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی کرتے ہوئے کھڑے ہوتے ہیں الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ اس چیز پر دال ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں ہے؛ یہ ابن وہب نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اگر کلام ہوتی فی صلاتھم ساھون تو یہ مومنین کے حق میں ہوتی۔ عطا نے کہا: الحمد للہ۔ اس نے عَنْ صَلَاتِهِمْ فرمایا ہے فی صلاتھم نہیں فرمایا۔ زمخشری نے کہا: اگر تو پوچھے عَنْ صَلَاتِهِمْ اور فی صلاتھم میں کیا فرق ہے؟ تو میں کہوں گا: عَنْ کا معنی ہے وہ نماز سے غفلت کرتے ہیں وہ اسے ترک کرتے ہیں اس کی طرف بہت کم توجہ کرتے ہیں۔ یہ منافقوں کا اور مسلمانوں میں شاطر فاسقوں کا طرز عمل ہے اور فی کا معنی ہے کہ سہو نماز میں انہیں لاحق ہو جاتا ہے خواہ شیطان کی جانب سے وسوسہ ہو یا ذہن کسی طرف متوجہ ہو جائے یہ ایسی صورت ہے کوئی مسلمان اس سے خالی نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نماز میں سہو واقع ہوا کسی اور کی کیا حیثیت ہے۔ اسی وجہ سے فقہاء نے اپنی کتابوں میں سجدہ سہو کے ابواب شامل کیے ہیں۔

ابن عربی نے کہا: سہو سے سلامت رہنا محال ہے (2) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ اپنی نماز میں بھولے وہ آدمی جو اپنی نماز میں نہیں بھولتا تو وہ ایسا آدمی ہے جو اس میں تدبر نہیں کرتا، اس کی قراءت کو نہیں سمجھتا اس کا مقصود صرف اس کی تعداد میں ہوا کرتا ہے یہ ایسا آدمی ہے جو چھلکا تو کھالیتا ہے اور مغز پھینک دیتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس لیے بھولتے تھے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے بڑی ذات میں غور وفکر کر رہے ہوتے تھے یہ کسی طرح بھی نہیں ہوسکتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں اس لیے بھولتے ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے وساوس کی طرف متوجہ ہوتے ہوں جب شیطان نمازی کو یہ کہے: فلاں بات یاد کرو، فلاں بات یاد کرو جن کو وہ پہلے یاد نہیں کرتا یہاں تک کہ آدمی بھٹک جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعت نماز پڑھی۔

ریا اور اس کی حقیقت

مسئلہ نمبر 4۔ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۝ وہ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ وہ طاعت کے طور پر نماز پڑھتا ہے جب کہ وہ تقیہ کے طور پر نماز پڑھ رہا تھا جس طرح فاسق کرتا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ وہ عبادت کی غرض سے نماز پڑھ رہا تھا حالانکہ وہ اس لیے نماز پڑھ رہا تھا تا کہ اسے یہ کہا جائے کہ وہ نماز پڑھتا ہے۔ ریا کی حقیقت یہ ہے دنیا میں جو کچھ ہے اسے عبادت کے ذریعے طلب کرنا۔ اس کی اصل یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں میں مقام ومرتبہ کی طلب کرنا۔ (۱) اس کا ابتدائی مرحلہ اچھی شہرت ہے اس کے ذریعے جاہ وثنا چاہتا ہے (۲) چھوٹے اور کھردرے کپڑوں کے ذریعے ریا تا کہ اس کے ذریعے وہ دنیا میں زہد حاصل کرے (۳) زبان سے ریا کہ دنیاداروں پر ناراضگی کا اظہار کرے اور جو وہ خیر وطاعت کو چھوڑتا ہے اس پر تاسف کا اظہار کرے اور وعظ کرے (۴) نماز اور صدقہ کو ظاہر کرنا یا اچھے انداز میں نماز پڑھنا تا کہ لوگ دیکھیں۔ اس کی بحث بڑی طویل ہے یہ چیز اس پر دلیل ہے؛ ابن عربی نے یہی کہا ہے (3)۔

1۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 633　2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1983　3۔ ایضاً، جلد 4، صفحہ 1984-1983

میں کہتا ہوں: سورۃ النساء، ہود اور کہف کے آخر میں ریا، اس کے احکام اور اس کی حقیقت کے بارے میں گفتگو گزر چکی ہے۔ جو کافی وشافی ہے۔ الحمدللہ۔

فرائض میں اظہار ریا نہیں بلکہ نوافل کا اظہار ریا ہے

مسئلہ نمبر 5۔ اگر عمل فرض ہو تو اسے اعلانیہ کرنے کے ساتھ بندہ ریا کرنے والا نہیں ہوتا کیونکہ فرائض کے حقوق میں سے یہ ہے کہ وہ ان کا اعلان کرے اور ان کی تشہیر کرے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ولا غمة فی فرائض اللہ(1) اللہ تعالیٰ کے فرائض میں کوئی اخفا نہیں، کیونکہ یہ اسلام کی علامات اور دین کے شعائر ہیں۔ اس کا تارک مذمت اور ناراضگی کا مستحق بنتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان اعمال کے اظہار کے ساتھ تہمت کو دور کیا جائے۔ اگر وہ اعمال نفلی ہیں تو پھر ان کا حق یہ ہے کہ ان میں اخفا کیا جائے کیونکہ ان کے ترک کی وجہ سے نہ ملامت کی جاتی ہے اور نہ ہی مذمت کی جاتی ہے اگر وہ ان کو اس لیے ظاہر کرتا ہے تا کہ اس کی اقتدا کی جائے تو یہ اچھا ہوگا۔ ریا اس وقت ہوگا جب عمل ظاہر کرنے سے مقصد یہ ہو کہ آنکھیں دیکھیں اور صالحیت کے حوالے سے اس کی تعریف کی جائے۔ بعض علماء سے مروی ہے کہ اس نے ایک آدمی کو سجدہ شکر کرتے ہوئے دیکھا تو اس نے سجدہ لمبا کیا تو اس نے کہا: اگر تیرے گھر میں یہ عمل ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا۔ اس نے یہ بات اس لیے کی تھی کیونکہ اس میں ریا اور شہرت کی علامت تھی۔ سورۃ البقرہ میں یہ معنی گزر چکا ہے اور کئی مواقع پر بھی یہ بحث گزر چکی ہے۔ الحمدللہ۔

مسئلہ نمبر 6۔ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ ۝ ماعون میں دس اقوال ہیں۔

اموال کی زکوٰۃ

(۱) اس سے مراد ان کے اموال کی زکوٰۃ ہے؛ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے(2)؛ امام مالک نے بھی یہی کہا ہے: اس سے مراد منافق ہے جو زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ ابو بکر بن عبد العزیز نے امام مالک سے روایت نقل کی ہے کہا: منافق جب نماز پڑھتا ہے تو ریا کاری کرتے ہوئے نماز پڑھتا ہے اگر نماز اس سے فوت ہو جاتی ہے تو اس پر کسی شرمندگی کا اظہار نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو زکوٰۃ فرض کی ہے وہ اسے روک لیتا ہے، زید بن اسلم نے کہا: اگر نماز بھی ان کے لیے مخفی ہوتی جس طرح زکوٰۃ ان کے لیے مخفی ہے تو وہ اسے نہ پڑھتے۔

مال

(۲) ماعون سے مراد مال ہے؛ یہ قریش کی لغت ہے؛ یہ ابن شہاب اور سعید بن مسیب کا نقطہ نظر ہے۔

تمام منافع

(۳) یہ ایسا اسم ہے جو گھر کے تمام منافع کو جامع ہے جس طرح کلہاڑا، ہنڈیا، آگ اور اس جیسی چیزیں؛ یہ حضرت ابن مسعود کا

1۔ تفسیر کشاف، جلد 4، صفحہ 290 2۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 330

قول ہے۔ حضرت ابن عباس سے بھی یہ مروی ہے اعمش نے کہا: بأجود منه بماعونه وہ اپنے گھر کے سامان کے ساتھ زیادہ سخاوت کرنے والا ہے۔

جاہلیت میں مراد منفعت اور اسلام میں طاعت اور زکوٰۃ

(۴) زجاج، ابوعبید اور مبرد نے کہا: دور جاہلیت میں ماعون اسے کہتے جس میں کوئی منفعت ہوتی جیسے کلہاڑا، ہنڈیا، ڈول، پیالہ خواہ اس میں تھوڑی منفعت ہوتی یا زیادہ منفعت ہوتی (1)۔ انہوں نے اس بارے میں اعمش کے اشعار پڑھے علماء نے کہا: اسلام میں ماعون سے مراد طاعت اور زکوٰۃ ہے اور ایک چرواہے کے اشعار پڑھے:

أَخَلِيفَةَ الرَّحْمَنِ إِنَّا مَعْشَرٌ حُنَفَاءُ نَسْجُدُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا

عَرَبٌ نَرَى لِلّٰهِ مِنْ أَمْوَالِنَا حَقَّ الزكاةِ مُنَزَّلًا تَنْزِيلًا

قَوْمٌ على الإسلامِ لَمَّا يَمْنَعُوا ماعُونَهُمْ ويُضَيِّعُوا التهليلا

اے رحمٰن کے خلیفہ! ہم ایسے لوگ ہیں جنہوں نے باطل کو چھوڑ کر حق کو اپنا لیا ہے، ہم صبح وشام سجدہ کرتے ہیں، ہم عرب ہیں، ہم اللہ تعالیٰ کے لیے اپنے اموال میں زکوٰۃ کا حق لازمی سمجھتے ہیں۔ ہم مسلمان ہیں، جب وہ زکوٰۃ و اطاعت سے رکتے ہیں اور لا الہ اللہ کو ضائع کرتے ہیں۔

ان اشعار سے ماعون سے مراد زکوٰۃ ہے۔

ادھار چیز

(۵) ماعون سے مراد ادھار چیز ہے؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے۔

ہر نیکی

(۶) ہر نیکی مراد ہے جو لوگ باہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں (2)؛ یہ محمد بن کعب اور کلبی کا قول ہے۔

پانی اور گھاس

(۷) اس سے مراد پانی اور گھاس ہے۔

پانی

(۸) صرف پانی مراد ہے۔ فراء نے کہا: میں نے ایک بدو کو کہتے ہوئے سنا وہ ماعون سے مراد پانی لے رہا تھا۔ اس بارے میں نے یہ مصرع سنایا:

يَمُجُّ صَبِيرُهُ الماعونَ صَبًّا

اس کا بادل موسلا دھار پانی برسا رہا تھا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 330   2۔ ایضاً

حق کو روکنا

(۹) اس نے حق روکا؛ یہ حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے۔

منافع میں سے تھوڑی سی چیز

(۱۰) اموال کے منافع میں سے تھوڑی سی چیز۔ یہ معن سے ماخوذ ہے جس کا معنی قلیل ہے؛ یہ طبری اور حضرت ابن عباس کا قول ہے۔

قطرب نے کہا: ماعون کا اصل معنی قلت ہے معن سے مراد تھوڑی چیز ہے عرب کہتے ہیں: **مالہ سعنة ولا معنة** نہ اس کے پاس زیادہ نہ کم۔ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ، صدقہ اور اس جیسی چیزوں کو ماعون قرار دیا کیونکہ یہ کثیر میں سے تھوڑی چیز ہوتی ہے لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ ماعون کی اصل **معونة** ہے الف، ھاء کے عوض میں ہے؛ یہ جوہری نے بیان کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: ماعون یہ اعان، یعین سے مفعول کا وزن ہے۔ عون سے مراد ایسی امداد ہے جو قوت، آلات اور امر کے اسباب میسرہ کے ساتھ ہو۔

طاعت وانقیاد

(۱۱) اس سے مراد طاعت وانقیاد ہے۔ اخفش نے فصیح اعرابی سے یہ قول نقل کیا ہے: اگر ہم اترے تو میں تیری اونٹنی کے ساتھ ایسا معاملہ کروں گا تو وہ اونٹنی تجھے اختیار عطا کرے گی (1)۔

راجز نے کہا:

مَتَی تصادِفْهُنَّ فی الْبرِینِ　یَخْضعن أو یُعطِین بالماعون

جب تو انہیں ان حلقوں سے پکڑے گا جو ان کے ناک میں ہیں تو وہ عاجزی کریں گی یا تیری اطاعت کریں گی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے جس کا روکنا حلال نہیں ہوتا جس طرح پانی، نمک اور آگ، کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: میں نے عرض کی یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس کا روکنا حلال نہیں؟ فرمایا: ''پانی، آگ اور نمک'' (2)۔ میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! یہ تو پانی ہوا، یہ آگ اور نمک کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا: ''اے عائشہ! جس نے آگ دی گویا اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کیا جو اس آگ کے ساتھ پکایا گیا، جس نے نمک دیا گویا اس نے وہ تمام کھانا صدقہ کیا جس کے ساتھ اس کھانے کو لذیذ بنایا گیا، جہاں پانی پایا جاتا ہے وہاں اس نے ایک دفعہ پانی پلایا گویا اس نے ساٹھ غلام آزاد کیے اور جس نے وہاں پانی پلایا جہاں پانی نہیں ملتا تو گویا اس نے ایک نفس کو زندہ کیا اور جس نے ایک نفس کو زندگی دی (اس کو مرنے سے بچایا) تو گویا اس نے تمام انسانوں کو بچایا''۔ یہ روایت ثعلبی نے اپنی تفسیر میں ذکر کی ہے اور ابن ماجہ نے اسے

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1984

2۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الصدقات، باب المسلمون شرکاء فی ثلاث، صفحہ 180۔ ایضاً، حدیث نمبر 2464، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

سنن میں روایت کیا ہے۔ اس کی سند میں ضعف ہے۔ یہ بارہواں قول ہے۔ ماوردی نے کہا: یہ احتمال موجود ہے کہ اس سے مراد ایسی معرفت ہے جس کا کرنا آسان ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ذی شان بنا دیا (1)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ عکرمہ جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام تھے سے کہا گیا: جس نے اپنے سامان میں سے کوئی چیز دینے سے انکار کیا اس کے لیے ہلاکت ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا: نہیں بلکہ جس نے تین چیزوں کو جمع کیا اس کے لیے ہلاکت ہے (۱) نماز کو ترک کرنا (۲) ریاکاری کرنا اور (۳) ضرورت کی چیزوں میں بخل کرنا۔

میں کہتا ہوں: منافقین کے بارے میں اس آیت کا ہونا زیادہ مناسب اور موزوں ہے کیونکہ انہوں نے تینوں اوصاف کو جمع کیا، نماز ترک کرنا، ریاکاری کرنا اور مال میں بخل کرنا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (النساء) جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو سستی سے کھڑے ہوتے ہیں وہ لوگوں کے لیے دکھلاوا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتے مگر تھوڑا سا ذکر کرتے ہیں۔ وَ لَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَ هُمْ كٰرِهُوْنَ ۝ (توبہ) وہ مال خرچ نہیں کرتے مگر ناپسند کرتے ہوئے۔ یہ ان کے احوال ہیں اور یہ بہت ہی بعید ہے کہ کسی سچے مسلمان سے یہ افعال صادر ہوں۔ اگر ان میں سے کچھ پایا جائے تو اسے کچھ توبیخ (شرمندگی) بھی لاحق ہوگی۔ یہ ماعون کو روکنے کی بنا پر ہوگی جب وہ متعین ہو جائے جس طرح نماز جب مومن اس کو ترک کرے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ یہ روکنا مروت میں قبیح روکنا ہوگا جب کہ ضرورت نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 353

سورۃ الکوثر

آیاتہا ۳ ۱۰۸۔ سورۃ الکوثر مکیۃ ۱۵ رکوعہا ۱

یہ سورت مکی ہے(1)؛ یہ حضرت ابن عباس، کلبی اور مقاتل کا قول ہے جب کہ حضرت حسن بصری، عکرمہ، مجاہد اور قتادہ کے قول میں یہ مدنی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ

''بے شک ہم نے آپ کو (جو کچھ عطا کیا) بے حد و حساب عطا کیا''۔

اس میں دو مسئلے ہیں:

کوثر سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر1۔ اِنَّاۤ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ یہ عام قراءت ہے۔ حضرت حسن بصری اور طلحہ بن مصرف نے اسے أَنْطَيْنَاكَ پڑھا ہے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح روایت کیا ہے یہ بھی عطا میں ایک لغت ہے جیسے أنطيته، أعطيته، الکوثر یہ کثرت سے فوعل کا وزن ہے جس طرح نفل سے نوفل کا لفظ ہے اور جهر سے جوهر ہے عرب ہر ایسی چیز جو عدد، قدر اور قدر و منزلت میں کثیر ہو اسے کوثر کہتے ہیں۔ سفیان نے کہا: ایک بوڑھی سے کہا گیا جس کا بیٹا سفر سے لوٹا تھا بم آب أبنك تیرا بیٹا کس کے ساتھ لوٹا؟ عورت نے کہا: بکوثر یعنی کثیر مال کے ساتھ لوٹا۔ مردوں میں سے کوثر اسے کہتے ہیں جو سردار، زیادہ مال والا ہو۔ کیت نے کہا:

وأنتَ كثيرٌ يابنَ مَرْوانَ طَيِّبٌ وكان أبوكَ ابنُ العقائِلِ كَوْثَرا

''اے ابن مروان! تو کثیر طیب ہے تیرا باپ سرداروں کا بیٹا اور کوثر تھا''۔

کوثر سے مراد جس کے ساتھی اور حمایتی بہت زیادہ ہوں۔ غبار میں سے کوثر سے مراد کثیر ہے۔ قد تکوثر جب وہ کثیر ہو۔ شاعر نے کہا:

وقد ثارَ نقعُ الموتِ حتى تكَوْثَرَ

موت کا غبار اڑا یہاں تک کہ وہ بہت زیادہ ہو گیا۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 331

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کردہ کوثر

مسئلہ نمبر 2۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کوثر عطا کیا گیا علماء تاویل نے اس کے سولہ قول ذکر کیے ہیں۔

(۱) یہ جنت میں ایک نہر ہے؛ امام بخاری نے اسے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے؛ امام ترمذی نے بھی اسے روایت کیا ہے۔ ہم نے اس کا ذکر کتاب ''تذکرہ'' میں کیا ہے (1)۔ امام ترمذی نے اسے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے بھی روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوثر جنت میں ایک نہر ہے اس کے کنارے سونے کے، اس کے راستے موتیوں اور یاقوت کے، اس کی مٹی کستوری سے زیادہ خوشبودار، اس کا پانی شہد سے زیادہ میٹھا اور برف سے زیادہ سفید ہے'' یہ حدیث حسن صحیح ہے (☆)۔

(۲) یہ موقف میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حوض ہے؛ یہ عطا کا قول ہے۔ صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسی اثنا میں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کو ہلکی سی نیند آئی پھر آپ نے مسکراتے ہوئے اپنا سر اٹھایا ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو ہنسایا ہے؟ فرمایا: ''مجھ پر ابھی ایک سورت نازل ہوئی ہے تو آپ نے پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۝ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ '' پھر پوچھا: ''کیا تم جانتے ہو کوثر کیا ہے؟'' ہم نے کہا: اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا: ''وہ ایک نہر ہے جس کا میرے رب نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس پر خیر کثیر ہے وہ ایک حوض ہے قیامت کے روز میری امت اس پر وارد ہو گی اس کے برتن ستاروں کی تعداد کے برابر ہیں ان میں سے ایک آدمی کو الگ کر لیا جائے گا میں کہوں گا: وہ میری امت میں سے ہے تو کہا جائے گا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے اس نے آپ کے بعد کیا کچھ کیا'' (2)۔

میدان محشر میں حوض کے بارے میں کثیر روایات ہیں ہم نے ان کا ذکر کتاب ''تذکرہ'' میں کیا ہے۔ اس کے چاروں کونوں پر خلفاء اربعہ ہوں گے جس نے ان میں سے کسی ایک سے بھی بغض رکھا دوسرا اسے نہیں پلائے گا۔ ہم نے اسی کتاب میں ان کا ذکر کیا ہے جن کو وہاں سے دور کر دیا جائے گا جو اس پر آگاہی چاہتا ہے وہاں سے وہ پڑھ لے۔ پھر یہ جائز ہے کہ اس نہر اور حوض کو کوثر کہا جائے کیونکہ وہاں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے وارد ہونے والے اور پینے والے کثیر ہوں گے۔ اسے یہ نام اس لیے دیا گیا کیونکہ اس میں خیر کثیر اور کثیر پانی ہو گا۔

(۳) کوثر سے مراد نبوت اور کتاب ہے (3)۔

(۴) حضرت عکرمہ کا قول ہے: اس سے مراد قرآن ہے (4)؛ یہ حضرت حسن بصری کا قول ہے۔

(۵) اس سے اسلام مراد ہے؛ یہ مغیرہ نے بیان کیا ہے۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ کوثر، جلد 2، صفحہ 172
2۔ صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب حجۃ من قال لا یجھر بالبسملۃ، جلد 1، صفحہ 172
3۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 332
4۔ ایضاً

☆ جامع ترمذی، باب ومن سورۃ الکوثر، حدیث نمبر 3284، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

(۶) قرآن کو آسان بنا دینا اور احکام میں تخفیف رکھنا؛ یہ حسین بن فضل کا قول ہے۔

(۷) صحابہ، امت اور حمایتیوں کی کثرت مراد ہے(1)؛ یہ ابو بکر بن عیاش اور یمان بن رئاب کا قول ہے۔

(۸) اس سے مراد ایثار ہے؛ یہ ابن کیسان کا قول ہے۔

(۹) اس سے مراد رفعت ذکر ہے؛ یہ ماوردی نے بیان کیا ہے۔

(۱۰) یہ تیرے دل میں نور ہے جس نے تیری میری طرف راہنمائی کی اور میرے سوا ہر چیز سے تجھے الگ کر دیا۔

(۱۱) ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد شفاعت ہے۔

(۱۲) ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد معجزات ہیں جنہوں نے آپ کی دعوت پر لبیک کہی انہیں ان کے ذریعہ ہدایت دی گئی؛ اسے ثعلبی نے بیان کیا ہے۔

(۱۳) ہلال بن یساف نے کہا: اس سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔

(۱۵،۱۴) ایک قول یہ کیا: اس سے مراد پانچ نمازیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد دین میں سمجھ بوجھ ہے۔ ابن اسحاق نے کہا اس سے مراد عظیم امر ہے۔

اور لبید کا شعر ذکر کیا:

وصاحب مَلْحوبٍ فُجِعْنا بفقدِهِ وعِندَ الرَّداعِ بيت آخرَ كَوْثَر

ملحوب (چشمہ) کے مالک کی موت پر ہم پر اچانک مصیبت آن پڑی جب کہ رداع (چشمہ) کے پاس ایک اور عظیم گھرانہ ہے۔

میں کہتا ہوں: ان تمام اقوال میں سے صحیح ترین پہلا اور دوسرا قول ہے کیونکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور کوثر کے بارے میں نص ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کو سنا جو حوض کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے فرمایا: میرا خیال نہیں تھا کہ میں اتنا عرصہ زندہ رہوں گا یہاں تک کہ میں تمہارے جیسے آدمیوں کو دیکھوں گا جو حوض کے بارے میں جھگڑا کریں گے میں اپنے پیچھے ایسی بوڑھی عورتیں چھوڑ کر آیا ہوں ان میں سے کسی نے نماز نہیں پڑھی مگر اس نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے سیراب کرے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض کے بارے میں شاعر کہتا ہے:

ياصاحبَ الحوضِ مَنْ يُدَانِيكَا وأنتَ حقًّا حبيبُ بارِيكَا

اے حوض کے مالک! کون تیرے قریب پھٹک سکتا ہے تو یقیناً اپنے خالق کا محبوب ہے۔

حوض کی تفسیر میں جو کچھ کہا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ عطا فرمایا۔

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝

''پس آپ نماز پڑھا کریں اپنے رب کے لیے اور قربانی دیں (اسی کی خاطر)''۔

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 332

اس میں پانچ مسائل ہیں:

نماز سے کون سی نماز مراد ہے؟ اور قربانی سے کیا مراد ہے؟

مسئلہ نمبر 1۔ فَصَلِّ جو نماز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر فرض کی گئی ہے اس کو قائم کریں۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ قتادہ، عطا اور عکرمہ نے کہا: اس کا معنی ہے قربانی کے دن عید کی نماز پڑھیں اور اپنی قربانیوں کو ذبح کریں (1)۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلے قربانی کو ذبح کرتے پھر نماز ادا فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے نماز پڑھیں پھر قربانی کریں۔ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے کہا: صبح کی فرض نماز مزدلفہ میں پڑھیں اور منیٰ میں جانور ذبح کریں۔ حضرت سعید بن جبیر نے یہ بھی کہا: یہ سورت اس وقت نازل ہوئی جب حدیبیہ کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت اللہ شریف کی زیارت سے روک دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ نماز ادا کریں، جانور کو ذبح کریں اور واپس چلے جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی طرح کیا۔

ابن عربی نے کہا: جس نے کہا اللہ تعالیٰ کے فرمان فَصَلِّ سے مراد پانچ نمازیں ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ عبادات کا رکن، اسلام کی بنیاد اور دین کا عظیم اصول ہے۔ جس نے کہا: اس سے مراد مزدلفہ میں صبح کی نماز ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ حکم نحر کے ساتھ ملا ہوا ہے اور یہ اسی دن ہوتا ہے اور اسی روز قربانی دینے سے پہلے اس نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں اس نماز کا خصوصاً اس لیے ذکر کیا کیونکہ یہ قربانی کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔

میں کہتا ہوں: جس نے کہا اس سے مراد نماز عید ہے تو یہ مکہ مکرمہ کے علاوہ ہوگی کیونکہ اجماع یہی ہے کہ مکہ مکرمہ میں عید قربانی نہیں ہوتی یہی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حکایت بیان کی ہے۔ ابن عربی نے کہا: جہاں تک امام مالک کا تعلق ہے انہوں نے فرمایا: جس نے اس بارے میں کوئی روایت نہیں سنی اس کی تعبیر کے حوالے سے جو چیز میرے دل میں راسخ ہے کہ اس سے مراد یوم نحر کے روز نماز ہے اور قربانی بعد میں ہوگی۔

حضرت علی شیر خدا اور حضرت محمد بن کعب نے کہا: اس کا معنی ہے نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر نحر (جس جگہ سے اونٹ ذبح کیا جاتا ہے) کے بالمقابل رکھو (2)؛ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ نحر تک اٹھائے جائیں۔ جعفر بن علی سے بھی اسی طرح مروی ہے انہوں نے اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کہا: جب تکبیر تحریمہ کہے تو وہ اپنے ہاتھ نحر تک اٹھائے (3)۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: جب یہ آیت نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبریل امین سے کہا: ''یہ نحیرہ کیا ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے؟'' حضرت جبریل امین نے کہا: یہ کوئی قربانی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ حکم دیتا ہے کہ جب تو نماز کے لیے تکبیر تحریمہ کہے تو تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھائے اسی طرح جب تو رکوع سے سر کو اٹھائے اور جب تو سجدہ کرے کیونکہ یہ ہماری اور ان

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 332 2۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1987 3۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 397

فرشتوں کی نماز ہے جو ساتویں آسمان میں ہیں ہر شئی کی زینت ہوتی ہے اور نماز کی زینت ہر تکبیر کے موقع پر ہاتھ اٹھانا (1) ہے"۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت نقل کی ہے کہ قربانی کرتے وقت قبلہ رو ہو جائیں؛ یہی فراء کلبی اور ابو احوص کا قول ہے۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

أَبَا حكم ما أَنْتَ عَمُّ مُجالِدٍ وسَيِّدُ أَهلِ الأَبْطَحِ المُتَنَاحِ

اے ابو حکم! تو مجالد کا چچا اور اہل ابطح جو بالمقابل ہیں ان کا سردار نہیں۔

فراء نے کہا: میں نے ایک عربی کو کہتے ہوئے سنا منازِلُنَا تَتَنَاحَرُ ہمارے گھر ایک دوسرے کے بالمقابل ہیں۔ ھذا بنحر ھذا یہ اس کے بالمقابل ہیں۔ ابن اعرابی نے کہا: اس کا معنی ہے آدمی کا حالت نماز میں محراب کے سامنے کھڑا ہونا۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: منازِلُهُمْ تَتَنَاحَرُ ان کے گھر ایک دوسرے کے مقابل ہیں۔ عطا سے مروی ہے: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ بیٹھنے کی حالت میں دو سجدوں کے درمیان سیدھا ہو یہاں تک کہ اس کا نحر (سینے کے اوپر والا حصہ) ظاہر ہو۔ سلیمان تیمی نے کہا: دعا کے وقت اپنے ہاتھوں کو نحر تک اٹھاؤ۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فَصَلِّ کا معنی ہے اس کی عبادت کرو (2)۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا: اس کا معنی ہے جو لوگ غیر اللہ کے لیے نماز پڑھتے ہیں اور غیر اللہ کے لیے جانور قربان کرتے ہیں جب کہ ہم نے آپ کو کوثر عطا فرمایا ہے آپ کی نماز اور قربانی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لیے ہونی چاہیے۔

ابن عربی نے کہا: میرے نزدیک اس کی تعبیر یہ ہے اللہ تعالیٰ نے ارادہ کیا اپنے رب کی عبادت کیجئے اس کے لیے جانور قربانی کیجئے آپ کا عمل کسی کے لیے بھی نہیں ہونا چاہیے مگر اس کے لیے جس نے تجھے کوثر کے ساتھ خاص کیا اور مناسب یہی ہے کہ تمام اعمال کوثر کی اس خصوصیت کے ہم پلہ ہوں (3)۔ اس سے مراد خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا فرمائی ہے یا اس سے مراد وہ نہر ہے جس کی مٹی کستوری کی ہے، اس کے برتنوں کی تعداد آسمان کے ستاروں کی مثل ہے رہا یہ معاملہ کہ کوثر یوم نحر کی نماز، ایک مینڈھے، گائے یا اونٹ کی قربانی کی مثل ہو جائے تو یہ تقدیر و تدبیر میں بہت ہی بعید ہے اور ثواب کا عبادت کے موازن ہونا بعید ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

قربانی اور اس کا وقت

مسئلہ نمبر 2۔ قربانی، اس کی فضیلت اور اس کے وقت کے بارے میں گفتگو سورۃ الصافات میں گزر چکی ہے یہاں اس کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں سورۂ حج میں بھی ہم نے اس کے تمام احکامات بیان کر دیئے ہیں۔ ابن عربی نے کہا: عجیب و غریب بات یہ ہے کہ امام شافعی نے کہا: جس نے نماز سے قبل قربانی کر دی تو اس کے لیے یہ جائز ہے اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں

1۔ امام شافعی وغیرہ ایسی روایات سے استدلال کرتے ہیں اور ان مواقع پر ہاتھ اٹھانے کا حکم دیتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے مقلدین تکبیر اولیٰ کے وقت ہاتھ اٹھانے کا معمول رکھتے ہیں شرح معانی الآثار جلد اول امام طحاوی نے اس پر مفصل بحث کی ہے اور دلائل نقلیہ اور عقلیہ سے امام اعظم ابو حنیفہ کا نقطۂ نظر راجح قرار دیا ہے۔

2۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 399

3۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1988

ارشاد فرماتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ اللہ تعالیٰ نے قربانی سے پہلے نماز سے کلام کو شروع فرمایا (1)۔ بخاری اور دوسری کتب میں حضرت براء بن عازب سے روایت مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہم اپنے اس روز میں سب سے پہلے نماز پڑھیں گے پھر ہم لوٹیں گے اور جانور قربانی کریں گے جس نے اس طرح کیا تو اس نے ہماری عبادت کو پالیا اور جس نے اس سے پہلے جانور ذبح کر دیا تو وہ گوشت ہے جو اس نے اپنے اہل کو بھیجا قربانی میں سے یہ کچھ بھی نہیں''۔ جب کہ امام شافعی کے اصحاب آپ سے اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں یہ موافقت کتنی ہی اچھی ہے۔

وَانْحَرْ کی تشریح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی روشنی میں

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہ سے جو مروی ہے کہ وَانْحَرْ کا معنی ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھنا۔ اسے دار قطنی نے نقل کیا ہے ہمارے علماء کے اس بارے میں تین قول ہیں جو باہم مختلف ہیں:

(۱) فرض اور نفل میں ہاتھ نہ رکھے کیونکہ اس کا تعلق سہارا لینے سے ہے فرض میں اس طرح کرنا جائز نہیں اور نفل میں مستحب نہیں (۲) فرض نماز میں ایسا نہ کرے اور نفل میں بطور استعانت کے کرے کیونکہ یہ رخصت کا موقع ہوتا ہے (۳) فرض اور نفل دونوں صورتوں میں ہاتھ باندھے یہی صحیح ہے کیونکہ یہ امر ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا یہ حضرت وائل بن حجر اور دوسرے صحابہ سے ثابت ہے۔ ابن منذر نے کہا: یہی امام مالک، امام احمد اور اسحاق نے کہا یہی امام شافعی سے منقول ہے اصحاب الرائے نے بھی اسے ہی پسند کیا ہے ایک جماعت نے ہاتھ چھوڑنے کی رائے قائم کی ہے جن سے ہم نے یہ قول روایت کیا ہے ان میں ابن منذر، حضرت حسن بصری اور ابراہیم نخعی ہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک سے بھی مروی ہے۔ ابن عبد اللہ نے کہا: ہاتھوں کو چھوڑنا اور دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا یہ سب نماز کا طریقہ ہے۔

نماز میں ہاتھ باندھنے کا مقام

مسئلہ نمبر 4۔ جہاں ہاتھ رکھے جائیں گے اس میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ حضرت علی شیر خدا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سینے پر رکھے (2)۔ سعید بن جبیر اور امام احمد بن حنبل نے کہا: ناف کے اوپر اور کہا: اگر ناف کے نیچے ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ایک جماعت نے کہا: ناف کے نیچے؛ یہ حضرت علی شیر خدا، حضرت ابو ہریرہ، امام نخعی (3) اور ابو مجلز سے مروی ہے؛ یہی قول سفیان ثوری اور اسحاق کا بھی ہے۔

رفع یدین کے بارے میں پایا جانے والا اختلاف

مسئلہ نمبر 5۔ تکبیر تحریمہ، رکوع اور رکوع اور سجود سے اٹھتے وقت تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھانے میں اختلاف ہے۔

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1990 2۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 396

3۔ سنن ابی داؤد، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلاۃ، حدیث نمبر 645-646، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

دارقطنی نے اسے حمید سے انہوں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز میں داخل ہوتے، جب رکوع کرتے، رکوع اور سجود سے جب سر اٹھاتے تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا کرتے تھے۔ حمید سے مرفوع روایت صرف عبدالوہاب ثقفی نے کی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت انس کا فعل ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو اپنے دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ وہ دونوں کندھوں کے برابر ہو جاتے پھر آپ تکبیر کہتے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہی عمل رکوع کے لیے تکبیر کہتے ہوئے کرتے اور رکوع سے سر کو اٹھاتے وقت بھی اسی طرح کرتے تھے اور کہتے: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَہٗ۔ جب سجدہ سے سر کو اٹھاتے تو ایسا نہ کیا کرتے تھے۔ ابن منذر نے کہا: یہ لیث بن سعد، امام شافعی، امام احمد، اسحاق اور ابن ثور کا قول ہے۔ ابن وہب نے امام مالک سے یہی قول نقل کیا ہے۔ میں بھی یہ کہتا ہوں کیونکہ یہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔ ایک جماعت کی رائے ہے: نمازی جب نماز شروع کرے گا تو وہ اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گا اور باقی مقامات پر ہاتھ نہیں اٹھائے گا؛ یہ سفیان ثوری اور اصحاب الرائے کا نقطہ نظر ہے۔

میں کہتا ہوں: امام مالک کا یہی مشہور مذہب ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی رائے یہی ہے اسے دارقطنی نے اسحاق بن ابی اسرائیل سے روایت کیا ہے (1) کہا ہمیں محمد بن جابر نے حماد بن ابراہیم سے وہ علقمہ سے وہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ وہ نماز کے شروع میں پہلی تکبیر کے علاوہ اپنے ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ اسحاق نے کہا: ہم تمام نماز میں اسی پر عمل کرتے ہیں۔ دارقطنی نے کہا: محمد بن جابر، حماد سے روایت کرنے میں اکیلا ہے جب کہ وہ ضعیف ہے، حماد نے ابراہیم سے روایت نقل کی حماد کے علاوہ جو راوی ہیں انہوں نے ابراہیم سے مرسل روایت نقل کی ہے کہ یہ حضرت عبداللہ کا فعل ہے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوع روایت نہیں یہی صحیح ہے۔

یزید بن ابی زیاد، عبدالرحمن بن ابی لیلی سے وہ حضرت براء رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا جب آپ نے نماز شروع کی تو اپنے ہاتھوں کو اٹھایا یہاں تک کہ انہیں اپنے دونوں کانوں کے برابر کر دیا پھر ایسا نہ کیا یہاں تک کہ نماز سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فارغ ہو گئے۔ دارقطنی نے کہا: یزید نے اپنی آخری عمر ثم لم یعد کی تلقین کی تو انہوں نے اس تلقین کو قبول کیا جب کہ اس میں اختلاط واقع ہو گیا۔ امام مالک سے مروی ہے: آپ نماز میں کسی موقع پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ ابن قاسم نے کہا: میں نے انہیں تکبیر تحریمہ کے وقت بھی ہاتھ اٹھاتے ہوئے نہیں دیکھا کہا: میرے لیے یہی محبوب ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت بھی ہاتھ اٹھانے کے عمل کو ترک کر دیا جائے۔

اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝

''یقیناً آپ کا جو دشمن ہے وہی بے نام ونشان ہوگا''۔

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جو بغض رکھنے والا ہے وہ بے نام ونشان ہونے والا ہے۔ وہ عاص بن وائل ہے۔ وہ آدمی جس کے

1۔ سنن دارقطنی، کتاب الصلوٰۃ، جلد 1، صفحہ 295

بیٹے اور بیٹیاں ہوتیں پھر بیٹے مرجاتے اور بیٹیاں باقی رہ جاتیں تو عرب اسے ابتر کہتے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ عاص بن وائل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے گفتگو کر رہا تھا تو قریش کے سرداروں نے اسے کہا: تو کس کے ساتھ کھڑا تھا؟ اس نے جواب دیا اس ابتر کے ساتھ۔ اس سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت عبداللہ فوت ہو چکے تھے وہ حضرت خدیجۃ الکبری کے بطن سے تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی اس کا ذکر دنیا و آخرت کی بھلائیوں سے ختم ہو جائے گا۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ دور جاہلیت میں جب کسی کا بیٹا فوت ہو جاتا تو کہتے: فلاں دم بریدہ ہو گیا۔ جب حضرت ابراہیم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے تھے فوت ہوئے تو ابوجہل اپنے ساتھیوں کی طرف نکلا تو اس نے کہا: بتر محمد تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل کیا یعنی ابوجہل ابتر ہے۔

شمر بن عطیہ نے کہا: اس سے مراد عقبہ بن ابی معیط ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قریش اس آدمی کے بارے میں کہا کرتے تھے جس کی مذکر اولاد فوت ہو جاتی ہے: قد بتر فلان جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک بیٹے حضرت قاسم مکہ مکرمہ میں اور ایک بیٹے حضرت ابراہیم مدینہ منورہ میں فوت ہو گئے تو کفار نے کہا: بتر محمد (1)۔ اب ہے کوئی ایسا آدمی جوان کے بعد ان کے معاملات چلائے گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی؛ یہ سدی اور ابن یزید نے کہا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ قریش کا جواب تھا جب انہوں نے کعب بن اشرف سے کہا جب وہ مکہ مکرمہ آیا: ہم حاجیوں کو پانی پلانے والے، بیت اللہ کے خادم، اس کے دربان اور لشکر کشی کے وقت جھنڈے والے ہیں جب کہ تو اہل مدینہ کا سردار ہے کیا ہم بہتر ہے یا وہ صُنَیبر اور اُبَیتر بہتر ہے؟ کعب نے کہا: بلکہ تم بہتر ہو تو کعب کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ (سورۃ النساء آیت 51) کیا آپ نہیں دیکھتے انہیں جنہیں کتاب میں سے حصہ دیا گیا وہ جبت اور طاغوت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور قریش کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ۝ یہ حضرت ابن عباس اور عکرمہ کا نقطہ نظر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ نے جب اپنے رسول کی طرف وحی کی اور قریش کو ایمان کی دعوت دی تو انہوں نے کہا: ابتر منا محمد یعنی اس نے ہماری مخالفت کی اور ہم سے الگ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ دم بریدہ ہیں؛ یہی قول عکرمہ اور شہر بن حوشب نے کیا ہے۔

اہل لغت نے کہا: انسانوں میں سے ابتر اسے کہتے ہیں جس کی کوئی اولاد نہ ہو اور چوپاؤں میں سے اسے کہتے ہیں جس کی دم نہ ہو اور ہر ایسا امر جس کا اثر خیر میں سے ختم ہو جائے تو اسے ابتر کہتے ہیں۔ بتر کا معنی کاٹنا ہے جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: بترت الشیٔ بترا میں نے اسے مکمل ہونے سے پہلے کاٹ دیا۔ انبتار کا معنی انقطاع ہے باتر سے مراد کاٹ دار تلوار ہے ابتر سے مراد جس کی دم کٹی ہو۔ اس معنی میں تو کہتا ہے: بَتَرَ يَبْتَرُ بَتْرًا حدیث طیبہ میں ہے ما ھذہ البتیراء، خطب زید

1۔ یہ روایت تو محل نظر ہے کیونکہ ابوجہل تو غزوہ بدر میں مارا گیا تھا جو سن دو ہجری میں ہوا تھا اور حضرت ابراہیم کی ولادت حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ہوئی تھی جو مقوقس شاہ مصر نے بھیجی تھی۔ حضرت ابراہیم کا سن وصال 10 ہجری ذکر کیا گیا ہے۔ مترجم

خطبتہ البتراء اس کے خطبہ کے بارے میں یہ جملہ اس لیے بولا جاتا ہے کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی حمد نہ کی اور رسول اللہ ﷺ پر درود شریف نہ پڑھا۔ ابن سکیت نے کہا: الابتران سے مراد گدھا اور غلام ہے انہیں ابترین اس لیے کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں میں بھلائی کم ہوتی ہے۔ قد ابترہ اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے ابتر بنا دیا۔ یہ بھی لفظ بولا جاتا ہے: رجل أباتر ایسا آدمی جو اپنی رحم کو قطع کرتا ہے۔ شاعر نے کہا:

لَئِیمٌ نَزَتْ فی أَنْفِهِ خُنْزُوَانَةٌ　　علی قَطْعِ ذِی القُرْبَیٰ أَحَذُّ أُبَاتِرُ

وہ کمینہ ہے اس کی ناک میں تکبر کے قطرات ٹپکائے گئے ہیں وہ قریبی لوگوں سے تعلق قطع کرنے والا ہے۔

بتریہ یہ زیدیہ کا ایک فرقہ ہے یہ لوگ مغیرہ بن سعد کی طرف منسوب ہیں جس کا لقب ابتر تھا جہاں تک صنبور کا تعلق ہے یہ ایک مشترک لفظ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد ایک ایسی کھجور ہے جو الگ تھلگ ہوتی ہے جس کا نیچے والا حصہ پتلا ہوتا ہے اور اس کا چھلکا اترا ہوا ہوتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: صَنْبَرَ أسفلُ النخلة ایک قول یہ کیا جاتا ہے: اس سے مراد ایسا آدمی ہوتا ہے جو تنہا ہو اس کی کوئی اولاد نہ ہو اور نہ کوئی بھائی ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد خاص طور پر حوض کے پانی کے بہنے کی جگہ کو کہتے ہیں، ابوعبید نے یہی بیان کیا ہے اور یہ شعر پڑھا:

مابین صُنْبورٍ إلی الإزاءِ

''صنبور (1) اور ازاء (2) کے درمیان''۔

صنبور اس نڑ کو کہتے ہیں جو برتن میں ہو خواہ وہ برتن لوہے کا ہو یا سکے کا ہو اس سے پانی پیا جاتا ہے۔ ان سب اقوال کو جوہری رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ 2۔ دونوں کا معنی پانی بہنے کی جگہ۔

سورۃ الکافرون

آیاتہا ۶ ﴿۱۰۹ سُوْرَۃُ الْکٰفِرُوْنَ مَکِّیَّۃٌ ۱۸﴾ رکوعہا ۱

حضرت ابن مسعود، حضرت حسن بصری اور عکرمہ کے قول میں یہ مکی ہے (1) اور حضرت ابن عباس کے ایک قول، قتادہ اور ضحاک کے نزدیک یہ مدنی ہے۔ اس کی چھ آیات ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی روایت ہے: یہ سورت قرآن کے ایک تہائی کے برابر ہے (☆)۔

کتاب الرد لابی بکر الانباری میں ہے ہمیں عبداللہ بن ناجیہ نے خبر دی کہ ہمیں یوسف نے انہوں نے قعنبی اور ابو نعیم سے وہ موسیٰ بن وردان سے وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۝ ایک چوتھائی قرآن کے برابر ہے (2)۔ اسے حضرت انس سے موقوفاً نقل کیا ہے۔ حافظ ابو محمد عبدالغنی بن سعید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ ایک سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی اور قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۝، قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ کی قراءت کی پھر فرمایا: ''میں نے قرآن کا ایک تہائی اور ایک چوتھائی پڑھا ہے''۔

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے جبیر کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ جب تو سفر کے لیے نکلے تو تو شکل وصورت میں اپنے ساتھیوں سے زیادہ حسین ہو اور زادراہ میں سب سے بڑھ کر ہو؟'' میں نے عرض کی: جی ہاں۔ فرمایا: ''ان پانچ سورتوں کو پڑھو یعنی قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۝ کے شروع سے لے کر قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۝ تک۔ اور قراءت کا آغاز بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سے کر''۔ کہا: اللہ کی قسم! میرے پاس مال زیادہ نہیں ہوتا تھا جب میں سفر کرتا تو سب سے پراگندہ حال میرا ہوتا اور سب سے کم زادراہ میرا ہوتا۔ جب سے میں نے انہیں پڑھنا شروع کیا تو سب سے اچھا حال میرا ہوتا اور سب سے زیادہ زادراہ میرے پاس ہوتا یہاں تک کہ میں اپنے سفر سے واپس لوٹ آتا۔

فردہ بن نوفل اشجعی نے کہا: ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی مجھے کوئی وصیت کیجئے۔ فرمایا: ''سوتے وقت قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۝ پڑھا کرو بے شک یہ شرک سے چھٹکارا ہے'' (3) اسے ابو بکر انباری اور دوسرے علماء نے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قرآن حکیم میں ابلیس کو غضبناک کرنے والی اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں کیونکہ یہ سورت توحید اور شرک سے براءت ہے۔ اصمعی نے کہا: قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ۝ اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۝ کو مقشقشتان کہا جاتا یعنی یہ دونوں نفاق سے بری کر دیتی ہیں۔ ابو عبیدہ نے کہا: جس طرح تارکول جلد کی خشکی کو دور کرتی ہے اور اسے صحیح کر دیتی

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 334 — 2۔ جامع ترمذی، کتاب الفضائل، ما جاء فی اذا زلزلت، جلد 2، صفحہ 113

3۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، جلد 2، صفحہ 333۔ ایضاً، حدیث نمبر 4396، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

☆ جامع ترمذی، باب ما جاء فی اذا زلزلت، حدیث نمبر 2818، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

ہے۔ ابن سکیت نے کہا: زخم اور چیچک کا چھالا جب خشک ہو جائے اور اوپر سے چھلکا اتر جائے اور اونٹ کی خارش جب خشک ہو جائے تو اس وقت یہ جملہ بولتے ہیں: قد توسّف جلدہ، تقشر جلدہ، تقشقش جلدہ۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا الۡكٰفِرُوۡنَ ۝١ لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ ۝٢ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝٣ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝٤ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝٥

''آپ فرما دیجئے: اے کافرو! میں پرستش نہیں کیا کرتا (ان بتوں کی) جن کی تم پرستش کرتے ہو اور نہ ہی تم عبادت کرنے والے ہو اس (خدا) کی جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں اور نہ ہی میں کبھی عبادت کرنے والا ہوں جس کی تم پوجا کیا کرتے ہو اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کیا کرتا ہوں''۔

ابن اسحاق اور دوسرے علماء نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ ذکر کیا ہے کہ اس سورت کے نزول کا سبب یہ تھا کہ ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، اسود بن عبد المطلب اور امیہ بن خلف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے انہوں نے کہا: اے محمد! آؤ ہم اس کی عبادت کرتے ہیں جس کی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس کی عبادت کرو جس کی ہم عبادت کرتے ہیں، ہم اور تم سب اپنے امر میں شریک ہو جاتے ہیں اگر وہ چیز جو تم لائے ہو وہ اس سے بہتر ہے جو ہمارے پاس ہے تو ہم نے اس میں تمہارے ساتھ شرکت کر لی اور ہم نے اس سے اپنا حصہ لے لیا اگر وہ چیز جو ہمارے پاس ہے وہ اس سے بہتر ہے جو تمہارے پاس ہے تو تم ہمارے معاملہ میں شریک ہو جاؤ گے اور اس میں سے اپنا حصہ لے لو گے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔

ابو صالح نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی اگر تم معبودوں میں سے کسی کو ہاتھ لگا لیتے یا اس کا بوسہ لے لیتے تو ہم تمہاری تصدیق کرتے حضرت جبریل امین، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ سورت لائے تو مشرکین مکہ ان سے مایوس ہو گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیتیں دیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو بھی اذیتیں دیں۔

الۡكٰفِرُوۡنَ پر جو الف لام ہے اس سے مراد معین افراد ہیں اگرچہ اس کی صفت ہونے کی بنا پر یہ جنس کے لیے ہیں کیونکہ اس میں ان لوگوں سے خطاب کیا جا رہا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے علم میں پہلے سے ہی تھا کہ وہ کفر پر مریں گے تو یہ وہ خاص ہے جو عام لفظ کے ساتھ واقع ہوا ہے اس کی مثل ماوردی سے مروی ہے (1) کہ یہ کلام جواب کے طور پر واقع ہوئی اور کافروں سے مراد معین لوگ ہیں تمام کافر مراد نہیں کیونکہ کافروں میں سے کچھ ایمان لے آئے تھے انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور ان میں سے کچھ ایسے تھے جو کفر پر مرے یا اس پر قتل ہوئے۔ وہی لوگ اس خطاب کے مخاطب ہیں اور ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

ابو بکر انباری نے کہا: جس نے قرآن حکیم میں طعن کیا ہے اس نے اس میں یوں قراءت کی ہے قل للذین کفروا، لَاۤ اَعۡبُدُ مَا تَعۡبُدُوۡنَ اس نے یہ گمان کیا کہ یہی درست ہے جب کہ یہ کہنا رب العالمین پر افتراء ہے، اس سورت کے معنی کو کمزور

1۔ تفسیر ماوردی، جلد 6، صفحہ 357

کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے جس کا قصد کیا ہے اس کو باطل کرتا ہے۔ مقصود یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کا نبی مشرکین کو اس گھٹیا خطاب کے ساتھ مخاطب کر کے اور ان پر وہ بات لازم کر کے جس سے ہر صاحب عقل و دانش نفرت کرتا ہے، مشرکین کو ذلیل و رسوا کرے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس باطل لفظ کا وہ دعویٰ کرتا ہے ہماری قراءت معنی میں اس پر مشتمل ہے اور اس معنی میں اضافہ کرتی ہے جو ان کے ہاں ان کے باطل اور تحریف میں نہیں پس ہماری قراءت کا معنی ہے کافروں کو کہہ دیجئے: اے کافرو! اس کی صحت پر دلیل یہ قول ہے کہ جب کوئی بدو اپنے مخاطب سے کہتا ہے: قُلْ لزيدٍ أقبل إلينا اس کا معنی ہے زید سے کہو: اے زید! ہماری طرف متوجہ ہو۔ لہٰذا ہماری قراءت اس پورے معنی پر واقع ہوئی جوان کے پاس ہے اور ان کی باطل قراءت سے حسین ترین لفظ اور بلیغ ترین معنی ساقط ہو گیا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی مجلس میں ان پر اعتماد رکھتے تھے (☆) اور انہیں کہتے: يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ اے کفار! جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ اس بات سے ناراض ہوں گے کہ انہیں کفر کی طرف منسوب کیا جائے اور انہیں کفار کے زمرہ میں شامل کر دیا جائے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس امر سے محفوظ و مامون رہے کہ کوئی ہاتھ آپ کی طرف بڑھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی جانب سے اذیت پہنچے جس نے قُلْ يَاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کی قراءت نہیں کی جس طرح اللہ تعالیٰ نے آیت کو نازل فرمایا اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک آیت کو ساقط کر دیا۔ اہل اسلام کا اسلوب یہ ہے کہ وہ اس جیسے عمل کی طرف جلدی نہیں کرتے اور اپنے نبی کے بارے میں یہ قصد نہیں کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان فضائل کو الگ کر دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے ہیں اور جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شرف یاب فرمایا ہے۔

جہاں تک اس میں تکرار کا تعلق ہے تو ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ان کی طمع کو ختم کرنے کے لیے یہ برائے تاکید کلام ذکر کی گئی ہے جس طرح تو کہتا ہے: واللہ لا أفعل كذا ثم واللہ لا أفعله اکثر علماء معانی نے کہا: قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور عربوں کے اسلوب کلام میں تکرار بھی ہے مقصود تاکید اور بات کو سمجھنا ہے، جس طرح ان کے اسلوب میں اختصار بھی ہے مقصود تخفیف و ایجاز ہوا کرتا ہے کیونکہ خطیب اور متکلم کا ایک شئی سے دوسری شئی کی طرف نکلنا اس سے بہتر ہے کہ کسی ایک جگہ ٹھہرا رہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ (الرحمٰن) وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ (المرسلات) كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ ۙ ثُمَّ كَلَّا سَيَعْلَمُوْنَ (الواقعہ) فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا ۙ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا (الم نشرح) سب تاکید کے لیے ہے۔ بعض اوقات قائل یہ کہتا ہے: ارمِ ارمِ، اعجل اعجل اس معنی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: فلا اذن ثم لا آذن إنما فاطمةُ بضعة منی (1) اسے امام مسلم نے نقل کیا ہے۔

جس طرح شعراء نے اپنے کلاموں میں تکرار سے کام لیا ہے:

هلا سألت جموعَ كِندة يومَ ولَّوْا أينَ أينا

تو نے کندہ کے لشکروں سے اس روز کیوں نہ پوچھا جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تھے کہاں، کہاں جا رہے ہو۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، فضائل فاطمة رضی اللہ عنہا، جلد 2، صفحہ 290

☆ بعض نسخوں میں لا یعتمد ہے یعنی اعتماد نہیں رکھتے تھے۔

ایک اور شاعر نے کہ:

یا لَبَکْرٍ أَنْشِرُوا لِی کُلَیْبًا یالَبَکْرٍ أَیْنَ أَیْنَ الفِرَارُ

اے بنو بکر! میرے لیے کلیب کو زندہ کرو اے بنو بکر! کہاں کہاں بھاگے جا رہے ہو۔

ایک اور شاعر نے کہا:

یا علقمةُ یا علقمةُ یا علقمةُ خیرَ تمیم کلِّها وأکرَمَهْ

اے علقمہ، اے علقمہ، اے علقمہ، اے تمام تمیم سے بہترین اور ان میں سے معزز ترین۔

ایک اور شاعر نے کہا:

یا أقرعُ بنَ حابسٍ یا أقرعُ إنکَ إنْ یُصرعْ أخوكَ تُصرعُ

اے اقرع بن حابس! اے اقرع اگر تیرے بھائی کو مارا جاتا ہے تو تجھے مارا جاتا ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

أَلَا یا اسلَمِی ثم اسلَمِی ثُمَّتَ اسلَمِی ثلاثَ تحیَّاتٍ وإنْ لم تَکَلَّمَ

تو سلامت رہ، تو سلامت رہ پھر تو سلامت رہ تجھے تین سلام ہوں اگرچہ تو کلام نہ کرے۔

اس کی مثل بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ یہ اسلوب ان کے قول کے مطابق ہے: تَعْبُدُ آلهتنا ونعبدُ إلَهَكَ ثم تعبد آلهتنا ونعبدُ إلَهَكَ ثم تعبد آلهتنا ونعبدُ إلَهَكَ ہم یہی اصول ہمیشہ کے لیے اپنائیں گے یعنی ایک ایک سال یہ سلسلہ چلے گا۔ تو انہوں نے جو قول کیا تھا اس کی ضد کے ساتھ انہیں جواب دیا گیا۔ یعنی یہ کبھی بھی نہیں ہوگا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہم تجھے اتنا مال دیں گے جس کے باعث تم مکہ کے سب سے غنی بن جاؤ گے، جس سے تم چاہتے ہو ہم تیری شادی اس سے کر دیتے ہیں، ہم تیرے پیچھے پیچھے چلیں گے اور تم ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے سے رک جاؤ اگر تم ایسا نہ کرو تو ہم تمہارے سامنے ایک تجویز رکھتے ہیں جس میں ہمارے اور تمہارے لیے بھلائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ تم ایک سال تک ہمارے معبودوں لات و عزیٰ کی عبادت کرو اور ہم ایک سال تک تمہارے معبود کی عبادت کریں گے تو یہ سورت نازل ہوئی لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ میں تکرار اس وجہ سے تھا کیونکہ قوم نے اپنی گفتگو ان پر بار بار دہرائی تھی۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: تغلیظ کے لیے کلام کو مکرر ذکر کیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تقدیر کلام یوں ہے لا أعبد الساعة ما تعبدون ولا أنتم عابدون الساعة ما أعبد یعنی میں اس وقت ان کی عبادت نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور تم اس وقت اس کی عبادت نہیں کرتے جس کی میں عبادت کرتا ہوں۔ پھر فرمایا: میں مستقبل میں اس کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم مستقبل میں اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرنے والا ہوں؛ یہ اخفش اور مبرد کا نقطہ نظر ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے جب وہ ایک بت سے رک جاتے تو اسے چھوڑ دیتے پھر اپنی خواہش نفس کی بنا پر ایک اور بت اپنا لیتے جب وہ ایک پتھر کے پاس سے گزرتے جو انہیں اچھا لگتا تو پہلے کو پھینک دیتے اور دوسرے کو اٹھا لیتے اور اس کی تعظیم کرتے اسے نصب کرتے تا کہ عبادت کریں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ انہیں فرما دیں: جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو میں آج ان بتوں کی عبادت نہیں کرتا جو تمہارے سامنے موجود ہیں پھر فرمایا: اور تم اس کی عبادت کرنے والے نہیں جن کی میں عبادت کرتا ہوں تم اس بت کی عبادت کرتے ہو جس کو تم نے اپنا معبود بنا لیا ہے وہ اس وقت تمہارے پاس ہے اور میں ان کی عبادت کرنے والا نہیں جن کی تم پہلے عبادت کرتے تھے اور اب انہیں چھوڑ دیا اور اب تم ان کی طرف متوجہ ہو چکے ہو اور تم اس کی عبادت کرنے والے نہیں جس کی میں عبادت کرتا ہوں کیونکہ میں تو اپنے اللہ کی عبادت کرنے والا ہوں۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۙ وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ زمانہ مستقبل کے متعلق ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ ان چیزوں کی عبادت کے بارے میں جن کی وہ زمانہ ماضی میں عبادت کیا کرتے تھے پھر فرمایا: وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ یہ لفظ تکرار ہے معنی کا تکرار نہیں کیونکہ تقابل تو اس امر کو ثابت کرتا ہے کہ کلام یوں ہوتی ولا أنتم عابدون ما عبدت تو عبدت کے لفظ سے اَعْبُدُ کی طرف عدول کیا گیا ہے مقصود اس امر کا شعور دلانا ہے کہ جب ایک ذات کی ماضی میں عبادت کی گئی وہ وہی ذات ہے جس کی زمانہ مستقبل میں عبادت کی جائے گی جب کہ ماضی اور مضارع کا صیغہ ایک دوسرے کی جگہ واقع ہوتے رہتے ہیں یہ اسلوب اللہ تعالیٰ کی اخبار میں اکثر واقع ہوتا ہے۔

مَآ اَعْبُدُ فرمایا من اعبد نہیں فرمایا تا کہ وَ لَآ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ۙ کے مقابل ہو جاتا جب کہ وہ چیزیں بت ہیں ان میں ما ہی مناسب ہے من مناسب نہیں پس پہلے کو دوسرے پر محمول کیا گیا ہے تا کہ کلام میں مقابلہ ہو جائے اور منافات واقع نہ ہو بعض اوقات ما کا لفظ ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے اس معنی میں عربوں کا قول ہے: سبحان ما سخر کن لنا اس مثال میں ما، من کے معنی میں ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: آیات کا معنی اور اس کی تقدیر یہ ہے اے کافرو! میں ان بتوں کی پوجا نہیں کرتا جن کی تم عبادت کرتے ہو اور نہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوں اس لیے کہ تم اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو اور تم نے بتوں کو معبود بنا کر رکھا ہے۔ اگر تم یہ گمان رکھتے ہو کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو تو تم جھوٹے ہو کیونکہ تم مشرک ہوتے ہوئے اس کی عبادت کرتے ہو تو میں تمہاری عبادت کی مثل عبادت نہیں کروں گا تو پھر ما مصدریہ ہے اسی طرح وَ لَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ ۚ میں ما مصدریہ ہے معنی ہوگا اور تم میری عبادت کی طرح عبادت نہیں کرتے جو کہ توحید ہے۔

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۠

''تمہارے لیے تمہارا دین ہے اور میرے لیے میرا دین''۔

اس میں تہدید کا معنی ہے یہ آیت بھی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ (القصص:55) اگر تم اپنے دین پر راضی ہو تو ہم اپنے دین سے راضی ہیں۔ یہ قتال کے حکم سے قبل کا حکم ہے اسے آیت سیف سے منسوخ کر دیا گیا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ پوری آیت منسوخ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس میں سے کوئی چیز بھی منسوخ نہیں کیونکہ یہ خبر ہے اور لَكُمْ دِيْنُكُمْ کا معنی ہے تمہارے لیے تمہارے دین کی جزا اور میرے لیے میرے دین کی جزا ہے۔ ان کے دین کو دین کا نام دیا گیا ہے کیونکہ انہوں نے اسی کا اعتقاد رکھا تھا اور اس سے اپنی وابستگی کی تھی۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: تمہارے لیے تمہاری جزا اور میرے لیے میری جزا ہے کیونکہ دین کا معنی جزا ہے۔ نافع نے ولی دین میں یاء کو فتحہ دی ہے اور بزی نے ابن کثیر سے اسی طرح روایت کی ہے جب کہ ان سے اختلاف مروی ہے۔ ہشام نے ابن عامر سے اور احفص نے عاصم سے اسی طرح نقل کیا ہے دینی میں دونوں حالتوں میں نصر بن عاصم، سلام اور یعقوب نے یاء کو ثابت رکھا ہے انہوں نے کہا: یہ بھی ایک اسم ہے جس طرح دِيْنُكُمْ میں کاف ہے اور قمت میں تاء ہے جب کہ باقی قراء نے یاء کے بغیر پڑھا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے: فَهُوَ يَهْدِيْنِ۝ (سورۃ الشعراء) فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ (آل عمران) اس کی مثل دوسری آیات ہیں ان میں کسرہ پر اکتفاء کیا گیا ہے اور مصحف کے خط کی اتباع کی گئی ہے کیونکہ اس میں یہ یاء کے بغیر واقع ہے۔

سورة النصر

آیاتہا ۳ ۔ ۱۱۰ سورۃ النصر مدنیۃ ۱۱۴ ۔ رکوعہا ۱

یہ بالاتفاق مدنی سورت ہے۔ اسے سورۂ تودیع بھی کہتے ہیں۔ اس کی تین آیات ہیں۔ یہ وہ آخری سورت ہے جو اکٹھی نازل ہوئی (1)؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور صحیح مسلم میں مروی ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَ الْفَتْحُ ۙ۝۱

''جب اللہ کی مدد آپہنچے اور فتح (نصیب ہو جائے)''۔

نَصْرُ کا معنی مدد ہے یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: قد نصر الغیث الأرض بارش نے نباتات کے اگانے میں زمین کی مدد کی جب کہ وہ قحط کا شکار تھی شاعر نے کہا:

إذا انسلخ الشهر الحرام فوَدِّعی بلادَ تميم وانصُرِی أرضَ عامرِ

جب شہر حرام گزر جائے تو تمیم کے علاقوں کو الوداع کہہ دے اور عامر کے علاقہ کی مدد کر۔

اس سے اسم نصرۃ ہے استنصرہ علی عدوہ اس نے دشمن کے خلاف اس سے مدد طلب کی۔ تناصروا انہوں نے ایک دوسرے کی مدد کی۔ پھر یہ قول کیا گیا ہے: اس مدد سے مراد قریش کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ہے (2)؛ یہ طبری کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: کافروں میں سے جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قتال کیا اس کے خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی کیونکہ مدد کا انجام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں ظاہر ہوا جہاں تک فتح کا تعلق ہے اس سے مراد فتح مکہ ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، مجاہد اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر سے مروی ہے: اس سے مراد شہروں اور محلات کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد تمام شہروں کی فتح ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد علوم کی نوازش ہے۔ یہاں اِذَا، قد کے معنی میں ہے معنی ہوگا یقیناً جب اللہ تعالیٰ کی مدد آپہنچی کیونکہ اس سورت کا نزول فتح مکہ کے بعد ہوا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس کا معنی ہو جب مدد آئے گی۔

وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ۝۲

''اور آپ دیکھ لیں لوگوں کو کہ وہ داخل ہو رہے ہیں اللہ کے دین میں فوج در فوج''۔

یہاں النَّاسَ سے مراد عرب اور دوسرے لوگ ہیں اور اَفْوَاجًا سے مراد جماعتیں ہیں یعنی ایک جماعت کے بعد دوسری

1۔ زاد المسیر، جلد 8، صفحہ 336 2۔ تفسیر طبری، جز 30، صفحہ 405

جماعت۔ اس کی وجہ یہ بنی جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو عربوں نے کہا: جب حضرت محمد ﷺ نے اہل حرم پر فتح حاصل کر لی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے اہل حرم کو اصحاب فیل سے پناہ دی تھی تو تمہارے اندر ان کا مقابلہ کرنے کی ہمت و طاقت نہیں تو وہ جماعت در جماعت اسلام قبول کرنے لگے۔ ضحاک نے کہا: امت سے مراد چالیس آدمی ہیں۔ عکرمہ اور مقاتل نے کہا: یہاں الناس سے مراد اہل یمن ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یمن سے سات سو افراد مسلمان اور اطاعت شعار بن کر آئے تھے۔ ان میں سے بعض اذانیں دے رہے تھے، بعض قرآن پڑھ رہے تھے اور بعض لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ رہے تھے نبی کریم ﷺ خوش ہوئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما رونے لگے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ کی قراءت کی اہل یمن آ گئے ان کے دل نرم، طبیعتیں ملائم، خشیت بہت زیادہ تھی تو وہ جماعت در جماعت اللہ کے دین میں داخل ہو گئے۔

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے پاس اہل یمن آئے ہیں وہ دلوں کے کمزور اور رقیق ہیں فقہ یمانی ہے اور حکمت یمانیہ ہے'' (1)۔ یہ بھی روایت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انی لأجِدُ نفس ربکم من قبل الیمن (2) اس ارشاد کے دو معانی ہو سکتے ہیں (۱) نفس سے مراد کشادگی ہے کیونکہ وہ جماعت در جماعت اسلام میں داخل ہوں گے (۲) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے اہل یمن کے ذریعے مصیبت کو دور کر دیا وہ انصار ہیں۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما نے روایت نقل کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''لوگ اللہ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہوئے یہ عنقریب جماعت در جماعت نکلیں گے'' (3) یہ ماوردی نے ذکر کیا ہے۔ ثعلبی کے الفاظ ہیں ابو عمار نے کہا مجھے جابر نے بیان کیا ہے کہا: مجھ سے حضرت جابر نے لوگوں کے حالات کے بارے میں سوال کیا، میں نے آپ کو لوگوں کے اختلاف اور افتراق کے بارے میں بتایا تو وہ رونے لگے وہ کہتے میں نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: إن النَّاس دَخَلوا فِي دين اللهِ أفواجًا ويخرجون من دين الله أفواجًا (4) لوگ اللہ کے دین میں جماعت در جماعت داخل ہوئے اور وہ عنقریب اللہ کے دین سے جماعت در جماعت نکلیں گے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

''تو (اس وقت) اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اس کی پاکی بیان کیجئے اور (اپنی امت کے لیے) اس سے مغفرت طلب کیجئے، بے شک وہ بہت توبہ قبول کرنے والا ہے''۔

جب تو نماز پڑھے تو اسے کثرت سے پڑھو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: سبح کا معنی ہے تو نماز پڑھ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ بِحَمْدِ رَبِّكَ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کامیابی اور فتح دی ہے اس کی حمد کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کیجئے۔ وَاسْتَغْفِرْهُ یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت کا سوال کیجئے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ فَسَبِّحْ کا معنی ہے اس کی پاکی

1۔ مسند امام احمد حدیث نمبر 7202
2۔ ایضاً، حدیث 10978
3۔ النکت والعیون، جلد 5، صفحہ 360
4۔ مسند امام احمد، حدیث نمبر 14696

بیان کیجئے یعنی اللہ تعالیٰ کی ان چیزوں سے پاکی بیان کیجئے جو اس کے لیے جائز نہیں ساتھ ہی ساتھ اس کا شکر بجالائیں اور اللہ تعالیٰ کا ہمیشہ ذکر کرتے ہوئے اس سے مغفرت طلب کریں۔ پہلا معنی زیادہ ظاہر ہے۔

ائمہ نے حدیث روایت کی ہے جب کہ الفاظ بخاری کے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَ الۡفَتۡحُ کے نازل ہونے کے بعد کوئی نماز نہیں پڑھی مگر یہ کہا: سبحانكَ رَبَّنَا وبحمدِكَ اللّٰهمّ اغفِرْلِي اے ہمارے رب! تو پاک ہے ہم تیری حمد کرتے ہیں، اے اللہ! مجھے بخش دے (1)۔

صحیح کے علاوہ ایک روایت میں ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول یہ تھا آپ کھڑے نہ ہوتے، نہ بیٹھتے، نہ آتے اور نہ جاتے مگر یہ الفاظ کہتے: سبحانَ اللهِ وبحَمْدِهِ أستغفِرُ الله و أتوبُ إليه (2) فرمایا: مجھے اس کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اس سورت کی آخر تک تلاوت کی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کے نزول کے بعد بڑی کوشش کی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قدم مبارک میں سوجن آگئی جسم کمزور ہوگیا، مسکراہٹ کم ہوگئی اور رونا زیادہ ہوگیا۔ عکرمہ نے کہا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آخرت کے امور میں کبھی بھی اتنی مشقت نہیں اٹھائی جتنی کوشش آپ نے اس سورت کے نزول کے بعد کی۔ مقاتل نے کہا: جب اس آیت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ پر پڑھا جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم تھے تو وہ سب بہت ہی خوش ہوئے اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما رونے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا: ''اے چچا جان! تجھے کس چیز نے رلایا ہے؟'' (3) عرض کی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے وصال کی خبر دی گئی ہے فرمایا: ''بات اسی طرح ہے جس طرح تو کہتا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد ساٹھ دن تک زندہ رہے جن میں آپ کو مسکراتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔

ایک قول یہ کیا گیا: یہ سورت حجۃ الوداع کے موقع پر ایام تشریق کے بعد نازل ہوئی۔ حضرت عمر اور حضرت عباس رضی اللہ عنہما رونے لگے دونوں سے کہا گیا: یہ تو خوشی کا دن ہے۔ دونوں نے کہا: بلکہ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کی خبر ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم دونوں نے سچ کہا ہے مجھے میری موت کی خبر دی گئی ہے''۔

بخاری شریف اور دوسری کتب میں حضرت ابن عباس سے مروی یہ روایت موجود ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بدری صحابہ کرام اور مجھے ملاقات کی اجازت دیتے تو بدری صحابہ میں سے کوئی اس پر ناراض ہوا انہوں نے کہا: آپ اس نوجوان کو ہمارے ساتھ ملاقات کی اجازت دیتے ہیں جب کہ ہمارے بیٹے ان کی عمر کے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں فرمایا: اس کا سبب تم جانتے ہو۔ ایک دن آپ نے ان کو اجازت دی اور مجھے بھی ان کے ساتھ اجازت دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے اس سورت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب

1۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، جلد 2، صفحہ 742 2۔ ایضاً، کتاب التفسیر، سورۂ عصر، جلد 2، صفحہ 742
3۔ تفسیر بغوی، جلد 5، صفحہ 645

کریں اور اس کی بارگاہ میں توبہ کریں۔ حضرت عمر نے پوچھا: اے ابن عباس! تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا: بات اس طرح نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو ان کے وصال کی خبر دی ہے فرمایا: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ یہ آپ کے وصال کی علامت ہے پس اپنے رب کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو اور اس سے بخشش طلب کرو بے شک وہ تواب ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مجھے اس کے بارے میں ملامت کرتے ہو۔ بخاری میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اس سے وہی جانتا ہوں جو تم کہتے ہو۔ اسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے کہا: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں مجھ سے سوال کیا کرتے تھے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے کہا: کیا آپ سے پوچھتے ہیں جب کہ اس کی مثل ہمارے بیٹے ہیں؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کی وجہ وہی ہے جو ہم جانتے ہیں۔ انہوں نے ان سے اس آیت اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ کے بارے میں پوچھا تو میں نے کہا: یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کا وقت ہے میں اسے جانتا ہوں اور آخر تک سورت پڑھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا: اللہ کی قسم! اس آیت کا وہی مفہوم جانتا ہوں جو تو جانتا ہے۔ کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے: وہ کیا چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے بخشتا تھا یہاں تک کہ آپ کو استغفار کا حکم دیا گیا؟ تو اسے جواب دیا جائے گا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی دعا میں یہ التجا کیا کرتے تھے رَبِّ اغْفِرْلِي خَطِيئَتِي وَجَهْلِي وإسرافي في أمري كله وأنت أعلم به مني (1)۔ اے میرے رب! میری خطا، میری ناواقفی، میری تمام معاملات میں میرے اسراف کو بخش دے اور تو میرے بارے میں مجھ سے زیادہ جانتا ہے۔

اللّٰهم اغفرلي خطئي وعمدي جهلي وهزلي وكل ذلك عندي اے اللہ! میرے غیر ارادی، میرے ارادی، میری ناواقفی اور میری غفلت کو بخش دے یہ سب میرے ہاں ہیں۔ اللّٰهم اغفرلي ما قدمت وما أخرت وما أعلنت وما أسررت أنت المقدم وأنت المؤخر إنك على كل شيء قدير اے میرے اللہ! میرے وہ اعمال جو میں نے پہلے کیے اور جو اعمال میں نے بعد میں کیے، جو میں نے اعلانیہ کیے اور جو میں نے پوشیدہ کیے سب کو بخش دے تو ہی مقدم اور موخر ہے تو ہر چیز پر قادر ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے آپ کو ان نعمتوں کے مقابلہ میں حق ادا نہ کرنے والا خیال کرتے تھے جو اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کیں اور ان نعمتوں کے حقوق بجا نہ لے آنے کو قصور خیال کرتے تھے۔ یہ احتمال بھی موجود ہے کہ یہ کلام اس معنی میں ہوا ی ذات کے ساتھ وابستہ رہنے والے ہو جاؤ، سوال کرنے والے اور رغبت رکھنے والے ہو جاؤ، حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی کو دیکھ کر آہ وزاری کرنے والے ہو جاؤ تاکہ اعمال کی رؤیت تک یہ سلسلہ منقطع نہ ہو۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: استغفار، امر تعبدی ہے اس کا بجالانا ضروری ہے یہ مغفرت کے لیے نہیں بلکہ أمر تعبدی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے تنبیہ ہے تاکہ وہ بے خوف نہ ہو جائیں اور استغفار کو ترک نہ کر دیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: اپنی امت کے لیے مغفرت طلب کریں۔

اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا وہ تسبیح کرنے والوں اور استغفار کرنے والوں پر کرم نوازی فرمانے والا ہے اور ان پر رحم فرمانے والا ہے وہ

1۔ صحیح بخاری، کتاب الدعوات، اللھم اغفرلی ما قدمت وما اخرت، جلد 2، صفحہ 946

ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ جب نبی کریم ﷺ معصوم ہیں انہیں استغفار کا حکم دیا جاتا ہے تو غیر کے بارے میں کیا گمان ہوگا۔

امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ اکثر یہ جملہ اپنی زبان پر لاتے تھے: سبحانَ اللهِ وبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللهَ وأتوبُ إليه حضرت عائشہ نے کہا: میں نے عرض کی: یا رسول اللہ! میں آپ کو اکثر یہ پڑھتے ہوئے سنتی ہوں سبحانَ اللهِ وبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللهَ وأتوبُ إليه (1) فرمایا: میرے رب نے مجھے خبر دی میں اپنی امت میں ایک علامت دیکھوں گا جب میں اسے دیکھوں تو میں یہ کلمات بہت زیادہ کہوں سبحانَ اللهِ وبِحَمْدِهٖ أَسْتَغْفِرُ اللهَ وأتوبُ إليه تحقیق میں نے اسے دیکھ لیا ہے اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۙ وَ رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۙ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ۗ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا: یہ سورت حج الوداع کے موقع پر منیٰ میں نازل ہوئی پھر یہ آیت نازل ہوئی اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ (مائدہ:3) نبی کریم ﷺ ان دونوں کے بعد اسی دن تک اس دنیا میں رہے پھر کلالہ سورۂ نساء کی آخری آیت نازل ہوئی اس کے بعد نبی کریم ﷺ پچاس دن اس ظاہری زندگی میں رہے پھر لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (التوبہ:129) نازل ہوئی اس کے بعد آپ پینتیس دن تک زندہ رہے پھر اس کے بعد وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ (البقرہ:281) نازل ہوئی اس کے بعد آپ ﷺ اکیس دن زندہ رہے۔ مقاتل نے کہا: صرف سات دن۔ اس کے علاوہ بھی قول کیے گئے ہیں جن کی وضاحت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

1۔ شعب الایمان، کتاب تعظیم القرآن، فی فضائل السور والآیات، جلد 2، صفحہ 501

سورۂ تبت

آیاتہا ۵ ۔ ۱۱۱ سورۃ اللھب مکیۃ ۱ ۔ رکوعہا ۱

سب علماء کے نزدیک یہ سورت مکی ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ وَّ تَبَّ ؕ﴿۱﴾

''ٹوٹ جائیں ابولہب کے دونوں ہاتھ اور وہ تباہ و برباد ہو گیا''۔

اس میں تین مسائل ہیں:

شان نزول

مسئلہ نمبر 1۔ تَبَّتۡ یَدَاۤ اَبِیۡ لَهَبٍ صحیحین اور دوسری کتب احادیث میں موجود ہے جب کہ الفاظ مسلم شریف کے ہیں (1)۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے جب یہ آیت کریمہ وَ اَنۡذِرۡ عَشِیۡرَتَکَ الۡاَقۡرَبِیۡنَ ﴿۲۱۴﴾ (الشعراء) نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے یہاں تک کہ صفا پہاڑی پر چڑھے اور بلند آواز سے کہا: یا صباحاہ! لوگوں نے پوچھا: یہ اعلان کرنے والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اکٹھے ہو گئے فرمایا: ''اے بنی فلاں، اے بنی فلاں، اے بنی عبد مناف اور بنی عبد المطلب'' تو وہ آپ کے قریب جمع ہو گئے فرمایا: ''مجھے بتاؤ اگر میں تمہیں بتاؤں کہ ایک گھڑسوار دستہ اس پہاڑ کے پیچھے سے نکلے گا کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' سب نے کہا: ہمیں آپ کے جھوٹ کا کوئی تجربہ نہیں۔ فرمایا: ''میں تمہیں آنے والے شدید عذاب کے بارے میں خبردار کرنے والا ہوں''۔ ابولہب نے کہا: تو ہلاک ہو (نعوذ باللہ) تو نے ہمیں اس لیے جمع کیا تھا پھر وہ اٹھ کھڑا ہوا تو یہ سورت نازل ہوئی۔ اعمش نے سورت کے اختتام تک اسی طرح قراءت کی ہے۔ حمیدی اور دوسرے علماء نے زیادہ ذکر کیا ہے جب اس کی بیوی نے سنا کہ اس کے خاوند اور اس کے بارے میں قرآن نازل ہوا ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئی جب کہ آپ کعبہ کے پاس مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر کھڑی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو سلب کر لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ دیکھ سکی وہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہی تھی اس نے کہا: اے ابوبکر! مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ تیرا ساتھی میری ہجو کرتا ہے اللہ کی قسم! اگر میں اس کو پاتی تو میں یہ پتھر اس کے منہ پر مارتی اللہ کی قسم! میں شاعرہ ہوں:

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب من مات علی الکفر فھو فی النار، جلد 1، صفحہ 114

مُذَمَّمًا عَصَيْنَاهُ　　وَأَمْرَهُ أَبَيْنَاهُ　　وَدِينَهُ قَلَيْنَا

ہم نے مذمم کی نافرمانی کی، اس کے حکم کا ہم نے انکار کیا اور اس کے دین کو ہم نے مبغوض رکھا۔

پھر وہ چلی گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا آپ دیکھتے نہیں تھے اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا؟ فرمایا: ''اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی نظر کو مجھ سے روک لیا تھا'' (1)۔ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مذمم کہتے تھے وہ آپ کو اس نام سے گالی دیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ''کیا تم تعجب کا اظہار نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے کیسے مشرکین کی اذیتوں کو مجھ سے دور کر دیا ہے وہ مذمم کو گالیاں دیتے ہیں اور اس کی ہجو کرتے ہیں جب کہ میں تو محمد ہوں''۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کے نزول کا سبب وہ ہے جو عبدالرحمٰن بن زید نے حکایت کی ہے کہ ابولہب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے کہا: اے محمد! اگر میں تجھ پر ایمان لاؤں تو مجھے کیا عطا کیا جائے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمانوں کو عطا کیا جائے گا''۔ اس نے کہا: مجھے ان پر کوئی فضیلت نہ ہوگی؟ فرمایا: ''تو کیا چیز چاہتا ہے؟'' اس نے کہا: اس دین کی تباہی کہ میں اور یہ لوگ برابر ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس بارے میں ارشاد فرمایا: تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۔

ایک تیسرا قول ہے جسے عبدالرحمٰن بن کیسان نے بیان کیا ہے کہ جب کوئی وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ابولہب ان کے پاس جاتا وہ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں پوچھتے وہ اس سے کہتے: تو ہماری بنسبت ان کے بارے میں زیادہ آگاہ ہے۔ ابولہب انہیں کہتا: وہ کذاب اور ساحر ہے۔ وہ لوگ ملاقات کیے بغیر واپس چلے جاتے۔ ایک وفد آیا تو اس نے ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جو پہلے وفدوں کے ساتھ کرتا تھا انہوں نے کہا: ہم واپس نہیں جائیں گے یہاں تک کہ ہم اسے دیکھ لیں اور اس کی بات سن لیں۔ ابولہب نے انہیں کہا: ہم لگاتار اس کا علاج کرتے رہے تو اس کے لیے ہلاکت و بربادی ہے۔ اس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی تو اس وجہ سے آپ پریشان ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس سورت کو نازل فرمایا۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ ابولہب نے ارادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر مارے تو اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو اس سے روک دیا اور اس سورت کو نازل فرمایا۔

تَبَّتْ کا معنی ہے اس نے نقصان اٹھایا؛ یہ قتادہ کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی ہے وہ خائب و خاسر ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: وہ گمراہ ہوا؛ یہ عطا کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ ہلاک ہوا؛ یہ ابن جبیر کا قول ہے یمان بن رئاب نے کہا: وہ ہر خیر سے خالی ہو گیا۔ اصمعی نے ابوعمرو بن علاء سے روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو شہید کیا گیا تو لوگوں نے ایک آواز سنی کہنے والا کہہ رہا تھا:

لَقَدْ　خَلَّوْكَ　وانْصَرَفُوا　فما　آبُوا　ولا　رَجَعُوا
ولم　يُوفُوا　بِنَذْرِهِمْ　فيا　تبًّا　لِمَا　صَنَعُوا

1۔ احکام القرآن لابن العربی، جلد 4، صفحہ 1993

انہوں نے تجھے تنہا چھوڑ دیا اور خود چلے گئے اور نہ لوٹے۔ انہوں نے اپنی نذر کو پورا نہ کیا انہوں نے جو کچھ کیا اس پر ہلاکت ہے۔

تباب (ہلاکت) کو دونوں ہاتھوں کے لیے خاص کیا گیا ہے کیونکہ اکثر عمل انہیں دو کے ساتھ ہوتا ہے یعنی دونوں ہاتھ خسارے میں رہے اور وہ خود خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یدین سے مراد اس کی ذات ہے، نفس کو ید کے ساتھ بھی تعبیر کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: بِمَا قَدَّمَتْ يَدٰكَ (الحج:10) تو نے جو آگے بھیجا اس کے بدلے۔ یہ کلام عرب کا واضح اسلوب ہے کل کو بعض کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں: أصابتہ یدُ الدھر ویدُ الرزایا والمنایا یعنی اسے مصیبت پہنچی۔ شاعر نے کہا:

لَمَّا أَكَبَّتْ يَدُ الرَّزَايَا عَلَيْهِ نَادَى أَلَا مُجِيرُ

جب مصائب اس پر منہ کے بل گر پڑے تو اس نے ندا کی ہے: کوئی پناہ دینے والا۔

وَّتَبَّ فراء نے کہا پہلے تَبَّتْ دعا ہے اور دوسرا خبر ہے جس طرح یہ جملہ کہا جاتا ہے: اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے اور وہ ہلاک ہو گیا۔ حضرت عبداللہ اور حضرت ابی کی قراءت میں وقد تَبَّ ہے۔

ابولہب کا نام عبدالعزیٰ تھا وہ حضرت عبدالمطلب کا بیٹا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا تھا اس کی بیوی عوراء ام جمیل تھی جو حضرت ابوسفیان بن حرب کی بہن تھی دونوں میاں بیوی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سخت دشمنی رکھتے تھے۔ طارق بن عبداللہ محاربی نے کہا میں ذی مجاز کی منڈی میں تھا کہ اچانک میں ایک ایسے انسان کے پاس پہنچتا ہوں جو کہہ رہا ہے: اے لوگو! لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو تم فلاح پا جاؤ گے'' (1) اور اس کے پیچھے ایک آدمی ہے جو اسے پتھر مار رہا ہے اس نے اس شخصیت کی پنڈلیوں اور ایڑیوں کو زخمی کر دیا ہے اور کہہ رہا ہے: اے لوگو! یہ جھوٹا ہے تم اس کی تصدیق نہ کرنا۔ میں نے پوچھا: یہ دعوت دینے والی شخصیت کون ہے؟ لوگوں نے بتایا: یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہے۔ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ نبی ہیں یہ ان کا چچا ابولہب ہے جو یہ گمان کرتا ہے کہ آپ جھوٹے ہیں۔

عطا نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی کہ ابولہب نے کہا: (حضرت) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تم پر جادو کر دیا ہے بے شک ہم میں سے ایک پورا بکرا کھا جاتا تھا اور دودھ کا بڑا پیالہ پی جاتا تھا اور وہ سیر نہیں ہوتا تھا جب کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تمہیں ایک ران کھلا کر سیر کر دیا ہے اور دودھ کے ایک پیالے سے تمہیں سیراب کر دیا ہے۔

عبدالعزیٰ کو ابولہب کہنے کی وجہ

مسئلہ نمبر 2۔ أَبِيْ لَهَبٍ ایک قول یہ کیا گیا ہے کہ اس کے حسن اور روشن چہرے کی وجہ سے اسے ابولہب نام دیا گیا ہے۔ ایک قوم کا گمان ہے کہ اس میں یہ دلیل موجود ہے کہ کافر کا ذکر کنایہ کرنا درست ہے۔ یہ قول باطل ہے۔ علماء کے نزدیک چار وجوہ کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر ابولہب کے ساتھ کیا ہے۔

1۔ المعجم الکبیر الطبرانی، جلد 30، صفحہ 343، حدیث 806

(۱) اس کا نام عبدالعزیٰ تھا عزیٰ ایک بت تھا اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بت کی طرف عبودیت کی نسبت نہیں کی۔
(۲) وہ اپنے نام کی بجائے کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور تھا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کی کنیت کے ساتھ وضاحت کی۔
(۳) اسم کنیت سے معزز ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اسے معزز نام سے کم درجہ کے نام کی طرف اتارا جب کہ اس کے بارے میں خبر دینے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو ان کے ناموں سے یاد کیا اور ان میں سے کسی کی بھی کنیت ذکر نہ کی۔ یہ اسلوب تیری اس امر کے متعلق راہنمائی کرتا ہے کہ اسم کنیت سے فضیلت رکھتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جاتا ہے اس کی کنیت ذکر نہیں کی جاتی اگرچہ یہ اس کے ظہور اور بیان کی وجہ سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف کنیت کی نسبت محال ہوتی ہے کیونکہ وہ کنیت سے پاک ہے۔
(۴) اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ کیا کہ اس کی نسبت کو ثابت کرے کہ وہ اسے جہنم میں ڈالے گا تو وہ جہنم کا باپ ہے تا کہ اس نسبت کو ثابت کیا جائے اور اس نے اپنے حق میں جس فال کو اختیار کیا ہے اس کو نافذ کیا جائے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا نام ہی اس کی کنیت تھی اس کے گھر والے اسے ابولہب ہی کہتے، کیونکہ اس کا چہرہ روشن اور خوبصورت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس امر سے پھیر دیا کہ اسے کہیں: ابوالنور، ابوالضیاء۔ جو محبوب اور مکروہ کے درمیان مشترک ہے اور ان کی زبانوں پر یہ جاری کر دیا کہ اسے ابولہب کی طرف منسوب کریں جو صرف مکروہ و مذموم کے ساتھ خاص ہے۔ جو آگ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے یوں ثابت کیا کہ اس جہنم کو اس کا ٹھکانہ بنا دیا۔
مجاہد، حمید، ابن کثیر اور ابن محیصن نے اسے ابی لھب پڑھا ہے اور ذَاتَ لَهَبٍ میں انہوں نے کوئی اختلاف نہیں کیا کیونکہ اس میں انہوں نے آیات کے سروں کی رعایت کی ہے۔

ابولہب کا دوزخ میں جانا پہلے ہی لکھا جا چکا تھا

مسئلہ نمبر 3۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: جب اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا تو اسے فرمایا جو ہونے والا ہے اسے لکھ تو جو لکھا گیا اس میں تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ بھی تھا، منصور نے حضرت حسن بصری سے تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ کے بارے میں پوچھا: کیا یہ ام الکتاب میں تھا؟ کیا: ابولہب یہ طاقت رکھتا تھا کہ وہ آگ میں داخل نہ ہو؟ حضرت حسن بصری نے کہا: اللہ کی قسم! وہ طاقت نہیں رکھتا تھا کہ اس میں داخل نہ ہو۔ اللہ کی کتاب میں ابولہب اور اس کے والدین کی تخلیق سے پہلے ہی موجود تھا، اس کی تائید حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وہ قول بھی کرتا ہے جو انہوں نے حضرت آدم سے کیا تھا: تو وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، تجھ میں اپنی روح پھونکی، تجھے اپنی جنت میں سکونت عطا کی، اپنے فرشتوں سے تجھے اپنا سجدہ کروایا پھر تو نے لوگوں کو خائب و خاسر کر دیا اور انہیں جنت سے نکال باہر کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: تو وہی موسیٰ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ساتھ چن لیا، تجھے تورات دی تو مجھے ایسے امر پر ملامت کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے میرے بارے میں اس سے قبل لکھ لیا تھا جب کہ آسمانوں اور زمینوں کو تخلیق نہیں فرمایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے''۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔

ہمام نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے جو روایت نقل کی ہے اس میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تو کتنا عرصہ پاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: دو ہزار سال پہلے۔ فرمایا: کیا تو نے تورات میں یہ پایا ہے وَعَصَىٰٓ اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿١٢١﴾ (طٰہٰ) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ہاں۔ فرمایا: کیا تو مجھے ایسے امر پر ملامت کرتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے میری تخلیق سے دو ہزار سال پہلے یہ لکھ دیا ہے کہ میں اسے کروں گا تو حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے (1)۔ طاؤس، ابن ہرمز اور اعرج نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ روایت نقل کی ہے: چالیس سال پہلے اسے لکھا۔

مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾

”کوئی فائدہ نہ پہنچایا اسے اس کے مال نے اور جو اس نے کمایا“۔

اس نے جو مال جمع کیا اور اس نے جو جاہ وحشمت کمائی انہوں نے اللہ تعالیٰ کا عذاب دور کرنے میں اس کی کوئی مدد نہ کی۔ مجاہد نے مالہ سے مراد اولاد لی ہے کیونکہ آدمی کی اولاد اس کی کمائی ہوتی ہے۔ اعمش نے اسے وما اکتسب پڑھا ہے اور اسے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔ ابو الطفیل نے کہا: ابولہب کی اولاد جھگڑا کرنے کے لیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئی انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اٹھے تا کہ ان کے درمیان رکاوٹ بنیں تو ان میں سے ایک نے آپ کو دھکا دیا تو آپ نیچے گر پڑے تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما غصے ہو گئے فرمایا: اخرجوا عنی الکسب الخبیث۔ اے خبیث اولاد! تم میرے پاس سے نکل جاؤ۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”انسان جس چیز کو کھاتا ہے اس میں سے پاکیزہ ترین وہ کھانا ہے جو اس کی کمائی سے ہو اور بے شک اس کی اولاد اس کی کمائی ہے“ (2)۔ اسے حضرت ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قبیلہ کو جہنم کی آگ سے ڈرایا تو ابولہب نے کہا: میرا بھتیجا! جو کہتا ہے اگر وہ حق ہے تو میں اپنی ذات بچانے کے لیے اپنے مال اور اولاد کا فدیہ دے دوں گا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ﴿٢﴾۔

مَآ اَغْنٰى میں جو مَا ہے اس کے بارے میں یہ کہنا بھی جائز ہے کہ وہ نافیہ ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ استفہامیہ ہو۔ یعنی وہ کون سی چیز ہو گی جو اسے نفع دے گی۔ دوسرا مَا اس کے بارے میں جائز ہے کہ وہ الذی کے معنی میں ہو اور یہ بھی جائز ہے کہ فعل کے ساتھ مل کر مصدر کے حکم میں ہو یعنی اس کے مال اور کمائی نے اسے کچھ نفع نہ دیا۔

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ﴿٣﴾

”عنقریب وہ جھونکا جائے گا شعلوں والی آگ میں“۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام، جلد 2، صفحہ 1023-1022

2۔ معالم التنزیل، جلد 5، صفحہ 645

لَهَبٍ کا معنی اشتعال اور تلہب ہے سورۃ المرسلات میں اس بارے میں قول گزر چکا ہے عام قراءت سیصلی ہے۔ ابو رجاء اور اعمش نے اسے یاء کے ضمہ کے ساتھ پڑھا ہے محبوب نے اسماعیل سے وہ ابن کثیر سے یہی روایت کرتے ہیں اور حسین نے ابو بکر سے وہ عاصم سے بھی اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ حضرت حسن بصری سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ اشہب عقیلی، ابوسمال عدوی اور محمد بن سمیقع نے سیُصَلِّیَ پڑھا ہے اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ اسے داخل کرے گا اس معنی میں یہ ارشاد ہے: وَّ تَصْلِيَةُ جَحِيْمٍ ﴿٩٤﴾ (الواقعہ) دوسری قراءت اصلاء سے ماخوذ ہے یعنی یصلیه الله اللہ تعالیٰ اسے داخل کرے گا اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اسی معنی میں ہے فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا (النساء:30) پہلی قراءت ہی پسندیدہ ہے کیونکہ تمام قراء کا اس پر اتفاق ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿١٦٣﴾ (الصافات) اس معنی میں دلالت کرتا ہے۔

وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ﴿۴﴾

''اور اس کی جورو بھی بدبخت ایندھن اٹھانے والی''۔

وَّامْرَاَتُهٗ سے مراد ام جمیل ہے۔ ابن عربی نے کہا: وہ کانی ام قبیح ہے وہ کانی تھی۔ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ حضرت ابن عباس، مجاہد، قتادہ اور سدی نے کہا: وہ لوگوں کے درمیان چغل خوری کیا کرتی تھی۔ عرب کہتے: فلاں يَحْطِبُ على فلان، فلاں فلاں کے خلاف بھڑکاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

إنّ بني الأَدْرَمِ حَمَّالو الحَطَبْ هُمُ الوُشاةُ في الرِّضَا وفي الغَضَبْ
عَلَيهِمُ اللَّعْنَةُ تَتْرَى والحَرَبْ

بے شک بنی ادرم فتنہ وفساد کی آگ بھڑکانے والے ہیں وہ خوشی اور ناراضگی میں چغل خوری کرتے ہیں ان پر لگاتار لعنت اور ڈاکہ ہو۔ شاعر نے کہا:

ولَمْ تَمْشِ بينَ الحيِّ بالحَطَبِ الرطْبِ

یعنی تو چغل خوری نہ کر۔

یہاں ایندھن کو تر ذکر کیا گیا ہے تاکہ دھویں پر دلالت کرے جو شر میں زیادتی پر دال ہے۔ اکثم بن صیفی نے اپنے بیٹوں سے کہا: چغل خوری سے بچو بے شک یہ روشن آگ ہے چغل خور ایک لمحہ میں وہ کر جاتا ہے جو جادوگر ایک ماہ میں نہیں کرتا۔ ایک شاعر نے اسی مفہوم کو لیا اور یہ شعر کہا:

إنَّ النميمةَ نارٌ وَيْك مُحْرِقَةٌ فَفِرَّ عَنْها وجانِبْ مَنْ تَعاطَاها

بے شک چغل خوری جلا دینے والی آگ ہے تو اس سے دور بھاگ اور جو تیرے پاس اسے لائے اس سے پہلو تہی کر۔

اسی وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: کینہ کی آگ ٹھنڈی نہیں ہوتی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمان ثابت ہے: لا یدخلُ الجنّةَ نمامٌ چغل خور جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ذو الوَجْهَينِ لا يكونُ عندَ اللهِ وَجِيهًا (1) چغل

1۔ صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب غلظ تحریم النمیمة، جلد 1، صفحہ 70

خور اللہ تعالیٰ کے ہاں معزز نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: من شَرِّ النَّاسِ ذو الوجهين الذِي يَأتِي هَؤُلَاءِ بِوَجْهٍ وهولاءِ بِوَجْهٍ (1) لوگوں میں سے سب سے برا دو رخا ہوتا ہے جو ان لوگوں کے پاس ایک رخ سے اور دوسرے لوگوں کے پاس دوسرے رخ سے آتا ہے۔

کعب الاحبار نے کہا: بنو اسرائیل کو قحط نے آلیا حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر تین دفعہ آبادی سے باہر نکلے تا کہ بارش کے لیے دعا کریں مگر ان پر بارش نہ ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: میرے اللہ! یہ تیرے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی: میں تیری اور جو لوگ تیرے ساتھ ہیں ان کی دعا قبول نہیں کروں گا کیونکہ ان میں ایک چغل خور ہے اس نے چغل خوری پر اصرار کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی: اے میرے رب! وہ کون ہے ہم اسے اپنے درمیان سے نکال دیتے ہیں؟ فرمایا: اے موسیٰ! میں تجھے چغل خوری سے منع کروں اور خود چغل خور بن جاؤں۔ ان سب نے توبہ کی تو ان پر بارش کی گئی (2)۔ چغل خوری گناہ کبیرہ میں سے ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں یہاں تک کہ حضرت فضیل بن عیاض نے کہا: تین چیزیں ایسی ہیں جو عمل صالح کو گرا دیتی ہیں، روزے دار کا روزہ توڑ دیتی ہیں اور وضو کو توڑ دیتی ہیں: غیبت، چغل خوری اور جھوٹ۔

عطا بن سائب نے کہا: میں نے امام شعبی کے سامنے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ذکر کیا لا يدخُلُ الجَنَّةَ سافكُ دمٍ ولا مشاءٌ بنَمِيمَةٍ ولا تاجرٌ يربي جنت میں خون بہانے والے، چغل خور اور سود لینے والا تاجر داخل نہیں ہوگا۔ میں نے عرض کی: اے ابو عمرو! چغل خور، قاتل اور سود خور کے ساتھ مل گیا ہے؟ فرمایا: خونوں کو نہیں بہایا جاتا، مالوں کو نہیں چھینا جاتا اور بڑے بڑے فتنے واقع نہیں ہوتے مگر چغل خوری کی وجہ سے ہی ایسا ہوتا ہے۔

قتادہ اور دوسرے علماء نے کہا: وہ رسول اللہ ﷺ کو فقر کا عار دلاتی پھر مال زیادہ ہونے کے باوجود وہ اپنی پشت پر لکڑیاں اٹھاتی کیونکہ وہ بہت بخیل تھی اسے بخل پر عار دلائی گئی ہے۔

ابن زید اور ضحاک نے کہا: وہ کانٹے اٹھا لاتی اور رات کے وقت نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ کے راستہ میں بکھیر دیتی: یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ ربیع نے کہا: نبی کریم ﷺ ان پر یوں چلا کرتے جس طرح ریشم پر چلا جاتا ہے۔ مرہ ہمدانی نے کہا: ام جمیل ہر روز کانٹوں کا گٹھا اٹھا لاتی اور مسلمانوں کے راستہ میں پھینک دیتی اسی اثنا میں کہ وہ ایک روز گٹھا اٹھائے ہوئے تھی کہ وہ تھک گئی وہ ایک پتھر پر بیٹھی تا کہ آرام کرے فرشتہ نے پیچھے سے کھینچا تو اسے ہلاک کر دیا۔

سعید بن جبیر نے کہا: اس سے مراد خطاؤں اور گناہوں کو اٹھانے والی ہے۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فلان يَحْتَطِبُ عَلَى ظَهْرِهِ یعنی وہ گناہگار ہے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ (الانعام: 31) وہ اپنے گناہ اپنے پشتوں پر اٹھائے ہوں گے۔

1۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الرؤیا، باب ذم الوجهين والتحريم فعله، جلد 2، صفحہ 325

2۔ صحیح مسلم، کتاب القدر، حجاج آدم و موسیٰ علیہما السلام، جلد 2، صفحہ 1024-1023

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وہ جہنم میں گٹھا اٹھائے ہوئے ہوگی۔ یہ حقیقت سے بہت ہی بعید بات ہے۔ عام قراءت حمالة ہے کہ یہ خبر ہے اور امراتہ اس کا مبتدا ہے اور فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۞ یہ حَمَّالَةَ میں موجود ضمیر سے حال ہے یا دوسری خبر ہے یا حَمَّالَةَ الْحَطَبِ، امْرَاَتُهٗ کی صفت ہے اس کی خبر فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۞ ہے اس صورت میں ذَاتَ لَهَبٍ پر وقف ہوگا۔ یہ بھی جائز ہے کہ امْرَاَتُهٗ کا عطف سَيَصْلٰى کی ضمیر پر ہو تو اس صورت میں ذَاتَ لَهَبٍ پر وقف ہوگا وقف وَّامْرَاَتُهٗ پر ہوگا۔ اور حَمَّالَةَ الْحَطَبِ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی۔ عاصم نے حمالةَ الحطب یعنی منصوب پڑھا ہے یہ بطور مذمت منصوب ہے گویا وہ اس صفت میں مشہور تھی صفت مذمت کے لیے آئی ہے یہ تخصیص کے لیے نہیں جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: مَّلْعُوْنِيْنَ ۚ اَيْنَمَا ثُقِفُوْۤا (الاحزاب: 61) محل استدلال ملعونین ہے۔ ابوقلابہ نے حاملة الحطب پڑھا ہے۔

فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۠۞

"اس کے گلے میں مونج کی رسی ہوگی"۔

جِيْدِهَا سے مراد گردن ہے امراء القیس نے کہا:

وجِيدٍ كجِيدِ الرِّيمِ لَيْسَ بفاحِشٍ　إِذَا هِيَ نَصَّتْهُ وَلَا بِمُعَطَّلِ

کتنی ہی گردنیں ہیں جو ہرن کی گردن کی طرح ہیں وہ بدصورت نہیں جب وہ گردن کو اٹھائے جب کہ اس کی گردن میں کوئی زیور نہیں۔

مَّسَدٍ کا معنی چھال ہے نابغہ نے کہا:

مَقْذُوفَةٍ بدَخِيسِ النَّحْضِ بازِلُها　له صَرِيفٌ صَرِيفُ القَعْوِ بالمَسَدِ

شعر میں مسد سے مراد چھال ہے۔

ایک اور شاعر نے کہا:

يا مَسَدَ الخُوصِ تَعَوَّذْ مِنِّيْ　إِنْ كُنْتُ لَدْنًا لَيِّنًا فَإِنِّي
ماشِئْتَ مِنْ أَشْمَطَ مُقْسَئِنِّ

بعض اوقات یہ اس اونٹ کے چمڑے یا اس کے بالوں کی بنی ہوتی ہے۔

جِيْدِ کی جمع أجياد اور مسد کی جمع أمساد ہوتی ہے۔ ابوعبیدہ نے کہا: یہ اون کی رسی ہوتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ درخت سے بنی ہوئی رسیاں ہوتی ہیں جو درخت یمن میں اگتا ہے جسے مسد کہتے ہیں اسے باٹا جاتا ہے۔ ضحاک اور دوسرے علماء نے کہا: یہ دنیا میں ہوگا وہ نبی کریم ﷺ کو فقر کا طعنہ دیا کرتی تھی جب کہ خود چھال کی رسی میں لکڑیاں باندھتی جسے وہ اپنی گردن میں ڈال لیتی۔ اللہ تعالیٰ نے اس رسی کے ساتھ اس کے گلے کو پھانس دیا اور اسے ہلاک کر دیا۔ آخرت میں اس کے گلے میں آگ کی رسی ہوگی۔

ابوصالح کی روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول مروی ہے: فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد ہے ایک

ایسی زنجیر ہوگی جس کی لمبائی ستر گز ہوگی؛ یہ مجاہد اور عروہ بن زبیر نے کہا: وہ زنجیر اس کے منہ میں داخل ہوگی اور اس کے نچلے حصے سے نکلے گی، باقی ماندہ اس کی گردن پر لپیٹ دی جائے گی۔

قتادہ نے کہا: حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ سے مراد ہے ودع کا ہار، ودع سفید گھونگا ہے جو سمندر سے نکلتا ہے جو چھوٹا اور بڑا ہونے میں مختلف ہوتا ہے شاعر نے کہا:

والحِلم حِلْمُ صَبِيٍّ يَمْرِثُ الوَدَعَهْ

حلم تو بچے کا حلم ہے جو گھونگے کو چوستا رہتا ہے۔

ودع کی جمع ودعات آتی ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: اس کی گردن میں گھونگھوں کا ہار تھا۔ سعید بن مسیب نے کہا: اس کا موتیوں کا عمدہ ہار تھا۔ اس نے کہا: لات وعزیٰ کی قسم! میں اسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں ضرور خرچ کروں گا۔ قیامت کے روز یہی اس کے گلے میں عذاب ہوگا۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ رسوائی کی طرف اشارہ ہے کہ اس کے حق میں جو شقاوت مقدر ہو چکی تھی وہ ایمان کو چھوڑ کر اس کے ساتھ یوں بندھی ہوئی تھی جس طرح اس کے گلے میں چھال کی رسی بندھی ہوئی تھی۔ مَسَد کا معنی باٹنا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: مَسَدَ حَبْلَهُ يَمْسِدُهُ مَسْدًا یعنی اس نے اسے عمدہ طریقہ سے باٹا۔ شاعر نے کہا:

يَمْسُدُ أَعْلَى لحمِهِ ويأْرِمُهُ

یہ کہتا ہے چارہ اس گدھے کی پشت کو قوی کرتا ہے اور مضبوط بناتا ہے۔

دابة ممسودة الخلق اس جانور کو کہتے ہیں جب اس کے جوڑ بڑے مضبوط ہوں۔ شاعر نے کہا:

ومَسَدٍ أُمِرَّ مِنْ أَيَانِقِ صُهْبٍ عِتَاقٍ ذاتِ مُخٍّ زاهِقِ

لَسْنَ بِأَنْيَابٍ ولا حَقَائِقِ

فراء نے کہا: وہ مرفوع ہے شعر میں اکفاء ہے وہ کہتا ہے: بل مُخهن مكتنِزاسے مبتدا کی حیثیت میں رفع دیا گیا ہے۔ کہا: یہ ارادہ کرنا جائز نہیں ولا ضعاف زاهق مخهن جس طرح تیرا یہ کہنا جائز نہیں: مررتُ برجل أبوهُ قائم۔ دوسرے نے کہا: یہاں زاہق، ذاہب (جانے والا) کے معنی میں ہے گویا کہا: ولا ضعاف مخهن پھر زاہق کو ضعاف کی طرف پھیرا۔ رجل ممسود اسے کہتے ہیں جس کا جسم بٹا ہوا ہو، اس طرح یہ لفظ بولا جاتا ہے: جاريةٌ حسنة المَسد والعصبِ والجلالِ والإرم وهي ممسودةٌ، معصوبةٌ، مجدولةٌ، مأروقةٌ، مساد فعال کا وزن ہے۔ یہ مساب میں ایک لغت ہے اس سے مراد شہد کا مشکیزہ ہے اور گھی کا مشکیزہ ہے۔ یہ سب گفتگو جوہری نے کی ہے۔ اس نقطہ نظر پر اعتراض کیا گیا اور کہا گیا: اگر وہ رسی وہ تھی جس کے ساتھ وہ لکڑیوں کا گٹھا بنایا کرتی تھی تو وہ آگ میں کیسے باقی رہے گی؟ اس کا جواب یہ دیا گیا: اللہ تعالیٰ اسے ہر دفعہ نیا کرنے پر قادر ہے جب بھی وہ جلے گی۔ ابولہب اور اس کی بیوی کے آگ میں رہنے کا حکم اس امر کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ وفات تک کفر پر باقی رہی جب دونوں کفر پر ہی مرے تو ان دونوں کے بارے میں خبر دینا سچا ہو گیا۔ اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کے گلے کو رسی سے گھونٹ دیا اور واقعہ بدر کے سات دن بعد اللہ تعالیٰ نے ابولہب کو پھوڑا کا مرض لگا یا
جب کہ ام فضل نے اسے زخمی کیا تھا اس کی وجہ یہ بنی جب حیسمان مکہ آیا تا کہ بدر کی خبر سنائے ابولہب نے اسے کہا: مجھے لوگوں کی
خبر سناؤ اس نے کہا: ہاں۔ اللہ کی قسم! ہم قوم (مسلمانوں) سے ملے ہم نے اپنے پہلوان ان کو عطا کر دیئے وہ مسلمان جہاں
سے چاہتے ہمارے اسلحے اتار لیتے اس کے باوجود میں نے کسی انسان کو چھوا تک نہیں ہم ایسے سفید رنگت والے لوگوں سے ملے
جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اللہ کی قسم! وہ ہم میں سے کسی کو باقی نہیں چھوڑ رہے تھے وہ کہہ رہا تھا: ما تبقی شیأ۔

ابورافع نے کہا: میں حضرت عباس کا غلام تھا اور میں زمزم کے صفہ میں تیروں کی لکڑیاں چھیل رہا تھا میرے پاس حضرت
ام الفضل بیٹھی ہوئی تھی ہمیں جو خبر پہنچی تھی اس نے ہمیں خوش کیا تھا میں نے خیمہ کی رسیوں کو اٹھایا اور کہا: اللہ کی قسم! وہ فرشتے
تھے ابولہب نے ہاتھ اٹھایا اس نے میرے چہرے پر تھپڑ مارا میں اس پر جھپٹ پڑا میں ایک کمزور آدمی تھا اس نے مجھے اٹھایا
اور زمین پر پٹخ دیا اور مجھے مارتے ہوئے میرے سینے پر بیٹھ گیا۔ حضرت ام الفضل خیمہ کی لکڑیوں میں سے ایک لکڑی کی طرف
بڑھیں اور وہ ایک کو لیتی ہیں اور کہتی ہیں: تو نے اس کو اس لیے کمزور جانا کہ اس کا آقا موجود نہیں اور اس کے سر پر اس ستون کو
مارا اور عجیب سا زخم اس کے سر کو پھاڑ دیتا ہے وہ ذلیل ہو کر اپنے قدم گھسیٹتے ہوئے چلا جاتا ہے اللہ تعالیٰ اسے پھوڑے کا مرض
لگا دیتا ہے اور وہ مر جاتا ہے، تین دن تک اسے دفن نہیں کیا جاتا یہاں تک کہ وہ بدبودار ہو جاتا ہے پھر اس کے بچوں نے اسے
دور سے ہی پانی سے نہلایا اس کی وجہ اس پھوڑے کا خوف تھا قریش اس سے اس طرح بچتے تھے جس طرح طاعون سے بچتے
تھے۔ پھر اسے مکہ کے بالائی علاقہ میں لے گئے اسے ایک دیوار کے ساتھ رکھا اور اس پر پتھر رکھ دیئے۔

سورۃ الاخلاص

آیاتہا ۴ ۱۱۲ سورۃ الاخلاص مکیۃ ۲۲ رکوعہا ۱

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، عطا، عکرمہ اور جابر نے کہا، یہ سورت مکی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک قول، قتادہ، ضحاک اور سدی نے کہا: یہ سورت مدنی ہے اس کی چار آیات ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۚ﴿۲﴾ لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ۙ﴿۳﴾ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿۴﴾

''(اے حبیب!) فرما دیجئے وہ اللہ ہے، یکتا، اللہ صمد ہے، نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ جنا گیا اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے''۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿۱﴾ وہ واحد طاق ہے اس کے کوئی مشابہ نہیں، کوئی اس کی مثل نہیں، اس کی بیوی نہیں، اس کا کوئی بچہ نہیں اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ احد اصل میں وحد تھا اس کی واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ اس معنی میں نابغہ کا قول ہے: بذِی الجَلِیلِ علَی مُسْتَأنِسٍ وَحَدِ جلیل ایک بوٹی ہے جو کمزور اور چھوٹی سی ہوتی ہے اور ذوالجلیل اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں وہ بوٹی ہوتی ہے۔

سورۂ بقرہ میں واحد اور احد میں فرق گزر چکا ہے ''کتاب الاسنی فی شرح اسماء اللہ الحسنی'' میں مفصل بحث گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔ اَحَدٌ مرفوع ہے کیونکہ اس کا معنی ہے ھو احد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس کا معنی ہے قل الأمر والشان اللہ أحد۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اَحَدٌ یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔ ایک جماعت نے اسے أحدُ اللہ تنوین کے بغیر پڑھا ہے مقصود خفت کا طلب کرنا اور دو ساکنوں کے اجتماع سے دور بھاگنا ہے اس ضمن میں شاعر کا قول ہے: ولا ذاکرَ اللہ إلا قلیلًا یہاں بھی ذاکر پر ایک زبر اسی تاویل میں ہے۔

اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿۲﴾ حاجات میں جس کا قصد کیا جاتا ہے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہی روایت نقل کی ہے کہ جس کا حاجات میں قصد کیا جاتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَیْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ (النحل) پھر جب تمہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو اس کی بارگاہ میں گڑگڑاتے ہو۔ اہل لغت نے کہا: الصَّمَدُ سے مراد وہ سردار ہے کہ حادثات اور ضروریات میں جس کا قصد کیا جاتا ہے۔ شاعر نے کہا:

أَلَا بَكَّرَ النَاعِي بِخَيْرِ بَنِي أَسَدْ بعمرِو بن مَسْعُودٍ و بالسيدِ الصَّمَد

خبردار موت! کی خبر دینے والے نے بنی اسد کے بہترین آدمی یعنی عمرو بن مسعود اور ایسے سردار کی موت کی خبر دی جس کا

ضروریات میں قصد کیا جاتا ہے۔

ایک قوم نے کہا: الصَّمَدُ سے مراد ہمیشہ اور باقی رہنے والا ہے جو ہمیشہ ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: الصَّمَدُ کی تفسیر مابعد کلام ہے جو لَمْ یَلِدْ ۙ وَ لَمْ یُوْلَدْ ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: الصَّمَدُ سے مراد جو نہ کسی کو جنتا ہے اور نہ ہی اسے جنا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر چیز عنقریب مرجائے گی اور جو چیز مرے گی اس کی میراث تقسیم ہوگی۔

حضرت علی شیر خدا، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، ابو وائل شقیق بن سلمہ اور سفیان نے کہا: الصَّمَدُ سے مراد وہ سردار ہے جس کی سرداری انتہاء کو پہنچی ہوئی ہو۔ اسی معنی میں شاعر کا قول ہے:

عَلَوْتُهُ بِحُسَامٍ ثُمَّ قُلْتُ لَهُ خُذْهَا حُذَيفَ فأنتَ السَّيِّدُ الصَّمَدُ

میں نے اس پر تلوار کو اٹھایا پھر میں نے اسے کہا: اے حذیفہ! یہ لو تو سردار تھا جس پر سرداری ختم ہوگئی تھی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ ہر کسی سے مستغنی ہے اور ہر کوئی اس کا محتاج ہے۔ سدی نے کہا: وہ ہر مرغوب میں مقصود ہے اور مصائب میں اسی سے مدد مانگی جاتی ہے۔ حضرت حسن بن فضل نے کہا: وہ ذات ہے جو چاہے کرتی ہے اور جو ارادہ کرے اس کا حکم دیتی ہے۔ مقاتل نے کہا: وہ کامل ہے اس میں کوئی عیب نہیں اس معنی میں زبرقان کا یہ شعر ہے:

سِيرُوا جَمِيعًا بِنِصْفِ اللَّيْلِ واعتَمِدُوا ولا رَهِينَةَ إلَّا سَيِّدٌ صَمَدُ

میں کہتا ہوں: یہ اقوال ایسے ہیں جن کو "کتاب الاسنی" میں صمد کی وضاحت میں ذکر کیے ہیں ان میں سے صحیح جس کی اشتقاق گواہی دیتا ہے وہ پہلا قول ہے؛ اسے خطابی نے ذکر کیا۔

اللہ تعالیٰ نے جسے اپنی رحمتوں سے دور کر دیا ہے اسے ذلیل و رسوا کیا ہے، جہنم کو جس کا ٹھکانہ بنایا ہے اس نے اس سورت میں سے بعض الفاظ کو ساقط کر دیا ہے اور نماز میں یہ پڑھا اللہ الواحد الصمد جبکہ لوگ اس کو سنتے ہیں اس نے قُلْ هُوَ کو گرا دیا اور گمان یہ کیا کہ یہ قرآن کا حصہ نہیں اور اَحَدٌ کے لفظ کو بدل دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہی صحیح ہے۔ جس پر لوگ ہیں وہ باطل اور محال ہے اس نے آیت کا معنی باطل کر دیا کیونکہ علماء تفسیر نے کہا: یہ آیت اہل شرک کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہا تھا: ہمارے سامنے اپنے رب کی صفت بیان کیجئے کیا وہ سونے کا ہے، تانبے کا ہے یا پیتل کا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں یہ ارشاد فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ هُوَ میں رد کے محل اور جواب کے مکان پر دلالت ہے۔ جب یہ لفظ نہ رہے تو آیت کا معنی باطل ہو جائے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر اختراع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ثابت ہو جائے گی۔

امام ترمذی نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ مشرکوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا: ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کرو تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو نازل فرمایا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ الصَّمَدُ وہ ہوتا ہے جو نہ کسی کو جنے اور نہ اسے جنا گیا ہو کیونکہ جسے جنا جاتا ہے وہ مر ہی جاتا ہے اور جو چیز مرتی ہے اس کا وارث بنا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو نہ موت آئے گی اور نہ اس کا کوئی وارث بنے گا (1)۔

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ اخلاص، جلد 2، صفحہ 172۔ ایضاً، حدیث نمبر 3287، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ نہ اس کا کوئی مشابہ ہے اور نہ مساوی ہے، اس کی مثل کوئی بھی نہیں۔ حضرت ابو العالیہ سے مروی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے معبودوں کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا: ہمارے سامنے اپنے رب کا نسب بیان کیجئے۔ تو جبریل امین اس سورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور اس کی مثل ذکر کیا اس میں حضرت ابی بن کعب کا ذکر نہیں یہ صحیح ترین ہے؛ یہ ترمذی کا قول ہے (☆)۔

میں کہتا ہوں: اس حدیث میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کے الفاظ کا اثبات ہے اور صمد کی تفسیر ہے۔ یہ گفتگو پہلے گزر چکی ہے۔ عکرمہ سے بھی اس کی مثل مروی ہے۔ حضرت ابن عباس نے کہا: لَمْ يَلِدْ اس نے کسی کو نہ جنا جس طرح حضرت مریم نے جنا اور انہیں نہ جنا گیا جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کو جنا گیا۔ یہ نصاری اور جنہوں نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیا ان کا رد ہے۔

وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ یعنی کوئی اس کا مثل نہیں اس میں اعرابی اعتبار سے تقدیم و تاخیر ہے۔ اس میں کان کی خبر کو اس کے اسم پر مقدم کیا گیا ہے تا کہ آیات کے اواخر ایک ہی نظم پر باقی رہیں اسے كُفُوًا اور كُفْوًا پڑھا گیا ہے سورۂ بقرہ میں یہ گزر چکا ہے کہ ہر وہ اسم جو تین حرف رکھتا ہو اس کا پہلا حرف مضموم ہو اس کے عین کلمہ میں ضمہ اور سکون جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے فرمان: وَ جَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (الزخرف: 15) میں ایسا کرنا جائز نہیں اس علت کی وجہ سے جو پہلے گزر چکی ہے۔ حفص نے كُفُوًا کو فاء کے ضمہ کے ساتھ بغیر ہمزہ کے پڑھا ہے۔ یہ تمام لغتیں فصیح ہیں۔

وہ احادیث جو اس سورت کی فضیلت میں وارد ہیں۔

اس میں تین مسائل ہیں:

سورۂ اخلاص کی فضیلت

مسئلہ نمبر 1۔ صحیح بخاری میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے آدمی کو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سورت کو بار بار پڑھتے ہوئے سنا جب صبح ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس آدمی کا ذکر کیا وہ آدمی اس کے عمل کو قلیل خیال کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے'' (1)۔

ان سے یہ بھی مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ سے فرمایا: ''کیا تم میں سے کوئی اس سے عاجز ہے کہ وہ ایک رات میں تہائی قرآن کی تلاوت کرے؟'' (2) تو یہ امر صحابہ کرام پر شاق گزرا۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کوئی اس کی کیسے طاقت رکھ سکتا ہے؟ فرمایا: ''اللہ الواحد الصمد (3) ایک تہائی قرآن ہے''۔ امام مسلم نے ابو درداء سے اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے۔

1۔ صحیح بخاری، فضائل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 2، صفحہ 750

2۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 2، صفحہ 113 3۔ یہ سورۂ اخلاص سے کنایہ ہے۔

☆ جامع ترمذی، فضائل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، حدیث نمبر 3288، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”جمع ہو جاؤ میں تم پر قرآن کا ایک تہائی تلاوت کرتا ہوں“ تو لوگ جمع ہو گئے جب جمع ہو گئے پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے تو انہوں نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اندر تشریف لے گئے اور ہم میں سے بعض نے بعض سے کہا: میرا خیال ہے آسمان سے کوئی خبر آئی ہے تو اس نے آپ کو گھر میں داخل کر دیا ہے پھر آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا: ”میں نے تمہیں کہا تھا میں تم پر ایک تہائی قرآن کی تلاوت کروں گا خبردار! یہ سورت ایک تہائی کے ہم پلہ ہے“(1)۔ بعض علماء نے کہا: یہ سورت اس نام کی وجہ سے ایک تہائی قرآن کے برابر ہے جو الصَّمَدُ ہے کیونکہ یہ نام کسی اور سورت میں موجود نہیں اسی طرح اَحَدٌ ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: قرآن حکیم تین اجزاء میں نازل ہوا۔ اس کے ایک تہائی احکام ہیں، ایک تہائی وعدو وعید ہیں اور ایک تہائی اسماء وصفات ہیں۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ایک تہائی کو جامع ہے وہ اسماوصفات ہیں۔ صحیح مسلم میں جو حدیث ہے وہ اس چیز پر دال ہے۔ حضرت ابو درداء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کی ہے کہ ”اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو قرآن کے اجزاء کا ایک جز بنا دیا ہے“(2)۔ یہ نص ہے اسی وجہ سے اسے سورۂ اخلاص کہا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

سورۂ اخلاص کے ساتھ محبت کرتے ہوئے امام کا اس کی تلاوت کرنا

مسئلہ نمبر 2۔ امام مسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو ایک چھوٹے لشکر میں روانہ کیا وہ اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھایا کرتا تھا اور قراءت کا اختتام سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پر کیا کرتا تھا۔ جب وہ صحابہ واپس آئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اس سے پوچھو وہ کس وجہ سے یہ کام کیا کرتا تھا؟“ صحابہ نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا: یہ سورت رحمٰن کی صفت ہے میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اسے بتا دو اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے“۔

امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ ایک انصاری مسجد قبا میں ان کو نماز پڑھایا کرتا تھا اس کا آغاز قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ سے کرتا یہاں تک کہ اس سے فارغ ہوتا پھر اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھتا وہ ہر رکعت میں ایسا کیا کرتا تھا اس کے ساتھیوں نے اس سے گفتگو کی انہوں نے اس سے کہا: تو یہ سورت پڑھتا ہے پھر تو نہیں دیکھتا کہ یہ چیز تیرے لیے کافی ہے یہاں تک کہ تو کوئی اور سورت پڑھتا ہے یا تو اسی سورت کو پڑھا کر یا اسے چھوڑ دے اور کوئی اور سورت پڑھ لیا کر؟ اس نے کہا: جہاں تک میرا تعلق ہے میں اسے چھوڑنے والا نہیں اگر تم پسند کرو کہ میں اس کے ساتھ تمہاری امامت کراؤں تو میں ایسا کروں گا اگر تم ناپسند کرو تو میں تمہاری امامت کرنا چھوڑ دوں گا(3)۔ وہ سب اسے اپنے سے افضل خیال کرتے تھے اور یہ ناپسند کرتے تھے کہ کوئی اور ان کی امامت کرائے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے تو صحابہ

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 2، صفحہ 115

2۔ صحیح مسلم، صلوٰۃ المسافرین و قصرھا، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 1، صفحہ 271

3۔ جامع ترمذی، فضل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 2، صفحہ 114-113

نے سب خبر عرض کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: ''اے فلاں! تیرے ساتھی تجھے جو کہتے ہیں اس سے تمہیں کیا چیز روکتی ہے اور تجھے کیا چیز اس امر پر برانگیختہ کرتی ہے کہ تو یہی پڑھے؟'' اس نے عرض کی: یارسول اللہ! میں اسے پسند کرتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اس کی محبت تجھے جنت میں داخل کر دے گی''۔ کہا: یہ حدیث حسن غریب صحیح ہے۔

ابن عربی نے کہا: یہ اس امر پر دلیل ہے کہ ہر رکعت میں ایک سورت کا تکرار جائز ہے۔ میں نے اسباط کے مقام پر اٹھائیس اماموں میں سے ایک امام دیکھا جو ترکوں کو رمضان شریف میں نماز تراویح پڑھایا کرتا تھا وہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص پڑھا کرتا تھا یہاں تک کہ تراویح مکمل کر دیتا مقصود ان پر تخفیف اور اس کی فضیلت میں رغبت تھی۔ رمضان میں قرآن حکیم کا ختم سنت نہیں۔

میں کہتا ہوں: یہ امام مالک کا قول ہے۔ امام مالک نے فرمایا: مساجد میں قرآن حکیم کا ختم سنت نہیں۔

سورۂ اخلاص کے مخصوص وظیفہ کا ثواب

مسئلہ نمبر 3۔ امام ترمذی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو سنا جو قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کر رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''واجب ہوگئی'' (1)۔ میں نے پوچھا: کیا واجب ہوگئی؟ فرمایا: ''جنت''۔ یہ حدیث حسن صحیح ہے۔

امام ترمذی نے کہا: محمد بن مرزوق نے حاتم بن میمون ابو سہیل سے وہ ثابت بنانی سے وہ حضرت ابن بن مالک سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''جس نے ہر روز دو سو دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی تلاوت کی تو اس سے پچاس سالوں کے گناہ بخش دیئے گئے مگر یہ کہ اس پر قرض ہو'' (2)۔ اسی سند سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے: ''جو آدمی بستر پر سونے کا ارادہ کرے تو وہ دائیں پہلو پر سوئے پھر سو دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھے جب قیامت کا روز ہوگا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا: اے میرے بندے! اپنی دائیں جانب سے جنت میں داخل ہو جا'' (3)۔ کہا: یہ حدیث ثابت کی حدیث جو حضرت انس سے مروی ہے اس سے غریب ہے۔ مسند ابو محمد دارمی میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے پچاس دفعہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی تو اس کے پچاس سال کے گناہ بخش دیئے گئے'' (4)۔

کہا: عبد اللہ بن یزید نے حیوہ سے وہ ابو عقیل سے وہ حضرت سعید بن مسیب سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نبی نے فرمایا: ''جس نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ دس مرتبہ پڑھا اس کے لیے جنت میں محل بنا دیا جائے گا، جس نے بیس دفعہ اس کو پڑھا اس کے لیے جنت میں دو محل بنا دیئے جائیں گے، جس نے اسے تیس دفعہ پڑھا اس کے لیے جنت میں تین محل بنا دیئے جائیں گے'' (5)۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کی: یارسول اللہ! پھر تو ہم اپنے محلات کو زیادہ کریں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی وسیع ہے''۔

1۔ جامع ترمذی، فضل القرآن، فضل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ، جلد 2، صفحہ 113　2۔ ایضاً۔ جلد 2، صفحہ 213　3۔ ایضاً

4۔ کتاب المغنی عن حمل الاسفار للعراقی، صفحہ 178　5۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد 7، صفحہ 304، حدیث 11537

ابومحمد نے کہا: ابوعقیل، زہرہ بن معبد ہے علماء کا خیال ہے وہ ابدالوں میں سے تھے۔

ابونعیم حافظ نے ابوالعلاء یزید بن عبداللہ بن شخیر سے مروی حدیث نقل کی ہے انہوں نے اپنے باپ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا من قرأ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ فی مرضه الذی یموتُ فیه لم یُفْتَنْ فی قبره واَمِن من ضغطةِ القبر وحملته الملائکة یوم القیمة باکفها حتی تجیزه من الصراط الی الجنة جس نے مرض موت میں قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ کی تلاوت کی تو وہ قبر میں فتنہ میں مبتلا نہیں ہوگا (1)۔ قبر کے جھٹکے سے امن میں ہوگا قیامت کے روز فرشتے اسے اپنی ہتھیلیوں پر اٹھائیں گے یہاں تک کہ اسے پل صراط سے گزار کر جنت تک پہنچا دیں گے۔ کہا: یہ حدیث غریب ہے نصر بن حماد بجلی اس کی روایت کرنے میں اکیلا ہے۔

ابوبکر احمد بن علی بن ثابت حافظ نے عیسیٰ بن ابی فاطمہ رازی سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے مالک بن انس کو کہتے ہوئے سنا: جب ناقوس بجایا جائے گا تو رحمٰن کا غصہ شدید ہو جائے گا فرشتے اتریں گے وہ زمین کی اطراف کو پکڑ لیں گے وہ لگاتار یہ پڑھیں گے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یہاں تک کہ اس کا غصہ ٹھنڈا ہو جائے گا۔

محمد بن خالد جندی، امام مالک سے وہ نافع سے وہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو آدمی جمعہ کے روز مسجد میں داخل ہوا اس نے چار رکعات پڑھیں وہ ہر رکعت میں ایک دفعہ سورۂ فاتحہ اور پچاس دفعہ سورۂ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھتا ہے کہ یہ چار رکعات میں دو سو دفعہ ہو جاتا ہے وہ نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ جنت میں اپنی منزل دیکھ لے گا یا اسے اس کی منزل دکھائی جائے گی''۔

ابوعمرو جو حضرت جریر بن عبداللہ بجلی کے غلام تھے وہ حضرت جریر سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کو پڑھا تو اس گھر کے مکینوں اور ان کے پڑوسیوں سے فقر دور ہو جاتا ہے'' (2)۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس نے ایک دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھی اس پر برکت نازل کی جاتی ہے، جو اسے دو دفعہ پڑھے تو اس پر اور اس کے اہل پر برکت نازل کی جاتی ہے، جو اسے تین دفعہ پڑھے تو اس پر اور اس کے تمام پڑوسیوں پر برکت نازل کی جاتی ہے، جو اسے بارہ دفعہ پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت میں بارہ محل بنا دیتا ہے فرشتے کہتے ہیں: ہمارے ساتھ چلو ہم اپنے بھائی کے محلات دیکھیں اگر وہ اسے سو دفعہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے پچاس سالوں کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے سوائے خون ریزی اور اموال لینے کے۔ اگر وہ اسے چار سو دفعہ پڑھے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے ایک سو سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دیتا ہے، اگر وہ اسے ایک ہزار تک پڑھے تو وہ نہیں مرے گا یہاں تک کہ وہ جنت میں اپنا مکان دیکھ لے گا یا اسے مکان دکھایا جائے گا''۔

سہل بن سعد ساعدی سے مروی ہے: ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ اقدس میں فقر اور تنگ دستی کی شکایت کی

1۔ مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، جلد 7، صفحہ 305، حدیث 11538 2۔ ایضاً، جلد 10، صفحہ 179، حدیث 17075

رسول اللہ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: ''جب تو گھر میں داخل ہو اگر اس میں کوئی ہو تو اسے سلام کرو اگر کوئی بھی نہ ہو تو مجھ پر سلام پیش کرو اور ایک دفعہ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ کی قراءت کرو'' اس آدمی نے اسی طرح کیا اللہ تعالیٰ نے اسے وافر رزق دیا یہاں تک کہ اس نے اپنے پڑوسیوں کو مال عطا کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: ہم تبوک کے مقام پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے تو سورج سفید طلوع ہوا اس کی شعاع اور نور تھا زمانہ گزشتہ میں میں نے کبھی بھی اسے نہیں دیکھا تھا حضرت جبریل امین آئے رسول اللہ ﷺ نے اسے ارشاد فرمایا: ''اے جبریل! کیا وجہ ہے میں نے سورج کو سفید شعاع کے ساتھ طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ہے زمانہ گزشتہ میں، میں نے اسے کبھی اس طرح طلوع ہوتے ہوئے نہیں دیکھا؟ حضرت جبریل امین نے عرض کی: اس کی وجہ یہ ہے کہ آج مدینہ طیبہ میں معاویہ بن معاویہ لیثی فوت ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ستر ہزار فرشتے بھیجے ہیں جو اس کی نماز جنازہ پڑھیں گے۔ نبی کریم ﷺ نے پوچھا: کس وجہ سے؟ حضرت جبریل نے کہا: وہ دن میں، رات میں، چلتے ہوئے، کھڑے اور بیٹھے ہوئے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ پڑھا کرتے تھے، یا رسول اللہ! کیا آپ پسند کرتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کے لیے زمین کو سمیٹ دوں اور آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھیں؟ فرمایا: ''ہاں''۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی پھر آپ ﷺ لوٹ آئے (1)؛ یہ ثعلبی نے ذکر کیا۔ واللہ اعلم۔

1۔ دلائل النبوۃ بیہقی، جلد 5 صفحہ 245

سورۃ الفلق

آیاتہا ۵ ﴿۱۱۳ سورۃ الفلق مکیۃ ۲۰﴾ رکوعہا ۱

یہ سورت مکی ہے؛ یہ حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطا اور جابر کا قول ہے۔ حضرت ابن عباس کے ایک قول میں اور قتادہ کے قول میں یہ مدنی ہے۔ اس کی پانچ آیات ہیں۔ اس سورت، سورۃ الناس اور سورۂ اخلاص کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دم کیا کرتے تھے جب یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا تھا۔

ایک قول یہ کیا گیا کہ معوذتین کو مقشقشتان بھی کہا جاتا ہے یعنی یہ دونوں نفاق سے پاک کر دیتی ہیں۔ یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔

حضرت ابن مسعود نے گمان کیا: یہ دعا ہے جس کے ذریعے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جادو سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی اور یہ قرآن میں سے نہیں مگر حضرت ابن مسعود کی اجماع صحابہ اور اہل بیت نے مخالفت کی۔

ابن عتیبہ نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود نے معوذتین کو اپنے مصحف میں نہ لکھا کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کرتے تھے کہ آپ حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو ان دونوں کے ساتھ دم کیا کرتے تھے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ یہ دونوں بھی اس کے قائم مقام ہیں أعیذ کما بکلمات اللہ التامۃ من کلّ شیطانٍ وھامّۃ ومن کلّ عینٍ لامّۃ (1)۔

ابوبکر انباری نے کہا: یہ بات ابن قتیبہ پر رد کر دی جائے گی کیونکہ یہ دونوں سورتیں رب العالمین کا کلام ہیں جو تمام مخلوقات کو عاجز کرنے والا ہے اور أعیذ کما بکلماتِ اللہ التامۃ انسان کا کلام ہے اور اس کا انسان کا کلام ہونا واضح ہے۔ خالق کا کلام جو خاتم النبیین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے معجزہ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایسی حجت ہے جو تمام کفار پر قائم ہے یہ لوگوں کے کلام کے ساتھ خلط ملط نہیں ہو سکتی خصوصاً حضرت عبداللہ بن مسعود جو فصیح اللسان، لغت کے عالم، کلام کی اجناس سے آگاہ اور قول کے مختلف فنوں سے آشنا ہیں ان پر یہ معاملہ ملتبس نہیں ہو سکتا۔

بعض علماء نے کہا: حضرت عبداللہ بن مسعود نے معوذتین کو مصحف میں نہیں لکھا کیونکہ انہیں ان کے نسیان سے امن تھا انہوں نے ان دونوں کو تو مصحف سے ساقط کیا جب کہ یہ دونوں انہیں یاد تھیں جس طرح انہوں نے مصحف سے فاتحہ الکتاب کو ساقط کر دیا کیونکہ اس کے حفظ اور اس کے اتقان کے بارے میں ان کے متعلق شک نہیں کیا جا سکتا۔ اس قول کو اس کے قائل پر رد کر دیا جائے گا اور ایسے قول کرنے والے کے خلاف اس دلیل سے استدلال کیا جائے گا کہ انہوں نے اپنے مصحف میں اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۞، اِنَّاۤ اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ ۞، اور قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞ کو لکھا یہ سورتیں بھی معوذتین کے قائم مقام ہیں کیونکہ یہ بھی طویل نہیں ان کو بہت تیزی سے یاد کیا جا سکتا ہے، ان کے بھول جانے سے بھی امن ہے، سب فاتحہ الکتاب

1۔ جامع ترمذی، کتاب الطب، ماجاء فی الرقیۃ المعوذتین، جلد 2، صفحہ 27

سے مختلف ہیں کیونکہ سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بغیر نماز مکمل نہیں ہوتی ہر رکعت کے بارے میں یہی طریقہ ہے کہ ہر رکعت میں پہلے اسے پڑھا جائے اور بعد میں کسی اور کی قراءت کی جائے۔ سورۂ فاتحہ کو مصحف سے ساقط کرنا جب کہ اس کے حفظ کے باقی رہنے کے بارے میں اعتماد ہو یہ سورۂ فاتحہ کے بارے میں توضیح ہے باقی سورتیں ایسی نہیں جو اس کے قائم مقام ہوں اور نہ اس کے راستہ پر چلا جا سکتا ہے۔ سورۂ فاتحہ میں اس کی بحث گزر چکی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان، ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَ مِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾

''آپ عرض کیجئے: میں پناہ لیتا ہوں صبح کے پروردگار کی ہر اس چیز کے شر سے جس کو اس نے پیدا کیا اور (خصوصا) رات کی تاریکی کے شر سے جب وہ چھا جائے اور ان کے شر سے جو پھونکیں مارتی ہیں گرہوں میں اور (میں پناہ مانگتا ہوں) حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے''۔

اس میں نو مسائل ہیں:

سورۂ فلق کا وظیفہ

مسئلہ نمبر 1۔ امام نسائی نے حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے میں نے اپنا ہاتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر رکھ دیا میں نے عرض کی: مجھے سورۂ ہود پڑھایئے مجھے سورۂ یوسف پڑھایئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: ''تو کوئی چیز نہیں پڑھے گا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں **قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ﴿﴾** سے بڑھ کر فضیلت کی حامل ہو'' (1)۔

ان سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے: اسی اثنا میں کہ جحفہ اور ابواء کے درمیان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ ہمیں سخت تاریک آندھی نے آلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ الۡفَلَقِ ﴿﴾** اور **اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ﴿﴾** کے ساتھ دعا کرنے لگے (2) اور فرمانے لگے: ''اے عقبہ! ان کے ساتھ پناہ چاہو کوئی پناہ چاہنے والا ان کی مثل سے پناہ نہیں چاہتا''۔ کہا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھتے ہوئے سنا ہے (☆)۔

امام نسائی نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے: ہمیں ہلکی بارش اور تاریکی نے آلیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں نماز پڑھانے کے لیے باہر تشریف لائے (3) فرمایا: ''**قُلۡ**'' میں نے عرض کیا: میں کیا کہوں؟ فرمایا: جب تو شام کرے تو **قُلۡ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿﴾** اور معوذتین پڑھا کر جب تو صبح کرے تو اس وقت ان کی تلاوت کیا کر یہ تجھے ہر شی کے لیے کافی ہو جائیں گے۔

1۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، صفحہ 312　2۔ شعب الایمان، تعظیم القرآن، فضائل السور والآیات، جلد 2، صفحہ 512-511

3۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، جلد 2، صفحہ 311　☆ سنن ابی داود، باب فی المعوذتین، حدیث نمبر 1251، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

حضرت عقبہ بن عامر جہنی نے کہا مجھے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "قُلْ" میں نے عرض کیا: میں کیا کہوں؟ فرمایا: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۞، قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۞ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞ رسول اللہ ﷺ نے ان تینوں کی تلاوت کی (1)۔ پھر فرمایا: "لوگوں نے ان جیسی سے پناہ نہ چاہی ہوگی" یا فرمایا: "لوگ ان جیسی سے پناہ نہیں چاہتے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۞ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۞ یہ دو سورتیں ہیں۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی تکلیف ہوتی تو آپ ﷺ معوذتین کو اپنے اوپر پڑھتے اور پھونک مارتے جب آپ ﷺ کی تکلیف بڑھ گئی تو میں آپ ﷺ پر پڑھا کرتی تھی اور آپ ﷺ کے اطراف کو چھوتی تا کہ ہاتھ کی برکت حاصل کروں۔ نفث ایسی پھونک ہے جس میں تھوک کی آمیزش نہ ہو (2)۔

سورۂ فلق اور سورۂ ناس سے جادو کے اثر کا خاتمہ

مسئلہ نمبر 2۔ صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ثابت ہے کہ بنی زریق کے ایک یہودی نے آپ ﷺ پر جادو کیا جسے لبید بن اعصم کہتے یہاں تک کہ آپ ﷺ کو خیال گزرا یہ آپ نے فعل کیا ہے جب کہ وہ فعل نہ کیا ہوتا (3)۔ آپ ﷺ اسی طرح رہے جتنا عرصہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ آپ اسی طرح رہیں۔ غیر صحیح میں یہ عرصہ منقول ہے کہ وہ ایک سال کا عرصہ ہے پھر فرمایا: "اے عائشہ! مجھے محسوس ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فیصلہ سنا دیا ہے جو میں نے فیصلہ چاہا تھا میرے پاس دو فرشتے آئے ان میں سے ایک میرے سر کے پاس بیٹھ گیا اور دوسرا میرے قدموں کے پاس بیٹھ گیا وہ فرشتہ جو میرے سر کے پاس بیٹھا ہوا تھا اس نے اس فرشتہ سے کہا جو میرے پاؤں کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ ان کو کیا ہو گیا ہے؟ دوسرے نے جواب دیا: ان پر جادو کیا گیا ہے۔ پوچھا: کس نے ان پر جادو کیا ہے؟ جواب دیا: لبید بن اعصم نے۔ پوچھا: کس میں کیا ہے؟ اس نے جواب دیا: کنگھی، بالوں اور نر گابھے پر جو بال ہوتے ہیں اس میں جادو کیا جسے ذی اروان کے کنویں میں اس پتھر کے نیچے رکھا گیا ہے جس پر کھڑے ہو کر پانی نکالا جاتا ہے آپ اس کنویں پر آئے اور اس کو نکالا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اے عائشہ! کیا تجھے پتہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے میری بیماری کے بارے میں بتا دیا ہے" (4) پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو بھیجا انہوں نے اس کے پانی کو نکالا گویا اس میں مہندی کو بھگویا گیا ہو۔ پھر انہوں نے اس پتھر کو اٹھایا جو راعوفہ تھا یہ وہ پتھر ہوتا ہے جو کنویں کے نیچے رکھا جاتا ہے جس پر ڈول بھرنے والا کھڑا ہوتا ہے انہوں نے گابھے پر موجود بالوں کے گچھے کو نکالا تو اس میں انسان کے بال تھے، کنگھی کے دندانے، اس میں ایک کمان کی تانت تھی جس میں گیارہ گرہیں تھیں جن میں سوئیوں کو

1۔ سنن نسائی، کتاب الاستعاذہ، جلد 2، صفحہ 311
2۔ صحیح بخاری، فضائل القرآن، فضل المعوذتین، جلد 2، صفحہ 750
3۔ صحیح بخاری، کتاب الطب، الشرك والسحر من الموبقات، جلد 2، صفحہ 858
4۔ صحیح مسلم، کتاب السلام، باب الطب والمرض والرقى، جلد 2، صفحہ 219

چھبویا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے ان دوسورتوں کو نازل فرمایا یہ گیارہ آیات ہیں جو ان گرہوں کے برابر ہیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا: ان دونوں کے ساتھ دم کیا جائے۔ آپ ﷺ جب بھی ایک آیت پڑھتے تو ایک گرہ کھلتی جاتی اور نبی کریم ﷺ کچھ آسودگی پاتے یہاں تک کہ آخری گرہ بھی کھل گئی تو آپ ﷺ کی کیفیت یوں ہوگئی گویا آپ کو بندوں سے آزاد کر دیا گیا ہو۔

کہا: حضرت جبریل رسول اللہ ﷺ کو دم کرنے لگے وہ کہتے: میں اللہ کے نام سے آپ کو دم کرتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو تکلیف دے، ہر حاسد اور آنکھ کے شر سے اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو شفا دے (1)۔ صحابہ نے عرض کی: یا رسول اللہ! کیا ہم اس خبیث کو قتل نہ کر دیں؟ فرمایا: ''جہاں تک میرا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے مجھے شفا عطا کر دی ہے اور میں یہ ناپسند کرتا ہوں کہ میں لوگوں میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑکاؤں''۔ قشیری نے اپنی تفسیر میں کہا: صحاح میں یہ روایت موجود ہے کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا یہودیوں نے اس تک رسائی حاصل کی وہ لگاتار اس کے ساتھ رابطہ میں رہے یہاں تک کہ اس نے نبی کریم ﷺ کے سر کے بال حاصل کر لیے (مشاطہ ایسے بالوں کو کہتے ہیں جو کنگھی کرتے وقت گرتے ہیں) اس نے آپ کی کنگھی کے چند دندانے بھی حاصل کر لیے اور یہودیوں کو دے دیئے انہوں نے انہیں میں جادو کیا۔ جس نے جادو کرنے کی ذمہ داری لی تھی وہ لبید بن اعصم یہودی تھا اور پھر اسی طرح واقعہ ذکر کیا جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی پہلے گزر چکا ہے۔

مسئلہ نمبر 3۔ سورۂ بقرہ میں جادو، اس کی حقیقت، اس وجہ سے جو تکالیف اور مفاسد جنم لیتے ہیں اور جادوگر کا حکم سب گزر چکے ہیں۔ ان کے اعادہ کی کوئی ضرورت نہیں۔

فلق کا معنی و مراد

مسئلہ نمبر 4۔ فلق کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: یہ جہنم میں قید خانہ ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ حضرت ابی بن کعب نے کہا: ہر جہنم میں ایک کمرہ ہے جب اسے کھولا جاتا ہے تو جہنمی اس کی گرمی کی وجہ سے چیخ پڑتے ہیں۔ حبلی ابو عبدالرحمٰن نے کہا: یہ جہنم کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ کلبی نے کہا: یہ جہنم کی ایک وادی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے کہا: یہ جہنم میں ایک درخت ہے۔ سعید بن جبیر نے کہا: یہ جہنم میں ایک کنواں ہے۔ نحاس نے کہا: زمین میں سے جو حصہ پست ہو اسے فلق کہتے ہیں۔ اس تعبیر کی بنا پر یہ (آخری) قول صحیح ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت حسن بصری، سعید بن جبیر، مجاہد، قتادہ، قرظی اور ابن زید نے کہا: فلق کا معنی صبح ہے؛ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے۔ عرب کہتے ہیں: ھو أبین من فَلَقِ الصُّبْحِ و فَرَقِ الصبح وہ صبح کے پھوٹنے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ شاعر نے کہا:

يا ليلةً لم أنَمْهَا بِتُّ مُرْتَفِقًا   أرْعَى النجومَ إلى أنْ نُوِّرَ الفَلَقُ

ہائے وہ رات جو میں سو نہ سکا جسے میں نے کہنی پر ٹیک لگاتے ہوئے گزارا ہے میں انجم شماری کرتا رہا یہاں تک کہ صبح روشن ہوگئی۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: فلق سے مراد پہاڑ اور چٹانیں ہیں جو پانیوں کی وجہ سے پھٹ جاتی ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے:

1۔ الطبقات الکبریٰ، جلد 2، صفحہ 213

اس سے مراد پہاڑوں اور چٹانوں کے درمیان شگاف ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے خوف سے پھٹ جاتی ہیں۔ زہیر نے کہا:

مَازِلْتَ أَرْمُقُهُمْ حَتَّى إِذَا هَبَطَتْ أَيْدِي الرِّكَابِ بِهِمْ مِنْ رَاكِسٍ فَلَقَا

راکس سے مراد وادی کا بطن ہے اسی طرح نابغہ کے قول میں ہے:

أَتَانِي وَدُونِي رَاكِسٌ فَالضَّوَاجِعُ

راکس سے مراد ھادی بھی ہے ہادی سے مراد وہ بیل ہے جو کھلیان کے درمیان ہوتا ہے فصل کاٹتے وقت دوسرے بیل اس پر گھومتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد رحم ہے جو حیوان کی پیدائش پر کھل جاتی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: فلق سے مراد یہ ہے اللہ تعالیٰ جس چیز کو بھی پیدا فرماتا ہے اس کی پیدائش کے وقت جو چیز بھی پھٹتی ہے اسے فلق کہتے ہیں، وہ حیوان ہو، صبح ہو، دانا ہو یا گٹھلی ہو، وہ نباتات میں سے ہو یا کسی اور چیز سے ہو؛ یہ حضرت حسن بصری اور دوسرے علماء کا نقطہ نظر ہے۔ ضحاک نے کہا: الْفَلَقِ سے مراد تمام مخلوق ہے۔ کہا:

وَسْوَسَ يَدْعُو مُخْلِصًا رَبَّ الْفَلَقْ سِرًّا وَقَدْ أَوَّنَ تَأْوِينَ الْعُقُقْ

اس نے رب فلق کے حضور رازداری سے اخلاص کے ساتھ دعا کی جب کہ وہ کھانے پینے سے یوں پیٹ بھر چکا تھا جس طرح وہ حاملہ جانور پیٹ بھرے ہوئے ہوتا ہے جس کی ولادت کا وقت قریب ہو۔

میں کہتا ہوں: اس قول کی تائید اشتقاق بھی کرتا ہے کیونکہ فلق کا معنی شق ہے جس طرح کہا جاتا ہے: فَلَقْتِ الشئ فلقا۔ میں نے اسے پھاڑا تفلیق اس کی مثل ہے، جس طرح یہ جملہ بولا جاتا ہے: فَلَقته فانفلق و تَفَلَّق میں نے اسے پھاڑا تو وہ پھٹ گیا۔ ہر وہ چیز جو کسی اور چیز کے اوپر سے پھٹے خواہ وہ حیوان ہو، صبح ہو، دانا ہو، گٹھلی ہو یا پانی ہو پھٹنے والی چیز کو فلق کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَالِقُ الْإِصْبَاحِ (الانعام: 96) صبح کو پھاڑنے والا۔ فرمایا: فالق الحب والنوی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا۔ ذورمہ وحشی بیل کی صفت بیان کرتا ہے:

حَتَّى إِذَا مَا انْجَلَى عن وَجهِهِ فَلَقٌ

یہاں تک کہ جب اس کے چہرے سے صبح روشن ہوتی ہے۔

یہاں فلق سے مراد بعینہ صبح ہے۔ فلق کا معنی دو ٹیلوں کے درمیان پست زمین بھی ہے۔ اس کی جمع فلقان آتی ہے جس طرح خلق اور خلقان ہے۔ بعض وہ کہتے ہیں: کان ذلك بفالق كذا و كذا۔ اس سے مراد وہ پست زمین ہے جو دو ٹیلوں کے درمیان ہو۔ فلق کا معنی قید خانہ کا شکنجہ بھی ہے جہاں تک فلق کا تعلق ہے اس کا معنی بڑی مصیبت اور عجیب امر ہے تو کہتا ہے: أفلق الرجلُ وافْتَلَقَ، شاعرٌ مفلقٌ وقد جاء بالفلق۔ وہ بڑی مصیبت لایا فلق کا معنی ایسی شاخ ہے جس کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہو اور اس سے دو کمانیں بنائی گئی ہوں۔ ان میں سے ہر ایک کو فلق کہتے ہیں عربوں کا قول ہے: جاء بعلق فلق۔ اس سے مراد بڑی مصیبت ہے اسے عمر کے قائم مقام نہیں رکھا گیا۔ اس سے یہ جملہ بولا جاتا ہے: أعلقت وأفلقت یعنی میں بڑی مصیبت لایا۔ مریفتلق فی عدوہ وہ اپنی شدت کی وجہ سے اپنے دشمن میں عجیب وغریب مصائب لایا۔

مِنۡ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ ایک قول یہ کیا گیا: مَا خَلَقَ سے مراد ابلیس اور اس کی اولاد ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد جہنم ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: یہ عام ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے جو بھی چیز پیدا کی ہے ان میں سے ہر ذی شر کے شر سے۔

غاسق اور وقب کا معنی و مفہوم

مسئلہ نمبر5۔ وَ مِنۡ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۝ غَاسِقٍ کی تعبیر میں اختلاف ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: اس سے مراد رات ہے۔ غسق سے مراد رات کی تاریکی کا ابتدائی حصہ ہے۔ اسی معنی میں کہا جاتا ہے: غَسَقَ اللَّیۡلُ یَغۡسِقُ یعنی رات تاریک ہوئی۔ ابن قیس رقیات نے کہا:

اِنَّ هٰذَا اللیلَ قد غَسقَا واشۡتَکَیۡتُ الهَمَّ والأرَقَا

یہ رات تاریک ہو چکی ہے اور میں نے غم اور بے خوابی کی شکایت کی۔ ایک اور شاعر نے کہا:

یا طیفَ هندٍ لَقَدۡ اَبۡقَیۡتَ لِی أرَقَا اِذۡ جِئۡتَنَا طارِقًا واللیلُ قَدۡ غَسقَا

اے ہند کے خواب! تو نے میرے لیے بے خوابی چھوڑی ہے جب تو ہمارے پاس رات کے مہمان کے طور پر آیا جب کہ رات تاریک ہو چکی تھی۔

یہ حضرت ابن عباس، ضحاک، قتادہ، سدی اور دوسرے علماء کا قول ہے۔ اس تفسیر کی بنا پر وقب کا معنی تاریک ہونا ہے؛ یہی حضرت ابن عباس کا قول ہے۔ ضحاک نے کہا: اس کا معنی داخل ہونا ہے۔ قتادہ نے کہا: اس کا معنی جانا ہے۔ یمان بن رئاب نے کہا: اس کا معنی ساکن ہونا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس کا معنی نازل ہونا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: وقب العذاب علی الکافرین عذاب کافروں پر نازل ہوا۔ ایک شاعر نے کہا:

وَقَبَ العذابُ علیهم فکأنّهم لَحِقَتۡهُمۡ نارُ السَّمُومِ فأُحۡصِدُوا

ان پر عذاب واقع ہوا گویا انہیں زہریلی آگ لاحق ہوئی تو انہیں کاٹ کر رکھ دیا۔

زجاج نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا اللیل غاسق کیونکہ وہ دن سے ٹھنڈی ہوتی ہے۔ غاسق کا معنی ٹھنڈا ہے اور غسق کا معنی ٹھنڈک ہے کیونکہ رات کے وقت درندے اپنی کچھاروں سے باہر آ جاتے ہیں، زہریلے کیڑے، اپنی بلوں سے باہر آ جاتے ہیں اور شریر لوگ شر و فساد کے لیے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک قول یہ کیا گیا: غَاسِقٍ سے مراد ثریا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب وہ غروب ہوتی ہے تو بیماریاں کثرت سے واقع ہوتی ہیں اور جب وہ طلوع ہوتی ہے تو بیماریاں اٹھ جاتی ہیں؛ یہ عبدالرحمٰن بن زید نے کہا: ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد سورج ہے جب وہ غروب ہو جائے؛ یہ ابن شہاب کا قول ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اس سے مراد چاند ہے۔ قتبی نے کہا: اذا وَقَبَ الۡقَمَرُ جب اسے گرہن لگ جائے۔ ہر وہ چیز جو سیاہ ہو تو اس کے لیے غسق کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ قتادہ نے کہا: اِذَا وَقَبَ کا معنی ہے جب وہ غائب ہو جائے۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے، کیونکہ ترمذی شریف میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چاند کی طرف دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اے عائشہ! اس کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہو کیونکہ

جب یہ غائب ہو جاتا ہے تو یہی غاسق ہے" (1)۔ امام ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ احمد بن یحییٰ ثعلب نے ابن اعرابی سے اس حدیث کی تاویل میں فرمایا: اس کی وجہ یہ ہے کہ جادوگر چاند کے غروب ہونے کا انتظار کرتے ہیں اور یہ شعر پڑھا:

أَراحَنِی اللہ مِنْ أشیاءَ أکرھُھا منھا العجوزُ ومنھا الکلبُ والقمرُ

ھذا یبوحُ وھذا یُستضاء بہ وھذہ ضِمرِزٌ قَوّامَةُ السَّحَرِ

اللہ تعالیٰ نے مجھے ان چیزوں سے راحت دی ہے جن کو میں ناپسند کرتا ہوں، ان میں سے بوڑھی عورت ہے، ان میں سے کتا اور چاند ہے یہ ظاہر ہوتا ہے، اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، یہ موٹی عورت ہے جو جادو کرنے والی ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: غَاسِقٍ سے مراد ایسا سانپ ہے جو ڈسے۔ غاسق سے مراد اس کی داڑھ ہے کیونکہ زہر اسی سے بہتا ہے۔ وقب نابھا سے مراد ہے جب اس کی داڑھ اس جاندار کے جسم میں داخل ہو جائے جس کو اس نے ڈسا ہو۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ہر حملہ آور چیز جو نقصان دہ ہو خواہ کوئی بھی ہو۔ یہ عربوں کے اس قول سے ماخوذ ہے: فسقت القرحة۔ جب اس کی پیپ بہے۔

نَفّٰثٰت کا معنی کا و مراد

مسئلہ نمبر 6۔ وَ مِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ۝ النَّفّٰثٰتِ سے مراد وہ جادوگر عورتیں ہیں جو دھاگوں کی گرہوں میں تھتکارتی ہیں جب ان پر دم کرتی ہیں۔ نفخ کو تشبیہ دی گئی اس آدمی کے ساتھ جو دم کرتا ہے۔ متمم بن نویرہ نے کہا:

نَفَثْتَ فی الخیط شَبِیہَ الرُّقَی مِن خشیة الجِنّةِ والحاسِدِ

تو نے جنوں اور حاسد کے ڈر سے دھاگے میں تعویذ کی مثل تھتکارا۔ عنترہ نے کہا:

فإنْ یَبْرَأ فَلَمْ أَنْفُثْ عَلَیهِ وإنْ یُفْقَدْ فَحَقَّ لَهُ الفُقُودُ

اگر وہ صحیح ہو جائے تو میں اس پر نہیں تھتکاروں گا اور اگر وہ مفقود ہو جائے تو مفقود ہونا اس کو زیبا ہے۔

قرآن کے تعویز کا شرعی حکم

مسئلہ نمبر 7۔ امام نسائی نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جس نے گرہ لگائی پھر اس میں تھتکارا تو اس نے جادو کیا جس نے جادو کیا اس نے شرک کیا جس نے کوئی چیز لٹکائی (2) تو اسے اس کے سپرد کر دیا جائے گا" (3) بعض نے کہا: میں ضحاک کی خدمت میں حاضر ہوا انہیں بڑی تکلیف تھی میں نے کہا: اے ابو محمد! کیا میں تجھے دم نہ کروں؟ جواب دیا: کیوں نہیں لیکن تھتکارنا نہیں، تو میں نے انہیں معوذتین کے ساتھ دم کیا۔

ابن جریج نے کہا: میں نے عطا سے کہا قرآن پڑھ کر پھونک ماری جائے گی یا اس کے ساتھ تھتکارا جائے گا؟ فرمایا: اس

1۔ جامع ترمذی، کتاب التفسیر، سورۂ معوذتین، جلد 2، صفحہ 172۔ ایضاً، حدیث نمبر 3288، ضیاء القرآن پبلی کیشنز

2۔ شارحین نے اس کی تعبیر یہ کی ہے جو دور جاہلیت کے تعویذ کرتا ہے اس کا یہ حکم ہے اور جو قرآن اور اسماء الٰہیہ سے تعویذ کرتا ہے وہ اس حکم سے خارج ہے۔

3۔ سنن نسائی، المحاربة السحرة، جلد 2، صفحہ 171

میں سے کوئی چیز بھی نہیں بلکہ تو اسے اس طرح پڑھے گا۔ پھر بعد میں کہا: اگر چاہے تو تھتھکار لے۔

امام محمد بن سیرین سے اس تعویذ کے بارے میں پوچھا گیا جس میں تھتھکارا جاتا ہے؟ فرمایا: میں تو اس میں کچھ حرج نہیں پاتا۔ جس میں علماء اختلاف کریں تو ان میں فیصلہ کرنے والی چیز سنت ہوگی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعویذ میں تھتھکارا کرتے تھے (1)؛ اسے ائمہ نے ذکر کیا ہے میں نے اسے سورت کے آغاز میں اور سبحان کی وضاحت میں ذکر کیا ہے۔

حضرت محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اس کا ہاتھ جل گیا اس کی ماں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لائی آپ اس کو تھتھکارنے لگے اور کوئی کلام پڑھنے لگے ان کا خیال ہے وہ اس کلام کو یاد نہ رکھ سکے۔ محمد بن اشعث نے کہا: مجھے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں لایا گیا جب کہ میری آنکھوں میں تکلیف تھی انہوں نے مجھے دم کیا اور تھتھکارا (☆)۔

عکرمہ سے جو یہ قول مروی ہے کہ دم کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ تھتھکارے گویا وہ اس طرف اس لیے گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے گرہوں میں تھتھکارنے والوں کو ان میں شمار کیا ہے جن سے پناہ مانگی جاتی ہے اس وجہ سے اس کے ساتھ دم نہیں ہونا چاہیے۔ بات اس طرح نہیں کیونکہ جب گرہوں میں تھتھکارنا مذموم ہے تو یہ لازم نہیں آتا کہ گرہوں کے بغیر تھتھکارنا بھی مذموم ہو، کیونکہ گرہوں میں تھتھکارنے سے مراد ایسا جادو ہے جو روحوں کو تکلیف دیتا ہے جب کہ یہ تھتھکارنا تو بدنوں کی اصلاح کے لیے ہے اس لیے جو چیز نفع دیتی ہے اسے نقصان دہ چیز پر قیاس نہیں کیا جا سکتا جہاں تک عکرمہ کا یہ کہنا ہے کہ ہاتھ پھیلانا مکروہ ہے تو یہ قول خلاف سنت ہے۔ حضرت علی شیر خدا کا فرمان ہے: میں بیمار ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے پاس تشریف لائے میں کہہ رہا تھا: اے میرے اللہ! اگر میری موت کا وقت آچکا ہے تو مجھے راحت عطا کر اگر ابھی وہ وقت دور ہے تو مجھے شفا دے اور مجھے عافیت عطا کر (2)، اگر یہ آزمائش ہے تو مجھے صبر عطا کر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو نے کیسی بات کہی؟'' میں نے وہ بات دہرا دی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ مجھ پر پھیرا۔ پھر فرمایا: ''اے اللہ! اسے شفا دے'' وہ درد پھر مجھے کبھی نہ ہوا۔

عبداللہ بن عمرو، عبدالرحمٰن بن سابط، عیسیٰ بن عمرو اور رویس نے یعقوب سے نافثات نقل کیا ہے یہ فاعلات کا وزن ہے۔ عبداللہ بن قاسم جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ کچھ عورتوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گیارہ گرہوں پر جادو کیا (3)۔ اللہ تعالیٰ نے معوذتین کو نازل فرمایا جس میں گیارہ آیات ہیں۔ ابن زید نے کہا: وہ عورتیں یہودی تھیں۔ ایک قول یہ کیا گیا: وہ لبید بن اعصم کی بیٹیاں تھیں۔

حسد اور رشک

مسئلہ نمبر 8۔ وَ مِنۡ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ۠ سورۃ النساء میں حسد کی بحث گزر چکی ہے اس کا مطلب یہ ہے اگر حاسد کو ایسی نعمت میسر نہیں ہوتی تو محسود سے اس نعمت کے زوال کی تمنا کرتا ہے۔ **منافسہ** (رشک) کا معنی ہے اس جیسی نعمت

1۔ شعب الایمان، تعظیم القرآن، فضائل السور والآیات، جلد 2، صفحہ 513

2۔ الطبقات الکبری، جلد 2، صفحہ 215

3۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 538

☆ مصنف ابن ابی شیبہ، جلد 7، صفحہ 44

کی آرزو کرتا ہے اگر چہ وہ زائل نہ ہو۔ پس حسد مذموم برائی ہے منافسہ مباح ہے یہی رشک ہے نبی کریم ﷺ سے مروی ہے کہ "مومن رشک کرتا ہے اور منافق حسد کرتا ہے" (1) صحیحین میں ہے: لاحسد إلا في اثنتين (2) دو آدمیوں کے سوا کسی میں رشک نہیں ہونا چاہیے۔ سورۃ النساء میں یہ بحث پہلے گزر چکی ہے۔ الحمد للہ۔

میں کہتا ہوں: علماء نے کہا حاسد نقصان نہیں دیتا مگر جب اس کا حسد فعل یا قول سے ظاہر ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ حسد اسے محسود کو تکلیف دینے پر برانگیختہ کرتا ہے وہ محسود کے گناہوں کی تلاش میں رہتا ہے اور اس کی لغزشوں کا طالب ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: إذا حسدت فلا تبغ یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔ حسد وہ پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ آسمانوں میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی گئی اور پہلا گناہ ہے جس کے ساتھ زمین میں اس کی نافرمانی کی گئی۔ ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کیا، قابیل نے حضرت ہابیل سے حسد کیا۔ حاسد ایسا فرد ہے جس پر ناراضگی کی جاتی ہے، اس سے بغض رکھا جاتا ہے، اسے رحمت سے دھتکارا جاتا ہے اور نوازشات سے دور رکھا جاتا ہے۔ جس نے کہا کتنا ہی اچھا کہا:

قل للحسود إذا تَنَفَّس طَعْنَةً یاظالما وکأنَّهٗ مَظْلُوْمُ

حاسد سے طعنہ کے طور پر کہہ دو جب وہ سانس لے۔ اے ظالم! گویا وہ مظلوم ہے۔

ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر

مسئلہ نمبر 9۔ یہ سورت اس پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ شر کا بھی خالق ہے اور اس نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ وہ ہر شئی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ اور فرمایا: مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ اس کا خاتمہ حسد پر کیا مقصود اس کی عظمت اور زیادہ نقصانات پر آگاہ کرنا ہے حاسد اللہ تعالیٰ کی نعمت کا دشمن ہے۔ ایک حکیم نے کہا: حاسد نے پانچ وجوہ سے اپنے رب کو دعوت مبارزت دی: (۱) اس نے ہر اس نعمت سے بغض کیا جو کسی اور پر ظاہر ہوئی (۲) وہ اپنے رب کی تقسیم پر ناراض ہوا۔ گویا حاسد یہ کہتا ہے: یہ تقسیم کیوں کی گئی؟ (۳) اس نے اللہ تعالیٰ کے فعل کی مخالفت کی، یعنی اللہ تعالیٰ تو جسے چاہتا ہے اپنے فضل سے نوازتا ہے جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل پر بخل کرتا ہے (۴) اس نے اللہ تعالیٰ کے اولیاء کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا وہ ارادہ کرتا ہے کہ انہیں بے یار و مددگار چھوڑا جائے اور ان سے نعمت زائل ہو جائے (۵) اس نے اللہ کے دشمن ابلیس کی مدد کی۔ ایک قول یہ کیا گیا: حاسد مجلس میں شرمندہ ہوتا ہے اور ملائکہ سے بغض اور لعنت پاتا ہے وہ تنہائی میں خوف اور غم پاتا ہے، آخرت میں حزن اور جلنا پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بعد اور ناراضگی کے بغیر کچھ نہیں پاتا۔ روایت بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "تین افراد ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی حرام خور، زیادہ رغبت کرنے والا، جس کے دل میں مسلمانوں کے لیے کینہ یا حسد ہو" (3)۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 538 2۔ جامع ترمذی، البر والصلۃ، ما جاء فی الحسد، جلد 2، صفحہ 15

3۔ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعا، باب فی الادعیۃ، جلد 2، صفحہ 350

سورۃ الناس

(آیاتہا ۶) (۱۱۴ سورۃ الناس مکیۃ ۲۱) (رکوعہا ۱)

یہ بھی سورۂ فلق کی طرح ہے کیونکہ یہ معوذتین میں سے ایک ہے۔ امام ترمذی نے حضرت عقبہ بن عامر جہنی سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر ایسی آیات نازل کی ہیں جن کی مثل کو نہیں دیکھا گیا۔ قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ ''(1)۔

امام ترمذی نے کہا: یہ حدیث حسن صحیح ہے، اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝

''(اے حبیب!) عرض کیجئے: میں پناہ لیتا ہوں انسانوں کے پروردگار کی، سب انسانوں کے بادشاہ کی، سب انسانوں کے معبود کی''۔

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ رب سے مراد لوگوں کے مالک اور ان کے امور کی اصلاح کرنے والا ہے۔ یہ ذکر کیا گیا ہے کہ وہ رب الناس ہے حالانکہ وہ تمام مخلوق کا رب ہے اس کی دو وجہیں ہیں: (۱) کیونکہ انسان بڑے باعظمت ہیں انسانوں کے ذکر سے یہ بتایا کہ وہ انسانوں کا بھی رب ہے اگرچہ وہ بڑے عظیم ہیں (۲) ان کے شر سے پناہ چاہنے کا حکم ہے ان کے ذکر سے یہ بتایا کہ انسانوں کے شر سے اللہ تعالیٰ ہی پناہ دیتا ہے۔

مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ لوگوں میں بادشاہ بھی ہیں اللہ تعالیٰ یہ ذکر کرتا ہے کہ وہ ان بادشاہوں کا بھی بادشاہ ہے۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر کیا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کا معبود اور الٰہ ہے اور اس سے پناہ طلب کرنی چاہیے اور اس کی پناہ لینی چاہیے نہ کہ دوسرے بادشاہوں اور عظماء کی پناہ لینی چاہیے۔

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝

''بار بار وسوسہ ڈالنے والے بار بار پسپا ہونے والے کے شر سے''۔

یعنی شیطان کے شر سے۔ معنی ہے وسواس والے کے شر سے۔ مضاف کو حذف کر دیا گیا؛ یہ فراء کا قول ہے۔ وسواس واؤ کے فتحہ کے ساتھ اسم کے معنی میں ہے یعنی وسوسہ کرنے والا۔ اور واؤ کے کسرہ کے ساتھ یہ مصدر ہے اس سے مراد وسوسہ ہے اسی طرح زَلزال اور زِلزال ہے وسوسہ سے مراد دل کی بات ہے۔ یوں اس کا باب ذکر کیا جاتا ہے **وسوست الیہ نفسہ**

1۔ جامع ترمذی، فضائل القرآن، باب ما جاء فی المعوذتین، جلد 2، صفحہ 114

وَسوسة وِوِسواس شکاری اور کتوں کی آہٹ اور زیورات کی آوازوں کو وسواس کہتے ہیں۔

اعشٰی نے کہا:

تسمع للحلی وَسْواسا إذا انصرفت

جب وہ واپس جاتی ہے تو تو زیورات کی ہلکی آواز کو سنتا ہے۔

ایک قول یہ کیا گیا ہے: وسواس خناس ابلیس کے بیٹے کو کہتے ہیں وہ اسے حضرت حواء کے پاس لے آیا اور اسے اس کے سامنے رکھا اور کہا: اس کی کفالت کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام تشریف لائے پوچھا: اے حواء! یہ کیا ہے؟ حضرت حواء نے کہا: ہمارا دشمن یہ لایا ہے اس نے مجھ سے کہا: اس کی کفالت کیجئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا: میں نے تجھے کہا نہیں تھا اس کی کسی بات میں اطاعت نہ کریں اس نے ہمیں دھوکہ میں ڈالا یہاں تک کہ ہم معصیت میں واقع ہو گئے۔ حضرت آدم علیہ السلام بچے کی طرف بڑھے اس کے چار ٹکڑے کیے اور ہر چوتھائی حصہ کو ایک درخت کے ساتھ لٹکا یا وجہ اس پر ناراضگی وغصہ تھا ابلیس آیا اس نے پوچھا: اے حواء! میرا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا حضرت حواء نے اس کو بیان کر دیا۔ ابلیس نے کہا: اے خناس۔ وہ زندہ ہو گیا اور ابلیس کو جواب دیا ابلیس اسے لے کر حضرت حواء کے پاس لایا اور کہا: اس کی کفالت کیجئے حضرت آدم علیہ السلام آئے اور اس بچے کو آگ کے ساتھ جلا دیا اور اس کی راکھ کو سمندر میں ڈال دیا۔ ابلیس آیا اس نے پوچھا: اے حواء! میرا بیٹا کہاں ہے؟ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے ساتھ جو کیا تھا وہ بتا دیا۔ ابلیس سمندر کی طرف گیا کہا: اے خناس! وہ زندہ ہو گیا اور آواز پر لبیک کہی وہ تیسری دفعہ اسے حضرت حواء کے پاس لایا اور کہا: اس کی کفالت کرنا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اسے دیکھ لیا اسے ذبح کیا اور اسے بھونا پھر دونوں نے اسے کھایا۔ ابلیس آیا اس نے حضرت حواء سے پوچھا: حضرت حواء نے اسے سب بتا دیا اس نے کہا: اے خناس! وہ زندہ ہو گیا اور اس کی آواز پر لبیک کہی اور ابلیس اسے حضرت آدم اور حضرت حواء کے پیٹ سے لے آیا ابلیس نے کہا: اس چیز کا میں نے ارادہ کیا تھا حضرت آدم علیہ السلام کے سینہ میں ہی تیرا مسکن ہے وہ انسان کے دل کو لقمہ بنائے رکھتا ہے جب تک انسان غافل رہتا ہے جب انسان اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے وہ اس کے دل کو پھینک دیتا ہے اور ابلیس پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ یہ واقعہ حکیم ترمذی نے ''نوادر الاصول'' میں وہب بن منبہ کی سند سے نقل کیا ہے میں اسے صحیح گمان نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ اس کی صفت خناس سے لگائی گئی ہے کیونکہ یہ بہت زیادہ چھپا رہتا ہے۔ اس معنی میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے: فَلَآ أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ (التکویر) اس سے مراد ستارے ہیں جو ظاہر ہونے کے بعد چھپ جاتے ہیں۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: جب بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے یہ جملہ بولا جاتا ہے: خَنَسْتُهٗ فَخَنَسَ میں نے اسے پیچھے کیا تو وہ پیچھے ہو گیا۔ أخنسته کا معنی بھی یہی ہے اسی معنی میں ابو العلاء حضرمی کا قول ہے:

وإنْ دَحَسُوا بالشَّرِ فاعْفُ تكرما وإنْ خَنَسُوا عندَ الحديث فلا تَسَلْ

اگر وہ شر کے ذریعے فساد برپا کریں تو از روئے بزرگی انہیں معاف کر دیں اور اگر وہ گفتگو کے وقت پیچھے ہٹ جائیں تو

آپ ان کی باز پرس نہ کریں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّ الشيطانَ واضعٌ خَطْمه على قلب ابن آدم فإذا ذكر اللهَ خَنَس وإذا نَسِي الله التقم قلبَه فوسوس (1) شیطان اپنی ناک انسان کے دل پر رکھے ہوئے ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کو بھول جائے تو اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے اور اس میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا: اللہ جب بندے (2) کا ذکر کرتا ہے تو شیطان اس کے دل سے پیچھے ہٹ جاتا ہے اور چلا جاتا ہے اور جب بندہ غافل ہوتا ہے تو اس کے دل کو لقمہ بنالیتا ہے تو اسے آرزو بھی دلاتا ہے۔ ابراہیم تیمی نے کہا: وسوسہ ڈالنے والا اپنے عمل کا آغاز وضو سے کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: اسے خناس اس لیے کہتے ہیں کیونکہ بندہ جب اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہوتا ہے تو وہ شیطان لوٹ آتا ہے۔ خنس کا معنی لوٹنا ہے اس شعر میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے:

وصاحبِ يَمْتَعِسُ إمتِعاسا يزدادُ إن حَيَّيْتُهُ خِناسا

ابن جبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ الْوَسْوَاسِ ۬ الْخَنَّاسِ میں دو توجیہیں ہیں: (۱) وہ وسوسہ کے ذریعے ہدایت سے پھیرنے والا ہے (۲) وہ وسوسہ کے ذریعے یقین سے لوٹانے والا ہے۔

الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

''جو وسوسہ ڈالتا رہتا ہے لوگوں کے دلوں میں''۔

مقاتل نے کہا: شیطان خنزیر کی صورت میں ہوتا ہے وہ انسان میں یوں دوڑتا ہے جس طرح رگوں میں خون دوڑتا ہے اللہ تعالیٰ نے اسے اس امر پر تسلط عطا کیا ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے یہی مقصود ہے۔

صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ ''شیطان انسان میں خون کے دوڑنے کی طرح دوڑتا ہے'' (3) مقاتل نے جو کہا یہ حدیث اسے صحیح ثابت کرتی ہے۔ شہر بن حوشب نے ابوثعلبہ خشنی سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے التجا کی کہ وہ مجھے شیطان دکھائے اور ابن آدم جو اس کا مکان ہے وہ مجھے دکھائے میں نے اسے دیکھا اس کے ہاتھ انسان کے ہاتھوں میں ہیں اس کے پاؤں انسان کے پاؤں میں ہیں، اس کے راستے انسان کے جسم میں ہیں مگر اس کی ناک ہے جو کتے کی ناک کی طرح ہے انسان جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے ہٹ جاتا ہے اور چھپ جاتا ہے جب وہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خاموش ہوتا ہے تو شیطان اس کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ابوثعلبہ نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کے مطابق شیطان انسان کے جسم میں منتشر ہوتا ہے اور انسان کے ہر عضو میں اس کا ایک حصہ ہوتا ہے۔

1۔ الترغیب والترہیب، جلد 2، صفحہ 373، حدیث 2217

2۔ مسودہ میں یہ لفظ اللہ اسم جلالت پر پیش اور لفظ العبد پر زبر موجود ہے اس لیے یہ ترجمہ کیا گیا۔

3۔ شعب الایمان، فی تحریم أعراض الدنیا، جلد 5، صفحہ 322

عبدالرحمن بن اسود اور ایک اور تابعی سے مروی ہے جب کہ وہ بوڑھے ہو چکے تھے: میں بدکاری سے امن میں نہیں ہوں اور مجھے کوئی اطمینان نہیں کہ شیطان اس کی شرمگاہ میں داخل ہو جائے اور اس میں کیل ٹھونک دے۔ یہ قول تجھے متنبہ کرتا ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں منتشر ہوتا ہے۔ مقاتل کے قول کا بھی یہی معنی ہے۔ اس کے وسوسہ سے مراد یہ ہے وہ مخفی کلام کے ذریعے اپنی طاعت کی طرف بلاتا ہے آواز سنے بغیر اس کا مفہوم اس کے دل تک جا پہنچتا ہے۔

مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ ۝

''خواہ وہ جنات میں سے ہو یا انسانوں میں سے''۔

یہ بتایا کہ وسوسہ ڈالنے والا کبھی لوگوں میں سے ہوتا ہے۔ حضرت حسن بصری نے کہا: یہ دونوں شیطان ہیں جہاں تک جنوں کے شیطان کا تعلق ہے وہ لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے جہاں تک انسانوں کے شیطان کا تعلق ہے وہ علانیہ اس کے پاس آتا ہے۔ قتادہ نے کہا: جنوں میں سے شیاطین ہوتے ہیں اور انسانوں میں سے شیاطین ہوتے ہیں انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ انہوں نے ایک آدمی سے کہا: کیا تو نے انسانوں اور جنوں کے شیاطین سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہی ہے؟ اس نے پوچھا: کیا انسانوں میں سے بھی شیاطین ہوتے ہیں؟ فرمایا: ہاں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ (الانعام: 112)(1) اسی طرح ہم نے بنایا ہر نبی کے لیے انسانوں اور جنوں کے شیاطین کو دشمن۔ ایک قوم اس طرف گئی ہے کہ یہاں ناس سے مراد جن ہیں انہیں ناس اس طرح نام دیا گیا ہے جس طرح انہیں رجال قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَّ اَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ (الجن: 6) اس طرح انہیں قوم اور نفر کا نام بھی دیا۔ اس تعبیر کی بنا پر النَّاسِ کا عطف الْجِنَّةِ پر ہے یہاں تکرار الفاظ کے ساتھ اختلاف کی وجہ سے ہے۔ ایک عرب سے یہ ذکر کیا گیا اس نے کہا جب کہ وہ ایک واقعہ بیان کر رہا تھا: جاء قوم من الجن فوقفوا فقیل من انتم؟ فقالوا ناس من الجن جنوں کی ایک قوم آئی وہ آ کر کھڑی ہوگئی ان سے پوچھا گیا: تم کون ہو؟ انہوں نے کہا: ہم جنوں میں سے ناس ہیں؛ یہی فراء کے قول کا معنی ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا: وسواس سے مراد شیطان ہے اور مِنَ الْجِنَّةِ یہ اس امر کی وضاحت ہے کہ وہ جنوں میں سے ہیں اور الناس کا عطف الوسواس پر ہے معنی یہ ہو گا کہہ دیجئے: میں وسواس کے شر سے لوگوں کے رب کی پناہ چاہتا ہوں جو جنوں میں سے ہے اور لوگوں کے شر سے بھی پناہ چاہتا ہوں۔ اسی وجہ سے مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ انسانوں اور جنوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ چاہے۔ جنة یہ جنی کی جمع ہے جس طرح انس اور انسی کہا جاتا ہے ھاء جماعت کی تانیث کے لیے ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا ہے: ابلیس جنوں کے سینوں میں یوں وسوسہ اندازی کرتا ہے جس طرح لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ اس تعبیر کی بنا پر فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ تمام کے لیے عام ہے اور مِنَ الْجِنَّةِ وَ النَّاسِ اس کا بیان ہے جو اس کے سینے میں وسوسہ اندازی کرتا ہے۔ ایک قول یہ کیا گیا

1۔ المحرر الوجیز، جلد 5، صفحہ 540

ہے: مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ کا معنی وہ وسوسہ ہے جو جنوں اور لوگوں کی جانب سے ہوتا ہے۔ یہ حدیث نفس ہے نبی کریم ﷺ سے یہ حدیث ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اِنّ اللہ عزّوجلّ تَجَاوزَ لِاُمَّتِی عما حدثت به أنفسها مالم تعمل أو تتکلم به (1) اللہ تعالیٰ نے میری امت کے اس فعل سے درگزر فرمایا ہے جو اس کے دل میں وسوسہ پیدا ہوتا ہے جب تک وہ اس کے مطابق عمل نہ کرے یا اس کے مطابق گفتگو نہ کرے؛ اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا، اسے امام مسلم نے روایت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مراد بہتر جانتا ہے۔

الحمدللہ آج مورخہ 31 مئی 2007ء بروز جمعرات بعد از نماز ظہر اس جز کا ترجمہ اختتام پذیر ہوا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ اقدس میں نیازمندانہ التجا ہے کہ وہ اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے طفیل مجھ ناچیز پر اپنی توفیقات و نوازشات کا سلسلہ جاری رکھے جس طرح اس نے پہلے ہمت عطا فرمائی آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رکھنے کا حوصلہ عطا فرمائے میرے اساتذہ قبلہ محمد خان نوری مدظلہ، قبلہ ملک عطا محمد صاب مدظلہ کو صحت و سلامتی سے رکھے اور قبلہ قاضی محمد ایوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔ میرے والدین پر کرم نوازی فرمائے۔

محمد بوستان عفی عنہ

1۔ صحیح مسلم، سورۃ الناس، جلد 2، صفحہ 1034-1033